www.KitaboSunnat.com

تفسیر

أحسن الکلام

للشیخ أبی زکریا سید عبد السلام الرستمی

ترجمہ و تخریج

نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد پنجم

سورۃ روم تا سورۃ نجم

مکتبہ محمدیہ
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

حقوق طبع محفوظ ہیں

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر

أحسن الكلام

للشيخ أبي زكريا سيد عبد السلام الرستمي رحمه الله

ترجمہ وتخریج

نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد پنجم

سورۃ روم تا سورۃ نجم

مکتبہ محمدیہ

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0343-5302948

(تمام جملہ حقوق محفوظ ہیں)

کتاب کا نام	:	تفسیر حسن الکلام
مصنف	:	شیخ القرآن سید عبد السلام رستمی رحمہ اللہ
مترجم	:	شیخ نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی حفظہ اللہ
اشاعت اول	:	2021
ملنے کا پتہ	:	مکتبہ محمدیہ نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0300-2615407 - 0347-5114825

جامعہ عربیہ لاشاعۃ التوحید والسنۃ پڈھ بیر پشاور۔0313-8580079

اسکے علاوہ پاکستان کے ہر بڑے شہر کے معروف مکتبہ سے حاصل کریں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1.	سورۃ الروم:	1
2.	سورۃ کا عنوان	1
3.	رومیوں اور فارسیوں کی جنگ	2
4.	قرآن کی سچائی، سات سال بعد روم والے غالب ہوئے	2
5.	بضع کا اطلاق 3 سے 10 تک	3
6.	مثال کے ذریعے توحید کا درس	12
7.	ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے	13
8.	ربٰو اور زکوٰۃ میں فرق	17
9.	مسئلہ سماع موتیٰ تفصیل کے ساتھ ذکر ہے	22
10.	تخلیق انسانیت	27
11.	اس سورۃ کی خصوصیات	29
12.	سورۃ لقمان	30
13.	سورۃ کا عنوان	30
14.	باپ بیٹے کے حقوق	35
15.	آٹھ عقلی دلائل	38
16.	باپ دادا کی تقلید دین کیلئے رکاوٹ ہے	39
17.	غیب کی چابیاں	45
18.	اس سورۃ کی خصوصیات	45
19.	سورۃ سجدہ	46
20.	سورۃ کا عنوان	46
21.	اہل ایمان و اہل کفر کے تقابل کا ذکر	53
22.	سورۃ کی خصوصیات	57
23.	سورۃ الاحزاب	58
24.	سورۃ کا بنیادی عنوان	58
25.	سورۃ کے شان نزول میں کچھ تفصیل	59
26.	ایک دل میں دو الگ عقیدے جمع نہیں ہو سکتے	60
27.	منہ بولا بیٹا حقیقی نہیں	60
28.	نبی ایمان ﷺ والوں پر ان کے نفسوں سے زیادہ مہربان ہیں	61
29.	جنگ خندق کا تذکرہ	63
30.	منافقین کی 14 قباحتوں کا تذکرہ	65
31.	رسول کی زندگی میں نمونہ کسطرح ہے	69
32.	ایمان والوں کی استقامت کا ذکر اور وعدوں کی پاسداری	70
33.	نبی کریم ﷺ سے خطابات اور آپ کی 9 بیویوں کا تذکرہ	73
34.	ازواج مطہرات سے خطاب	74
35.	ایمان والوں کیلئے بشارت	79
36.	قرآن مجید میں صحابہ کرام ؓ میں سے صرف زیدؓ کا نام اور انکا واقعہ نام کے ساتھ درج ہے	81
37.	نبی ﷺ پر اعتراض کا جواب	84
38.	نبی ﷺ خاتم النبیین ہیں	85
39.	نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی ہے	88
40.	نبی ﷺ کیلئے وسعت اور خصوصیت	89

41.	ایمان والوں سے آٹھ نواہی اور اوامر کے ساتھ خطاب	93
42.	پردے کا شرعی حکم	97
43.	آٹھ طریقوں سے خوفِ آخرت کا تذکرہ	99
44.	نبی ﷺ کو ایذاء سے منع	100
45.	احزاب کی خصوصیات	102
46.	سورۃ سباء	104
47.	سورۃ کا مرکزی عنوان	104
48.	داؤد اور سلیمان علیہم السلام کا واقعہ	109
49.	سلیمان علیہ السلام کیلئے جنوں کا تابع ہونا	111
50.	یہ نبی قیامت تک کیلئے رہنما ہیں	120
51.	اس سورۃ کی خصوصیات	130
52.	سورۃ فاطر	131
53.	سورۃ کا مرکزی عنوان	131
54.	ردِ شرک فی الدعاء	139
55.	مردے اور زندے برابر نہیں ہو سکتے	142
56.	علماء کی تین اقسام	144
57.	قرآن والوں کے تین درجات کا تذکرہ	146
58.	اس سورۃ کی خصوصیات	152
59.	سورۃ یٰس	153
60.	سورۃ کا عنوان	153
61.	نیک اعمال موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں	157

62.	اچھے اور برے حالات اپنے اعمال سے آتے ہیں	159
63.	توحید کی دعوت کا احسن طریقہ رجل مؤمن سے حاصل کریں	160
64.	رجل مؤمن کا قتل	161
65.	اہلِ شرک و کفر کی ایمان والوں سے عداوت	168
66.	خاص تفسیری نکات	173
67.	شفاعت شرکیہ کی تردید کرے	175
68.	سورۃ کی خصوصیات	178
69.	سورۃ صٰفّٰت	179
70.	16 انعامات کی بشارت	186
71.	آخرت کا خوف و عذاب	189
72.	ابراہیم علیہ السلام کی قربانی	196
73.	اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ کے ذریعہ اللہ نے ابراہیم سے آزاد کیا	198
74.	قرعہ اندازی جائز ہے؟	203
75.	اس سورۃ کی خصوصیات	210
76.	سورۃ ص	211
77.	عقیدہ توحید سے تعجب کہ سارے کام ایک اللہ کریگا؟	213
78.	نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی	217
79.	داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کی تسبیح	218
80.	داؤد علیہ السلام کی نفی علم غیب اور اس پر امتحان کا تذکرہ	219

.81	فائدہ : داؤد علیہ السلام پر جھوٹا الزام اور آٹھ توجیہات سے انکا جواب	223
.82	لفظ خلیفہ کا استعمال	223
.83	سلیمان علیہ السلام کی اچھی صفات کا تذکرہ اور ان کا امتحان	226
.84	ایوب علیہ السلام کی بیماری	233
.85	متقین کیلئے انعامات	237
.86	مخالفین کیلئے وعید	239
.87	سورۃ کی خصوصیات	244
.88	سورۃ زمر	245
.89	سورۃ کا عنوان	245
.90	مومن کی نشانی اور ذمہ داری اور پانچ صفات	251
.91	قرآن مجید کی 7 صفات	258
.92	عذاب سے بچاؤ کا طریقہ	261
.93	نفس اور روح میں فرق کی تشریح	266
.94	اس سورۃ کی خصوصیات	281
.95	سورۃ مومن	282
.96	اس سورۃ کا مرکزی عنوان	283
.97	ایمان والوں کیلئے ملائکہ کی دعاء	286
.98	جہنم والوں کا افسوس	288
.99	فرعون ناکام ہوا	294
.100	موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگے	294
.101	رجل مومن کا قصہ	296
.102	قول علی رضی اللہ عنہ کہ ابو بکرؓ اس رجل مومن سے بہت اعلیٰ ایمان والے تھے۔ انہوں نے اپنا مال وجان نبی ﷺ پر قربان کیا	297
.103	فرعون کا دھوکہ	301
.104	قبر کا عذاب قرآن وسنت سے ثابت ہے	304
.105	خلقت انسان	312
.106	خصوصیات سورۃ	318
.107	سورۃ حم سجدہ	319
.108	سورۃ کا بنیادی عنوان	320
.109	اللہ بندے کے گمان کے ساتھ ہے	328
.110	قرآن سے اعراض اس کے مقابل شور شغب کفار کا طریقہ ہے	331
.111	استقامت کی متعلق صحابہ کرام کے اقوال	333
.112	چاند و سورج کی بندگی	337
.113	سورۃ کی خصوصیات	345
.114	سورۃ شوریٰ	346
.115	سورۃ کا عنوان	346
.116	عالم کی تباہی شرک کی وجہ سے ہے	348
.117	اللہ کی مثل کوئی نہیں	351
.118	آئمہ کرام شریعت بیان کرنے والے ہیں بنانے والے نہیں	358
.119	اولاد نرینہ ہو یا زنانہ یا کسی کو بانجھ کرنا ہو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے	372

.120	وحی الٰہی کے طریقے	372
.121	اس سورۃ کی خصوصیات	374
.122	سورۃ زخرف	375
.123	سورۃ کا عنوان	375
.124	قرآن میں لفظی اور نفسی بحث بدعی ہے	377
.125	قرآن کا نزول مکہ اور طائف میں کسی بڑے مالدار پر کیوں نہیں ہوا	385
.126	دین سے اعراض کا نتیجہ شیطان کی دوستی ہے	388
.127	فرعون دعوت موسیٰؑ سے خوفزدہ تھا	394
.128	عیسیٰؑ کا نزول علامت قیامت ہے	397
.129	مشہور شبہ کا ازالہ	405
.130	سورۃ کی خصوصیات	407
.131	سورۃ دخان	408
.132	سورۃ کا عنوان	408
.133	شعبان کے متعلق منگھڑت روایات	410
.134	دخان کی تشریح	412
.135	مجرموں کی سزا	419
.136	زقوم وغیرہ	420
.137	سورۃ کی خصوصیات	422
.138	سورۃ جاثیہ	423
.139	سورۃ کا مرکزی عنوان	423
.140	6 بری صفات اور 6 قسم کے عذاب	427
.141	زمانہ کو برا مت کہو	433
.142	سورۃ کی خصوصیات	437
.143	سورۃ احقاف	438
.144	سورۃ کا مرکزی عنوان	438
.145	یہ معبودان کی پکار سے غافل ہیں اور قیامت کے دن انکار بھی کریں گے	440
.146	بدعت کی تشریح	443
.147	والدین کے فرمانبردار اور نافرمان دونوں کا تذکرہ ہے	446
.148	سورۃ کی خصوصیات	460
.149	سورۃ محمد	461
.150	سورۃ کا مرکزی عنوان	461
.151	جنت کی نہروں کا تذکرہ جو کہ چار ہیں	468
.152	بزدلی سے اجتناب کا حکم ہے	479
.153	سورۃ کی خصوصیات	482
.154	سورۃ فتح	483
.155	سورۃ کا مرکزی عنوان	483
.156	بیعت رضوان کا واقعہ	490
.157	جنگ سے بندش میں حکمت الٰہی	498
.158	کلمہ تقویٰ سے مراد لا الہ الا اللہ	501
.159	رسول کریم اور اصحاب رسول کی عظیم صفات	504
.160	سورۃ کی خصوصیات	508
.161	سورۃ حجرات	509
.162	سورۃ کا عنوان	509
.163	آداب معاشرہ	510

164.	صحابہ کرامؓ کے دلوں کا تقویٰ کیلئے امتحان	513
165.	قرآن میں ظن 69 مرتبہ مختلف صیغوں سے وارد ہے	513
166.	عزت صرف تقویٰ میں ہے	526
167.	قوم قبیلہ صرف تعارف کیلئے ہیں	526
168.	حقیقی ایمان اور زبانی ایمان میں فرق	529
169.	اس سورۃ کی خصوصیات	532
170.	سورۃ ق	533
171.	اس سورۃ کی خصوصیات	556
172.	سورۃ ذاریات	557
173.	اس سورۃ کی خصوصیات	576
174.	سورۃ طور	577
175.	مرکزی عنوان	577
176.	بیت معمور	578
177.	ماں باپ اولاد اور جن سے محبت ہوگی جنت میں اکٹھا کیا جائیگا	581
178.	اس سورۃ کی خصوصیات	589
179.	سورۃ نجم	590
180.	مرکزی عنوان	590
181.	نبی ﷺ کی ملاقات جبرئیل سے اصل صورت میں ہوئی تھی جن کے 600 پر تھے	592
182.	عرب کے بتوں کا ذکر	596
183.	بڑے گناہوں سے اجتناب	601
184.	شعریٰ تارے کی عبادت کی گئی	607
185.	اس سورۃ کی خصوصیات	610

اٰیاتھا ۶۰ | ۳۰ سورۃ الروم مکیۃ ۸۴ | رکوعاتھا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾

''اس کے معنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے[1] کمزور کئے گئے رومی[2] قریب زمین میں اور مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے[3] چند سالوں میں، اللہ ہی کے لئے اختیارات ہیں پہلے بھی اور بعد میں بھی[4]۔

ربط: اس سورت کا ماقبل سے ربط کئی وجوہ سے ہے۔(۱) گزشتہ سورت میں جہاد کا ذکر تھا تو اسمیں نتیجہ مذکور ہے جو کہ انقلاب ہے۔(۲) گزشتہ سورۃ میں جہاد کی ترغیب تھی تو اس سورۃ میں نصرت الٰہی کی ذریعے خوشخبری ہے۔(۳) گزشتہ سورۃ میں مسئلہ جہاد کا ذکر تھا تو اسمیں جہاد اور اثبات توحید کے لئے عقلی دلائل کا ذکر ہے۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اللہ تعالیٰ نے توحید والوں سے امداد کا وعدہ انقلاب لانے کی صورت میں کیا اور اس دعوے کا اثبات رومیوں کی مثال سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت انقلابی حالات پر دلیل ہے اور اسی طرح توحید کا اثبات عقلی دلائل اور ایک مثال ذکر کرنے کے ذریعے ہے۔ اور شرک کی اقسام کا رد ہے شرک فی التصرف شرک فی الدعا اور شفاعت قہریہ کا رد ہے۔

سورت کا خلاصہ: اس سورت میں تین ابواب ہیں۔ پہلا باب آیت 19 تک ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے مثال ذکر کی ہے کہ رومی فارس والوں پر مغلوب ہونے کے بعد غالب آئیں گے پھر سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون آیت 5 تک پھر چار زواجر ہیں پہلی زجر ان کی بے عملی پر آیت 4 میں دوسرا باب آخرت سے غافل ہونے پر آیت 7 میں تیسرا باب بعث بعد الموت کے انکار پر آیت 8 میں پھر عقلی دلائل چوتھا باب اپنی جانوں پر ظلم کرنا آیت 9 میں تخویف دنیاوی و اُخروی کا ذکر ہے آیت 10، 11، 12، 13، 14۔ آیت 10 میں دلیل عقلی آیت 11 میں بشارت اخروی آیت 10 میں ہے پھر تسبیح وتحمید کا ذکر ہے جو کہ توحید الٰہی ہے یعنی نصرت الٰہی کے حصول والوں کے لئے جو کہ سورت کا دعویٰ بھی ہے

آیت 17 اور آیت 18 میں۔

تفسیر: 1 یہ حروف مقطعات قرآن کے اعجاز پر دلیل ہے۔

تفسیر: 2، 3 یہ ایک مثال ہے جو سورت کے دعوے اور ایمان والوں کی تسلی اور فارس اور روم کی جنگ کی طرف اشارہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے زمانے میں یہ دو بڑی حکومتیں قائم تھیں اور انکی بہت بڑی مملکت تھی ایک فارس کا بادشاہ جس کو کسریٰ کہا جاتا تھا جن کی بادشاہت ایران افغانستان اور اکثر مشرقی ممالک پر تھی اور یہ مجوسی تھے نیز یہ اہل کتاب نہیں تھے بلکہ یہ آگ، سورج اور چاند ستاروں وغیرہ کی عبادت کرنے والے تھے یہ امیین تھے اور مشرکین عرب بھی انکے مثل تھے دوسرا بادشاہ روم کا تھا جسے ہرقل کہا جاتا تھا اکثر مغربی ممالک پر شام تک انکی بادشاہی تھی اور یہ نصاریٰ اہل کتاب تھے اور ان دونوں کے درمیان اکثر اوقات لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں لیکن ایک دفعہ فارس کے بادشاہ نے جسکا نام سابور تھا رومیوں سے لڑائی کے لئے بہت بڑے لشکر کو بھیجا اور بہت بڑی جنگ لڑی گئی جسمیں فارس والوں نے ان سے شام کا علاقہ اذرعات بصریٰ اور بلاد جزیرہ پر غلبہ حاصل کیا پھر رومی صرف روم اور قسطنطنیہ کی طرف جمع ہو گئے یہ خبر جب مشرکین مکہ نے سنی تو وہ بہت خوش ہوئے پھر انہوں نے ایمان والوں کے خلاف پروگرام بنایا اور کہا کہ ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آگئے قریب ہے کہ پھر ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور تمہارے دین کا خاتمہ کریں گے۔ اس بات پر ایمان والے بہت رنجیدہ ہوئے پھر رب ذوالجلال نے انکو تسلی دینے کے لئے ان آیتوں کا نزول فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ رومی اب مغلوب ہو گئے تھوڑے عرصے بعد یہ غالب آجائیں گے پھر ایسا ہی ہوا سات سال بعد بڑی جنگ ہوئی جسمیں رومی فارس والوں پر غالب آئے اور انکے مغلوب ہونے کا دن غزوہ بدر تھا جس میں مشرکین مکہ مغلوب اور ایمان والے غالب ہوئے لہذا مشرکین پر دو غم جمع ہوئے اور مسلمانوں پر دو خوشیاں آئیں فائدہ 1: یہ کھلی دلیل ہے کہ قرآن کریم اللہ کی سچی کتاب ہے کیونکہ یہ غیب کی خبریں دیتا ہے اور وہ پھر سچی واقع ہوتی ہیں۔ فائدہ 2: یہ بات معلوم ہوئی کہ دنیا میں بطور امتحان اللہ کافروں کی بھی مدد کرتا ہے۔ فائدہ 3: یہ صدق رسول پر دلیل ہے۔ فائدہ 4: اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے انقلابات لاتا ہے۔ فائدہ 5: معلوم ہوا اقوام عالم کی تاریخ اور جغرافیہ کا علم فہم قرآن سے تعلق رکھتا ہے۔ فائدہ 6: معلوم ہوا کہ نصرانی کافر اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کا اقرار کرتے ہیں اگرچہ انکے کفر کی اور وجوہات ہیں لیکن اس وجہ سے دشمنی میں کم ہے ان کافروں سے جو کہ غیر کتابی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود سے یا پھر لفظ توحید سے منکر ہوں یا پھر

سخت عنادی اور متعصب ہوں جیسے دہریہ، کمیونسٹ اور یہودی وغیرہ۔ تشریح: روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اولاد یعقوب بن اسحاق علیہم السلام (جنکو نبی اسرائیل کہا جاتا ہے) انکے چچیرے تھے۔ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ: یعنی رومیوں کی زمین جو عرب کے نزدیک ہے بنسبت فارس کے جو شام اور بصریٰ وغیرہ ہے۔ غَلَبِهِمْ: یہ مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی مَغْلُوْبِيَّتِهِمْ یا عبارت میں تقدیر ہے۔ غَلَبَتِهٖ فَارِسَ عَلَيْهِمْ

تفسیر: 4 بِضْعِ: عربی محاورہ میں تین سے نو یا دس تک عدد کو کہا جاتا ہے اس وجہ سے مفسرین نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ابی بن خلف الجمحی کے ساتھ جو واقعہ ذکر کیا ہے اسمیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے تین سال کی شرط لگائی پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا بِضْعِ کا اطلاق تین سے نو تک ہے تو انہوں نے سات سال کی شرط لگا دی سورۃ روم کی آیت کے نزول سے سات سال بعد غلبہ حاصل ہوا (صحیح ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3193 مسند احمد 1 / 276 مستدرك حاکم 2 / 410 حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے انکی تائید کی ہے، امام البانی نے صحیح شیخ زبیر نے حسن کہا ہے) فائدہ: ایک شبہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس طریقے سے شرط لگائی تھی یہ تو قمار (جوا) تھا؟ جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت جائز تھا پھر بعد میں یہ منسوخ ہو گیا اسی طرح قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے جس نے یہ بات کہی ہے کہ یہ دار حرب میں عقد تھا کافروں کے ساتھ اور اس طرح عقود فاسدہ اور ربوٰ وغیرہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں کافروں سے دار حرب میں جائز ہے یہ قول صحیح نہیں ہے۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ: اس سے مراد غلبہ اور مغلوبیت کا اختیار ہے اور یہ کلمہ توحید بھی ہے مختار کل اور شہنشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے مِنْ قَبْلُ رومیوں کے غلبہ سے پہلے وَمِنْ بَعْدُ، رومیوں کے غلبہ کے بعد وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ: اس دن خوش ہونگے ایمان والے یہ ایمان والوں صحابہ (کرام رضی اللہ عنہم) کے لئے بشارت ہے دوسرا معجزہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سات سال بعد کی خوشخبری دی تھی اور وہ جنگ بدر والے دن ظاہر ہو گئی جس پر اہل ایمان خوش ہوئے تھے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

"اللہ کی مدد کے ساتھ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی غالب مہربان ہے [5] اللہ کا وعدہ ہے وہ مخالفت نہیں کرتا اپنے وعدے کی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں [6]۔

تفسیر: 5 اسکا ذکر الگ کیا اشارہ ہے کہ پہلی خوشی رومیوں کے غالب آنے پر تھی اگر چہ اسے اللہ کی مدد نہیں کہا جاتا ہے اس وجہ سے صرف لِلّٰهِ الْاَمْرُ: ذکر کیا اور بِنَصْرِ اللّٰهِ کے ساتھ بدر کی خوشخبری مراد ہے اس آیت میں سورت کا دعویٰ ذکر ہے۔
تفسیر: 6 یہ بشارت کی تاکید ہے ، وَعْدَ اللّٰهِ ۔لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ یہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت سلبیہ ہے لَا یَعْلَمُوْنَ: سے مراد نصرت الٰہی کے منکرین ہیں جو کہ انقلابات کی نسبت بھی اللہ کی طرف نہیں کرتے ہیں اور اس میں عدم علم پر زجر ہے۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

"جو جانتے ہیں ظاہری دنیا کی زندگی کو اور وہ آخرت سے غافل ہیں [7]۔

تفسیر: 7 یہ دنیا کے علمیات اور تجربات پر دوسری زجر ہے یعنی کسب تجارت ،زمینداری ،آبادیوں وغیرہ پر دنیا کے امور میں بہت تجربہ کار ہیں اور اسی طرح دنیا کی غلط سیاستوں کو جانتے ہیں حسن بصری رحمہ اللہ سے السراج المنیر میں تفسیر منقول ہے کہ بعض انسان ایک روپیہ سکہ ہاتھ میں پکڑ کر اسکا صحیح وزن معلوم کر لیتے ہیں لیکن انھیں نماز پڑھنی نہیں آتی ہے وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ: یہ آخرت سے غفلت پر تیسری زجر ہے۔

اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

"کیا غور وفکر نہیں کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو مگر اظہار حق کے لئے اور ایک وقت مقرر ہے اور بے شک بہت زیادہ لوگوں میں سے اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرتے ہیں [8]۔

تفسیر: 8 چوتھی زجر انکار توحید اور بعث بعد الموت پر بے فکری کے سبب سے ہے فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ: اسکے دو معانی ہیں (1)

نفس سے مراد دل ہے اور فکر کا محل دل ہے اور مُتَفَكَّرٌ فِيْهِ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ہے۔(۲) یہ ہے کہ مُتَفَكَّرٌ فِيْهِ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی اپنے حالات اور نفسوں پر غور فکر نہیں کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ ذاریات آیت 21 میں مذکور ہے تو مَا خَلَقَ اللّٰهُ یہ فکر کا نتیجہ ہے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ: یعنی حق کو ظاہر کرنے کے لئے مراد اس سے توحید ہے وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى: سے مراد اس عالم کا فنا ہونا اور اسکے بعد بعث بعد الموت ہے اس طرح سورۃ احقاف آیت 3 میں بھی مذکور ہے اِنَّ كَثِيْرًا: اس میں انکار قیامت پر پانچویں زجر ہے۔ فائدہ: آیت 6 میں اَكْثَرَ النَّاسِ کا ذکر کیا اسمیں كَثِيْرًا کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ بے علم اور دنیا پرست لوگ بہت زیادہ ہیں انکے مقابلے میں منکرین قیامت کم ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ دلیل ذکر کرنے سے پہلے منکر لوگ زیادہ ہوتے ہیں دلیل کے بعد پہلے کی نسبت کم ہو جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

"کیا وہ نہیں چلتے پھرتے زمین میں پس وہ دیکھتے کیسے ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے وہ ان سے قوت میں مضبوط تھے اور زمین کے چیرنے میں بھی اور آباد کیا اسکو زیادہ وہ جتنا انہوں نے آباد کیا اور آئے انکو رسول واضح دلائل کے ساتھ پس نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ ظلم کرے ان پر لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے [9]۔

تفسیر: 9 اس میں چھٹی زجر اور تخویف دنیاوی کا ذکر ہے اور گزشتہ قوموں پر عذابوں کا تذکرہ ہے اور اس طرح حٰم سورۃ مؤمن آیت 21، 88 میں مذکور ہے۔ فَيَنْظُرُوْا: سے معلوم ہوا کہ ملکوں کی سیر کرنا بطور عبرت ایک عبادت ہے پھر گزشتہ اقوام کے پانچ حالات ذکر کیے۔(۱) كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ: یعنی جسم اور قد و قامت میں مضبوط تھے (۲) وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ: یعنی فصلوں کی محنت اور زمین سے معدنیات کے نکالنے میں بہت مشغول تھے۔(۳) وَعَمَرُوْهَآ: آبادی میں بہت مصروف تھے یعنی دنیا پرست تھے اور دنیاوی امور میں ترقی کرنے کو کمال سمجھتے تھے۔(۴) وَجَآءَتْهُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ نے انکو خبر دینے کے لئے بہت انبیاء بھیجے تا کہ انکی توجہ دین الٰہی کی طرف ہو (۵) وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ یعنی کفر، شرک، بدعات اور گناہ یہ اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے اس وجہ سے ان کے دنیاوی انعامات برباد ہوئے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوٓأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾

"پھر ہوا انجام ان لوگوں کا جنہوں نے گناہ کیے تھے یہ کہ جھٹلایا انہوں نے اللہ کی آیتوں کو اور تھے وہ اسکے ساتھ مذاق کرتے[10]۔

تفسیر: 10 اس آیت میں تخویف اُخروی ہے جب عاقبۃ خبر ہو کَانَ کی اور السُّوٓأَىٰ اسم ہو یعنی اَلْعُقُوْبَةُ الَّتِیْ اَسْوَءَ السَّيِّئَاتِ یا پھر جہنم کا نام ہے اور اَنْ كَذَّبُوْا: میں باء پوشیدہ ہے بِاَنْ كَذَّبُوْا اور اگر السُّوٓأَىٰ مفعول مطلق ہوا اَسَاءُوا کے لئے اور اَنْ كَذَّبُوْا اسم کَانَ ہو یعنی تکذیب اور استہزا نتیجہ ہو باقی سَيِّئَات کے لئے یہ احتمال ہے کہ یہ آیت تفسیر ہے (اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ) کے لئے۔

اَللَّهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾

"اللہ تعالی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے[11]۔

تفسیر: 11 یہ مختصر عقلی دلیل ہے اور یہ متعلق ہے آیت 7 کے ساتھ اور اس میں دوسری زندگی کا اثبات ہے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٢﴾

"اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو ناامید ہونگے گناہ گار[12]۔

تفسیر: 12 اس میں تخویف اُخروی ہے جب اعادہ ذکر کیا تو اس میں قیامت کی تفصیل کا ذکر ہے اور آیت 16 تک مجرموں کے پانچ حالات ذکر کیے اِبْلَاس کہتے ہیں چپ ہونا اور حیران ہونا۔

وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَآئِهِمْ شُفَعَآؤُا وَكَانُوا بِشُرَكَآئِهِمْ كَافِرِينَ ﴿١٣﴾

"اور نہیں ہونگے ان کے لے کوئی شریک سفارشی اور وہ اپنے شریکوں سے انکار کرنے والے ہونگے[13]۔

تفسیر: 13 اس سے مراد ناامید ہونا ہر خیر سے یا ناامید ہونا اپنے شریکوں کی مدد سے یہ بھی تخویف میں داخل ہے اور شفاعت قہریہ شرکیہ کا رد ہے اور جواب ہے سوال کا یعنی اگر کہا جائے کہ یہ خاموش ہو جائیں گے اور انکے معبود ان کے بچانے کے لئے گفتگو کریںگے اور شفاعت بھی کریںگے تو اسکا رد ہوا۔ وَ كَانُوْا: یہ انکے معبودوں کی شفاعت کے انکار کرنے کا نتیجہ ہے جب یہ ان کی شفاعت سے عاجز ہونگے تو پھر یہ مشرکین ان کی معبودیت سے مکر جائیں گے دوسرا معنی یہ ہے کہ

وَكَانُوْا اپنے تیا کا حال ہے یعنی دنیا میں اپنے شرکاء کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہو گئے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭

"اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن وہ الگ الگ ہو نگے [14]۔

تفسیر: 14 یہ بھی تخویف میں داخل ہے یعنی ناامید ہو نگے پھر ناامیدی کے بعد ان میں تفریق آئے گی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮

"پس وہ لوگ جنھوں نے ایمان لایا اور نیک اعمال کئے پس انکی باغیچوں میں مہمان نوازی کی جائے گی [15]۔

تفسیر: 15 اس آیت میں بیان تفریق اور جدائی ہے اور یہ آیت بشارت ہے مؤمنوں کے لئے رَوْضَةٍ: اہل عرب کے عرف میں اس زمین کو کہتے ہیں جو فراخ اور وسیع ہو اور اس میں تازگی اور ہریالی ہو۔ يُحْبَرُوْنَ: کے تین معانی ہیں (۱) عزت دی جائیگی (۲) نعمتیں دی جائیگی (۳) خوشیاں دی جائیں گی اسمیں جنت کے سارے انعامات داخل ہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯

"اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو پس یہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے [16]۔

تفسیر: 16 اس آیت میں منکرین کیلئے زجر ہے اور اس میں تین جرائم مذکور ہیں (۱) تمام شرکیہ امور کفر میں شامل ہیں (۲) تمام شرعیہ دلائل کو جھٹلانا انکار عام ہے (۳) اور آخرت سے انکار کرنا۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ⑱

"پس پاکی بیان کرو اللہ تعالی کی جب تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کرتے ہو [17]۔ اور اسی کے لئے حمد تعریف ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور عشاء کے وقت اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔

تفسیر: 17، 18 یہ سورت کے دعوی پر تفریع ہے اور سورت کا دعوی یہ ہے کہ توحید کے سبب سے اللہ کی نصرت تمہیں حاصل

ہو رہی ہے تو تم اللہ کی حمد و تسبیح کرو جیسا کہ سورۃ نصر میں بھی یہ مذکور ہے یعنی اللہ کی توحید سے نصرت الٰہی حاصل ہوتی ہے اس آیت میں تسبیح و حمد سے مراد قول و عمل سے ہے اور وہ بطریقہ نماز ہے کیونکہ نماز میں تسبیح قولاً و عملاً ہوتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنھما کی روایت اس آیت میں پنج وقتہ نماز کا ذکر ہے تُمْسُوْنَ: میں مغرب و عشاء داخل ہے اور تُصْبِحُوْنَ: میں صبح کی نماز اور وَعَشِيًّا میں عصر کی نماز اور تُظْهِرُوْنَ میں ظہر کی نماز داخل ہے۔ فوائد: اذکار مسنونہ میں تسبیح حمد سے مقدم ہوتی ہے تو یہاں بھی تسبیح کو مقدم کیا کیونکہ توحید تسبیح پڑھنے سے کامل نہ ہوتی ہے اس لئے ساتھ میں حمد بھی ذکر کیا۔ فائدہ: 1 صبح، شام میں اندھیرا ہوتا ہے تو اندھیرے میں نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے تو اس وقت تسبیح مناسب ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر نقصان سے پاک ہے عصر اور ظہر میں روشنی ہو تو روشنی میں کمال ہے تو اس وقت حمد کرنا مناسب ہے۔ فائدہ: 2 رات صبح ظہر میں ظاہراً اختلاف آتا ہے یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس وجہ سے تُمْسُوْنَ. تُصْبِحُوْنَ. تُظْهِرُوْنَ صیغوں کے ساتھ ذکر کیا یعنی تجدد (نیا پن پیدا ہوتا ہے) اور ظہر و عشاء کے درمیان (عصر) میں زیادہ فرق نہیں ہے وقت کے اعتبار سے۔ اس وجہ سے عَشِيًّا کو اسم سے ذکر کیا (واللہ اعلم)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ ع

"وہ نکالتا ہے زندوں کو مردوں سے اور نکالتا ہے مردوں کو زندوں سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو بعد اسکے مرنے کے (بنجر ہونے کے) اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے [19]۔

تفسیر: 19 اس آیت سے دوسرا باب آیت 42 تک ہے اس میں توحید کے اثبات پر گیارہ عقلی دلائل ہیں اور یہ سورت کے دعویٰ کے شواہد کے طور پر ذکر ہے اور اس میں شرک کے رد کی مثال ذکر کی گئی ہے پھر سورت کے دعویٰ کے حصول کے لئے اصول ذکر کر کے مشرکین کے قبائح (برائیاں) ذکر کیے ہیں اور تحذیر ذکر کی ہے، نیز سود اور زکوٰۃ کا فرق اور تخویف دنیاوی کے اسباب کا ذکر ہے۔ اس آیت میں انیسویں دلیل عقلی توحید کے اثبات پر ہے جو گزشتہ آیتوں میں سورۃ کے دعویٰ میں ذکر تھا اور بعد کی آیات میں انقلابی حالات کی طرف اشارہ کیا پھر سورت کے دعویٰ پر اس آیت میں تین حالات انقلابیہ مذکور ہیں اور چوتھا انقلاب قیامت ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے (توحید وقدرت الٰہی سے) پیدائش کی ابتداء تمہاری مٹی سے پھر ہو گئے تم بہت سے انسان تم پھیل رہے ہو[20]۔

تفسیر: 20 یہ پھر دلیل عقلی دونوں مقاصد کے لئے ہے مِّنْ تُرَابٍ: سے مراد بابا آدم علیہ السلام ہے اور خَلَقَكُمْ کا معنی خَلَقَ اَصْلَكُمْ یا مراد اس سے تمام انسان ہیں کیونکہ تمام انسان نطفہ سے پیدا ہوئے اور نطفہ خوراک سے پیدا ہوتا ہے اور خوراک کی پیدا وار زمین سے ہے اسی طرح سورۃ حج آیت 5 میں مذکور ہے ثُمَّ .اِذَا مفاجات کے لئے ہے اور اسکا استعمال اکثر فاء کے ساتھ ہوتا ہے ثُمَّ اس وجہ سے ذکر کیا کہ تُرَابٍ کے بعد دیگر حالات اور اطوار کی طرف اشارہ ہے جو کہ نطفہ، علقہ اور مضغہ وغیرہ ہے جیسے سورۃ حج آیت 5 اور مومنون آیت 14 میں گزرا ہے۔ بَشَرٌ: میں معنی (ظاہر واضح ہونا) یعنی مٹی میں پوشیدہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے ظاہر کرتا ہے۔ فائدہ: اس سورت میں سات آیتوں کے شروع میں وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مذکور ہے وجہ یہ ہے کہ یہ مدعا ثابت کرنے میں زیادہ واضح ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ہر ایک دلیل حقیقت پر مشتمل ہے اور جب ان آیتوں میں سورت کے دونوں مقاصد ظاہر ہوئے تو اس وجہ سے لفظ آیات کو آخر میں دوسری مرتبہ ذکر کیا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

"اور اس اللہ کی نشانیوں میں سے یہ کہ پیدا کیا تمہارے لئے تمہاری جنسوں سے بیویوں کو تاکہ تم سکون حاصل کرو ان کے ساتھ اور پیدا کی تمہارے درمیان محبت اور رحمت بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں[21]۔

تفسیر: 21 یہ دوسری دلیل عقلی ہے جب گزشتہ آیت میں مادہ پیدائش اصلی ذکر ہوا تو اس میں مادہ پیدائش ظاہری کا ذکر کیا جا رہا ہے پچھلی آیت ایجاد بشر کی اور یہ آیت دلیل ہے بقاء کی (سلسلہ بشر قیامت تک ہوگا) اور اَنْفُسِكُمْ: سے مراد ہم جنس ہے لِّتَسْكُنُوْٓا: یہ حکمت اللہ نے سورۃ اعراف میں ذکر کی یہ دلیل ہے کہ بشر کا نکاح جن سے نہیں ہو سکتا ہے مَّوَدَّةً دل کے میلان اور محبت کو کہتے ہیں ۔ وَّرَحْمَةً محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی مصیبت پر پریشان ہونا اور خوشی پر خوش ہونے

کو شفقت کہتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

" اور بعض آیتوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں اور زمینوں کا اور مختلف ہونا تمھاری زبانوں اور رنگوں کا بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے [22]۔

تفسیر: 22 یہ بھی دونوں مقاصد کے لئے عقلی دلیل ہے گزرے ہوئے دلائل نفسی تھے اور یہ دلائل آفاقی ہیں خَلْقُ السَّمٰوٰتِ: سے مراد اسکا اونچا ہونا اور بغیر ستونوں کے کھڑا ہونا اور نہ گرنا وَ الْاَرْضِ: اس سے مراد انکی وسعت یعنی مختلف رنگ مختلف صفات جس میں پہاڑ، نہریں اور جنگلات وغیرہ ہوں وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ: عربی اور عجمی جس میں بہت سی اقسام اور مختلف آوازیں اور لہجے فصاحت وبلاغت ہوتے ہیں اور اس میں مختلف مراتب بھی ہیں حتیٰ کہ آپ کسی بھی دو انسانوں کو ایسا نہ پائیں گے جنکے تمام اوصاف ایک جیسے ہو۔

وَ اَلْوَانِكُمْ گورا، لال، کالا وغیرہ اور مختلف شکلیں ناک آنکھ، کان وغیرہ کوئی ایسے انسان آپ کو نہیں ملیں گے جو صورت میں پورے پورے ایک جیسے ہونگے اور ان دونوں کے مختلف ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اسکے ذریعے سے انسان تمام لوگوں میں اپنے اور غیر دوست اور دشمن کی تمیز کرسکے یا پھر غائب اور حاضر میں آواز وشکل سے جدائی کرسکے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

" اور اس کی بعض نشانیاں تمہارا سونا رات کے وقت اور دن کو تمہارے ان کے فضل کو تلاش کرنا یقیناً اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں [23]۔

تفسیر: 23 یہ دوسری عقلی دلیل ہے اور نفسی ہے جسکا تعلق رات اور دن سے ہے اور رات کی نیند زیادہ ہوتی ہے دن کے مشاغل اس وجہ سے اَلَّيْلِ رات کو مقدم کیا اور اَلنَّهَارِ مراد طلب کسب وفضل (جو کہ دن رات کا کام ہے) تو اسکو عام ذکر کیا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

"اور اس کی بعض نشانیوں میں سے وہ دکھاتا ہے تم کو بجلی خوف اور طمع کیلئے اور وہ نازل کرتا ہے آسمان سے بارش پس وہ زندہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے زمین کو بعد اس کے بنجر ہونے کے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں [24]۔

تفسیر: 24 یہ بھی دلیل عقلی ہے پہلے عوارض نفسیہ کا ذکر کیا تو اب دلائل عوارض آفاقیہ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو کہ برق اور بارش ہے اور برق اکثر بارش سے پہلے ہوتا ہے اس وجہ سے بعض لوگ بارش سے بچنے کا انتظام کرتے ہیں اور بعض (زمیندار) لوگ بارش کے لئے زمین کو برابر کرتے ہیں طمع رکھتے ہوئے اس وجہ سے برق کو بارش پر اور خوف کو طمع پر مقدم کیا۔ فائدہ: ان چار آیتوں کے حواصل میں تنزل ہے اعلیٰ صفت سے ادنیٰ کی طرف کیونکہ پہلا درجہ تفکر اور دوسرا علم پھر اس کے بعد کسی اور سے سننا اور قبول کرنا پھر اسکے بعد عقل لڑانا ہے۔ متفکرین بہت کم ہوتے ہیں پھر علم والے پھر سننے والے پھر قبولیت پھر عقل والے (یہ ترتیب ہے) جب آیت میں نکاح اور اس کے فوائد ذکر کیے اور امور باطنی اس میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ تفکر کا ذکر کیا، پھر احوال آسمانوں اور زمینوں اور مختلف لغات زبانوں اور صورتوں کا بذریعہ علم معلوم ہوتا ہے اسکے ساتھ اللہ نے علم کا ذکر کیا پھر خواب کے حالات جس سے انسان خود خبردار نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی اور سے سنتا ہے اس وجہ سے سمع کا ذکر کیا اور برق اور بارشیں اور درخت وغیرہ یہ حالات انسان عقل کے ذریعے سے سمجھتا ہے تو اللہ نے عقل کا ذکر کیا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین جو قائم ہیں اسکے حکم سے پھر جب وہ پکارے گا تم کو ایک پکار زمین سے اسوقت تم سب نکل آؤ گے [25]۔

تفسیر: 25 یہ بھی عقلی دلیل ہے آسمان و زمین کی پیدائش کے بعد ان کے قائم ہونے کا ذکر کیا اور ان تمام اشیاء کے بعد فناء

ہونے کا اشارہ (خروج) یعنی زمین سے نکلنے میں کیا۔ فائدہ: 1 چمک برق کو دیکھنا تھوڑی دیر ہوتا ہے اور آسمان اور زمین کا قیام ہر وقت ہوتا ہے۔ اس لئے برق کے ساتھ اَنْ کا ذکر نہیں کیا اور آسمان وزمین کے قیام کے ساتھ اَنْ کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہ مابعد تاویل مصدر میں اسم بنتا ہے اور اسم استمرار پر دلالت کرتا ہے جبکہ بغیر اَنْ کے نفس فعل ہے جو تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ فائدہ: 2 مِنَ الْاَرْضِ: متعلق ہے اِذَا دَعَاكُمْ کے ساتھ کیونکہ فعل عمل میں مصدر سے قوی ہوتا ہے یعنی جب صور پھونکا جائیگا تو سارے لوگ قبروں سے اچانک اور متصل نکلیں گے اسلئے اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ: بغیر ثُمَّ فرمایا ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

"اسی کے لئے جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کے سب اسی کی فرمان بردار ہیں [26]۔

تفسیر: 26 یہ بھی عقلی دلیل ہے آسمان اور زمین کے ذکر کے بعد انکے اہل کا ذکر فرمایا كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ: اس قنوت سے تسخیر مراد ہے یعنی زندگی، موت، صحت، مرض اور بیماری وغیرہ اللہ کے حکم کے تحت ہیں یا مراد اس قنوت سے اختیاری ہے یعنی مراد صالحین ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

"اور اللہ وہی ذات ہے جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا پھر دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور وہ سب اس پر بہت آسان ہے اور اس کے لئے اعلٰی مثال ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی غالب حکمت والا ہے [27]۔

تفسیر: 27 اس آیت میں اثبات توحید کے لیے دلیل عقلی کے ساتھ ساتھ بعث بعد الموت کا تذکرہ بھی ہے۔ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ: وَهُوَ ضمیر راجع ہے دونوں ذکر کی گئی حالتوں کی طرف بتاویل مذکور لہذا کوئی اشکال باقی نہ رہا اور اگر هُوَ ضمیر راجع ہو اعادے کی طرف تو "اَهْوَنُ" میں تفصیل کے اعتبار سے عقیدہ بشر ہے یعنی انکے نزدیک دوبارہ کام کرنا پہلی مرتبہ سے زیادہ آسان ہوتا ہے یا پھر اَهْوَنُ بمعنی هَيِّنٌ ہے اور تفصیلی معنی مراد نہیں ہے۔ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى: یعنی عام قدرت، علم اور حکمت مراد ہے اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے وصف توحید مراد ہے۔ فائدہ: بعد والی آیات میں اللہ تعالٰی کے تصرف کی خبر دینا مقصود ہے عموماً وخصوصاً ابتداً اور اعادۃً میں استدلال مقصود نہیں اس وجہ سے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ سے

مقصد نہیں کیا۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

"بیان کی تمہارے لئے ایک مثال تمہارے نفسوں ہی میں سے کیا ہیں تمہارے لئے اس چیز میں سے کہ مالک بن جائیں تمہارے دائیں ہاتھ کوئی شریک اس چیز میں جو رزق دیا ہم نے تم کو پس وہ اور تم اس میں برابر ہو تم ڈرتے ہو ان سے جیسا کہ تم اپنے نفسوں (لوگوں) سے ڈرتے ہو اس طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں [28]۔

تفسیر: 28 توحید ثابت کرنے کے بعد اب ایک مثال سے مزید وضاحت کی۔ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ: یہ تمہارے جنس میں سے ہیں کیونکہ غلام بھی انسان ہوتے ہیں یا پھر تمہارے اپنے نفوس مراد ہیں فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ: جب یہ شراکت میں برابر نہ تھے اسلئے یہاں پر مساوات کو مقید کر لیا پھر مساوات کو اس قول سے بیان کیا "تَخَافُوْنَهُمْ": یعنی جب دو بندے شراکت اور تصرف میں برابر ہوتے ہیں تو دوسرا پہلے کے اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے کے غصہ اور ناراضگی سے ڈرے گا مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مولیٰ ہے اور تمام انسان اسکے غلام اور لونڈیاں ہیں اس طرح جب تم اپنے غلاموں کو کھانا پینا دیتے ہو لیکن اسکو اپنے مال کے اختیارات میں شریک نہیں کرتے ہو بلکہ اس شراکت کو کسی صورت پر برداشت نہیں کرتے تو پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بزرگوں اور ولیوں کو اپنے بعض مملوکات اور مخلوقات میں ایسا تصرف دیا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرح اپنی قدرت مستقلہ سے تصرف کرتے ہیں جب چاہتا ہے کسی کو بیمار کسی کو صحت مند کرتا ہے کسی کو غریب کسی کو امیر بنائے تو جب تم خود انکی حالت پر راضی نہیں ہوتے ہو تو اللہ تعالیٰ (اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ہے صحیح مسلم کتاب الزهد حدیث 2986) شریکوں کے شرک سے انتہائی بیزار ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ غضب ناک ہوگا۔ فائدہ: اس کی ابتدا میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور دوسرا مِنْ تبعیضیہ ہے تیسرا مِنْ تاکید یہ استفہام کے لئے اور استفہام انکاری ہے۔ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ: کیونکہ مثال سے بہت سے معانی اور حکمت واضح ہوتی ہے اس وجہ سے الْاٰيٰتِ کہا گیا ہے۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹

"بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا اپنی خواہشات کی بغیر علم کے پس کون ہے کہ ہدایت دے اسکو جسے گمراہ کرے اللہ تعالی اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مددگار [29]۔

تفسیر: 29 اس آیت میں زجر ہے کہ یہ منکرین اتنی دلیلوں اور مثالوں کے بعد خواہشات کے متبع ہیں اس حالت میں خواہشات کی اتباع کی وجہ سے یہ دلائل اور مثالوں سے انکار کرتے ہیں انکے نصیب میں ہدایت نہیں ہے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ: یہ قید تاکید کے لئے ان کی جہالت کی وجہ سے ہے اگر اتباع ھوی سے علم حاصل ہوتا ہے تو اس علم کے سبب کبھی کبھی انسان اتباع خواہش سے پلٹ آتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

"پس آپ قائم کیجئے اپنے چہرے کو دین کے لئے جو توحید پر مبنی ہے دین ہے اللہ کا وہ جو کہ پیدا کیا لوگوں کو اس پر نہیں ہے کوئی بدلنے والا اللہ کی خلقت کو یہ دین قائم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں [30]۔

تفسیر: 30 جب گزشتہ آیات میں خواہشات کی اتباع پر تنبیہ کی گئی تو اس آیت میں دین کی پیروی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جو کہ دین فطری ہے یعنی توحید خالص اور اس میں وہ اصول ذکر کئے جو نصرت الہی کے حصول کے لئے ہے جو کہ سورت کا دعوی بھی ہے اور فاء کے ساتھ اسکو ذکر کیا کیونکہ یہ پچھلے دلائل اور مثال کیلئے تشریح ہے۔ وَجْهَكَ: اس سے مراد ذات یا قصد ہے اور چہرے کی اقامت سے مراد یہ ہے کہ کہیں اور طرف توجہ مت کرنا پھیرنا مکمل توجہ اور بدن کی قوتوں کو دین توحید کے لئے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ: اس سے پہلے فعل مقدر ہے یعنی اَلْزِمْ و اتَّبِعْ۔ فِطْرَتَ وزن فعلت ہے یعنی حال پیدائش جس پر اللہ تعالی نے تمام لوگوں کو پیدا کیا اور وہ انسان کی طبیعت ہے جو کہ توحید ہے اور وہ توحید ہے جو صحیح حدیث میں ہے (كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4775 مسند بزار 9170 ترمذی 2138 صحیح مسلم کتاب القدر 2658، ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اسکے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں یعنی اگر انسان کے لئے اور عوارض اور موانع نہ ہوں تو پھر ہمیشہ کے لئے عقیدہ توحید پر رہتا ہے۔ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ: خَلْقَ اللّٰه سے مراد فطرت ہے تو معنی یہ

ہوا کہ کوئی انسان بھی توحید کے علاوہ کسی اور عقیدے پر پیدا نہیں ہوتا ہے یا پھر خَلْقِ اللّٰهِ سے مراد تقدیر ہے یعنی اللہ نے جس کے لئے سعادت اور شقاوت مقدر کی ہوتی ہے تو وہ بدلتا نہیں ہے یا پھر خلق سے مراد دِيْنِ اللّٰهِ ہے اس بناء پر نفی بمعنی نہی ہے یعنی نہ بدلو تم اللہ کے دین توحید کو شرک کے ذریعے سے ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ: جس کی قامت مضبوط دلائل یا تمام انبیاء کے اتفاق سے ہوئی۔ وَ لٰكِنَّ: کے ساتھ وہم دور کیا گیا ہے یعنی اگر کہا جائے کہ دین توحید تو صحیح دین ہے لیکن پھر لوگ اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں تو جواب ہوا کہ مخالفت ان کی بے علمی کی وجہ سے ہوئی اس آیت میں فَاَقِمْ حکم ہے اور اسکے لئے آنے والے جملوں میں تین دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

"رجوع کرنے والے بنو اسکی طرف اور ڈرتے رہو اس سے اور نماز قائم کرو اور نہ ہونا تم مشرکوں میں سے[31]۔

تفسیر: 31 یہ مزید چار اصول اَقَامَتْ لِلدِّيْنِ کی تکمیل کے لئے ہیں (۱) انابت (۲) تقویٰ (۳) اقامۃ الصلاۃ (۴) قطع تعلق مشرکین سے انابت سے مراد حق پرستی ہے جو ضد و تعصب سے پاک ہو، وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ یعنی انکے ساتھ دوستی، دلی خوشی اور مشابہت کسی بھی عمل میں مت کرو۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

"ان لوگوں میں سے جنہوں نے جدا جدا کیا اپنے دین کو اور ہو گئے وہ مختلف گروہ ہر ایک گروہ ساتھ اسکے جو انکے پاس (طریقے) ہیں خوش ہوتے ہیں[32]۔

تفسیر: 32 یہاں سے مشرکین کی آٹھ صفات قبیحہ ذکر کی گئی ہیں جو وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے لئے سبب ہے اور اس میں تین صفات ذکر کی ہیں (۱) تفریق دین (۲) تحزب یعنی گروہ بندیاں (۳) غلط دین پر خوش ہونا تفریق دین کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے لئے خود سے دین بنایا اور اسکے لئے دین کا نام رکھا ہے، وَ كَانُوْا شِيَعًا: شیع سے مراد ایک دوسرے سے دوستی اور گروہ بندی کرنا اور یہ تعصب ہے اور دین پر خوش ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے حق سمجھ کر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور اس پر مالی اور جانی قربانی دیتے ہیں۔

وَ إِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيبِيْنَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَآ أَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

"اور جب پہنچتی ہے بعض لوگوں کو تکلیف وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو توجہ ہوتے ہوئے اس کی طرف پھر جب چکھاتا ہے انکو اپنی طرف سے رحمت اچانک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرتی ہے[33]۔

تفسیر: 33 یہ زجر ہے اور اس میں مشرکین کی ایک صفت قبیح بیان ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے بعد شرک کرتے ہیں اور سورۃ نمل آیت 54 میں اسی طرح گزرا ہے۔ مُنِيبِيْنَ: سے مراد اخلاص پرستی کا اقرار ہے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

"تاکہ وہ ناشکری کریں ساتھ اسکے جو دیا ہم نے ان کو پس تم فائدہ اٹھاؤ پس عنقریب تم جان لوگے [34]۔

تفسیر: 34 اس آیت میں ان کی دوسری قبیح صفت کفر کا ذکر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے اور لام عاقبت کے لئے یعنی شرک کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ فَتَمَتَّعُوْا: سورۃ عنکبوت آیت 66 میں لِيَتَمَتَّعُوْا ذکر کیا کیونکہ وہاں سمندری تکلیف کا ذکر ہے جو کہ سخت تکلیف ہے اور اس سے مشرک کے بچنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے کچھ مزے حاصل کرے کیونکہ مشرک کا مقصد صرف دنیا کے مزے حاصل کرنا ہے اور اس میں عام ضرر اور تکلیف کا ذکر کیا ہے جس کا سبب نجات ہے تو یہاں پر فا دسببیہ کو ذکر کیا۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

"کیا ہم نے نازل کی ان پر کوئی دلیل پس وہ بولتا ہے (بولنے سے ثابت کرتا ہے بندگی) اس چیز کی جو وہ (اللہ کے) ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں [35]۔

تفسیر: 35 اس میں بھی زجر ہے کہ ان مشرکین کے پاس اپنے اس شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے جو مُنَزَّل مِنَ اللہ ہو یہ شرک صرف اندھی تقلید سے کرتے ہیں اَمْ اَنْزَلْنَا: یہ استفہام انکاری ہے کہ عقیدہ کے اثبات کے لئے دلیل ضروری ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾

"اور جب چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت (دنیا کی خوشی) وہ خوش ہوتے ہیں اس کے ساتھ اور اگر پہنچتی ہے انکو کوئی تکلیف بسبب اس کے جو آگے بھیجا انکے ہاتھوں نے اچانک وہ ناامید ہوتے ہیں [36]۔

تفسیر: 36 یہ بھی زجر ہے اور اسمیں مشرکین کی دو صفات کا ذکر ہے اور مشرک کی یہ قسم پہلے کافر مشرک سے سخت ہے کیونکہ یہ کسی بھی حال میں اللہ کو یاد نہیں کرتا ہے بلکہ حالت نعمت میں تکبر کرتا ہے اور حالت مصیبت میں ناامیدی اس طرح کرتا ہے کہ زبان سے اسکا اظہار کرتا ہے اسے قنوط کہا جاتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾

"کیا نہیں دیکھا انہوں نے بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جسکے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں [37]۔

تفسیر: 37 یہ توحید کیلئے دلیل عقلی ہے اور اس شخص کا رد ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ فراخی اور تنگدستی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر کیوں تکبر اور ناامیدی کرتے ہو۔ لَاٰيٰتٍ: دلائل ہیں اللہ کی کامل قدرت پر اور اللہ کی کئی حکمتوں پر جو کہ ایمان کو پختہ کرنے والی ہیں۔

فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾

"پس آپ رشتہ داروں کو ان کا حق دیں اور مساکین کو مسافروں کو یہ بہت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ارادہ کرتے ہیں اللہ کی رضامندی کا اور یہی لوگ کامیاب ہیں [38]۔

تفسیر: 38 اسکا تعلق بھی ان اصول سے ہے جن کا آغاز آیت 30 سے ہوا گزشتہ اصول کا تعلق اصلاح نفس سے ہے اس میں لوگوں پر احسان کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ دعوت حق کی طرف راستہ ہموار ہو اور اس آیت میں ربط ہے دوسری آیت سے کہ رزق کی فراخی صلہ رحمی اور محتاجوں کے ساتھ احسان کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں پر خطاب نبی ﷺ کو ہے اور مراد اس سے امت کے لوگ ہیں اور یہ حکم کہ محتاجوں کو جو ذَوِي الْقُرْبٰى ہوں بوقت استطاعت دینا واجب ہے کیونکہ

اسکو حق قرار دیا ہے یُرِیدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ: ارادے سے مراد نیت کرنا ہے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ثواب نیت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾

"اور وہ جو کچھ تم دیتے ہو سود میں سے تاکہ وہ بڑھے لوگوں کے مالوں میں پس وہ نہیں بڑھتا ہے اللہ کے نزدیک اور جو تم دیتے ہو زکوۃ میں سے تم چاہتے اللہ کی رضامندی کو پس یہی لوگ زیادہ کرنے والے ہیں (مالوں اور اجروں) کو [39]۔

تفسیر: 39 یہاں پر احسان کے مقابل سے منع کیا گیا جو کہ ربوی اور ریاء ہے اس آیت میں ربوا اور زکوۃ کا تقابل کیا گیا ہے لوگوں کے گمان کے برخلاف بے وقوف لوگ گمان کرتے ہیں کہ ربٰی سے مال بڑھتا ہے تو فرمایا فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ: اور گمان کرتے ہیں زکوۃ سے مال گھٹتا ہے تو اللہ نے فرمایا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ: ربٰی اس وقت حرام نہیں تھا مکہ میں بلکہ اس کی برائی اس وجہ سے بیان کی گئی تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ ویسے ربٰو سے مراد (ذلیل عادت ہے) یعنی کسی کو ہدیہ اس وجہ سے دینا تاکہ وہ مجھے اسکے بدلے میں زیادہ دے جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے زَكٰوةٍ سے مراد فرضی زکوۃ ہے ان مفسرین کے قول کی بناء پر جنہوں نے کہا کہ مکہ میں زکوۃ فرض تھی لیکن مقدار متعین نہیں تھی یا پھر اس سے مراد ہر صدقہ اور ہدیہ ہے جو صرف زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے دیا جائے کیونکہ۔ زَكٰوةٍ سے لغوی معنیٰ مراد ہے تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ: کو دوبارہ نیت اور ارادے کی وجہ سے ذکر کیا یعنی فرض و نفل عبادت نیت پر ہے۔ الْمُضْعِفُوْنَ: دنیا میں ظاہراً مال میں فائدہ ہوتا ہے اور برکات بڑھتی ہیں اور آخرت میں ثواب زیادہ ملتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۠ ﴿۴۰﴾

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا تمہیں پھر وہ رزق دیتا ہے تمہیں پھر مارتا ہے تمہیں پھر زندہ کرتا ہے تمہیں کیا ہے تمہارے شریکوں میں سے کوئی جو کرے ان کاموں میں سے کچھ بھی پاک ہے اس کی ذات اور وہ بلند ہے اس چیز سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں[40]۔

تفسیر: 40 یہ بھی دلیل عقلی ہے اور ترغیب ہے کہ ہر عبادت میں وَجْهُ اللّٰهِ (رضائے الٰہی) تلاش کرو کیونکہ اسی نے تم پر خلق اور رزق کا انعام کیا ہے اور اماتت اور احیاء کو تخویف کے لئے ذکر کیا ہے اور اس میں پھر شرک کا رد صراحتاً کیا اور مسئلہ توحید کو ذکر کیا ، سُبْحٰنَهٗ: میں اشارہ ہے کہ الوہیت حقیقی اور شرک میں عقلی تضاد ہے اور تَعٰلٰى: میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر اور بلند ہے اور شُرَكَآءِ: تمام مخلوقات نیچے ہیں اللہ کو نہیں پہنچ سکتی ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

"ظاہر ہو گیا فساد خشکی میں اور تری میں بوجہ اسکے جو کسب کیا لوگوں کے ہاتھوں نے تا کہ وہ چکھائے انکو بعض وہ سزائیں جو انہوں نے عمل کئے تا کہ وہ (اطاعت الٰہی کی طرف لوٹیں)[41]۔

تفسیر: 41 اس میں تخویف دنیاوی کے ساتھ عذاب کے سبب کا ذکر ہے اَلْفَسَادُ: سے مراد ہر فائدے میں نقصان - فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ: وہ طوفان جس سے کشتیاں بحری جہازیں غرق ہوتی ہیں یا پھر بہت موجیں کہ جہاز نہ چل سکیں سمندر کے دواب کا ہلاک ہونا اور شکار کا کم ہونا بارش کی وجہ سے اس قسم کے عذاب سمندر میں آتے ہیں بِمَا كَسَبَتْ: اسی طرح سورۃ شوریٰ آیت 30 میں بھی ہے یہ سزا اہل ایمان کو انکے اعمال کی وجہ سے ملتی ہے بعض گناہوں کو اللہ معاف کرتا ہے اور اگر کافر ہوتے ہیں یا اہل ایمان گنہگار جو توبہ نہ کریں تو یہ عذاب ان پر دنیا میں اور باقی عذاب اللہ آخرت یا برزخ میں دیتا ہے یَرْجِعُوْنَ: سے مراد دل سے توبہ کرنا اور زبان سے گناہ چھوڑنا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝

"آپ ﷺ کہہ دیجئے چلو پھرو تم زمین میں پس دیکھو تم کیسے ہوا انجام ان لوگوں کا جو اس سے پہلے تھے بہت زیادہ ان میں سے مشرکین تھے [42]"۔

تفسیر: 42 یہ گزشتہ آیت کی تاکید ہے جس میں منکرین پر عذاب کا ذکر ہے كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ: اس میں عذاب کا سب سے بڑا سبب شرک تھا نیز قوموں پر دیگر گناہوں کی وجہ سے بھی عذاب آئے تھے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝

"پس آپ ﷺ قائم کریں اپنے چہرے کو دین کے لئے قبل اس سے کہ آئے وہ دن نہ ہو واپس ہونا اس کے لئے اللہ کی طرف سے اس دن لوگ الگ الگ ہو نگے [43]"۔

تفسیر: 43 اس آیت سے سورت کے آخر تک ایک باب ہے۔ اس میں توحید پر ثابت قدمی کا حکم ہے اور تخویف اُخروی ہے اور تین آیاتوں میں مختصر بشارت ذکر کی ہے پھر پانچ عقلی دلائل ذکر کئے۔ آیت 46، 48، 49، 50 اور سورت کا دعویٰ آیت 47 میں اور آیت 51 میں منکرین کے لئے وعید ہے اور تسلی دی نبی ﷺ کو آیت 52، 53 میں اور تخویف اُخروی آیت 55، 56، 57 میں اور منکرین قرآن کے لئے زجر آیت 58، 59 میں اور اسکے اختتام کا تعلق تسلی سے ہے جو سورۃ کی ابتداء سے متعلق ہے آیت 43 میں اقامت دین کا حکم عذاب کو دفع کرنے کے لئے دیا ہے، فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ: سے مراد توحید پر ثابت رہنا مشرکین کے اعمال کی مخالفت کرنا، جب توحید پر بہت سے دلائل بیان کئے اور مشرکین کے قبائح بھی ذکر کئے اور عذاب کا بڑا سبب بھی ذکر کیا جو کہ شرک ہے تو اس سے معلوم ہوا توحید ہی قَيِّم (مضبوط) دین ہے اس وجہ سے اس میں دین کے ساتھ قَيِّم ذکر کیا۔ لَا مَرَدَّ: مصدر میمی ہے مِنَ اللّٰهِ: یہ متعلق ہے يَّاْتِيَ کے ساتھ (یہ دن اللہ کی طرف سے آیگا) یا پھر اس کا متعلق محذوف ہے جس پر مَرَدَّ دلالت کرتا ہے (اسکو اللہ کے علاوہ کوئی واپس نہیں کر سکتا) يَّصَّدَّعُوْنَ: اس میں ہر گروہ کا الگ ہونا مراد ہے صدع شق پر دلالت کرتا ہے ایک دوسرے سے مکمل الگ ہو گئے۔

مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾

"جس نے کفر کیا پس اس پر اسکے کفر کا وبال ہوگا اور جس نے عمل کیا نیکی کا پس وہ اپنے نفسوں کے لئے جگہ بناتے ہیں [44]۔

تفسیر: 44 اس میں دونوں گروہوں کا ذکر ہے تخویف اور بشارت کے ساتھ يَمۡهَدُوۡنَ آرام کی جگہ تیار کرتے ہیں اپنے لئے قبر اور حشر میں مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا: یہاں عمل عام ہے عقیدے ایمان اور اعمال کو شامل ہے۔

لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۵﴾

"تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ان لوگوں کو جنھوں نے نیک کام کئے اپنے فضل سے بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا [45]۔

تفسیر: 45 یہ بھی گزشتہ آیت سے متعلق ہے لف نشر غیر مرتب ہے لِيَجۡزِىَ: يَمۡهَدُوۡنَ کے ساتھ متعلق ہے مِنۡ فَضۡلِهٖ: یہ اشارہ ہے کہ جزاء محض اللہ کا فضل ہے اللہ پر واجب نہیں ہے اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ: یہ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ: کے ساتھ متعلق ہے۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا تاکہ وہ چکھائے اپنی رحمت کو تاکہ چلائے کشتیوں کو اپنے حکم سے اور تاکہ تم تلاش کرو اسکے فضل کو اور تاکہ تم شکر ادا کرو [46]۔

تفسیر: 46 یہ دوسری دلیل عقلی ہے اور اس میں وجہ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ: ہے یعنی کافر کھلی آیتوں سے منکر ہے ہواؤں کو بھیجنے کے پانچ فوائد ذکر کئے (۱) بارش کی خوشخبری (۲) رحمت اور مراد اس سے پانی درخت آور اسکے ساتھ رزق وغیرہ (۳) کشتیوں کا ہواؤں کے ذریعے سے چلنا لیکن اللہ کے امر سے (۴) رزق کو بحری سفر کے ذریعے سے طلب کرنا (۵) ان انعامات پر شکر ادا کرنا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا
عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾

"اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے پس وہ لے کر آئے واضح دلائل پھر بدلہ لیا ہم نے ان لوگوں سے جو مجرم تھے اور حق تھا ہم پر مدد کرنا ایمان والوں کی [47]۔

تفسیر: 47 جب ظاہری انعامات ذکر کئے تو اب باطنی انعام کو ذکر کیا جا رہا ہے اور مقصد اس میں سورۃ کے عنوان کی تائید ہے حَقًّا عَلَيْنَا: اس حق کو اللہ نے اپنے وعدے کے سبب لازم کیا اور اس حق کو تفضلی کہا جاتا ہے یہ حق واجبی نہیں جیسا کہ بندوں پر ہوتا ہے اور اس نصرت کی ایک مثال حدیث ترمذی میں مذکور ہے۔ نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے دوسرے مسلمان کی حفاظت کرے مگر اللہ پر حق ہے کہ اسے جہنم کی آگ سے دور کرے اور پھر یہ آیت پڑھی وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ ترمذی کتاب البرّ والصلۃ حدیث 1938: قال الترمذی حسن۔ ترمذی میں آیت کی تلاوت کا ذکر نہیں ہے البتہ احمد کی روایت میں ہے احمد 6:449: لیکن ان دونوں روایتوں کو شیخ البانی نے سلسلۃ الضعیفۃ میں ضعیف کہا ہے جلد 2: حدیث 580۔

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ
مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٨﴾

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو پس وہ پھیلاتا ہے اسکو آسمان میں جیسے اسے چاہتا ہے اور ٹھہراتا ہے اسکو ٹکڑے تہہ بہ تہہ پس آپ دیکھتے ہیں بارش کو جو نکلتی ہے انکے درمیان سے پس جب پہنچاتا ہے اسکو جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اچانک وہ خوش ہوتے ہیں [48]۔

تفسیر: 48 یہ دلیل عقلی ہے اور مثال نصرت الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ناامید ہونے کے بعد بارش برساتا ہے اس طرح مومنوں کے کمزور ہونے کے بعد نصرت کرتا ہے اور اس آیت میں بادل کے مختلف حالات ذکر کئے اسکا اونچا ہونا اور پھیل کر تہہ بہ تہہ ہو کر بارش کا نکلنا اشارہ: یہ ہے کہ یہ سب تصرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے یہ حالات اکثر موسم بہار میں ہوتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾

"اگر چہ تھے وہ اس سے پہلے کہ یہ نازل کیا جاتا ان پر اس سے پہلے ناامید [49]۔

تفسیر: 49 یہ جملہ پہلی آیت کا تکملہ ہے مِّنْ قَبْلِهٖ: کی ضمیر یا ول کی طرف راجع ہے یا پھر اس وقت یا قرآن کی طرف راجع ہے یعنی قرآن کی ہدایت سے لوگ جہالت کی وجہ سے اکثر ناامید ہوئے اللہ کی رحمت سے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

"پس آپ دیکھیں اللہ کی رحمتوں کی طرف کس طرح وہ زندہ کرتا ہے زمین کو بعد اسکے بنجر ہونے کے یقیناً اسی طرح وہ زندہ کرتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [50]۔

تفسیر: 50 یہ دوسری عقلی دلیل ہے اور گزشتہ آیت سے تعلق رکھتی ہے یعنی بارش کے آثار ذکر کرتا ہے یہاں رحمت سے مراد بارش ہے اور آثار سے مراد درخت اور فصلیں وغیرہ ہیں۔ كَيْفَ يُحْيِ: یہ آثار کی تفسیر ہے اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى: اس میں قیامت کا ثبوت ہے بنجر زمین کے ساتھ بطور قیاس ذکر کیا ہے۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

"اور البتہ اگر ہم بھیجیں ایک ایسی ہوا کہ وہ دیکھتے اس (کھیتی) کو زرد پڑنے والی تو ضرور رہ ہوجائیں گے اسکے بعد ناشکری کرنے والے [51]۔

تفسیر: 51 یہ وعید ہے یعنی انعامات بارش اور فصلوں کے بعد اگر ان کی بدعملیوں کی وجہ سے ان پر عذاب آئے جس سے ان کی فصلیں اور درخت زرد ہوجائیں تو ضرور یہ ناشکری کریں گے۔ فائدہ: ان ہواؤں کے فوائد اکثر جمع کے صیغے سے ذکر کیے جاتے ہیں جیسے ریاح پہلے دو آیات میں گزرا اور عذاب ہوا کو مفرد ذکر کرتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ رحمت کی ہواؤں کے فوائد زیادہ ہیں اور عذاب کی ہوا کبھی کبھی ہوتی ہے۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٥٣﴾ ع

3 "پس بے شک آپ نہیں سنا سکتے ہیں مردوں کو اور نہیں آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو آواز جب وہ پھر جاتے ہیں پیٹھ کرتے ہوئے [52] اور نہیں آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے نہیں آپ سنا سکتے ہیں مگر اس کو جو ایمان لاتا ہے ہماری آیتوں پر پس وہ حکم ماننے والے ہیں [53]۔

تفسیر: 52، 53 جب انکار کرنے والوں کے دلائل کو گزشتہ آیات میں ذکر کیا تو اب ایک اعتراض کو ختم کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی انکار کرے کہ ان کا اعتراض دلائل کی کمزوری کی وجہ سے ہے تو جواب ہوا کہ دلیل مکمل موثر ہے جس سے اہل ایمان فائدے اٹھاتے ہیں لیکن منکرین کی طرف سے رکاوٹ موجود ہے کیونکہ انہوں نے اپنے مکمل حواس کو مانند مردوں کے بیکار کر دیا ہے جیسے اندھا یا بہرہ ہو سورۃ نمل میں إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ سے پہلے آیات میں إِنَّ شروع میں گزرا تھا اسکو إِنَّ کے ساتھ ذکر کیا اور یہ ماقبل کی تشریح ہے اور تشریح پر 'فا' داخل ہوتی ہے اور اس سورۃ میں فاء 17، 30، 38، 43 آیتوں میں داخل ہے۔ فائدہ: مردوں کا افہام (سمجھنا) ممکن نہیں ہے اس وجہ سے اسکو پہلے ذکر کیا پھر بہرے کا افہام بھی بہت سخت ہے جسکو بعد میں ذکر کیا پھر اندھا ان سے کم سخت ہے جس کو بعد میں ذکر کیا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تشبیہات میں تنزل ہے اسمیں اشارہ یہ ہے کہ قرآن کا فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسکی طرف توجہ مکمل حواس سے ہو اس طرح کافروں کے تین حالات کی طرف اشارہ ہے جو خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ میں وارد ہے، وجہ یہ تھی کہ وہ ماقبل کیلئے علت تھی۔

مسئلہ سماع موتیٰ: کیا مردے دنیا والوں کی باتیں سن سکتے ہیں یا نہیں؟ مردوں کا زندوں کی باتیں سننے کا اتفاق مسئلہ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک مردے مطلقاً نہیں سنتے ہیں مغنی ابن قدامہ نے ص ۶۱۵ اور تکملہ شرح مہذب للنووی ص ۱۹۱، ج ۸، میں مذکور ہے اور انکی دلیل سورۃ فاطر وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ میں ذکر کی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک الکوکب الدری شرح الترمذی (ص ۳۱۹، ج ۱) میں مذکور ہے اور تفسیر مواہب الرحمان (ص ۹۰، ج ۲۱) اور تفہیم المسائل (ص ۷۳ میں بھی ہے اور اس طرح آیت کی تفسیر إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ (36 سورۃ انعام) تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۴ اور تفہیم

المسائل ص ۳۷۲ میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور تفسیر نیشاپوری ص ۷ ۱۲ تفسیر ابن جریر ص ۱۱۸ میں لکھا ہے کہ مردے نہیں سن سکتے ہیں شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ یہ قول ام المومنین عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے اور یہ ملا علی قاری کا قول بھی ہے شرح فقہ اکبر ص ۱۵۹ یہ قول تفتازانی کی شرح مقاصد ص ۲۴۱ میں ہے اور فقہاء و محدثین کا بھی یہی قول ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ (قلیب بدر) کی وجہ سے قائل ہیں تو معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا۔

جواب (۱) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس حدیث کے مقصد کو سمجھایا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کوئی اختلاف نہیں کیا لہٰذا اختلاف ختم ہوا۔ جواب (۲) یہ منصوص مواقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہ قائل تھے لیکن اہل علم کا اختلاف اس میں ہے کہ ان خاص منصوص جگہوں میں مردوں کا سننا ثابت ہے یا نہیں اکثر احناف نے منصوص مواقع پر سماع کے قول کو ذکر نہیں کیا بلکہ تاویلات کی ہیں جیسے بعد میں ذکر آئے گا اور بعض اہل علم صرف ان خاص جگہوں میں سماع کے قائل ہیں جیسے امام بخاری رحمہ اللہ ابن ہمام ملائکہ کے قدموں کی آہٹ سننے کے قائل ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ خاص مقامات میں سماع کے قائل تھے اس طرح آلوسی مفسر روح المعانی اور شاہ انور شاہ کشمیری مصنف فیض الباری شرح بخاری میں مقامات خاص (منصوص) میں سماع کے قائل ہیں اور قرآن وسنت سے ثابت شدہ مقامات (منصوص) صرف تین ہیں (۱) سِمَاعُ قَرْعِ النِّعَالِ یعنی ملائکہ کی جوتوں کی آہٹ (صحیح مسلم) (۲) متفق علیہ حدیث بدر دونوں صحیح احادیث ہیں (۳) مردوں کا زندوں کے سلام کو سن کر جواب دینا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے جیسے کہ آگے ذکر کریں گے اور جو لوگ ہر وقت مردوں کے سننے کے قائل ہیں یہ عقیدہ صحیح دلائل سے ثابت نہیں، بلکہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جب مردوں سے شفاعت مانگتے ہیں تو یہ شرک اور جب مردوں سے حاجت پوری کرواتے ہیں تو یہ عین حقیقی شرک ہے۔

اور عدم سماع موتی کی دلیل إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (سورۃ نمل) فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (سورۃ روم) وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (سورۃ فاطر) استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ یہاں پر اللہ نے کافروں (عنادیوں) کی تشبیہ مردوں کے ساتھ نہ سننے میں دی ہے (جیسے ابن جریر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے صراحت کی ہے اور صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے بھی صراحت کی ہے،) اور وجہ شبہ مشبہ بہ میں قوی ہوتا ہے یا پھر مشہور ہوتا ہے معلوم ہوا کہ مردے نہیں سنتے ہیں اس میں استدلال اشارۃ النص کے ساتھ اور وہ بھی یقینی ہے اگرچہ عبارۃ النص عنادیوں کا اللہ کی آیتوں کے نہ سننے

پر واضح ہے۔

پھر اس استدلال پر کچھ اعتراضات ہیں اسکے جوابات یہ ہیں: (۱) اس میں نفی اِسْمَاعْ (سنانے) کی ہے نہ کہ سِمَاعْ (سننے) کی۔ جواب ۱: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ سننے پر اس سے دلیل پکڑی ہے اور وہ لغت عرب کو جاننے والی تھیں اگر یہ استدلال صحیح نہ ہوتا تو وہ کیوں کرتی۔ جواب ۲: سماع مطاع تابع (اثر) ہے اسماع کے لئے اور مطاع کی نفی سے نفی مطاع لازم آتی ہے دوسرا اعتراض اسماع کا معنی سننے سے سماعت کی توفیق دینا جیسے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ میں مذکور ہے۔ جواب ۱: عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال ہے جواب (۲) الزامی قول یہ ہے کہ بعد میں فرمایا اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ کیا یہاں پر یہ معنی صحیح ہے (کہ آپ سماعت کی توفیق نہیں دے سکتے ہیں مگر اس کو جو ایمان لاتا ہے لہذا یہ معنی صحیح نہیں ہے (۳) اعتراض، یہ تشبیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کافر سنتے ہیں اور مردے نہیں سن سکتے ہیں بلکہ کافر سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں؟ جواب (۱): عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال ہے۔ جواب (۲) جواب الزامی یہ ہے کہ جب مردے سنتے اور فائدہ نہیں اٹھا سکتے تو فائدہ نہ اٹھانا عبث اور عبث کام کرنا ناجائز ہے جواب (۳) یہ ہے کہ تشبیہ صحیح ہے کیونکہ وجہ شبہ جنس کا نہ سننا اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک مطلقا نہ سننا (۲) نہ سننا بطریقہ عدم انتفاع ((اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے) تو جانب مشبہ بہ (مردے) نہیں سنتے ہیں اور جانب مشبہ (کافر) میں نہ سننا بطریقہ نفع لینے کے ہے جیسے یہ مثال زَيْدٌ كَالْاَسَدِ میں شبہ کی وجہ شجاعت ہے لیکن اسد میں شجاعت افتراس (لوگوں کو چیر پھاڑنا اور کھانا) ہے اور زید میں صرف شجاعت ہے اور تشبیہ صحیح ہے جواب (۴) یہ اشکال بعد کے جملہ میں لازم آتا ہے وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ: یعنی بہرے وہ ہیں جو کچھ بھی نہ سن سکیں اور حال یہ ہے کہ کافروں کی تشبیہ اس کے ساتھ دی ہے، اس کے جوابات درج ذیل ہیں کچھ جوابات ہیں جو پہلے جملے میں بھی ہو سکتے ہیں (۴) اعتراض بعض مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے مَوْتٰی سے مراد مَوْتَى الْقَلْبِ ہے یعنی دل مردہ ہو تو وہ کافر ہیں جواب یہ ہے کہ ایک اشارۃ النص جو عبارت کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا عبارۃ النص ہے (جو عبارت کو لانے کا مقصد ہے) اور جس نے بھی مراد کو ذکر کیا تو عبارۃ النص سے ذکر کیا سننے کا استدلال صرف بلحاظ اشارۃ النص ہے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ فقہاء نے مردوں کے نہ سننے کے مسئلہ کو باب قسم میں ذکر کیا اور قسموں کی بناء عرف پر ہے تو اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ مردے بالکل نہیں سنتے ہیں۔ جواب (۱) فقہاء نے اس مسئلہ کو باب تلقین المیت اور سلام جنازے میں بھی

ذکر کیا جیسے فتح القدیر اور البحر الرائق میں ہے۔ جواب (۲) جب عرف میں نہیں سنتے ہیں تو شرعاً بھی نہیں سن سکتے ہیں کیونکہ عرف خلاف شرع معتبر نہیں ہوتا خاص طور پر شرعی مسائل میں جواب (۳) مغنی ابن قدامہ اور تکملہ شرح مھذب میں اس مسئلہ کی دلیل میں اس آیت کو ذکر کیا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اور وہاں عرف ذکر نہیں کیا گیا ہے وہ احادیث جن سے سماع موتیٰ کی دلیل ملتی ہے اور اس کے جوابات حدیث "یسماع قرع النعالِ "یعنی مردے کو قبر میں دفنانے کے بعد لوگوں کی واپسی کے وقت ان کے قدموں کا آہٹ سننا، اور اسی وقت مردے کے پاس ملائکہ بھی آجاتے ہیں سوال جواب کے لئے۔ جواب (۱) یہ دفن کے اوقات کے ساتھ خاص ہے یعنی جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے یہ قول ابن ہمام اور امام بخاری رحمہ اللہ کا ہے جواب (۲) یہ ظاہراً جملہ تنجیزیہ ہے اور تعلیقیہ معنیٰ یہ ہے کہ لَوْ كَانَ حَيًّا اس میں پوشیدہ ہے اگر یہ مردہ زندہ ہوتا تو سنتا اور تعلیق یہ ہے کہ اب تک ملائکہ نے اس میں روح نہیں ڈالی تو کس طرح سنے گا یہ قول ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکاۃ ص ۱۹۸ میں نقل کیا۔ جواب (۳) سوال و جواب کے لئے ملائکہ کا مردے کے پاس جلدی آنا یعنی یہ ملائکہ اتنے جلدی آتے ہیں کہ اگر یہ زندہ ہوتے تو تمہارے قدموں کی آہٹ سنتے اس طرح الکوکب الدری میں بھی مذکور ہے۔ جواب (۴) اس حدیث کی عبارت اِنَّهٗ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ یعنی يُسْمَعُ صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1338 یہ بطور مثال ہے یعنی صیغہ مجہول ہے اور قرع مرفوع ہے نائب الفاعل ہے۔ جواب (۵) قدموں کی آہٹ سننا بات سننے کو مستلزم نہیں ہے اب جیسے ایک شخص چھت کے اوپر ہو اور نیچے دروازے بند ہوں تو نیچے والے صرف اوپر والے کے قدموں کی آہٹ سنیں گے نہ کہ باتوں کو سنیں گے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ حدیث ثانی: قلیب بدر یعنی قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو کنویں میں گرایا گیا پھر تین دن بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کلام کیا۔ (۱) جواب عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے مراد عَلِمَ لیا ہے سَمِعَ بمعنیٰ علم ہے اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن سے دلیل لی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے جلد ۲ ص ۵۶۷ میں ذکر کی ہے جواب (۲) یہ معجزہ و خاص ہے رسول ﷺ کے ساتھ اور اس پر قول قتادہ رحمہ اللہ دلیل ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ص ۵۶۶ میں نقل کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو قول رسول سنانے کے لئے زندہ کیا۔ جواب (۳) یہ قلیب بدر میں پھینکے گئے افراد کے لئے مختص تھا کیونکہ الفاظ میں تخصیص بھی ہے صحیح بخاری کی حدیث :1338 میں مَآ اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَآ اَقُوْلُ مِنْهُمْ یعنی اپنے قول کی تخصیص کی۔ حدیث ثالث: سلام کرنا قبروں پر صیغہ خطاب اور حرف نداء کے ساتھ۔

جواب (۱) صرف خطاب سننے کو مستلزم نہیں اس لئے کہ عربی میں اس کیلئے بہت شواہد موجود ہیں یعنی قرآن کریم سورۃ صافات آیت 91،92 میں خطاب ہے مگر سننا مراد نہیں اور حرف نداء سننے کو مستلزم نہیں کیونکہ عرب اکثر ندا کو دیگر مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں اور مردوں کے لئے عرب اور نحویوں کے نزدیک نُدْبَہ (اظہار غم) کیلئے استعمال ہوتا ہے سننا مراد نہیں ہوتا۔ جواب (۲) یہ عام سلام تحیۃ نہیں ہے بلکہ مردے کے لئے سلامتی کی دعا کرنا ہے یہ البحر الرائق اور طحطاوی ص ۳۲۱ میں لکھا ہے۔ حدیث رابع: قبر والوں پر سلام کرنا اور قبر والے جانتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ابن سمعان راوی ہے میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں اسکو کذاب وضاع کہا گیا ہے اور دوسرا اسحٰق بن یمان ہے اور اسکو میزان الاعتدال میں لَيْسَ بِالْقَوِيّ کہا اور اسی طرح آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں اور الصارم المنکی ص ۱۸۶ میں اسے ضعیف کہا ہے۔ تنبیہ تفسیر ابن کثیر میں بہت سے احادیث مذکور ہیں جو مردے کی سماعت کی دلیل ہے؟ جواب (۱) اس میں کوئی صحیح متصل احادیث موجود نہیں ان میں سے بعض پر ابن کثیر نے اور بعض پر روح المعانی میں ضعف کا حکم لگایا ہے ہر ایک سند پر کلام کرنے سے یہاں بہت تفصیل آئے گی جس کی وجہ سے مختصر ذکر کرتے ہیں۔ جواب (۲) الشیخ محمد نسیب الرفاعی نے مختصر ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۴۵ میں کہا ہے کہ نسخہ ابن کثیر دار الاندلس کی احادیث میں زیادت مذکور ہے اور دوسرے نسخہ ابن کثیر میں اسکو خود سے داخل کیا گیا ہے جبکہ شان ابن کثیر اس قسم واھیہ روایتوں سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کو ذکر کیا؟ جواب (۱) ابن حجر رحمہ اللہ نے اسکو شک کے ساتھ ذکر کیا (فَإِنْ كَانَتْ مَحْفُوظَةً)۔ جواب (۲) اس میں ایک راوی یونس بن بکیر ہے اور اسکو تہذیب التہذیب ص ۴۳۵ میں ضعیف کہا گیا ہے۔ جواب (۳) اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے اور اس کو امام مالک اور ہشام اور سلیمان تیمی وغیرہ نے کذاب کہا ہے تو معلوم ہوا کہ سماع موتی کے بارے میں حدیث قَرْعَ نِعَالِهِمْ اور قلیب بدر کے علاوہ اور کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے ان دونوں کے جواب میں تخصیص یا تاویل مذکور ہے اسکے بعد رجال واشخاص کے اقوال (جو بلا دلیل ہوں ان) سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا تمکو کمزوری سے پھر ٹھہرائی کمزوری کے بعد طاقت پھر ٹھہرایا قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا وہ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور وہ خوب جاننے اور قدرت والا ہے [54]۔

تفسیر: 54 یہ دوسری دلیل عقلی ہے اس میں انسانی حالات کے انقلاب کا ذکر ہے اور گزشتہ آیت سے ربط یہ ہے کہ سماع اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے انقلابی حالات اس میں مذکور ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مِّنْ ضُعْفٍ اس سے مراد نطفہ ہے جو کمزور پانی ہے جیسے سورۃ مرسلات آیت 25 میں (مَّآءٍ مَّهِیْنٍ) کہا یا مراد اس سے حالت ضعیف ہے ولادت کی ابتداء میں مِنْ بمعنی فی ہے مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ: اسم ظاہر ذکر کیا اس میں بچپن کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے جوڑوں کی کمزوری کا ضعف ہے اور قوت سے مراد طاقت اور جوانی ہے مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ: اس میں طاقت عقل اور سمجھ کی طرف اشارہ ہے ضُعْفًا: سے مراد تمام قوتوں کا ضعف ہے وَّ شَیْبَةً: اس سے مراد ظاہری آثار بڑھاپے کے ہیں، جو بالوں کی سفیدی ہے۔

وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

"اور جس دن قیامت قائم ہوگی قسمیں کھائیں گے گنہگار کہ نہیں وہ رہے سوائے ایک گھڑی بھر اس طرح حق سے یہ پھرتے تھے [55]۔

تفسیر: 55 اس میں تخویف اخروی ہے گزشتہ آیت سے معلوم ہوا کہ انسان بڑھاپے تک زندگی گزارتا ہے لیکن ہیبت اور رعب قیامت کی وجہ سے یا ضد وعناد کی وجہ سے انکار کرینگے اور قسمیں کھائینگے اور انکا حال سورۃ احقاف آیت 35 اور سورۃ نازعات آیت 46 اور سورۃ طٰہٰ آیت 104 اور سورۃ مومنون آیت 112 میں مذکور ہے، كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ: یعنی دنیا میں حق کی باتیں جہل وضد کی وجہ سے نہیں سنتے اس طرح قیامت میں بھی کرینگے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

"اور کہیں گے وہ لوگ جن کو علم اور ایمان دیا گیا البتہ تحقیق رہے تم اللہ کی کتاب (تقدیر) میں قیامت کے دن تک پس یہ دن دوبارہ زندہ ہونے کا ہے اور لیکن تم نہیں جانتے [56]۔

تفسیر: 56 یہ انکے انکار کا رد ہے اُوْتُوا الْعِلْمَ: ایمان کا تفصیلی علم بغیر قرآن وحدیث کے حاصل نہیں ہوسکتا ہے تو اس وجہ سے علم کو ایمان پر مقدم کیا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ کتاب سے مراد تقدیر ہے یعنی وہ عمر و رزق جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کیا یا کتاب سے مراد علم الٰہی ہے اور اس میں احوال قبر و برزخ بھی داخل ہیں۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

"تو اس دن ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تھا ان کو عذر کرنا فائدہ نہیں دیگا اور نہ انہیں معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا۔[57]۔

تفسیر: 57 اس میں بھی خوف الٰہی کا ذکر ہے یعنی علماء حق کی شہادت کے بعد اب ان کے بہانے کارآمد نہیں وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ۔ یہ عتبی سے لیا گیا ہے، رجوع کے معنی میں ہے اور رجوع سے مراد توبہ کرنا ہے یعنی ان سے توبہ کرنے مطالبہ نہیں ہوگا۔ یا پھر یہ عتاب سے لیا گیا ہے اور باب استفعال برائے سلب ہے یعنی عتاب کا ازالہ مراد ہے۔ یعنی ان سے نہ تو قبولیت توبہ ہوگی اور نہ ہی ان کو رضائے الٰہی حاصل ہوگی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

"اور تحقیق بیان کی ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے مثالیں اور اگر آپ لے آئیں ان کے لئے کوئی آیت (معجزہ) ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہو تم مگر باطل پرست [58]۔

تفسیر: 58 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب اور منکرین کیلئے اُخروی زجر ہے یعنی عذر انکو فائدہ نہیں دے گا کیونکہ قرآن کے ذریعے سے اللہ نے انکا عذر زائل کردیا پھر بھی یہ انکار کرتے ہیں مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: اس سے مختلف قسم کے بیان،

دلیلیں، مثالیں، وعیدیں، بشارتیں اور تخویفات وغیرہ مراد ہیں۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ: معجزہ لانا باذن اللہ نبی کا کام ہے اور ایمان والوں کا کام تصدیق کرنا ہے اس وجہ سے جِئْتَهُمْ: اور اَنْتُمْ: جمع ذکر کیا۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿59﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿60﴾ ع

"اس طرح مہر لگاتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو نہیں جانتے ہیں [59] پس آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ بے ہمت کریں آپ کو وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے ہیں [60]۔

تفسیر: 60:59 یہ تسلی ہے نبی ﷺ کے لئے اور پوری سورت کی تشریح ہے یعنی جب سورت میں دلائل، مثال اور وعیدیں بیان ہوئیں پھر بھی یہ منکرین ضد وعناد کرتے ہیں تو آپ ﷺ صبر سے کام لیں ان کے اس انکار پر اور اس آیت کا تعلق سورت کی ابتداء سے ہے یعنی وعدہ سے مراد نصرت الٰہی ہے وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ: اس سے بے صبری کی وجہ سے جلد بازی میں عذاب مانگنا اور دعوت وتبلیغ کو چھوڑنا مراد ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ فارس والوں پر رومیوں کی فتح کی پیشن گوئی۔

۲۔ اس سورۃ میں رومیوں کی شکست اور پھر غلبے کا تذکرہ۔

۳۔ سورۃ کے عنوان اور اثبات توحید پر کثرت سے عقلی دلائل کا تذکرہ۔

۴۔ تسبیح وتحمید سے تعبیر کرتے ہوئے پانچ نمازوں کے اوقات کا ذکر۔

۵۔ سماع موتی کی نفی۔

۶۔ بندوں کی ذات سے ردِ شرک کیلئے مثال بیان ہوئی ہے۔

اللہ کے توفیق سے سورۃ الروم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

اٰیاتھا ۳۴ | ۳۱ سورۃ لقمٰن مکیۃ ۵۷ | رکوعاتھا ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط کئی طرح سے ہے۔

(1) سورۃ عنکبوت میں ترغیب جہاد اور روم میں دعوت اور اس کی نصرت اور انقلاب بیان کیا اب اس سورت میں جہاد کا طریقہ لقمان حکیم کے واقعہ کے ساتھ بیان کر کے سمجھایا کہ نصرت الٰہی اس طرح حاصل ہوتی ہے لقمان حکیم نے دعوت رد شرک سے شروع کی کس طرح انہوں نے عقیدے، اعمال اور اخلاق کی دعوت دی اور یہ کامل دین ہے اور انہوں نے آغاز قریب سے کیا جو کہ بیٹا ہے۔ (2) سورۃ روم کے آغاز میں بادشاہوں کے مجاہدے کا ذکر کیا جو کہ صرف جہاد کر رہے تھے دنیا کے لئے اور ان کے دینی امراض کا رد ذکر کیا اس میں ایک حبشی غلام مسکین کا مجاہدہ ذکر کر کے اس کی مدح بیان کی کہ یہ حکمت کا مالک ہے۔ (3) پہلے اثبات توحید صرف عقلی دلائل سے تھا تو اس سورت میں ایک حکیم سے نقلی دلائل ذکر کر کے اشارہ دیا کہ توحید کی دعوت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی نہیں بلکہ حکمت عقلیہ کے بھی موافق ہے۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اثبات توحید نقلی دلائل سے اور ساتھ میں عقلی دلائل تفصیل سے ذکر کیے ہیں اور دعویٰ آیت نمبر 12 میں ذکر ہے اور شرک کی تین اقسام کا رد کیا ہے (۱) یعنی شرک فی التصرف (۲) شرک فی العلم (۳) شرک فی الدعاء

سورت کا خلاصہ: اس سورت میں دو باب ہیں پہلا باب آیت 19 تک اس میں قرآن کی طرف ترغیب اور قرآن کی چار صفات کا ذکر ہے نیز قرآن والوں کی بھی چار صفات آیت 5 تک مذکور ہیں پھر منکرین کے لئے چھ قباحتوں کے ذریعے سے تخویف اور بشارت کے ساتھ آیت 2 سے آیت 9 تک پھر ایک دلیل عقلی کی تفصیل آیت 10، 11 میں پھر لقمان حکیم سے نقلی دلائل ذکر کئے آیت 19 تک۔

الٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

° یہ حروف مقطعات ہیں [1] یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو حکمتوں والی ہے [2] ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے لئے [3] وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں [4]۔

تفسیر 1: یہ مقطعات اظہار و اعجاز قرآن کے لئے ہیں۔

تفسیر 2، 3، 4: ان آیتوں میں قرآن کی چار صفتیں ذکر کرنے کے ذریعے قرآن کی طرف ترغیب ہے، قرآن، کتاب، حکیم، اور هُدًى ی رحمت ہے اور چار صفات اہل قرآن کی ہیں ایمان والوں کی صفات بھی قرآن کے صداقت کے آثار ہیں لفظ اَلْحَكِيْمِ میں اشارہ ہے کہ قرآن حکمتوں سے بھرا ہوا ہے اس وجہ سے حاکموں نے بھی اس کی موافقت کی ہے اَلْمُحْسِنِيْنَ: ان کو کہتے ہیں جن کے اعمال حُسنِ شرعی کے موافق ہوں یعنی توحید، اخلاص اور اتباعِ سنت اس میں موجود ہو يُوْقِنُوْنَ: تفسیر سراج المنیر میں ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو ان کاموں سے اجتناب کرتے ہے جو ایمان کے منافی ہوں اور غافل نہیں ہوتے آخرت سے پلک جھپکنے کے برابر بھی۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

° یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی کامیاب ہیں [5]۔

تفسیر 5: اس میں چار صفات کے ذریعے سے بشارت ہے اس طرح سورۃ بقرہ میں گزرا ہے اس میں بہت تاکیدات ہیں پہلا لفظ عَلٰى: جو بلند ہونے پر دلالت کرتا ہے اور تمکن (مضبوطی) پر هُدًى ی: نکرہ ہے تعظیم کے لئے۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ: یعنی ہدایت کا دعویٰ جھوٹ سے نہیں ہے اَلْمُفْلِحُوْنَ: فلاح قرآن میں مومنین کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ہر مضرت اور تکالیف سے بچنا اور ہر مقصد کا حاصل ہو جانا اور یہ مقاصد بغیر جنت کے حاصل نہیں ہوتے اور یہ مقصد ابتدا سے جنت میں داخل ہونا ہے تا کہ جہنم سے بالکل بچ جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

" اور بعض لوگوں میں سے جو خریدتے ہیں بے فائدہ باتوں کو تا کہ وہ گمراہ کریں لوگوں کو اللہ کی راہ سے بغیر علم کے اور بنائیں اسکو مذاق بھی لوگ ہیں انکے لئے رسوائی کا عذاب ہے [6]۔

تفسیر 6: اس آیت میں تخویف اور زجر ہے قرآن کے مخالفین کیلئے اور ان کے تین حالات ذکر کئے ہیں اور اِشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد پسند کرنا اور چاہنا ہے اِشْتَرِیْ: ذکر کیا کہ اس پر اپنا مال قربان کرتے ہیں اور لَهْوَ الْحَدِيْثِ: میں اضافت مِنْ مقدر کے ساتھ ہے یا پھر اضافت بیانیہ ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو تجھے اللہ کے ذکر، بندگی اور تلاوت قرآن کریم سے غافل کردے اور اس میں غنا بھی داخل ہے غنا سے مراد غزل اور کھیل کود ہے اور ناچنے گانے کے اسباب ٹی وی وغیرہ اور مفسر خطیب شربینی نے کہا ہے کہ غنا مال کو ختم کرتا ہے اور رب تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے ساتھ میں دل کو برباد کرتا ہے ۔ لِيُضِلَّ: میں اشارہ ہے کہ یہ خود گمراہ ہیں تو اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں سَبِيْلِ اللّٰهِ: سے مراد قرآن ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ میں اشارہ ہے کہ ہر ضال اور مضل جاہل ہے هُزُوًا: اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کو حقیر اور بے مقصد جاننا اور اسکو سبب مذاق ٹھرایا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

" اور جب پڑھی جاتی ہیں اس پر ہماری آیتیں پھرتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے نہیں سنا اسکو گویا اسکے کانوں میں بوجھ ہے پس آپ اسکو خوشخبری دیں دردناک عذاب کی [7]۔

تفسیر 7: اس میں منکرین قرآن کے تین مزید قبائح کے ساتھ تخویف مذکور ہیں اور اس میں قرآن سے انکار میں مزید اضافہ ہے یعنی خود تو یہ قرآن سے غافل ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ نہ خود قرآن سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ دوسرے سے سنتے ہیں ان کو قرآن کی دعوت کے ذریعے سے بیدار کرے تو بیاس سے اعراض کرتے ہیں۔ فائدہ: گزشتہ آیت میں عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اس میں عَذَابٍ اَلِيْمٍ ذکر کیا وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو اعمال ذکر کئے اس میں کتاب اللہ کی اہانت ہے اس وجہ سے عَذَابٌ مُّهِيْنٌ مناسب تھا اور اس آیت میں ایسی صفات ذکر کیں جو قلب مؤمن کو دردد یتی ہیں اس لئے عَذَابٍ اَلِيْمٍ فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے نعمتوں والے باغات ہونگے [8] ہمیشہ رہیں گے انمیں اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے [9]۔

تفسیر 8، 9: ان آیتوں میں پہلی جماعت کیلئے خوشخبری جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ کے الفاظ دونوں جمع کئے ہیں اور اس میں اضافت بیانیہ ہے اور فائدہ یہ ہے کہ جنت میں مکمل انعامات ہیں بغیر نعمت کے کوئی وقت جگہ نہیں اور اگر برعکس کہا جاتا نَعِیۡمُ الۡجَنّٰتِ تو وہم پیدا ہوتا کہ بعض جنت میں انعام اور بعض میں نہیں۔ وَعۡدَ اللّٰهِ: جب گزشتہ آیت وعدہ کے مرتبہ میں ہے تو اس میں مؤکد ذکر کیا۔ یعنی وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا زیادہ تاکید کے لئے دوسرے جملہ کو ذکر کیا جو اصل میں اُحِقُّهٗ حَقًّا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۰﴾

"پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے تم دیکھتے ہو اسکو اور ڈال دیئے زمین میں پہاڑ تا کہ وہ نہ ہلے تم پر اور پھیلائے اس میں ہر ایک قسم کے جاندار اور نازل کیا ہم نے آسمان سے پانی تو اگائے ہم نے اس میں ہر قسم کے فائدے والے درخت [10]۔

تفسیر 10: یہ توحید کیلئے پہلی دلیل عقلی ہے اور اس میں چھ عظیم انعامات ذکر کیے گئے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اَلۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمِ ہے پہلے جملے کی تائید سورۃ رعد آیت 2 میں اور سورۃ نحل آیت 15 اور سورۃ انبیا 31 میں گزری ہے، اور تیسرے جملے کی تائید سورۃ بقرہ آیت 164 اور پانچویں جملے کی تو کثرت سے ذکر کی گی ہے۔ زَوۡجٍ درختوں اور پودوں کی اقسام اور اکثر درختوں کی مشابہت ہوتی ہے اس وجہ سے "زَوۡجٍ" کہا "کَرِیۡمٍ" کرامت اس کے فائدے جیسے کھانا، اوڑھنا وغیرہ۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ ع

"یہ اللہ کی خلقت ہے پس تم دکھاؤ مجھے کیا پیدا کیا ان لوگوں نے جو اسکے علاوہ ہے بلکہ ظالم واضح گمراہی میں ہیں [11]۔

تفسیر 11 : یہ پہلے کی توضیح ہے اور مشرکین کا رد ہے کہ تمہارے معبود خلق (پیدائش) نہیں کر سکتے تو پھر تم کس طرح انکو بندگی کے حقدار سمجھتے ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫

"اور یقیناً ہم نے لقمان کو پختہ علم سے نوازا تا کہ شکر بجالائے پکا علم دیا یہ کہ شکر ادا کر اللہ کے لئے اور جو کوئی شکر ادا کرتا ہے پس بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے لئے اور جس نے کفر کیا پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے تعریف کیا گیا [12]۔

تفسیر 12 : اس میں توحید پر دلیل نقلی پیش کی ہے اور اشارہ ہے کہ مشرکین کا طریقہ اور عقیدہ جیسے انبیاء کے طریقے کے خلاف ہے تو اس طرح حکیموں کے طریقے کے بھی خلاف ہے اس طرح حکمت کا مقابل ظلم ہے کیونکہ ظلم غیر مناسب جگہ میں کسی چیز کا استعمال ہوتا ہے اور حکمت کا استعمال مناسب جگہ پر ہوتا ہے اس وجہ سے ظالموں کے رد کے بعد حکمت کے امور کا ذکر کیا اور اس وجہ سے عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔لقمان بن باعورا ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ نبی تھا یا ولی درست یہ ہے کہ یہ ولی اللہ تھے اور عکرمہ سے جو روایت منقول ہے جس میں ہے کہ یہ نبی تھے وہ روایت جابر جعفی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ غلام حبشی اور نجار (کارپینٹر) تھے اور لقمان ایوب علیہ السلام کا بھانجا تھا یا پھوپھی کا بیٹا تھا اور داؤد علیہ السلام سے بعض علم سیکھا تھا اور بہت سی حکمتیں اللہ نے بطور انعام الہام کی تھیں الْحِكْمَةَ: سے مراد وہ علم ہے جو عمل سے پختہ ہو اور ہر چیز کو مناسب جگہ میں استعمال کر کے فائدہ اٹھانا حکمت ہے اور لقمان حکیم کے بہت سے واقعات اور اقوال ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کئے ہیں۔ حکمت دو قسم کی ہے حکمت دنیاوی اور حکمت دینی۔ قابل تعریف دوسری قسم ہے اس وجہ سے الْحِكْمَةَ کی تفسیر ذکر کی ہے۔ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ: یعنی اللہ کے احسانات ماننا اور اسکی رضا سے استعمال کرنا یہ بڑی حکمت ہے علم کو بیان دینا، یعنی دعوت دینا یہ علم کا شکر ہے اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ یا حکمت سے لفظ قُلْنَا پوشیدہ مراد ہے اور آگے آیات میں حکمت شکر کی تفصیل ہے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬

"اور جب کہا لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے اور وہ نصیحت کر رہا تھا اسکو اے میرے بیٹے نہ تو شرک کرنا اللہ کے ساتھ بلا شبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے [13]۔

تفسیر 13: یہ شکر کی پہلی قسم ہے یعنی عالم کو شرک کی تردید کرنی چاہئے پہلے اپنوں کی اصلاح کرے خصوصاً اولاد کے عقائد کی اصلاح کرنا یہ سب سے بڑی حکمت ہے اگر ان کا بیٹا مشرک تھا تو یہ وعظ شرک کے چھوڑنے کیلئے تھا اگر مشرک نہ تھا تو یہ وعظ عقیدہ توحید پر ثابت قدمی کیلئے تھا۔ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ: اس وجہ سے کہ ظلم کسی چیز کا اپنی جگہ کے علاوہ بے جا جگہ میں استعمال ہوتا ہے ظلم کا استعمال بے جا ہوتا ہے اور شرک میں انعامات الٰہی کی نسبت غیروں کی طرف ہوتی ہے جیسے شرک فی التصرف میں یا غیر کے لئے عبادت اور حقوق اللہ ادا کرنا شرک فی العبادت والدعاء میں کرتے ہیں یا اللہ کی صفات غیر کے لئے ثابت کرنا اور اللہ کی صفات مخلوق کے مشابہ کرنا یا پھر ان اسماء وصفات سے انکار کرنا یہ سب شرک فی الاسماء والصفات ہے۔ یا پھر اللہ تعالیٰ کا علم خاص (علم غیب) کو غیر کے لئے ثابت کرنا یہ شرک فی العلم ہے اس وجہ سے شرک بڑا ظلم ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۗ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭

"اور وصیت کی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ (احسان کرنے کی) اٹھاتی ہے اسکو ماں اسکی کمزوری کے حال میں کمزوری پر اور دودھ چھڑانا اسکا دو سال میں (حکم ہے) یہ کہ شکر ادا کر و میرا اور اپنے والدین کا میری طرف لوٹنا ہے [14]۔

تفسیر 14: جب یہ بات ثابت ہوئی کہ باپ کا بیٹے کی اصلاح کرنا بڑی حکمت ہے تو اب بیان ہو رہا ہے کہ اولاد کا ماں باپ کی خدمت، عزت، احترام اور احسان کرنا بھی حکمت ہے اور یہ دو آیات جملہ معترضہ کے طور پر ہیں جو لقمان حکیم کی نصیحت اور شرک کی قباحت کے درمیان ذکر کی ہیں۔ ماں باپ کا حکم ماننا فرض ہے لیکن اس طرح ہیں، شرک میں انکی بات نہیں ماننا ہو وَصَّيْنَا: وصیت پختہ حکم کو کہتے ہیں جو منسوخ نہ ہو، حَمَلَتْهُ: اس میں وصیت کا سبب ذکر ہے تقدیری عبارت (خُصُوْصًا بِوَالِدَتِهٖ لِأَنَّهَا حَمَلَتْهُ اه) ماں کا حق زیادہ محنت اور مشقت کی وجہ سے زیادہ ہے وَهْنًا

عَلٰی وَهْنٍ: زیادہ ضعف اور مشقت کی طرف اشارہ ہے یعنی تکلف حمل اور وضع حمل جیسے سورۃ احقاف آیت 15 میں ہے وَ فِصٰلُهٗ: اس میں ترتیب کی تکلیف اور دودھ چھڑانے کی تکلیف کو بھی ذکر کیا فِیْ عَامَیْنِ: جو سورۃ بقرہ آیت 233 میں مذکور ہے اس میں اس صحیح وصریح قول کی طرف اشارہ ہے کہ دودھ کی مدت دوسال ہی ہے اَنِ اشْكُرْ لِیْ یہ وَوَصَّیْنَا کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی منعم ہے دوسری بات یہ ہے کہ والدین کے حق کی حفاظت کا اللہ نے حکم دیا ہے اور والدین کے احسان کا اجروثواب شکر الٰہی پر موقوف ہے اس وجہ سے اللہ نے اَنِ اشْكُرْ لِیْ پہلے ذکر کیا جب لقمان حکیم کو شکر کرنے کا حکم تھا تو اس کی مناسبت کی وجہ سے یہاں بھی شکر ذکر کردیا اور سورۃ عنکبوت آیت 8 میں پہلے شکر ذکر نہیں کیا تھا اس لئے وہاں حُسْنًا مقدم ذکر کیا تھا۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

"اور اگر وہ مجبور کریں تمہیں اس پر کہ تو شرک کرو میرے ساتھ وہ کچھ کہ نہیں ہے تمہارے لئے اس پر کوئی دلیل پس آپ انکی اطاعت مت کرنا اور ساتھ رکھنا ان دونوں کو دنیا میں اچھے طریقے سے اور پیروی کرو اس شخص کی راہ کی جو رجوع کرے میری طرف پھر میری طرف لوٹنا ہے تمہارا پس میں خبر دونگا تمکو ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے تھے [15]۔

تفسیر 15: والدین کے حقوق کے بعد قیامت اور شرک کو بیان کیا یعنی اگرچہ والدین کا حق فرض ہے لیکن شرک کے مقام میں اطاعت کا حق ساقط ہے اور حدیث میں عام مذکور ہے بخاری حدیث لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ یعنی کسی بھی گناہ میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ: میں بہت تاکید کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر دونوں ماں باپ دعوت شرک پر متفق ہوں صرف امر نہیں کریں بلکہ کوشش بھی کریں اور جبر زبردستی کی طرف زور لگائیں تب بھی انکی اطاعت کرنا حرام ہے فِی الدُّنْیَا یعنی دنیاوی امور میں انکی مدد کرنا بشرطیکہ معروف ہو غیر شرعی امور نہ ہوں اور معروف میں مصاحبت کا مطلب یہ ہے کہ نیک اخلاق اور نرمی سے پیش آنا لازم ہے اور اس میں دعوت الی الحق بھی داخل ہے وَ اتَّبِعْ: کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ دین کے امور میں مداہنت نہ کی جائے مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ: اس سے مراد مخلص موحد اور متبع سنت ہے۔ فائدہ (۱): خطیب شربینی نے کہا اس میں قریش کے مشرکین پر تنبیہ ہے کہ وہ آباء کی تقلید کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فائدہ (۲) یہ ذکر کیا کہ اس میں حق پرست افراد کی پہچان کی ترغیب دی ہے۔

(اَمرٌبِحَکِّ الْمَشَائِخِ وَغَیْرِ هِمْ عَلٰی مِحَکِّ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ فِیْمَنْ کَانَ عَمَلُہٗ مُوَافِقًالَّہُمَا اِتَّبِعْ وَمَنْ کَانَ عَمَلُہٗ مُخَالِفًا لَّہُمَا اِجْتَنِبْ)

ترجمہ علمائے کرام کومعلوم کرنے کا حکم کہ یہ حق پرست ہے یا نہیں کتاب وسنت پرمبنی ہے اگرکسی کا عمل ان دونوں کے موافق ہوتو اسکی پیروی کی جاسکتی ہے اور جسکا عمل انکے مخالف ہوتو اس سے بچا جائے۔ تنبیہ: چونکہ یہاں بہت بڑی قباحت شرک کی ثابت کرنا تھی، قول لقمان حکیم کے ذریعے سے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اس وجہ سے یہاں عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ ذکر کیا اور سورۃ عنکبوت آیت 8 میں صرف مجاہدہ (کوشش کرنا) ماں باپ کا مذکور ہے اس لئے وہاں (لِ) ذکر کیا ہے۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾

"اے میرے بیٹے بے شک اگر ہو خصلت (نیکی یا برائی کی) بمقدار رائی کے دانے کے پس وہ ہو ایک پتھر میں یا آسمانوں اور زمین میں لے آئے گا اسکو اللہ تعالیٰ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بینی والا خبردار ہے [16]۔

تفسیر 16: اس آیت میں وہم کو دور کردیا اگر کوئی گمان کرے کہ ہم شرک یا ماں باپ کی ناشکری یا اور گناہ چھپ کر کرلیں تو اس کا علم کسی کو نہیں ہوگا تو جواب یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اور گناہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا ہے اِنَّهَآ کی ضمیر خَطِیْئَۃ (گناہ کی طرف راجع ہے) یعنی گناہ کا چھپنا دور ہونے یا پردے یا ظلمات اندھیرے یا چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہو تو ان سب کی طرف ترتیب سے اشارہ کیا گیا۔ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ: پہلا اشارہ صَخْرَةٍ دوسرا اشارہ فِی السَّمٰوٰتِ تیسری حالت فِی الْاَرْضِ چوتھا اشارہ اگر کوئی سوال کرے کہ صَخْرَةٍ کو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ذکر کیا یہ اس سے باہر ہے؟ جواب یہ تعمیم بعد التخصیص ہے تقدیری عبارت یہ ہے فِیْ صَخْرَةٍ (مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اَوْفِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ مِنْهُمَا یہ قول غلط ہے کہ یہ پتھر زمین کے نیچے ہے اور اس پر بیل کھڑا ہے وغیرہ وغیرہ۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ

"اے میرے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے منع کر اور صبر کر ان مصائب پر جو تجھے پہنچیں بے شک یہ پختہ امور میں سے ہیں [17]۔

تفسیر 17: عقیدے کے بیان (شرک کی تردید) کے بعد اعمال اور اخلاق کو ذکر کیا اس آیت میں چار اعمال ذکر کئے پہلی اقامۃ الصلاۃ یہ اشارہ ہے کہ یہ عبادت تمام دینوں میں رائج تھی اور یہ تمام عبادات میں اہم ہے [۲] دوسری امر بالمعروف [۳] تیسری نہی عن المنکر اپنے کامل ہونے سے پہلے لوگوں کو کامل کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے [۴] چوتھی مصائب پر صبر ہے مصائب بدنی مالی یا تکوینیہ یعنی امراض حوادث یا تشریعی یعنی احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے اس پر صبر کرنا عَزْمِ الْاُمُوْرِ بمعنی معزوم ہے یعنی وہ کام جو فرض ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اس کے ادا کرنے والوں کو اولو العزم کہا جاتا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ

"اور نہ پھلا نا لوگوں کے لئے اپنے گال اور نہ چلنا زمین پر اترا کر بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا شیخی خور تکبر کرنے والوں سے [18]۔

تفسیر 18: اعمال اور اوامر کے ذکر کے بعد اخلاق سیئہ کو ذکر کیا جس سے لوگوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ بدترین اخلاق متکبرین کے ہیں۔ وَلَا تُصَعِّرْ: صَعَرٌ ایک بیماری ہے جو اونٹوں پر آتی ہے اس بیماری سے اونٹوں کی گردن ٹیڑھی اور منہ پھر جاتا ہے اس میں انسان کی تذلیل کی طرف اشارہ ہے جس میں یہ عادت ہو تو وہ مرض میں اونٹ کے مثل ہوا مراد یہ ہے کہ اگر تو خود کسی سے بات کرے یا تجھ سے کوئی بات کرے تو تو اپنے چہرے کو برابر رکھنا یہ سنت اللہ کے نبی علیہ السلام کی تھی اگر کسی ایک شخص سے بات ہو اور منہ کو دوسری طرف کیا تو یہ متکبر کی صفت ہے لِلنَّاسِ میں لام علت کے لئے ہے یعنی بوجہ توہین لوگوں کو (حقیر جاننا) ہاں اگر اللہ کا حکم ہو (اَعْرِضْ عَنْهُمْ) ان سے منہ پھیر دو تو یہ اس میں شامل نہیں ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا: اس طرح سورۃ اسراء آیت 37 میں بھی گزرا ہے ہر وہ چال جو سنت کے خلاف ہو وہ نہی میں داخل ہے یا رقص (ناچنا) ہو ناز اور نزاکت سے چلنا مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ: اس طرح سورۃ نساء آیت 36 میں گزرا مُخْتَالٍ: اسے کہتے ہیں کہ لوگوں کو اپنے مقابل حقیر جانے اور اپنی تعریفیں خود کرتا ہو

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ 19 ع

"اور میانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں اور پست کر اپنی آواز بے شک بری آواز البتہ آواز ہے گدھے کی [19]۔

تفسیر 19: گزشتہ آیت میں ممانعت ان بری صفات باطنیہ کی ہوئی جو کہ تکبر ہے اس آیت میں صفات ظاہریہ کا ذکر ہے (۱) اِقْتِصَادِ مَشْيِي میانہ رویہ اختیار کرنا یعنی زیادہ تیز اور زیادہ آہستہ بھی نہ چلنا اور نہ ہی ٹیڑھا اور بہت نیچے گردن اونچی کر کے بھی نہ چلنا یعنی جب انسان رفتار میں سنت کا متبع ہو تو گویا وہ ہر کام میں سنت کا متبع ہوگا۔ دوسری صفت آواز نیچے کرنا، مِنْ صَوْتِكَ، مِنْ میں دلیل ہے کہ کبھی آواز کو بلند کرنا ثواب ہے جیسے اذان اور تلبیہ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ: اس میں اشارہ ہے کہ اس کام سے اوروں کو تکلیف ملتی ہے لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ: اس میں تخصیص اس وجہ سے کی کہ دیگر حیوانات بوقت ضرورت تھکنے کی صورت میں یا بوجھ کے بھاری ہونے کی صورت میں آواز نکالتے ہیں اور گدھا بغیر ضرورت کے آواز نکالتا ہے یہ دلیل ہے کہ جو ذکر الٰہی کو بغیر شرعی دلیل کے بلند آواز سے کرے تو اسکی مثال گدھے کی ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ 20

"کیا نہیں دیکھا تم نے بے شک اللہ تعالیٰ نے تابع کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمتوں کو ظاہری اور پوشیدہ اور بعض لوگوں میں سے جو جھگڑا کرتا ہے اللہ کے دین میں بغیر دلیل کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے [20]۔

تفسیر 20: یہاں سے آخر تک دوسرا باب ہے اس میں باقی آٹھ عقلی دلائل ہیں آیت 20، 25، 26، 27، 28، 29، 31، 34، اور زواجر ہیں آیت 20، 21، 32، اور بشارت ہے آیت 22 اور تخویف اخروی ہے آیت 33 اور شرک فی الدعاء کا رد ہے اس آیت 20 میں دوسری دلیل عقلی ہے یہ تمام چیزیں تمہارے فائدے کے لئے اللہ نے پیدا کی ہیں اور ان فائدوں میں سے ایسی حکمتیں ہیں جن کو لقمان حکیم نے سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ۔ یعنی یہ فائدے اور انعام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں ظَاهِرَةً: اس سے مراد وہ ہے جسکو عام لوگ سمجھتے ہیں یعنی ظاہری بدن مال اولاد وغیرہ وَّبَاطِنَةً: سے مراد وہ ہے جسکو اہل علم جانتے ہیں جیسے اسلام، قرآن اللہ ورسول سے محبت اور دل وعقل اور فہم وغیرہ۔ وَمِنَ النَّاسِ: اس میں عنادی منکرین کیلئے زجر ہے یعنی حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ لڑتے

ق - بِغَيْرِ عِلْمٍ: یعنی ایسا علم نہیں جس سے دلیل یقینی حاصل ہو یا یقینی عقلی ہو، وَّلَا هُدًى: اس سے مراد وہ ہدایت ہے جو رسول سے منقول ہو یعنی دلیل نقلی بھی ان کے پاس نہ ہو مطلب یہ ہے کہ ہدایت پر نہیں ہے۔ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ: اس سے مراد کتاب اللہ ہے یعنی دلیل وحی بھی اس کے پاس نہیں ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

"اور جب کہا جائے ان سے پیروی کرو تم اس چیز کی جو نازل کی ہے اللہ تعالی نے وہ کہتے ہیں بلکہ ہم پیروی کرتے ہیں جو پایا ہم نے اپنے بڑوں کو اس پر اگرچہ ہے شیطان بلاتا ہے انکو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف [21]۔

تفسیر 21: یہ دوسری زجر ہے کہ دلائل ان کے پاس نہیں ہیں لیکن بڑوں کی تقلید کرتے ہیں اور اسی کو بِغَيْرِ عِلْمٍ کے مقابل میں ذکر کیا معلوم ہوا کہ تقلید کوئی علم نہیں ہے اٰبَآءَنَا: مراد اس سے بڑے علماء ہیں صرف نسبی اباء مراد نہیں ہیں بلکہ امام راغب رحمہ اللہ نے مفرادات میں کہا ہے کہ یہ کہیں گے کہ ہمارے بڑے خوب سمجھدار تھے اس وجہ سے ہم ان کے پیروکار ہیں۔ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ اشارہ ہے کہ انکے بڑوں کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ وہ گمراہ تھے اور انکی اتباع ظاہراً باطل عمل ہے اور ایسی آیت سورۃ بقرہ 170 مائدہ آیت 104 اور سورۃ زخرف آیت 22، 23 میں گزری ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

"اور جس نے تابع کیا اپنا چہرہ اللہ تعالی کے لئے اور وہ نیکی کرنے والا ہو پس تحقیق اس نے مضبوطی سے پکڑا اس مضبوط کڑے کو اور اللہ تعالی کی طرف تمام کاموں کا انجام ہے [22]۔

تفسیر 22: جب مشرکین کا حال اور کمزوری باعتبار دلیل ذکر کی تو اس میں اللہ نے موحد کا ذکر کیا اور اس کے دلیل کی مضبوطی ذکر کی وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ: اس سے مراد ظاہری اتباع ہے وَهُوَ مُحْسِنٌ: اس سے مراد باطنی اخلاص ہے یا پہلے سے مراد اسلام توحید ہے اور احسان سے مراد اتباع سنت ہے بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى: یہ بطریقہ تشبیہ ہے یعنی جس طرح انسان طوفان اور سیلاب سے اس وقت بچتا ہے جب ایک مضبوط کڑا تھام لے یہی مثال ہے کہ انسان اللہ تعالی کے عذاب سے اس وقت بچتا ہے جب یہ مضبوط کڑا تھام کر فتنوں اور گمراہیوں سے بچ کر توحید، قرآن، سنت اور احادیث پر عمل کر کے دلیل پکڑے اسی طرح سورۃ بقرہ آیت 112، 256 میں گزرا ہے

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

"اور جس نے کفر کیا پس آپ کو غم میں نہ ڈالے اس کا کفر ہماری طرف انکا لوٹنا ہے پس ہم خبر دیں گے ان کو ساتھ اسکے جو انہوں نے اعمال کئے بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو" [23]۔ "ہم فائدہ دیں گے انکو تھوڑا پھر ہم مجبور کریں گے انکو سخت عذاب کی طرف [24]۔

تفسیر 23، 24: فریقین کے حال کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور منکرین کی کے لئے تخویف ہے۔ فَلَا يَحْزُنْكَ: مراد یہ ہے کہ آپ پر کفر کرنے والوں کا دنیاوی اور آخروی کوئی تاوان و ذمہ داری نہیں آپ غم نہ کریں ایسا نہ ہو کہ آپ غم کے سبب سے دعوت الٰہی کو چھوڑ دیں اور حزن تو غیر اختیاری چیز ہے اس سے نہی نہیں ہو سکتی ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا: یہ دنیاوی حال ہے کہ کافروں کو دنیا میں مال اولاد اور مراتب ملتے ہیں یہ قلیل ہے قَلِيْلًا: سے مراد دنیا کی مکمل زندگی کا مال ومتاع ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

"اور اگر آپ سوال کریں ان سے کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو ضرور وہ کہیں گے اللہ نے آپ کہہ دیجئے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں بلکہ انکی اکثریت نہیں جانتی ہے [25]۔

تفسیر 25: یہ دوسری دلیل عقلی اعترافی ہے اور سخت عذاب کیلئے سبب ہے کہ اقرار خالقیت کے بعد بھی شرک کرتے ہیں۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ: یہ مشرکین کا اللہ کی خالقیت کی تشریح ہے یعنی جب وہ خالق ہے تو تمام صفات الوہیت اسی کے لئے خاص ہیں یا پھر یہ کلمہ شکر ہے کہ منکرین نے اللہ کی خالقیت کا اقرار کیا اَكْثَرُهُمْ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اقرار کے بعد شرک و کفر کرتے ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

"اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ وہی بے پروا ہے [26]۔

تفسیر 26: اس میں تصرف و تدبیر کو ذکر کیا الْغَنِيُّ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تصرفات میں ولد یا مدد کا محتاج نہیں ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؁

"اور اگر بے شک ہوجائے وہ کچھ جو زمین میں ہے درخت سے قلمیں اور دریا سیاہی بعد اسکے سات سمندر مزید لائے جائیں نہیں ختم ہونگے اللہ کے کلمات یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے [27]۔

تفسیر 27: یہ دوسری دلیل عقلی ہے جب پہلے فرمایا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سب اللہ کے ہیں تو پھر یہ وہم پیدا ہوا کہ یہ تو محدود چیزیں ہیں کیا پھر اللہ تعالیٰ کے کلمات بھی محدود ہیں اس آیت میں اس وہم کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات بہت ہیں اسی طرح سورۃ کہف آیت 109 میں گزرا ہے لیکن اس میں بہت تاکید ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں لقمان حکیم کی حکمت کو ذکر کیا یعنی حکیم کی حکمتیں اللہ کے کلمات کا احاطہ نہیں کرسکتی ہیں مِنْ شَجَرَةٍ: من استغراق کے لئے بہت عموم پیدا کرتا ہے۔ وَّالْبَحْرُ: یہ دنیا میں سمجی جو کہ ایک ہے مختلف علاقوں میں تقسیم ہے رنگ بھی مختلف ہیں اس وجہ سے الگ الگ نام بھی مشہور ہیں۔ سَبْعَةُ: اس سے مراد زیادتی ہے اور کلمات سے مراد عام وحی الٰہی کے ملائک اور انبیاء یا علم اللہ اور صفت اللہ (کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ میں تیری ذات پر ثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا ہوں تو اس ثنا کا حقدار ہے جو تو نے خود اپنی ذات کی بیان کی ہے صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث 486 معجم ابن عساکر 1394) اور انکے عجائبات اور حکمتیں سب کیلئے مشترک ہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ؁

"نہیں تمہارا پیدا کرنا اور نہ تمہارا دوبارہ اٹھنا مگر ایک نفس کی طرح بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے [28]۔

تفسیر 28: یہ بھی اللہ کی عظیم قدرت پر دلیل عقلی ہے کہ اس نے ہر چیز کو علم کی احاطے میں لے رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور تمام مخلوقات پہلی اور دوبارہ پیدائش میں ایک ہی چیز ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٢٩

"کیا نہیں دیکھا آپ نے بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور مسخر کیا سورج اور چاند کو تمام چل رہے ہیں وقت مقرر تک اور بے شک اللہ تعالیٰ ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو خبردار ہے۔[29]-

تفسیر 29: یہ عقلی دلیل ہے کہ تصرّف کرنا اللہ کا زمانے میں رات ودن کے اسباب میں اس کا حق ہے اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى: اس میں اشارہ ہے تمام انتظام کے فناء ہونے کی طرف تَعْمَلُوْنَ: اشارہ ہے ان اعمال کی طرف جو رات ودن میں موجود ہوں۔ فائدہ: رات اور دن کے ساتھ يُوْلِجُ فعل مضارع ذکر کیا اور شمس وقمر کے ساتھ سَخَّرَ فعل ماضی ذکر کیا وجہ یہ ہے کہ دن رات میں انقلاب تجدُّد (نیا نیا) ہوتا ہے اور چاند وسورج کی حالت مستمر (ہمیشہ ایک طرح) فناء ہوتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝٣٠

"یہ بیان اس لیے کے بے شک اللہ تعالیٰ وہی حق ہے اور بے شک جو وہ پکارتے ہیں اس کے علاوہ وہ باطل ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ بلند ہے بڑا[30]-

تفسیر 30: یہ گزشتہ دلائل کا نتیجہ ہے بِاَنَّ میں فعل پوشیدہ ہے ذالكَ لِتَسْتَيْقِنُوْا بِاَنَّ اللّٰه هُوَ الْحَقُّ یعنی وجود الوہیت یقینی ہے یا پھر باقی کے معنی میں ہے اَلْبَاطِلَ بمعنی فانی کے ہیں یا ان سے دعا اور عبادت انکی باطل ہے اَلْعَلِيُّ: اللہ تعالیٰ بلند (علو) ہونے کے متعلق واضح ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝٣١

"کیا نہیں دیکھا آپ نے بے شک کشتی چلتی ہے دریا میں اللہ کی نعمت کے ساتھ تاکہ وہ دکھائے تمکو اپنی نشانیاں یقیناً اس میں البتہ نشانیاں ہر ایک صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے ہیں[31]-

تفسیر 31: یہ عقلی دلیل ارضی (زمینی) دلیل سماوی کے بعد ذکر کی بِنِعْمَتِ اللّٰهِ: اس سے مراد اللہ کی تعلیم ہے کشتی بنانے کا

طریقہ اور اس کا چلانا اور اجزاء کی پیدائش جو کہ لکڑی اور سریا ہے یا اس سے مراد معتدل ہوا ہے اسکے بغیر کشتی نہیں چلتی ہے
مِّنۡ اٰیٰتِہٖ: توحید کے دلائل پانی اور کشتی کے چلنے سے معلوم ہوتے ہیں جب بے انتہاء پانی اور اس میں ہر قسم کے حیوانات
اور بڑے اور بھاری جہاز اور کشتی کا پانی کی سطح پر چلنا ڈوبنے سے محفوظ رہنا یہ سب توحید کی نشانیاں ہیں۔ صَبَّارٍ
شَکُوۡرٍ: سفر کے مشکلات پر صبر کرنا ایات کے بغیر دلائل معلوم نہیں ہوتے ہیں اور جو اللہ کی قدرت کی نسبت غیر اللہ کی
طرف کرتا ہے تو اسے بھی ایات توحید معلوم نہیں ہوتے اس وجہ سے دونوں صفات ذکر کیں اور مبالغے کے صیغے اس وجہ سے
ذکر کئے کہ بعض مشکلات پر صبر کرنا اور بعض نعمتوں پر شکر کرنا تو مشرکین کی بھی عادت ہے ہر مصیبت میں صبر کرنا اور نعمت
پر شکر ادا کرنا مومن کی صفت ہے۔

وَ اِذَا غَشِیَہُمۡ مَّوۡجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۚ فَلَمَّا نَجّٰہُمۡ اِلَی الۡبَرِّ فَمِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجۡحَدُ
بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوۡرٍ ﴿۳۲﴾

"اور جب ڈھانپتی ہیں ان کو موجیں بڑے بادلوں کی طرح وہ پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے پکار پس
جب وہ نجات دیتا ہے ان کو خشکی کی طرف پس بعض ان میں سے حق پرست میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور نہیں انکار
کرتے ہیں ہماری آیتوں سے مگر ہر ایک بے عہد ناشکر [32]۔

تفسیر 32: اس آیت میں گزشتہ نعمت کی ناشکری کرنے پر زجر ہے یعنی خوف وہیبت دریا کی موجوں کی وجہ سے تو اللہ
کو خالص کر کے پکارتے ہیں عاجزی کرتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں کہ یا اللہ مدد لیکن اصل حال تو نجات کے بعد معلوم
ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جبری ایمان معتبر نہیں ہے اور یہ معلوم ہوا کہ عاجزی اور تضرع مشرکین کی اللہ کے نزدیک
قبولیت دعا کا ذریعہ ہے مُّقۡتَصِدٌ: قصد سے ماخوذ ہے اور قصد استقامت اور اعتدال کو کہتے ہیں اور یہ سورۃ مائدہ
آیت 66 اور سورۃ فاطر آیت 32 میں بھی ہے اور یہاں مُّقۡتَصِدٌ سے مراد موحد ہے جو نہ افراط کر کے اللہ کے وجود
کا انکار کرتا ہے اور نہ تفریط کر کے اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھراتا ہے۔ خَتَّارٍ: غدار کو کہتے ہیں اور یہ بے صبری کی وجہ
سے بمقابلہ صبار کے ذکر کیا کَفُوۡرٍ۔ کو بمقابلہ شَکُوۡر ذکر کیا موحدین کے علاوہ دو قسمیں ہیں لوگوں کی (۱) اللہ اور اسکے
انعامات سے منکر ہوں یعنی خَتَّارٍ کی طرح ہے (۲) یعنی اللہ تعالیٰ اور اسکے انعامات مانیں لیکن ساتھ میں شرک بھی کریں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۟ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو تم ڈرو اپنے رب سے اور ڈرو تم اس دن سے کہ نہ نفع پہنچا سکے گا والد اپنی اولاد کو اور نہ اولاد نفع کر سکے گی اپنے والد سے کچھ بھی بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس نہ دھوکے میں ڈالے تم کو دنیا کی زندگی اور نہ دھوکا دے تم کو کوئی اللہ پر دھوکا باز [33]۔

تفسیر 33: توحید کے تفصیلی دلائل اور زواجر بیان کرنے کے بعد دعوت عام کا ذکر کیا توحید، تقویٰ اور تخویف اُخروی کو بیان کیا "وَ اخْشَوْا" اس سے مراد صرف خوف عذاب ہے لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ: جب اس سورت میں والد اور ولد کا معاملہ ذکر کیا (جیسے لقمان حکیم اور ان کے بیٹے) اس وجہ سے والد اور ولد کا معاملہ تخصیص سے ذکر کیا اور سورۃ بقرہ آیت 48، 123 میں جو ہے وہ عام ہے اور یہ اعلیٰ افراد کے ساتھ خاص ہے جو ایک دوسرے کی معیت پر دکھی ہوں۔ وَالِدٌ: بمعنی گُو وَلَدٍ ہے اور ماں بھی اس میں شامل ہے لَا يَجْزِيْ فِدْيَةٌ کے معنی میں اور ضرر تکلیف کو دور کرنے کے معنی میں ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ: سے مراد روز قیامت اور اس کے احوال حساب اور میزان وغیرہ ہیں لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ: حالت ہے فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا: اس میں دنیا سے بے رغبتی ہے دنیا کی زندگی کو ہمیشہ نہ سمجھو اور مرتبوں کی وجہ سے آخرت سے غافل نہ ہونا یہ تو متاع ہے جیسے سورۃ آل عمران آیت 185 میں ہے بِاللّٰهِ: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے انکار کرو کہ اللہ نہیں ہے یا اسکے شفعاء اور شرکاء ہیں جو انکو نجات دیں گے یا پھر کہو کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے گناہ کرو اور کوئی پرواہ مت کرو یا کہو کہ اللہ کا وسیلہ ضرور چاہیے تو وسیلہ شرکیہ میں پڑے رہنا یا پھر اللہ اکیلا ہے اور ایک کام کرتا ہے اس وجہ سے اللہ نے اور معبود خالق اور حاجت روا اپنے علاوہ بنائے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝۳۴

"بے شک اللہ تعالیٰ اسکے پاس علم ہے قیامت کا اور وہ نازل کرتا ہے بارش اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور نہیں پتا کسی کو کہ کل وہ کیا کمائے گا اور نہیں پتا کسی نفس کو کہ کونسی زمین پر وہ مرے گا بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے [34]۔"

تفسیر 34: یہ عقلی دلیل ہے جو گزشتہ آیت میں یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ کے ساتھ متعلق ہے عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ: لفظ عِنْدَهٗ دلیل ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جب علامات قیامت انبیاء کرام کو بتائی گئیں تو یہ بھی غیب کی خبروں میں ایک قسم خبر تھی اسلئے لَا تَدْرِیْ نہیں فرمایا۔ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ: یہاں فعل اِنْزَالٌ ذکر کیا جب کہ اِنْزَالُ اللّٰه کا فعل ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ضرور عالم ہے یا پھر علم الساعۃ پر عطف ہے یعنی عِنْدَهٗ عِلْمُ اِنْزَالِ الْغَیْثِ اور یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ان دونوں میں پہلی علامت ظاہر ہوتی ہے تو کچھ علم بندوں کو حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے صیغہ تخصیص ذکر نہیں کیا اگرچہ یہاں تخصیص مراد ہے عطف معنوی کے ساتھ تقدیری عبارت یہ ہے عِنْدَهٗ عِلْمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ یہاں ایک اشکال ہے کہ رحم میں بچوں کا علم بذریعہ آلات حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تخصیص کس طرح ہوسکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ بچے کے بارے میں صرف مذکر و مؤنث معلوم کرنا مراد نہیں ہے بلکہ ان کے حالات کے بارے میں پورا پورا علم حاصل کرنا یہ کب پیدا ہوگا صالح عمل کرے گا یا برا کتنی زندگی ہوگی اور کہاں کہاں سفر کرے گا اور ان پر کتنے مصائب آئیں گے مالدار یا غریب ہوگا جنتی ہوگا یا جہنمی وغیرہ یہ احوال اللہ کے علاوہ کسی بھی آلات سے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ اسکا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ وَ مَا تَدْرِیْ: ان دونوں جملوں میں یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی بھی آلات اور علامت سے اللہ کے علاوہ کسی کو یہ علم نہیں ہے، فائدہ ۱: صحیح بخاری کتاب الاستسقاء حدیث 1039 میں پانچ چیزوں کو مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ کہا جبکہ یہ پانچ چیزیں نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کا علم بہت سی چیزوں پر مشتمل ہے۔ قیامت کے تفصیلی حالات بارش کے تفصیلی حالات اور اعمال اور کل کے اعمال کے تفصیلی حالات اور وہ جگہ جو موت کی ہے یہ غیب کے خزانے ہیں۔ فائدہ ۲: بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ان پانچ کے علاوہ باقی مغیبات کا علم اللہ نے رسول ﷺ کو دیا ہے کیونکہ ان پانچ کی تخصیص کا ذکر کیا ہے نیز یہ کہ بعض مفسرین نے روایات نقل کی ہیں کہ ان کے علاوہ باقی علم اللہ

نے رسول علیہ السلام کو دیا ہے پہلی بات یہ ہے کہ تخصیص سے نفی ماسوا واقع نہیں ہوتی جیسے قاعدہ مسلّمہ ہے اور اس کا ذکر صرف اس وجہ سے کیا کہ مشرکوں نے ان ہی پانچ کے بارے میں سوال کیا تھا اس طرح تفسیر روح المعانی میں بھی مذکور ہے اور جو اس تقسیم کی احادیث مفسرین نے ذکر کی ہیں وہ بے سند ہیں یا ضعیف اسانید سے منقول ہیں نیز قرآن کریم کی دیگر وہ آیتیں جو نبی کریم سے نفی علم غیب پر واضح اور صریح ہیں اُن میں ان پانچ کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں ہے علم غیب کی نفی کا واضح رد ہے اور اس میں ان پانچ کے ساتھ نفی خاص نہیں کی۔

سورۃ لقمان کی خصوصیات:

١۔ اثبات توحید پر کثرت سے دلائل کا تذکرہ۔

٢۔ لقمان حکیم سے دلیل نقلی بطور خاص بیان کرنا جو کہ کثیر حکمتوں پر مبنی ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کے علم و کلمات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

٤۔ پانچ ایسے اُمور جنہیں مغیبات کی چابیاں قرار دیا گیا ہے البتہ مغیبات ان میں منحصر نہیں ہے۔

٥۔ آباء و اجداد کے عمل کو دلیل میں پیش کرنے پر رد کیا گیا ہے۔

تَمَّ تفسیر سورۃ لقمان بتوفیقہٖ تعالیٰ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

آیاتہا ۳۰ ۳۲ سورۃ السجدۃ مکیۃ ۷۵ رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"یہ حروف مقطعات ہے۔ نزول کتاب کا نہیں کوئی شک اس میں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

اس سورت کے اور نام یہ ہیں (۱) سورۃ الم سجدہ (۲) سورۃ السجدہ (۳) سورۃ المضاجع (۴) سورۃ سجدۃ لقمان

ربط (۱): گزشتہ سورت میں عقلی و نقلی دلائل کے ذریعے شرک پر رد کیا گیا تو اب اس سورت میں مشرک و موحد کے درمیان فرق دنیا و آخرت کے لحاظ سے بیان ہو رہا ہے۔ (۲): اس سورت میں سورۃ لقمان کی آخری آیت کی تشریح ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ آیت 5، 11، 12، 13، 14 میں۔ اور وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ کی تشریح آیت 27 میں اور وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ کی تشریح آیت 8، 9 میں ہے اور چوتھے جملے کی تشریح (وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا) آیت 5، 13 میں ہے اور پانچویں جملے (وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ) کی تشریح آیت 10، 11) میں ہے۔ (۳): گزشتہ سورت میں ماں کے پیٹ میں انسان کے حمل کا تذکرہ تھا تو اس سورت میں انسان کے ابتدائی پیدائش اور قبر کی حالت اور حشر کا ذکر ہو رہا ہے۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: مومن اور مشرک کے حال کے درمیان فرق بیان کرتا ہے اور ماخذ اس کا آیت نمبر 16 ہیں۔ ابتداء سے آیت 14 تک منکرین کے احوال ذکر کیے اور آیت 3 میں قرآن کی طرف جھوٹ کی نسبت آیت 9 میں شکر نہ کرنا اور آیت 10 میں دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا آیت 12 میں موت کا ان پر روز قیامت آنا آیت 13، 14 میں مجرموں کا حال ذکر کیا اور مومنوں کا حال آیت 15، 16، 17 میں پھر فرق کو ذکر کیا آیت 18 سے آیت 22 تک بطور سزا و جزاء آیت 23، 24، 25 میں پھر زجر اور تخویف منکرین کیلئے آیت 26، 27، 28، 29 میں ور آخری آیت سورت کی مکمل تشریح ہے۔ فائدہ: جب اس سورت میں انسان کے حالات ذکر کیے اور فرق جو آخرت اور روز قیامت معلوم ہوگا (جس کو یوم الفصل اور یوم الفتح سے مسمیٰ کیا) تو اس وجہ سے جمعہ کے روز اس سورت کی تلاوت

نماز فجر میں سنت ہے اور ہر رات اس سورت کو بستر پر پڑھنا مستحب ہے اور ان دونوں اعمال کے بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں۔(صحیح بخاری کتاب الجمعۃ حدیث 891 صحیح مسلم حدیث 65،880 صحیح ترمذی کتاب الدعوات حدیث 3404، احمد۔حاکم)

خلاصہ سورت: اس میں دو ابواب ہیں اول باب آیت 18 تک (۱) ترغیب الی القرآن (۲) منکرین کیلئے زجر آیت 3 تک تین عقلی دلائل آیت 4، 5، 7 میں پھر منکرین کے لئے زجر ہے پھر تین آیات میں تخویف اُخروی ہے اور زجر اور بشارتیں تین آیات میں ذکر کیے گئے ہیں۔

تفسیر 1: اس آیت میں قرآن کے اعجاز پر تنبیہ ہے۔

تفسیر 2: یہ صدقِ قرآن کی ترغیب ہے لَا رَيْبَ فِيهِ: یہ جملہ معترضہ ہے مبتداء اور خبر کے درمیان یا یہ خبر اول ہے مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ خبر ثانی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ شک کرنے والے بہت سارے ہیں لیکن انکے شکوک سے قرآن میں کوئی شک پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

"کیا وہ کہتے ہیں گھڑا ہے اس کو بلکہ وہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تا کہ وہ ہدایت پائیں[3]۔

تفسیر 3: یہ قرآن کے منکرین کیلئے زجر ہے بَلْ هُوَ الْحَقُّ: یہ اس قول سے اضراب ہے افْتَرٰىهُ یہ تو اضراب ابطالی ہے اور یہ اس وجہ سے کہا گیا کہ بَلْ قرآن میں ہر مقام پر اضراب انتقالی ہے سوائے اس مقام کے جو ابطالی ہے۔ مِنْ رَّبِّكَ: یہاں انزال پوشیدہ ہے اور لِتُنْذِرَ هُمْ کے متعلق ہے مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ: اشارہ ہے کہ انکا انذار بہت سخت ہے کیونکہ یہ جاہل ہیں اور یہ اشارہ ہے کہ یہ قوم نبی اور ھدایت کی بہت محتاج ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

" اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پھر برابر ہوا عرش پر نہیں ہوگا تمہارے لئے اسکے علاوہ کوئی دوست اور نہ ہی کوئی سفارشی کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ہو [4]۔

تفسیر 4: یہ انذار تفصیلی ہے یعنی توحید کو عقلی دلائل سے ذکر کیا مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ امداد کرنے والے دو قسم کے ہیں ۔(۱) وہ جو خود تصرف کر کے حاجت پوری کریں اور مصیبت دور کریں اسے ولی اللہ کہا جاتا ہے (۲) جو خود تو کام نہ کر سکے بلکہ مالک اور مختار کو تحتی سے کہہ کر حاجت پوری کریں تو اسے شفیع کہا جاتا ہے توحید کے اثبات کے لئے دونوں کی نفی کی گئی۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

" وہ تدبیر کرتا ہے انتظام کرتا ہے کاموں کی آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اسکی طرف اس دن میں جس کی مقدار ہزار سال ہے اس سے جو تم شمار کرتے ہو [5]۔

تفسیر 5: یہ دوسری دلیل عقلی ہے یعنی جب ثابت ہوا کہ اللہ خالق عرش پر مستوی ہے اور پورا اختیار والا ہے اب ذکر کیا کہ عالم کے انتظام کو چلانے والا بھی وہی ہے یہ نظام کسی کے حوالے نہیں کیا معلوم ہوا کہ قطب اور غوث نہیں جو تدبیر کر سکیں اس آیت میں دو تفاسیر ہیں (۱) الامر سے مراد تمام امور عالم ہیں مِنَ السَّمَاۗءِ کے لئے متعلق پوشیدہ ہے فَيُنَزِّلُهٗ مِنَ السَّمَاۗءِ یعنی اتارتا ہے آسمان سے اس میں اشارہ ان امور کی طرف ہے جو عالم اسفل میں انسانوں کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور يَعْرُجُ بمعنی يَرْجِعُ ہے اور ضمیر امر کی طرف راجع ہے اور رجوع فنا عالم سے مراد ہے فِيْ يَوْمٍ متعلق ہے يَعْرُجُ کے لئے اور اس سے مراد روز قیامت ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ الامر سے مراد وحی ہے جو جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے فِيْ يَوْمٍ سے مراد دنیا کا دن ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال مسافت ہے تو آنے جانے کے ہزار سال ہوئے اور فِيْ يَوْمٍ متعلق ہے دونوں فعلوں کے لئے (فَيُنَزِّلُ يَعْرُجُ) اس میں مقصود تدبیر وحی ہے اور صدق قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ فائدہ: پہلی تفسیر پر اعتراض ہے کہ سورۃ معارج میں ہزار سال ہیں۔ جواب 1: یہ قیامت کی ہیبت کے اعتبار سے ہے بے انتہا ہیبت میں ہزار سال مذکور ہیں۔

جواب 2: سورۃ معارج میں ہے کہ چڑھنے کا دن 50 ہزار سال ہے۔ جواب 3: سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھنے کا دن پچاس ہزار سال ہے اور پہلے آسمان تک ہزار سال ہے۔ طبرانی کبیر 8987 مجمع الزوائد 86/1 الاسماء والصفات 401 للبیہقی، دارمی فی رد الجہمیہ 26 ابن خزیمۃ فی التوحید 105 علامہ ہیثمی اور ابن قیم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦﴾

"وہی ذات جاننے والی ہے پوشیدہ اور ظاہر کو اور وہی غالب مہربان ہے [6]۔

تفسیر 6: یہ دلیل عقلی اور سائل کی تائید ہے یعنی اللہ تعالیٰ تدبیر اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ عالم کا تفصیلی علم رکھتا ہے اس کے علم کے بغیر تدبیر نہیں ہو سکتی ہے۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾

"وہ ذات جس نے حسین بنایا ہر ایک چیز کو اور ابتداء کی انسانوں کی تخلیق کی مٹی سے [7]۔

تفسیر 7: اور یہ دلیل عقلی ہے پہلی دلیل آفاقی تھی یہ دلیل انفسی ہے اَحْسَنَ یعنی مضبوط کیا ہر ایک چیز کو پیدا کرنے میں مراد یہ ہے کہ ہر مخلوق کو مناسب شکل وصورت اور اعضاء سے پیدا کیا وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ: جب عام خلق کا ذکر ہوا تو اس جملے میں پیدائش کو ترتیب دی۔ فائدہ: یہ صریح ہے کہ پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور سورۃ حجر اور ص سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان آدم علیہ السلام ہے یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ پہلے انسان آدم علیہ السلام نہیں تھے فقط نبی تھے جو اس ارتقاء کے قائل ہیں وہ قرآن کریم کے منکر ہیں۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾

"پھر بنایا اس کی نسل کو نچوڑے پانی کے حقیر قطرے سے [8]۔

تفسیر 8: نَسْلَهٗ: سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں آدم علیہ السلام مراد ہے سُلٰلَةٍ: زور سے نچوڑا گیا اشارہ ہے کہ جو پانی شہوت کے ساتھ سینے اور کمر کی ہڈی سے نکلتا ہے اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

"پھر برابر کیا اور پھونکا اس میں اپنی جانب سے روح اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بہت کم ہیں جو تم شکر ادا کرتے ہو [9]۔

تفسیر 9: اس میں انسان کی خلقت کی تکمیل ہے سَوّٰىهُ: سے مراد اسکے انقلابات اعضاء کے مکمل ہونے تک ہیں جو سورۃ مومنون آیت 13، 14 میں مذکور ہے رُّوْحِهٖ: اسکی نسبت اللہ کی طرف اس وجہ ہوتی ہے کہ روح کی پیدائش کے لئے کوئی ظاہری مادہ نہیں ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اس طرح نَاقَةُ اللّٰهِ بھی ہے اور سمع و بصر و دل کو بھی خاص ذکر کیا کیونکہ یہ تو تمیں بھی پوشیدہ ہیں روح کی طرح اگرچہ اعضاء اسکے ظاہر ہیں دوسری وجہ تخصیص کی یہ ہے کہ یہ علم کے اسباب ہیں اور جب کانوں کا سننا صرف آواز نہیں جو صرف ایک نوع ہے اور دل کا سمجھنا اور آنکھیں اسکے بہت سے انواع ہیں اس وجہ سے سمع مفرد ذکر کیا اور ابصار اور اَفْـِٕدَة کو جمع ذکر کیا اور یہ سورۃ انعام سورۃ نحل آیت 78 ملک آیت 23 سورۃ مومنون آیت 77 میں بھی ذکر کیا قَلِيْلًا: تھوڑے لوگ شکر گزار ہیں اور ما تاکید قلت کے لئے ہے یا مراد یہ ہے کہ تھوڑا شکر یہ ادا کرتے ہیں یعنی سخت تکلیف کے وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں یا پھر قلت سے مراد عدم ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩

"اور کہا انہوں نے جب ہم کھو جائیں زمین میں تو کیا بے شک ہم نئی پیدائش میں کئے جائیں گے بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرتے ہیں [10]۔

تفسیر 10: یہ انکار بعث بعد الموت پر زجر ہے جب پہلے رسول کی سچائی بیان کی پھر توحید کو دلائل سے بیان کیا اب چوتھا مقصد ذکر کیا (اثبات آخرت) جب گزشتہ آیات اثبات قیامت کے لئے کافی تھیں اس وجہ سے اور دلائل ذکر نہیں کئے بَلْ هُمْ: یہ ترقی کے لئے ہے یعنی صرف تعجب اور انکار بعث نہیں بلکہ قیامت کے تمام حالات سے انکار کرتے ہیں۔

ع قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪

" آپ ﷺ کہہ دیجئے فوت کرے گا (روح نکالے گا) تمکو وہ ملک الموت جو مقرر کیا گیا تمہارے لئے پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے [11]۔

تفسیر 11: یہ ان کے انکار کا جواب ہے جو پہلے گزرا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسکے

قبض کرنے پر ملک الموت کو مقرر کیا تو کیا وہ قادر ذات اختیار نہیں رکھتی کہ تمکو دوبارہ پیدا کرے۔ **فائدہ:** اشکال یہ ہے کہ ملک الموت مفرد ذکر کیا اور سورۃ انعام آیت 41 سورۃ نساء آیت 97 میں جمع ذکر کیا تو اس کی کیا تطبیق ہے؟ جواب (۱) ملک الموت ایک ہے جسکا نام عزرائیل مشہور ہے (اگرچہ یہ نام میرے علم کے مطابق کسی صریح مرفوع نص میں نہیں ہے ان کے ساتھ فرمان بردار ملائکہ ہیں بعض کی روح قبض کرنے کے لئے خود جاتا ہے اور بعض کے لئے ملائک کو بھیجتا ہے یہاں مراد واحد جنسی ہے یعنی جنس ملک الموت اور اس کی جمع کے ساتھ کوئی منافات نہیں ہے اور جو روایتیں عزرائیل کے تصرف عامہ اور علم عامہ پر مفسرین نے ذکر کی ہیں اس میں کوئی بھی مرفوع صحیح حدیث نہیں ہے (واللہ اعلم)۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝

"اور اگر آپ دیکھیں جب گنہگار جھکائے ہوئے ہونگے اپنے سروں کو اپنے رب کے نزدیک اسے ہمارے رب دیکھا ہم نے اور سنا ہم نے پس لوٹا دے ہم کو ہم نیک عمل کریں بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں [12]۔

تفسیر 12: یہ منکرین کیلئے تخویف اُخروی ہے اور ان کے احوال کا ذکر ہے، (وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ) رجوع الی اللہ سے المجرمون مراد ہیں جو قرآن اور رسول اور توحید و قیامت سے (جو گزشتہ آیتوں میں مذکور ہے) انکار کرتے ہیں نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ: یہ ندامت کی علامت ہے اور شرمندگی و ذلت ہے۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا: اس سے مراد وہ باتیں ہیں کہ دنیا میں یہ اس سے انکار کرتے تھے وہ چیزیں جو یہ آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے (يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ مراد ہے) اسی طرح وحی الٰہی اور قرآن و حدیث کو یہ دنیا میں بھی نہیں سنتے تھے اب دونوں حالات مجبوراً حاصل ہوئے علم کے اسباب استعمال کرنے کے بعد یقین حاصل ہوتا ہے اسلئے سَمْع اور بَصَر کے بعد مُوْقِنُوْنَ فرمایا اور دنیا میں واپس جانے کی طلب سورۃ انعام آیت 27 اعراف آیت 82 سورۃ مومنون آیت 98 میں مذکور ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

"اور اگر ہم چاہتے ضرور دیتے ہم ہر ایک نفس کو اس کی ہدایت لیکن ثابت ہوگئی میری طرف سے کہ ضرور میں بھروں گا جہنم کو جن و انس سے اور تمام لوگوں سے [13]۔

تفسیر 13: یہ بھی زجر میں داخل ہے اور یہ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا کے ساتھ متعلق ہے یعنی دنیا میں انہوں نے ہدایت اس وجہ

سے حاصل نہیں کی کہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے یہ مذہب اہل سنت کا ہے اللہ تعالیٰ نے کافر کو ایمان و ہدایت دینے کا ارادہ نہیں کیا وَ لٰكِنْ: یہ وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہ کونسا سبب ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت پیش نہ کر دیتا؟ جواب: جہنم سے ان مجرموں کے بھرنے کا فیصلہ کیا اور اللہ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا سورۃ ص آیت 85 میں مذکور ہے۔

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ إِنَّا نَسِينَاكُمْ ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

"پس چکھو تم بسبب اسکے جو بھلائی تم نے ملاقات اس دن کی یقیناً بھلایا ہم نے تمکو اور چکھو تم ہمیشگی کا عذاب بسبب اسکے جو تم عمل کرتے تھے [14]۔

تفسیر 14: یہ بھی تخویف میں داخل ہے کہ بندہ قیامت کو فراموش کر لیتا ہے کیونکہ انکار قیامت دیگر کفریات کیلئے سبب ہے إِنَّا نَسِينَاكُمْ: یعنی انکو دنیا میں ہدایت سے محروم کرنا یا پھر مراد آخرت میں عذاب کو چکھاتے ہیں نَسِيًّا مَّنسِيًّا کے ساتھ چھوڑنا اور دونوں لفظوں (نسیتم نسینا کم) بھلانا مراد ہے ذُوقُوا: دو مرتبہ ذکر کیا اس میں عذاب کے بہت سی قسموں کی طرف اشارہ ہے۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾

"بے شک ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں کے ساتھ وہ لوگ جب یاد کیا جاتا ہے اسکے ساتھ وہ گر پڑتے ہیں سجدے میں اور تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور وہ تکبر نہیں کرتے ہیں" [15]۔

تفسیر 15: اس آیت میں ایمان والوں کا حال منکرین کے حال کے بعد ذکر کرکے فرق اور بشارت کے لئے ذکر کیا ہے اس آیت میں انکے تین حالات ذکر کئے پہلا اعضاء کے اعمال سجدہ دوسرا عمل زبان کی تسبیح اور حمد ہے تیسرا عمل دل کا تکبر نہ کرنا اور یہ علامات مومن بالقرآن کی ہیں إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا: یہ خاص حالت ہے یعنی جب آیات سجدے کے وقت پڑھی جاتی ہیں تو یہ سجدہ کرتے ہیں اور بہت عاجزی اور تضرع اظہار کو خَرُّوا: کے ساتھ تعبیر کیا اور یہ عام حالات کی طرف اشارہ ہے پھر سجدے سے مراد قرآن کا انقیاد اور پیروی کرنا ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿16﴾

"الگ کرتے ہیں اپنی کروٹوں کو بستروں سے وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر اور طمع سے اور اس چیز سے جو رزق دیا ہم نے انکو وہ خرچ کرتے ہیں[16]۔

تفسیر16: پہلی آیت میں دن کا حال ذکر کیا اور اس میں رات کا حال ذکر ہے(1) اپنے بستر سے ذیعہ ہوتے ہیں۔ مَضَاجِعِ میں اشارہ ہے کہ ساری رات آرام بستر کے باوجود بھی نہیں کرتے ہیں اور جب سونے میں سنت طریقہ دائیں طرف سونا ہے اس وجہ سے جُنُوْب ذکر کیا دوسرا حال يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ: یہ جملہ حالیہ ذکر کیا بستر سے دور ہونا اور فساق اور فجار کی طرح نہیں بلکہ عبادت کے لئے ہے الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ دعا ہی عبادت ہے سنن ابوداؤد حدیث 1479 ترمذی 2969، سنن کبریٰ للنسائی 11464، ابن ماجہ 3828، اس وجہ سے دعا کو ذکر کیا اور تمام عبادات بدنیہ اس میں داخل ہیں خوف کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ اسباب گناہ اور کوتاہیاں بہت زیادہ ہیں اور وَطَمَعًا: ذکر کیا رجاء کو ذکر نہیں کیا اشارہ ہے کہ عمل کا کچھ اعتبار نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں دوسرا حال مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ: تمام عبادات بدنیا اس میں داخل ہیں یعنی عبادت مالی اپنے مال کو اللہ کی راہ اور تبلیغ دین پر قربان کرتے ہیں باوجود اسکے وہ اس پر نظر نہیں رکھتے ہیں اور رحمت کی طمع کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿17﴾

"پس نہیں جانتا کوئی نفس جو پوشیدہ کیا گیا ہے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے بدلہ ہے بوجہ اسکے جو وہ نیک عمل کرتے تھے[17]۔

تفسیر17: یہ بشارت اخروی ہے اور گزشتہ اسباب پر مبنی ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ: اسمیں بہت تاکید اور مبالغہ جنت کے عظیم انعامات میں کیا گیا اور بخاری کی حدیث میں ہے(مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ صحیح مسلم کتاب الایمان 189، 533 ترمذی 318، ترغیب 2/267، ابوداؤد 2130) ایسے انعام نہ آنکھ نے دیکھے نہ کان نے سنے اور نہ کسی انسانی دل پر خیال گزرا اس لئے کہ ان اعضاء کے ادراک کی انتہاء ہے اور جنت کے انعام بے انتہاء ہیں۔ فائدہ: اگر کہا جائے کہ بہت سے انعام کا ذکر اللہ نے قرآنی آیات میں کیا تو اسکا علم حاصل ہوا پھر کس طرح فَلَا تَعْلَمُ فرمایا؟ جواب: یہ قرآن کریم میں صرف تعبیرات مخلوق کو سمجھانے کے لئے ہیں اگرچہ حقیقت دنیا کی ان نعمتوں سے

الگ ہے تو اس وجہ سے کہا حقیقت کسی نفس کو معلوم نہیں، قُرَّةِ اَعْيُنٍ: آنکھوں کی ٹھنڈک عرف میں کنایہ ہے تمام خوشیوں سے جیسے سورۃ فرقان آیت 74 میں یہ لفظ گزرا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۖ لَا يَسْتَوُوْنَ ﴿١٨﴾

"کیا پس وہ جو مومن ہوتا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو کافر ہو وہ برابر نہیں ہوسکتے ہیں [18]۔

تفسیر 18: اس آیت سے آخر تک دوسرا باب ہے ان تینوں آیتوں میں تقابل اہل ایمان و اہل کفر کا ہے پھر منکرین کے لئے تخویف دنیاوی اور زجر ہے ان دو آیتوں میں پھر موسیٰ علیہ السلام کا حال اور انکے متبعین کا دلیل نقلی کے ساتھ ذکر کیا پھر تخویف و زجر تین آیات میں ہے اور آخری آیت میں تسلی دی رسول اللہ ﷺ کو۔ آیت 18 سورت کا دعویٰ مذکور ہے فَاسِقًا: اس سے مراد فاسق ہے جو عقیدہ میں کافر اور مشرک ہو۔ لَا يَسْتَوُوْنَ: جمع کا صیغہ ہے مومن وفاسق سے انکار ہر فرد مراد ہے قتادہ سے روایت ہے کہ یہ برابری دنیا موت کے وقت اور نہ ہی آخرت میں ہے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کر گئے پس ان کے رہنے کے لئے باغات ہیں یہ مہمان نوازی ہے بوجہ اس کے جو وہ عمل کرتے تھے [19]

تفسیر 19: یہ عدم مساوات کی تفصیل ہے اس میں مومنوں کا حال اللہ نے ذکر کیا اور بشارت دی ہے الْمَاْوٰى: اس سے مراد ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے یہ دنیا کے مقابل ہے جو ارتحال کی جگہ ہے۔ نُزُلًا: یعنی ان کے لئے انعامات ہر وقت ہونگے دنیا کی مہمانوں کی طرح صرف تین دن مہمان نوازی نہیں ہوگی بلکہ ساری زندگی مہمان رہیں گے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٠﴾

"اور وہ لوگ جنہوں نے گناہ کیئے پس انکا ٹھکانا جہنم ہے جب کبھی وہ ارادہ کرینگے کہ وہ نکلیں اس سے دوبارہ لوٹائے جائیں گے اس میں اور کہا جائیگا ان کے لئے چکھو تم آگ کا عذاب وہ جو تم اسکو جھٹلاتے تھے [20]۔

تفسیر 20: یہ دوسرے فریق کا ذکر ہے اور ان کے لئے تخویف ہے كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ: اس جملہ

میں ہمیشہ رہنے کی طرف جہنم میں اشارہ ہے اور ان کی اہانت اور بے عزتی کی طرف اشارہ ہے یہ نُزُلًا کے مقابل ہے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

"اور ضرور ہم چکھائیں گے ان کو قریب کے عذاب پہلے بڑے عذاب سے تاکہ وہ لوٹیں [21]۔

تفسیر 21: یہ دوسرے فریق کا حال ہے اور دنیاوی عذاب کا خوف ہے الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ: سے مراد دنیا کا عذاب ہے ادنیٰ بمعنی قریب ہے یا پھر معنی کم درجے والا دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ: اس سے مراد عذاب آخرت ہے یا پھر مراد قبر کا عذاب ہے۔ فائدہ: ادنیٰ کے مقابلے میں اقصیٰ آتا ہے یہاں پر اکبر کیوں ذکر کیا؟ وجہ یہ ہے کہ دنیا کے عذاب میں دو صفات ہیں ایک درد دوسرا بڑا یہ آخرت کا عذاب ہے دنیا میں بھی دو صفات ہیں ایک قریب دوسرا کم ہونا دنیا کے عذاب میں خوف اور موثر صفت قریب ہے اور آخرت کے عذاب میں خوف کے لئے موثر صفت بڑا ہونا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾

"اور کون شخص زیادہ ظالم ہے اس شخص سے کہ ذکر کی جائیں اسکے رب کی آیات پھر وہ منہ پھیرتا ہے اس سے بے شک ہم گنہگاروں سے بدلہ لینے ہیں [22]۔

تفسیر 22: یہ بھی دوسرے فریق کا حال بطریقہ زجر بیان کیا ہے اور ما قبل کے عذاب کا سبب بیان کیا۔ مُنتَقِمُونَ: میں آخرت اور دنیا دونوں عذاب کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾

"اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب پس نہ آپ ہونا شک میں اسکی ملاقات سے اور بنایا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے لئے [23]۔

تفسیر 23: اس میں سابقہ مومنین کا ذکر ہے اور اس کا تعلق سورت کی آیت 2،3 سے ہے یعنی صدق قرآن اور رسول تائید ہے فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ: معنی لقاء اور ضمیر میں بہت سے اقوال ہیں۔(۱) لقاء بمعنی ملاقات (۲) التلقی قبول کرنا (۳) لینا اضافت مفعول کی طرف ہے (۲) اضافت فاعل کی طرف ہے اور ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یا کتاب یا رب کی طرف معنی کی تفصیل یہ ہے (۱) پس آپ ﷺ قبول کرنے میں شک نہ کریں موسیٰ علیہ السلام سے اسکی کتاب میں (۲) پس آپ ﷺ اس کتاب کے مثل لینے میں شک نہ کریں (۳) پس شک میں نہ ہونا موسیٰ علیہ السلام کی

طرح مصیبتوں کے سامنے ہونے سے (۴) پس نہ آپ شک میں ہونا موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات سے شب معراج میں یعنی انکو دیکھنا بالکل حق ہے اور یہ ملاقات روحوں سے تھی جو انکے جسموں کے مثل بنائی گئی تھیں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور یہ تفصیل سورۃ بنی اسرائیل آیت 5 میں گزری ہے پس آپ رب کی ملاقات سے شک میں نہ ہونا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾

"اور بنائے ہم نے ان میں سے امام جو بیان کرتے ہمارے حکم سے جب صبر کیا انہوں نے اور تھے وہ ہماری آیتوں کے ساتھ یقین کرتے [24]۔

تفسیر 24: اس میں موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ذکر کیا کہ ان میں دعوت وتبلیغ جاری تھی اب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں دعوت جاری رہے گی اور اس آیت میں أَئِمَّةً عام ہے انبیاء اور علماء بنی اسرائیل کے لئے جیسے سورۃ انبیاء آیت 73 میں ہے اور یہ آیت دلیل ہے کہ صبر اور یقین سے امامت دین حاصل ہوتی ہے جیسے ابن کثیر نے کہا صبر کے ساتھ خواہشات کے راستے بند ہوتے ہیں اور یقین سے مشکوک چیزیں زائل ہوتی ہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

"بے شک آپ کا رب وہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس چیز میں جو تھے وہ اختلاف کرتے [25]۔

تفسیر 25: اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں اختلاف پیدا ہوئے تھے اب آپ کی امت میں بھی اختلاف ہوگا جیسے حدیث (سَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً) میں مذکور ہے۔ ترمذی 2640، حاکم 128، ابن حبان 6747 صحیح ترغیب صحیح ابن ماجہ 3991

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾

"کیا ظاہر نہیں ہوا انکے لئے کہ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے بستیاں جو یہ چلتے ہیں ان کے گھر میں بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں کیا یہ سنتے نہیں ہے [26]۔

تفسیر 26: یہ دوسرے فریق کیلئے وعید ہے جو منکرین ہیں کیا یہ منکرین گزشتہ منکرین دنیاوی عذاب سے عبرت حاصل نہیں

کرتے یَہۡدِ: یہ بمعنی عقلیہ ہدایت ہے کیا ان کے عقلوں کے لئے ظاہر نہیں ہوا اَفَلَا یَسۡمَعُوۡنَ جب گزشتہ امت کے واقعات سننے کے ساتھ متعلق ہے تو اس وجہ سے اس میں نہ سننے پر وعید ذکر کی۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا تَاۡکُلُ مِنۡہُ اَنۡعَامُہُمۡ وَ اَنۡفُسُہُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

"کیا نہیں دیکھا انہوں نے بے شک ہم چلاتے ہیں پانی کو (بارش کا پانی) بنجر زمین کی طرف پس ہم نکالتے ہیں اسکے ساتھ فصلیں کھاتے ہیں اس سے جانور اور انکے نفس کیا وہ نہیں دیکھتے ہیں [27]۔

تفسیر 27: یہ منکرین کے لئے ایک اور زجر ہے کہ عقلی دلائل سے عبرت نہیں لیتے ہیں نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اس میں بارش کی طرف اشارہ ہے الۡجُرُزِ: وہ زمین جس سے درخت سوکھ گئے ہوں اور وہ زمین بنجر (رہ جائے) فصل والی زمین کو جرز نہیں کہتے ہیں کیونکہ بعد میں فَنُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا ذکر کیا کیونکہ فصلوں اور درختوں میں جانوروں کی خوراک زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے اَنۡعَامُہُمۡ: ذکر کیا یہ آیات دیکھنے کے ساتھ متعلق ہے اسوجہ سے اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ذکر کیا۔

وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۸﴾

"اور وہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ کا دن یا فیصلہ اگر ہو تم سچے" [28]۔

تفسیر 28: یہ بھی انکار قیامت سے متعلق ہے اس میں فصل (قیامت) کا ذکر کیا انہوں نے انکار کیا الۡفَتۡحُ یہ ماخوذ ہے فُتَاحَۃٌ سے بمعنی فیصلے کے کیونکہ فتح ظاہر ہونا کھولنا کے معنی میں ہے اور فیصلہ میں بھی اظہار حق ہوتا ہے۔

قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمَانُہُمۡ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۹﴾

"آپ ﷺ کہہ دیجئے فیصلے کا دن وہ ہے کہ نہیں فائدہ دے گا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا انکا ایمان اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے [29]۔

تفسیر 29: یہ جواب ہے یعنی انکا مقصد ہے کہ اگر بالفرض فیصلہ کا دن آئے تو پھر ایمان لائیں گے تو جواب دیا اس دن ایمان قبول نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایمان جبری ہوگا۔ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ ظرف ہے لَا یَنۡفَعُ کے لئے۔

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

"پس آپ منہ پھیر یں ان سے اور انتظار کریں بے شک وہ انتظار کرنے والے ہیں[30]۔

تفسیر 30: یہ ماقبل زجر کیلئے تشریح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلّی ہے اور اعراض سے مراد بے پرواہ ہونا یا ان سے براءت کرنا مُّنْتَظِرُونَ: یعنی یہ آپ کی موت اور قتل کا انتظار کرتے ہیں یا منکرین کے عذاب کا انتظار ایمان والوں کے لئے کرتے ہیں یا پھر منکرین اپنی عاقبت کا انتظار کرتے ہیں۔

سورۃ سجدہ کی خصوصیات:

۱۔ انسانیت کی ابتداء کا تذکرہ ہے۔

۲۔ ملک الموت کو موت کے معاملات سونپ دیئے گئے ہیں۔

۳۔ ایمان والوں اور کفار کے معاملات میں جدائی ہے۔

۴۔ مؤمنین کے صفات کا تذکرہ۔

۵۔ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا تذکرہ۔

۶۔ بنی اسرائیل کے آئمہ کا تذکرہ۔

تمّ تفسیر سورہ تنزیل السجدہ بفضلہ تعالیٰ

رکوعاتھا ۹ ۳۳ سورۃ الاحزاب مدنیۃ ۹۰ ایاتھا ۷۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

ربط: اس کا ربط ماقبل کے ساتھ چند وجوہ سے ہے۔(۱) گزشتہ سورت میں توحید کا مسئلہ تھا تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا ذکر ہے۔(۲) سابقہ سورت میں ردشرک ذکر تھا اس میں بدعات کا رد ہے (۳) گزشتہ سورتوں میں توحید کو ثابت کیا گیا تھا تو اس میں دعوت پر ابھارا ہے (۴) گزشتہ سورت کے اختتام میں انتظار کا حکم تھا اس سورت میں انتظار میں عمل کرنے کے لئے اوامر بیان ہو رہے ہیں۔

سورت کا دعویٰ یا توضیح بنیادی مضمون: بارہ خطابات کے ذریعے نبی ﷺ کو ترغیب دی کہ دعوت دو اور بدعت کی تردید کرو اور سولہ خطابات کے ذریعے امت کو عموماً و خصوصاً اطاعت رسول کی ترغیب دی گئی ہے اور اثبات توحید تین مثالوں کے ذریعے کیا گیا ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت چار ابواب میں تقسیم ہے پہلا باب آیت 9 تک ہے اس میں رسول ﷺ کو چار خطابات کے ذریعے سے سورۃ کا دعویٰ ذکر کیا آیت 3 تک اور پھر تین اقوال میں ایک رسم کا رد کیا ہے اور اشارہ ہے مثالوں میں آیت 4 تک اور مومنوں کو خطاب ہے آیت 5،4 میں اور پانچواں خطاب نبی ﷺ کو 7-8 میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ

مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

"اے نبی ﷺ ڈرجائیں اللہ سے اور نہ آپ اطاعت کرنا کافروں کی اور منافقین کی بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے [1] اور آپ پیروی کریں اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپکے رب کی طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو خبردار ہے [2] اور آپ بھروسا کرنا اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز [3]۔

تفسیر 1، 2، 3: ان آیات میں نبی ﷺ کو چار خطابات ہیں تین اوامر اور ایک نہی ہے یہ تمام اُمور دعوت کی ترغیب کیلئے ہیں پہلا سبب اس میں روحانی اور باطنی ہے (تقویٰ) دوسرا رکاوٹوں کو ہٹانا ہے سو وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔

تیسرا دعوت کا طریقہ ہے وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ: اور چوتھا خوف کا ازالہ اور اخلاص کو تھامنا ہے وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔
فائدہ: اس سورت کے آغاز میں مفسر خازن خطیب شربینی اور دیگر مفسرین رحمھم اللہ نے لکھا ہے کہ واقعہ احد کے بعد مشرکین کا وفد مکہ سے آیا اور مدینہ کے منافقین سے مشورہ کیا پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ سے اتحاد اور مصالحت کی بات اس طرح کی کہ آپ لات منات کو برا بھلا مت کہیں بلکہ ان کے لئے ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ شفاعت قہریہ کے مالک ہیں جس طرح ہمارا عقیدہ ہے پھر ہم آپ کی دیگر باتوں میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے پھر منافقین نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اختلاف بھی ختم ہوجائے گا اور لڑائیاں بھی پھر یہ آپ پر حملہ بھی نہیں کریں گے (ان تمام باتوں کا مقصد مداہنت کی طرف ترغیب تھی) تو اس سورت کی ابتداء ان کے جواب میں نازل ہوئی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ: یہ نداء نبی ﷺ کی عظمت کے لئے ہے کیونکہ محمد ﷺ نہیں فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ آپ بڑی شان والے ہیں اور حکمت کی خبریں دینے والے ہیں لہٰذا بعد والے سارے خطابات پر عمل کرتے رہنا۔ اتَّقِ اللّٰهَ: مراد اس سے تقویٰ پر قائم رہنا ہمیشگی کرنا وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ: شرک کے ماننے میں کافروں کی اتباع مت کرنا وَ الْمُنٰفِقِيْنَ: مداہنت اور حق کے بیان کو چھوڑنے میں منافقین کی اطاعت مت کرنا۔ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ: اس سے مراد قرآن وحدیث ہے وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ: اس سے مراد غیر اللہ سے خوف کی نفی ہے وَكِيْلًا: اللہ کی صفات میں سے ہے جو تمام امور کی تدبیریں کرنے والا ہے اور اس صفت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں اس وجہ سے وَكِيْلًا: کہا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

"نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے لئے دو دل اسکے پیٹ میں اور نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو وہ جو تم ظہار کرتے ہو ان سے تمہاری مائیں اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے یہ کہنا ہے تمہارے منہ کے (بے دلیل) اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے [4]۔

تفسیر 4: اس آیت میں مشرکین کے تین اقوال کی تردید مقصود ہے (1) نبی ﷺ اس سے مراد ہیں کیونکہ ان سے مشرکین نے کہا تھا کہ ہمارے معبودوں کے لئے شفعاء قہریہ کا عقیدہ تسلیم کرو تب ہم تمہارے ساتھ عظمت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی تسلیم کریں گے اسکا رد کیا گیا کہ عقیدہ کا محل دل ہے اور شرک و توحید دونوں متضاد ہیں تو یہ دونوں عقیدے ایک دل میں جمع

نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ضدین کا اجتماع عقلاً محال ہے اور دو دل تو ایک شخص کے نہیں ہو سکتے ہیں یعنی بیک وقت ایک شخص موحد بھی اور مشرک بھی ہو (اس آیت کا تعلق اِتَّقِ اللّٰهَ سے ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ زوجہ (بیوی) کو یہ ظہار میں ماں کی طرح سمجھتے ہیں اور حقیقتاً اس کو ہمیشہ کے لئے حرام تصور کرتے ہیں اس کی تفصیل سورۃ مجادلہ میں آئے گی مراد یہ ہے کہ ایک عورت میں دونوں متضاد صفتیں جمع نہیں ہوسکتی ہیں کہ ماں بھی ہو اور زوجہ بھی اور دوسرا اشارہ مثال میں یہ ہے کہ بندہ معبود نہیں ہوسکتا (۳) کسی اور کے بیٹے کو کہنا کہ تو میرا بیٹا ہے اور اسے متبنیٰ منہ بولا بیٹا کہے پھر اسے بیٹا سمجھ کر اس پر بیٹے کے احکام جاری کرتے ہیں اور اس کی بیوی کو مثل بہو کے اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں مراد یہ ہے کہ ایک ولد میں یہ متضاد صفات جمع نہیں ہوسکتی ہیں کہ ایک ماں باپ سے بھی پیدا ہوا اور دوسرے ماں باپ سے بھی جیسے مشرک (دعویٰ) خیال کرتے ہیں کہ اللہ کا ولد ہے اور فریادرس معبود بھی ہے یہ اجتماع ضدین ہے جو محال ہے عقلاً بھی شرعاً بھی اور گزشتہ ہوئے جملے میں مشرکین پر نفی التحلیل والتحریم میں رد ہے یعنی حلال شرعی کو بغیر دلیل حرام سمجھتے ہیں اور یہ تین (اوھام) اعتراض مشرکین نے اللہ کے نبی پر کئے تھے اس کو سبب بنا کر انہوں نے رسول ﷺ کو تبلیغ سے منع کرنا چاہا اسکا تعلق وَلَاتُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کے ساتھ ہے۔ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یہ کنایہ ہے کہ یہ قول بے دلیل ہے یعنی جب ایک قول زبان پر ہو وہ دل میں نہ ہو تو وہ باطل ہے وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ تین باتیں عقلاً بھی یقینی ہیں اور اللہ کی شریعت میں بھی صحیح ثابت ہیں۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

"بلاؤ انکو بنسبت انکے باپوں کے یہ بہت انصاف والی بات ہے اللہ کے نزدیک پس اگر تم نہ جانو انکے باپوں کو پس تمہارے دین میں بھائی اور تمہارے (آزاد کردہ) غلام ہیں اور نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اس چیز میں جو تم نے خطاء کی اس میں لیکن جو قصد کریں تمہارے دل اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [5]۔

تفسیر 5: یہ ایمان والوں کو مشرکین کے رسم کے رد میں ہے جو کہ متبنیٰ ہے پہلا خطاب ہے اور اس میں متبنیٰ کے بارے میں پہلا ادب ہے چونکہ اس سورت میں زید بن حارثہ کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے رسول نے انکو متبنیٰ بنایا تھا اور لوگ انہیں زید بن محمد ﷺ کہتے تھے پھر اللہ کے رسول نے زید کی مطلقہ بیوی (زینب رضی اللہ عنہا) سے شادی

کی تو ان مشرکین اور منافقین نے اعتراضات کئے کہ نبی نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی تو اس سورت میں اللہ نے تر دید ذکر کی آیت 4 میں فرمایا زید نبی ﷺ کا بیٹا نہیں ہوسکتا پھر منع کیا اس آیت میں کہ زید کو نبی کی طرف منسوب مت کرو اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ :دعاء سے مراد نام ہے یعنی آواز دیتے وقت اسے زید بن حارثہ کہو اور اس حکم کی وجہ سے اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اکثر ایک دوسرے کو کنیت سے پکارتے ہیں جیسے ابن عباس ابن مسعود ابن عمر رضی اللہ عنہم اور اس طرح بعد کے علماء ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرھما اور جہاں تک ابوفلان کی بات ہے تو وہ اس وقت کنیت ہوتی ہے جب بیٹا موجود ہو جیسے ابوالعباس اور اس لئے کہ ابن عباس کے بیٹے کا نام عباس تھا اور کبھی بطور صفت استعمال ہوتا ہے جیسے ابوالقاسم نبی ﷺ کی صفت ہیں کیونکہ اس سے مراد وصف قاسمیت ہے یہ نہیں کہ قاسم بیٹا تھا اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ: اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو یا اَخِي یَامَوْلٰی فُلَان اور مَوَالِيْكُمْ کے دو معانی ہیں (۱) دوست (۲) آزاد کردہ غلام جس طرح زید کو اللہ کے رسول ﷺ نے آزاد کیا تھا تو اس کو مولیٰ رسول اللہ ﷺ کہا جاتا تھا۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ: یہ عام قانون الٰہی ہے مسئلہ متعلق ہو یا اور اقوال سب میں خطاء معاف ہے جب خطاء معاف ہے تو نسیان بطریق اولیٰ معاف ہے خطاء میں حکم بے ارادہ ہو اور نسیان میں حکم بھول کے ہو۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝6

" نبی بہت مہربان ہے ایمان والوں پر انکے نفسوں سے اور انکی بیویاں انکی مائیں اور رشتہ دار انکے بعض زیادہ حقدار ہے بعض سے اللہ کے حکم میں مومنین اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کی طرف نیکی کرو یہ حکم کتاب میں لکھا گیا ہے [6]۔

تفسیر 6: یہ دوسرا خطاب مومنین کو نبی ﷺ اور ان کی بیویوں کی عظمت کے بارے میں ہے اَوْلٰی: پہلا معنی ہے زیادہ شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں ایمان والوں پر ان کے نفسوں سے کیونکہ نفس اکثر خواہشات کی طرف دعوت دیتا ہے اور یہ ہلاکت کا سبب ہے اور پیغمبر ہر حال میں ہدایت اور نجات کی طرف بلاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کی شفقت انکے نفسوں اور والدین سے بھی زیادہ ہے دوسرا معنی نبی ﷺ کی اتباع کرنا بہت پہلے اور افضل ہے نفسوں کی اتباع سے اور نبی ﷺ کا لحاظ کرنا نفس کے لحاظ سے بہتر ہے جیسے کہ سورۃ توبہ آیت 120 میں ہے لیکن پہلا معنی بہتر ہے اور اشارہ ہے کہ نبی تمہارے لئے باپ کی طرح ہے اس وجہ سے قراءت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں هُوَ اَبُوْهُمْ آیا ہے تو باپ کی

عیب جوئی ناجائز ہے وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ :مراد ماؤں کے ساتھ تشبیہ ہے اور ان کی تعظیم ایمان والوں پر واجب ہے اور وہ دیگر مومنوں پر ہمیشہ حرام ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی عیب جوئی مت کرو بلکہ انہیں ماؤں کی طرح قابل احترام سمجھو، وَاُولُوا الْاَرْحَامِ اس جملے سے ایک وہم دور ہوتا ہے جب نبی تمہارے باپ کی طرح ہوا بیویاں مائیں بن گئی تو پھر ان کی میراث اس امت کا حق ہے؟ جواب میں کہا میراث کا تعلق نسب سے ہے اور اُولُوا الْاَرْحَامِ سے مراد قرابت نسب ہے فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مراد اس سے حکم میراث ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ. یہ اَوْلٰی کے ساتھ متعلق ہے یعنی نسب میراث میں ایمان و ہجرت سے پہلے ہے یا بَعْضُهُمْ کے ساتھ متعلق ہے یعنی مِنْ بیانیہ ہے اور یہ دونوں صفات اس وجہ سے خاص ذکر کیں۔ کہ ایمان دوستی اور محبت کا سبب ہے اور ہجرت سبب حاجت ہے یعنی دونوں اسباب ہیں لیکن میراث کے لئے سبب نہیں بن سکتا ہے اور انصار ذکر نہیں کیئے بلکہ مومنین میں ان کو داخل کیا۔ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا: اولیاء سے مراد ایمان اور ہجرت کے سبب دوستی ہو اور معروف سے مراد وصیت کرنا ہے ہدیہ دینا اور احسان کرنا یہ استثناء منقطع ہے یعنی اِلَّا بمعنی لٰكِنْ ہے اور اَنْ تَفْعَلُوْۤا : یہ تاویل مصدر کے ساتھ مبتداء ہے اور اس کی خبر جَائِزٌ محذوف ہے الْكِتٰبِ :اس سے مراد لوح محفوظ ہے یا گزشتہ کتابیں ہیں جن میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا حکم مذکور ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۙ لِّیَسْــٴَـلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۠

"اور جب لیا ہم نے نبیوں سے پختہ وعدہ اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ ابن مریم سے اور لیا ہم نے ان سے پختہ وعدہ [7] تاکہ سوال کرے سچوں سے انکے صدق کے بارے میں اور تیار کیا کافروں کے لئے عذاب دردناک [8]۔

تفسیر 7، 8: اس آیت میں پانچواں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ کے پورا کرنے پر کیا ہے اور پہلی آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اس میں ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت شفیق ہیں کیونکہ یہ نبی داعی ہے اور داعی کو چاہئے کہ وہ بچوں کیطرح ان پر رحم کرے باپ کے مانند۔ مِیْثَاقَهُمْ : اس سے مراد میثاق دعوت تبلیغ توحید اور تصدیق کرنا ایک دوسرے کے اور مِنْكَ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور یہ النَّبِیّٖنَ :کے بعد تخصیص بعد التعمیم ہے کیونکہ ان پانچ انبیاء علیہم السلام پر تکالیف بہت گزریں اور ان کے امتیں بھی بہت مشہور ہیں مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا: اس سے مراد پہلا میثاق ہے اسکو تاکید کے لئے دوبارہ ذکر کیا اور غَلِیْظًا سے مراد اسکی پختگی ہے حلف باللہ کے ساتھ یا پہلے میثاق سے مراد دعوت وتبلیغ ہے دوسرے سے مراد آخری

رسول کی تصدیق ہے جیسے سورۃ آل عمران آیت 18 میں مذکور ہے ۔لِّيَسْـَٔلَ : یہ علت یا عاقبت میثاق لینے کی ہے
صِدْقِهِمْ : سے مراد صدق ہے دعوت و تبلیغ اور انبیاء سے سوال کرنے میں جیسے سورۃ اعراف آیت 4 میں مذکور ہے
اور اَعَدَّ عطف ہے اَخَذْنَا پر تقدیری عبارت کے ذریعے یعنی انبیاء سے وعدہ کیا کہ ثواب دے گا اللہ تعالیٰ مومنوں
کو اور کافروں کے لئے عذاب تیار کیا ہے یا پھر عبارت میں دونوں اطراف محذوف ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ
وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾

"اے وہ لوگو جنہوں نے ایمان لایا یاد کرو تم اللہ کی نعمتوں کو جو کی ہیں تم پر جب آئے تمہارے پاس لشکر پس بھیجی ہم نے ان
پر ہوا اور لشکر جو تم نے نہیں دیکھے اور ہے اللہ تعالیٰ ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے [9]۔

تفسیر 9: اس آیت سے آیت 28 تک دوسرا باب ہے اس میں ایمان والوں کو دو خطابات ہیں آیت 9، 21 میں
اور درمیان میں مومنوں اور منافقین کے حال کا تقابل ہے اور منافقین کے چودہ (14) قبائح ذکر کئے اور مومنوں کو نصرت
اور غلبے کے ساتھ بشارتیں ہیں غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ میں اور ان آیات میں غزوہ خندق جس کو غزوہ احزاب بھی
کہا جاتا ہے ذکر کیا گیا ہے ہجرت کے چوتھے سال یا پانچویں سال شوال کے مہینہ میں قریش اور غطفان اور یہودیوں میں
سے بنو قریظہ نے ملکر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا عزم کیا تو نبی ﷺ نے مدینہ کو بچانے کے لئے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
رائے پر اور دیگر صحابہ کے معیت میں خندق کھودنے کا حکم دیا اور اس میں بہت سے معجزات بھی ظاہر ہوئے اور مسلمان
تقریباً تین ہزار تھے ایک مہینہ گزرا مگر جنگ نہیں ہوئی بلکہ کبھی کبھی تیر پتھر مارنے کا سلسلہ جاری رہتا آخر کار اللہ تعالیٰ نے
ان پر صبا کی ہوا بھیجی جس سے انکے خیمے اکھیڑ دیئے گئے اور ان کے آگ بجھائی گئی اور ان کا سامان اور دیگیں وغیرہ اڑائی
گئیں اور ملائک بھی بھیجے گئے جو ان کے پاس تکبیرات کی آوازیں بلند کرنے لگے اور ان کے منہ پھیر دیئے بغیر جنگ کے
کافر بھاگ گئے اور سامان وغیرہ رہ گیا۔نِعْمَةَ ٱللَّهِ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے رِيحًا: مراد ریح
الصبا (ہوا صبا ہے) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ) صحیح بخاری
1035 صحیح مسلم 350- 900 کتاب المغازی 4105] صباء مشرق کی طرف سے آتی ہے اور دبور مغرب کی طرف
سے آتی ہے (یا صبا سے ہماری مدد کی گئی اور دبور سے عادیوں کو ہلاک کیا گیا ہے)

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا سے مراد ملائکہ ہیں اور پہلے جنود سے مراد کافروں کا لشکر ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

"جب وہ آئے تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے کی جانب سے اور جب ٹیڑھی ہوگئیں نظریں اور پہنچ گئے دل حلق کو اور تم گمان کرنے لگے اللہ پر (مختلف) گمان [10]۔

تفسیر 10 : اس آیت میں اس وقت کی سختی اور ہیبت کا ذکر ہے جب قبیلہ بنو غطفان اوپر کی طرف سے آئے یعنی مشرق کی طرف سے اور قریش مدینے کے نیچے سے آئے۔ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ: اشارہ ہے کہ بہت ڈر اور ہیبت کی وجہ سے آنکھوں پر اثر ہوتا ہے اور دلوں پر بھی بہت اثر ہوتا ہے دونوں ظاہر پر محمول ہیں یا اس سے مراد زیادہ رعب اور ڈر ہے الظُّنُوْنَا: مختلف گمان ہیں مومنوں کا گمان اللہ تعالیٰ پر تھا کہ وہ اپنے غلبے کا وعدہ پورا کرتا ہے لیکن ہمارا امتحان لیتا ہے وہ بے صبری سے ڈر رہے تھے۔ اور منافقین کا گمان یہ تھا کہ رسول حق پر نہیں اس وجہ سے ان پر اتنے مصائب آئے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد نہیں کرتا۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

"اسی جگہ آزمایا گیا مومنوں کو اور وہ جھنجھوڑ دیئے گئے سخت جھنجھوڑنے کے ساتھ [11]۔

تفسیر 11 : یہ سختی کی طرف اشارہ ہے اور ایسی سختی مخلص ایمان والوں کے لئے آزمائش ہوتی ہے نہ کہ عذاب اور یہ ابتلاء درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے اور ابتلاء کا اثر دل پر اور باطنی قوتوں پر ہوتا ہے اور زلزال کا اثر ظاہری جوڑوں پر ہوتا ہے لیکن دونوں حالتوں میں مومن ثابت قدم رہتا ہے اور اپنے دین سے دوسرے دین کی طرف رغبت نہیں کرتا ہے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

"اور جب منافقین نے کہا اور ان لوگوں نے جنکے دلوں میں بیماری ہے نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اسکے رسول نے مگر دھوکے کا [12]۔

تفسیر 12 : اس آیت میں منافقین کا حال ذکر ہے اس واقعہ احزاب میں ان کے لئے زجر ہے اور ان کی صفات قبیحہ

کا ذکر ہے یہاں مَّرَضٌ سے مراد شکوک وشبہات ہیں جو منافق اعتقادی کی ایک قسم ہے اِلَّا غُرُوْرًا: یعنی وعدہ نصرت اور فتح پر انہوں نے ہم کو بزرگوں کے دین سے ہٹایا اور اب ہمارے ساتھ مدد نہیں کرتے ہیں یہ کلمہ کفر ہے اور یہ منافق کی پہلی صفت قبیح ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

"اور جب کہا ایک جماعت نے ان میں سے اے یثرب (مدینے) والوں نہیں ہے طاقت تمہارے لئے پس تم واپس ہو جاؤ اور اجازت طلب کی ایک گروہ نے ان میں سے نبی سے وہ کہتے ہیں بے شک ہمارے گھر خالی ہیں اور وہ خالی نہیں ہیں نہیں وہ ارادہ کرتے ہیں مگر بھاگنے کا [13]۔

تفسیر 13: اس آیت میں منافقین کے لئے زجر ہے اور ان کے دو گروہ کا ذکر ہے (۱) گروہ جو لوگوں کو قتال فی سبیل اللہ سے واپس کرتا تھا (۲) جو جھوٹ کے عذر پیش کر کے جہاد سے پیچھے رہتا تھا پہلے قسم کے لوگ تھوڑے تھے اسے طائفہ کہا دوسرا گروہ زیادہ تھا اسے فریق کہا اس آیت میں منافقین کی تین قباحتیں ذکر کی ہیں یثرب دورِ جہالت میں مدینہ کو کہتے تھے کیونکہ اس کی آب ہوا خراب تھی اور اس میں بیماریاں تھیں اور ثراب ندامت اور ناراضگی کو بھی کہتے ہیں جیسے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ میں ذکر ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ مدینے کی آب ہوا رہنے والوں کے لئے بہتر بنا دے اور اس کی بیماریوں کو جحفہ منتقل کر دے اس وقت جحفہ میں یہودی آباد تھے اور مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا لیکن منافقین مخالفت رسول میں پھر بھی یثرب نام کہتے تھے صحیح بخاری کتاب الفضائل المدینہ حدیث 1889 اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس شہر کو جس نے سب سے پہلے آباد کیا وہ عمالقہ میں سے تھے اور اس کا نام یثرب بن عمیل تھا اس وجہ سے یثرب نام رکھا گیا تھا لَا مُقَامَ: میم کے پیش سے اقامت ہے یہاں مقابلہ کی طاقت مراد ہے فَارْجِعُوْا: میدان جنگ سے واپس ہو جاؤ یا دین اسلام سے باپ دادا کے دین کی طرف پلٹ جاؤ عَوْرَةٌ: عور عیب اور نقصان کو کہتے ہیں یعنی محفوظ نہیں ہیں دروازے نہیں ہیں یا دیواریں چھوٹی ہیں دشمن آسانی سے چڑھ سکتے ہیں اور حفاظت کرنے والوں سے خالی ہیں اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا: یعنی ان کا ارادہ گھروں کی حفاظت نہیں بلکہ جہاد سے فرار اختیار کرنا ہے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

"اور اگر داخل کیا جاتا ان پر مدینہ کی تمام اطراف سے پھر مانگا جاتا ان سے شرک تو ضرور آتے اسکو اور نہ ٹھہرتے مگر تھوڑے[14]۔

تفسیر 14: اس میں منافقین کیلیے زجر ہے اور ان کے دو قبائح ذکر کیے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح یہ میدان جہاد سے بھاگنے کے لئے تیار ہیں اسی طرح یہ توحید سے بھی پھر سکتے ہیں وَ لَوْ دُخِلَتْ: میں اشارہ ہے کہ کافروں کے لشکر احزاب مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے اَلْفِتْنَةَ: سے مراد شرک ہے یا مومنوں کے مقابلہ میں لڑائی کرنا بِھَآ: یہ ضمیر فتنہ کی طرف راجع ہے فتنہ سے مراد اجابت فتنہ ہے پھر یہ مدینہ میں فتنہ قبول کرنے کے بعد نہیں رہیں گے بلکہ عذاب سے جلدی ہلاک ہو جائیں گے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

"یقیناً انہوں نے اللہ سے وعدہ لیا تھا اس سے پہلے کہ یہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے وعدے کا سوال کیا جائے گا۔[15]۔

تفسیر 15: اس آیت میں بھی منافقین کو زجر ہے اور ان کی ایک بری عادت نقض عہد ذکر کی ہے لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اس میں تقدیری عبارت یہ ہے فَنَقَضُوْا ھٰذَا الْعَھْدَ فِیْ غَزْوَۃِ الْاَحْزَابِ (یہ وعدہ غزوہ احزاب میں توڑا) وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا۔ یعنی وَفَاءُ عَھْدِاللّٰہِ اور مَسْئُوْلًا اَلْوَفَاءُ بِہٖ یعنی اللہ کے عہد کو پورا کرنے کے بارے میں پوچھا جائے گا اس جملہ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ انہوں نے وعدے کی خلاف ورزی اس وجہ سے کی کہ یہ وعدہ پورا کرنا واجب نہیں ہے تو اس جملے میں جواب دیا۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے ہرگز فائدہ نہیں دے گا تم کو یہ بھاگنا اگر تم بھاگو موت سے یا قتل سے اور اس وقت تم کو فائدہ نہیں دیا جاتا مگر بہت کم[16]۔

تفسیر 16: اس آیت میں بھی زجر اور تخویف منافقین کو عہد توڑنے پر ہے مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ: اس سے مراد موت کی جگہ ہے جیسے میدان جہاد سے بھاگنا یا طاعون کی جگہ سے اور وباء سے بھاگنا یہ سب گناہ ہیں اور موت سے بچا بھی

نہیں جا سکتا ہے جب اجل مقرر ہو، وَ اِذًا: اگر کوئی بھاگے اور بچ جائے تو پھر بھی موت قریب ہے اور زندگی مختصر ہے قلیل فائدے کے لئے خود کو کثیر فائدوں سے محروم کرنا بے عقلوں کا کام ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کون ہے وہ شخص جو بچاتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ سے اگر وہ ارادہ کرے تم کو مصیبت کا یا ارادہ کرے تم پر رحمت کا اور وہ نہیں پائیں گے اپنے لیے اللہ کے علاوہ کوئی دوست اور نہ ہی مددگار [17]۔

تفسیر 17 :یہ بھی زجر ہے یعنی اگر کوئی کہے کہ کئی دفعہ ایک انسان بھاگے تو وہ موت سے بچ جاتا ہے یا قتل سے تو اللہ نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مصیبت یا تکلیف دینا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور آیت میں رد شرک فی التصرف ہے کوئی ولی بزرگ نفع وضرر کا مالک نہیں ہے اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً: چونکہ رحمت کے ساتھ یَعْصِمُكُمْ مناسبت نہیں رکھتا تو معلوم ہوا کہ یہاں عبارت میں تقدیر ہے مَنْ یُّصِیْبُكُمْ بِسُوْءٍ یَا وَمَنْ یَّمْنَعُكُمْ رَحْمَتَهٗ تَعَالٰى وَلِیًّا یہ یَعْصِمُكُمْ کے ساتھ متعلق ہے اور نَصِیْرًا، رَحْمَةً کے ساتھ متعلق ہے

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآىِٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَ لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾

”تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ منع کرنے والوں کو جہاد سے تم میں سے اور کہنے والے اپنے بھائیوں کو کہ آؤ ہماری طرف اور نہیں وہ آتے ہیں لڑائی کو مگر بہت کم“ [18]۔

تفسیر 18 :اس آیت میں منافقین کیلئے زجر ہے اور ان کی تین قباحتیں مذکور ہیں اور پہلے جہاد سے بھاگنے کی قباحت ذکر کی۔ اور اب ان لوگوں کی قباحت بیان ہو رہی ہے جو دوسروں کو بھی جہاد سے منع کرتے ہیں قَدْ یَعْلَمُ: قَدْ تحقیق کے لئے ہے اور اس میں مقصد ڈرانا ہے اَلْمُعَوِّقِیْنَ: جو منع رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے لوگوں کو منع کرتے ہیں هَلُمَّ: اہل لغت اور حجاز میں لفظ مفرد و تثنیہ و جمع کے لئے ہر طرح استعمال ہوتا ہے اِلَّا قَلِیْلًا: اس سے مراد ریاء اور دنیاوی مقصد میں جنگ کے لئے آنا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی عبادت غلط نیت سے ہو اگر چہ عظیم ہو مگر اللہ کے نزدیک وہ کم ہوتا ہے۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

"بخل کرتے ہیں تم پر پس جب آتا ہے خوف تو آپ دیکھتے ہیں انکو وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف گھماتے ہیں اپنی آنکھوں کو اس شخص کی طرح کہ بے ہوشی طاری ہو اس پر موت کی پس جب جاتا ہے خوف وہ چلاتے ہیں تم پر تیز زبان حرص کرتے ہیں مال کی یہی لوگ ہیں نہیں ایمان لایا انہوں نے پس برباد کیا اللہ تعالیٰ نے انکے عملوں کو اور ہے یہ کام اللہ پر آسان[19]۔

تفسیر 19: اس آیت میں منافقین کے مزید پانچ قبائح ذکر کئے ہیں۔اَشِحَّةً: شحیح کی جمع ہے بخل حرص کو کہتے ہیں اور یہ پہلی آیت کے ساتھ متعلق ہے یہ لوگ تم کو جہاد سے منع کرتے ہیں خود بھی نہیں کرتے کیونکہ یہ فائدے اور خیر کے بارے میں تم پر بخل کرتے ہیں فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ: اس میں بزدلی کی طرف اشارہ ہے اَلْخَوْفُ: سے مراد خبر قتال اور دشمن پر حملہ کرنا كَالَّذِيْ يُغْشٰى: بوقت موت آنکھوں کی حرکت بے اختیار ہو جاتی ہے سَلَقُوْكُمْ: سلق اصل میں بسط (لمبے کرنے) کو کہتے ہیں یعنی ہاتھ اور زبان کو تکلیف اور سختی کے لئے لمبا کرنا مراد یہ ہے کہ تیزی اور چالاکی کی باتیں کرتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ شریک تھے اب ہم کو مال غنیمت میں حصہ دو۔اَشِحَّةً: یہ حرص کے معنی میں ہے یعنی مال حاصل کرنے کی حرص کرتے ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع

"گمان کرتے ہیں گروہ کافروں کے وہ نہیں گئے اور اگر آجائے جماعت وہ منافق پسند کرتے ہیں کاش بے شک وہ رہنے والے ہوتے دیہات میں وہ پوچھتے تمہاری خبروں کے بارے میں اور اگر وہ ہوتے تم میں نہیں وہ لڑتے مگر بہت کم[20]۔

تفسیر 20: یہ بھی زجر ہے اور اس میں تین قبائح مذکور ہیں اور اس میں ان کی بزدلی کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر ان سے کہا جائے کہ دشمن چلے گئے پھر بھی یہ ڈر کی وجہ سے نہیں مانتے ہیں يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ: یعنی پہلی

دفعہ احزاب آئے تو ان میں سے بعض نے بے خبری کی وجہ سے مومنوں کے ساتھ شرکت کی اور جب دوسری دفعہ احزاب آئے تو یہ مدنیہ بھی چھوڑ دیں گے اور دیہات چلے جائیں گے یَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ: یہ منافقت ہے اس وجہ سے پوچھتے ہیں اگر مومنین غالب آگئے تا کہ ہم ان سے غنیمت میں حصہ مانگیں یا پھران پر احسان کرنا کہ ہم تمہارا پوچھتے تھے إِلَّا قَلِيلًا: اس میں ریاء کاری مراد ہے جہاد میں دکھلاوے کے لئے حاضر ہوتے ہیں اس سے پہلی آیت 18 میں غیر حاضری مراد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

"یقیناً ہے تمہارے لئے نبی کی زندگی میں احسن نمونہ اس شخص کے لئے جو عقیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی (توحید) کا اور روز آخرت کا اور یاد کرتا ہو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ" [21]۔

تفسیر 21: یہ ایمان والوں کو چوتھا خطاب ہے اور نبی کی اطاعت کی تاکید ہے اور رد ہے منافقین پر کہ جہاد میں شرکت نہیں کرتے ہیں اگر جہاد کرتے بھی ہے تو اخلاص نہیں ہے جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخلاص کے ساتھ جہاد میں حاضر ہوتے ہیں اس وجہ سے آیت میں اطاعت رسول کے لئے بہت سی تاکیدات ذکر کیں پہلے حرف لام، دوسرا قَدْ تیسرا كَانَ جو دوام اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے چوتھے نمبر پر فِيْ: جو داخل ہے رسول کے اوامر ونواہی میں اور اس میں اشارہ نبی کی ذات کی طرف (ان کی صورت وسیرت اوامر اور نواہی رفتار گفتار سب کو شامل ہے کہ ہر حال میں) تم نے اطاعت کرنی ہے پانچواں لفظ رسول اللہ ہے یعنی یہ نبی اللہ کا پیغام لاتا ہے تو اسکی اقتداء اللہ کے حکم کی اطاعت ہے چھٹا لفظ أُسْوَةٌ: ہے یہ لفظ اس وجہ سے خاص ہے کہ اس میں پوری اقتداء میں برابری ہے یعنی پوری اتباع کرو اور اس میں دل کا علاج اور تسلی ہے کیونکہ اس میں ریاء کا بھی علاج ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اقتداء لازم ہے تو انکی اقتداء دل کی دوائی اور تسلی بھی ہے ساتواں لفظ حَسَنَةٌ: یعنی مفید دنیا اور آخرت میں آٹھواں لفظ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ: یہ بدل ہے لَكُمْ سے یعنی جن میں یہ صفات ہوں تو وہ ضرور تمام عبادات میں رسول کی اطاعت کرے گا یا (لِمَنْ كَانَ) متعلق ہے حَسَنَةٌ کے ساتھ یعنی اقتداء کا فائدہ اور ثواب اس شخص کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر عقیدہ رکھتا ہے يَرْجُو: بمعنی خوف اور یقین کے ہے اور مراد امید نہیں ہے کیونکہ صرف امید سے درجہ ایمان حاصل نہیں ہوتا ہے۔ نواں لفظ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ: دسواں لفظ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا: ذکر سے مراد تمام عبادات ہیں کیونکہ ذکر تمام عبادات سے افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا گیا کونسا بندہ روز قیامت اعلیٰ درجے والا ہوگا آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں صحابی نے کہا اے اللہ کے رسول غازی سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اگر غازی اپنی تلوار سے کافر مشرک کو اتنا مارے کہ تلوار خون آلود ہو پھر بھی ذکر والا شخص افضل ہے ترمذی کتاب الدعوات حدیث 3377 امام البانی و حاکم و ذھبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور کَثِیْرًا: اس سے مراد ذکر شرعی ہے یعنی بطریقہ اخلاص و اتباع سنت اور معانی کے فہم والا ذکر مراد ہے ایسے لوگ تو بہت کم ہوتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک زیادہ ہیں اور جو ذکر بدعت کے طریقے سے چیخ و پکار کے ساتھ اور اپنی طرف سے تخصیصات ہوں یا ذکر مفرد صرف (اللہ، اللہ) معنی کی سمجھ کے بغیر ایسا ذکر غیر مقبول ہے جس طرح بعض بدعتی طریقے روح المعانی میں اس سورۃ کی آیت 41 میں مذکور ہیں تو حاصل لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا كا یہ ہے کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور عمل اللہ کے لئے رسول کی اتباع و اقتداء میں ہو ذکر لفظ کو اس وجہ سے لایا یعنی جو ذکر ہوتا ہے تو اسکا دل بیدار ہوتا ہے رسول کا پیروکار ہوتا ہے اور جو غافل ہو تو وہ سست ہوتا ہے جیسے سورۃ ممتحنہ آیت 4 میں ہے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی اقتداء ذکر کی ہے لیکن وہ صرف مشرکین سے براءت میں ہے اور انکے مشرکوں سے براءت ذکر کی سورۃ ممتحنہ میں ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا کو ذکر نہیں کیا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت پر یہ امت تمام اعمال میں مکلف نہیں تھی۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

"اور جب دیکھا ایمان والوں نے جماعتوں کو تو کہا یہ وہ ہے جو وعدہ لیا ہم سے اللہ اور اسکے رسول نے اور سچ کہا اللہ اور اسکے رسول نے اور نہیں وہ زیادہ ہوئے مگر ایمان اور فرمانبرداری میں [22]۔

تفسیر 22: یہ اللہ نے مومنوں کی ثابت قدمی کا ذکر کیا ہے بمقابلہ منافقین کے اور ایمان والوں کی تین صفات ذکر کی گئی ہیں هٰذَا اسم اشارہ ہے اس حالت کی طرف جو آیت 11 میں گزرا ہے یعنی اس سے مراد مصائب اور ابتلاء کا ایمان والوں پر آنا ہے جیسے سورۃ بقرہ آیت 144 سورۃ آل عمران آیت 142 سورۃ عنکبوت آیت 6 میں وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ: یہ بمقابلہ منافقین کے اس قول کے ہے جو آیت 12 میں گزرا ہے وَمَا زَادَهُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ قول مومنین کا صرف زبان سے نہیں مثل منافقین کے بلکہ اس کے ساتھ زبان اور اعضاء پر اثر موجود ہے اور یہ آیت دلیل ہے کہ ذکر کرنے سے

ایمان میں زیادت اور مضبوطی آتی ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

''ایمان والوں میں سے بعض مردوں نے سچ کردکھایا جو وعدہ کیا اللہ تعالیٰ سے پس بعض ان میں سے وہ ہیں جس نے پوری کردی اپنی نذر اور بعض ان میں وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور نہیں وہ بدلتے ہیں (اللہ کے دین کو) بدلنا'' [23]۔

تفسیر 23: اس میں ایمان والوں کی چار صفات ہیں یہ صفات صحابہ کرام کی ہیں پھر جو ان کے متبعین ہوں رِجَالٌ: اس میں اسکے کمال رجولیت کی طرف اشارہ ہے صَدَقُوْا: اس سے مراد اس پر ڈٹنا اور وعدے کی وفاء کرنا وہ وعدہ قتال فی سبیل اللہ اور شرعی امور پر مشتمل ہے فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ: نحب نذر کو کہتے ہیں اور اس سے مراد شہادت کی موت ہے اور موت کو نذر اس وجہ سے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس شہادت کی نذر مانی تھی یا پھر دوسرا معنی موت ہر نفس پر اس طرح لازم ہے جیسے نذر لازم ہے یا پھر نحب اجل موت کو کہتے ہیں قَضٰى نَحْبَهٗ: سے مراد کوشش کو عہد وفاء میں صرف کرنا اور اس کا مصداق (ا) صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث 2807، 4783، ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3104 سیدنا حمزہ اور مصعب ابن عمیر اور انس بن نضر رضی اللہ عنھم ہیں اور جنگ بدر اور احد کے شہداء بھی اس میں شامل ہیں وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ: یعنی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم شہادت کے حصول کی کوشش میں ہیں۔ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا: یہ جملہ عام عہد اور تمام دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل ہے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے دین میں کوئی بدعت ایجاد نہیں کی، اور نہ دین کو چھوڑا اور جو مرتدین ہیں (شریعت میں مرتدین کو) صحابہ نہیں کہتے۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

''تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو انکے سچ کا اور عذاب دے منافقین کو اگر وہ چاہے مہربانی کرے ان پر بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے'' [24]۔

تفسیر 24: اس کا تعلق خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے پہلے ذکر شدہ اعمال کے ساتھ ہے وَمَا بَدَّلُوْا کے ساتھ بھی

اور بہتر ہے کہ لام عاقبت کے لیے ہو اور بِصِدْقِهِمْ میں سبب سزا ذکر کیا اور صدق سے مراد صحابہ کرام کے گزشتہ اعمال ہیں اور منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات کے مخالف ہوں اور يَتُوبَ عَلَيْهِمْ سے مراد منافقت سے توبہ کی توفیق دینا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ۟

"اور واپس لوٹایا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے غصے کے ساتھ پس حاصل نہیں کیا انہوں نے خیر فائدہ اور کافی ہو گیا اللہ تعالیٰ مومنین کے لیے لڑائی میں اور ہے اللہ تعالیٰ قوت والا غالب [25]۔

تفسیر 25: یہ اس کا بیان ہے کہ مومنین کو اللہ نے دنیاوی جزاء دی یعنی کافر بغیر مقصد حاصل کرنے کے واپس ہو گئے خَیْرًا: یعنی دنیا اور آخرت کا خیر حاصل نہیں کیا وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ: یعنی جب ہوا اور ملائک کافروں پر بطور عذاب آئے تو قتال کی کوئی حاجت نہ رہی بلکہ مومنین لڑائی کے بغیر غالب آئے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ۟

"اور اتارا ان لوگوں کو جنہوں نے مدد کی ان کی اہل کتاب میں سے ان کے قلعوں سے اور ڈال دیا ان کے دلوں میں خوف ایک گروہ کو تم قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے تھے [26]۔

تفسیر 26: یہ بھی زجر میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد کی بنو قریظہ والوں پر یعنی جب انہوں نے نبی علیہ السلام سے عہد کو توڑا اور جنگ خندق میں کافروں کی حمایت کی تو اللہ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے لڑائی کرو پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اللہ کے رسول نے پچیس دن تک ان کا محاصرہ کیا تو وہ تنگ ہو گئے ہتھیار پھینک کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہو گئے انہوں نے نے فیصلہ کیا کہ ان کے جوانوں کو قتل کیا جائے اور بچے بوڑھے قیدی بنائے جائیں فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ: فریق کا انتخاب کیا جن کو قتل کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اس وجہ سے فَرِیْقًا کو مقدم کیا اور باقی قید کرنے کے لئے رہ گئے تو اس میں تخصیص کی ضرورت نہ رہی۔

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾

"اور وارث بنا دیا ہم نے ان کی زمین کا اور ان کے گھروں اور مالوں کا اور وہ زمین جس کو تم نے روندا نہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا [27]۔

تفسیر 27: یہ بھی زجر میں داخل ہے یعنی گزشتہ آیت میں نفس اور کافروں کی جانوں پر اور انکے مالوں پر غلبہ ذکر کیا اس سے مراد بنو قریظہ کی غنیمتیں ہیں أَرْضَهُمْ: اس سے مراد باغات اور فصلیں ہیں اور أَمْوَالَهُمْ: سے مراد جانور اور نقد سامان وغیرہ، وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا: مراد اس سے غنائم خیبر یا قیامت تک مسلمانوں کی غنیمتیں ہیں اور اس طرح سورۃ فتح آیت 20 میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اسکی زینت پس آؤ تم میں فائدے دوں تم کو اور رخصت کروں تمکو رخصت کرنا اچھے طریقے سے [28]۔

تفسیر 28: اس آیت سے آیت 41 تک دوسرا باب ہے اور اس میں نبی علیہ السلام کو ہونے والے تین خطابات کا ذکر ہے آیت 28، 37، 38 اور چار خطابات نبی کی بیویوں کو آیت 31 سے آیت 34 تک اور دو خطابات عام مومنین کو آیت 36 آیت 40 میں اور اس اس میں دس صفات ذکر کرتے ہوئے بشارت کا ذکر ہے آیت 35 میں۔ آیت 28 میں نو اں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اگر بیویاں دعوت دین میں رکاوٹ بنیں تو انکو چھوڑنا ضروری ہے لیکن دعوت حق کو نہ چھوڑا جائے جب دشمنوں کا حال ذکر کیا کہ وہ دعوت دین میں مخالفت اور مقابلہ میں تھے تو اب اللہ نے قریبی دستوں (بیویوں) کا ذکر کیا اور اس آیت کو تخییر کہتے ہیں یعنی بیوی کو اختیار دینا کہ شوہر سے جدائی لے اگر لے تو اختیار ہے تو صحیح قول یہ ہے کہ اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے ہاں اگر جواب میں کہے کہ مجھے علیحدگی پسند ہے تو اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ طلاق کس طرح واقع ہوگی اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا سے جاہلیت کی رسم متبنیٰ ختم کرتے ہوئے نکاح کیا پھر بیویوں نے سوکن کے غیرت ہونے کی وجہ سے (یہ طبعی امر ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ بڑھانے کا مطالبہ کیا پھر اللہ کے رسول ناراض ہو گئے اور کہا کہ میں تمہارے قریب ایک مہینہ تک

نہیں آؤنگا پھر الگ بالا خانے میں رہا کرتے اور آپ ﷺ ان دنوں سواری سے گرے تھے جسکی وجہ سے آپکے ایک پہلو یا پاؤں میں چوٹ لگی تھی اور جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی اور انتیس دن ہوئے پھر آپ ﷺ بالا خانے سے اترے بیویوں کو یہ آیات پیش کیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتے ہیں اور احادیث (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4786) صحیحہ میں اس کی تفصیل ہے لِّاَزۡوَاجِكَ بیویوں کی تعبیر ازواج سے کی کیونکہ اس وقت وہ انکے ساتھ موافق تھیں اور اسوقت نو بیویاں تھیں پانچ قریشی (۱) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق کی بیٹی (۲) ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا عمر فاروق کی بیٹی (۳) ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان کی بیٹی (۴) ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ابو امیہ کی بیٹی (۵) ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا زمعہ کی بیٹی اور چار غیر قریشی تھیں (۶) ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا جحش کی بیٹی اسد قبیلہ سے تھی (۷) ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا حارث کی بیٹی ہلال قبیلہ سے تھی (۸) ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا حیی بن اخطب کی بیٹی خیبر کتابیہ (۹) ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا حارث کی بیٹی بنو مصطلق قبیلہ سے تھی۔ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا: مراد اس سے دنیا کی ترقی بہت مال کے ساتھ وَ زِيۡنَتَهَا: سے مراد اچھا لباس اور سونا وغیرہ فَتَعَالَيۡنَ: کا لفظ دلالت کرتا ہے اوپر سے نیچے یا پھر نیچے سے اوپر کی طرف بلانا اکثر اس کا معنی صرف حاضر ہونے کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اُمَتِّعۡكُنَّ: متعہ سے مراد وہ مطلقات جو سورۃ بقرہ آیت 241 میں ذکر ہوا وَ اُسَرِّحۡكُنَّ: تسریح اصل میں آزاد چھوڑنے کو کہتے ہیں یعنی جانوروں کو بوقت صبح چرنے کے لئے چھوڑنا اس سے طلاق بغیر رجوع کے مراد ہے۔

وَاِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝۲۹

"اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کیا نیکی کرنے والیوں کے لئے تم میں سے اجر بڑا [29]۔

تیسیر 29: یہ تخییر کا دوسرا پہلو ہے۔ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ: مراد اس سے رضا و اطاعت ہے وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ: اس سے مراد جنت ہے جو اطاعت رب و رسول سے حاصل ہوتی ہے لِلۡمُحۡسِنٰتِ: اس سے مراد دوام اور موت تک ہمیشہ رہنا ہے مِنۡكُنَّ: مِنۡ بیانیہ ہے اس سے مراد تمام بیویاں ہیں اور تخویف کے لئے مِنۡ ذکر کیا اور یہ حکم امت کی بیویوں کے لئے بھی ہے اور نبی کی بیویاں بعض ہیں اس وجہ سے مِنۡ ذکر کیا۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

"اے نبی کی بیویو جو آئے تم میں سے بے حیائی کے ساتھ ظاہر اُودو چند کیا جائے گا اس کے لئے عذاب دو چند اور یہ کام اللہ کیلئے بہت آسان ہے [30]۔

تفسیر 30: یہ خطاب نبی کی بیویوں کو ہے اور پانچواں خطاب امت کو ہے جب انہوں نے اللہ اور رسول کو پسند کیا تو اب اللہ نے ایسے امور کا حکم دیا جس پر عمل کرنے سے اللہ اور رسول کی رضا اور جنت حاصل ہوتی ہے اس آیت میں تاکید ہے کہ ہر بے حیائی سے اجتناب کرنا چاہیے وہ قولاً یا عملاً یا شوہر کی نافرمانی بداخلاقی دنیا پرستی وغیرہ جو بھی ہو مُّبَيِّنَةٍ یعنی وہ برائی شرعاً وعقلاً ظاہر ہو اور اس میں کچھ احتمال جائز ہونے کا ہو ضِعْفَيْنِ دلالت کرتا ہے دو چند ہونے پر لیکن تثنیہ تکرار اور تاکید کے لئے ہے اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس کا منصب اعلیٰ ہوتا ہے اگر اسکا جرم ثابت ہو تو عتاب وعذاب بھی زیادہ ملے گا۔ "وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا" اس میں اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بیویوں کو عذاب سے نہیں بچا سکتا ہے صحیح حدیث میں ہے صحیح مسلم، ابن حبان 2300، ابوداؤد 1328، 3643، مسند بزار 2831 ترمذی 2945، مَنْ لَّمْ يَسْرَعْ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ یعنی جب اپنے اعمال میں کوتاہی ہو تو نسب سے کمال حاصل نہیں ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

"اور جس نے پیروی کی تم میں سے اللہ کی اور اسکے رسول کی اور عمل کیا نیکی کا ہم دیں گے اسکو اسکا اجر دو چند اور تیار کی ہم نے اسکے لیے روزی عزت والی" [30]۔

تفسیر 31: عذاب کی زیادت کے بعد اللہ نے اجر اور ثواب کی زیادت کا ذکر کیا لیکن نسب کے اعتبار سے نہیں عمل صالح کے اعتبار سے اور اس میں بشارت بھی ہے یَّقْنُتْ: مراد اس سے اطاعت قلبیہ اور در حقیقت ہے وَتَعْمَلْ: سے مراد اعمال ظاہریہ جو اتباع سنت کے ساتھ مشروط ہوں۔ فائدہ: اجر کے مقام میں اللہ نے نُّؤْتِهَآ فرمایا اور مقام عذاب میں فعل مجہول کا صیغہ یُضٰعَفْ فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے رِزْقًا كَرِيْمًا: اس سے اکثر مفسرین نے جنت کا رزق مراد لیا ہے کیونکہ کریم فائدے والا بغیر تکلیف کے جس میں کوئی ضرر اور نقصان نہ ہو اور ایسا رزق جنت میں ہوگا اور مفسر بقاعی اور خطیب شربینی نے دنیا و آخرت کا رزق بھی مراد لیا اور کریم سے مراد برکت والا ہے اور یہ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے طور پر ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

"اے نبی کی بیویوں نہیں ہو تم دیگر عورتوں کی طرح اگر تم تقویٰ اختیار کر و پس نہ تم پست کرو اپنی آواز کو بات کے ساتھ پس طمع کرے گا وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے اور شرع کے مطابق بات کہنا [32]۔

تفسیر 32: یہ نبی کی بیویوں کو دوسرا خطاب ہے اور اس میں بات کرنے کے آداب ہیں لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ: یہ گزشتہ آیت کی تشریح ہے یعنی جب عذاب اور ثواب میں فرق ثابت ہوا تو معلوم ہوا کہ مقام و مرتبہ میں بھی فرق ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنھما سے منقول ہے کہ نہیں ہے قدر و منزلت تمہاری میرے نزدیک دیگر عورتوں کی قدر کے مانند تمہارا مرتبہ ثواب میں میرے نزدیک زیادہ ہے۔ اَحَدٍ اسوجہ سے ذکر کیا کہ یہ ایک دو اور جماعت کے لئے مستعمل ہوتا ہے مذکر و مونث بھی اسمیں شامل ہے یعنی تمہارا مرتبہ و عزت دیگر عورتوں کے مشابہ نہیں لیکن فضیلت کی شرط نسب نہیں بلکہ تقویٰ ہے اسوجہ سے اِنِ اتَّقَيْتُنَّ ذکر کیا اور تقویٰ سے مراد گزشتہ پر عمل کرنا ہے۔ فَلَا تَخْضَعْنَ: یہ تفریع ہے اعلیٰ شان کی

جو پہلے بھی گزری یعنی کلام میں وہ نازونزاکت مٹھاس پیدامت کروجسکی وجہ سے مخاطب (فاسق) کے دل میں برا اثر پیدا ہوجائے۔ فَیَطْمَعَ: سے اسوجہ سے تعبیر کیا کہ اصل میں نبی کی بیویوں کی طرف سے خواہش پیدا ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے مَرَضٌ: سے مراد فسق وفجور اور مرداور عورتوں کا ایسی باتیں کرنا جس سے میلان پیدا ہو قَوْلًا مَّعْرُوْفًا: اس میں اشارہ ہے کہ پہلی نہی کا مطلب یہ نہیں کہ مخاطب کو گالی گلوچ اور بد اخلاقی سے پیش آنا بلکہ ایسے انداز سے بات کرنا کہ مقصد دینی ودنیاوی بھی حاصل ہو اور ساتھ میں برے آثار بھی پیدا نہ ہوں۔ اور آیت میں یہ بھی داخل ہے کہ جب نبی ﷺ نے ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو منافقین آیا کرتے اور نبی کی بیویوں سے پوچھتے کہ اللہ کے رسول نے ان سے نکاح کیوں کیا کیونکہ یہ تو رواج کے خلاف ہے تو اللہ نے بیویوں کو آداب بتائے کہ تم اس سوال کا جواب احسن انداز میں دیا کردتا کہ منافق کے دل میں یہ اثر نہ پڑے کہ نبی کی بیویاں بھی نبی کے مخالف ہیں اور نہ کچھ ناراضگی کا اظہار کرنا بلکہ کہو کہ اللہ کے رسول کوئی عمل اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتے اور ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝33

''اور رہو اپنے گھروں میں اور نہ تم زیب وزینت ظاہر کرو زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح اور پابندی کرو نماز کی اور ادا کرو زکوۃ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو یقیناً ارادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ دور کردے تم سے پلیدی اے گھر والو (اللہ کے رسول) کے اور وہ پاک کرے تمکو پاک کرنا[33]۔

تفسیر33: یہ نبی کی بیویوں کیلئے دوسرا خطاب ہے پہلے قولی آداب ذکر کئے اب عملی آداب ذکر کرتا ہے وَقَرْنَ: اس لفظ میں دو قراءتیں ہیں (قاف کی زیر وزبر کے ساتھ) اگر قاف کی زیر سے ہو تو وقار کا معنی ہے اپنے گھروں میں وقار سے رہو اور اقرار کا معنی بھی جائز ہے اور جب زبر سے ہو تو اقرار کا معنی ہے یہ اصل میں اِقْرَرْنَ تھا (ر) کی حرکت قاف کی طرف نقل کی تو ساکنین اکٹھے ہوئے پھر ایک راکو حذف کیا اور ہمزہ کو بھی عدم ضرورت کی وجہ سے حذف کردیا تو قَرْنَ رہ گیا۔ یعنی تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو بغیر حاجت شرعی کے گھروں سے نہ نکلو جس طرح حدیث سودۃ میں ہے کہ وہ نفلی حج وعمرہ کے لئے بھی گھر سے نہیں نکلتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے (وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ) وَلَا تَبَرَّجْنَ: تبرج کا معنی زیب وزینت ظاہر کرنا اور گفتار ورفتار میں ناز ظاہر کرنا اَلْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى: اس سے مراد ایک

خاص زمانہ نہیں بلکہ اسلام سے پہلے جو وقت گزرا ہوا اسے جاہلیت اولی کہتے ہیں اور اولی کے مقابلہ میں اسلام میں جاہلیت کے طریقے اپنانا بھی دوسری جاہلیت ہے اور اولی ایسا لفظ ہے جو مقابل نہیں چاہتا ہے اور عرب اولی پرانے کو بھی کہتے ہیں اور تبرج جاہلیت اولی میں خواتین سر چہرہ ظاہر کر کے بازاروں میں گھومتی تھیں اور بعض عورتیں ہاتھوں کو بھی ظاہر کرتی تھیں اور راستے کے درمیان کھڑے ہو کر سر سے دوپٹا ہٹا کر کندھے پر ڈالتے ہوئے اپنی زینت کا اظہار کرتی تھیں لیکن افسوس آج مسلمان عوتوں نے جاہلیت سے بھی آگے نکل کر بے حیائی شروع کی ہے صد افسوس کہ اس کو گناہ بھی تسلیم نہیں کرتی لیں۔وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ: جب برے کاموں سے منع کیا تو اب اچھائی، بھلائی اور نماز کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے نماز پڑھنے کی اصل جگہ گھر ہے کیونکہ فرمایا وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ کے بعد ذکر کیا صحیح بخاری وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے کہ خواتین عیدگاہ عیدین کی نمازوں کیلیے لازماً حاضر ہوں گی اگر چہ حائضہ ہی کیوں نہ ہوں۔نیز فرمایا (لَا تَمۡنَعُوۡ اَمَآءَ اللّٰہِ مَسَاجِدَ اللّٰہِ) اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔صحیح بخاری کتاب الصلوۃ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ: اس میں بشارت ہے کہ جب مال میں اضافہ ہو جائے تو زکوۃ دینا اور عورت کا مال اسکا زیور ہے اور معلوم ہوا کہ زیور میں زکوۃ دینا فرض ہے وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ: یہ تعمیم بعد التخصیص ہے یعنی تمام اوامر پر عمل کرنا اور تمام منہیات سے بچنا کو اس میں شامل ہے پہلے بیان گزرا کہ اعمال میں اللہ و رسول کی اطاعت فرض ہے اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ: مفعول پوشیدہ ہے (اَلۡعَمَلَ مِنۡکُمۡ بِھٰذِہِ الۡاَحۡکَامِ) یعنی اللہ تم سے گزشتہ احکام پر عمل چاہتا ہے لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ: یہ لفظ باطل عقیدے اور اعمال و اخلاق فسق و فجور اور منافقت کے طریقوں کو شامل ہے اسوجہ سے کہ سورۃ توبہ آیت 95 میں اِنَّھُمۡ رِجۡسٌ فرمایا اور رجس دنیا و آخرت کے عذاب کو بھی کہا گیا ہے اَھۡلَ الۡبَیۡتِ: لغت کے لحاظ سے معنی رات گزارنے کے قابل جگہ اور اسکا اصل مصداق (زوجہ) ہے جیسے سورۃ ھود آیت 73 میں زوجہ ابراہیم علیہ السلام مراد ہے یہاں بھی پہلا خطاب بیویوں کو ہے تو معلوم ہوا کہ اہل بیت میں سے پہلے بیویاں پھر اولاد مراد ہے دوسرا معنی گھر میں آنے کا حق دار اور شیعوں کا صریح رد ہے اور یہ انکا جہل ہے کہ اللہ کے رسول ازواج اور بیویوں کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں اور اللہ کے رسول نے حسن حسین بی بی فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم کو اہل البیت کہا اس میں اشارہ ہے کہ اہل البیت صرف ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں وَ یُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا: پہلے سلبی فائدہ اب ثبوتی فائدہ ذکر کیا ان احکام پر عمل کرنے کے دو فائدے ہیں پہلا رجس اور بری عادات سے بچنا اور دوسرا طہارت باطنیہ اور فضائل کا حاصل ہونا اور یہ بڑی

فضیلت ہے اہل بیت کی لیکن اس میں پہلے احکام پر عمل کرنا مشروط ہے لیکن اس سے مراد وہ عصمت نہیں جو شیعہ گمان کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

"اور یاد کرو وہ جو تلاوت کی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت میں سے بے شک اللہ تعالیٰ باریک بینی والا خبردار ہے [34]۔

تفسیر 34: یہ اللہ کے رسول کی بیویوں کو دوسرا خطاب ہے جب اعمال کا بنا علم پر ہے اور بغیر علم عمل اکثر نہیں ہوتا تو اسوجہ سے اسمیں علم کی ترغیب دی اور علم کا نصاب ذکر کیا کہ اٰيٰتِ اللّٰهِ ہے: جس سے مراد قرآن ہے الْحِكْمَةِ: سے مراد سنت یعنی حدیث ہے وَاذْكُرْنَ: سے مراد پڑھنا اور درس و تدریس کرنا ہے فِيْ بُيُوْتِكُنَّ: اس میں اشارہ ہے درسگاہ عورت کے لئے کمرہ ہے اور یہ لفظ وَاذْكُرْنَ يُتْلٰى کے ساتھ متعلق ہے لَطِيْفًا خَبِيْرًا: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ازواج مطہرات کو جانتا ہے جو تمام احکام پر عمل کرتی ہیں جو ان کی شان کے لائق ہے اور جو ان کی شان کے مخالف ہے ان سے بچتی ہیں جیسے کہ رِجْس وغیرہ ہے۔ آیت 32 سے ظاہر اخطاب امہات المومنین کو ہے لیکن احکام کے ساتھ تبعاً امت کی خواتین مکلف ہیں کیونکہ جب اعلیٰ کو حکم ہوتا ہے تو وہ ادنیٰ کو بھی متوجہ ہوتا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمان برداری کرنے والے مرد اور فرمان برداری کرنے والی عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والی مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی عورتوں کی (شرمگاہ) اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو کثرت سے اور یاد کرنے والی عورتیں تیار کی اللہ تعالی نے ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم [35]۔

تفسیر 35: اس میں اللہ نے دس بہترین صفات کو جمع کرنے کے ذریعے بشارت دی۔ یعنی جب گزشتہ آیات میں خاص خطاب امہات المومنین کو کیا گیا تو اس میں عام مرد اور عورتوں کو خطاب ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ صفات بیویوں میں موجود تھیں (۱) صفت اسلام فرمانبرداری کرنا قولاً و عملاً عقیدۃً رسول کی اتباع کرنا (۲) ایمان جب اسلام ظاہری انقیاد کو کہتے ہیں تو ایمان باطنی انقیاد ہے معلوم ہوا کہ آیت میں اسلام خاص اور ایمان عام ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ کبھی عمل ہوتا ہے اور کبھی نہیں اور اسلام کے ساتھ شرعی معنی میں ایمان قلبی ضروری ہے اور یہ مغایرت (خصوص اور عموم) پر عطف کے لئے کافی ہے (۳) صفت قنوت ہے اور یہاں قنوت سے مراد اخلاص ہے اور اس صفت کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ عمل و دعوی کے ساتھ اخلاص ضروری ہے (۴) صفت صدق (سچائی) ہے اور قنوت کبھی صرف اطاعت کو کہتے ہیں اگرچہ اس میں جھوٹی اطاعت شامل ہو اسلئے قنوت کے بعد سچائی (صدق) کا ذکر کیا۔ یہ لوگ اطاعت میں سچے ہیں معلوم ہوا کہ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا (۵) صفت صبر ہے جب صدق میں دوام اور ہمیشگی ہو تو پھر آپ پر مصائب آئیں گے تو اسکا علاج صبر بتایا (۶) صفت خشوع ہے اسکی تفسیر سورۃ مومنون میں گزری ہے، چونکہ بعض صبر بعض اوقات انسان کی طبیعت بن جاتا ہے یا کمزوری کی وجہ سے صبر کیا جاتا ہے تو خشوع کو ذکر کیا گیا یعنی صبر کا سبب اللہ تعالی لاتے ہیں تو اضع ہے دل اور اعضاء کے ساتھ۔ (۷) صفت تصدق (خرچ) کرنا مال کے ذریعے سے فرضی و نفلی کیونکہ جب انسان مالدار ہوتا ہے

توآمیں خشوع کے بجائے تکبر ہوتا ہے اسکا علاج مال کے تَصَدُّق (خرچ) کے ذریعے سے خشوع کرنا دلیل ہے۔(۸) صفت صوم روزے رکھنا جب تَصَدُّق بِالْمَالِ بغیر جذبہ ایثار سے ہو یا پھر تصدق جان کا حصہ ہو تو اس کے لئے صوم کا ذکر کیا تاکہ ایثار پیدا ہو جائے کہ نفس کے لئے کچھ حصہ خواہش کا باقی نہ ہو(۹) صفت حفظ الفرج جب روزے کا مقصد خواہشات کو ختم کرنا تھا تو اسکا نتیجہ ذکر کیا کہ اپنے آپ کو برائی اور بدکاری سے بچاؤ(۱۰) صفت ذِكْرُ اللهِ اس صفت کو آخر میں اس وجہ سے ذکر کیا کہ اللہ کا ذکر کرنے سے انسان ہر گناہ زبان آنکھ، کان، دل زنی وغیرہ سے بچتا ہے۔ آیت 21 میں ذکر کثیر کی بعض تفسیر گزر چکی ہے عطاء بن ابی رباح سے مفسرین نے نقل کیا ہے کہ اپنے تمام کام اللہ کی طرف سونپنے والے المسلمین میں داخل ہیں اور جس نے اللہ کے رب ہونے اور رسول کو نبی ماننے کا اقرار زبان سے کیا اور دل بھی مطمئن ہو تو وہ المومنین میں داخل ہے اور جس نے اللہ کی اطاعت فرائض میں اور رسول کی اطاعت سنتوں میں کی وہ القانتین میں داخل ہے اور جس نے اپنی باتوں کو جھوٹ سے بچایا وہ صدقین میں داخل ہے اور جس نے اس طریقے سے نماز پڑھی کہ دائیں اور بائیں کسی کو نہ پہچانے وہ الخاشعین میں داخل ہے اور جو ہر ہفتہ صدقہ ایک درہم دے وہ اَلْمُتَصَدِّقِيْنَ میں داخل ہے اور جس نے ہر مہینہ ایام بیض (13،14،15) کے روزے رکھے وہ الصائمین میں داخل ہے اور جس نے اپنی عورت کو حرام سے بچایا وہ اَلْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ میں داخل ہے اور جس نے نمازوں کی پابندی کی وہ الذاکرین میں داخل ہے اور بعض مفسرین سے منقول ہے جو لوگ ان اذکار کی پابندی کریں جو سنت سے مختلف اوقات میں ثابت ہیں تو وہ الذّٰكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا میں داخل ہیں۔ ان صفات میں تین صفات قلبی ایمان، قنوت اور خشوع اور تین عبادات ظاہری بدنی ہیں اسلام عام ہے صبر وصوم اور دو عبادات زبانی ہیں صدق، ذکر، اور ایک مالی عبادت تصدق کرنا اور ایک عبادت ترک المنکرات یعنی حفظ الفروج ہے۔ مَّغْفِرَةً: یہ دلیل ہے کہ عبادات سے گناہ معاف ہوتے ہیں وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا: یہ دلیل ہے کہ عبادات میں بڑا ثواب ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾

"اور نہیں ہے مناسب مومن مرد اور نہ ہی مومنہ عورت کے لئے جب فیصلہ کرے اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا یہ کہ ہو ان کے لئے اختیار ان کے امر سے اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اسکے رسول کی پس تحقیق وہ گمراہ ہوگیا ظاہر گمراہی میں [36]۔

تفسیر 36: اس آیت میں تمام مومنین مرد عورتوں کو خطاب ہے یعنی جب اللہ اور اسکے رسول کا فیصلہ ہو یعنی نص آجائے تو اسکے مقابلے میں نہ تو اپنی رائے و قیاس چلاؤ اور نہ ہی کسی اور کی ورنہ کھلے گمراہ ہو جاؤ گے اور اس آیت کا پہلی آیت سے ربط یہ ہے کہ جب نص اور قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی اور کی رائے نہ مانی جائے تو تب یہ تمام صفات حاصل ہوں گی لفظ مومن اور مومنہ حکم میں تعمیم کے لئے ہے اِذَا قَضَى اللّٰهُ: وہ فیصلہ اور احکام جو قرآن کریم میں ہیں وَرَسُوْلُهٗٓ: اور وہ فیصلے واحکام جو سنت سے ثابت ہوں قولاً وعملاً أَمْرِهِمْ: یہ ضمیر مومن اور مومنہ کی طرف راجع ہے وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ: عصیان سے مراد اپنے اختیار کو قرآن وحدیث اور نص پر مقدم کرنا ضَلٰلًا مُّبِيْنًا: اس میں اشارہ ہے کہ نص پر اختیار کو مقدم کرنا ظاہر گمراہی ہے۔

وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ ۗ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۗ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾

''اور جب کہا آپ نے اس شخص سے کہ انعام کیا اللہ نے اس پر اور آپ نے انعام کیا اس پر روک لو اپنے پاس اپنی بیوی کو اور ڈر جاؤ اللہ تعالیٰ سے اور آپ چھپا رہے تھے اپنے دل میں جو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اسکو اور آپ ڈر رہے تھے لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ ڈریں اس سے پس جب پوری کر دی زید رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنی حاجت نکاح کر دیا ہم نے آپکا تا کہ نہ ہو ایمان والوں پر کوئی تنگی متبنیٰ بیٹوں کی بیویوں میں جب وہ پوری کر لیں ان سے اپنی حاجت کو اور ہے اللہ کا حکم کیا گیا [36]۔

تفسیر 37: یہ خطاب نبی ﷺ کو ہے کیونکہ لفظ اَنْ تَخْشٰهُ اور زَوَّجْنٰكَهَا کے مخاطب نبی ہیں اور اس کا پہلی آیت سے ربط یہ ہے کہ جب اتباع میں ترغیب دی تو اب اتباع کے فائدے ذکر کیئے جو کہ متبنّیٰ بیٹے کی زوجہ کا حرام ہونا اور اس رسم سے جو کہ شرک پر بنی ہے اجتناب کرنا ہے تا کہ یہ حرج آئندہ باقی نہ رہے اور اس میں زید بن حارثہ کے بعض حالات کی طرف اشارہ ہے زید رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے ساتھ سفر میں تھے کہ انکو ڈاکوؤں نے چھینا پھر عکاظ کے میلے میں لاکر چار سو درہم میں بیچا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کے تجارت کے وکیل حکیم بن حزم نے لیا پھر زید خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا اور جب نبی علیہ السلام نے ان سے نکاح کیا تو انہوں نے یہ غلام اللہ کے نبی کو دیا پھر زید کے والدین انکو ڈھونڈتے ہوئے مکہ پہنچے جب اللہ کے نبی کے پاس زید کو پایا تو نبی کریم سے زید کے متعلق مطالبہ کیا آپ نے فرمایا زید سے پوچھو اگر جانا چاہے تو چلا جائے لیکن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے والدین کے مقابلے میں رسول اللہ کو چاہتا ہوں تو اسکے بعد اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا تو میری طرف سے آزاد ہو گیا پھر اللہ کے نبی نے ان کی شادی زینب بنت جحش سے کرائی اور ان کی ازدواجی زندگی صحیح نہ گزرنے کی صورت میں زید رضی اللہ عنہ نے انکو طلاق دینا چاہی جس سے اللہ کے نبی نے منع کیا اور نبی ﷺ کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ زید کی طلاق کے بعد آپ ان سے نکاح کرلینا لیکن اللہ کے رسول منافقین و مشرکین کی باتوں سے ڈر رہے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ نبی نے بہو سے شادی کی ہے اسوجہ سے اللہ کے رسول نے انکو منع کیا طلاق دینے سے لیکن جب انہوں نے طلاق دی اور عدت پوری ہوئی تو اللہ نے انکو نبی کے نکاح میں دے دیا۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ: ایمان کی توفیق دی اور نبی کی صحبت کی توفیق اللہ نے دی وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ: آپکا انعام انکو آزاد کر کے متبنّیٰ بنانا "تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ" جو چیز اللہ کے رسول چھپا رہے تھے اسے اللہ نے ظاہر کر دیا جب زید نے زینب کو طلاق دی اور عدت پوری ہوئی تو اللہ نے اسکو آپکے نکاح میں کروا دیا تو معلوم ہوا کہ یہ بات اللہ کے نبی کے دل میں تھی کیونکہ اللہ نے پہلے سے خبر دی تھی۔ وَ تَخْشَى النَّاسَ: سے مراد خشیت اعتقادی نہیں (عقیدہ تعبد و تعظیم میں نہیں ہے جو خوف صرف اللہ سے ہو سکتا ہے جیسے سورۃ توبہ آیت 18 میں ہے وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ مراد لوگوں کی ملامت اور طعنوں سے اپنے آپکو بچانا تھا کیونکہ یہاں مفسرین دو معنی ذکر کرتے ہیں (1) لوگوں سے آپ حیا کرتے (۲) آپ لوگوں کی ملامت سے ڈرتے ہیں اور وَ تَخْشَى النَّاسَ علت ہے اَمْسِكْ عَلَيْكَ کے لئے کیونکہ آپ نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا اسکو طلاق مت دو لوگوں کے طعنے سے ڈر رہے تھے اور اگر آپ ان سے کہتے کہ طلاق

دو تو پھر لوگ کہتے کہ انہیں اپنے لئے زید کے نکاح سے آزاد کیا وَ تُخْفِي فِي نَفْسِكَ کا بھی یہی مطلب ہے۔ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ: تفسیر السراج المنیر میں ہے کہ اسکا یہ مطلب نہیں کہ نبی ﷺ اللہ سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ صحیح بخاری 1063، صحیح مسلم، 1401 میں ہے اَنَا اَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ یعنی ایسے حالات میں کہ ایک طرف اللہ سے ڈرنا اور دوسری طرف لوگوں سے ڈرنا تو اللہ کے خوف کو لوگوں پر مقدم کیا جائیگا۔ تنبیہ: اس مقام پر بعض مفسرین نے ایسے قصے لکھے ہیں جو شان رسالت کے خلاف ہیں یعنی نبی ﷺ کے دل میں زینب رضی اللہ عنہا کی محبت تھی یا آپ کی تمنا تھی کہ میں زینب کو نکاح میں لوں تو اس کے بارے میں اس آیت میں خود تردید موجود ہے۔ (۱) اَمْسِكْ عَلَيْكَ: کہا اگر نبی کی تمنا ہوتی تو کہتے طلاق دو (۲) مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ: اگر رسول کے دل میں تمنا و محبت ہوتی تو اللہ اسے ظاہر کر دیتا کیونکہ اللہ کسی سے نہیں ڈرتا ہے (۳) زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا اگر نبی کے دل میں تمنا و محبت ہوتی تو اللہ اس طرح فرماتا زَوَّجْنٰكَهَا لِاَنَّكَ تُحِبُّهَا (آپکی محبت کی وجہ سے نکاح کروادیا) اس طرح محققین مفسرین نے اس کا رد کیا ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ امام طبری اور ابن ابی حاتم میں ایسے قصے ہیں کہ ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں اور تفسیر قرطبی میں بعض مفسرین سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول زینب پر عاشق تھے یہ قول بعض بکواس کرنے والوں کا ہے جو نبی کی عصمت اور حرمت سے جاہل ہیں پھر تفسیر قرطبی نے سوال ذکر کیا کہ جب نبی کو علم تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا زید سے الگ ہوگی تو پھر اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ کیوں فرمایا یہ تناقض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دیگر صحیح مقاصد اور اور حجت کے قائم کرنے کے لئے بات کی عاقبت کو جاننا جس طرح اللہ کو ایک شخص کے ایمان نہ لانے کی خبر ہوتی ہے پھر بھی اسے اللہ ایمان کا حکم دیتا ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا: یہ زید رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے کہ انکا نام قرآن کریم میں مذکور ہے کسی اور صحابی کی یہ صفت نہیں نیز مفسرین نے لکھا کہ جب انکی نسبت زید بن محمد کے بجائے زید بن حارثہ کی طرف ہوئی تو انکے دل کو بہت سخت صدمہ پہنچا تو اسی وجہ سے اللہ نے انکا نام قرآن میں ذکر کیا وَطَرًا۔ سے مراد بیوی کے ساتھ اکٹھا ہونا پھر الگ ہوجانا اور حدیث صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث 1428: میں ہے قربت کے بعد طلاق دی یہ بھی زید رضی اللہ عنہ کی حاجت کا پورا ہونا ہے۔ اسوجہ سے وَطَرًا سے تعبیر کیا زَوَّجْنٰكَهَا: سے معلوم ہوا کہ نکاح میں ولی کا ہونا شرط ہے اور یہ مسئلہ اختلافی ہے لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ اسوجہ سے اسکا نکاح اللہ نے کروادیا جیسے نسائی میں ہے کہ میں اور بیویوں پر فخر کرتی ہوں کیونکہ میرا نکاح اللہ نے آسمانوں پر کروایا صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث 7420، اور یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى

الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ: زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں بڑا فائدہ شرعیہ اور رد شرک فی التحریم بھی ہے اور مشرکوں کے رسم کا رد جو متبنی کی بیوی کو ہمیشہ حرام سمجھتے تھے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا ﴿٣٨﴾

"نہیں ہے نبی پر کوئی تنگی اس میں جو اللہ تعالی نے اسکے لئے فرض کیا ہے اللہ تعالی کا وہ طریقہ جو ان لوگوں میں تھا جو گزر چکے اس سے پہلے اور ہے حکم اللہ تعالی کا تقدیر کے ساتھ مقرر کیا گیا [38]۔

تفسیر 38: یہ دوسرا خطاب نبی ﷺ کو غائب کے صیغے سے احتراما کیا ہے اس میں ربط یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے زینب سے نکاح کرنا چاہا تو طعنوں سے گھبرا رہے تھے اس میں اللہ نے ترغیب دی کہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا اللہ کا فریضہ تھا رسم کو ختم کرنا مقصود تھا اسمیں نبی کو کوئی تنگی محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ النَّبِيِّ: سے ہمارا نبی مراد ہے حرج سے مراد تبلیغ ورسالت میں ناراضی اور تنگی نہ کرنا فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ: مراد انبیاء پر جو تبلیغ فرض ہے لَهٗ: بمعنی عَلَيْهِ ہے حَرَجٌ سے مراد یہ ہے کہ زینب کے نکاح میں گناہ نہیں ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 2 میں ہے اور فَرَضَ: سے مراد اللہ کی تقدیر ہے نبی ﷺ کے نکاح کے لئے اور لہ اپنے معنی پر ہے سُنَّةَ اللّٰهِ: اس سے مراد اللہ کا طریقہ ہے تمام انبیاء پر حرج کو دور کر کے تبلیغ ودعوت میں وسعت کا طریقہ اختیار کرو جس طرح داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام تھے اور سنت سے پہلے حرف کا کاف محذوف ہے یعنی كَسُنَّةِ (انکے طریقے کی طرح) یا فعل سُنَّ اور اِتَّبِعْ پوشیدہ ہے قَدَرًا: گزشتہ آیت میں مَفْعُوْلًا مذکور ہے وہاں مراد زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہے اور وہ کیا گیا معاملہ تھا قَدَرًا ذکر کیا کیونکہ فرض میں معنی تقدیر ہے اور مَّقْدُوْرًا: تاکید کے لئے ہے یعنی کچھ رد وبدل وخلاف واقع نہیں ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٣٩﴾

"وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں اللہ کے پیغام کو اور وہ ڈرتے ہیں اسی سے اور نہیں ڈرتے ہیں کسی ایک سے مگر اللہ سے اور کافی ہے اللہ تعالی حساب لینے والا [39]۔

تفسیر 39: یہ صفت یا بدل ہے الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ سے اور گزشتہ انبیاء کی شان تین صفات کے ساتھ مذکور ہے (۱) رسول اللہ ﷺ کا اللہ کا پیغام اس طریقے سے پہنچانا کہ اس میں کوئی کمی وزیادتی نہیں کی (۲) اللہ سے ڈرنا اور یہ خوف

الٰہی دین کو پہنچانے کے لئے سبب ہے(۳) اللہ کے دین کو پہنچانے میں کسی سے ڈرنا نہیں اور نہ خیانت کرنا یعنی اللہ ان سے حساب لے گا کہ یہ کس وجہ سے اعتراضات کرتے تھے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝

"نہیں تھے محمد ﷺ کسی کے والد تمہارے مردوں میں سے لیکن اللہ کے رسول اور آخری ہیں نبیوں میں سے اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا |40|۔

تفسیر 40: یہ مومنوں کو خطاب ہے اور اعتراضات کے جوابات ہیں وہ اعتراضات جو لوگ نبی ﷺ پر زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی وجہ سے کرتے تھے (۱) نبی ﷺ نے اپنی بہو سے شادی کی؟ جواب: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی نبی ﷺ کی اولاد میں کوئی بیٹا جوانی اور بلوغت کو نہیں پہنچا بلکہ سب بچپن میں فوت ہو گئے ہیں ہاں چار بیٹیاں بلوغ کو پہنچی تھیں اور ان کا نکاح ہو چکا ہے۔ رِجَالِكُمْ: میں اشارہ ہے کہ کوئی انکا بیٹا نہیں ہو سکتا تو اس میں حقیقی بیٹا اور مجازی حقیقی دونوں مراد ہیں۔ اعتراض کیا ضرورت تھی زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی اگرچہ بہو نہ بھی ہو لیکن لوگ اعتراض تو کرتے ہیں؟ جواب وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ: یعنی یہ مسئلہ (رد رسم شرک میں سے ہے) اور رسول کیلئے ضروری تھا اور یہ پیغمبر ہے اور رسول پر فرض ہے۔ تیسرا اعتراض اس بات کی اب کیا ضرورت ہے اگر یہ معاملہ دوسرے نبی سے ہوتا وہ اس معاملے کو حل کرتا؟ جواب وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ: یہ آخری نبی ہے اسکے بعد دوسرا نبی نہیں آئیگا چوتھا اعتراض کس کو علم ہے کہ دوسرا نبی نہیں آئیگا شاید آجائے؟ جواب وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا: یعنی اللہ کو علم ہے اور اسی نے بھی خبر دی ہے۔ فائدہ اس آیت کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ آخری نبی ہے اسکے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا جیسا کہ حدیث میں ہے وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ موطا حدیث 3513، احمد 8296، ابوداؤد اور دوسری حدیث میں ہے وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ اسمیں اور احادیث بھی ہیں جو خاتم النبیین کے معنی میں واضح ہیں اور اس طرح لسان العرب (جو لغت کی کتاب ہے) میں کہا کہ خاتم النبیین اٰخِرُهُمْ اور یہ آیت قطعی نص ہے اس بارے میں کہ ہمارا نبی آخری ہے اسکے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں بنے گا اس سے انکار کرنا قطعی نص سے انکار کرنا ہے اور یہ ظاہری کفر ہے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر متواتر احادیث ثابت ہیں لیکن انکے آنے سے ختم نبوت میں کوئی نقص واقع نہیں آتا ہے بلکہ جب وہ آئیں گے ان پر وحی نہیں آئے گی اور وہ ہمارے نبی کی شریعت پر فیصلہ کریں گے صحیح بخاری کتاب

المناقب حدیث 4896:3532: کی حدیث میں ہے کہ یحکم بکتاب اللہ وبسنۃ نبیکم یعنی وہ کتاب اللہ سنت رسول پر فیصلے کرینگے اور اس عقیدہ کے برخلاف بعض اہل علم کی لغزشوں کا اعتبار نہیں جیسا کہ ابن حجر ہیتمی نے فتاویٰ حدیثیہ میں ابراہیم بن النبی ﷺ کی نبوت کا امکان ذکر کیا ہے لیکن اس کا مفسر آلوسی نے رد لکھا ہے اور اسی طرح تفسیر قرطبی میں کتاب الاقتصاد غزالی کا رد کیا ہے مرزا غلام محمد نے کہا کہ خاتم کا معنی مہر ہے یعنی ہمارے نبی کا آنا دیگر نبیوں کے لئے تصدیق ہے (1) پہلا جواب یہ ہے کہ صحیح کتابوں اور لغت میں خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا معنی اٰخر ہے (۲) دوسرا جواب اور اگر خاتم کا معنی مہر ہے تو ختم کو اول اور درمیان ذکر نہیں کیا بلکہ آخر میں ذکر کیا اور مہر بھی آخر میں لگتی ہے نہ کہ اول اور درمیان اور امام مبرد کا قول ہے کہ خاتم کا معنی ختم فعل ماضی ہے نبی ﷺ نے دیگر انبیاء کا سلسلہ ختم کیا ہے نبی رسول سے عام ہے جب ثابت ہو گیا کہ یہ آخری ہیں انکے بعد کوئی اور نبی نہیں آسکتا تو لازما معلوم ہوا کہ رسول تو قطعی طور پر نہیں آسکتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾

"اے ایمان والو تم یاد کرو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنا [41] اور اسکی پاکی بیان کرو صبح وشام [42]۔

تفسیر 41، 42: آیت 41 سے آخر تک چوتھا باب ہے اس میں باقی پانچ خطابات نبی کو ہیں آیت 45، 48، 55، 52، 59 میں اور سات خطابات ایمان والوں کو ہیں آیت 41، 42، 49، 83، 56، 69، 70 میں اور 8 آیتوں میں تخویفات ہیں آیت 57، 58، 64، 65، 66، 68، 72 میں اور منافقین کی غیر ضروری باتوں اور سوالات پر آیت 63 میں زجر ہے اور آیت 41، 42 میں مومنوں کو خطاب ہے اوامر میں ذکر کثیر اور ہر وقت تسبیح کو ذکر کیا ربط یہ ہے کہ جب وہ اعتراضات اور وہم دفع کئے گئے جو لوگوں نے اللہ کے نبی ﷺ پر کئے تھے تو ان آیات میں شک اور وہم کا ازالہ کر کے علاج ذکر کیا۔ ذِكْرًا: عام لفظ ہے عبادات بدنیہ مالیہ قلبیہ لسانیہ سب کو شامل ہے۔ كَثِيرًا: وہ جو دل کے اخلاص اور سنت کے طریقے پر ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مفسرین نے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو بھی فریضہ رکھا ہے اس کے لئے اندازہ مقرر کر رکھا ہے سوائے ذکر اللہ کے، دوسرا یہ کہ اس کو ہر حال میں لازم کیا ہے کھڑے، بیٹھے، لیٹے، تندرستی بیماری وغیرہ۔ وَسَبِّحُوهُ: یہ ذکر ہے عام کے بعد خاص ذکر ہے مراد یہ ہے کہ ذکر میں قرآن کریم کے بعد افضل ذکر تسبیح وحمد ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم پر (جس میں سے نکاح کرنا زینب سے نبی ﷺ کا) اعتراض

کرنا جائز نہیں ہے بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا: ان دونوں اوقات کی فضیلت زیادہ ہے اسوجہ سے ان کا خاص ذکر کیا جبکہ دیگر اوقات بھی مراد ہیں یا مراد دن اور رات ہیں اور تسبیح سے مراد زبان سے سبحان اللہ کہنا اور اس پر عقیدہ بھی ہو نیز بشمول نماز دیگر ذکر شامل ہیں۔

هُوَ الَّذِىۡ يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰٓـئِكَـتُهٗ لِيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ‌ ؕ وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا ﴿۴۳﴾

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہاری شان بلند کرتا ہے (رحمتوں کے ذریعے) اور اسکے فرشتے تا کہ وہ نکالے تمکو اندھیروں سے نور کی طرف اور ہیں وہ ایمان والوں پر خاص رحم کرنے والا ہے" [43]۔

تفسیر 43: اس آیت میں ماقبل کے لئے سبب ہے یعنی تسبیح اسوجہ سے پڑھو کہ تم پر وہ کریم اللہ ملائک کیساتھ صلاۃ بھیجتا ہے۔ یا یہ نتیجہ وتشریح ہے جب تم ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ تم پر صلاۃ بھیجتا ہے اور صلاۃ سبب ہے کہ وہ تمکو اندھیروں سے نور کی طرف لیجاتا ہے اور پھر وہ سبب ہے خاص رحمت الٰہیہ کے لئے۔ صلوٰۃ اصل میں رعایت وعنایت کرنا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے رحمت حاصل کرنا اور نیک بندوں میں ذکر عام کرنا اور ملائک کی طرف سے استغفار کرنا ہے کیونکہ ملائک مستجاب الدعوات ہیں (انکی دعائیں قبول ہوتی ہیں) اور استغفار سبب ہے درجات کی بلندی کیلئے اور مومنوں کی طرف سے صلاۃ کا معنی اللہ کی رحمت کی دعائیں مانگنا ہے۔ ظلمات: مراد اس سے منافقت کے اندھیروں سے نکالنا ہے اور اہل حق پر باطل اعتراضات سے نجات نیز اس میں کفر شرک اور جہل بھی شامل ہے اور نور سے مراد یقین اور کامل ایمان اور توحید وسنت ہے۔ وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا: کان دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور لفظ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ دلیل ہے کہ ایمان رحمت کیلئے سبب ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ
نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

"پیشکش ہوگی انکی جس دن ملاقات کرینگے اس سے سلام اور تیار کیاان کے لئے ثواب عزت والا [44] اے نبی بے شک بھیجا ہم نے آپکو گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا [45] اور دعوت دینے والا اسکے حکم سے اور چراغ روشن [46] اور خوشخبری دیجئے ایمان والوں کو کہ بے شک ان کے لئے اللہ کی طرف سے فضل ہے بڑا [47]۔

تفسیر 44: اس میں آخرت کی خوشخبری ہے تَحِیَّۃٌ اس قول کو کہتے ہیں جو مخاطب کے لئے خوشی کا سبب ہو۔ اور اس میں دعا لفظ حَیَّاکَ اللہُ اور السلام علیکم شامل ہے اور اللہ کی اچھی صفتیں بھی شامل ہیں اس آیت میں خوشی کے الفاظ اور اسلام سے مراد اسلامتی مبارک باد دینا سلامتی پر۔

تفسیر 45، 46، 47: اس آیت میں نبی علیہ السلام سے کو پانچ خطابات ہیں اور آپ ﷺ کے پانچ نام ذکر کیے گئے ہیں (۱) شَاهِدًا مراد اس سے شہادت دینا امت کو تبلیغ و رسالت کے پہنچانے میں یا اس سے مراد امت کو بیان کرنے والا اور یہ دونوں معانی کتاب لسان العرب میں مکتوب ہیں۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ: مدعی نہیں کہا کیونکہ مدعی وہ ہوتا ہے جو کبھی اپنا دعویٰ چھوڑتا ہے اور داعی کو دعوت چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے بِاِذْنِهٖ: میں اشارہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا وَ سِرَاجًا: شمس و قمر نہیں کہا کیونکہ وہ غائب ہوتے ہیں پھر ان کی روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا ہے اور سراج سے اور کوئی اپنے لیے روشنی حاصل کرسکتا ہے اگرچہ سراج کے بجھنے سے بھی روشنی باقی رہتی ہے اور اس طرح رسول ﷺ سے مُّنِيْرًا مراد یہ ہے کہ اس کی روشنی تیز اور چمکدار ہے اگر سراج کی روشنی میں کمی ہو تو انسان کی طبیعت پر ناگوار گزرتی ہے او وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: یہ ان لوگوں کا حال ذکر کیا جنہوں نے سراج منیر سے روشنی حاصل کی اور اسکا معطوف علیہ محذوف ہے یعنی آپ اپنی امت کے لوگوں کا لحاظ کریں۔

وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

"اور نہ آپ اطاعت کرنا کافروں اور منافقین کی اور چھوڑ دیں انکی تکلیفوں کو اور بھروسا کرو اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز [48]۔

تفسیر 48 وَ لَا تُطِعِ اس میں ان لوگوں کا حال ذکر ہے جو روشنی سے محروم ہوئے زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے

بعد آپ کے پیچھے منافقین اور کافروں کی جانب سے بہت بری باتیں ہوئیں آپ کو اذیتیں کثرت سے پہنچائی گئیں تو اللہ نے فرمایا وَ دَعْ اَذٰىهُمْ یعنی ان برا کہنے اور طعن و تشنیع کی پروا مت کرنا بلکہ نظر انداز کرتے رہنا مفسر قرطبی نے قاضی ابوبکر سے نقل کیا کہ اللہ کے رسول کے 67 نام ہیں اور دوسری روایت میں ہے 180 نام ہیں لیکن جس نے 99 ذکر کیا تو یہ تشبیہ اللہ سے دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نکاح کرتے ہو مومنہ عورتوں سے پھر طلاق دیتے ہو انکو پہلے اس سے کہ تم نے چھوا ہو انکو پس نہیں ہوگا تمہارے لئے ان پر کوئی عدت کہ تم شمار کرو اسکو پس تم فائدہ دو انکو اور رخصت کرنا اچھے طریقے سے[49]۔

تفسیر 49: یہ خطاب مومنوں کو ہے اور ربط یہ ہے کہ اذیت دینے میں کافروں اور منافقین کی طرح مت ہونا بلکہ وہ بیویاں جن سے تم نے فائدہ حاصل نہیں کیا ان پر تمہارا کوئی حق نہیں لیکن ان کے ساتھ احسان کرنا اور انکو اذیت مت دینا یعنی جن سے تم دینی فائدہ حاصل کرتے ہو تو ان کو تو بدرجہ اولی اذیت نہیں دینا سو جہ سے غیر مدخول بہا کا حال کہ وہ ادنی درجہ رکھتی ہے تو معلوم ہوا کہ مدخول بہا کے ساتھ بطریق اولی احسان کرو۔ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ آیت میں اشارہ ہے کہ طلاق نکاح سے پہلے نہیں ہے جس طرح جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ (ابوداؤد حدیث 2190؛ سنن کبری 7/318، احمد 6756،) طلاق نکاح سے پہلے نہیں ہے اور اگر اس طرح کہے کہ ہر وہ بیوی جس سے میرا نکاح ہوگا وہ مجھ پر طلاق تو وہ مُعلقا طلاق کہلاتی ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کے درمیان لیکن بہتر قول یہ ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس طرح اس آیت میں اشارہ ہے کہ بغیر جماع طلاق دینے سے عدت لازم نہیں ہوتی ہے اور جب عدت میں خلوت صحیحہ کے بارے میں میرے ذہن میں مرفوع حدیث نہیں ہے تو یہ مسئلہ اجتہادی ہے فَمَتِّعُوْهُنَّ: یہ نصف مہر مراد ہے یعنی اگر طلاق سے پہلے مہر مقرر کیا ہو اگر مقرر نہیں کیا ہو تو طلاق کے بعد صرف کپڑے، جوتے اور چادر وغیرہ دینا ہے سراح کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ دیا ہو تو واپس نہ لینے کی صورت میں یہ حسن اخلاق کا تقاضا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ
بَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ
نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا
عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے حلال کیں آپ کے لئے آپکی بیویاں وہ جو دیا آپ نے انکو انکا مہر اور وہ لونڈیاں کہ مالک بن جائیں آپکے دائیں ہاتھ اس چیز سے جو مہربانی کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں وہ جو ہجرت کی انہوں نے آپ کے ساتھ اور عورت مومنہ اگر وہ بخش دے اپنے نفس کو نبی کے لئے اگر ارادہ کرے نبی کہ وہ نکاح کرے اس سے یہ خالص آپ کے لئے ہے نہیں ہے ایمان والوں کے لئے تحقیق جان لیا ہم نے جو فرض کیا ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور جس کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے تا کہ نہ ہو آپ پر کوئی حرج اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان[50]۔

تفسیر50: یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لونڈیوں اور نکاح والی عورتوں کی وسعت کے بارے میں ہے تا کہ اسے دین پہنچانے میں آسانی ہو۔ اس آیت میں چار قسم عورتوں کا ذکر ہے اول قسم وہ عورت جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کے ذریعے سے نکاح کیا ہو۔ دوسری قسم وہ عورت جو مال غنیمت میں حاصل ہوجائے پھر اسے آزاد کرکے اس سے نکاح کیا ہو یا پھر بغیر آزاد کرنے کے اس سے فائدہ اٹھائے جیسے صفیہ، جویریہ، ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تیسری قسم باپ کی طرف سے اپنی ہو چچا یا پھوپھی کی بیٹی ہو یا ماں کی طرف سے اپنی ہو یعنی ماموں یا خالہ کی بیٹی پہلے سے مراد قریشی ہے دوسری سے مراد بنی زہرہ قبیلے سے ہو اور ہجرت کی اس وجہ سے شرط لگائی کہ بغیر ہجرت کے ایمان ناقص ہے اور نبی کے لئے کامل ایمان والی خاتون چاہیے اور بعض اہل علم نے اس شرط کو خاص کیا اور یہ قول مفسر خطیب شربینی نے السراج المنیر میں ذکر کیا اور بعض علماء نے کہا کہ یہ تمام مومنوں کے لئے ہے جس کی دلیل آیت 72 سورۃ انفال میں ہے۔ فائدہ: عم (چچا) اور خال (ماموں) دونوں مفرد بمعنی جنس ہے اور عمات وخالات جمع ذکر کئے کیونکہ عمہ وخالہ جنس کے لئے استعمال نہیں ہوتا چوتھی قسم وہ عورت جو اپنے نفس کو نبی کے لئے بخش دے بغیر مہر اور ولی کے اِنْ اَرَادَ سے

مراد قبول کرنا کیونکہ بغیر قبول کرنے کے نکاح نہیں ہوتا اگرچہ لفظ ھبہ سے ہو خَالِصَةً لَّكَ: حلال ہونا اس بیوی کا چار قسم کی بیویوں میں نبی کے لئے خاص ہے لیکن پہلا قول بہتر ہے مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ: اور مومنوں کے لئے چار سے زائد بیویاں جائز نہیں اور نہ وہ بغیر مہر وولی والی عورت سے شادی کر سکتے ہیں اور اس آیت میں اور آنے والی آیت میں تفسیر قرطبی اور السراج المنیر میں نبی کی کئی خصوصیات مذکور ہیں۔ فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ: ازواج مومنین پر نکاح میں گواہ، ولی اور مہر فرض ہے اور لونڈیوں کے بارے میں نفقہ شرط ہے لِكَيْلَا يَكُونَ. أَحْلَلْنَا سے متعلق ہے اور یہ حکمت ہے نبی کے لئے کثرت ازواج کی کیونکہ بیویوں کی زیادتی سے خاندان میں مصاہرت (سسرال) پیدا ہوتی ہے اور اس سے دین کی تبلیغ آسان ہوگی اور یہ بیویاں عام عورتوں کو دین سمجھائیں گی خاص کر وہ مسائل جن میں خواتین اجنبی مردوں سے سوال نہ کر سکتی ہوں۔ فائدہ: بعض منکرین کہتے ہیں کہ یہ نبی تو بہت شہوت والا ہے اس وجہ سے اس نے بہت شادیاں کیں؟ جواب: نبی ﷺ کی شہوت چار ہزار مردوں کے قوت کے برابر تھی (جس طرح بعض احادیث میں مذکور ہے) لیکن اس کے باوجود انہوں نے نو ازواج پر اکتفاء کیا جو ان کی عفت وصبر کی دلیل ہے لیکن بیویوں کی کثرت تبلیغ دین میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

تُرْجِي مَن تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَن تَشَاءُ ۖ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿٥١﴾

آپ علیحدہ کریں جسے چاہیں ان میں سے اور آپ جگہ دیں اپنی طرف جسے چاہیں اور آپ طلب کریں ان میں سے جنکو آپ نے الگ کیا پس نہیں ہے کوئی گناہ آپ پر یہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہو جائیں انکی آنکھیں اور نہ وہ غمگین ہوں اور وہ خوش ہو جائیں ساتھ اسکے جو آپ نے دیا انکو سب کا سب اور اللہ تعالی جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالی جاننے والا صبر کرنے والا ہے[51]۔

تفسیر 51: اسکا تعلق پہلے خطاب سے ہے پہلے اللہ نے بیویوں کی فراخی کو ذکر کیا اور اس میں فراخی کے بارے میں بیویوں کی باری کا ذکر کیا اس میں نبی پر کوئی حرج نہیں جس طرح عام مومنین پر واجب ہے یعنی اگر ایک شخص کی زائد بیویاں ہوں تو حقوق برابر ادا کرے گا اور رات گزارنے میں بھی مساوات اختیار کرے گا اور قربت حسب خواہش ہوگی کیونکہ اسمیں

امکان نہیں کیونکہ دل کی بے اختیار محبت میں انسان برابری کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس آیت کی رو سے یہ باریاں نبی ﷺ پر واجب نہیں تھیں پھر بھی اسکا اہتمام کرتے تھے۔ تُرْجِي کا معنی اگر آپ بیوی کی رات کی باری آگے پیچھے کریں تو آپکو اختیار ہے وَتُـْٔوِيٓ: اگر کسی بیوی کو آپ بے نمبر بلائیں تو آپکو اختیار ہے، وَمَنِ ابْتَغَيْتَ: مراد یہ ہے کہ اگر ایک بیوی کو آپ نے نمبر سے نکال کر دوبارہ داخل کیا تو آپکو اختیار ہے جس طرح سودۃ رضی اللہ عنہا نے اپنی رات اماں عائشہ کو بخش دی تھی اور یہ نمبر سے نکل گئی تھی۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى: یعنی آپ پر انکے حقوق میں عدل رات اور دن کے بارے میں واجب نہیں ہے پھر بھی آپ ادا کریں تو اسمیں تین فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ: اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ یعنی آپ اپنی رضا سے حقوق ادا کریں تو وہ خوش ہوں گی تَقَرَّ قرار سے ماخوذ ہے یعنی خوشی سے آنکھیں ایک جگہ ٹھہرتی ہیں اور غمگین آنکھیں ادھر اُدھر گھومتی ہیں یا قرّ ماقبل حرّ (گرمی) سے ماخوذ ہے یعنی خوش انسان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور غمگین کی آنکھیں گرم ہوتی ہیں۔ دوسرا فائدہ: وَلَا يَحْزَنَّ اگر کچھ وقت الگ ہوں تو ناراض نہیں ہوں گی۔ تیسرا فائدہ: وَيَرْضَيْنَ یعنی اگر آپ تھوڑا حق ادا کریں تب بھی وہ خوش ہوگی کیونکہ وہ محسوس کریگی کہ میرا اسپر کچھ جبر و زبردستی نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ: اسمیں دل کی محبت کی طرف اشارہ ہے جو ایک بیوی سے زیادہ اور دوسری سے کم ہو لیکن حقوق میں فرق نہ کرے اس میں کوئی مواخذہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کی زیادہ محبت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ

ع وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿52﴾

نہیں ہے حلال آپ کے لئے بیویاں اسکے بعد اور نہ ہی جائز ہے انہیں وہ ان کے علاوہ بیویوں سے بدلنا اگرچہ تعجب میں ڈالے آپکو انکا حسن مگر جس کا مالک بن جائے آپ کا دایاں ہاتھ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے [52]۔

تفسیر 52: یہ نبی ﷺ سے دوسرا خطاب ہے اس آیت کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول تو یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے اور گزشتہ آیت 50: اس کے لئے ناسخ ہے مقصد یہ ہے یہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں کہا گیا کہ آپکے لئے ان نو بیویوں سے اور زائد جائز نہیں ہیں اور اس طرح انکے بدلے میں بھی جائز نہیں پھر کچھ مدت بعد آیت 50: نازل ہوئی۔ جتنی بیویاں بھی کرو تو جائز ہے اس قول پر اعتراض ہے ناسخ منسوخ میں

قاعدہ یہ ہے کہ ناسخ موخر منسوخ مقدم ہوتا ہے اور یہاں برعکس ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں تقدیم تاخیر لکھنے کی ترتیب میں ہے نہ کہ نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے بلکہ آیت سے مراد یہ ہے کہ چار اقسام (جو ۵۰ میں مذکور ہیں) ان کے علاوہ اور جائز نہیں بلکہ یہودیہ نصرانیہ اور مجوسیہ نہ ہو اور وہ عورت بھی جس نے ہجرت نہ کی ہو نیز دیہاتی اجنبی بھی نہ ہو یہ قول مفسر خطیب نے السراج المنیر میں عکرمہ نے ضحاک اور ابی ابن کعب اور ابوصالح ومجاہد سے منقول ہے مِنۡۢ بَعۡدُ: یعنی ان چار قسموں کے سوا، وَ لَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ: بدلنے سے مراد یہ ہے کہ ایک بیوی کو طلاق دے اس کی جگہ دوسری سے شادی کرے اور اس طرح عرب جاہلیت کا طریقہ تھا ایک دوسرے سے بیویاں بدلتے تھے رَّقِيۡبًا: وہ ذات جس کی نظر ہر چیز پر ہوتی ہے اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اس خطاب کا حاصل یہ ہے کہ اس کے علاوہ عورتوں سے شادی کرنے سے دین میں تنگی پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے منع کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰـكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانْتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ‌ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ ‌ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـئَلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ‌ؕ ذٰ لِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ ‌ؕ وَمَا كَانَ لَـكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَـنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ‌ؕ اِنَّ ذٰ لِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ﴿۵۳﴾

۱۱ اے ایمان والوں نہ تم داخل ہونا نبی کے گھروں میں مگر یہ کہ اجازت دی جائے تم کو ایسے کھانے کی طرف کہ نہ ہو تم انتظار کرنے والے اس کے پکنے کا اور لیکن جب تم بلائے جاؤ پس تم کھانے کیلئے داخل ہو جاؤ پس جب کھانا کھالو تو تم پھیل جاؤ اور (نہ تم رکنا) دل لگانے والی باتوں کے لئے بے شک یہ کام تکلیف دیتا ہے نبی کو اور وہ حیا کرتا ہے تم سے اور اللہ تعالی حیا نہیں کرتا حق بیان کرنے سے اور جب تم سوال کرتے ہو ان سے کسی چیز کا پس تم سوال کرو ان سے پردے کے پیچھے یہ طریقہ بہت پاک اور اچھا ہے تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے اور نہیں ہے جائز تمہارے لئے یہ کہ تم تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ تم نکاح کرنا اسکی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی بے شک یہ کام اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے |53|۔

تفسیر 53: یہ خطاب مومنوں کو ہے اس میں آٹھ نواہی اور اوامر مذکور ہیں اس میں نبی ﷺ اور مومنین کے گھروں میں طعام اور دعوت ولیمے اور ضیافت کے آداب مذکور ہیں پہلے میں مقصد یہ ہے کہ نبی ﷺ دعوت وتبلیغ کے کام میں مشغول ہیں تو بے فائدے مجالس سے انکے اوقات ضائع مت کرو اور جب بے پردگی سے انسان گھر میں داخل ہو تو اس سے انسان کے دل کو دکھ پہنچتا ہے اور دعوت دین میں حرج کبیر پیدا ہوتا ہے۔

آداب کی تفصیل: ادب (1) صیغہ نہی ہے کہ نبی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل مت ہونا اور یہ حکم عام مومنوں کے بارے میں ہے جس طرح سورۃ نور آیت 27 میں مذکور ہے اور تخصیص طعام میں اشارہ ہے کہ اجازت بغیر سخت ضرورت کے مت مانگنا۔ ادب (۲): غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ یہ طریقہ نہی کے ساتھ ہے یعنی اتنے جلدی (وقت سے پہلے) مت داخل ہونا کہ ابھی کھانا پکا نہیں اور تم اس کے انتظار میں بیٹھے رہو اس میں گھر والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور کھانے کیلئے آنے والے کی جلد بازی اور اس کی حرص کی علامت ہوتی ہے۔ اِنَاهُ مصدر ہے معنی پکنا ہے۔ ادب (۳) وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا: یعنی بن بلائے کھانا کھانے مت جانا کیونکہ بغیر دعوت کے کھانا کھانا گناہ ہے حدیث میں اسکی تشبیہ سارق اور مغیر (لوٹ مارنے) دی گئی ہے) ابوداؤد فی الاطعمۃ حدیث 3741 شیخ البانی نے تخریج مشکوۃ باب الولیمۃ میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ ادب (۴) فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا: کھانے کے بعد جلدی جانا اور پھیلنا چاہئے استراحت کے لئے رکنا جائز نہیں۔ ادب (۵): وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ یہ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ پر عطف ہے کھانے کے بعد گپ شپ کے لئے مت رکنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس میں کاہل اور سست لوگوں کا رد ہے اس میں داعی اور مدعی دونوں کے وقت ضائع کرنے سے اجتناب کا ذکر ہے۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ: یہ گزشتہ احکام کے لئے علت ہے وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ: استحیاء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ اس کی شان کے مناسب ہے بغیر تشبیہ وتاویل کے اور یہ صفت ثبوتی حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَيِيٌّ كَرِيْمٌ (ابوداؤد حدیث 1488 فی الصلوۃ ۔ ترمذی 3556، ابن ماجہ حدیث 3865 شیخ البانی نے تصحیح کی ہے۔ مشکوۃ فی الدعوات حدیث 2184، اور کبھی سلبی خصوصی آئی ہے جیسا کہ اس جملہ میں ہے۔ (۶) وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا: بیویوں، ازواج مطہرات یا کسی اور عورت سے کچھ مانگو تو پردے یا دیوار کے پیچھے سے مانگو معلوم ہوا کہ گھر پر دروازہ اور پردہ لگانا ضروری ہے اور یہ آیت نزول حجاب کے بارے میں ہے تفسیر قرطبی میں ہے کہ لفظ مَتَاعًا عام ہے دینی اور دنیاوی تمام معاملات اس میں شامل ہیں تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت خواتین

سے پردوں کے پیچھے بات کر سکتے ہیں۔ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ: یہ سابقہ ادب کا فائدہ ذکر ہوا ہے اور اَطْهَرُ اس وجہ سے کہا کہ کوئی عورت جب کسی متقی مرد کے سامنے ہم کلام ہو شاید کہ اس کے دل میں کوئی وسوسہ آئے جب سامنے نہ ہو تو دونوں کے دل وسوسوں سے پاک ہونگے۔ ادب (۷): وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ: یعنی کسی طریقے سے نبی ﷺ کو تکلیف مت دینا ادب (۸): وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ: یعنی وہ عورتیں جو نبی کے نکاح میں ہیں ان سے نبی کی وفات کے بعد نکاح کرنا حرام ہے اور بعض اہل علم نے شرط لگائی کہ صرف وہ عورتیں جن سے نکاح کیا اور دخول کیا وہ حرام ہیں اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ امہات المؤمنین ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جنت میں نبی کی بیویاں ہوں گی تیسری وجہ زوجہ آخری شوہر کے ساتھ جنت میں ہوگی۔ چوتھی یہ نبی ﷺ کی شرافت واحترام کا تقاضا ہے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی وفات سے نکاح منقطع نہیں ہوا اور اس سے حیات کی دلیل لینا باطل پرست اور جہل والوں کا کام ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝

"اگر تم ظاہر کرو کسی چیز کو یا چھپاؤ اسکو پس بے شک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے[54]۔

تفسیر 54: اس آیت کا تعلق گزشتہ آیت سے ہے یعنی جو منہیات بیان ہوئے اس پر عمل کرنے کو تم چھپاؤ یا ظاہر کرو سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِیْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۝

"نہیں ہے کوئی گناہ ان (عورتوں) پر انکے باپوں کے بارے میں اور نہ ان کے بیٹوں میں اور نہ بھائیوں میں اور نہ بھتیجوں میں اور نہ ان کی بھانجوں میں اور نہ ان کی عورتوں میں اور نہ ہی جس کے مالک ہے ان کے دائیں ہاتھ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے[55]۔

تفسیر 55: جب پہلی آیت میں عورتوں کے حجاب کی فرضیت بیان ہوا یعنی مرد ان کے پاس پردے میں داخل نہیں ہونگے تو اس آیت میں بعض لوگوں کا استثناء ذکر کیا یعنی یہ مذکورہ افراد پردے میں حالت تنہائی میں داخل ہو سکتے ہیں باپ چاہے نسبی ہو کہ رضاعی بیٹا چاہے نسبی ہو کہ رضاعی اس طرح بھائی بھتیجا اور عام مسلمان عورتیں البتہ کافروں کی عورتوں سے پردہ کریں گی۔ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ: اس سے مراد لونڈیاں ہیں اور بعض اہل علم کے نزدیک نوکر بھی اس میں داخل ہیں جو خد

مت کی وجہ سے کثرت سے طواف کرتے ہیں۔ فائدہ 1: بھتیجے کو بھانجے پر مقدم کیا سبب یہ ہے کہ بھتیجے کا والد اس عورت کیلئے محرم نہیں ہے جبکہ بھانجے کا والد اس کیلئے محرم ہے۔ فائدہ 2: چچا اور ماموں کو ذکر نہیں کیا اور اکثر اہل علم کے نزدیک وہ بھی اس میں داخل ہیں اور اشارہ ہے کہ بنی الاخ (بھتیجا) محرم ہے پھوپھی کے لئے تو پھر چچا بھی محرم ہے بھتیجی کے لئے بنی الاخت (بھانجا) محرم ہے خالہ کے لئے پھر ماموں بھی محرم ہے اور بعض کے نزدیک ماموں اس حکم میں داخل نہیں جس طرح سسر اور سوکن کی اولاد وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ فائدہ 3: اس آیت اور سورۃ نور کی آیت 31 کے مضمون میں فرق یہ ہے کہ سورۃ نور میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کے سامنے زینت ظاہر کرنا جائز ہے خلوت جائز ہو یا نہ ہو جبکہ اس میں وہ لوگ ذکر کیے گئے ہیں جن سے خلوت کرنا جائز ہے اور ان کی بنسبت کم ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ اور اسکے ملائک صلوٰۃ (درود) پڑھتے ہیں نبی ﷺ پر اے ایمان والو صلوٰۃ کہو اس پر اور سلام پڑھو سلام پورا [56]۔

تفسیر 56: یہ خطاب مومنوں کو ہے اس میں نبی کی عزت، شرافت منزلت ملاء اعلیٰ میں ذکر کی اور اسی عزت کو ملاء ادنیٰ پر فرض کیا ہے یہ گزشتہ حکم کی تائید ہے کہ کوئی بھی نبی کی ذات اور ان کی بیویوں کے لئے دل میں غلط سوچ نہیں کر سکے صلاۃ اللہ کا نبی پر رحمت خاصہ نازل کرنا، عزت عطاء کرنا اور گناہوں سے معصوم کر کے مغفرت کرنا اور اعلیٰ درجہ عطاء کرنا اور صلاۃ ملائک کی طرف سے دعائیں مانگنا ان کا اعزاز و احترام کر کے مغفرت طلب کرنا اور ان تمام سے ایک مشترک معنی کو بھی صلاۃ کہتے ہیں یعنی (اعتنا بالشان) یعنی عظمت شان و آفرین کو کہتے ہیں صَلُّوا عَلَيْهِ: یہ صیغہ امر ہے فرضیت پر دلیل ہے اور فرضیت درود میں تین اقوال ہیں (۱) عمر میں ایک بار فرض ہے (۲) نماز کے آخری تشہد میں فرض ہے (۳) نام کے ساتھ کہنا فرض ہے اور اس سے مراد صرف دعا نہیں بلکہ وہ الفاظ جو کعب بن عجرہ، ابو حمید الساعدی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے منقول ہیں اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے سوال کیا کہ سلام تو ہم کو معلوم ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ لیکن صلاۃ کس طرح پڑھیں گے تو آپ نے ان الفاظ سے تعلیم دی جو آخری تشہد میں ہم پڑھتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 831، صحیح مسلم حدیث 406، ترمذی 483، ابن ماجہ 904) تنبیہ: درود کے وہ الفاظ معتبر ہونگے جو صحیح احادیث سے منقول ہوں اور جو صحیح احادیث سے منقول

نہ ہوں جیسے دور دتاج اور درود لکھی یا اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یارسول اللہ کہنا یہ سب ممنوع ہے کیونکہ عبادات کی بناء اذکار مسنونہ کی اتباع پر ہے اور جو احادیث صحیح نہیں انکے الفاظ سے بچنا چاہئے اس مقام پر امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عربی سے مفید کلام نقل کیا ہے اسکا معنی یہ ہے کہ ان روایات میں بعض ضعیف ہیں اور اصح وہ ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور وہ روایتیں جن میں رحمت کی زیادت وغیرہ ہے وہ قوی نہیں لوگوں پر لازم ہے کہ وہ روایتیں لیں جو صحیح ہیں لوگوں پر لازم ہے کہ دین میں دنیا کی چیزوں سے زیادہ متوجہ رہیں جس طرح دنیا کے جعلی کرنسی کو اصلی پر فوقیت نہیں دیتے اس سے کئی گنا بڑھ کر صحیح احادیث کو ضعیف پر فوقیت دینی چاہئے ایسا نہ ہو کہ فضیلت کی ضعیف روایتوں کی تلاش میں آخرت کو تباہ و برباد کر بیٹھیں۔ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا: اس سے مراد تحیۃ سلام ہے یعنی السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ اس میں اس کی ہر قسم اتباع داخل ہے اور سلام میں اعتبار سلام شرعی کا ہے اور صَلُّوْا میں تاکید ذکر نہیں کی وجہ یہ ہے کہ آیت کے آغاز میں اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ تاکید گزر گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۝

"بے شک وہ لوگ جو تکلیف دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو لعنت کی ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اور تیار کیا ان کے لئے عذاب رسوائی کا [57]۔

تفسیر 57: اس آیت میں اللہ اور اسکے رسول کے احترام نہ کرنے والوں کیلئے تخویف ہے اِیْذَا یعنی اللہ کے لئے ولد، زوجہ اور شریک ثابت کرنا اور اللہ کی صفات مخلوق کو دینا اس کی صفات میں اسماء وصفات کا انکار یا تمثیل وتشبیہ بیان کرنا جس طرح یہودیوں نے کہا یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی مخالفت کرنے کو بھی شامل ہے اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے جو (زمانے) کی طرف خیر وشر کی نسبت کرتا ہے وہ گویا اللہ کو گالی دیتا ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4826: صحیح مسلم 2246) اور یہ ربوبیت کی صفت ہے اور رسول کو ایذا دینا اقوال سے جیسے انہیں ساحر، کاہن، شاعر اور مجنون وغیرہ کہنا یا ان پر اعتراضات وطعن کرنا اور اعمال سے ایذا دینا جیسے جنگ احد میں آپ کا سر مبارک، چہرہ مبارک اور دنداں مبارک زخمی ہو گئے اور مکہ میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی گئی تھی اور نبی کی سنت کی بے حرمتی یہ ہے کہ مخالفت میں کسی عالم یا شیخ استاذ وغیرہ کے قول وفعل کو اس کے قول وفعل پر مقدم کرنا" فِی الدُّنْیَا: اشارہ ہے کہ دنیا میں ایسے اعمال کرنا جو لعنت کا سبب ہوں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

"اور وہ لوگ جو تکلیف دیتے ہیں ایمان والوں کو اور مومن عورتوں کو بغیر اسکے کہ انہوں نے جرم کیا پس تحقیق اٹھایا انہوں نے بہتان اور گناہ ظاہر [58]۔

تفسیر 58: اس میں بھی تخویف ذکر ہے مومن مرد و عورتوں کو تکلیف پہنچانا اذیت دینا خواہ اقوال سے ہو یا افعال سے دونوں حرام ہیں۔ ان کی توہین کرنا، غیبت کرنا اور ان پر بہتان باندھنا اور کمزور خاندان کی وجہ سے حقیر سمجھنا وغیرہ۔ اور افعال سے ایذا یہ ہے کہ ان کو مارنا ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور مومن عورتوں کا تعاقب کرنا ان کو بری نظر سے دیکھنا وغیرہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول کی اذیت کو کفر قرار دیا اور مومنوں کی تکلیف کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا: اس میں اشارہ ہے کہ مومنوں سے کبھی ایسی خطاء اور گناہ ہو سکتا ہے جو حد و تعزیر کے لائق ہو اس میں شیعوں، روافض اور دشمنان صحابہ رضی اللہ عنھم کے لیئے بہت بڑی وعید ہے موضوع اور ضعیف تاریخی روایات پر عمل کر کے انکو برا بھلا کہنا انتہائی مجرمانہ اقدام ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اور بیٹیوں سے اور مومن عورتوں سے کہ وہ گرا دیں اپنے اوپر اپنی چادریں یہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور انہیں تکلیف نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [59]۔

تفسیر 59: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرا خطاب ہے جب ممانعت اذیت کا ذکر کیا تو اب طریقے ذکر کرتا ہے اور یہ خاص کر خواتین سے متعلق ہے یعنی منافقین و فاسقین عورتوں کو اذیت نہیں دے سکیں گے جس طرح آیت فَلَا يُؤْذَيْنَ میں سب ذکر کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی نو بیویاں اور بیٹیاں رقیہ، زینب، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنھن تھیں۔ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ: یہ حکم اس وقت ہے جب بوقت ضرورت گھر سے نکلیں مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب عورتیں بوقت ضرورت گھر سے نکلتیں تو چہرہ نہیں چھپاتی تھیں تو اس لئے اللہ نے انکو چہرہ چھپانے کا حکم دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مفسر قرطبی اور خطیب شربینی نے نقل کیا ہے کہ جلباب (چادر) اوڑھنے میں چہرہ ہاتھ پاؤں پورا بدن چھپانا صرف ایک آنکھ نظر آئے گی دوسری روایت میں دو آنکھیں معلوم ہوا کہ پردے میں چہرہ

چھپانا واجب ہے اور جلابیب میں چادر برقعہ لمبی قمیص بس جس میں انسان پورا چھپا ہوا ہو۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ : یعنی ستر کی وجہ سے پہچانی جائیگی کہ یہ عورت با پردہ شریف ہے لونڈی اور فاحشہ عورت نہیں ہے تو پھر اسے کوئی تنگ نہیں کر سکے گا۔

لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

"اگر باز نہ آئے منافقین اور وہ لوگ جنکے دلوں میں بیماری ہے اور جھوٹی خبریں پھیلانے والے مدینہ میں ضرور ہم آپ کو انکی لڑائی کے لئے ترغیب دینگے پھر وہ نہیں رہ سکتے تمہارے ساتھ اسمیں مگر کم [60] لعنت کئے گئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے جائیں اور قتل کئے جائیں قتل کرنا [61] یہ طریقہ ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گزرے ان سے پہلے اور ہرگز آپ نہیں پائیں گے اللہ کے طریقے کے لئے کوئی بدلنے والا [62]۔

تفسیر 60، 61، 62: ان آیتوں میں منافقین کیلئے تخویف دنیاوی اور زجر ہے اور گزشتہ آیت کے حکم کیلئے تاکید ہے۔ اور یہ تینوں آیات عطف صفت علی الصفت ہے ایک ذات یعنی منافقین جو منافق اعتقادی وکافر ہے جو مومن عورتوں کو تنگ کرتے ہیں یا ان پر بہتان باندھتے ہیں ان کو بدنام کرتے ہیں ان کی طرف میلان رکھتے ہیں تو یہ سب نفاق کا سبب ہے۔ لَنُغْرِیَنَّكَ : ضرور ہم آپکو ان پر مسلط کر کے انکے قتل میں تیزی کا حکم دینگے سُنَّةَ اللّٰهِ : یعنی جنہوں نے انبیاء پر اعتراض وطعن کیا تو اللہ انکو مغلوب وملعون کر کے عذاب دنیا میں دے گا اس آیت میں سات طریقوں سے تخویف کو مؤکد کیا۔

یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ﴿۶۳﴾

"لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں فرما دیجئے یقیناً اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اور آپ کو کیا معلوم بلا شبہ کہ وہ قریب ہو [3]۔

تفسیر 63: یہ منافقین کیلئے زجر ہے جب انکو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا تو پھر انہوں نے مومنوں کی تلبیس کرنے اور رسول

کو چپ کرانے کے لیئے سوالات کئے وَمَا يُدْرِيْكَ: میں استفہام انکاری ہے اور مفعول محذوف ہے معنی کونسی چیز قیامت کے بارے میں خبر دے سکتی ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی آپ کو قیامت کے بارے میں بتا نہیں سکتا ہے لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا: یہ مستقل کلام ہے۔ قَرِيْبًا: مذکر کا صیغہ ہے اس سے مراد زمانہ قریب ہے یہ ظرف زمان ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ مونث ہے بطریقہ توصیف یا خبر ہے تو پھر مونث یعنی قَرِيْبَةٌ اور جب بطریقہ ظرف یا بدل واقع ہو تو مذکر ہوگا۔ فائدہ: جہاں وَمَا يُدْرِيْكَ ذکر کیا تو وہاں علم نہیں دیا گیا ہے یعنی وقت قیام ساعۃ اور جہاں وَمَا اَدْرٰكَ ذکر ہوا تو وہاں قیامت کے احوال و ہیبت کا علم دیا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ
وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

"بے شک اللہ نے لعنت کی کافروں پر اور تیار کی ان کے لیئے بھڑکتی ہوئی آگ [64] ہمیشہ رہیں گے اس میں ہمیشہ نہ ہی وہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ ہی مددگار [65] جس دن پلٹایا جائے گا انکے چہروں کو آگ میں وہ کہیں گے ہائے افسوس بیشک ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور اطاعت کرتے رسول کی [66] اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پس انہوں نے گمراہ کیا ہم کو سیدھی راہ سے [67] اے ہمارے رب دے انکو دگنا عذاب سے اور لعنت کر ان پر لعنت بہت بڑی [68]۔

تفسیر 64، 65، 66، 67، 68: ان آیات میں تخویف اُخروی آٹھ طریقوں سے ہے (۱) لعنت (۲) سعیر (۳) خلود (۴) ابد (۵) لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا (۶) وَّلَا نَصِيْرًا (۷) افسوس کرنا اطاعت الٰہی و رسول کے پیچھے (۸) آلھہ باطلہ سے برات تُقَلَّبُ: بہت پلٹانا جس طرح گوشت کو آگ پر پکایا جاتا ہے۔ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا: جب سورت کا مقصد اطاعت اللہ و رسول کی ترغیب تھا تو اسی مناسبت سے یہ تخویف ذکر کی یہ تمنا اس سبب سے ہے کہ ان کو یقین آگیا کہ نجات صرف اللہ و رسول کی اطاعت میں ہے۔ سَادَتَنَا: سے مراد پیر و مولوی ہیں جو ان کو دعوت شرک و بدعات دیتے تھے اور انہوں نے ان کی تقلید کی وَكُبَرَآءَنَا: وہ صاحبان اقتدار جو اپنی رعیت میں فسق و فجور اور کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف قوانین جاری کرے۔ فَاَضَلُّوْنَا: یہ تقلید سبب بنی حق سے رکاوٹ کی۔ السَّبِيْلَا: الف لام عہدی ہے توحید و سنت

کا راستہ مراد ہے یہ آیت گمراہوں کی تقلید کے رد میں صریح ہے لیکن دلالۃً اس میں تقلید شخصی بھی داخل ہے ایک عالم فتویٰ میں اجتہاداً غلطی کر بیٹھے اور مقلد کو معلوم ہو جائے کہ یہ قول قرآن وحدیث کے خلاف ہے پھر بھی یہ قول نہ چھوڑے تو یہ تقلید ہے جس کی مذمت کی گئی مذموم ہے ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ: پہلے اسکا سبب ذکر کیا کہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہم کو بھی گمراہ کیا تو یہ دوگنا گناہ کے مرتکب ہوئے۔ لَعۡنًا كَبِيۡرًا: جب عام گمراہوں کے لئے لعنت آیت 64 میں ذکر کی تو ان کے لئے خاص لعنت جو بڑی اور زیادہ سخت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوۡا ؕ وَكَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَجِيۡهًا ؕ﴿۶۹﴾

"اے وہ لوگو جنہوں نے ایمان لایا نہ تم ہونا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے تکلیف دی موسیٰ علیہ السلام کو پس پاک کیا اسکو اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا اور ہے وہ اللہ کے نزدیک مرتبے والا [69]۔

تفسیر 69: یہ دوسرا خطاب مومنوں سے ہے جب اذیت دینے والوں کی سزا بیان ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ عادات منافقین وکافرین کی ہیں تو اب ایمان والوں کو منع کیا جا رہا ہے رسول کی ایذاء اور یہودیوں کی تشبیہ سے لَا تَكُوۡنُوۡا: نہ ہونا تم رسول کو اذیت دینے میں یعنی انکو اذیت منافقین کی طرح مت دینا۔ یعنی آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو انہوں نے کہا بہو سے شادی کر لی ہے اور جب آپ ﷺ صدقات تقسیم کرتے ہیں تو ذوالخویصرہ نے کہا اے محمد آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ دوسری روایت میں ہے انہوں کہا مَا اُرِيۡدَ بِهَا وَجۡهُ اللّٰهِ (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4351 صحیح مسلم حدیث 1064) اور اس طرح اور قسم کی اذیتیں بھی دی ہیں كَالَّذِيۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰى: موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایذا یہ دی تھی کہ قتال سے انکار کیا اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ اور اس میں اشارہ سورۃ صف آیت 5 کی طرف ہے دوسری ایذاء ان پر بہتان باندھنا کہ انہوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو قتل کیا اور تیسری ایذاء جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر کیا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے الگ غسل کرتے تھے تو انہوں نے کہا ان پر اُدرہ (یعنی جسم میں سوجن) کی بیماری یا برص کی بیماری ہے اسوجہ سے یہ ہم سے الگ غسل کرتے ہیں ایک دفعہ آپ الگ نہا رہے تھے اور کپڑے پتھر پر رکھے تو پتھر روانہ ہو گیا کپڑوں کو لیکر پتھر آگے اور موسیٰ علیہ السلام اسکے پیچھے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی مجلس تک جا پہنچے انہوں نے دیکھا کہ ان میں کوئی بیماری نہیں ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے کپڑے لیے اور پتھر کو اپنی عصا سے مارا صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3404 سوال: یہ

ہے کہ موسیٰ علیہ السلام برہنہ غسل کررہے تھے اور پھر اللہ نے انکو بنی اسرائیل کے پاس برہنہ پہنچایا؟ **فوائد** تنہائی میں بھی پردہ کرنا افضل ہے کیونکہ اس پر احادیث وارد ہیں اللہ تعالیٰ اور ملائک سے حیاء کرنا اور انبیاء علیہم السلام تو بطریقہ افضل عمل کرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بوقت غسل لنگ استعمال کیا تھا جو غسل میں مستعمل ہوتا ہے تو اس میں مرض برص اور ادرۃ کی بیماری معلوم ہوسکتی ہے وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا یعنی انکی اس بات سے وہ موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کررہے تھے لیکن وہ اللہ کے نزدیک عزت والے ہیں تو ایسے شخص کی عزت کوئی کم نہیں کرسکتا ہے وَجِيْهًا جس کا مرتبہ بلند ہو اور مستجاب الدعوات ہو محبوب و عزت والا ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾

"اے وہ لوگو جنہوں نے ایمان لایا ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور کہو تم برابر بات [70]۔

تفسیر 70: یہ تقویٰ کے ذریعے مومنوں کو آخری خطاب ہے کیونکہ سورت کے آغاز میں نبی ﷺ کو تقویٰ کے ذریعے مخاطب کیا اور تقویٰ جامع لفظ ہے ان خطابات کے لئے جو اس سورت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا: یعنی نبی ﷺ کا زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا اس بارے میں بیویوں بیٹیوں اور عام مومنین کو چاہیے کہ شریعت کے موافق بات کہیں تاکہ ان کو اذیت نہ پہنچے اور اس طرح کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور کلمات شرعیہ کو شامل ہے۔

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾

"تاکہ اللہ تمھارے کام سنوار دے اور تمھارے گناہ معاف فرمادے، اور جس نے اطاعت کی اللہ اور اسکے رسول کی پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا بڑی کامیابی کے ساتھ [71]۔

تفسیر 71: تقویٰ اور قول سدید کے دو فائدے ہیں يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ مراد یہ ہے کہ اعمال میں حسن پیدا کرے گا اور اعمال قبول کرے گا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: تمام احکام کے اختتام میں ذکر کیا کیونکہ اصل (اساس) بنیاد اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝

"بے شک پیش کیا ہم نے امانت کو آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر پس انکار کیا انہوں نے یہ کہ اٹھائیں اس کو اور ڈر گئے اس سے پس اٹھایا اس کو انسان نے بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے [72]۔

تفسیر 72: جب اس سورت میں آداب واخلاق اور احکام ذکر کیے جو انسان پر امانت الٰہی ہے تو اب انسان کو اس میں خیانت پر زجر کی جارہی ہے اس طرح گزشتہ آیت میں اطاعت کرنے والوں کا حال ذکر کیا اب خیانت کرنے والوں کا حال ذکر کرتا ہے اس آیت میں ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ انسان نے اللہ کی امانت کو پورا قبول کیا چاہئے تھا کہ اسکی مدح وتعریف کی جاتی بلکہ اسے ظالم وجاہل قرار دیا جب انسان سے مراد صرف آدم علیہ السلام ہو تو پھر بعید ہے کہ اسے ظلوم وجہول کہا جائے اِنَّہٗ میں ضمیر عام انسان کی طرف راجع نہیں بلکہ خیانت کرنے والوں کی طرف راجع ہے یہ جواب بلیغ کلام کے ساتھ مناسب نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ظلوم وجہول لغوی اعتبار سے کہا گیا لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے بہتر جواب یہ ہے کہ امانت سے مراد ایک مناسب ذمہ داری ہے جب سے آسمانوں اور زمینوں کو اور پہاڑوں کو اللہ نے جس فائدے کے لئے پیدا کیا وہ ان کے مناسب ہے تو آسمان وزمین اور پہاڑوں جس طرح سورۃ حم سجدہ آیت 11 اور سورۃ حج آیت 18 میں ہے اور انسانوں میں اکثریت نے اپنی امانت میں نقصان کیا تو اس اعتبار سے یہ ظالم وجاہل ہے خیانت کرنے پر محمول کرنا اس طرح تفسیر قرطبی اور زجاج سے منقول ہے یعنی حمل بمعنی اندھے کا بوجھ اٹھانا یعنی عورت کا بھاری بوجھ کو اٹھانا مراد ہے اس وجہ سے گزشتہ آیت میں پہلے خیانت کی سزا مذکور ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ سے قرطبی رحمہ اللہ نے روایت کیا حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ سے مراد کافر اور منافق ہے مطلقاً انسان یا آدم علیہ السلام مراد نہیں اور ظلوم وجہول مبالغے کے صیغے ہیں جو کافر ومنافق کے مناسب ہیں۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

"تا کہ عذاب دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور عورتوں کو اور مہربانی کرے اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں پر اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [73]۔

تفسیر 73: یہ امانت کے بارے میں دونوں جانبین کے نتیجے ذکر کئے اور متعلق ہے حمل سے یعنی خیانت کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے گا جنہوں نے پوشیدہ خیانت کی وہ منافق ہے اور جس نے ظاہراً کی وہ مشرک ہے وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ: متعلق ہے مقدر کے لیے یعنی بعض انسانوں نے خیانت نہیں کی تو خیانت نہ کرنا تو یہ کے لئے سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور زیادہ ترغیب کے لئے آیت کو غَفُوْرًا رَّحِيْمًا پر ختم کیا ہے۔

سورۃ احزاب کی خصوصیات:

۱۔ دعوت و تبلیغ پر ابھارنے کیلئے نبی کریم ﷺ کو کثرت سے خطابات۔
۲۔ اتباع رسول کیلئے ایمان والوں کو خاص و عام خطابات۔
۳۔ منہ بولے بیٹے کی رسم جو دور جہالت سے جاری تھی اسکا خاتمہ۔
۴۔ زید و زینب رضی اللہ عنہا کی شادی اور طلاق کے بعد نبی ﷺ سے انکے نکاح کا ذکر۔
۵۔ دعوت کی صورت میں آداب طعام
۶۔ پردے کے حکم کا نزول
۷۔ بنی قریظہ اور احزاب کی جنگ کا ذکر اس میں ہوا ہے۔
۸۔ صلوۃ و سلام نبی کریم ﷺ پر پیش کرنے کا حکم۔
۹۔ منافقین کے برے صفات کا تذکرہ۔
۱۰۔ عالم پر پیش کی گئی امانت کا تذکرہ۔
۱۱۔ اہل ایمان کے دس اوصاف حسنہ کا تذکرہ۔
۱۲۔ محمد ﷺ پر نبوت کا خاتمہ

۱۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو اختیار دیا مگر وہ طلاق شمار نہیں ہوئی۔

۱۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کی فضیلت۔

سورۃ الاحزاب کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی فضل سے مکمل ہوئی

آیاتہا ۵۴ ۳۴ سورۃ سبا مکیۃ ۵۸ رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

فائدہ: یہاں سے الحمدللہ کے ذریعے قرآن کریم کا آخری حصہ شروع ہوا ہے جو والناس تک ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے شفاعت قہریہ اور رد شرک فی العبادت والدعا کا ذکر کیا ہے اور قیامت کے احوال تفصیل سے بیان گئے اور اکیس بارہ ابواب ہیں پہلا باب تین سورتوں سورۃ سبا، فاطر، اور یٰسٓ پر مشتمل ہے جن میں شفاعت (قہریہ) کا رد (جبرا) عقلی ونقلی دلائل سے کیا ہے

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل سورت سے کئی وجوہ سے ہے (۱) سابقہ سورت میں اللہ ورسول کی اطاعت کی ترغیب ہے تو اس میں شدید رد ہے ان مخالفین ومعترضین کا اور ان کے قبائح بھی ذکر کیے (۲) گذشتہ سورت میں رسول کی شان وعزت کو ذکر کیا تو اس میں اثبات رسالت اوراس کے ساتھ توحید ورسالت سے شبہات کو زائل کیا (۳) سورۃ احزاب کے آخر میں مشرکین ومنافقین کے لئے تخویف ذکر کی گئی تھی اور اس میں عذاب کی علت کو ذکر کیا گیا ہے۔

سورت کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون

مقاصد اربعہ توحید ورسالت صدق قرآن اور آخرت کا اثبات ہے۔ رد شرک کے ساتھ توحید کا اثبات ہے چار طریقوں کے ذریعے اور نقلی دلائل کے بنیاد ملائکہ اور جنات سے اس کے ذریعے اثبات توحید اور رد شرک ہے یعنی ان کے عجز کا اثبات ہے اس طرح اثبات توحید شرک کی چار قسموں، فی العلم، والتصرف، والعبادۃ، والدعاء پر رد کے ذریعے کی ہے اس طرح نوا سماء حسنیٰ کے ذکر کے ذریعے اثبات توحید ہے آیت 28 میں اثبات رسالت دفع شبہ کے ذریعے آیت 34، 35 میں اور تعلیم کے طریقوں کے ذریعے بھی اثبات رسالت ہے جن کے شروع میں لفظ "قُلْ" آیا ہے اور اثبات صدق قرآن ہے آیت 6 میں ساتھ منکرین کے لئے تخویف ہے 31 میں اور زجر بھی آیت 43 میں اور قیامت کا اثبات ہے قسم کے ذریعے آیت 3 میں اور منکرین کے لئے زجر کے ذریعے آیت 7 اور 29 میں قیامت کے احوال کے ذکر کے ذریعے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت چار ابواب پر مشتمل ہے (۱) آیت نمبر 10 تک ہے پہلے دعویٰ توحید پھر عقلی دلائل آیت 1، 2

میں پھر اثبات قیامت کو قسم سے آیت 3 میں پھر زجر آیت 4، 5 میں پھر اثبات صدق قرآن عقلی دلائل کے ساتھ آیت 6 میں پھر زجر منکرین قیامت کے اور منکرین رسول کو آیت 7، 8 میں پھر تخویف دنیاوی کو آیت 9 میں ذکر کیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱

" تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے آخرت میں اور وہ حکمت والا خبردار ہے [1]۔

تفسیر 1: اس آیت میں توحید کا دعویٰ ہے اور اس میں توحید فی التصرف کے عقلی دلیل ہے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ پہلے الحمد میں اشارہ دنیا کی طرف ہے اور دوسری حمد میں اشارہ آخرت کی طرف ہے یعنی آخرت میں بھی سب بندے خاص اللہ کے لئے حمد کہیں گے جیسے سورۃ زمر آیت 74 میں اور آخرت میں تمام انعامات وتصرفات اور اختیارات صرف اللہ کے پاس ہونگے وَ هُوَ الْحَكِیْمُ: یعنی نعمتوں کی تقسیم اللہ نے اپنی حکمت کے مطابق کی ہے اَلْخَبِیْرُ: یعنی ہر ایک کے ظاہر و باطن پر خبردار ہے نعمت کے مستحق کو وہی جانتا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں حمد کو دنیا و آخرت کے انعامات پر ذکر کیا پھر سورۃ انعام میں نعمتوں کی ایجاد کی طرف اشارہ ہے اور سورۃ کہف میں دنیا کی نعمتوں کی بقاء (تربیت) پر حمد کو ذکر کیا اب سورۃ سبا میں انعامات اخرویہ کی ایجاد کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے الآخرۃ ذکر کیا اور تیسری آیت میں اثبات آخرت ذکر کیا اور سورۃ فاطر میں حمد کو آخرت کے نعمتوں کے بقاء کے لئے ذکر کیا ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲

" وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو نازل ہوتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اور وہ رحم کرنے والا بخشنے والا ہے [2]۔

تفسیر 2: یہ دوسری عقلی دلیل ہے (1) پہلی دلیل تصرف کی تھی اور یہ دلیل علمی ہے کیونکہ تصرف بغیر علم کے نہیں ہو سکتا ہے اور ان دلائل سے اثبات توحید اور قیامت دونوں مقصود ہے مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ: پانی، بیج، مال اور مردے وغیرہ مراد ہیں وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا: پانی، معدنیات، درخت اور پودے وغیرہ مراد ہیں۔ وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ: وحی ملائک پانی وغیرہ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا: نیک اعمال اور کلمات طیبہ وغیرہ مراد ہیں جب زمین کے حالات قریب ہیں تو انہیں پہلے ذکر کیا دوسری بات جب بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے تو بعد میں بارش ہوتی ہے یَعْرُجُ فِیْهَا میں قبولیت اعمال کی طرف

اشارہ ہے یعنی جو آسمان میں چڑھتے ہیں اور اِلَیۡھَا اس لئے نہیں فرمایا کہ پھر اس سے مراد صرف آسمان تک پہنچنا ہوتا اور اس طرح سورۃ حدید آیت 4 میں بھی ہے وَهُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ یہ تمام انعامات دلیل رحمت ہے اور منتہی رحمت مغفرت ہے اسلئے اَلۡغَفُوۡرُ بعد میں ذکر کیا۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا السَّاعَةُ ‌ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَـتَاۡتِيَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَيۡبِ‌ ۚ لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰ لِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۙ‏ ③

"اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں آئے گی ہمارے پاس قیامت آپ ﷺ کہہ دیجئے قسم ہے میرے رب کی آئیگی تمہارے پاس ضرور جاننے والا ہے غیب کو نہیں چھپ سکتی اس سے کوئی چیز ذرہ برابر آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ چھوٹی اس سے اور نہ بڑی مگر لوح محفوظ میں موجود ہے [3]۔

تفسیر 3: آخرت کے ذکر کے بعد پہلے نمبر پر منکرین قیامت کیلئے وعید ہے اور اب اپنی ذات کی قسم کے ذریعے سے ثابت کرتا ہے اور یہ تیسری سورت اور مقام ہے جس میں رب تعالیٰ اپنی ذات کی قسم سے قیامت کو ثابت کرتا ہے عٰلِمِ الۡغَيۡبِ: رب کی صفت ہے یعنی وہ عالم ہے ارواح واجسام پر اور ان کے اجزاء پر جو چھوٹے اور بڑے ٹکڑے ہوتے ہیں اور باریک سے باریک جو لال چھوٹی سی چیونٹی کے برابر ہو جو نظر بھی مشکل سے آئے اُس پر اللہ صرف عالم نہیں بلکہ لوح محفوظ میں اسے لکھا بھی ہے۔

لِّيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ‏ ④

"تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے ایمان لایا اور نیک اعمال کئے یہی لوگ ان کے لئے مغفرت اور رزق عزت والا ہے [4]۔

تفسیر 4: اس آیت میں بشارت اور قیامت کے لئے علت کو ذکر کیا اور لَـتَاۡتِيَنَّكُمۡ پوشیدہ ہے آیت میں ایمان اور عمل صالح کو ذکر کیا تو جزا میں بھی مغفرت اور رزق کریم کو ترتیب سے ذکر کیا۔ كَرِيۡمٌ: یعنی فائدے سے بھرنے ہوئے اور نقصان سے خالی اور اسکے حاصل کرنے میں نہ تکلیف اور نہ ہی حساب ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤

"اور وہ لوگ جو کوششیں کرتے ہیں ہماری آیتوں میں کمزور کرنے کی یہی لوگ ہیں جن کے لئے سخت دردناک عذاب ہے[5]۔

تفسیر5: یہ ان لوگوں کیلئے آخرت کا خوف ہے جو اللہ کی آیتوں کا مقابلہ کرتے ہیں فِيْٓ اٰيٰتِنَا: آیتوں کو باطل کرنے اور تحریف کے ذریعے سے اور مُعٰجِزِيْنَ کی: قید سَعَوْ: کے لئے لگائی یعنی اس کے سیکھنے کی کوشش نہیں بلکہ مقابلے کے درپے ہیں۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

"اور عقیدہ رکھتے ہیں وہ لوگ جنکو دیا گیا علم وہ جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے اور ہدایت دیتا ہے اس ذات کی راہ کی طرف جو غالب ہے تعریف والا ہے[6]۔

تفسیر6: یہ اہل کتاب سے دلیل عقلی ہے جو معاجزین کے بالمقابل ہے یعنی یہ مصدقین (تصدیق کرنے والے ہیں) وَيَرَى: لِيَجْزِيَ پر عطف ہے یا ابتداء سے (مستانفہ) کلام ہے اور یہی بہتر ہے رویت سے مراد رویت عملی ہے الَّذِيْٓ اُنْزِلَ یہ مفعول اول ہے هُوَ الْحَقَّ یہ مفعول ثانی ہے الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ: اس سے مراد توحید والے ہیں وہ کتابی ہو یا غیر کتابی ہو اور يَهْدِيْٓ کا فاعل قرآن یا اللہ تعالیٰ ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦

"اور کہتے ہیں کافر (ایک دوسرے کو) کیا ہم دکھائیں تمکو ایسا شخص جو خبر دیتا ہے تمکو جب تم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ گے ہر طریقے سے ٹکڑے یقیناً تم نئی پیدائش میں ہو گے[7]۔

تفسیر7: یہاں پر انکار قیامت وانکار رسول پر وعید ہے رَجُلٍ مجہول ذکر کیا بطور استہزاء مسخرے کے كُلَّ مُمَزَّقٍ مصدر میمی مفعول مطلق مبالغہ کے لئے ہے یعنی مکمل طور پر ذرہ ذرہ ہونا کہ کوئی ذرہ دوسرے سے اکٹھا نہ ہو یا پھر صیغہ ظرف مبالغہ کے لئے ہے یعنی مکمل تمام ذرات اپنی جگہ کو پہنچیں۔

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ⑧

"کیا بنایا اس نے اللہ پر جھوٹ یا اس پر جنات (دیوانہ پن) ہیں بلکہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ہیں آخرت پر عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہونگے [8]۔

تفسیر 8: یہ بھی وعید میں داخل ہے أَفْتَرَىٰ: یہ بھی قَالَ الَّذِينَ کے تحت ہے اور ایک ہمزہ باب افتعال سے محذوف ہے اور دونوں جملوں کے درمیان تقابل یہ ہے افتراء سے مراد یہ ہے کہ عقل وقصد سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا یعنی جھوٹ ضرور بولا یا تو قصداً یا بے قصد بَلِ الَّذِينَ: یعنی یہ دونوں نسبتیں غلط اور باطل ہیں بلکہ یہ دنیا وآخرت کے عذاب اور گمراہی میں ہیں۔ ضلال بمعنی ضیاع وتباہی کے ہے اور دنیا وآخرت دونوں کو شامل ہے اور جملہ میں ان کے قول کا رد ہے یعنی یہ جو نسبت کرتے ہیں افتراء کی صادق اور بری شخص کی طرف تو یہ ان کے لئے ضرور سبب عذاب ہے اور جو عاقل اور ہوشیار کی طرف جنون کی نسبت کرتے ہیں یہ ان کے لئے علامت ضلال ہے اور بعید ایسی گمراہی کو کہتے ہیں جس کی حق سے مناسبت نہ ہو اور ایسی تباہی جس کا منتہی معلوم نہ ہو۔

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ⑨

"کیا وہ نہیں دیکھتے ہیں اس طرف جو انکے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین کی نشانیوں میں سے اگر ہم چاہیں دھنسا دیں انکو زمین میں یا ہم گرا دیں ان پر ٹکڑا آسمان سے بے شک اسمیں البتہ نشانی ہے ہر ایک بندے رجوع کرنے والے کے لئے [9]۔

تفسیر 9: اس آیت میں خوف دنیاوی ہے جب گزشتہ آیت میں عذاب کو ذکر کیا تو اب اس آیت میں عذاب کی اقسام کو ذکر کرتا ہے۔ مِنَ السَّمَاءِ: یہ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کے لئے بیان ہے کیونکہ یہ انسان کی آنکھوں کے سامنے ہے وَالْأَرْضِ: یہ مَا خَلْفَهُمْ: کے لئے بیان ہے اور مراد أَيْدِيهِمْ، خَلْفَهُمْ سے تمام اطراف ہیں یعنی انسان پر آسمان اور زمین کی ہر طرف سے احاطہ کیا ہے۔ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ: یہ لف نشر غیر مرتب ہے یعنی زمین سے عذاب خسف اور آسمان سے ٹکڑوں کا گرنا ہے۔ مُّنِيبٍ: اس انسان کو کہتے ہیں جو حق کی طرف دلیل کے ساتھ رجوع کرتا ہے اور کوئی ضد وتعصب نہیں کرتا ہے اور انابت دلیل کی اتباع کے لئے شرط ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ وَالطَّيۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ ۙ﴿۱۰﴾

"اور البتہ تحقیق دیا ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضل اے پہاڑو اور پرندو تسبیح پڑھو اسکے ساتھ اور نرم کیا ہم نے اسکے لئے لوہے کو [10]۔

تفسیر 10 : اس آیت سے دوسرا باب شروع ہو رہا ہے آیت 22 تک اور اس میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے حالات ذکر کئے ہیں اور توحید پر کئے گئے شبہات کو دور کرنے کیلئے جنوں کا حال ذکر کیا ہے اور دلیل نقلی ان کے بندے اور محتاج ہونے پر ذکر کئے ہیں پھر اصحاب سبا کی مثال دنیاوی خوف کے لئے اور پھر عداوت شیطان کو ذکر کیا جو سبب شبہات اور نزول عذاب ہے اس آیت میں داؤد علیہ السلام کا واقعہ ہے اور اس میں سوال جواب ہے کہ داؤد علیہ السلام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت طاقتور تھا پہاڑوں، پرندوں اور لوہے کا کنٹرول رکھتا تھا تو معلوم ہوا کہ حاجت روائی کی قدرت بھی رکھتا ہوگا اور شفیع قہری بھی شاید ہو جواب یہ ہے کہ پہاڑ اور پرندے تابع کرنا اور لوہا نرم کرنا یہ تمام امور قدرت الہٰی کے تھے اور داؤد علیہ السلام کا اس میں اختیار نہیں ہے اور یہ معجزات ہیں اور نبی کی قدرت معجزات میں نہیں ہوتی ہے اس وجہ سے ان امور کی نسبت اللہ نے اپنے طرف کی ہے اور اس واقعہ میں دوسرا مقصد قدرت الہٰی کو ذکر کرنا ہے یعنی وہ اُمور جو خلاف عادت ہیں اس میں دلیل ہے کہ اللہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ دلیل عقلی ہے توحید پر فَضۡلًا : مراد اس سے نبوت اور بادشاہی اور معجزات ہیں يٰجِبَالُ : یہ فضل کا بیان ہے اور قُلۡنَا پوشیدہ ہے۔ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ : تاویب رجوع کو کہتے ہیں اس سے مراد تسبیح ہے وَالطَّيۡرَ : اس میں فعل پوشیدہ ہے یعنی سَخَّرۡنَا مَعَهُ الطَّيۡرَ یا پھر عطف ہے محل يٰجِبَالُ پر اور جبال اور طیر اس وجہ سے ذکر کیا کہ پہاڑ بہت سخت ہوتے ہیں اور پرندے انسانوں سے بہت نفرت کرتے ہیں لیکن جب انہوں نے داؤد علیہ السلام سے دوستی کی تو معلوم ہوا کہ درخت و پودے بھی تابع ہوئے لیکن وہ انسان جن کے دل پتھروں سے سخت ہیں انہوں نے مخالفت کی وَ اَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ : اور پہاڑوں سے سخت چیز لوہا ہے تو اسکی تسخیر بھی ذکر کی داؤد علیہ السلا جہاد سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی پسند تھے تو اللہ تعالیٰ نے لوہے کو اس کیلئے نرم کیا جو بغیر آگ اور بغیر ہتھوڑے کے ان سے کڑے بناتے تھے۔

أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١﴾

"یہ کہ بناؤ تم پوری زرہیں اور جوڑوں میں اندازہ کرو اور تم نیک عمل کرو بے شک میں ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہوں [11]۔

تفسیر 11: أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ. یہ علت کا بیان ہے لوہے کی نرمی صیغہ امر سے ہے اور اس صیغے میں اشارہ ہے کہ یہ کام اللہ کے امر اور اس کی رضاء سے کیا کرتے تھے لفظ سَابِغَاتٍ سے پہلے موصوف پوشیدہ ہے دُرُوعًا (زرہیں) جس سے تمام جسم چھپے رہے وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ. سَرْد معنی زرہوں کو بنانا اور کڑوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا اور وَقَدِّرْ کے دو معنی ہیں۔ (۱) کڑے اندازے سے بنانا بہت فراخ اور نہ تنگ اور نہ باریک تاکہ تیر اور تلوار اس پر اثر نہ کریں اور جسم پر بھاری بھی نہ ہوں اور امام بقاعی رحمہ اللہ نے کہا اس زروں میں کیلیں نہیں تھیں یہ اس وجہ سے کہ لوہا نرم تھا تو کیل کی ضرورت نہیں تھی (۲) معنی یہ ہے کہ کسب دنیاوی ہے اس وجہ سے وقت کا اندازہ لگاؤ اور کہا اس میں زیادہ وقت صرف مت کرو بلکہ نیک اعمال کرو جو اصل مقصد ہے اس وجہ سے فرمایا وَاعْمَلُوا صَالِحًا: اس میں اشارہ ہے کہ داؤد علیہ السلام بڑی شان اور مرتبے والے تھے لیکن پھر بھی عبادات کے مکلف تھے تو شفیع ٹھری (بلا اجازت) نہیں ہو سکتے ہیں۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿١٢﴾

"اور تابع کی ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا سفر کرنا اسکا بوقت صبح ایک مہینے کے برابر اور شام کے وقت سفر کرنا ایک مہینے کے مسافت کے برابر اور جاری کیا ہم نے انکے لئے تانبے کا چشمہ اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ان میں سے ہم چکھائیں گے اسکو عذاب بھڑکنے والا [12]۔

تفسیر 12: یہ دوسرا واقعہ ہے اور ایک اشکال کا جواب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت جنات اور پرندوں پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بڑے تصرف اور قدرت کے مالک تھے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے سلیمان علیہ السلام کا اس میں کوئی اختیار نہیں اس وجہ سے اللہ نے اپنی طرف نسبت کی اور اسطرح یہ واقعہ بھی دلیل نقلی ہے توحید اور بعث بعد الموت پر وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ. فعل سَخَّرْنَا اس میں پوشیدہ ہے جب تسخیر اللہ کی طرف سے ہے تو ذکر کرنے کی حاجت

نہیں ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب صبح روانہ ہوتے دمشق سے تو دوپہر کو آرام مقام اصطخر میں کرتے اور اسکے درمیان ایک مہینہ پیدل منزل ہے پھر اصطخر سے روانہ ہوکر کابل میں رات گزارتے اس میں ایک مہینہ کا سفر ہے وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ: یعنی تانبہ اپنی کان میں چشمہ کی طرح جاری تھا آبادی وغیرہ کے لئے اسکے آگ پر پگھلانے کی ضرورت نہیں تھی اور یہ بھی معجزہ تھا اور اسکی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے وَ مِنَ الْجِنِّ: عطف ہے الرِّيْحَ پر یعنی وَسَخَّرْنَا وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بعض اعمال بعد میں ذکر کرتا ہے اور بعض کو سورۃ ص آیت 37 میں ذکر کیا بِاِذْنِ رَبِّهٖ: اس میں اشارہ ہے کہ اس کے پاس جادو نہیں تھا جس طرح یہودیوں نے کہا بلکہ اللہ تعالٰی کا اذن تھا وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا: یا امر سلیمان علیہ السلام حقیقت میں اللہ کا تھا مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ: سے مراد جہنم کی آگ یا پھر دنیا میں جو ملائکہ جنات پر مقرر ہوتے ہیں یعنی جو بھی جن سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کرتا تو ملائکہ اسے آگ کے کوڑے سے مارتے۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

"وہ بناتے تھے اسکے لئے وہ جو چاہتا عبادت خانوں میں سے اور آبادی (کا نقش ونگار) اور بڑے بڑے تھال مانند حوض کے اور دیگیں جمی ہوئی زمین پر عمل کرواے آل داؤد شکر کا اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر گزار [13]۔

تفسیر 13: اس آیت میں جنوں کا تابع ہونا اور ان کے امور کا ذکر ہے محاریب محراب کی جمع ہے جو بنی اسرائیل میں خاص عبادت خانہ امام وعالم کے لئے ہوتا تھا یا پھر مراد بلند آبادی ہے اور مساجد ہیں اور بیت المقدس بھی اس میں داخل ہے جس کو جنوں نے بنایا لیکن ہمارے زمانے کا محراب مراد نہیں ہے وَ تَمَاثِيْلَ: مراد اس سے نقش ونگار ہے درخت اور پودوں کو بنانا اور جس نے کہا اس سے مراد تصاویر بزرگوں اور انبیاء کی جن کو رغبت کے لئے مساجد میں لگاتے تھیں اور یہ ان کے دین میں جائز تھا یہ قول صحیح نہیں ہے پھر یہ اس حدیث کے خلاف ہے اُولٰٓئِكِ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ ان میں سے کوئی صالح بندہ فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہ تصویریں آویزہ کرتے یہ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1330، صحیح مسلم حدیث 1265) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر مساجد بنا

کران پر تصاویر لگانا شرک اور فسادی عمل ہے۔ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ: جفان جفنہ کی جمع ہے بڑے تھال (پرات) کو کہتے ہیں جواب جوبہ کی جمع ہے بڑے حوض کو کہتے ہیں کیونکہ لشکر، مہمان اور نوکر سلیمان علیہ السلام کے بہت زیادہ تھے اوران کے کھانے کے لئے بڑے برتن ضروری تھے وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ: جب تھال کا حال بیان کردیا تو اب دیگوں کا حال بیان کیا جو اتنی بڑی تھیں جن کو جگہ سے منتقل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہیں پر ان میں پکایا جاتا تھا اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا: یعنی بڑے معجزے اور حکومت کے ساتھ بھی اللہ کی بندگی کے وہ مکلف تھے۔ شُكْرًا اس میں تفسیر سراج المنیر نے چھ تراکیب ذکر کی ہیں یعنی شکر کرنے کے وہ مکلف تھے وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ: شکور مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ اس وجہ سے ذکر کیا کہ تھوڑا شکر تو مشرک وکافر بھی کرتے ہیں جب حالت اضطراری میں ہوں لیکن مال، نعمت، زبان اور اعضا سے ہر وقت کے شکر گزار بہت کم ہیں اس وجہ سے مشرک، کافر، بے عقل اور بے علم کو لفظ اکثر سے ذکر کیا۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

"پس جب ہم نے فیصلہ کیا اُن پر موت کا نہیں خبر دی انہوں نے انکی موت کی مگر ایک گھن کا کیڑا جو کھا رہا تھا ان کی لاٹھی کو پس جب وہ گر گئے تو ظاہر ہوا جنوں کو حال کاش کہ وہ ہوتے جانتے غیب کو تو وہ رسوائی کے عذاب میں نہیں رہتے [14]۔

تفسیر 14: اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کی عاجزی اور کمزوری کو دو طریقوں سے ذکر کیا (۱) یہ کہ ان پر موت آئی تو موت سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے (۲) موت کے بعد کوئی حرکت اور اختیار نہیں رکھتا بلکہ لاٹھی کمزور ہوگئی تو آپ علیہ السلام زمین پر گر گئے تو معلوم ہوا کہ مردے کسی کی مدد وحاجت روائی نہیں کرسکتے ہیں جب اپنا اختیار نہیں رکھتے تو دوسروں کی کیا مدد کرینگے اور اسی طرح اس آیت میں جنوں کا حال ذکر کیا کہ غیب کو نہیں جانتے اس میں بھی ایک شبہ کا ازالہ کیا کہ جنات علم غیب نہیں رکھتے یہ عقیدہ بنی اسرائیل اور اس امت کے بعض لوگوں کا ہے کہ جنات علم غیب رکھتے ہیں تو اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ کیا کہ ایک سال تک جنات سلیمان علیہ السلام کی موت سے بے خبر تھے اس کے مفسرین نے دو اسباب ذکر کئے (۱) انسانوں میں جنوں کے علم غیب ہونے کی بات مشہور تھی تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اے اللہ میری موت کو ان سے پوشیدہ کرنا تاکہ لوگوں کے دلوں سے یہ غلط عقیدہ ختم ہوجائے کہ جنات عالم الغیب ہیں (۲) جنات بیت

المقدس کی تعمیر کر رہے تھے تو وہ آبادی سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں مکمل ہوگئی تھی لیکن کچھ کام باقی تھا تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ میری موت ان سے پوشیدہ رکھنا تاکہ یہ تعمیر مکمل کر لیں کیونکہ جنات سلیمان علیہ السلام سے ڈرتے تھے۔ اور نسائی کی روایت صحیح نہیں کہ تعمیری کام مکمل ہوگیا تھا اور کچھ باقی تھا بلکہ قرطبی رحمہ اللہ نے صحیح سند سے نقل کیا کہ سلیمان علیہ السلام ایک سال تک اپنی لاٹھی پر کھڑے رہے تھے۔ نوٹ: دیمک سے جنوں کی دوستی اور ان کے لئے پانی اور مٹی لانے کی روایت ابن عباسؓ سے منقول ہے اس کو امام حاکم اور البانی نے صحیح کہا ہے سلسلۃ الضعیفۃ 1033 (مترجم) تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ: اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جنوں پر اپنا حال ظاہر ہوا کہ وہ علم غیب نہیں رکھتے ہیں (۲) انسانوں پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں بعد والے معنی پر اَنْ لَّوْ كَانُوْا بدل اشتمال ہے الْجِنُّ سے الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ: سے مراد آبادی اور سخت امور جو جنات سلیمان علیہ السلام کے ڈر سے کر رہے تھے اس وجہ سے عذاب سے تعبیر کیا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

"تحقیق تھی سبا والوں کے لئے ان کے گھروں میں دلیل دائیں اور بائیں طرف دو باغ کھاؤ تم اپنے رب کے رزق سے اور شکر ادا کرو اسکے لئے شہر ہے پاک اور رب ہے بخشنے والا [15]۔

تفسیر 15: یہ دنیاوی عذاب کیلئے نمونہ ہے سبا والوں کے لئے شبہات کا جواب اور دلیل نقلی ہے پہلے ان بادشاہوں کے حال کو ذکر کیا جو شکر گزار تھے اب ان مالداروں کا حال ذکر ہورہا ہے جو ناشکرے تھے لِسَبَاٍ: یہ اس قبیلے کے بڑے کا نام تھا سبا بن عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان اور ان کی نسل کو اہل سبا کہا جاتا ہے بعض روایات میں ہے کہ سبا کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں اور چار شام میں آباد تھے فِيْ مَسْكَنِهِمْ: میں اشارہ ہے کہ ان کے ملک میں آرام کے اسباب بہت تھے مفسرین نے کہا کہ یہ صنعاء الیمن سے تین فرسخ مآرب مقام پر تھا اور بقاعی نے کہا یہ علاقہ صحرا صنعاء کے قریب تھا اٰيَةٌ: قدرت کے دلائل سے توحید مراد ہیں مَسْكَنٍ اور اٰيَةٌ مفرد بمعنی جنس ہے جَنَّتٰنِ: مراد اس سے باغ کی بہت اقسام ہیں بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ: آب وہوا صحت مند تھی اور زہریلے حیوانات نہیں تھے وَرَبٌّ غَفُوْرٌ: معاف کرتا ہے شکر گزار کو اگرچہ مالدار ہو۔

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾

"پس انہوں نے منہ پھیر لیا پس بھیجا ہم نے ان پر زوردار سیلاب کا پانی اور بدل دیئے ہم نے ان کے باغوں کو دو باغ بدمزہ میووں کا نٹے دار جھاڑیاں اور تھوڑے سے بیری کے درخت تھے[16]۔

تفسیر 16: اس آیت میں سبب عذاب اور تفصیل عذاب کو ذکر کیا۔ فَأَعْرَضُوا سبب عذاب ہے بعض روایات میں ہے کہ ان کی طرف تیرہ انبیاء علیہم السلام آئے تھے لیکن انہوں نے اعراض کیا تھا۔ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ: یہ تفصیل عذاب کا ذکر ہے یعنی انہوں نے ایک بڑا بند ڈیم بنایا تھا جس میں بارش کا یا سلاب کا پانی جمع ہوتا اور اس سے الگ الگ نہریں بنائی تھیں اور ان کے ذریعے سے باغ اور فصلوں کو پانی دیتے۔ ڈیم کا وہ بند ٹوٹ گیا اور وہ پانی زہریلہ ہو کر ان کے باغوں اور فصلوں میں گیا جسکے ذریعے سے ان کے باغ اور فصلوں کے پھل برباد ہوئے یہ عذاب الٰہی تھا أُكُلٍ خَمْطٍ: مبرد رحمہ اللہ نے کہا پھل اتنے بدمزہ ہوئے کہ پھر کسی کی اشتہا نہ رہتی ابو عبید نے کہا ہر درخت کانٹے دار کڑوا جسے کھایا نہیں جاسکتا اسے خمط کہتے ہیں وَأَثْلٍ: عطف ہے أُكُلٍ پر کیونکہ اخروٹ کے درخت میں پھل نہیں ہوتا ہے اسکی لکڑی اور سایہ بے فائدہ ہوتا ہے اور اس میں دوسری قسم ہے جسے طرفاء کہتے ہیں اسکی لکڑی سے منبر رسول بنایا گیا تھا سِدْرٍ قَلِيلٍ: یہ دو قسم کے بیر ہیں۔ ایک قسم کے بیر جو سوکھے اور لال ہوتے ہیں اور دوسری قسم جھاڑے دار جس مین کانٹے زیادہ ہوتے ہیں بیر نہیں ہوتے یا پھر بیکار رہوتے ہیں اور یا کثر صحراؤں میں ہوتے ہیں۔

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾

"یہ سزا دی ہم نے ان کو بوجہ اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہم یہ سزا نہیں دیتے مگر ناشکروں کو[17]۔

تفسیر 17: اس آیت میں فَأَعْرَضُوا کی تفسیر ہے یعنی اعراض کفر ہے وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ میں اشکال ہے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ سزا صرف کافروں کے ساتھ مختص ہے اور مومن کو گناہ کرنے کی کوئی سزا نہیں ملے گی یہ دیگر آیتوں اور احادیث کے خلاف ہے پہلا جواب یہاں پر سزا سے مراد استیصالی (جس میں پوری قوم تباہ ہو) کی سزا ہے جس طرح اصحاب سبا کو دی گئی تھی یہ سزا کافروں کے ساتھ خاص ہے دوسرا جواب مجازاۃ پوری سزا کو کہتے ہیں یعنی کوئی گناہ معاف نہیں ہوتا بلکہ پوری سزا ملتی ہے یہ کافروں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ مومن کے بعض گناہ عبادات یا بفضل اللہ معاف ہوتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾

"اور بنادیا ہم نے ان کے درمیان اور درمیان اس بستی کے برکت ڈالی ہم نے اس میں بستی ظاہر اور اندازہ لگایا ہم نے اس میں سفر کا چلو پھرو تم اس میں رات اور دن کو امن کے ساتھ [18]۔

تفسیر 18: اس آیت میں دوسرے انعام کا ذکر کیا جو اہل سبا پر اللہ نے کیا تھا اور وہ حالت سفر میں امن ہے یمن سے شام تک سفر کرنے میں ان کو کوئی ڈر و خوف نہیں تھا اور اسی طرح زادِ راہ لینے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آبادی اور گاؤں قریب تھے الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا: اس سے مراد شام، فلسطین اور اردن وغیرہ تھے ان میں پھل و اناج زیادہ تھے اور آب و ہوا اچھی تھی اور ان میں رہنے والے بھی زیادہ تھے قُرًى ظَاهِرَةً: اس سے مراد گاؤں ایک دوسرے کو اتنے قریب تھے کہ ایک بستی سے مسافر نکلتے تو دوسری بستی نظر آتی اور وہ گاؤں اونچے آباد ہوتے بعض مفسرین نے لکھا ہے یمن (سبا) سے شام تک راستے میں چار ہزار سات سو گاؤں تھے۔ وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ: یعنی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک اندازے کا سفر تھا یعنی مسافر نہ تھکتا تھا اور نہ اسے بھوک پیاس لگتی بلکہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک آٹھ میل یا بارہ میل مسافت تھی سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ: رات کے سفر میں خطرہ زیادہ ہوتا ہے لیکن انکو کوئی خطرہ نہیں تھا اس وجہ سے لَيَالِيَ کو پہلے ذکر کیا یعنی پورا امن تھا۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

"پس کہا انہوں نے اے ہمارے رب دوری ڈال دے ہمارے سفروں کے درمیان اور ظلم کیا انہوں نے اپنی جانوں پر پس بنادیا ہم نے ان کو واقعات اور ٹکڑے ٹکڑے کیا ہم نے ان کو ہر طریقے سے ٹکڑے کرنا بے شک اس میں البتہ دلائل ہیں ہر ایک صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے [19]۔

تفسیر 19: اس آیت میں ان کی ناشکری اور عذاب کو ذکر کیا اور نعمت کو بدلنے کا سوال اس طرح تھا جیسے بنی اسرائیل نے من و سلویٰ کے بدلے میں زمین کی نباتات مانگیں اور مکہ کے کفار نے امن کے بجائے عذاب مانگا جیسے سورۃ انفال آیت

32 میں ہے پھرانکی دعا قبول ہوئی اورگاؤں کی آبادیاں کم ہوئیں اورگاؤں ایک دوسرے سے دورہوگئے وَظَلَمُوٓا اَنۡفُسَهُمۡ: یعنی اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی توان انعامات کواپنے اوپر بندکردیا فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ: یعنی عبرت کے قصے جیسے لوگ ذکرکرتے ہیں۔ وَمَزَّقۡنٰهُمۡ: یعنی یہ لوگ مختلف ملکوں میں تقسیم ہوئے کوئی شام توکوئی عمان کوئی عراق کوئی تہامہ اورعمر بن عامر جواوس وخزرج کے داداتھے وہ مدینہ منورہ میں رہ گئے صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ: راداس سے مومن ہے کیونکہ تھوڑاصبروشکر کبھی کبھی کافربھی کرتاہے یعنی جو مالداری میں بھی اللہ کاشکرگزارہوتووہ ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرسکتاہے۔

وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۲۰

"اورتحقیق سچاکردکھایاان پرابلیس نے اپناگمان پس انہوں نے اسکی پیروی کی مگرایک گروہ نے ایمان والوں میں سے نہیں کی[20]۔

تفسیر20: اس میں بیان حال سبا والوں کاہے یعنی انہوں نے اعراض اورناشکری کی توان پرعذاب آیا ابلیس کی پیروی کی وجہ سے وَلَقَدۡ صَدَّقَ یعنی وَجَدَهٗ صَادِقًا یعنی جوگمان کیاتھااسے سچاپایاتھاخطاءنہ ہوئے صدق یہاں پرمقابل خطاہے عَلَيۡهِمۡ: میں ضمیراہل سباکی طرف راجع ہے یاپھرعام انسانوں کی طرف راجع ہے ظَنَّهٗ: میں اشکال یہ ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کی اولادکوگمراہ کرنے کے جوصیغے لام تاکیدبانون تاکیدسے استعمال کئے جیسے سورۃ اعراف آیت 16، 17 سورۃ حجرآیت 39 سورہ بنی اسرائیل 62 سورۃ نساءآیت 18، 19 تویہ یقین پردلالت کرتے ہیں پھرظن کیوں کہا؟ جواب آنے والے زمانے کے کسی بھی کام پرمخلوق یقین نہیں کرسکتی کیونکہ مخلوق غیب نہیں جانتی لہٰذاپختہ ارادے کیوجہ سے تاکیدکاصیغہ استعمال کیاہے۔ فَاتَّبَعُوۡهُ: یہ صدق کابیان ہے اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: اس میں دواقوال ہیں پہلامِنۡ بیانیہ ہے اس سے تمام اہل ایمان مرادہیں اورتَبِعُوۡهُ سے مرادتابع ہوناشرک وکفرمیں ہے معنی یہ ہے کہ انہوں نے کفروشرک میں پیروی ابلیس کی کرلی مگرایک گروہ جومومنین ہیں انہوں نے پیروی نہیں کی دوسراقول مِنۡ برائے تبعیض ہے اس سے مرادبعض مومن ہیں اِتَّبَعُوۡهُ سے مرادہرقسم کے گناہ میں پیروی کرنامرادہے معنی یہ ہے کہ انہوں نے ابلیس کی پوری پیروی کی سوائے ایک گروہ مومنین کے جومعصوم وپاک ہے اوروہ انبیاء علیھم السلام ہیں یہ آیت انبیاء علیھم السلام کی عصمت پردلیل ہے کیونکہ یہ گروہ جنھوں نے ابلیس کی کسی قسم کی پیروی نہیں کی وہ صرف انبیاء علیھم

السلام کی جماعت سے کسی اور کو فضیلت دینا باطل قول ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

"اور نہیں تھا ابلیس کے لئے ان پر کوئی غلبہ مگر تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون ہے جو ایمان لاتا ہے آخرت پر ان میں سے جو شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز کی حفاظت کرنیوالا ہے [21]۔

تفسیر 21: اس کے ساتھ وہم کو دور کیا یعنی یہ وہم لوگ نہ کریں کہ ابلیس لوگوں پر اپنے اختیار سے مسلّط و مقرر ہے اور سلطان سے مراد تسلّط اور مقرر رہنا ہے یہ ابلیس کا اختیار نہیں بلکہ اللہ نے اس کو مسلّط کیا لوگوں پر بطور امتحان عَلَيْهِمْ: میں ضمیر تمام بنو آدم کی طرف راجع ہے تو اِلَّا لِنَعْلَمَ کے ساتھ تقدیری عبارت یہ ہے لٰكِنْ سَلَّطْنَاهُ عَلَيْهِمْ لِنَعْلَمَ یا پھر سلطان سے مراد حجت ہے یعنی ابلیس کا بنو آدم کے گمراہ کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے لیکن بے دلیل گمراہ کرتا ہے یا سلطان سے مراد گمراہ کرنا اور عَلَيْهِمْ ضمیر فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کی طرف راجع ہے یعنی انکو گمراہ نہیں کر سکتے ہو سورۃ حجر آیت 42 میں گزرا ہے لِنَعْلَمَ: امام فراء بغوی نے کہا علم بمعنی تمیز ہے اور علم تو اللہ تعالیٰ کو اس سے پہلے تھا اور ابلیس کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں قیامت کے بارے میں شک ڈالدے) کیونکہ تمام ایمانیات اور عبادات کا دارومدار عقیدہ آخرت پر ہوتا ہے اس وجہ سے یہاں پر مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ ذکر کیا معلوم ہوا کہ قیامت کے بارے میں شک کرنا کفر ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

"آپ کہہ دیجئے پکارو تم ان لوگوں کو کہ دعویٰ کیا تم نے اللہ کے علاوہ وہ اختیار نہیں رکھتے ہیں ذرہ برابر آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہیں ہے ان کے لئے ان دونوں کے بنانے میں کوئی شرکت اور نہیں ہوگا ان کے لئے ان سے کوئی مددگار [22]۔

تفسیر 22: اس آیت سے آیت 34 تک تیسرا باب ہے۔ اور اس میں چوتھے شبہے کا جواب ہے جس میں ملائک کی عاجزی کا بیان ہے اور شرک کے بند کرنے کے چار طریقے ذکر کئے اور پھر تین طریقے تبلیغ و تعلیم کے ذکر کئے پھر منکرین رسالت کو

وعید و جوابات ذکر کئے پھر آخرت کے خوف میں براءت آلھہ باطلہ ذکر کی اس آیت میں مشرکین کا رد تین طریقوں سے ہے اور پہلے کے ساتھ ربط یہ ہے کہ ابلیس کی پہلی تصدیق ظن کی یہ ہے کہ انسان کو شرک میں مشغول کیا اور ان کو سمجھانا اس طریقے سے چاہئے کہ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ اور اُدْعُوا کا حکم تاکید کیلئے ہے اور زَعَمْتُمْ کا مفعول حذف ہے (آگر یا لہہ ہیں) تو ان کو مدد کے لئے پکارو تاکہ تم کو فائدہ دیں یا پھر تکلیف کو دور کریں جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو اس کا جواب پوشیدہ ہے کہ یہ اس کا اختیار و طاقت نہیں رکھتے۔ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ: انسانوں کی ضرورتوں کا تعلق زمین و آسمان سے ہے اسلئے ان دونوں کو ذکر کیا نیز ان کے بعض معبود زمین اور آسمان کے یعنی ملائکہ ہیں۔ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ اگر کوئی کہے کہ ان آلہہ کا کوئی حصہ نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر اللہ انکو حصہ دے تو اسے حصہ دار کہتے ہیں تو اس جملے میں جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے شریکوں کے لئے کوئی حصہ نہیں چھوڑا لہذا جب اللہ نے ان کو کچھ نہیں دیا تو یہ تمہیں کیا دینگے وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ: اگر کسی کا خیال ہو کہ انہوں نے دنیا کے کاموں یا تدبیر میں کوئی حصہ لیا ہوگا اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کسی کی مشکل کشائی کر سکیں تو اس جملہ میں اس کا جواب دیا گیا۔ اور سورۃ کہف آیت 51 میں بھی موجود ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾

"اور نہیں فائدہ دے گی سفارش اسکے پاس مگر اس شخص کو کہ اجازت دے اسے یہاں تک کہ جب دور کیا جائے انکے دلوں سے خوف اور کہیں گے وہ کیا کہا تمہارے رب نے وہ کہیں گے حق اور وہ بلند بہت بڑا ہے [23]۔

تفسیر 23: اس میں چوتھے شبہے کا رد ذکر کیا۔ انکا عقیدہ ہے کہ ملائکہ شفاعت قہریہ (جبرا) کر سکتے ہیں تو لہذا پھر یہ بندگی کے حقدار ہیں یہاں پر اللہ نے ملائکہ کی کمزوری بیان کی اور اسی طرح مشرکوں کے چوتھے عقیدے کا رد ذکر کیا یہ انکا کہنا تھا کہ یہ خود تو اختیارات نہیں رکھتے مگر ہماری حاجات کو اللہ سے پورے کرواتے ہیں یعنی پھر بطریقہ سفارش یا محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ (انکی عظمت) سے مجبور ہوتا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بغیر اذن اللہ انکی سفارش نہیں اور نہ ہی فائدہ دے سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ مشرکوں کے لئے کسی سفارش کی اجازت نہیں دے گا وَلَا تَنْفَعُ اس میں سفارش اور اس کے فائدے کی نفی ہے کیونکہ شفاعت مانگنے کا مقصد تو فائدہ ہے لیکن اس سے مراد شفاعت کی نفی ہے حَتَّىٰ

اِذَا فُزِّعَ یہ شفعاء کا حال ہے بوقت نزول شفاعت کے ہے یعنی جب ان کو شفاعت کا اذن دیا جائے گا تو اس وقت یہ بہت فزع وہیبت میں ہونگے اللہ تعالیٰ ان کے لئے حکم لیکر آیا تھا وہ پھر ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا وہ کہتے ہیں (الحق) یعنی موحدین کی سفارش کے لئے اذن دیا ہے (۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ملائک کا حال ہے دنیا میں اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً اس طرح ہے کہ جب ملائک پر اپنے کسی حکم کا نزول فرماتا ہے۔ تو ملائک گھبرا کر ہیبت کی وجہ سے حال پوچھتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے ملائک سے پوچھتے ہیں خوف کے ختم ہونے کے بعد کہ اللہ نے کیا حکم دیا وہ کہتے ہیں حق کا حکم دیا ہے تو دونوں توجیہات کی وضاحت یہ ہے کہ سفارش کرنے والے تو اللہ سے بہت ہی ڈرتے ہیں اور عاجز ہوتے ہیں پھر شفاعت قہر یہ کس طرح کر سکتے ہیں یعنی جو مشرکین کا عقیدہ ہے۔ فُزِّعَ یہ فعل بمعنی سَلْبُ الْمَاْخَذِ یعنی اُزِیْلَ الْفَزَعُ (دور کیا جائے ہیبت کو)۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کون ہے جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے آپ کہہ دیجئے اللہ اور یقیناً ہم اور تم ضرور ہدایت پر ہیں یا واضح گمراہی میں [24]۔

تفسیر 24: شرک کے طریقوں کا رد کرنے کے بعد دلیل الزامی اور اعترافی ذکر کیا جا رہا ہے مشرکین کے رد میں کہ رزق کا انتظام کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے پھر تم اس کے سوا کسی اور سے کیوں حاجات مانگتے ہو؟ قُلِ اللّٰهُ یعنی یہ عناد کی وجہ سے جواب دینے سے خاموش ہیں آپ ان کو جواب دیجئے وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ یہ طریقہ تعلیم و تبلیغ کا ہے اگر یہ مشرکین کہیں کہ ہم اور تم ایک جیسے ہیں یا کہیں کہ ہم ان اختلافی مسائل میں حصہ نہیں لیتے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دونوں فریق ایک دوسرے سے متضاد ہیں ایک فریق ہدایت پر اور دوسرا فریق گمراہی پر ہے اس میں اصولی اختلاف ہے فروعی اختلاف نہیں اب ضرور تم ایک جانب پر ہونگے۔ تنبیہ: ہدایت کے ساتھ عَلٰی ذکر فرمایا اور ضلال کے ساتھ فِیْ اشارہ ہے کہ ہدایت والے اعلیٰ ہوتے ہیں اور گمراہی والے ڈوبے ہوئے اور غرق ہوتے ہیں گمراہی کے اندھیروں میں ہیں۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۵

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس چیز کے بارے میں جو ہم نے گناہ کیے اور نہ ہم سے سوال کیا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو [25]۔

تفسیر 25: یہ ایک اور تعلیم کا طریقہ ہے اور اس میں براءت کا بیان ہے یعنی اگر یہ کہیں کہ آپ توحید کی دعوت دیتے ہیں تو یہ بڑا جرم ہے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ ہمارا جرم ہے تو تم پر ذمہ داری نہیں ہے یہ بھی طریقہ دعوت کا ہے کہ اپنے آپ کو مجرم کہا اور ان کی طرف صرف عمل کو منسوب کیا۔

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ۝۲۶

"آپ کہہ دیجئے جمع کرے گا ہمیں ہمارا رب پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کے ساتھ اور وہ فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے [26]۔

تفسیر 26: یہ ایک اور تعلیم کا طریقہ ہے یعنی اس بات کا فیصلہ روز قیامت ہوگا کہ کون مجرم ہے اور کون حق پر ہے۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲۷

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے دکھاؤ مجھے وہ لوگ کہ ملایا تم نے ان کو اللہ کے ساتھ شریک ہرگز یہ بات نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے [27]۔

تفسیر 27: یہ بھی تعلیم کا ایک طریقہ ہے اور اس میں رد شرک ہے اور ان سے دلیل طلب کی گئی کہ تمہارے شریکوں میں کونسی صفت ہے کہ جس کی وجہ سے تم نے ان کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور کَلَّا سے پہلے عبارت مقدر ہے یعنی (یہ کونسی حاجت پوری کر سکتے ہیں)۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۲۸

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں [28]۔

تفسیر 28: اثبات توحید کے بعد اثبات رسالت کو ذکر کیا کَآفَّةً یہ عَامَّةً وَجَمِیْعًا کے معنی میں ہے اور النَّاسِ سے حال بنا ہے اور اس ترکیب کو ابو حیان نے تفسیر البحر المحیط میں صحیح ثابت کیا ہے اور مفسر بیضاوی کا رد کیا ہے اور خطیب شربینی نے بھی

تفسیر السراج المنیر میں اسی کو ترجیح دی ہے اور اس طرح حدیث میں بھی ہے كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً صحیح بخاری کتاب التیمم حدیث 335: فی الصلوٰۃ 438: صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث 521؛ نسائی فی الصلوٰۃ 209: اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ كَافَّةً "جَامِعًا" کے معنی میں ہے اور حال ہے "كَافِ" - أَرْسَلْنٰكَ سے یعنی لوگوں کو جمع کرنے والا دین توحید کی طرف اور ۃ مبالغہ کے لئے ہے اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ كَافَّةً: بمعنی مانع ہے یعنی منع کرنے والا لوگوں کو شرک سے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾

"اور وہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر ہو تم سچے [29]۔

تفسیر 29: جب رسالتِ رسول کو بیان کیا تو اب منکرین رسالت و قیامت کے منکرین کے لئے زجر ہے یعنی ان کا خیال تھا کہ اگر آپ رسول ہیں تو اس عذاب کی ہم کو خبر دے دیں جس کا اشارہ نَذِيرًا وَيَجْمَعُ بَيْنَنَا میں ہے۔

قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾ ع

"آپ کہہ دیجئے تمہارے لئے وعدہ مقرر ہے ایک دن کا نہیں پیچھے ہو سکے گی اس سے ایک گھڑی اور نہ ہی آگے ہو سکے گی [30]۔

تفسیر 30: یہ ماقبل کا جواب ہے کہ ان سے بطور استہزا سوال کیا گیا اور جواب بھی بطریقہ وعید وتہدید ہے يَوْمٍ سے مراد موت یا عذاب کا دن یا پھر روز قیامت ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾

"اور کہتے ہیں کافر ہرگز ہم ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ہی ان کتابوں پر جو اس سے پہلے ہیں اور اگر آپ دیکھ لیں ظالموں کو کھڑے کئے ہوئے اپنے رب کے پاس جواب دیں گے ان کے بعض بعض کو کہیں گے وہ لوگ جو کمزور کئے گئے ان لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا اگر نہ ہوتے تم ضرور ہم ہوتے ایمان لانے والے [31]۔

تفسیر 31: یہ دوسری زجر ہے قرآن اور دیگر کتب الہیہ کے انکار پر یہ اہل کتاب پر اعتماد کرتے تھے لیکن جب ان سے سنا کہ ہماری کتابوں میں شرک کا رد ہے اور اس رسول کی صفات مذکور ہیں پھر ان مشرکین نے ان کی کتابوں سے بھی انکار کیا اور اپنے بڑوں کی پیروی شروع کی وَلَوْ تَرٰٓی: یہ تخویف اخروی ہے اور باطل معبودوں سے براءت کا تذکرہ ہے جو کہ ان کے بڑے تھے اور وَلَوْ کی جزاء مقدر ہے یعنی یہ اس ہیبت ناک حالت کو دیکھ لیں گے الظّٰلِمُوْنَ: ان کے پیروکار اور متبوعین (مشرکین و مبتدعین) ہیں یَرْجِعُ: یعنی ایک دوسرے کو ملامت اور لڑائی کی وجہ سے جواب دینگے یَقُوْلُ الَّذِیْنَ: یہ یَرْجِعُ کی تفصیل ہے اسْتُضْعِفُوْا یعنی یہ عقل و علم میں کمزور تھے اور بڑوں کی پیروی کرتے تھے اور صیغہ مجہول اس وجہ سے ذکر کیا کہ بڑوں نے ان کو علم نہیں سکھلایا تھا ان کو جاہل چھوڑا تھا تاکہ وہ ان سے اپنا فائدہ اٹھا سکیں۔ اسْتَكْبَرُوْا: حق کو ماننے سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے اور اپنے علم و مال پر فخر کرتے تھے اور یہ ان کے متبوعین (پیروکار) ہیں لَوْلَآ اَنْتُمْ: اگر تم ہمیں حق سے نہ روکتے ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم ایمان لا چکے ہوتے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝٣٢

"اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے تکبر کیا ان لوگوں سے جو کمزور کیے گئے کیا ہم نے منع کیا تمہیں ہدایت سے بعد اسکے جب آئی تمکو بلکہ تم گناہگار تھے [32]۔

تفسیر 32: یہ ان کے بڑوں کی طرف سے جواب ہے یعنی ہم نے تم پر جبر نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی صحیح دلیل پیش کی تھی بلکہ تمہیں جرائم پسند تھے اس وجہ سے ہمارے پیچھے بغیر دلیل کے چلے آئے ہو۔

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾

"اور کہیں گے وہ لوگ جو کمزور کیئے گئے ان لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا بلکہ منع کیا تمہاری دعوت یا چال نے رات یا دن کو جب تم حکم کرتے تھے کہ ہم کفر کریں اللہ کے ساتھ اور ہم ٹھہرائیں ان کے لئے شریک اور وہ ظاہر کرینگے ندامت کو جب وہ عذاب کو دیکھ لینگے اور ہم ڈالدینگے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا نہیں بدلہ دیا جائیگا ان کو مگر وہ جو عمل کرتے تھے [32]۔

تفسیر 33: یہ پیروی کرنے والوں کی طرف سے جواب ہے یعنی تم رات اور دن کو چال چلتے مشورے کرتے رہے جو ہمارے منع ہونے کا سبب بنا إِذْ تَأْمُرُونَنَا: یہ مکر کی تفسیر ہے وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا: یہ کفر کی تشریح ہے وَأَسَرُّوا: یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی اپنی شرمندگی اور ندامت کو دل میں چھپائیں گے کیونکہ ندامت دل کی صفت ہے اور ظاہر کرنے کو بھی کہتے ہیں اس لیے یہ "أَسَارِيرُ الْوَجْهِ" سے ماخوذ ہے یعنی ان کی ندامت چہروں اور ماتھوں پر ظاہر ہوگی اور یہ ندامت دونوں گروہوں کیلئے ہوگی ان کے مقلدین اپنے بڑوں کی اندھی تقلید پر نادم ہوں گے اس طرح بڑے گمراہی کی دعوت دینے پر پشیمان ہوں گے۔ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ: مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے کہا اغلال اصل میں اس پٹے کو کہتے ہیں جو چمڑے کا بنا ہوا ہو۔ اور اس پر بال بھی ہوں اور پھر اس میں جوئیں بھی پڑ جائیں یہ ذلیل لوگوں کی نشانی ہے اور ویسے اس قسم کی رسی کتے کو پہنائی جاتی ہے اور اغلال اس طوق کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ کو گردن سے ملاسکے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٤﴾

"اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والے کو مگر کہا اسکے دولت مندوں نے بے شک ہم ساتھ اسکے جو بھیجے گئے ہو تم انکار کرنیوالے ہیں [34]۔

تفسیر 34: اس آیت سے آخر تک سورت کا چوتھا باب ہے۔ اس میں انکار رسالت پر زجر ہے اور انکار کا سبب ذکر کیا گیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ تخویف وخوشخبری آیت 39 تک ہے پھر تخویف اُخری کے ساتھ مشرکین کا رد ہے جنھوں نے ملائکہ

کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تھا۔ پھر انکار قرآن پر زجر کے ساتھ تخویف دنیاوی ہے اور پھر تعلیم کے پانچ طریقے ذکر کئے گئے اور آخر میں تخویف اُخروی ہے آیت 34 میں انکار رسالت پر زجر ہے جب پہلے ذکر ہوا کہ ان کے بڑوں نے لوگوں کو دعوت شرک سے گمراہ کیا تھا تو اب ذکر کیا جا رہا ہے کہ ان کے بڑوں نے انکار رسالت کیا تا کہ وہ اسکے ذریعے سے ماتحتوں کو گمراہ کریں۔ مُتْرَفُوْهَآ یعنی وہ دولت مند جو دنیا کی مستی میں مست تھے یہی لوگ حق سے جاہل تھے۔

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾

"اور کہا انہوں نے ہم بہت مال اور اولاد والے ہیں اور ہم عذاب دیئے جانے والے نہیں ہیں [35]۔

تفسیر آیت 35: اس آیت میں منکرین کی دلیل ذکر کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بہت مال اور اولاد والے ہیں تو ہم پر کبھی بھی عذاب نہیں آئیگا یہ دلیل ہے کہ ہم حق پر ہیں وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ: یعنی ہم اب بھی عذاب کے مستحق نہیں اور جب ہم حق پر ہیں تو آنے والے دور یعنی آخرت میں بھی ہم پُرامن ہونگے اور ہم پر کوئی بھی عذاب نہیں آئیگا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جسکے لئے وہ چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے [36]۔

تفسیر 36: اس آیت میں ان کی دلیل کا پہلا جواب ہے۔ یہ اللہ کا نظام و امتحان ہے کہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق تنگ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے یہ دلیل تو حقانیت کی نہیں ہے وَيَقْدِرُ: اس میں اشارہ ہے کہ اگر تم سب حق پر ہو تو تم میں سے بعض پر تنگی کیوں ہے اور اس آیت میں لِمَنْ يَّشَآءُ سے مراد کفار ہیں۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

"اور نہیں ہیں تمہارے مال اور نہ اولاد اس حال میں کہ قریب کریں تم کو ہمارے نزدیک قربت میں مگر وہ شخص جو ایمان لایا اور عمل کیا نیک یہی لوگ ان کے لیئے بدلہ ہے دگنا بوجہ اسکے جو انہوں نے اعمال کئے اور وہ بنگلوں میں امن سے ہونگے [37]۔

تفسیر 37: یہ دوسرا جواب ہے کہ کفر وشرک کرنے کے باوجود کسی کا مال اور اولاد ہونا سبب قرب الٰہی نہیں ہے یعنی اگر مال زیادہ ہو یا پھر مال کو خرچ کرے اور اس طرح اولاد زیادہ ہو یا پھر اولاد اسے دعائیں دے تو کافروں کو اس سے کوئی قربت اور ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ بِالَّتِیْ: یہ مَا کے لئے خبر ہے اور اس خبر میں با کبھی کبھی تاکید کے لئے آتی ہے زُلْفٰی: مفعول مطلق مِنْ غَیْرِ لَفْظِہٖ ہے لیکن اسکا معنی قربت ہے اِلَّا مَنْ اٰمَنَ: یہ استثناء منقطع ہے لٰکِنْ کے معنی میں ہے اور خبر فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ ہے۔ یا پھر استثناء متصل ہے مگر مال اولاد مومن کو قربت الٰہی کا فائدہ دیتی ہے جَزَآءُ الضِّعْفِ: سے مراد زیادت دو چند نہیں ہے کیونکہ حسنٰی کی جزاء دس (گناہ) سے شروع ہوتی ہے الْغُرُفٰتِ: جمع ذکر کیا تاکہ یہ کثرت پر دلالت کرے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

''اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں میں کمزور کرنے کے لئے یہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے [38]۔

تفسیر 38: یہ ان دولت مندوں کے لئے تخویف ہے جو مال اولاد کے ذریعے سے دین کا مقابلہ کرتے ہیں یَسْعَوْنَ یہ صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا تاکہ نئے نئے طریقوں کا مقابلہ۔ مُعٰجِزِیْنَ یعنی عاجز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تاکہ موحدین کی دعوت کو کمزور کرنا یا پھر اپنے گمان سے اللہ کو عاجز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

''آپ ﷺ کہہ دیجئے بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جسکے لئے وہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہ تنگ کرتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے اور جو تم خرچ کرتے ہو کسی چیز میں سے پس وہ اسکا بدلہ دے گا اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے [39]۔

تفسیر 39: یہ تیسرا جواب ہے کہ مالداری اور غربت اللہ کی طرف سے ہے ایمان والوں میں بھی اور کافروں میں بھی موجود ہے لہٰذا تمہارے لئے مالداری میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور یہ آیت ایمان والوں کے بارے میں ہے اس وجہ سے مِنْ عِبَادِهٖ ذکر کیا اور باقی جملوں کا تعلق بھی ایمان والوں سے ہے۔ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ: یعنی جب مومن خرچ کرتا ہے تو اللہ

اسے عوض دنیا و آخرت میں دیتا ہے جیسے حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، صحیح بخاری کتاب الزکاۃ حدیث 1442: صحیح مسلم حدیث 1010: وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ، رازقین جمع کا صیغہ اس وجہ سے فرمایا کہ اللہ کا رزق دینا ہمیشہ ہے اور وہ ہمیشہ رزق کے اسباب پیدا کرتا ہے اور اس کا عوض نہیں مانگتا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ أَهَـٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ۝

"اور جس دن اٹھا لیا جائیگا ان سب کو پھر وہ کہے گا ملائک سے کیا یہ وہ لوگ ہیں جو تمہاری بندگی کرتے تھے [40]۔

تفسیر 40: اس میں تخویف اخروی ہے اور مشرکین بالملائکہ کا رد ہے أَهَـٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ : یہ سوال توبیخ اور ملامتی کے لئے ہے تاکہ مشرکین رسوا ہو جائیں جس طرح اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا سورہ مائدہ آیت 114 یعنی مشرکین دعویٰ کرتے تھے کہ ہمیں ملائک نے کہا کہ ہماری عبادت کرو تو پھر یہ ان کا رد ہوگا۔

قَالُوا۟ سُبْحَـٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝

"وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات تو ہی ہمارا دوست ہے انکے علاوہ بلکہ وہ عبادت کرتے تھے جنوں کی اکثر ان میں سے ان پر یقین رکھتے تھے [41]۔

تفسیر 41: یہ جواب ملائک کی طرف سے ہے ترقی کے ساتھ اے اللہ تیرے علاوہ کسی کو ہم حقدار بندگی نہیں سمجھتے ہیں متصرف تو ہی ہے تو ہم نے ان کو دعوت شرک کس طرح دی؟ مِن دُونِهِم : اس میں ان مشرکین سے قطع تعلق کی طرف اشارہ ہے بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ : یعنی جنات ان کی صورتیں بناتے اور کہتے ہم ملائک ہیں تمہاری مدد کرتے ہیں أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ : یعنی ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ ہے جو جنوں کی عبادت کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ملائک ہیں اور ایسے لوگ کم ہیں۔ دوسری قسم جو جنوں پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ متصرف اور غیب دان ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں ایسے لوگ زیادہ ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

"آج کے دن اختیار نہیں رکھ سکتے تمہارے بعض بعض کے لئے فائدہ دینے کا اور نہ ہی نقصان کا اور ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا چکھو تم آگ کا عذاب وہ جو تھے تم اسکو جھٹلاتے [42]۔

تفسیر 42: یہ ماقبل کے لئے نتیجہ ہے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ: یہ ملائک اور جنات کو شامل ہے۔ نَّفْعًا: شفاعت اور نجات وَّلَا ضَرًّا: عذاب اور ضرر پہنچانا یا ضرر دور کرنا دونوں مراد ہیں۔ فائدہ: سورۃ سجدہ آیت 30 میں (الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ) ذکر کیا اور یہاں بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ہے وجہ یہ ہے کہ وہاں ضمیر راجع ہے عذاب کی طرف اور وہ مذکر ہے اور یہاں ضمیر راجع ہے نار کی طرف اور وہ مونث ہے فرق یہ ہے کہ سورت سجدہ میں ایسی حالت کا ذکر ہے کہ داخل ہو چکے ہیں لہذا عذاب کو دیکھ کر انکار ختم ہوا ہے یہاں حالت حشر کا ذکر ہے لہذا ابھی داخل نہیں ہوئے پہلے یہ آگ کو دیکھیں گے پھر محسوس کریں گے تب انکار ختم ہوگا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو وہ کہتے ہیں یہ نہیں ہے مگر مرد ہے چاہتا ہے یہ کہ روکے تمہیں اس چیز سے جس کی عبادت کرتے تھے تمہارے باپ دادا اور کہا انہوں نے نہیں ہے یہ مگر جھوٹ باندھا ہوا اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا حق سے جب آیا ان کے پاس نہیں ہے یہ مگر جادو ظاہر [43]۔

تفسیر 43: اس میں تین اعتراضات کے ساتھ انکار قرآن و رسول پر زجر ہے (۱) پہلا اعتراض کہ ہمیں بڑوں کی راہ سے بہکاتے ہو یعنی قرآن کے مقابلے میں انہوں نے تقلید آباء کو پیش کیا (۲) اِفْكٌ یعنی وہ جھوٹ جس میں حقیقت بدل گئی ہے مُّفْتَرًى یعنی اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی۔ فائدہ: پہلا اور دوسرا انکار توحید اور قرآن کا ہے جو کہ شرک و جہل کا ارتکاب ہے اور تیسرا انکار رسول کا ہے اور یہ کفر و ضد کی وجہ سے ہے اس وجہ سے آخری آیت میں وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فرمایا ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾

"اور نہیں دی ہم نے ان کو کوئی کتاب تاکہ یہ اسے پڑھیں اور نہیں بھیجا ہم نے ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا [44]۔

تفسیر 44: یہ ان کے ماقبل اقوال کا رد ہے یعنی ان کے پاس کوئی نازل شدہ دلیل ان کے شرک پر نہیں ہے اور نہ ہی پہلے کسی رسول کا قول ان کے پاس بطور دلیل ہے اس میں اشارہ ہے کہ دلیل شرعی کتاب اللہ یا رسول کی سنت ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۪ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

"اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے اور نہیں پہنچے وہ انکے دسویں حصے کو جو دیا ہم نے ان کو پس جھٹلایا انہوں نے میرے رسولوں کو پس کیسا ہوا میرا عذاب [45]۔

تفسیر 45: اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے گزشتہ اقوام پر عذاب کے ذکر کے ذریعے۔ مِعْشَارَ عشر عشیر کو کہا جاتا ہے اور عشر سے مراد دسواں حصہ ہے تو اس سے ہزارواں حصہ ہوگیا اور یہ زیادہ مبالغہ ہوگیا۔ یعنی موجودہ کفار کے پاس پہلے کافروں کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ باعتبار قوت بدن ومال اور ہزار اور لمبی عمر میں نہیں ہے۔ اس آیت میں تکذیب کو دو مرتبہ ذکر کیا (۱) پہلی تکذیب توحید وآیات کی ہے (۲) دوسری تکذیب رسولوں کی ہے نَكِيْرِ: اس سے انکار کرنا مراد ہے کسی کے برے عمل پر اس کو سزا دینا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے بے شک میں تمہیں ایک کلمہ کے ذریعے نصیحت کرتا ہوں یہ کہ تم کھڑے ہو اللہ کے لئے دو دو اکیلے اکیلے پھر تم غور وفکر کرو کہ تمہارے اس ساتھی پر کوئی جنون نہیں ہے مگر وہ تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے [46]۔

تفسیر 46: یہ دعوت وتعلیم کا طریقہ ہے یعنی منکرین کہتے ہیں کہ آپ ہمیں بہت سی باتوں سے پریشان کرتے ہیں لہذا آپ مجنون ہیں جواب یہ ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں ایک کلمہ کی نصیحت کر کے عذاب سے بچاتا ہوں اور وہ کلمہ توحید ہے

تمام ایمانیات کے لئے جامع ہے اَنْ تَقُوْمُوْا: اس میں (لام) مقدر ہے اور قیام سے مراد توجہ کرنا ہے لِلّٰهِ مراد اخلاص ہے ۔مَثْنٰى وَفُرَادٰى: یعنی جس کا اپنے اوپر اعتماد ہو کہ وہ خود عقل ورائے استعمال کر کے غور کر سکتا ہے تو وہ اکیلے کھڑا ہو اور جس کا اعتماد نہیں تو وہ اپنے ساتھ دوست کو کھڑا کرے اکثر انسانوں کی عقل ورائے میں نقصان دوکی ہوتی ہے تو اسی وجہ سے تثنیہ ذکر کیا ۔ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا: یعنی اخلاص کے بعد غور وفکر کرو اس توحید پر جو رسول لیکر آئے پھر تم پر ظاہر ہوگا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷

"آپ کہہ دیجئے وہ جو طلب کی ہو میں نے تم سے کوئی مزدوری پس وہ تمہارے ہے نہیں ہے میری مزدوری مگر اللہ پر اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے [47]۔

تفسیر 47: یہ دعوت کا دوسرا طریقہ ہے یعنی منکرین نے یہ خیال کیا کہ یہ پاگل نہیں لیکن دنیا کے مال کا لالچی ہے لیکن انہوں نے جواب دیا مَا سَاَلْتُكُمْ: یہ جملہ شرطیہ تاکید کے لئے ذکر کیا یعنی اگر میں نے تم سے اس کا عوض مانگا ہو تو ثابت کرو میری عادت تم کو معلوم ہے میں دین پر تم سے عوض نہیں مانگتا ہوں۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸

"آپ کہہ دیجئے بے شک میرا رب ڈالتا ہے حق کو (باطل پر) عالم ہے تمام غیوب پر [48]۔

تفسیر 48: یہ تعلیم ودعوت کا تیسرا طریقہ ہے یعنی منکرین کا کہنا ہے کہ جب آپ کی دنیاوی غرض نہیں ہے تو پھر کیوں ہمارے بزرگوں کے خلاف ہو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا کام ہے کہ حق کو باطل پر مسلط کرتا ہے جیسے سورۃ انبیاء آیت 18 میں گزرا ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ حق وباطل پر عالم ہے۔

قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝۴۹

"آپ کہہ دیجئے حق آیا اور نہیں ابتداء کر سکتا ہے باطل اور نہ ہی دوبارہ اور نہ ہی پلٹے گا [49]۔

تفسیر 49: یہ دعوت وتعلیم کا چوتھا طریقہ ہے منکرین کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دین کو باطل کہتا ہے اور اپنے دین کو حق تو اس کے منکر نے کا کیا فائدہ ہوا؟ جواب ہوا کہ اس کے ساتھ حق ظاہر اور باطل ختم ہوا (قریب ہے حق دین شرک پر غالب آجائے) جس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4720، صحیح مسلم کتاب

الجبار، حدیث 1781، (جو خطیب شربینی نے ذکر کی) کہ نبی علیہ السلام فتح مکہ والے تین سو ساٹھ بتوں کو توڑتے ہوئے یہ پڑھتے جاتے جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ، وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ یہ ہلاکت سے کنایہ ہے یعنی باطل حق کے مقابلے میں ایسا ہلاک ہوا کہ نہ تو ابھی سر اٹھا سکتا ہے اور نہ ہی اٹھا سکے گا تفسیر سراج المنیر نے اس کے مقابلے میں سعید کا قول تائید اذکر کیا دوسری توجیہہ حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ باطل معبود اپنے عابدین کو نہ دنیا میں فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں تیسری توجیہہ باطل معبود نہ تو پہلے پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی بعد میں تو ان کی عبادت توحید کے مقابلے میں ظاہر نہیں ہو سکتی ہے۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے اگر میں گمراہ ہوں پس بے شک میرا گمراہ ہونا میرے نفس پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں پس بسبب اسکے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے بے شک وہ سننے والا قریب ہے [50]۔

تفسیر 50: یہ دعوت و تعلیم کا پانچواں طریقہ ہے یعنی منکرین نے کہا کہ آپ نے ہمارے بڑوں کے دین کو باطل قرار دیا تو آپ گمراہ ہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میں بالفرض گمراہ ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہوگا دوسری جانب غور کرو اگر میں ہدایت پر ہوں میرے پاس تو حجت ہے اور تمہارے پاس دلیل نہیں ہے لہٰذا تمہارے اعمال کا وبال تم پر ہوگا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾

"اور اگر آپ دیکھ لیں جب وہ گھبرائے پھریں گے تو نہیں ہوگا بچنا اور وہ پکڑے جائیں گے نزدیک کی جگہ سے [51]۔

تفسیر 51: اس میں خوف ہے کہ اگر عذاب آجائے کیونکہ تم ہدایت سے منکر ہو لہٰذا تمہارا بچنا محال ہے فَزِعُوْا: یہ عام ہے دنیا کے عذاب سے اور قبر وحشر کا عذاب سب کیلئے مشترک ہے۔ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ: یعنی ہر مقام اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾

"اور وہ کہیں گے ہم ایمان لائے اس پر اور کیسے ہوگا انکے لئے حق حاصل کرنا دور جگہ سے [52]۔

تفسیر 52: یہاں پر وہم کو دور کر دیا کہ ہم اس وقت ایمان لائیں گے تو عذاب سے بچ جائینگے جواب ہوا کہ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ یعنی دنیا تو آخرت سے دور رہ گئی ہے کس طرح یہ ایمان حاصل کرینگے یعنی ایمان کے حصول کی جگہ دنیا ہے اور وہ وہاں سے دور رہ گئی ہے۔ فائدہ: قیامت آنے کی چیز ہے تو اسے قریب کہا کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب

ہوتی ہے اور اکثر مقامات پر اسی طرح ذکر ہے۔ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور جو چیز گزر جائے اسے بعید کہا دنیا بعید ہے معلوم ہوا کہ ان آیات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾

"اور تحقیق کفر کیا انہوں نے اسکے ساتھ اس سے پہلے اور وہ پھینکتے رہے بن دیکھے نشانے پر دور کی جگہ سے [53]۔

تفسیر 53: یہ پہلی آیت کے لئے سبب ذکر کرتا ہے یعنی ابھی انکا ایمان قبول نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے پہلے کفر کیا اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ: یہ کنایہ ہے اٹکل اور بے دلیل فتووں اور حکم لگانے سے قرآن ورسول ﷺ وقیامت کے بارے میں مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ یہ بھی کنایہ ہے کہ بے دلیل حکم کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی دور سے کسی چیز پر وار کرے اور اس کو نظر نہ آئے لہذا بعید کنایہ ہے غائب سے۔

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ﴿٥٤﴾

"اور پردہ حائل ہو جائیگا انکے درمیان اور درمیان اسکے جو وہ چاہیں گے جیسا کہ انکے دوستوں کے ساتھ کیا گیا اس سے پہلے بے شک وہ پکے شک میں تھے [54]۔

تفسیر 54: یہ بھی تخویف میں داخل ہے یعنی دنیا وآخرت کے عذاب میں ان کی تمنائیں بے فائدے ہوں گی یعنی اگر ہم بوقت عذاب امنّا کہیں گے تو پھر ہم نجات پالیں گے اور جنت حاصل ہو جائے گی یا پھر دنیا میں واپس پلٹیں گے حِيلَ۔ یعنی وہ فعل فاعل کا مادہ موجود ہو یعنی وَقَعَتِ الْحَيْلُولَةُ وَفَعَلَ الْفِعْلَ مُرِيبٍ یہ تاکید شک کے لئے ہے یعنی وہ شک جو انسان کو انکار ورسوائی تک پہنچادے۔

سورۃ سبا کی خصوصیات:

۱۔ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے خاص معجزوں کا تذکرہ۔

۲۔ سلیمان علیہ السلام کی وفات اور اس سے جنات حاضر ہونے کے باوجود بے خبر تھے۔

۳۔ شرک پر رد کیلئے چار طریقوں سے تنقید۔

۴۔ دعوت اور تعلیم کے طریقے جو کل (9) نو ذکر ہیں۔

۵۔ ملائکہ کے حالات جب حکم الہی کا نزول ہو یا منظر قیامت ہو۔

۶۔ باطل الٰہوں کا روز قیامت اپنی عبادت کرنے والوں سے برأت کا ذکر۔

۷۔ اہل السباء کے حالات کا ذکر۔

۸۔ معبودانِ باطلہ کا مشرکین سے برأت کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فضل وتوفیق سے سورۃ سباء کی تفسیر مکمل ہوئی

(آیاتھا ۴۵) (۳۵ سورۃ فاطر مکیۃ ۴۳) (رکوعاتھا ۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سورۃ الفاطر مکی سورت ہے اس سورت کا دوسرا نام سورۃ الملائکہ ہے۔ ربط: اس سورت کا سورۃ السبا سے ربط کئی وجوہ سے ہے۔(۱) سابقہ سورت میں نقلی دلائل توحید کو ثابت کرنے کیلئے ذکر کئے گئے تھے اور اسمیں تیرہ عقلی دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ (۲) سابقہ سورۃ میں مشرکین کی شبہات کا رد تھا تو اس سورۃ میں رد شرک فی التصرف والدعاء کی ذریعہ تشریح کی گئی ہے (۳) سابقہ سورت کا اختتام اِنَّهُمْ فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ کے ساتھ ہوا اور شک اس طرح کہ حق وباطل میں فرق نہیں سمجھتے ہیں اس سورت میں دلائل اور مثالیں ذکر کیں تاکہ یہ برابری کے شبہات ختم ہو کر حق وباطل میں امتیاز ہو سکے اور حق وباطل کے اختلاف کو واضح ذکر کیا۔

سورت کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون: رد شرک فی الدعاء عقلی دلائل اور مثالوں سے

سورت کا خلاصہ: اس سورت میں تین ابواب ہیں آیت 1 سے آیت 15 تک پہلا باب ہے اس میں توحید کے مضمون کو دو تعبیروں سے ذکر کیا (۱) الحمد للہ کے ساتھ (۲) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس میں آٹھ عقلی دلائل بہترین ترتیب سے ذکر کئے گئے ہیں اور دوران دلائل درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور دھوکا دینے والوں کو تحذیر ہے نیز تخویف اور بشارت ہے اور آخر میں رد شرک فی الدعاء کی تشریح ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے مقرر کرنیوالا ہے ملائکہ کو رسول پروں والے دو دو تین تین اور چار چار زیادہ کرتا ہے پیدائش میں جو وہ چاہتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے [1]۔

تفسیر 1: اس آیت میں توحید کا دعویٰ الحمد للہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ قرآن میں پانچویں سورت ہے جس کا آغاز الحمد للہ سے ہوا ہے فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، فطر اصل میں ایک چیز کا پھٹ جانا اور دوسری چیز کا اس سے نکل آنا جس طرح

زمین پھٹتی ہے تو پانی نکلتا ہے اور جبڑا پھٹتا ہے تو اس میں سے دھاڑ تے نکلتی ہے یہاں پر دو توجیہیں ہے (۱) ایک چیز کو از سر نو وجود بخشنا یہ مشہور معنی ہے (۲) آسمان کو پھاڑا اور اس میں دروازے بنائے اس میں سے ملائک نکلتے ہیں اور وحی اوپر کی طرف سے آتی ہے اور بارش نازل ہوتی ہے اور زمین کو پھاڑا اس میں سے چشمے جاری کیے خزانے سونے چاندی، نکالے اور تیل پودے درخت نکالے اور بعد کے جملے کی بھی اسی کے ساتھ مناسبت ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا: یہ ذکر ان مخلوقات کا ہے جو زمین وآسمان کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے رُسُلًا: کا معنی یعنی ملائک کو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجتا ہے اور سچے الہام اور صالح خواب ملائک کے ذریعے سے ولیوں کو آتے ہیں اور ملائک کے ذریعے سے تمام بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور ان ملائک کے ذریعے سے بعض بندوں کی حفاظت کرتا ہے یہ سب اس آیت میں داخل ہیں۔ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ: پروں کے اعتبار سے ملائک میں تفاوت ہے يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ: اشارہ ہے کہ ملائک کے پر زیادہ ہوتے ہیں صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 3232، صحیح مسلم میں حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دیکھا اور آسمان کے کنارے اس نے چھپائے تھے اور انکے چھ سو پر تھے اور پروں کی تفصیلی کیفیت اللہ جانتا ہے اور اس طرح مفسرین نے اس میں ملائک اور انسانوں کے قد وقامت میں تفاوت اور اعضاء میں خوبصورتی اور باتوں میں فصاحت اور بلاغت اور دیگر اوصاف داخل کیے ہیں۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"وہ جو کھولتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے رحمت میں سے پس نہیں ہے کوئی اسے روکنے والا اور وہ جو روکتا ہے اسے کوئی بھیجنے والا نہیں اسکے (روکنے) بعد اور وہ غالب حکمت والا ہے [2]۔

تفسیر 2: یہ دوسری عقلی دلیل ہے یعنی اعیان کے ذکر کے بعد وسعت حالات وکیفیت کا ذکر کیا ہے رَّحْمَةٍ: یہ لفظ وسعت رزق اور صحت وعافیت اور خوشی، بارش اور ہر قسم کی دنیاوی ودینی نعمتوں کو شامل ہے اور اس آیت میں شرک فی التصرف کا رد ہے۔ فَلَا مُمْسِكَ. لَا مُرْسِلَ عام ہے یعنی کوئی نبی، ولی، ملک، جن اور بت تمام معبود من دون اللہ نہ تو نفع دینے اور نہ ہی ضرر کی طاقت رکھ سکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝

"اے لوگو یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو کی ہے تم پر کیا کوئی خالق ہے اللہ کے علاوہ جو رزق دے گا تمہیں آسمان اور زمین سے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ہے پس کہاں تم بھٹکتے ہو [3]۔

تفسیر 3: یہ تیسری عقلی دلیل ہے اور اس میں عام خطاب ہے یعنی اللہ کے انعامات بے شمار ہیں ان کو دل و زبان سے یاد کرو۔ یعنی ان کو من جانب اللہ سمجھ کر اسی کی طرف منسوب کرو۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ: یہ ایک سوال کا جواب ہے اگر کوئی یہ گمان کرے کہ نعمت ماں باپ اور سخی لوگ دے سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ وہ ان انعامات کو پیدا کرنے والے نہیں ہیں اور سب سے بڑی نعمت رزق کو پیدا کرنا ہے اسلئے اسکی تخصیص ذکر کی ہے۔ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ: یہ گزشتہ دلائل کا نتیجہ ہے فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ: یہ وعید اور دلیل کا مطالبہ ہے کہ کس دلیل کے سبب توحید سے شرک کی طرف پھر گئے ہو۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

"اور اگر وہ آپکو جھٹلاتے ہیں پس تحقیق جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور کا لوٹنا ہے [4]۔

تفسیر 4: اس آیت میں صدق رسول کا ذکر توحید کے بیان کے بعد کیا ہے اور نبی علیہ السلام کو تسلی دی ہے فَقَدْ كُذِّبَتْ: اصل شرط کے لئے جزاء محذوف ہے یعنی فَاصْبِرْ (صبر کر) رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ سے صَبَرُوا محذوف ہے یعنی انہوں نے بھی صبر کیا تھا۔ فائدہ: رُسُلٌ نکرہ ذکر کیا یعنی بہت انبیاء تھے جن پر بہت سے مصائب آئے اور ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں۔ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ یعنی مکذبین کو عذاب دے گا اور صبر کرنیوالوں کو اجر دے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

"اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے پس نہ دھوکے میں ڈالے تمکو دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے میں ڈالے تمکو اللہ کے ساتھ کوئی دھوکا دینے والا [5]۔

تفسیر 5: اس آیت میں اثبات قیامت کو ذکر کیا ہے، ساتھ ساتھ قیامت کے اسباب سے انکار پر تہدید ہے۔ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ اس میں مراد رجوع الی اللہ ہے۔ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا: سے مراد دنیا کی خواہشات مال اور مزوں میں اتنا مشغول ہونا کہ

انسان موت اور آخرت سے غافل یا منکر ہو جائے بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ: یہ سورۃ لقمان آیت 33 میں مذکور ہے اَلْغَرُوْرُ شیطان انسی و جنی دونوں اس میں شامل ہیں۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝6

"بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی جانو یقیناً وہ بلاتا ہے اپنی جماعت کو تا کہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائے [6]۔

تفسیر 6: یہ ماقبل کے لئے علت ہے فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا یعنی عقائد اور اعمال میں اس کی ایسی مخالفت کرو جیسے دشمن کی مخالفت ہو سکتی ہے اور امام قشیری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس دشمن سے خود کو اللہ کی مدد کے ذریعے بچاؤ اس لئے کہ وہ تمہاری دشمنی سے غافل نہیں ہوتا ہے تو تم اللہ سے مدد مانگنے میں بالکل غفلت نہ کرو اور قرطبی رحمہ اللہ نے ابن سماک رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس سے جو نافرمانی کرتا ہے اپنے محسن کا اور اطاعت کرتا ہے لعین کی اس کو دشمن پہچاننے کے بعد لِيَكُوْنُوْا: اس سے پہلے لفظ (اِلَى الضَّلَالِ وَالْكُفْرِ وَالشِّرْكِ) مقدر ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝7

"وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا انکے لئے سخت عذاب ہے اور وہ لوگ جنہوں نے ایمان لایا اور نیک اعمال کیے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے [7]۔

تفسیر 7: اس آیت میں انجام کا بیان ہے یعنی حزب الشیطان کیلئے تخویف اور حزب الرحمان کیلئے ایمان کے بدلہ میں خوشخبری ہے اور عمل صالح کے بدلہ میں اجر کبیر کا ذکر ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝8

"کیا پس وہ شخص کہ مزین کیا گیا اسکے لئے اس کا برا عمل وہ اسے اچھا نظر آتا ہے پس بے شک اللہ تعالی گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے پس نہ جائے آپ کی جان ان پر افسوس کرتے ہوئے بیشک اللہ تعالی جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں [8]۔

تفسیر 8: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور فریقین کے حال کا ذکر ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ تمام کفار مشرکین کو عام ہے اور مبتدعین کے لئے ان کے برے اعمال اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد کرنا اور انکا شرک کر کے سنت نبوی کی مخالفت کرنا یہ سب کام انکو خوبصورت نظر آتے ہیں اور ان سب کو ثواب اور قربت الٰہیہ کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اس وجہ سے یہ کام وہ ہمیشہ کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے ہیں اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مفسر خطیب شربینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یعنی خواہش پرست اور بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ فائدہ: اس شرط کی جزاء محذوف ہے امام کسائی رحمہ اللہ نے کہا (تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ) یہ بعد کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے اور امام زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے (كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ) یا (كَمَنْ هُوَ لَيْسَ كَذٰلِكَ) فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ یہ ان کے برابر نہ ہونے کیلئے سبب ہے۔ فَلَا تَذْهَبْ یہ برابر نہ ہونے کی۔ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ پر تشریح ہے یعنی جب ان کی ہدایت اور ضلال اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ اتنے غمگین مت ہونا کہ آپ فوت ہو جائیں کیونکہ آپکا مرنا اور غمگین ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے حَسَرٰتٍ مفعول لہ ہے یعنی بہت افسوس اور غم کو حَسْرَةً کہتے ہیں يَصْنَعُوْنَ: صناعت اس عمل کو کہتے ہیں جسے انسان ہمیشہ کرتا ہے کیونکہ اسے ہنر بنایا ہو یا اسے دین سمجھتا ہو۔ رَاٰهُ حَسَنًا کے مناسب ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨

''اللہ تعالیٰ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل پس ہم چلاتے ہیں اسکو مردہ شہر (بنجر زمین) کو پھر ہم تازہ کرتے ہیں اسکے ذریعے سے زمین کو بعد اس کے مردہ ہونے کے اسی طرح تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے [9]۔

تفسیر 9: یہ چوتھی عقلی دلیل ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہے جو ''زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ'' میں مراد ہیں اور اس میں تین تصرفات الٰہیہ مذکور ہیں (۱) ہواؤں کو بھیج کر اسکے ساتھ بادل کو اٹھانا (۲) بنجر زمین کو زندہ کرنا (۳) بارش برسا کر فصل اگانا اَرْسَلَ سے مراد وجود میں لانا ہے ہواؤں کو بھیجنا ایک عادتی کام ہے تو اَرْسَلَ فعل ماضی ذکر کیا اور فَتُثِيْرُ فعل مضارع ذکر کیا اور جب بارش اور بادل کا انتقال کرنا فصل اگانا اختصاص قدرت الٰہی پر کامل دلالت کرتا ہے تو اسی وجہ غائب سے متکلم کی طرف التفات کیا جب گزشتہ آیت میں آفاقی علوی اور نفسی دلائل ذکر کئے تو اس آیت میں وسطی تصرفات ذکر کرتا ہے۔ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ: اس جملے میں اثبات قیامت ہے قیاس کے طریقے پر زمین سے فصل اگانا اور نباتات

وغیرہ اگانا یہ تشبیہ بھی تین طریقوں پر ہے (۱) یعنی جب خشک زمین ہریالی قبول کرے تو اس طرح انسان کا بدن زندگی قبول کر سکتا ہے (۲) جس طرح ہوا متفرق بادل کو اکٹھا کرتی ہے اس طرح متفرق اعضاء بھی اکٹھے کیے جائیں گے (۳) جس طرح اللہ ہوا بادل کو خشک زمین کی طرف بھیجتا ہے اسی طرح روحوں کو بدنوں کی طرف لوٹا کر زندہ کیا جائیگا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

"جوکوئی چاہتا ہے عزت پس عزت سب اللہ کے اختیار میں ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں کلمے پاک اور نیک عمل وہ اسے بلند کرتا ہے اور وہ لوگ جو چال چلاتے ہیں برائی کی ان کے لئے عذاب سخت ہے اور ان لوگوں کی چال ہلاکت میں ہے [10]۔

تفسیر 10: اور یہ پانچویں عقلی نفسی دلیل ہے اور اسکی مناسبت پہلی آیت سے ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک زمین کو فصل والی بناتا ہے اسی طرح عزت دینا بھی اسی کی اختیار میں ہے جسطرح سورۃ مریم آیت 81 میں ہے اور منافقین کا بھی رد ہے کہ وہ عزت کو اپنے کافر دوستوں میں تلاش کرتے ہیں جس طرح سورۃ نساء آیت 139 میں مذکور ہے پہلے جملے میں مشرکین کا رد ہے ۔عزت سب اللہ کے اختیار میں ہے اور دوسرے جملے میں (اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ) منافقین کا رد ہے کہ مُسَبِّبْ عزت توحید اور عمل صالح ہے مَنْ كَانَ: اس کی جزاء محذوف ہے (فَلْيَطْلُبْهَا مِنَ اللّٰهِ) یعنی اللہ سے مانگو اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اس سے مراد توحید ہے اور اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اُوپر ہے البتہ اس کی کیفیت متشابہات میں سے ہے الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اس سے مراد توحید ہے اور کلم مفرد ہے کلام کی طرح یا اقوال طیبہ یعنی کلمات توحید اور ذکر اللہ ہے اور کلم اسم جنس یا اسم جمع ہے وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ: ضمیر مرفوع ہے اس میں احتمالات ہیں پہلا احتمال یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور ضمیر مفعول عمل صالح کی طرف راجع ہے دوسرا احتمال کلمہ طیبہ توحید کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ عقیدہ توحید انسان کے عمل صالح کو بلند کرتا ہے کیونکہ عقیدہ کی بنیاد پر اعمال قبول ہوتے ہیں تیسرا احتمال ضمیر فاعل کلمہ طیبہ کی طرف راجع ہے معنی اقوال طیبہ ہے یعنی عمل صالح کیوجہ سے اقوال طیبہ قبول ہوتے ہیں کیونکہ بغیر اعمال اقوال قبول نہیں ہوتے ہیں۔اور تفسیر قرطبی میں تائید کے لیے ایک غیر مستند حدیث کو ذکر کیا (لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ قَوْلًا اِلَّا بِعَمَلٍ عبدالرزاق مہدی نے قرطبی کی تخریج میں فرمایا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے) اللہ تعالیٰ قول

"بغیر عمل کے قبول نہیں کرتا) وَلَا یَقْبَلُ قَوْلًا وَّلَا عَمَلًا وَّلَا نِیَّةً اِلَّا بِاِصَابَةِ السُّنَّةِ اور نہیں قبول کرتا ہے قول وعمل اور نیت کو مگر موافق سنت ہو وَ الَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ: یعنی جب اللہ موحدین کو عزت دیتا ہے تو مشرکین وحاسدین ان کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان کی سزا ذکر کی گئی یا پھر السَّیِّاٰتِ سے مراد شرک وکفر اور برے اعمال ہیں جو کلمہ طیب اور عمل صالح کے خلاف ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا

يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

"اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر بنایا تمہیں جوڑے اور نہیں حمل اٹھاتی ہے کوئی عورت اور نہ ہی پیدا کرتی ہے مگر اسکے علم میں ہے اور نہیں عمر دی جاتی ہے ایک عمر دیے گئے کو اور نہ ہی کم کیا جاتا ہے اس کی عمر سے مگر کتاب میں بے شک اللہ پر یہ کام آسان ہے [11]۔

تفسیر 11: یہ چھٹی عقلی اور انفسی دلیل ہے اور انسان کے حالات ذکر کئے اور مناسبت پہلی آیت سے یہ ہے کہ عزت اللہ کے اختیار میں ہے کیونکہ وہ انسان کا خالق اور اس پر عالم ہے اور اس آیت میں انسان کی پیدائش کا مادہ بعیدہ (مٹی) اور مادہ قریبہ (نطفہ) ذکر کیا اور انسانوں کی تعداد بڑھنے کے لئے تزویج (شادی) ذکر کی اور قدرت کے بیان کے ساتھ علم الٰہی کو ذکر کیا اور اس جملہ میں وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى اِلَّا بِعِلْمِهٖ یعنی حمل کی مقدار وقت، نوع شکل وصورت سعادت وشقاوت پر اللہ عالم ہے اور پھر تقدیر کمال ارادے کو جملہ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ کے ساتھ ذکر کیا دونوں جملوں سے مراد ایک شخص ہے یعنی ایک کتاب میں مثلاً عمر ساٹھ سال لکھی پھر ایک دن گزرنے سے دوسری کتاب میں ایک دن کو کم کر کے لکھا جاتا ہے اختتام تک یا پھر اس سے مراد دو افراد ہیں ایک کی عمر زیادہ اور دوسرے کی عمر کم ہے یہ دونوں تقدیر میں لکھی گئی ہیں پھر جب عمر کی کمی زیادتی مستقبل میں معلوم ہوتی ہے تو اسی وجہ سے فعل مضارع ذکر کیا۔ تیسرا قول زیادتی کمی سے مراد برکت اور بے برکتی اور برے اعمال کے سبب سے ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

"اور نہیں برابر ہوسکتے ہیں دو دریا یہ میٹھا پانی پیاس کو بجھانے والا اور اسکا پینا مزیدار ہے اور اسکا پینا اور یہ نمکین پانی گلے میں اٹک جانے والا اور ہر ایک میں سے تم کھاتے ہو گوشت تازہ اور تم نکالتے ہو اس سے زیور تم پہنتے ہو اسکو اور آپ دیکھتے ہیں کشتی کو اس میں پھاڑنے والی پانی کو تا کہ تم اسکے فضل کو تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو [12]۔

تفسیر 12: یہ ساتویں عقلی دلیل ہے اور دلیل عالم سفلی ہے گزشتہ آیت سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح انسان کے اعمال میں مساوات نہیں ہے اسی طرح پانی میں بھی کسی طرح مساوات نہیں ہے اس میں مشرک اور مواحد کی فرق کی طرف باریک اشارہ ہے۔ اَلْبَحْرٰنِ ایک بحر (سمندر) وہ ہے جس میں زمین کا نمکین پانی ہے اور دوسرا پانی جو آسمان سے بذریعہ بارش نازل ہوتا ہے اور اس سے نہریں تالاب بنتے ہیں پھر یہ پانی سمندر میں پہنچتا ہے لیکن سمندر کے پانی کے ساتھ ملتا نہیں ہے اس صفت میں یہ پانی برابر نہیں ہے وَمِنْ كُلٍّ اس میں اشارہ ہے کہ ان دو صفتوں میں تو یہ پانی مساوی ہے مگر اصل میں تو برابر نہیں ہے جو کہ پانی کا ذائقہ و صورت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ موحد و مشرک صفت شجاعت اور سخاوت میں برابر ہو سکتے ہیں لیکن اعتقاد میں برابر نہیں ہوسکتے ہیں ۔ وَتَسْتَخْرِجُوْنَ: یہاں پر وَمِنْ كُلٍّ بسورۃ رحمٰن آیت 22 مِنْهُمَا لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جواہر لؤلؤ مرجان وغیرہ دونوں کے اختلاط سے حاصل ہوتے ہیں اس کے بننے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف سمندر کی سطح پر صدف کھلا ہوا پڑا رہتا ہے پھر جب اس پر بارش ہوتی ہے تو پانی کے ان قطروں پر وہ صدف بند ہوتا ہے پھر کچھ وقت بعد اس سے مرجان لؤلؤ موتی جواہر بنتے ہیں۔ تَلْبَسُوْنَهَا: لباس عام ہے جسے انسان ہاتھوں جسم گلے میں پہنتا ہے بستر کپڑوں وغیرہ پر لگاتا ہے۔ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ فائدہ سمندر کے ساتھ خاص ہے اس وجہ سے فِيْهِ مفرد ذکر کیا مراد فُلْكَ سے بڑا جہاز ہے مَوَاخِرَ قرینہ ہے کہ جب پہلے فائدے تمام لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں تو جمع کے صیغے ذکر کئے اور جو بعد کے فائدے ہیں وہ صرف ان کو حاصل ہوتے ہیں جو سمندر میں سواری کرتے ہیں اس وجہ سے مفرد کا صیغہ ذکر کیا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: یعنی ڈوبنے سے بچنے کی وجہ سے شکر ادا کیا کرو۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ ذٰلِكُمُ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۗ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝

"وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تابع کیا سورج اور چاند کو ہر ایک میعادِ معین پر چل رہا ہے یہ اللہ تمہارا رب ہے اسکے لئے بادشاہی ہے اور وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ اختیار نہیں رکھتے کھجور کی گھٹلی کے برابر [13]۔

تفسیر 13: یہ آٹھویں دلیل عقلی وسطی زمانی ہے رات اور دن زمانے کے اجزاء میں سے سورج اور چاند اسکے اختلاف یعنی جدائی کا سبب ہے اس وجہ سے الگ ذکر کئے۔ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى: اس سے مراد ہر رات اور دن اور ان کا غروب ہونا ہے یا پھر اس سے قیامت کا دن مراد ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ: اس میں ان تمام دلائل کا نتیجہ ہے اور نعمتوں کا ذکر جن میں اللہ کا علم اور تصرف کا ذکر ہے اور رب سے مراد معبود اور حاجت روا ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ: پہلے تصرف ذکر کیا اس میں بادشاہی تدبیر الٰہی کا ذکر کیا وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ: یہ شرک فی الدعاء کا رد ہے اور ملک کی نفی ہر معبود من دون اللہ سے کی ہے وَ الَّذِيْنَ یہ لفظ حقیقت میں ذوی الروح اور ذوی العقول کے لئے ہے اور بتوں کے لئے مجازاً مستعمل ہے اس میں تمام معبود من دون اللہ داخل ہیں تفسیر روح المعانی میں بھی اسی طرح لکھا ہے، قِطْمِيْرٍ: اس باریک دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گھٹلی پر ہوتا ہے یہ عرب کی اصطلاح میں قلت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے اور فَتِيْلًا نَقِيْرًا قلت کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں اگرچہ ملکیت بھی نہ ہو اس میں اشارہ ہے کہ یہ باطل معبود تو اتنی طاقت بھی نہیں رکھتے ہیں کہ کھجور کے اس باریک دھاگے کو کھجور کی گھٹلی سے صحیح سالم جدا کر سکے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۗ وَلَا

يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝

"اگر تم ان کو پکارتے ہو حاجت پوری کرنے کے لئے نہیں وہ سنتے ہیں تمہاری پکار کو اور اگر وہ سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے ہیں اور قیامت کے دن وہ انکار کرینگے تمہارے شرک سے اور نہ ہی وہ تمہیں مثل خبردار ذات کے خبر دے سکتے ہیں [14]۔

تفسیر 14: اس آیت میں غیر اللہ سے علم اور استجابت دعاء کی نفی کے ذریعے شرک فی الدعاء ہے۔ اور تفسیر قرطبی، روح المعانی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ملائکہ، جنات، انبیاء، شیاطین اور تمام بتوں کیلئے رد شرک کے طور پر مشترک ہے۔ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَکُمۡ: مفسر آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ بت تو اس وجہ سے نہیں سنتے ہیں کہ وہ جمادات ہیں اور ملائکہ انبیاء اولیاء (زندہ) ہیں لیکن وہ اس وجہ سے نہیں سنتے ہیں کہ وہ دور ہوتے ہیں یا پھر کوئی اسباب نہیں ہوتے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان شرکیہ قبیح آوازوں سے انکے کانوں کو محفوظ رکھتا ہے تاکہ وہ پریشان نہ ہوں (اور سورۃ احقاف میں لکھا ہے) جو معبود مر جاتے ہیں وہ نہیں سنتے ہیں کیونکہ وہ مردے ہیں اور مردے سن نہیں سکتے۔ فائدہ: یہ آیت قطعی الدلالت ہے کہ مردہ بزرگ ان مشرکوں کی فریاد نہیں سنتے چاہے وہ قریب ہوں یا دور، اور لفظ دُعَآءَکُمۡ اس پر دلیل ہے کہ اس سے مراد حاجت مانگنا ہے اور جو نفی سماع موتی ہے وہ صریح نہیں ہے بلکہ احتمال ہے اس وجہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ آیت نفی سماع موتی میں ذکر نہیں کی وَ لَوۡ سَمِعُوۡا: لَوۡ فرض کے لئے آتا ہے یعنی سماع نہیں ہے اگر فرض کریں کہ ہے تو مَا اسۡتَجَابُوۡا لَکُمۡ یعنی مقصد مشرک کی حاجت پوری کرنا ہے اور وہ تو یہ معبود بالکل نہیں کر سکتے ہیں۔ فائدہ: استجابت دعا مانگنے کو شامل ہے یعنی اگر آپ ان سے کہیں کہ دعا مانگو تو وہ نہیں مانگ سکتے ہیں اگر کوئی کہے کہ مردے سنتے ہیں پھر تو ان سے دعا مانگنا بھی جائز ہے یہ بات غلط ہے اس طرح صحیح بخاری حدیث بدر میں ہے کہ یہ ابھی سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے ہیں بِشِرۡکِکُمۡ: شرک سے مراد طلب حاجت ہے کیونکہ یہ شرک فی الدعاء ہے اور انکا انکار سورۃ یونس آیت 29 میں گزرا ہے اور سورۃ احقاف آیت 5، 6 میں مِثۡلُ خَبِیۡرٍ: خبیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے یعنی اگر کوئی سماع موتی کو اہل علم کی دلیل سے ثابت کرتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ان کی دلیل خبیر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۱۵﴾

"اے لوگو تم فقیر و محتاج ہو اللہ کے اور اللہ تعالیٰ ہی بے پروا تعریف کیا ہوا ہے" [15]۔

تفسیر 15: اس آیت میں نویں عقلی دلیل ہے الۡفُقَرَآءُ معرفہ ذکر کیا کامل فقر پر دلالت کرتا ہے اس آیت سے آیت 38 تک دوسرا باب ہے اور اس میں دو عقلی دلائل ہیں پھر تخویف اُخروی اور نبی علیہ السلام کو تسلی تفصیلی بشارت سے دی ہے نبی، ولی، مالدار یا مسکین وغیرہ یعنی ہر ایک ان میں سے ہر چیز کا محتاج و فقیر ہے۔ اِلَی اللّٰهِ لفظ الیٰ انتہا کے لئے ہے اگر ایک

انسان کی احتیاج دوسرے انسان کی طرف ہو تو اسکی آخری انتہا اللہ کی طرف ہے اور آخری انتہا تک اعتبار ہے الْغَنِیُّ: یہ بھی معرفہ ذکر کیا کیونکہ اس سے مراد کامل غناء ہے اور وہ عدم احتیاج ہے اگر انسان بہت مالدار ہو جائے تب بھی محتاج ہوتا ہے الْحَمِیْدُ: یہ صفت فقط اللہ کی ہے اس وجہ سے اگر ایک انسان لوگوں سے اپنے آپکو بے پراو کر دے تو لوگ اسکی برائی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غناء کے ساتھ حمید ہے کیونکہ وہ مخلوق کو انعام و فائدے دیتا ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾

"اگر وہ چاہے فناء کر دے گا تمکو اور لے آئیگا نئی مخلوق کو [16] اور نہیں ہے یہ کام اللہ پر مشکل [17]۔

تفسیر 16، 17: ان دونوں کا تعلق پہلے دلائل سے ہے یعنی اللہ کے کلی تصرف اور غناء کاملہ کو ذکر کیا اِنْ يَّشَاْ اشارہ ہے کہ تمہیں فنا کرنے میں کسی کی مشیت کا محتاج نہیں ہے اسطرح سورۃ ابراہیم آیت 19، 20 میں گزر رہا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

"اور نہیں اٹھا سکتا ہے بوجھ کوئی کسی اور کا اور اگر پکارے ایک گراں بار اسکے اٹھانے کے لئے نہیں اٹھایا جائیگا اس سے کوئی چیز اگرچہ رشتہ دار ہو بے شک ڈرا سکتے ہیں آپ ان لوگوں کو جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب کے ساتھ اور پابندی کی نماز کی اور جس نے اپنے آپکو پاک کیا بے شک پاک کرنا اپنے نفس کے لئے فائدہ ہے اور اللہ کی طرف لوٹنا ہے [18]۔

تفسیر 18: دلائل توحید اور رد شرک کے بعد تخویف ہے یعنی جس طرح یہ مشرک اپنے معبود من دون اللہ سے دنیا میں فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے تو اسی طرح آخرت میں بھی یہ ان کے گناہ کے بوجھ نہیں اٹھا سکیں گے وَاِنْ تَدْعُ: پہلے جملے میں مطلب یہ ہے کہ بغیر طلب سے کوئی بوجھ نہیں اٹھاتا ہے اور اس میں یہ ہے کہ طلب اور منت وزاری سے بھی مشرک کا بوجھ کوئی نہیں اٹھائیگا پہلے جملے میں تمام بوجھ اٹھانا مراد ہے اور دوسرے جملے میں بوجھ کا کچھ حصہ اٹھانا مراد ہے اِنَّمَا تُنْذِرُ: نبی ﷺ کو تسلی ہے یعنی گناہ سے (اور وزر) سے بچنے کا کوئی اور راہ نہیں ہے سوائے انذار کے اس طرح جب دلائل زیادہ بیان ہوئے اور ضدی مشرکین کو کوئی فائدہ نہیں دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپکا انذار خشیت والوں کو فائدہ

دیتا ہے اور خشیت کی ظاہری نشانی اقامۃ الصلاۃ ہے اس وجہ سے اسکو ذکر کیا وَمَنْ تَزَكّٰى: یہ انذار کا فائدہ ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾

"اور نہیں برابر ہو سکتا اندھا اور نہ ہی دیکھنے والا [19] اور نہ ہی اندھیرے اور نہ ہی روشنی [20] اور نہ ہی سایہ اور نہ ہی دھوپ [21]۔

تفسیر 19، 20، 21: یہ انذار کی علت خشیت والوں کے تخصیص کے لئے ہے یعنی خشیت والوں کو انذار فائدہ دیتی ہے اوروں کو فائدہ نہیں دیتی کیونکہ ان حالات میں بہت فرق ہے اور یہ مثالیں خشیت والوں اور ضدیوں کے درمیان فرق ثابت کرنے کے لئے ہیں۔ پہلی مثال یہ ہے کہ عنادی اندھے کی طرح اور موحد بینا کی طرح ہے یعنی ان دونوں کے درمیان روشنی اور اندھیرے اور نقصانات اور مفید چیزوں اور صحیح اور غلط راستوں کی پہچان میں فرق ہے اس طرح مشرک وموحد کے کاموں میں فرق ہے۔ دوسری مثال یعنی کفر وشرک کے دلائل مثل ظلمات کے ہیں توحید اور ان کے دلائل کی مثال نور کی ہے۔ یعنی توحید وایمان کا نتیجہ دنیا وآخرت میں سایہ کی مثال آرام کی ہے جبکہ کفر وشرک کی عاقبت دنیا وآخرت میں عذاب اور سخت زندگی جو مثل حر (سخت گرمی) کے ہے خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مدعا اور دلیلوں اور نتائج میں فرق ہے اور اس کو فرق کامل کہتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾

"اور نہیں برابر ہو سکتے ہیں زندہ اور مردہ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جسے چاہتا ہے اور تو نہیں سنا سکتا ہے ان کو جو قبور میں ہیں [22] نہیں ہے تو مگر ڈرانے والا [23]۔

تفسیر 22: یہ چوتھی مثال ہے یعنی اللہ سے ڈرنے والے زندوں کی طرح ہے جن کے تمام حواس کام کرتے ہو (سننا، دیکھنا، سمجھنا) اور مشرک عنادی مردوں کی طرح ہے جن کی تمام تر قوتیں اور حواس بے کار ہوئے ہوں یعنی مردے نہ سنتے نہ دیکھتے نہ سمجھتے ہیں اسی طرح یہ عنادی مشرک بھی ہیں۔ یعنی صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فائدہ: اس آیت میں چوتھی مثال کو وَمَا يَسْتَوِي دوبارہ ذکر کیا ہے اس وجہ سے کہ زندے مردے میں مِنْ كُلِّ الْوُجُوْہ فرق ہے جو پہلے تین ہیں وہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں کبھی کبھی مثلاً اعمیٰ کے لئے دل کی بصیرت ہو تو بصیرت قریب ہو جاتی ہے اندھیرے میں

چراغ لگاتے ہیں تو نور کے قریب ہوجاتے ہیں گرمی میں جب سردی کے اسباب استعمال ہوتے ہیں تو سایہ کے قریب ہوجاتے ہیں لیکن مردوں میں اس طرح تغیر نہیں آتی ہے کہ وہ مردہ بھی ہواور زندہ کی صفات بھی اس میں موجود ہوں اور حیات سے مراد حیات دنیاوی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ: یہ پانچویں مثال ہے جو نبی ﷺ کی تسلی کے لئے اور اِنَّمَا تُنْذِرُ کے ساتھ متعلق ہے مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کافر مردوں کے بدن کے مشابہ ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں نہ سنتے نہ دیکھتے ہیں۔ نہ ہی حالات دنیا سے باخبر ہیں یہ سب کچھ ضد وعناد کی وجہ سے ہے البتہ سنانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یہ آیت دلیل ہے کہ مردے نہ دنیا والوں کے حالات جانتے ہیں نہ انکو پہنچاتے ہیں انکی تفسیر سورہ روم اور سورۃ مریم میں گزر رہی ہے۔ فائدہ: مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ: قبر میں صرف بدن ہوتا ہے روح جب نہ ہو تو کس طرح سنے گا اور یہ سننا حیات اور روح سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر 23: یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے آپ کا کام انذار ہے سنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۗ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾

"بے شک بھیجا ہم نے آپکو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہیں ہے کوئی امت مگر گزرا ہے اسمیں ڈرانے والا [24]۔"

تفسیر 24: یہ بھی تسلی ہے اور صفت انذار اور نذیر سے مراد پیغمبر ہے اس وجہ سے سابقہ امتوں کا ذکر کیا۔

وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ
أَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾ ع

"اگر وہ جھٹلادیں آپکو پس تحقیق جھٹلایا آپ سے پہلے لوگوں نے آئے ان کے پاس رسول واضح دلائل اور وعظ کی خبروں اور روشن کتاب کے ساتھ [25] پھر میں نے پکڑا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا پس کسطرح ہوا عذاب میرا [26]۔"

تفسیر 25، 26: یہ بھی تسلی اور جواب ہے شرط محذوف کے لئے یعنی (فَاصْبِرْ۔ صبر کرو) بِالْبَيِّنٰتِ: اس سے مراد معجزات ہیں یا واضح احکام جو صرف عقل سے معلوم ہوتے ہیں وَبِالزُّبُرِ، چھوٹی کتابیں یعنی صحیفے اور وعظ نصیحت کی باتیں وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ اس سے مراد بڑی کتابیں ہیں جس طرح تورات، انجیل، اور ان تینوں کی نسبت تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف مجموعی طور پر ہے یعنی بعض انبیاء اس میں ایک چیز لائے اور بعض دو چیزیں اور بعض تین جس طرح موسیٰ علیہ السلام

ﷺ: ثُمَّ اَخَذْتُ: اسکے ساتھ منکرین کیلئے تخویف ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾

"کیا آپ نے نہیں دیکھا بے شک اللہ نے نازل کیا آسمان سے پانی پس ہم نکالتے ہیں اسکے ساتھ پھل مختلف ہیں اسکے رنگ اور پہاڑ سے ٹکڑے سفید اور لال مختلف ہیں اسکے رنگ اور کوے بہت گہرے سیاہ[27]۔

تفسیر 27: یہ دسویں عقلی دلیل ہے اسمیں بھی ثمرات اور پہاڑوں کا اختلاف ذکر ہے گزشتہ آیت میں مشرکین کو عام خطاب ذکر کیا لیکن وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں تو اب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خاص خطاب کیا اور ان لوگوں کو جو اس خطاب کی اہلیت رکھتے ہیں۔ فائدہ: جب پھلوں اور غلوں میں اختلاف کی اقسام بے شمار ہیں تو صرف اجمالی اختلاف ذکر کیا اور پہاڑوں کا اختلاف کم ہے پھر بنیادی رنگ تین ہیں سفید، لال، کالا پھر سفید اور لال سے اور رنگ پیدا ہوتے ہیں اسکے بعد میں مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ذکر کیا جُدَدٌ: مختلف راستوں اور مختلف ٹکڑوں کو کہتے ہیں غَرَابِيبُ سُودٌ: سود بدل ہے غرابیب سے کیونکہ غرابیب غراب سے ہے تو (کوے) میں بعض میلے کلر کے ہوتے ہیں تو سُوْد سے وضاحت کی یہاں کالے کوے مراد ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

"اور بعض لوگوں میں سے اور جانوروں (میں سے) چوپایوں (میں سے) مختلف ہیں ان کے رنگ اس طرح یقیناً ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اسکے بندوں میں سے علماء۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے بخشنے والا ہے[28]۔

تفسیر 28: یہ گیارہویں عقلی دلیل ہے اسمیں اہل روح کے رنگوں کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور یہاں مِن برائے تبعیض ہے تو مذکر کی ضمیر اَلْوَانُهٗ میں راجع ذکر کی تاکہ ذی الروح اور غیر ذی روح کے درمیان فرق واضح ہو جائے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا یہ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ سے متعلق ہے جب مثالیں اور دلیلیں ذکر کیں تو سوال پیدا ہوا کہ اس سے اثر لینے والے کون ہیں؟ جواب ہوا کہ تاثیر قرآن کے لئے علم ضروری ہے۔ یعنی خشیت موقوف ہے

معرفت قدر اور شان محقق پر یعنی وہ ذات جس سے ڈرا جائے یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا إِنِّي لَأَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ وَأَخْشَاكُمْ لَهُ (متفق علیہ) معرفت قدر اور شان علم کے ساتھ اللہ کو اسکے اسماء وصفات کے ساتھ جاننا اسی وجہ سے انسان کے دل میں خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے اگر چہ زبان سے کوئی ایمان کے بڑے دعوے کرے یہ آیت واضح دلیل ہے کہ علم اس عبادت سے افضل ہے جو معرفت الٰہی سے خالی ہو۔ فائدہ: سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ علماء تین قسم کے ہیں (۱) عَالِمٌ بِاللهِ وَبِأَمْرِ اللهِ جو اللہ تعالیٰ کو اسماء وصفات اور عظمت شان کے ساتھ پہچانتے ہیں اور یہ قرآن کریم سے حاصل ہوتا ہے یعنی وہ جو فرائض اور حدود کو جانتا ہو اور حدیث وفقہ سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ اعلیٰ قسم ہے۔ (۲) عَالِمٌ بِاللهِ فقط یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ خوب جانے مگر احکام وحدود کا تفصیلی علم نہ ہو یعنی قرآن کا عالم ہو مگر حدیث وفقہ کا عالم نہ ہو (۳) عَالِمٌ بِأَمْرِ اللهِ فقط احکام وفرائض کا پورا عالم ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات وعظمت کا پورا عالم نہ ہو اس مقام پر علماء میں پہلی قسم دوسری قسم کے مقابلے میں زیادہ خشیت رکھتی ہے اور دوسری قسم تیسری قسم سے زیادہ خشیت رکھتی ہے اور تیسری قسم جن کے دل میں خشیت الٰہی نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ مولوی جو فنون اور فقہی بحثوں میں تو مضبوط اور قوی نظر آتے ہے لیکن قرآن وسنت کے علم کے بغیر عقیدے وعمل میں اکثر شرک وبدعت میں مبتلا ہوتے ہے اور اللہ کے نزدیک یہ عالم نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ۝

" بے شک وہ لوگ جو پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب کو اور قائم کیا نمازوں کو اور خرچ کیا اس چیز سے جو رزق دیا ہم نے انکو پوشیدہ اور ظاہر وہ امید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جو ہرگز نقصان والی نہیں ہے [29]۔

تفسیر 29: جب پہلے خشیت والوں کا ذکر کیا کہ یہ علماء (حق) ہیں تو اس میں ان کا کردار اور ان کیلئے بشارت ذکر کی يَتْلُونَ سے مراد تلاوت پر ہمیشگی اور تدریس کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ فائدہ: خشیت عبادت قلبیہ ہے اور تلاوت لسانیہ اور اقامت الصلاۃ عبادت بدنیہ ہے اور انفاق عبادت مالیہ ہے۔ تِجَارَةً: اس سے منافع تجارت مراد ہے اور یہ ذکر سورۃ توبہ آیت 11 میں بھی ہے یعنی تجارت اللہ سے کی ہے تو اسکے نفع کی امید رکھتے ہیں۔

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾

"تاکہ پورا پورا دیا جائے ان کو انکا اجر اور وہ زیادہ کرے گا ان کو اپنے فضل سے بے شک وہ بخشنے والا قدردان ہے[30]۔

تفسیر 30: یہ لام عاقبت کے لئے ہے جو یرجون کے ساتھ متعلق ہے یا فعل پوشیدہ لام صلہ ہے یعنی فَعَلُوْا ذَالِكَ لِيُوَفِّيَهُمْ - غَفُورٌ چھوٹے اور بڑے گناہوں کو بخشتا ہے شَكُورٌ تھوڑے عمل کو بھی قبول کرتا ہے۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

"اور وہ جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف کتاب سے وہ حق ہے اور تصدیق ہے واسطے اسکے جو اس سے پہلے ہیں بے شک اللہ تعالی اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے[31]۔

تفسیر 31: جب گزشتہ آیات علماء کرام کے لئے بشارت ذکر کی تو اس میں آیات الٰہیہ جو کہ کتاب اللہ ہے اس کی سچائی و مراتب ذکر کئے جا رہے ہیں۔ مِنَ الْكِتَابِ: مِنْ تبعیضیہ ہے یا بیانیہ لفظ مِنْ میں اشارہ ہے کہ قرآن کا ہر جزء حق ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾

"پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو چنا ہم نے ان کو اپنے بندوں میں سے پس بعض ان میں سے ظالم ہیں اور بعض ان میں سے میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور بعض سبقت کرنے والے ہیں نیکیوں کی طرف اللہ کے حکم سے یہ بڑا فضل ہے[32]۔

تفسیر 32: اس آیت میں اصحاب قرآن کے تین درجات ذکر کئے اور ان کو بشارت دی ہے ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ. ثُمَّ تراخی زمان کے لئے ہے کیونکہ پہلے قرآن کے نزول کو تفصیل ذکر کیا الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا: یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہیں اور بعد میں ان کے پیروکار ہیں أَوْرَثْنَا دینے کے معنی میں ہے کہ قرآن کے وارث اور مستحق لوگ ہیں ارث سے اس لئے تعبیر کیا کہ وراثت میراث کے حقداروں کو ملتی ہے۔ اصْطَفَى سے مراد یہ ہے کہ ان کو دین اسلام کے ماننے کی توفیق دی جس طرح كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ اور وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا میں ذکر کیا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ: یہ تقسیم ہے الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا میں ضمیر الَّذِينَ کی طرف راجع ہے اور مفسر قرطبی، خطیب شربینی اور دیگر مفسرین نے صحیح ترمذی

حدیث 3223، احمد 3 / 78، مسند طیالسی حدیث 2236، شیخ البانی نے اس کو ترمذی میں صحیح کہا ہے۔ مرفوع نقل کیا کہ یہ تمام اقسام مومنین کی ہیں اور امام قرطبی نے کچھ صحابہ کرام سے نقل کیا کہ یہ تمام جنت میں داخل ہونگے اور ظَالِمٌ سے مراد جس کے گناہ نیک اعمال سے زیادہ ہوتے ہیں لِّنَفْسِهٖ میں اشارہ ہے کہ اس کا ظلم کسی اور کی طرف متعدی نہیں ہے اور مُّقْتَصِدٌ: سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے گناہ اور نیک اعمال برابر ہوں اور سَابِقٌ جسکے گناہ اطاعت کے مقابلے میں کم ہوں اور اس میں ثعلبی رحمہ اللہ نے 16 اقوال ذکر کئے اور ظالم کو پہلے ذکر کیا کیونکہ امت میں پہلی قسم زیادہ ہے اور دوسری قسم تیسری قسم سے زیادہ ہے یا پھر ترقی ہے ادنیٰ سے اعلیٰ تک بِاِذْنِ اللّٰهِ: سے مراد یہ ہے کہ یہ مرتبے اللہ کی تقدیر سے حاصل ہوتے ہیں ذٰلِكَ: کا اشارہ اصْطَفَيْنَا یا کتاب کی طرف ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿٣٥﴾

”ہمیشگی والے باغات ہیں وہ داخل ہونگے اس میں وہ پہنائے جائینگے اس میں کنگن سونے کے اور موتی ہوں گے اور انکا لباس ریشم کا ہوگا [33] اور وہ کہیں گے تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے دور کیا ہم سے غم کو بےشک ہمارا رب البتہ بخشنے والا قدردان ہے [34] وہ ذات جس نے ہم کو (اتارا) داخل کیا رہنے کی جگہ میں اپنے فضل سے نہیں پہنچے گی ہم کو اس میں کوئی تکلیف اور نہ پہنچے گی ہم کو اس میں کوئی تھکن [35]۔

تفسیر 33، 34، 35: ان آیاتوں میں تینوں قسموں کے لئے خوشحالی کے دس حالاتوں کے ذریعے بشارت ہے اور آیت میں لفظ لَهُمْ مقدر ہے یعنی لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ. اَسَاوِرَ کی تخصیص میں اشارہ ہے کہ یہ کام کاج سے فارغ ہونگے کیونکہ زیور ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو کام و خدمت سے فارغ ہوتے ہیں وَّلُؤْلُؤًا: یہ عطف ہے اَسَاوِرَ پر جب یہ تمام بدن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو اَسَاوِرَ سے دوسرے الگ طریقے کے ساتھ ذکر کیا اَلْحَزَنَ: مراد اس سے دنیا و آخرت کے تمام غم ہیں غم جہنم کی آگ کا موت کا حساب و کتاب کا میزان کا زوال نعمت کا روزی کا ان تمام غموں سے محفوظ ہونگے دَارَ الْمُقَامَةِ اسمیں اشارہ ہے جنت سے نیچے دنیا، قبر، میدان محشر تمام انتقال کی جگہیں ہیں نَصَبٌ: بدن کا تھکنا محنت یا مرض وغیرہ سے لُغُوْبٌ: نفس کے غموم و تکالیف سے تھکنا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾

"اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا انکے لئے آگ ہے جہنم کی نہیں فیصلہ کیا جائیگا ان پر کہ وہ مر جائیں اور نہ کم کیا جائیگا ان سے اسکے عذاب سے اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں ہر ایک ناشکرے کو [36]۔

تفسیر 36: منکرین کے لئے تین حالات کے ذریعے تخویف اُخروی ہے لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ: یعنی ان پر دوسری مرتبہ موت کا حکم نہ ہوگا اگرچہ یہ مطالبہ کرینگے وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ سورۃ زخرف آیت 77) اور اشارہ ہے کہ موت اللہ کے حکم کے بغیر واقع نہیں ہوتی ہے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾

"اور وہ چلائیں گے اس میں اے ہمارے رب نکال دے ہم کو کہ ہم نیک عمل کریں علاوہ اسکے جو تھے ہم عمل کرتے (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے عمر نہیں دی تم کو اتنی کہ نصیحت پکڑتا اس میں جو نصیحت پکڑتا اور آیا تمہارے پاس ڈرانے والا پس چکھو تم عذاب کو پس نہیں ہوگا ظالموں کے لئے کوئی مددگار [37]۔

تفسیر 37: یہ بھی چار طریقوں کے ذریعے تخویف ہے غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ: یہ دلیل ہے کہ یہ اپنے اعمال کو صالح سمجھتے تھے (وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا) اب ان کو معلوم ہوا کہ وہ اعمال صالح نہیں تھے اس وجہ سے یہ قید لگادی أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ: اس سے پہلے يُقَالُ پوشیدہ ہے انکو بہت سختی سے کہا جائیگا مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ: حدیث بخاری ہے جس کو اللہ تعالی نے ساٹھ سال عمر دی اسکے تمام بہانے ختم کر دیئے صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6419- النَّذِيرُ: سے مراد نبی ہے یا کتاب اللہ ہے یا ہر داعی حق ہے یا پھر بڑھاپا (بالوں کی سفیدی) ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾

"بے شک اللہ تعالی جانتا ہے آسمانوں اور زمینوں کے غیب کو بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو [38]۔

تفسیر 38: یہ تیسرا باب ہے سورت کے آخر تک اس میں تین عقلی دلائل ہیں اور مشرکین سے دلیل کا مطالبہ ہے اور اہل شرک

کو زجر ہے اور آخر میں تخویف دنیاوی تفصیلی طور پر ہے اس میں گیارہ عقلی دلائل ہیں علم غیب اللہ تعالیٰ کو ہے اس میں اشارہ مشرکین کے جواب کی طرف ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر عالم ہے کہ اگر وہ تمکو دنیا میں دوبارہ لوٹا دے تب بھی تم عمل صالح نہیں کرو گے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾

"اور وہی ذات جس نے بنایا تمکو جانشین زمین میں تو جس نے کفر کیا پس اس پر اس کے کفر کا وبال ہوگا اور نہیں زیادہ کرتا ہے کافروں وانکا کفر انکے رب کے نزدیک مگر ناراضی میں اور نہیں زیادہ کرتا ہے کافروں کو انکا کفر مگر نقصان میں [39]۔

تفسیر 39: یہ بارہویں عقلی دلیل ہے جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر عالم ہے تو تم کو استعداد کے موافق خلافت دی خلائف ایک دوسرے کے پیچھے زمین کو آباد کرنا یا پھر بعد والی امت گزشتہ امت کی خلیفہ ہے خلیفہ تابع کو کہتے ہیں اس وجہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اللہ یا خلیفۃ رسول چنا گیا ہے اور تفسیر قرطبی میں ہے فَمَنْ كَفَرَ یعنی خلافت تم پر نعمت واحسان الٰہی ہے تو اس کے ساتھ جس نے کفر کیا تو اس کا وبال اسکے نفس پر ہوگا۔ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ: یعنی جتنی کفر میں ترقی کرتے ہیں اتنا ہی اللہ کا غضب بڑھتا ہے اور غضب الٰہی کے سبب سے ان کے کفر کا خسران بڑھتا ہے کیونکہ ان کی عمر کا سرمایہ بے جا خرچ ہوتا ہے اور غضب الٰہی سبب ہے خسران مسبب کے لئے ہے اسوجہ سے غضب کو خسران سے پہلے ذکر کیا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾

"آپ کہہ دیجئے کیا خیال ہے تمہارا ان شریکوں کے بارے میں جنھیں تم پکارتے ہو اللہ کے علاوہ دکھاؤ مجھے کیا پیدا کیا انہوں نے زمین میں سے یا ان کی آسمانوں میں حصہ داری ہے یا ہم نے انکو کتاب دی ہے پس وہ واضح دلائل پر ہیں اس میں سے بلکہ وعدہ نہیں کرتے ظالم بعض بعضوں سے مگر دھوکے کا [40]۔

تفسیر 40: اس آیت میں مشرکین کیلئے زجر ہے (جو پہلی آیت مَنْ كَفَرَ میں ذکر ہوا) دلیل کا مطالبہ ان کے شرک پر

ہے اور پہلی دلیل عقلی سفلی اور دوسری عقلی علوی اور وحی نازل شدہ کتاب سے ہے اس طرح سورۃ احقاف آیت 4 میں ذکر ہوا ہے اور السَّمٰوٰتِ: کے ساتھ شرک ذکر کیا کیونکہ اوپر آسمانوں میں شرک کا کوئی امکان نہیں ہے ہاں حصہ کے دعوے ہو سکتے ہیں۔ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا: یہ قوی ثبوت ہے کہ کتاب الہی دلیل ہے اور کوئی چیز دلیل نہیں ہو سکتی ہے بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی دلائل نہیں ہیں بلکہ خالص تقلید ہے چھوٹے بڑوں کی بے دلیل تقلید کرتے ہیں اور بڑے گمراہ انکو دھوکا دیتے ہوئے باطل باتیں بتاتے ہیں اور شرک کو توحید اور بدعت کو سنت ظاہر کرواتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے تھاما ہے آسمانوں اور زمین کو یہ کہ وہ ہلیں اور اگر وہ ہل جائیں تو کون ہے جو تھامے گا ان کو کوئی ایک اسکے بعد بے شک وہ بردبار ہے بخشنے والا ہے[41]۔

تفسیر 41: یہ تیسری عقلی دلیل ہے جب معبود من دون اللہ کا عجز اور کمزوری بیان ہوئی تو اب اللہ تعالیٰ اپنی عظمت شان بیان کرتا ہے اَنْ تَزُوْلَا مفعول لہٗ ہے یعنی لِئَلَّا تَزُوْلَا یا كَرَاهِيَةَ اَنْ تَزُوْلَا مفعول ثانی ہے۔یعنی مِنْ اَنْ تَزُوْلَا یا ماقبل سے بدل اشتمال ہے۔ وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ: اگر مشرک کہے کہ معبود من دون اللہ کس وجہ سے تھام نہیں سکتے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے چھوڑا ہے جبکہ دیگر تصرفات کرتے ہیں جواب ہوا کہ آسمان اور زمین کا زوال ممکن نہیں ہے کیونکہ اپنی جگہوں سے انشقاق وزلزلے کے ذریعے سے زوال ہوگا۔ اِنْ اَمْسَكَهُمَا: یہ قسم کا جواب ہے اور لام کا معنی ہے اور جواب شرط اِنْ محذوف ہے اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا یعنی مخلوقات کے گناہوں کی وجہ سے قریب ہے کہ آسمان وزمین زائل ہوجائیں لیکن اللہ تعالیٰ حلیم ہے مخلوق پر (جوکہ مستحق عذاب ہے) مگر وہ عذاب کو ٹالتا ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ
مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾

"اور انہوں نے قسمیں کھائیں اللہ کے ساتھ پختہ قسمیں اگر آئے انکو ڈرانے والا تو وہ ضرور ہو جائیں زیادہ ہدایت پانے والے ہر ایک امت سے پس جب آیا انکے پاس ڈرانے والا انہیں وہ زیادہ ہوئے مگر نفرت میں[42]۔

تفسیر 42: یہ انکار رسالت پر زجر ہے قسم کے توڑنے کی وجہ سے جب مشرکین کو پتا چلا کہ ان یہودیوں اور نصرانیوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا تھا تو انہوں نے قسمیں کھائیں کہ اگر ہمارے پاس رسول آئے تو ہم ان کی اتباع کریں گے، پچھلی آیت سے ربط یہ ہے کہ یہودیوں کو جب رسولوں نے زمین و آسمان کے روک تھام کے بارے میں جو بتائیں کی تھیں وہ انہوں نے بدل دی تھیں جس طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے گزشتہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنھم سے منقول ہے کہ انہوں نے کعب لاحبار رحمہ اللہ سے سنا کہ تمام آسمان ایک ملک کے کندھے پر گھوم رہے ہیں تو انہوں نے اس پر تنقید کی إِحْدَى الْأُمَمِ یہ استغراق ہے اضافت کی وجہ سے یعنی ہر ایک امت جو یہودی نصرانی ہے نُفُورًا تشبیہ کی طرف اونٹوں کے ساتھ اشارہ ہے جب اونٹ بھاگتا ہے مالک اسے پکارتا ہے تو وہ نفرت اور بدکنے میں بڑھتا ہے یہ بھی نفرت میں بڑھتے جاتے ہیں۔

اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ
الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾

"تکبر کرتے ہیں زمین میں اور بری چال چلتے ہیں اور نہیں گھیرتی ہے بری چال مگر اسکے حقدار کو تو وہ انتظار نہیں کرتے ہیں مگر پہلے لوگوں کے طریقوں کا پس آپ ہرگز نہیں پائیں گے (اس اللہ کے) طریقے کے لئے کوئی بدلنے والا اور آپ ہرگز نہیں پائیں گے اسکے طریقوں کو پھیرنے والا[43]۔

تفسیر 43: اِسْتِكْبَارًا: یہ بدل ہے نُفُورًا سے اور نفرت کرنے کے لئے علت ہے یا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کے لئے یعنی يَسْتَكْبِرُونَ اسْتِكْبَارًا یا پھر اسم فاعل اور حال ہے مُسْتَكْبِرِينَ کے لئے فِي الْأَرْضِ: نیچی جگہ جو کہ زمین ہے یعنی زمین میں تکبر کرنے والے ضدین کو جمع کرتے ہیں وَمَكْرَ السَّيِّئِ: اس میں بھی تین احتمالات ہیں جو

اسْتِكْبَارًا میں ہیں اور موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے یعنی بری تدبیر مراد ہے اس سے نبی ﷺ اور مومنین کو دھوکا دے کر تکلیف دینا یا پھر قتل کرنے کے لئے چال چلنا یا انہیں بددعا دینا مراد ہے وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ۔ یعنی دھوکا کرنے اور بددعا کا اثر انہی پر واپس ہوگا۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ کعب الاحبار نے ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تورات میں ہے کہ مَنْ حَفَرَ لِأَخِيهِ حُفْرَةً وَقَعَ فِيهَا (جو کوئی اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے تو وہ اس میں خود گرتا ہے) تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس طرح قرآن کریم میں بھی ہے اور یہ جملہ تلاوت کیا۔ فَهَلْ يَنْظُرُونَ یہ تخویف دنیاوی ہے تَبْدِيلًا اور تَحْوِيلًا: ان میں کچھ اس طرح فرق ہے (1) پہلی وجہ تبدیل یہ ہے کہ عذاب دور کر کے نعمت وعافیت لے آئے تحویل یہ کہ عذاب میں تخفیف لائے دوسرا فرق یہ ہے کہ کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا ہے کہ عذاب الٰہی کو بدل دے یا اس میں تخفیف لے آئے اور اسکو کسی اور کی طرف پھیر دے۔ تیسرا فرق وقت عذاب میں تبدیلی کرے یا پھر تحویل کرے اس کی صفت میں میں تبدیلی کرے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾

"کیا وہ نہیں پھرے زمین میں پس وہ دیکھ لیں کہ کسطرح ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور تھے وہ سخت ان سے قوت میں اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عاجز کردے اسے کوئی چیز آسمان یا زمین میں بے شک وہ جاننے والا قدرت والا ہے |44|۔

تفسیر 44: یہ بھی تخویف دنیاوی ہے جب سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ کو ذکر کیا تو اب اس سے عبرت لینے کا طریقہ بتایا جاتا ہے کہ وہ سیر کر کے نظر کرنا ہے اور تنبیہ دی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی کسی طریقے سے مقابلہ نہیں کرسکتا ہے لِيُعْجِزَهُ اس سے پہلے کان کی خبر پوشیدہ ہے یعنی مَا كَانَ اللَّهُ ضَعِيفًا لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ استغراق اور تاکید کی نفی کے لئے ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۟

"اگر پکڑتا اللہ تعالٰی لوگوں کو بوجہ انکے کسب کے نہیں وہ چھوڑتا اس کی پشت پر کوئی جاندار لیکن وہ مہلت دیتا ہے انکو وقت مقرر تک پس جب آئیگا ان کا وقت مقرر پس بے شک اللہ تعالٰی اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے[45]۔

تفسیر 45: یہ بھی تخویف دنیاوی میں داخل ہے جب منکرین کے مطالب کو ذکر کیا تو اس آیت میں جواب ہے اَلنَّاس اس سے مراد گنہگار انسان ہے چاہے وہ مومن یا مشرک ہو بِمَا كَسَبُوْا یعنی ان کے تمام گناہوں کی وجہ سے ایک گناہ بھی نہ معاف کرتا سب کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ بعض گناہوں کی وجہ سے دنیا میں عذاب آتا ہے جس طرح سورۃ روم آیت 41 میں گزرا ہے مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا انسان زمین کے جس حصے پر سکونت اختیار کرتا ہے تو اسکی مثال سواری کی ہے (جس کی پیٹھ پر سواری کی جاتی ہے اس وجہ سے ظہر کہا ہے اور اس طرح اسکو وَجْهَ الْاَرْض بھی کہتے ہیں جس طرح چہرہ ظاہر ہوتا ہے اس طرح زمین کے استعمال والے حصے ظاہر ہیں یعنی باقی پانی کے اندر ہیں۔ سوال: یہ ہے کہ گناہ انسانوں نے کئے تو اس کا اثر دواب (جانوروں) پر کیوں ہوتا ہے؟ جواب: گناہوں کے عذاب کی وجہ سے بارشیں بند ہوجاتی ہیں یا پھر کم ہوجاتی ہیں اور فصلیں بھی کم اور خشک ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے جانور مرجاتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا کہ ظالم صرف اپنے ظلم سے اپنے آپ کو نقصان دیتا ہے لہٰذا اس کو دعوت وتبلیغ کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے جھوٹ کہا ایک ظالم جب ظلم کرتا ہے تو اسکے ظلم کی وجہ سے ایک پرندہ اپنے گھونسلے میں پریشان ہوکر مرجاتا ہے۔ دوسرا جواب: دواب انسانوں کے لئے بڑی نعمت ہے تو انسانوں نے ظلم کی وجہ سے یہ نعمت ان سے چھین لی جاتی ہے۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ اس کی جزا محذوف ہے یعنی جب وقت مقرر آتا ہے تو سب مرجاتے ہیں اور ہر ایک کو اس کی مناسب جزا دینے کو اللہ تعالٰی خوب سمجھتا ہے۔

سورۃ فاطر کی خصوصیات:

۱۔ عقلیہ دلائل اس سورۃ میں کثرت سے ہیں۔

۲۔ فریقین کے درمیان چار مثالوں سے امتیاز کا ذکر۔

۳۔ مشرکین کی دعا پر رد کہ ان کے الٰہ سننے سے قاصر ہیں اور اس دعا کو شرک کہا گیا ہے۔

۴۔ مشرکین کی دلیل کی نفی۔

۵۔ قرآن والوں کے مراتب جو کہ تین ہیں میزان کے لیے خوشخبری۔

سورۃ الفاطر کی تفسیر اللہ کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۸۳ ۞ ۳۶ سورۃ یٰس مکیۃ ۴۱ ۞ رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

یٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۞ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۞ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۞ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۞

"اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے [1] حکمتوں والے قرآن کی قسم ہے [2] بیشک آپ ضرور پیغمبروں میں سے ہیں [3] سیدھے راستے پر ہیں [4] اتارا گیا (آپ پر) اس ذات کی طرف سے جو غالب مہربان ہے [5]۔

سورۃ یٰس: اس سورت کے باقی نام یہ ہیں سورۃ قلب القرآن سورۃ المعمۃ سورۃ المدافعۃ سورۃ القضاضیۃ سورۃ العزیزۃ سورۃ العظیمۃ۔

ربط: اس سورۃ کا گزشتہ سورۃ سے بہت سی وجوہات سے ربط ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورۃ میں شفاعت شرکیہ کے رد کرنے پر دلائل تھے تو اس سورۃ میں نقلی دلائل ذکر کئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں تخویف دنیاوی کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں خوف دنیاوی کا ایک نمونہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں دلائل کے ساتھ مسئلہ ثابت ہوا تو اس سورۃ میں بہادری سے دعوت دینے پر ترغیب دی ہے اور اسکا طریقہ بھی ذکر کیا جا رہا ہے۔

سورۃ کا دعویٰ: صدق رسول کا عموماً اور شفاعت شرکیہ کے رد کا خصوصاً اثبات ہے یہ دعویٰ آیت 3 میں ہے اور عموماً دعوے کا مقصد آیت 6 اور خصوصاً آیت 23، 43، 75 میں ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں تین باب ہیں پہلا باب سورت کے دعویٰ پر آیت 31 تک ہے اور اس میں قرآن کی شہادت دعویٰ پر ذکر ہے اور دعوے کا مقصد ذکر کیا ہے اور چار آیتوں میں زجر ہے اور تخویف ہے پھر بشارت اور اثبات توحید و قیامت کے لئے مختصر عقلی دلیل ذکر کی گئی ہے پھر نقلی دلیل مذکور ہے۔

تفسیر 1 یٰسٓ: یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور اس میں بڑا فائدہ قرآن کریم کے اعجاز پر تنبیہ ہے۔ اور بعض سے منقول ہے کہ یہ یَاسَیِّدَ الْبَشَرِ کے معنیٰ میں ہے لیکن جو یہ بات مشہور ہے کہ یہ نبی ﷺ کا نام ہے تو یہ روایت ثابت نہیں ہے اور جو روایت امام قرطبی رحمہ اللہ اور ماوردی نے نقل کی ہے وہ سند کے بغیر اور ضعیف ہے ۔ وَ الْقُرْاٰنِ

الْحَكِيْمِ : واو قسم کے لئے ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو یہ قسم مخلوق کی نہیں ہے اگر کوئی سوال کرے کہ قسم کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مقسم بہ مجھے ٹھوکر اور سزا دے گا اور یہ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور کام مخلوق پر قیاس نہیں کئے جاتے ہیں اور اللہ کی قسم تاکید اور شہادت کے لئے ہوتی ہے دعوے پر دلیل کے طور پر اور اسی طرح خطیب شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں لکھا ہے کہ یہ صرف قسم کھانا نہیں ہے بلکہ قسم کی شکل میں دلیل ہے اسلئے کہ قرآن معجزہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے اگر کوئی سوال کرے کہ دلیل کو قسم کی صورت میں کس حکمت کے لئے ذکر کیا خالص دلیل کیوں ذکر نہیں کی تو جواب یہ ہے کہ اس میں بہت ساری حکمتیں ہیں پہلی حکمت یہ ہے کہ بلند ذات کی طرف سے قسم کھانا یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ مقسم علیہ بہت بڑا کام ہوتا ہے تو مخاطب شوق سے وہ سنتا ہے دوسری حکمت یہ ہے کہ عرب قبیلے کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ جھوٹی قسم کھانا تباہی کا سبب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے حالات میں قسمیں کھائی ہیں اور اسکو کوئی مصیبت نہیں پہنچی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ صادق ہے تیسری حکمت یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں بہت سے دلائل بیان ہوئے ہیں اور اسکے باوجود انہوں نے شدت سے انکار کیا جو کہ سورۃ فاطر آیت 42 میں مذکور ہے اسی وجہ سے قسم کی طرف رجوع کیا گیا یعنی انکو دلائل فائدہ نہیں دیتے ہیں تو قسم کھانا ضروری ہوا۔

تفسیر 3: یہ جواب قسم ہے اور سورۃ کا دعویٰ ہے اسی وجہ سے اِنَّ اور لام تاکید پر مشتمل ہیں۔

تفسیر 4: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کا ذکر ہے اور یہ جواب قسم ہے یعنی رسالت کی صفت کے بعد رسول کا بیان ہے اور یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ بھی صراط مستقیم ہے۔

تفسیر 5: یہ تیسرا جواب قسم ہے اور اس کا فعل محذوف ہے یعنی نُزِّلَ تَنْزِيْلاً یعنی قرآن کی حکمتیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ (جو عزیز اور رحیم ہے) کی کتاب ہے یہاں تک کہ مرسِل اور مرسَل کا طریقہ اور مرسِل کا ذکر ہوا۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧

تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جنکے بڑوں کو نہیں ڈرایا گیا ہے تو یہ لوگ بے پروا ہیں [6] یقیناً ان کے زیادہ لوگوں پر حجت پوری ہوئی ہے تو یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں [7]۔

تفسیر 6: اس آیت میں رسالت کا مقصد اور جن کی طرف رسول بھیجا ان کا مقصد بیان ہو رہا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ

آخری نبی ایسے وقت میں آیا ہے کہ دنیا والے اسکے آنے کے (غفلت کیوجہ سے) محتاج تھے اور یہ بھی اس نبی کی شان کی عظمت ہے اور اسی طرح سورۃ سبا آیت 44 میں اور سورۃ سجدہ آیت 3 میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 7: جب رسالت کا مقصد ذکر ہوا جو کہ انذار ہے تو سوال آیا کہ یہ سب لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے ہیں؟ تو اس آیت میں رکاوٹ کے ذکر کے ذریعے اسکا جواب دیا۔ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ اس سے مراد عذاب کا فیصلہ ہے جو سورۃ ہود آیت 119 اور سورۃ ص آیت 85 میں ہے اور یہ تقدیر کا فیصلہ ہے یا اس سے مراد نذیر بھیجنے کے ذریعے سے حجت پوری کرلی ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِيٓ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَٰلًا فَهِيَ إِلَى ٱلْأَذْقَانِ فَهُم مُّقْمَحُونَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ
خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝٩ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝١٠ إِنَّمَا
تُنذِرُ مَنِ ٱتَّبَعَ ٱلذِّكْرَ وَخَشِيَ ٱلرَّحْمَٰنَ بِٱلْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝١١ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ وَ
نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا۟ وَءَاثَٰرَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝١٢

"بیشک ہم ان کی گردنوں میں طوق ڈالتے ہیں تو ٹھوڑیوں تک ہوگا تو ان کے سروں کو اٹھایا ہوگا [8] اور ہم ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے دیوار بنا ئینگے تو ہم ان کو گھیر لینگے یہ لوگ کچھ نہیں دیکھیں گے [9] اور آپ کا ان کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں [10] آپ ان کو ڈراتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرتے ہیں اور بغیر دیکھے رحمان سے ڈرتے ہیں تو ان کو بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری دینا [11] بیشک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان اعمال کو لکھتے ہیں جو انہوں نے بھیجے ہیں اور ان کے بعد والے کاموں کو اور ہر چیز کو ہم نے واضح کتاب میں گھیرا ہے [12]۔

تفسیر 8: اس آیت میں تین توجیہات ہیں پہلی توجیہ: عام مفسرین نے ابوجہل اور عام کافروں کا واقعہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مارنے اور نماز اور دعوت سے منع کرنے کی کوشش کررہے تھے تو ان کے ہاتھ گردنوں سے چمٹ گئے تو ربط یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی حجت ہے جو ان پر قائم ہوئی یہ معجزے کے طور پر تھی۔ لہذا یہ حَقَّ الْقَوْلُ کی تفسیر ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ قیامت میں یہ کافروں کے عذاب کا حال ہوگا تو یہ تخویف اُخروی ہوئی۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ان کے ایمان سے رکاوٹ کی مثال ہے اور ان کے ایمان نہ لانے کا دوسرا جواب اور وجہ گردنوں میں طوق بغیر دلیل کے گمراہ مشرکین

کی تقلید سے صرف کنایہ ہے جیسے چوڑا طوق ایک انسان کی گردن میں لٹکا ہوا ہو تو اسکا سر اونچا ہوتا ہے مگر راستہ اس کو نظر نہیں آتا ہے تو ٹھوکریں کھاتا ہے اور کبھی گڑھے میں گر پڑتا ہے تو اسی طرح یہ لوگ بڑوں کی شر کی تقلید کیوجہ سے ہدایت سے محروم ہیں فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ: اس میں ضمیر اغلال کی طرف راجع ہے یا آغلال اتنا چوڑا ہے کہ ٹھوڑی تک پوری گردن کو بند کیا ہے یا ضمیر ہاتھوں کی طرف راجع ہے جس سے دلیل معلوم ہوتی ہے یعنی انکے ہاتھ گردنوں کے ساتھ طوقوں میں بند ہوئے ہیں۔

تفسیر 9: اس آیت میں بھی یہی تین توجیہات ہیں: پہلی توجیہہ یہ ہے کہ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے انکو دیواروں میں گھیر لیا تو اس لحاظ سے یہ معجزانہ حجت ان پر قائم ہوئی، لیکن پھر بھی ایمان نہیں لائے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ جہنم میں انکا حال اسی طرح ہوگا تو یہ تخویف اُخروی ہے۔ تیسری توجیہہ یہ ہے کہ یہ تمثیل ہے اور ہدایت سے تیسری رکاوٹ ہے یعنی جب انسان کے آگے پیچھے دیوار ہو تو آگے پیچھے نہیں جاسکتا ہے اور آنکھیں بھی بند ہو جاتی ہیں اسی طرح قیامت کے بارے میں بھی شبہات کی دیوار ہے اور دنیا کے بارے میں شہوات کی دیوار ہے لہذا حق سے اندھے اور ہدایت سے محروم ہیں اور اگر کوئی سوال کرے کہ آگے پیچھے تو دیوار کا ذکر ہے تو اس میں دائیں اور بائیں طرف کیوں ذکر نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ جب بائیں یا دائیں طرف منہ کر لیے تو پھر بھی ایک طرف آگے ہوا اور دوسری طرف پیچھے ہوتو بَيْنِ أَيْدِيهِمْ اور خَلْفِهِمْ اس میں بھی شامل ہے۔

تفسیر 10: یہ چوتھا مانع رکاوٹ اور جواب ہے کہ ضد اور عناد کی وجہ سے ڈرانا اور نہ ڈرانا ان کیلئے برابر ہے۔

تفسیر 11: جب معلوم ہوا کہ ضدی قسم کے عنادیوں کو ڈرانا فائدہ نہیں دیتا تو سوال پیدا ہوا پھر ڈرانے کا کیا فائدہ ہو رہا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انابت والوں کو فائدہ دیتا ہے اور ان کی دو صفات ذکر کی جارہی ہیں ایک قرآن کی اتباع اور دوسری رحمٰن کا خوف اور خشیت کو بعد میں ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ وہ خشیت مراد ہے جو قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دو جزائیں ذکر کی ہیں کَرِيمٍ دنیا کی اجرت میں ذلت محسوس ہوتی ہے اور آخرت کے اجر میں عزت اور کرامت ہے۔

تفسیر 12: اس میں اجر کا وقت ذکر کیا جارہا ہے جو کہ موت کے بعد کی زندگی ہے اور یہ توحید کے لئے دلیل عقلی ہے إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ قیامت کے اثبات کے لئے ظاہری معنی مراد ہے اور امام ضحاک اور حسن رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ

اس سے کفر کے بعد ایمان لانا مراد ہے وَ نَكْتُبُ یہ کتابت احیاء بعد الموت سے پہلے ہے لیکن جب احیاء بعد الموت کا مقصد اعمال کا حساب ہے ۔ اسی وجہ سے مقصد کے بعد ذکر کیا اس کتابت سے مراد کِرَامًا كَاتِبِيْنَ کی کتابت ہے جو اپنے صحیفوں میں اعمال لکھتے ہیں یا کتابت سے مراد تقدیر میں لکھنا ہے اور مضارع فعل ماضی کے معنی میں ہے مَا قَدَّمُوْا پہلے معنی کے ساتھ ہو تو وہ اعمال مراد ہیں جو انسان نے کئے ہیں اپنی آخرت کے لئے آگے بھیجے ہیں ۔ وَ اٰثَارَهُمْ اس سے مراد عبادت کے لئے مسجد کی طرف قدم اٹھانا ہر وہ کام جو خیر کی نیت سے انسان کرتا ہے یا اس سے مراد انسان نے وہ نیک اور برے اعمال ہیں جو انسان بعد والے لوگوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے اور بعد والے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں ۔ تفسیر قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی مثالیں دی ہیں کہ وہ علم جس کی تدریس کی ہو یا کتاب کی تصنیف کی ہو یا وقف کی ہوئی مسجد مسافر خانہ یا اور کوئی پل وغیرہ بنایا ہو یہ نیک اعمال کی مثالیں ہیں اور برے اعمال کی مثالیں ہیں ظالمانہ ٹیکس بعض ظالم بادشاہوں نے مسلمانوں کے لئے مقرر کئے ہیں ، اور وہ راستے جن میں مسلمانوں کو نقصان دیا ہو یا وہ اسٹوڈیو اور کھیل کے کام وغیرہ جسکے ذریعے سے لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے سے رک جاتے ہیں اور اسی طرح ہر خوبصورت طریقہ یعنی سنت جاری کرنا یا برا طریقہ جیسے بدعات کو ایجاد کرنا اور جاری کرنا ۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ یہ نَكْتُبُ کے ساتھ دوسرے معنی میں ہے اور یہ تقدیر کے بارے میں تعمیم کے بعد تخصیص ہے اور نَكْتُبُ کے ساتھ پہلے معنی میں یہ ذکر ہر چیز کی تقدیر لکھنے کا ہے اور پھر بعد میں ملائک کا لکھنا ہے اس وجہ سے اَحْصَيْنٰهُ فعل ماضی ذکر کیا اور نَكْتُبُ فعل مضارع لایا ہے اسلئے کہ ملائک کی کتابت تقدیر کے بعد ہے اِمَامٍ امام ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی اقتدا ہوتی ہو اسی وجہ سے تورات کو بھی سورۃ ھود آیت 17 میں امام کہا گیا ہے اور جب بعد والے سارے کام تقدیر (لوح محفوظ) کے تابع ہیں تو اس وجہ سے اس کو امام کہا جاتا ہے ۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

"اور ان کو عبرتناک واقعہ پڑھ کر سناؤ ایک بستی والوں کا جب ان کے پاس رسول آئے [13] جب ہم نے انکی طرف دو آدمیوں کو بھیجا تو انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے کے ذریعے سے ان کو تقویت دی تو انہوں نے کہا بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں [14] انہوں نے کہا تم تو ہماری طرح بندے ہو اور رحمٰن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولنے والے [15] انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں [16]۔

تفسیر 13: یہ لِتُنْذِرَ کے ساتھ متعلق ہے یہ مثال انذار (تخویف دنیاوی) کی ہے اور توحید کیلئے دلیل نقلی ہے اور اس وجہ سے اس میں ڈرانے کا طریقہ اور دعوت پر ابھارا ہے اس میں اجمال ہے اس وجہ سے جمع ذکر کیا۔

تفسیر 14: یہ پہلے والے اِذْ کے بدلے میں ہے اور اجمال کے بعد تفصیل ہے گزرے ہوئے زمانوں میں ایک ایک بستی کی طرف بہت سارے رسولوں کو بھیجا جاتا اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کی تکذیب کی گئی ہے۔

تفسیر 15: یہ تین طریقوں سے تکذیب کی تفصیل ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی بشریت (انسان ہونے) کا انکار مشرکین کا پرانا جاہلیت کا عقیدہ رہا ہے وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ مراد یہ ہے کہ انسان پر رحمٰن ذات نے کبھی وحی نہیں بھیجی ہے یا شَيْءٍ سے مراد توحید کی وحی ہے تَكْذِبُوْنَ یعنی توحید کے مسئلے اور رسالت کے دعوے میں تم جھوٹے ہو۔

تفسیر 16: یہ جملہ قسمیہ کے قائم مقام ہے اسی وجہ سے يَعْلَمُ کا مفعول ذکر نہیں کیا ہے اور جواب لام کے ساتھ مؤکد کیا ہے اور اس لام کی وجہ سے اِنَّ کسرہ کے ساتھ يَعْلَمُ کے بعد ذکر ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝17 قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝18 قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝19 وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ
يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝20 اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝21

"اور ہمارے ذمے صرف واضح طور پر پہنچانا ہے[17] انہوں نے کہا بیشک ہم تمہاری وجہ سے منحوس ہوئے ہیں اگر تم باز نہ آؤ تو ہم تمہیں سنگسار کرینگے اور ضرور تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا[18] انہوں نے کہا تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے جب تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم انکار کرتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والی قوم ہو[19] اور شہر کی طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا اے میری قوم رسولوں کی اتباع کرو[20] انکی اتباع کرو جو تم سے کچھ بدلہ نہیں لیتے ہیں اور وہ ہدایت والے ہیں[21]۔

تفسیر 17: یعنی جب ہم رسول ہیں تو رسول کی ذمہ داری صرف تبلیغ ہے چاہے تم مانو یا نہ مانو۔

تفسیر 18: یہ انکی تکذیب کا دوسرا طریقہ ہے یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری تبلیغ باطل ہے اسلئے کہ اسکی وجہ سے ہم پر بدحالی آئی ہے بیماری قحط سالی، مالی مشکلات اور قیمت کا بڑھ جانا وغیرہ اور اس طرح نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی کی گئی ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 131 میں ہے لَنَرْجُمَنَّكُمْ اس سے پتھروں کے ذریعے مارنا یا گالیاں اور ڈانٹ مراد ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ اس سے مراد قتل کرنا جوڑوں کو کاٹنا یا سخت مارنا مراد ہے۔

تفسیر 19: طَآئِرُ انسان کے مقررہ حصے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں جس سے مراد بدحالی ہے مَعَكُمْ تمہارے برے اعمال کی وجہ سے تمہارا برا حال لازم ہے اور ان پر یہ برا حال اللہ کے حکم سے آتا ہے اور وہ اس کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اسی وجہ سے سورۃ اعراف آیت 131 میں عِنْدَ اللّٰهِ فرمایا گیا ہے اور جب سورۃ اعراف میں فرعونیوں کا رد ہے اور وہ لوگ زیادہ سرکشیوں کیوجہ سے عذاب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں مانتے تھے تو ان کے جواب میں اسلئے عند اللہ کہا گیا ہے اور ان آیات میں یہ قوم اپنے اعمال کی سزا نہیں مانتی تھی تو اس وجہ سے ان کے جواب میں مَعَكُمْ کہا گیا ہے اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ: اس کی جزاء مقدر ہے یعنی تم لوگ تذکیر کے ساتھ تطیر کرتے ہو یعنی نصیحت میں نحوست ڈھونڈتے ہو بَلْ اَنْتُمْ اس میں صراحت ہے کہ تمہارے برے حالات کا سبب اسراف یعنی کفر، شرک اور دین سے لوگوں کو روکنا ہے۔ فائدہ: ان آیات سے معلوم ہوا کہ تطیر یعنی برا حال بیماریاں وغیرہ ہر انسان پر اسکے اعمال کیوجہ سے آتی

تو اس کی نسبت مکان یا زمانے یا دوسرے انسان کی طرف کرنا جائز نہیں ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا طِيَرَةَ فِي الْإِسْلَامِ (صحیح مسلم باب الطیر ۃ حدیث 2223) اسلام میں بدشگونی نہیں ہے، یعنی اسلامی اصول یہ ہے کہ اپنے برے حال کا سبب دوسرے کے عمل یا صفت کو نہیں بتانا ہے بلکہ اپنے عمل کو اسکا سبب مانو گے۔

تفسیر 20 اسی طرح سورۃ قصص آیت 20 میں گزر چکا ہے سورہ قصص میں رَجُلٌ پہلے ذکر کیا گیا تھا اور یہاں رَجُلٌ بعد میں ذکر ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ قصص میں نبی ﷺ کو قتل سے بچانے کی حفاظت ہے اور اس سورۃ میں انبیاء کی تکذیب سے حفاظت ہے اور پہلا کام دوسرے کی نسبت زیادہ اہم ہے اور رجولیت (کامل مرد) کی حفاظت اس صفت کیساتھ بیان کی یعنی وہ انسان بہادر ہے جو انبیاء کی حفاظت کرے اور انکا ساتھ دے۔ اب دنیا میں انبیاء زندہ نہیں ہیں مگر ان کی سنت کی حفاظت اس زمرے میں موجود ہے۔ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ امتی پر لازم ہے کہ نبی کی اتباع کی طرف لوگوں کو بلائے۔

تفسیر 21: اس میں دو علتوں کا ذکر رسولوں کی اتباع کے لزوم کے لئے ہے پہلی علت انسانوں سے کسی عوض کا طمع نہ رکھنا اور یہ اخلاص کی دلیل ہے اور ایسا انسان حق بھی نہیں چھپاتا ہے دوسرا مقصد یعنی وحی کی دلیل کی پیروی کرنا اور وحی کے موافق عمل کرنا اور یہ حقانیت کی دلیل ہے۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا
تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ
ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

"اور مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس ذات نے مجھے شروع سے پیدا کیا ہے اور خاص اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [22] کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی معبودوں کو پکڑ لوں اگر رحمان ذات مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو مجھ سے انکی سفارش کچھ دور نہیں کر سکتی ہے اور نہ یہ لوگ مجھے چھڑا سکتے ہیں [23] بیشک میں تو اوس وقت ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا [24] بیشک میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں تو میری باتوں کو سن لو [25] کہا گیا (اس کی موت کے بعد روح کو) داخل ہو جا جنت میں اس نے کہا افسوس کہ میری قوم بھی جان لے [26]۔

تفسیر 22: اس آیت میں احسن طریقے سے توحید کی طرف دعوت ہے اس وجہ سے کہ بات کا آغاز اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے کیا ہے تاکہ مخاطب کو برا نہ لگے اور بات کی انتہاء مخاطب کی طرف لوٹانا ہے اور یہ سوال کا جواب ہے یعنی جب قوم نے ان سے سختی سے کہا کہ آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں تو اس نے کہا ہاں انکا ساتھ چھوڑنے کے لئے میرے پاس کوئی عذر اور دلیل نہیں ہے اور فَطَرَنِيْ میں توحید فی العبادۃ کی دلیل ہے اور وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ: میں موت کے بعد اٹھانے کا عقیدہ ہے مَا لِيَ میں عذر کا نہ ہونا ذکر کیا گیا ہے اور فَطَرَنِيْ میں مقتضی اور سبب ذکر ہے اور عدم مانع وجود کے سبب سے پہلے ہونا چاہئے اور ان دونوں کے جمع ہونے سے حکم واجب ہوتا ہے۔

تفسیر 23: گزشتہ آیت میں اثبات توحید تھا اور اس آیت میں شرک کا رد ہے اور مشرکین کے دوسرے سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے ساتھ دیگر معبودوں کی شرکت بھی جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور میں معبودیت کی صفت نہیں پائی جاسکتی ہے اور وہ دو چیزیں ہیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو سفارش کے ذریعے سے بدل دے اور اس قسم کی شفاعت کو قہر یہ کہا جاتا ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا معتبر وعزت والا شخص ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو بدل ڈالے یا ایسا دوست اور مطلق محبوب ہو کہ اللہ انکی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو اور اپنا ارادہ چھوڑ دے ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اپنی طاقت اور زور سے اللہ

کے ارادے کو بدل ڈالے اور ایک انسان کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف کسی مصیبت سے بچائے

تفسیر 24: یہ تیسرے سوال کا جواب ہے انہوں نے کہا کہ ایسا عقیدہ رکھنے سے کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا ہے تو جواب ہوا کہ یہ واضح گمراہی ہے۔

تفسیر 25: یہ چوتھے سوال کا جواب ہے کہ آپ ہماری مخالفت (شرک کے رد) میں کیوں اتنے سخت ہیں؟ تو جواب دیا کہ یہ مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ شرک پر صریح رد کرے۔ فَاسْمَعُوْنِ: اس سے مراد فکر کرنا اور اسکی نصیحت کو قبول کرنا ہے اور دوسری بات یہ قوم کو تنبیہ ہے کہ پھر ایسے نہ کہنا کہ آپ نے ہمیں حق بیان نہیں کیا تھا۔

تفسیر آیت 26: اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین اس آدمی کے پاس جمع ہوئے اس پر چھلانگیں لگائیں اسکی انتڑیاں باہر نکال دیں پتھروں سے مار اکنویں میں گرایا (ان لوگوں کو اصحاب الرس) کہا جاتا ہے اور ان کی گردن میں سوراخ کیا اور شہر کے میدان میں لٹکایا اور آری بلیڈ کے ذریعے دو ٹکڑے کیا یہ مختلف اقوال ہیں مطلب ایک ہی ہے کہ اسکو شہید کر دیا اور جب صحیح حدیث متفق علیہ سے ثابت ہے کہ شہید کی روح جنت میں داخل ہوتی ہے اس وجہ سے کہا گیا اُدْخُلِ الْجَنَّةَ بدن انکے درمیان مردہ پڑا تھا لیکن روح کو خطاب ہوا ہے اور قِيْلَ سے مراد عموم ہے یعنی ہر طرف سے اللہ تعالیٰ اور ملائک کی آوازیں بلند ہوئی تھیں کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ جنت میں قوم کے ایمان لانے کا ارمان کیا یہ اس کا نہایت اخلاص تھا۔

بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ۝٢٧ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا
مُنْزِلِينَ ۝٢٨ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ ۝٢٩ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ
إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٣٠ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝٣١

اس بات کی وجہ سے کہ جس پر میرے رب نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے عزت والوں میں سے بنا دیا[27] اور ہم نے اس کی قوم پر اسکے بعد آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم ایسے وقت میں نازل کرنے والے تھے[28] انکی ہلاکت صرف ایک چیخ (آواز) تھی تو اس وقت یہ بجھ کر رہ گئے[29] ایسے بندوں پر افسوس ہے کہ انکے پاس کوئی بھی نبی نہیں آتا مگر یہ لوگ اسکا مذاق اڑاتے ہیں[30] کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کیا ہے کہ وہ لوگ انکی (دنیا کی) طرف واپس پلٹ کر نہیں آئیں گے[31]۔

تفسیر 27: بِمَا غَفَرَ لِي. اس سے مراد توحید کا مسئلہ ہے جو کہ معافی اور کرامات کا سبب ہے یعنی افسوس ہے کہ میری قوم اس مسئلے پر علم اور عقیدہ نہیں رکھتی ہے الْمُكْرَمِينَ: معلوم ہوا کہ توحید کی وجہ سے بڑی کرامت شہادت ہے اور جنت میں داخل ہونا ہے اور اسکا یہ قول بدر کے شہداء کے قول کی طرح ہے کہ جب جنت میں انکی روحیں داخل ہوئیں تو انہوں نے کہا يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِنَا لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ وَلَا يَنْكُلُوا عَنِ الْحَرْبِ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری بات ان تک پہنچا دوں گا تو سورۃ آل عمران میں شہداء کے متعلق آیت نازل کی گئی اور اس طرح قول بئر معونہ کے (70 قراء) شہداء کا بھی ہے۔ بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا۔

تفسیر 28: اس آیت میں اس قوم کی ہلاکت حقارت کی وجہ سے ذکر ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں ان کی ہلاکت میں لشکروں کے بھیجنے کا محتاج نہیں ہوں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلے میں ایک پر کی حیثیت بھی نہیں رکھتے ہیں مِنْ بَعْدِهِ: اس میں اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف اشارہ ہے جو کہ اس مومن کو قتل کرنا تھا یعنی ہماری یہ عادت نہیں ہے کہ ایک قوم کی ہلاکت کے لئے لشکروں کو بھیج دیں اگر کوئی سوال کرے کہ غزوہ بدر، احزاب اور حنین میں ملائک کو بھیجا ہے اور ان کو بھی جنود کہا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہلاکت دو طرح ہوتی ہے ایک پوری قوم کو ایک ساتھ ہلاک کرنا جو اس آیت میں مراد ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ لشکروں کو نہیں بھیجتا ہے۔ دوسری قسم چند لوگوں کو حالت جنگ میں ہلاک کرنا ہے اور اس حال میں اللہ تعالیٰ نصرت کے طور پر ملائک کے لشکر بھیجتا ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم ذات ہے۔

تفسیر 29: اس آیت میں اس قوم کے عذاب کا ذکر ہے مفسرین نے لکھا ہے جبرائیل علیہ السلام آئے اور اس قوم کے شہر میں دروازے کی چوکھٹ پکڑلی اور ایک خوفناک چیخ (آواز) نکالی جسکے ساتھ وہ لوگ مر گئے لفظ وَّاحِدَةً اور خٰمِدُوْنَ میں اس کی حقارت کی طرف اشارہ ہے خٰمِدُوْنَ میں آگ کے بجھنے کے ساتھ مشابہت ہے یعنی انکا غصہ اور تکبر وغیرہ ایسے بجھ گئے جیسے آگ بجھ جائے اور راکھ بن جائے۔ فائدہ: اکثر مفسرین نے اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ رسول موسیٰ علیہ السلام کے قاصدین تھے اور انطاکیہ شہر کی طرف بھیجے گئے تھے اور پھر ان کے ساتھ ایک چرواہا (رجل مومن) بھی ساتھ ہو گیا اور اس کو شہید کر دیا گیا، تو پھر اس شہر پر چیخ کا عذاب نازل ہوا اور اسکی تائید میں ایک حدیث بھی ذکر کی ہے جو زمخشری نے کشاف میں مرفوعاً نقل کی ہے اور امام طبرانی (نے کبیر 11152 میں نقل کیا ہے مجمع الزوائد 14598، علامہ ہیثمی وزبیر صاحب نے ضعیف قرار دیا ہے) کہ سبقت کرنے والے (جنہوں نے پل جھپکنے کے برابر بھی کفر نہیں کیا) انبیاء کی طرح وہ تین افراد ہیں یوشع علیہ السلام اس نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی تھی اور صاحب یٰس نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی طرف مگر مفسر ابن کثیر نے بہت ساری وجوہات کی وجہ سے اس کا رد کیا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ . فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ اور بعد والے جملے واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے دوسری توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے ان پر بشریت کا اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا بندے کے قاصد پر بشریت کا اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ انطاکیہ اُن چار شہروں میں سے پہلا شہر ہے جس کے رہنے والوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا 1۔ قدس، 2۔ انطاکیہ، 3۔ اسکندریہ، 4۔ رومیہ جب ایمان لایا تو پھر ان کو کیوں ہلاک کیا گیا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ سورۃ قصص آیت 43 کی تفسیر میں اکثر سلف صالحین سے منقول ہے کہ تورات کے نزول کے بعد کسی امت پر استیصالی عذاب نہیں آیا یعنی ایسا عذاب جس سے پوری قوم ہلاک ہوئی ہو اور اس واقعے میں تو صراحت ہے کہ وہ ساری بستی ہلاک ہو گئی تھی طبرانی اور زمخشری کی حدیث منکر ہے اس کی سند میں حسین بن الحسین الاشقر ہے اور وہ شیعہ اور متروک راوی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ایک قوم کا تھا اور ہو سکتا ہے کہ اس قوم کے شہر کا نام انطاکیہ ہو۔

تفسیر 30: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ یہاں سوال ہے کہ حسرۃ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اس لئے کہ حسرۃ نادم ہونا ہے اور کسی کام پر تھکاوٹ ظاہر کرنا مراد ہے اس کے بہت سارے جوابات ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ حسرۃ دلیل

اور ملاقات کے معنی میں ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دوسرا جواب ہے کہ یہ بندوں کے افسوس کی خبر ہے کہ وہ اپنے نفسوں پر حسرۃ کرینگے یعنی ایسے وقت میں بندے اپنے انکار اور تکذیب پر افسوس کرینگے تیسرا جواب عباد سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں کافر کہیں گے ہائے افسوس کہ ان بندوں کی تکذیب کیوں کررہے تھے چوتھا جواب یہ قول ملائکہ کا ہے پانچواں جواب یہ قول ان تین رسولوں کا ہے لیکن ملائکہ اور رسولوں کا جواب ان لوگوں کے انکار کرنے پر ہے جیسے بعد والے جملے مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ میں ہے اسلئے کہ انکے عذاب پر افسوس کرنے سے منع آیا ہے۔ جیسے فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (سورۃ مائدۃ آیت 68)

تفسیر 31 : اس آیت سے آیت 71 تک دوسرا باب ہے اس میں پہلا زجر ہے پھر دس عقلی دلائل ہیں اور اس آیت میں تین قسم کی زواجر ہیں (۱) زجر وعید بالاعراض (۲) زجر بالاستھزاء (۳) زجر بانکار الحشر پھر تخویف اُخروی ہے آیت 51 سے آیت 68 تک اور درمیان میں بشارت ہے اور آخر میں ایک شبہے کا جواب ہے جو سورۃ کی ابتداء سے متعلق ہے اس آیت 31 میں زجر ہے اور ساتھ تخویف دنیاوی بھی ہے اور یہ آیت واضح دلیل ہے کہ جو لوگ فوت ہو چکے ہیں وہ دنیا کی طرف واپس پلٹ کر نہیں آسکتے ہیں جیسے سورۃ مومنون آیت 100 اور سورۃ انبیاء آیت 95 میں گزر چکا ہے۔

وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝٣٢ وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
يَأْكُلُونَ ۝٣٣ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝٣٤ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا
عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝٣٥ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَ
مِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۝٣٦ وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۝٣٧ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ
ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝٣٨

"اور کوئی بھی نہیں ہے مگر سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائینگے [32] اور انکے لئے بڑی دلیل بنجر زمین ہے جس کو ہم تازہ بنائیں اور اس سے ہم نے دانے نکالے تو ان میں سے بعض وہ کھاتے ہیں [33] اور ہم نے اس میں کھجور کے باغات بنائے اور انگور کے اور ہم نے اسمیں نہریں جاری کی ہیں [34] تا کہ اس میں کچھ پھل کھالیں اور ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا ہے تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ہیں [35] اس ذات کے لئے پاکی ہے جس نے تمام قسموں کو پیدا کیا جسکو زمین اگاتی ہے اور ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں میں سے جس کو یہ لوگ نہیں جانتے ہیں [36] اور ان کے لئے توحید کی بڑی دلیل رات ہے ہم اس سے دن کو نکالتے ہیں تو اس وقت یہ لوگ اندھیروں میں ہوتے ہیں [37] اور سورج اپنے وقت مقررہ پر چلتا ہے (سورج کی حرکت) یہ غالب جاننے والی ذات کا اندازہ ہے [38]۔

تفسیر 32: یہ تخویف اُخروی ہے اِنْ نافیہ ہے كُلٌّ لَّمَّا مبتدا ہے اِلَّا کے معنی میں ہے جَمِيعٌ خبر اول ہے اور مجموعون کے معنی میں ہے۔

تفسیر 33: یہ آیت اور اسکے بعد آیت 44 تک شفاعت شرکیہ کے رد اور حشر کے اثبات کے لئے دلائل ہیں اور ان دلائل میں انعامات ذکر کئے گئے ہیں۔ حَبًّا گندم کے دانے جو مکئی اور چاول کے دانے وغیرہ جو غذا کے متعلق ہوں۔

تفسیر 34: اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو پھلوں کے ساتھ متعلق ہیں اور پہلی آیت میں بارش کے پانی کا ذکر کیا تھا اور اس آیت میں چشموں کا پانی ذکر کیا ہے اور یہ بہتر ترتیب ہے نَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ عرب میں یہ دو اقسام زیادہ ہیں اور نخیل کو اس وجہ سے پہلے ذکر کیا کہ اس میں فائدے زیادہ ہیں غذا بھی ہے فاکھہ پھل بھی ہے اور اسی طرح اسکی لکڑی پتے جس کی شاخیں اور پھل خشک اور تازہ اور کھجور تمام انعامات فائدوں والے ہیں اور اس کی زینت بھی یہ ہے کہ اسکے پتے

نہیں کرتے ہیں۔ فَجَّرْنَا زمین کے اندر بعض پانی اور زمین کی باطنی رگوں میں پانی چلانا فائدوں کے لئے یہ لفظ سب کیلئے ہے فِيْهَا اس کی ضمیر زمین یا جَنّٰتٍ کی طرف راجع ہے۔

تفسیر 35: مِنْ ثَمَرِهٖ اس میں ضمیر مذکر تاویل کے ساتھ جنات یا دونوں کی طرف راجع ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ما موصولہ ہے اور ثمرہ پر عطف ہے اور اس سے مراد وہ رس جوس اور مشروبات ہیں جو پھلوں سے بنتے ہیں اور روٹی اور تیل وغیرہ جو دانوں سے بنتے ہیں یا ما نافیہ ہے اور مشرکین کا رد ہے یعنی یہ پھل تو انسانوں نے اور انکے باطل معبودوں نے نہیں بنائے ہیں۔

تفسیر 36: یہ توحید کے دعوے کی دوسری عقلی دلیل ہے لفظ سُبْحٰنَ کیساتھ ذکر ہے۔ گزشتہ آیتوں میں صرف زمین کی اشیاء کا ذکر کیا ہے اور اس میں اسکے ازواج اور قسمیں ذکر کیں۔ الْاَزْوَاجَ زوج کی جمع ہے قسم کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد رنگ، شکل اور ذائقوں کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کو ازواج کہا جاتا ہے یا اس سے مراد مذکر اور مونث ہیں اسلئے کہ اہل علم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام پودوں میں مذکر اور مونث ہیں اور سورۃ ذاریات کی آیت 49 بھی اس پر دلیل ہے۔ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ خشکی، تری، زمین اور آسمانوں میں ایسی مخلوق ہے جو انسانوں کے علم میں نہیں ہے بلکہ ملائک کے علم میں بھی نہیں ہے۔

تفسیر 37: یہ دوسری دلیل عقلی ہے گزشتہ آیتوں میں مکانی اور سفلی انعامات تھے اور اس میں زمانی وسطی انعامات ذکر کر رہا ہے اور وَ اٰيَةٌ کے ساتھ ذکر کیا ہے اسلئے کہ یہ توحید پر واضح دلیل ہے نَسْلَخُ سَلَخَ اصل میں زندہ جانور سے چمڑا اتارنا ہے لہذا یہ بطور تشبیہ ذکر کیا ہے یعنی رات جانور کے بدن کی طرح ہے اور دن کی روشنی اسکے اوپر چمڑے کی طرح ہے اس میں رات کو اصل قرار دیا گیا ہے اسلئے کہ ظلمت عدمی ہے۔ اور اسی وجہ سے رات مہینوں کے حساب میں دن سے پہلے شمار کی جاتی ہے مُّظْلِمُوْنَ اندھیروں میں آرام ہوتا ہے اور قیام اللیل کی لذت حاصل ہوتی ہے تو اسے بھی انعامات میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر 38: یہ دوسری دلیل عقلی ہے اور یہ سبب ظاہری کا ذکر ہے مسبب کے بعد یعنی رات اور دن کا ظاہری سبب سورج اور چاند کی گردش ہے۔ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا: اس سے مراد تحت العرش ہے یا سورج کا مغرب سے نکلنے کا وقت ہے جو دنیا کے فنا ہونے کے قریب ہوگا اور ان دونوں پر صحیح حدیث دلیل ہے صحیح بخاری کتاب الخلق حدیث 3199، صحیح مسلم کتاب

الایمان حدیث 2186 ہے (تنبیہ) سوال حدیث دلالت کرتی ہے کہ یہ سورج عرش کے پیچھے سجدہ کرتا ہے پھر اللہ تعالٰی سے اجازت طلب کرتا ہے تو اجازت دی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ حِسًّا اور عقلاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورج کسی بھی حال میں حرکت نہیں چھوڑتا ہے کہ ہر وقت چلتا ہے اگرچہ کسی علاقے سے غائب ہو جاتا ہے لیکن دوسرے علاقے میں غائب نہیں ہوتا ہے تو اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ جواب یہ ہے کہ سورج کا سجدہ اس کی حرکت کے ساتھ منافی نہیں ہے حالت حرکت میں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہوتا ہے اور اذن طلب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہر لمحہ اذن الٰہی سے جاری رہتا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

"اور چاند کے لئے ہم نے منزلوں کو مقرر کیا ہے یہاں تک کہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح بن جاتا ہے [39] نہ سورج کے لئے ممکن ہے کہ چاند کو پالے اور نہ ہی رات دن سے سبقت کرنے والی ہے اور یہ سب آسمان میں گردش کرتے ہیں [40] اور ان کے لیے توحید کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں اٹھایا [41] اور ہم نے ان کے لئے اسی طرح وہ چیزیں بنائی ہیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں [42] اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر لینگے تو ان کا کوئی فریاد سننے والا نہ ہوگا اور نہ ان کا چھڑایا جائے گا [43] مگر یہ ہماری طرف سے رحمت ہے اور ایک وقت مقرر تک فائدے ہیں [44]۔

تفسیر 39: یہ دوسری دلیل ہے مَنَازِلَ ہر رات جب چاند مختلف جگہوں میں ظاہر ہوتا ہے تو اسکو منازل کہا جاتا ہے اور وہ اٹھائیس 28 ہیں اور اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو رات یہ چاند چھپا ہوا ہوتا ہے اور اگر 29 کا ہو تو ایک رات چھپا ہوتا ہے حَتّٰى عَادَ یعنی پہلی رات سے اسکا آغاز ہوتا ہے تو چودھویں رات پر مکمل ہوتا ہے پھر کم ہونا شروع ہوتا ہے تو آخر میں ابتدائی حال کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ جب کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو کر اور سوکھ جائے تو باریک۔

ٹیڑھا اور پیلا ہو جاتا ہے تو اسی طرح چاند بھی ہوتا ہے۔

تفسیر 40: یہ ایک اور دلیل ہے۔ مراد یہ ہے کہ رات اور دن سورج اور چاند کا نظام نہیں بدلتا ہے اس آیت میں تین جملے ہیں پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ چاند کی رفتار تیز ہے سورج اس تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس میں اشارہ ہوا کہ دن رات پر سبقت نہیں کر سکتا ہے اس انداز سے کہ دونوں ایک وقت میں اکٹھے ہو جائیں اور دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ رات دن کیساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتا ہے سوال اگر کہا جائے کہ اس طرح کہنا چاہئے تھا۔ وَلَا الْقَمَرُ يُدْرِكُ الشَّمْسَ، جواب چاند اپنی رفتار میں سورج سے آگے ہو سکتا ہے لیکن اسکی وجہ سے دن رات کا اختلاط نہیں آ سکتا ہے تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں حرکت کرتے ہیں اور فَلَكٍ سے مراد ان کے لوٹنے کی جگہ ہے اور وہ آسمانوں سے نیچے ہے اور جن آیتوں میں فِي السَّمَآءِ آیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ سورج اور چاند آسمان کی طرف میں ہیں اور اسی طرح سورۃ انبیاء آیت 33 میں بھی گزرا ہے فَلَكٍ فَلْكَةُ الْمُغْزِلْ سے لیا گیا ہے اس مشین کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے روئی سے دھاگہ بنایا جاتا ہے اردگرد اسکی حرکت ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ چاند اور سورج کی حرکت بھی اردگرد ہے۔

تفسیر 41، 42: یہ ایک اور دلیل عقلی ہے خشکی کے بعد سمندر کی نعمت کا ذکر کیا جا رہا ہے ذُرِّيَّتَهُمْ تمام نوع انسانیت کو کہا جاتا ہے چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے ہو مذکر ہو یا مؤنث اور اس سے مراد نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے ہیں جو کشتی میں طوفان کے عذاب سے بچائے گئے ہیں اور مِّثْلِهِ سے مراد بعد والے لوگوں کے لئے کشتیاں اور لانچ وغیرہ ہیں یا ذُرِّيَّة سے مراد مطلقا بڑے ہیں اور الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ سے مراد مطلق کشتیاں ہیں اور مِّثْلِهِ سے مراد سواری کے اسباب ہیں چاہے خشکی میں ہوں یا تری میں۔

تفسیر 43، 44: اس آیت میں شفاعت شرکیہ کا واضح رد ہے صَرِيخَ کا معنی فریادرس او مُغِيث اور غوث ہے اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا یہ تقدیری وجہ سے استثنیٰ ہے یعنی ہم ان کو رحمت سے بچاتے ہیں یعنی اللہ پر انکا بچانا واجب نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اللہ کا فائدہ ہے۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے آپکو اس عذاب سے بچاؤ جو تمہارے آگے اور تمہاری پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں)[45] اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی نہیں آتی ہے ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر یہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں[46]۔

تفسیر 45،46: یہ انکے تقویٰ کے عمل اور آیات سے اعراض کرنے پر زجر ہے یعنی عذاب کے ڈرنے سے ایمان نہیں لاتے ہیں اور آیت اور معجزہ کے دیکھنے پر بھی ایمان نہیں رکھتے ہیں پہلی آیت سے ربط یہ ہے کہ غرق ہونے کے عذاب سے تو اللہ کے رحم سے نجات حاصل ہو سکتی ہے لیکن عام عذاب سے نجات اور اس کی رحمت خاصہ کے حصول کا ذریعہ تقویٰ ہے۔ مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ پہلے سے مراد دنیا کا عذاب ہے گزشتہ تکذیب کرنے والی قوموں کی طرح اور دوسرے سے مراد آخرت کا عذاب ہے دوسرا قول اس کے برعکس ہے اور إِذَا کی جزا محذوف ہے جو کہ أَعْرَضُوْا ہے جو کہ دوسری آیت کے قرینے سے ثابت ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۴۷﴾

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے تو یہ لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم انکو کھلائیں جن کو اللہ چاہتا تو کھلاتا تم تو واضح گمراہی میں ہو[47]۔

تفسیر 47: یہ دوسری زجر ہے کہ انہوں نے باطل عذر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے امر سے انکار کیا ہے أَنْفِقُوا اس سے مراد شرعی انفاق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر مسکینوں پر خرچ کرو غیر اللہ کے نام پر بتوں کے مجاور اور قبروں پر خرچ مت کرو اسلئے کہ وہ انفاق نہیں بلکہ اسراف ہے اور عام مسکین اس وقت مکہ معظمہ میں مومن تھے تو معلوم ہوا کہ توحید کے ساتھ یہ امر عبادات مالیہ میں ہے ورنہ صرف صدقہ دینے پر مشرک مخاطب نہیں بن سکتا ہے قَالُوا أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ اس قول میں تین احتمالات ہیں پہلا قول یہ استہزا ہے یعنی یہ لوگ ایمان والوں سے سنتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور اسی طرح یہ

بھی سنتے تھے کہ ایمان والے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تمہارے قول کے مطابق اللہ نے ان کو فقیر بنانے کا ارادہ کیا ہے جب وہ ان کو رزق نہیں دیتا ہے تو ہم ان کو کیسے رزق دیں دوسرا احتمال امام ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ موافقت کا اقرار کرتے ہیں کہ جن کو اللہ نہیں کھلاتا تو ہم بھی ان کو نہیں کھلاتے ہیں جیسے ایک دیہاتی کا واقعہ ہے کہ وہ سرخ اونٹوں کو اچھی گھاس اور سرسبز وشاداب زمین میں چراتا اور کمزور اونٹ کو بنجر اور خشک زمین پر چراتا تھا کسی نے اس کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ میں اسکی عزت کرتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور اسکی بھی تحقیر کرتا ہوں جس کو اللہ نے ذلت دی ہے جبکہ یہ سب اس کی جہالت تھی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر آزمائش اور امتحان لاتا ہے انفاق کے اعتبار سے تیسرا احتمال امام قرطبی وغیرہ کا قول ہے کہ انکا یہ قول فِي نَفْسِهٖ ان کے نزدیک صحیح ہے لیکن اس سے حجت لینا غلط ہے یہ ایسا ہے کہ (كَلِمَةُ الْحَقِّ أُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ) صرف بخل اور کنجوسی کرنے کا تھا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر انکی رضامندی ظاہر کرنا مقصد نہیں تھا۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: یہ ایمان والوں سے کافروں کا قول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ارادے کی مخالفت کرتے ہو اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے مقابلے کا حکم دیتے ہو تو تم گمراہ ہو یا یہ قول اللہ تعالیٰ کا کافروں سے ہے کہ تمہاری یہ بات گمراہی کی وجہ سے ہے اسلئے کہ تم اللہ کے حکم سے انکار کرتے ہو فائدہ: صیغہ اَنْفِقُوْا کے ذریعے امر ہے اور لفظ اَنُطْعِمُ کیساتھ امکا انکار ذکر ہے اسکی وجہ انفاق عام ہے اور اطعام اس میں ایک خاص اہم فرد ہے تو اسمیں منکرین کے زیادہ بخل اور کنجوسی کی طرف اشارہ ہے لیکن کھانا کھلانا جو اسکا حصہ ہے وہ بھی نہیں کرتے ہیں۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور یہ لوگ کہتے ہے کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو [48] یہ لوگ صرف ایک زوردار آواز کا انتظار کرتے ہیں جو ان کو اس حال میں پکڑے گا کہ یہ لوگ جھگڑتے ہونگے [49]۔

تفسیر 49: یہ بعث بعد الموت کے انکار کرنے کے اعتبار سے تیسری وعید ہے اور مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ کے ساتھ متعلق ہے۔ جب انکا یہ سوال عنادی تھا تو قیامت والے دن کی ہیبت کا ذکر کرتے ہوئے جواب دیا صَيْحَةً وَّاحِدَةً اس سے مراد تمام عالم کے فنا ہونے کے لئے پہلا صور پھونکنا ہے وَّاحِدَةً سے مراد ایک مرتبہ صور میں پھونکنا اور فنا ہونا ہے یہ

نہیں کہ دوسری مرتبہ نفخہ نہیں ہے اور نفخہ کی جگہ ہیبت کے لئے صَيْحَةً ذکر کیا ہے وَهُمْ يَخِصِّمُونَ: یعنی یہ لوگ دنیاوی چیزوں میں بحث کرتے اور جھگڑتے ہیں توبہ نہیں کرتے ہیں مرفوع حدیث میں ہے کہ قیامت ایسے حال میں قائم ہوگی کہ دو آدمیوں نے کپڑا بچھایا ہوگا بیچنے کیلئے تو ابھی لپیٹا نہیں ہوگا کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور ایک شخص نے جنس جانوروں کیلئے مٹی یا سیمنٹ سے پلستر کیا ہوگا لیکن جانوروں کو سیراب نہیں کیا ہوگا کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور ایک شخص نے ترازو جھکائی ہوگی اٹھائی نہیں ہوگی کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور ایک شخص نے کھانے کا نوالہ منہ کی طرف اٹھایا ہوگا نوالہ کھایا نہیں ہوگا کہ قیامت قائم ہوجائیگی (متفق علیہ)۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ ۗ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

"تو یہ لوگ وصیت کی طاقت نہیں رکھ سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھروں کی طرف پلٹ سکیں گے [50] اور صور میں پھونکا جائے گا تو اس وقت یہ لوگ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ لگائینگے [51] یہ لوگ کہیں گے ہائے تباہی ہے ہمیں اپنی آرام کی جگہ سے کس نے اٹھایا یہ وقت ہے کہ رحمان نے وعدہ لیا ہے اور رسولوں نے سچ کہا ہے [52]۔

تفسیر 50: مراد یہ ہے کہ اس جگہ میں اچانک مرجائینگے جہاں ان کے معاملات ہوتے ہیں ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔

تفسیر 51: اس آیت میں تفصیلاً تخویف اخروی کا ذکر کیا جارہا ہے اس آیت میں دوسرے صور کا ذکر ہے جو کہ بعث بعدالموت کے لئے ہے اور مرفوع حدیث (صحیح بخاری حدیث 4814-4935- صحیح مسلم حدیث 2955- فی الفتن- نسائی فی الکبریٰ فی التفسیر حدیث 11459)۔ میں آیا ہے کہ دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔

[] تفسیر 52: مَرْقَدِنَا سوال: مَرْقَدِ نیند کی جگہ کو کہا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان قبروں میں کچھ تکلیف اور عذاب نہیں تھا اور حالانکہ عذاب قبر پر بہت سارے دلائل دلالت کرتے ہیں تو پہلا جواب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبر کا عذاب پہلے نفخے تک ہے دوسرے نفخے تک عذاب نہیں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مرقد مجاز کے طور پر موت کی جگہ ہے کہ نیند موت کی بہن ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ ان پر قیامت کے مصیبتیں اتنی زیادہ ہیں کہ اسکے مقابلے میں انکو عذاب قبر آرام گاہ نظر آتا ہے۔ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ یہ قول اللہ تعالیٰ یا ملائک کا ہے یا مجرم کے اعتراف کیساتھ یہ مجرمین کا قول ہے وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ: معلوم ہوا کہ بعث بعدالموت تمام رسولوں کی دعوت ہے۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا
مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ
مُتَّكِئُونَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿۵۷﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا
الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۹﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۰﴾

"یہ توصرف ایک ہی چیخ ہے تو اس وقت یہ سب لوگ ہمارے پاس حاضر کئے جائینگے [53] تو آج کے دن کسی نفس پر کچھ ظلم بھی نہ کیا جائے گا اور تمہیں صرف ان اعمال کا بدلہ دیا جائیگا جو تم عمل کرتے تھے [54] بیشک جنتی آج کے دن مصروفیات میں خوش ہونگے [55] وہ اور ان کی بیویاں سائے میں ہونگے پلنگوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہونگے [56] اس میں ان کے لئے پھل ہونگے اور وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے [67] مہربان ذات کی طرف سے سلام ہے [58] اور اے گنہگارو آج کے دن الگ ہو جاؤ [59] کیا میں نے تم سے پختہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ (بے دلیل چیز) کی بندگی نہیں کرو گے بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے [60]۔

تفسیر 53، 54: دونوں آیتوں میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے كَانَتْ کی ضمیر دوسرے نفخے کی طرف راجع ہے جس پر نفخ دلالت کرتا ہے۔

تفسیر 55، 56، 57، 58: ان آیتوں میں ایمان والوں کی بشارت کا ذکر ہے پہلی آیت میں انعامات کے مزے اور دوسری آیت میں زندگی کے آرام اور راحت کا ذکر ہے اور تیسری آیت میں کھانوں کا ذکر ہے اور چوتھی آیت میں سلام کا ذکر ہے فِي شُغُلٍ یہ لفظ عام ہے انعامات کی ان تمام لذتوں کو شامل ہے جو ان کو دنیا کے انعامات اور آگ والوں سے مشغول رکھیں گے اگرچہ یہ لوگ اقرباء (رشتہ دار) ہوں فَاكِهُونَ شغل کی تفصیل ہے یعنی یہ مصروفیت غم کی وجہ سے نہیں بلکہ خوشی کی وجہ سے ہے ظِلَالٍ بہت زیادہ آرام اور راحت کی طرف اشارہ ہے الْأَرَائِكِ: اریکہ دلہن کے پلنگ کو کہتے ہیں مُتَّكِئُونَ اشارہ ہے کہ یہ لوگ محنت کرنے سے فارغ ہونگے (اتکاء) اعتماد کیساتھ ایک ہی جانب کی طرف مائل ہونا یا چوکھڑی سے بیٹھنا فَاكِهَةٌ پھلوں کی بہت ساری اقسام کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اسکو تَفَكُّهًا (مزے) کے طور پر کھائینگے بھوک کی وجہ سے نہیں يَدَّعُونَ یہ تمنا اور اشتہا کے معنی میں ہے سَلَامٌ مبتدا ہے اسکی خبر محذوف

ہے یعنی لَھُمْ سَلٰمٌ یا لفظ مَا سے بدل ہے یا مَا یَدَّعُوْنَ کی صفت ہے اور خالص یا مُسَلَّم کے معنی میں ہے۔

تفسیر 59: یہاں سے آیت 65 تک تخویف اُخروی ہے اور یہاں یہ لفظ محذوف ہے یَقُوْلُ لِلْکَفَرَۃِ اور کافروں سے کہا جائے گا اے مجرمو الگ ہوجاؤ اَلْیَوْمَ اس وجہ سے کہا گیا کہ دنیا میں یہ لوگ مخلوط تھے مسلمان اور کافر سب تھے تو آخرت میں ان کو ایک دوسرے سے الگ کردیا جائیگا یا یہ کہ اے مجرمو ایک دوسرے سے الگ ہوجاؤ یعنی یہ لوگ مختلف گروہ بن جائینگے۔

تفسیر 60: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اس وجہ سے ذکر ہوا کہ شرک سے منع اور توحید کا حکم آدم علیہ السلام کے وقت سے شروع تھا اور آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اس کی مکلف ہے اَنْ لَّا تَعْبُدُوا عبادت طاعت کے معنی میں ہے یعنی اللہ کی اطاعت کی طرح شیطان کی اطاعت کرنا یہ شیطان کی عبادت ہے یا یہ کہ غیر اللہ کی ہر عبادت شیطان کی ہے اسلئے کہ اسی کے وسوسوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا ۔ اَفَلَمْ تَکُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ ھٰذِہٖ جَھَنَّمُ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْھَا الْیَوْمَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾

"اور یہ کہ تم میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے [61] بلاشبہ (وسوسوں کے ذریعے سے) تم میں سے شیطان نے بہت ساری جماعتوں کو گمراہ کیا ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو [62] یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ لیا گیا ہے [63] آج کے دن اس میں داخل ہوجاؤ اس وجہ سے کہ تم نے کفر کیا [64] آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دینگے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کرینگے اور ان کے پاؤں گواہی دینگے جو یہ لوگ کیا کرتے تھے [65]۔

تفسیر 61: اس میں توحید کا حکم ہے اور یہ دلیل ہے کہ صراط مستقیم توحید کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 62: یہ شیطان کی دشمنی کی علت ہے اور مشرکین کیلئے زجر ہے کہ گزشتہ گمراہ اقوام کی حالت سے تم عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے ہو جِبِلًّا اس سے مراد لوگ اور فرقے ہیں اور تفسیر السراج المنیر میں ہے کہ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ مخلوق پہاڑ کی طرح بڑے مجسم تھے لیکن اسکے باوجود بھی انکو شیطان نے دھوکے میں ڈالا۔

تفسیر 63، 64: یعنی ان کے لئے جہنم ظاہر کردیا جائے گا تو تب ان کو ایسا خطاب ہوگا تو معلوم ہوا کہ پہلے میدان حشر کا حال

تھا اور پھر انکو جہنم میں داخل کیا۔

تفسیر 65: اس تخویف میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں فیصلے صرف اپنے علم سے نہیں کرے گا بلکہ دنیا کے فیصلوں کی طرح فیصلے اقرار اور گواہوں کے ذریعے کرے گا اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ اس کی مشہور وجہ یہ ہے کہ لوگ شرک کرنے سے انکار کرینگے جیسے سورۃ انعام آیت 23 اور حم مؤمن آیت 14 میں ہے اور یہ انکار انکا جھوٹا ہے تو ان کے منہ بند کر دیے جائینگے یا اس وجہ سے کہ اس مخلوق کی شہادت جو کلام کرنے سے قاصر ہے زیادہ قوی ہے بنسبت اس کے جو کلام کرتی ہے اور اس آیت کی تشریح حدیث میں ہے جس کو بہت سے مفسرین نے یہاں نقل کیا ہے۔ (صحیح مسلم حدیث 2969، کتاب الزھد) فوائد: پہلا فائدہ: ختم کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اور ہاتھوں کے کلام کی نسبت اپنی طرف نہیں کی ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں کا کلام بھی اللہ کے قدرت سے ہے اس میں اشارہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کا کلام جبراً نہیں ہے بلکہ اختیار کیساتھ ہے اور منہ پر مہر لگانا اللہ تعالیٰ کے جبر کے ذریعے ہے۔ دوسرا فائدہ: ہاتھوں کی طرف کلام کی نسبت کی اور پاؤں کی طرف شہادت کی نسبت کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے ہوتے ہیں اور پاؤں حاضر ہوتے ہیں تو قول کرنے والے کا اقرار ہوتا ہے اور حاضر کی بات شہادت کہلاتی ہے۔ تیسرا فائدہ: اگر سوال کیا جائے کہ جب ہاتھ پاؤں نے برے اعمال کیئے ہیں تو یہ فاسق لوگ ہیں اور فاسق کی شہادت قبول نہیں ہوتی ہے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ انہوں نے یہ کام اختیار سے نہیں کیئے ہیں تو ان کی طرف فسق کی نسبت نہیں کی جا سکتی ہے دوسرا جواب: یہ ہے کہ انکی شہادت کو رد کرنے کے ضمن میں انکی شہادت قبول کرنا ہے اس لئے کہ اس دن یہ لوگ یا سچ کہیں گے یا جھوٹ بولیں گے اگر سچ کہیں گے تو جرم ان پر ثابت ہوگا اور اگر جھوٹ بولیں گے تو انہوں نے دنیا میں بھی ضرور گناہ کیئے ہونگے جیسے ایک فاسق سے کہا جائے گا کہ اگر تو نے آج کے دن جھوٹ بولا ہو تو میرا غلام آزاد ہو تو اگر وہ کہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو اسکا غلام آزاد ہوگا اس لئے کہ اس نے حقیقت میں جھوٹ بولا ہوگا تو شرط موجود ہوئی اور اگر جھوٹ نہ بولا ہو اور پھر بھی کہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو پھر شرط موجود ہوئی تو جزا ضرور واقع ہوگی۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝٦٦ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا
اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝٦٧ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝٦٨ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا
يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝٦٩

"اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے تو راستے کی طرف دوڑ لگائینگے تو کیسے یہ لوگ دیکھ سکیں گے [66] اگر ہم چاہیں تو ان کی صورتوں کو مسخ کر دینگے (تو کھڑے ہو جائینگے) اپنی جگہوں پر تو نہ آگے جانے کی طاقت رکھ سکیں گے اور نہ واپس پلٹ سکیں گے [67] اور جس کو ہم زیادہ عمر دیں تو ہم اس کے اعضا میں کمزوری پیدا کر دینگے تو کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے ہیں [68] اور ہم نے اس نبی کو شعر و شاعری نہیں سکھائی ہے اور نہ ہی اس کے لئے مناسب ہے نہیں ہے یہ کتاب مگر نصیحت اور واضح قرآن ہے [69]۔

تفسیر 66: یہ تخویف دنیاوی ہے ربط یہ ہے کہ جب گزشتہ آیتوں میں منہ بند کرنے کا ذکر تھا تو اس آیت میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انکی آنکھوں کو بھی بند کر دے اور یہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ بقرہ آیت 20 کی طرح ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے انکی باطنی آنکھیں ہدایت سے بند کی ہیں تو اس پر بھی قادر ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی ظاہری آنکھوں کو بھی بند کر دے دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انکی گمراہی کی آنکھوں کو بند کر لے گا اور انکو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر لے گا تو جب اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں کیا ہے تو فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ۔ لَطَمَسْنَا طَمَسَ اصل میں نابینے کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھوں کی مکمل علامات ختم ہو چکی ہوں آنکھوں میں بینائی بھی نہ ہو۔

تفسیر 67: یہ دوسرا تخویف دنیاوی ہے گزشتہ آیت میں صرف آنکھوں کا طمس تھا باقی انسانی صورت تو باقی ہے اور اس سورۃ میں مکمل صورت اور انسانی شکل کا بگاڑنا مراد ہے اس سے پتھر یا اور خنزیر بن جائے عَلٰى مَكَانَتِهِمْ یعنی مسخ کرنے سے پہلے جس جگہ میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو تو اس جگہ سے ہلنے سے پہلے مسخ کئے جائینگے یا اس سے مراد گناہ کرنے کی جگہ ہے مُضِيًّا آگے جانے والا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ بعد میں آنا مراد ہے ایسے جانور ان سے بن جائینگے کہ جو فائدے کی جگہ نہیں پہچانیں گے تو اپنی جگہ میں حیران کھڑے ہونگے۔

تفسیر 68: یہ ماقبل کی دلیل ہے یعنی قوتوں کے ختم کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اسلئے کہ بڑھاپے کی حالت میں تمام ظاہری

اور باطنی قوتوں کو ختم کرتے ہیں لیکن ان سے انبیاء کرام علیہم السلام محفوظ ہیں اَلْخَلْقِ اس سے مراد شکل وصورت، اعضا اور قوتیں ہیں۔

تفسیر 69: اس آیت میں قرآن کریم اور رسول کی سچائی ذکر کی ہے یہ سورۃ کی ابتداء سے متعلق ہے اور مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ یہ قرآن شعر ہے اور یہ نبی شاعر ہے اور اکثر شاعر جھوٹے ہیں اور گزشتہ آیت کیساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں عام لوگوں کی ظاہری اور باطنی کمزوری کا ذکر ہوا تو اس آیت میں نبی کی شان کا ذکر ہے کہ اس میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ایک معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شعر بنانے کی تعلیم نہیں دی ہے تو اسکے لئے اسکا بنانا آسان نہیں ہے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اشعار بنانا اس کی شان کے لائق نہیں ہے اسلئے کہ اشعار بنانے میں تکلف ہے اور یہ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کے خلاف ہے اور اس طرح کے اشعار اکثر حقیقت کے خلاف مضمون پر مشتمل ہوتے ہیں اور جب فصاحت اور بلاغت اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ مرتبے میں دی ہے فائدہ اس سورۃ میں صرف شعر کی نفی کی ہے کہانت اور جادو کی نفی نہیں کی ہے سو وجہ یہ ہے کہ کاہن یہ لوگ اس وقت کہتے کہ کوئی غیب کی کچھ خبر دی جاتی اور ساحر اس وقت کہتے کہ جب کوئی معجزہ پیش کیا جاتا اور شاعر اس وقت کہتے کہ فصاحت اور بلاغت کے ساتھ مضمون کا ذکر ہوتا تو اس سورۃ میں پہلے دونوں (اخبار بالغیب اور معجزہ) نہیں ہیں بلکہ تیسری چیز اس میں ہے تو انہوں نے اعتراض کیا کہ یہ شاعر ہے تو اسکی نفی کو خاص ذکر کیا ہے۔

لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا
فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا
یَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ
مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

" تا کہ یہ ان کو ڈرائیں جو زندہ ہیں اور کافروں پر حجت پوری ہو جائے [70] کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم نے انکے لئے ان چیزوں میں سے تابع کیا ہے جو ہمارے ہاتھوں نے جانور بنائے ہیں تو یہ لوگ اسکے مالک ہیں [71] اور ہم نے انکو انکے لئے تابع بنایا ہے تو ان میں سے بعض انکی سواریاں ہیں اور بعض کو یہ لوگ کھاتے ہیں [72] اور ان کے لئے اس میں فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے ہیں [73] اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ مدد کئے جائیں [74] وہ معبود طاقت نہیں رکھتے ہیں ان کی مدد کرنے کی بلکہ یہ مشرکین تو خود انکی لشکریں ہیں حاضر کئے گئے ہیں [75] لہٰذا نہ غم میں ڈالیں آپ کو ان کی باتیں بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں [76] "

تفسیر 70: اس آیت میں دو فوائد ذکر کئے گئے ہیں لف نشر مرتب کے ذریعے یعنی جب ذکر ہے تو اسکا فائدہ انذار ہے اور جب قرآن کو واضح پڑھ کر سنانا ہے تو کافروں پر حجت قائم ہو جائے گی حَیًّا اس سے مراد دل کا زندہ ہونا ہے جس کا ذکر سورۃ کی آیت 11 میں ہوا۔

تفسیر 71، 72، 73: اس آیت سے آخر تک تیسرا باب ہے اس میں شفاعت شرکیہ کے رد پر تین عقلی دلائل ذکر کئے گئے ہیں اور مشرکین کیلئے زجر ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے پھر منکرین بعث بعد الموت کیلئے زجر ہے اور قیامت کے اثبات پر چھ عقلی دلائل ہیں ان تین آیتوں میں جانوروں کے بارے میں انعامات ذکر کئے گئے ہیں پہلی آیت میں ملکیت کا انعام ذکر کیا ہے اور یہ ملکیت ظاہری ہے اور دوسری میں تین انعامات کا ذکر کیا ہے تذلیل فرمانبردار ہونا اور سواری غذا اور تیسری آیت میں دو انعامات ذکر کئے گئے ہیں۔ منافع میں ان کے بال اون چمڑے ہڈی چربی وغیرہ اور مَشَارِبُ کو جمع ذکر کیا اور مختلف اقسام کی طرف اشارہ ہے جو کہ دودھ اور لسی وغیرہ ہے مِمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ: مِنْ بیانیہ ہے اَنْعَامًا

کے لئے یعنی انعام (جانور) اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں کسی اور کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے مشرکین کا رد کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے شفعاء نے ان جانوروں میں سے کوئی بھی چیز نہیں بنائی تو یہ مشرکین کس بنیاد پر ان جانوروں کو ان کے نام پر نذر کرتے ہیں یا گیارہویں میں انکا دودھ دیتے ہیں یا ان کے نام پر ذبح کرتے ہیں اور یہی مقصد اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ میں ہے اسلئے کہ شکر سے مراد توحید ہے۔

تفسیر 74: یہ شرک پر زجر ہے اور لَا یَشۡکُرُوۡنَ کی تفصیل ہے لَّعَلَّهُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ معلوم ہوا کہ شرک فی الالوھیت میں بڑا مقصد باطل معبودوں سے مدد حاصل کرنا ہے اسی وجہ سے اسکو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

تفسیر 75: یہ انکی امید اور نصرت کا رد ہے لَهُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ پہلی ضمیر عابدین (مشرکین) کی طرف راجع ہے اور دوسری ضمیر الھہ کی طرف راجع ہے مراد یہ ہے کہ یہ مشرکین ان معبودوں کے لئے پولیس یا فوج والوں کی طرح ہیں کہ ان کی چوکیداری کرتے ہیں تا کہ ان سے کوئی چیز نہ چرائی جائے اور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اسی طرح اگر کوئی موحد ان کی کمزوری بیان کرے تو یہ لوگ اس پر غصہ ہوتے ہیں اور موحدین کو ذلیل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں اور یہ حال اس طرح قبر پرست لوگوں کا بھی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر معبودوں کی طرف راجع ہے اور دوسری عبادت کرنے والوں کی طرف راجع ہے پھر اس میں دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ ان مشرکین کے گمان اور باطل عقیدے پر بناء ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ لام علیٰ کے معنی میں ہے قیامت کے دن ان کی ضد میں اور مخالفت میں اللہ کے لشکر حاضر ہونگے جیسے سورۃ مریم آیت 82 میں وَیَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ ضِدًّا ہے اور سورۃ احقاف آیت 6 میں بھی ہے۔

تفسیر 76: اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے قَوۡلُهُمۡ اس سے مراد انکے شرکیہ اقوال اور رسول کی تکذیب ہے اور قیامت کا انکار ہے جو بعد والی آیتوں میں ذکر ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ﴿۷۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

"کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم نے پیدا کیا اسکو منی کے قطرے سے پھر ناگہاں ہو گیا وہ جھگڑنے والا کھلم کھلا [77] اور اس نے ہمارے لئے ایک مثال بیان کر دی اور وہ بھول گیا اپنی پیدائش کو اس نے کہا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی [78] آپ کہہ دیجئے ان سے وہی اللہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے [79] جس نے تمہارے لئے بنا دی سبز درخت سے آگ پھر اچانک تم اس سے آگ سلگاتے ہو [80]۔

تفسیر 77: یہ قیامت کے انکار پر زجر ہے اور اس میں عام منکر انسان مراد ہے اور اس زجر میں کئی وجوہ سے سختی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ اپنے خالق سے لڑتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت حقیر اور کم مرتبے والا ہے جبکہ بلند ذات کی مخالفت کرتا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ بڑے نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔

تفسیر 78: یہ انکی لڑائی کا بیان ہے ۔وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا: اس سے مراد صرف عجیب باتوں کا ذکر کرنا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا انکار کرنا بہت عجیب ہے یا یہ مراد ہے کہ اس انسان نے اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو اپنے علم اور قدرت کی طرح سمجھا ہے وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ اس سے مراد غفلت و بے پرواہونا ہے۔

تفسیر 79: یہ اس منکر کے قول کا جواب ہے کہ پہلی پیدائش پر قیاس کیساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ذکر کیا ہے اور مخلوق کے تمام ذرات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو مردوں کی ہڈیوں کے ذرات کا بھی علم رکھتا ہے اور اس آیت میں اشارہ ہے کہ موت اور زندگی کا حلول ہڈیوں میں بھی ہے اور یہ میدان حشر کے اثبات پر پہلی دلیل ہے۔

تفسیر 80: یہ قیامت کے اثبات پر دوسری زجر ہے جیسے سبز درخت سے آگ پیدا کرتا ہے اور یہ بہت عجیب ہے اسلئے کہ ایک ہی جگہ میں پانی آگ اور لکڑی کو جمع کیا ہوتا ہے تو اسی طرح خشک مٹی سے انسان کو دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ: اس سے مراد سبز درخت ہے علماء نے لکھا ہے کہ درخت میں آگ ہے سوائے عناب (بیر) کے اور یہی وجہ ہے کہ بجلی کے تار سبز درخت میں کرنٹ پیدا کرتے ہیں اسلئے کہ آگ دوگنی ہوگئی یا اس سے مراد دو قسم کے درخت ہیں جس

کو مرخ اور عفار کہا جاتا ہے یا مرخ کی لکڑی (جو کہ مذکر ہے) عفار (جو کہ مونث ہے) اس کو رگڑا جائے تو اس سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

"کیا نہیں ہے وہ اللہ جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمینوں کو اس پر قدرت رکھنے والا کہ وہ ان کے مثل پیدا کرے کیوں نہیں (وہ اس پر قادر ہے) اور وہی سب کچھ پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے [81] بس اسکا حکم جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے ہو جاؤ پھر وہ ہو جاتی ہے [82] پس پاک ہے وہ اللہ جسکے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے [83]۔

تفسیر 81: یہ بعث بعد الموت کو ثابت کرنے پر دوسری دلیل ہے مِثْلَهُمْ: کی ضمیر منکرین کی طرف راجع ہے اور مثل سے ان کے نفس اور ذات مراد ہیں اسی طرح سورۃ اسراء آیت 99 میں گزر چکا ہے اور سورۃ احقاف آیت 33 میں بھی اور جب اس آیت میں آسمانوں اور زمینوں کا ذکر ہے جو کہ بڑی مخلوق اور زیادہ اجزاء والے ہیں تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں خَلَّاق اور علیم مبالغے کے صیغے ذکر کیے ہیں۔

تفسیر 82: یہ بھی قیامت کے اثبات پر دلیل ہے یہاں أَمْرُهُ سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان ہے یا اس سے مراد قیامت کا حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے بارے میں حکم دینے والا ہے جیسے سورۃ نحل آیت 77 میں ہے۔

تفسیر 83: یہ بھی دلیل اور گزشتہ تمام دلائل کا نتیجہ ہے فَسُبْحَانَ میں توحید کا ذکر ہے اور وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ میں قیامت کا ذکر ہے مَلَكُوتُ سے مراد ملکیت ہے اور ظاہری اور باطنی ملکیت و تصرف ہے۔

سورۃ یٰس کی خصوصیات:

۱۔ قرآن کے ذریعے رسول کی سچائی بیان کی گئی ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل کی طرف ارسال کئے گئے رسل اور ایک مومن کا واقعہ اس میں ذکر ہے۔

۳۔ شفاعت شرکیہ قہریہ کی تردید اس سورۃ میں ذکر ہے۔

۴۔ شہادت کی وجہ سے جنت میں اعزاز حاصل ہونا۔

۵۔ توحید پر اور موت کے بعد حیات اُخروی پر تذکرہ۔

۶۔ ایک صور دنیا کے فنا ہونے اور دوسرا صور قبروں سے اٹھنے کیلئے ہے۔

الحمدللہ سورۃ یٰسٓ اللہ کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۱۸۲ ۳۷ سورۃ الصّٰفّٰت مکیۃ ۵۶ رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷
لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹ اِلَّا مَنْ خَطِفَ
الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰

''قسم ہے ان ملائکہ کی جو قطار باندھ کر صف باندھنے والے ہیں[1] پھر جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی قسم[2] پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی قسم[3] بے شک تمہارا معبود ایک ہے[4] جو آسمان اور زمینوں کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور مشرقوں کا رب ہے[5] بیشک ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی ہے[6] اور ہر قسم کے سرکش شیطان سے حفاظت کی ہے[7] تاکہ بلند ذات کی باتیں نہ سنے اور ہر جانب سے پھینکے جاتے ہیں[8] ڈانٹ دی جاتی ہے ان کو اور ان کے لئے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے[9] مگر جو بات اچک کر لے جائے تو اس کے پیچھے جلتا ہوا شعلہ جاتا ہے[10]۔

ربط: اس سورۃ کا گزشتہ سورۃ سے کئی وجوہات سے ربط ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں شفاعت قہریہ (شرکیہ) کا رد تھا، تو اس سورۃ میں اس کی علت ذکر ہے کہ وہ نیک بندوں کا عاجز اور محتاج ہونا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں عقلی دلائل تھے تو اس سورۃ میں نقلی دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں دلائل کے ذریعے اثبات بعث بعد الموت تھا تو اس سورۃ میں قیامت کے دن لوگوں کے حالات کا ذکر تخویف اور بشارت کے اعتبار سے ہے۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون: ملائکہ کا احتیاج اور عجز ذکر کرنے کے ذریعے توحید کا اثبات ہے اور پیغمبروں کی عبودیت

اور احتیاج اور جنات کی ذلت، شرک بالملائکۃ والجن والانبیاء کا رد بھی ہے، اور شرک فی العبادۃ والدعاء کا بھی رد ہے ملائکہ
کے احوال آیت 1، 2، 3، 4، 13، 165، 266 میں ہیں اور جنات کے احوال آیت 7، 8، 9، 10، 158، 160
میں ذکر کئے گئے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام کے احوال نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط اور یونس علیہم
السلام ہیں اور سورۃ کے دعوے کا ذکر سورۃ کے آیت 181 میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام سلامتی میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں
اور توحید کا دعویٰ آیت 180 اور 182 میں مذکور ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: اس میں تین ابواب ہیں پہلا باب آیت 74 تک ہے اس میں کے احوال توحید پر شہادت کے لئے
ذکر کئے گئے ہیں پھر جنات کی تذلیل آیت 10 تک مذکور ہے پھر آیت 20 تک چار قسم کی زواجر ذکر ہیں اور عابدین اور
معبودین کی ایک دوسرے سے براءت کا ذکر تخویف کے لئے آیت 33 تک ہے پھر تفصیلی بشارت آیت 61 تک
اور تخویف اخروی تفصیلاً آیت 44 تک ذکر ہے۔

تفسیر 1، 2، 3، 4: اس آیت میں ملائکہ کی صفات ہیں اور یہ بہتر قول ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے
مذکورہ صفات میں قائم ہیں جیسے صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث 430، ابوداود 680-4823، نسائی 2/92، ابن
ماجہ 992، میں آیا ہے کہ اس امت کے لئے جماعت کی صفیں بنانا ملائکہ کی صفوں کی طرح ہے کہ پچھلی صفوں
کو پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں اور ملائکہ شیطانوں کو ڈراتے ہیں (بھگاتے
ہیں) آسمان سے اور باطل کو ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف پھیرتے ہیں اور ایمان والوں کو خیر کے الہام
کے ذریعے گناہوں سے روکتے ہیں اور ملائکہ وحی کی تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اسکی تسبیح حمد اور پاکی کے ساتھ
کرتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایمان والوں کی جماعتیں ہیں یہ جو تین کام کرتے ہیں اور ایسا کام کرنے کی
تفصیل سورۃ یٰسٓ کی ابتداء میں گزر چکی ہے کہ یہ بطور شہادت ہے یعنی ملائکہ کے یہ حالات (جو اللہ تعالیٰ کے لئے
عجز اور عبدیت کے ہیں) یہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر گواہی دیتے ہیں کہ یہ ملائکہ اور باقی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک
نہیں بن سکتے ہیں۔ فَالزّٰجِرٰتِ آیت 2 اور آیت 3 میں فاء وجودی ترتیب کے لئے ہے یعنی پہلے صفوں کو بنانا پھر شیاطین
کو بھگانا ہے اور پھر تلاوت اور ذکر کرنا ہے یا فاء ان صفات کے تفاوت میں ہے یا موصوف کے فرق کے لئے ہے۔

تفسیر 5: یہ دلیل نقلی اور قسم کے بعد توحید کے لئے دلیل عقلی ہے اَلْمَشَارِقِ اس کو جمع ذکر کیا ہے جیسے سورۃ معارج

آیت 40 میں ہے اسلئے کہ اس سے مراد ہر دن کے سورج نکلنے کی جگہیں ہیں اور وہ تین سو چینسٹھ ہیں جیسے امام قرطبی نے ذکر کیا ہے اور تین سو ساٹھ خطیب شربینی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں اور (180) امام ابن عطیہ رحمہ اللہ نے المحرر الوجیز میں ذکر کی ہیں واللہ اعلم لیکن مشہور قول پہلا ہے اور اَلْمَغَارِبِ کو ذکر نہیں کیا ہے اسلئے کہ مشرق کا ذکر مغرب پر دلالت کرتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل مقصد سورج کی روشنی ہے اور وہ سورج کے نکلنے سے ظاہر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مطالع نہیں کہا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سورج کے ظاہر کرنے میں استدلال ظاہر ہے اس کے غروب ہونے کی نسبت سے۔

تفسیر 6: یہ بھی توحید پر دلیل عقلی ہے اور جنات کے حال کے لئے تمہید ہے کہ یہ عاجز اور کمزور ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے شریک ٹھہرائے جاسکتے ہیں یا کیسے سفارشی بن سکتے ہیں اور مشرکین بالکواکب کا بھی رد ہے اسلئے کہ ستارے صرف زینت اور حفاظت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ معبود نہیں بن سکتے ہیں اور اس آیت میں ستاروں کا ایک فائدہ ذکر ہوا آسمان کی زینت اور اسی طرح سورۃ حجر آیت 16 میں گزر چکا ہے اور جب یہ ستارے نیچے سے انسانوں کو آسمان سے پیوست نظر آتے ہیں اگرچہ آسمان سے نیچے ہیں جیسے باقی روایات اور علم ہیئت سے معلوم ہوا ہے تو زینت کی نسبت آسمان کی طرف کی اور یہ دلیل ہے کہ ایک جائز چیز کو صرف زینت کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اس شرط پر کہ شرعی حد سے تجاوز نہ کریں۔

تفسیر 7، 8، 9، 10: ان آیتوں میں تاروں کا دوسرا فائدہ ذکر ہو رہا ہے جیسے سورۃ حجر آیت 14 میں گزر چکا ہے اور اس آیت میں شیطان کے آٹھ حالات ذکر کئے ہیں مَّارِدٍ خیر سے خالی ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے امرد داڑھی سے خالی کو کہا جاتا ہے۔ الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ اشرف اور افضل ملائک کی مجلس جو اللہ تعالیٰ کی وحی کے بارے میں مجلس قائم کرتے ہیں وَاصِبٌ ہمیشہ اور ایسا کہ اسکا اثر دل تک پہنچ جائے الْخَطْفَةَ یعنی ملائک کی باتوں میں سے ایک بات چھپاتے ہیں إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ سورۃ حجر آیت 18 میں گزر چکا ہے شِهَابٌ آگ کا وہ شعلہ کہ تارے سے اسکو الگ کیا جائے اور روشن ہوتا ہے۔ فائدہ: نبی ﷺ کی نبوت سے پہلے بھی شیاطین ایسے شعلوں سے بھگائے جاتے تھے لیکن وہ کم تھے اور قرآن کے نزول کے شروع ہونے کے بعد یہ شعلے اور زیادہ ہوئے آسمان کی ہر جانب سے شروع ہوئے تاکہ کاہنوں کی باتوں کی وجہ سے قرآن کریم میں تلبیس پیدا نہ ہوجائے اور قرآن کی حفاظت کی وجہ سے اور نبی ﷺ کے ہمیشہ صدق کے لئے شیاطین کے ساتھ یہ معاملہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے اور اس کی کچھ بحث سورۃ شعراء کے

آخر میں گزر چکی ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا
ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

"ان سے پوچھو کیا یہ لوگ مضبوط پیدائش والے ہیں یا وہ جو ہم نے پیدا کئے ہیں بیشک ہم ان کو چمٹنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے [11] بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ مزاح کرتے ہیں [12] اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے ہیں [13] اور جب کوئی معجزہ دیکھ لیتے ہیں تو اس سے مزاح بناتے ہیں [14] اور یہ لوگ کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے [15]۔

تفسیر 11: یہ بعث بعد الموت کے منکرین کا رد ہے اور مَّنْ خَلَقْنَا سے مراد ملائک، مشرق، ستارے، شیاطین اور شہاب (شعلے) ہیں جو پہلے ذکر ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے جیسے سورۃ نازعات آیت 28 اور سورۃ غافر آیت 57 میں ہے یا مَّنْ خَلَقْنَا سے مراد گزشتہ قومیں ہیں جو ہلاک کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہلاکت پر قادر تھا تو ان موجودہ منکرین کی ہلاکت پر بھی قادر ہے لَّازِبٍ وہ مٹی جس پر بہت عرصہ گزرنے پر خمیر بن جائے اور پھر وہ ہاتھ سے چپکنے لگے جس کو لیسدار کہتے ہیں۔

تفسیر 13: یہ رسالت کے انکار پر زجر ہے وَيَسْخَرُوْنَ واو حالیہ ہے یعنی آپ کا اور قرآن کا تمسخر کرنے کے حال پر آپ ان کے انکار اور استہزا کرنے پر تعجب کرتے ہیں یا واو عاطفہ ہے یعنی آپ انکے توحید اور قیامت کے انکار پر تعجب کرتے ہیں اور دوسری آیت میں معجزے اور رسالت کے انکار پر زجر ہے۔ وَيَسْتَسْخِرُوْنَ باب استفعال طلب کے لئے ہے یعنی ایک دوسرے سے مطالبہ کرنا ان کے استہزا کرنے کے لئے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿١٦﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿١٧﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿١٨﴾

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى ع

صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع

"کیا جب ہم مرجائیں مٹی اور ہڈی بن جائیں تو کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائیگا [16] ہمارے پرانے بڑوں کو بھی [17] آپ کہہ دیجئے جی ہاں اور تم ذلیل کئے جاؤ گے [18] وہ تو یقیناً ایک زوردار آواز ہے تو اسوقت یہ لوگ دیکھیں گے [19] اور یہ لوگ کہیں گے ہماری تباہی ہے یہ بدلے کا دن ہے [20] (کہا جائے گا) یہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے [21] اکٹھا کر دو ان لوگوں کو (اے ملائک کی جماعت) جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو اور ان لوگوں کو جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے [22] اللہ تعالیٰ کے علاوہ تو ان کو جہنم کی راہ کی طرف لے جاؤ [23] اور ان کو کھڑا کردو یقیناً ان سے پوچھا جائے گا [24] تمہیں کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہو [25] بلکہ آج کے دن یہ لوگ فرمانبردار ہونگے [26]۔

تفسیر 16، 17، 18، 19، 20، 21: ان آیات میں بعث بعد الموت کے انکار پر زجر ہے تین مرتبہ استفہام کے لئے ہمزہ ذکر کیا ہے اس میں بہت ہی تعجب کی طرف اشارہ ہے۔ دَاخِرُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ دوبارہ زندگی میں تمھارا اختیار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر کے لئے ذلیل اور عاجز ہونگے یَنْظُرُوْنَ: یہ عام ہے یعنی ایک دوسرے پر نظر رکھ کر اپنی حالت کو دیکھیں گے یا جزا کے انتظار کرنے کے معنی میں ہے یا نظر زندہ ہونے سے کنایہ ہے، امام بقاعی نے کہا ہے کہ نظر کا ذکر خاص کر کیا اسلئے کہ نظر زندگی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور باقی حواس کبھی کبھی زندگی کے بغیر بھی موجود ہوتے ہیں جیسے بدر کے واقعہ میں مردوں کا سننا خرق عادت سے ہوا تھا اسی طرح مفسر خطیب شربینی نے کہا ہے کہ نابلس میں ایک کانٹے دار درخت تھا جب اس کے پاس یہ کہا جاتا کہ لاؤ تاکہ اس کو کاٹ دیا جائے تو اس کے پتے مرجھا جاتے اور اس طرح اس ملک میں بھی ایک پودا ہے کہ جس کو ہاتھ قریب کرلو تو اس کے پتے مرجھا جاتے ہیں وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ یہ منکرین کا آپس میں کلام ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فائدہ: ان آیتوں میں قیامت

کے دونام ذکر کئے ہیں یَوْمَ الدِّیْنِ اور یَوْمَ الْفَصْلِ جب جزا اور سزا کی تقسیم سے جدائی آتی ہے تو اسی وجہ سے (الدِّیْنِ) کو اَلْفَصْلِ سے پہلے ذکر کیا۔

تفسیر 22، 23، 24، 25، 26 ان آیات میں پانچ حالات ذکر کرنے کے ذریعے تخویف أخروی ہے۔ (۱) حشر (۲) جہنم کی راہ کی طرف سبقت کرنا (۳) سوالات کے لئے ان کو روکنا (۴) ایک دوسرے کے ساتھ نصرت نہ کرنا (۵) مجبوری سے ذلیل اور تابع ہو جانا وَ أَزْوَاجَهُمْ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مشابہہ ہیں ظلم اور گناہ کی قسموں میں یعنی مشرک بالملائکۃ مشرک بالملائکۃ کے ساتھ بت پرست کو بت پرست کے ساتھ اور تاروں کی عبادت کرنے والے آپس میں اسی طرح قبر پرستوں کو آپس میں زانیوں کو زانیوں سے شرابیوں کو شرابیوں سے بدعتیوں کو بدعتیوں سے اور عرف عام میں پیر بھائیوں کو آپس میں اکٹھا کیا جائے گا۔ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ اس سے مراد وہ پیر اور مولوی ہیں جن کے عوام نے شرک بدعات اور گناہوں میں اطاعت کی ہے اور یہ لوگ اس پر راضی تھے جیسے سورۃ انبیاء آیت 98 میں یہ لوگ مراد تھے اُحْشُرُوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائک کو حکم ہے وَ قِفُوْهُمْ یعنی جہنم کی راہ پر جب پڑیں گے اور جہنم کے اوپر راستہ ایک پل ہوگا (جس کو جِسْرِ جَهَنَّمْ کہتے ہیں) تو اس کے اوپر ان کو روک دیا جائے گا۔ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ یہ تمام گناہوں کے بارے میں سوال کرنے کے لئے ہے اور اس کو حساب کہا جاتا ہے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ یہ بھی سوالات میں داخل ہے اور یہ دنیا میں انکے دعوے کا رد ہے کہ یہ معبود ہماری مدد کرینگے اور یہاں پر نصرت سے مراد عذاب سے بچانا ہے۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا
لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا
لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ
إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم
مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ
لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾

"اور انکے بعض بعضوں پر پلٹ کر سوالات کرینگے [27] وہ (پیروکار) کہیں گے تم ہمارے پاس آتے تھے حق (دین) سے روکنے کے لئے [28] وہ کہیں گے بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہیں تھے [29] اور ہمارا تمہارے اوپر کوئی غلبہ (دلیل) نہیں تھا بلکہ تم ہی سرکشی کرنے والے لوگ تھے [30] اب ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی کہ بیشک ہم ہی عذاب کو چکھنے والے ہیں [31] پس ہم نے تمہیں گمراہ کرلیا بیشک ہم خود بھی گمراہ تھے [32] بیشک اس وقت سب عذاب میں شریک ہونگے [33] بیشک ہم گنہگاروں کیساتھ اسی طرح کرتے ہیں [34] بیشک جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے [35] اور کہتے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے چھوڑ دینگے [36] بلکہ وہ تو حق کے ساتھ آیا ہے اور اس نے سب رسولوں کی تصدیق کی [37] بیشک تم دردناک عذاب کو چکھو گے [38] اور تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائیگا جو تم کرتے تھے [39] مگر اللہ کے وہ بندے جن کو بچایا گیا ہے [40] ان لوگوں کے لئے معلوم رزق ہے [41] ان کے لئے پھل ہیں اور ان کی عزت کی جائے گی [42] نعمتوں والے باغات میں ہونگے [43] پلنگوں پر ایک دوسرے کے سامنے ہونگے [44] جاری شراب کا جام کا ان پر دور چل رہا ہوگا [46] جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہوگی [46]-

تفسیر 27، 28، 29، 30، 31، 32: جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ سوال کے جواب سے خاموش رہینگے تو وہم آتا ہے کہ کیا یہ لوگ گونگے ہونگے ان کی زبانیں بند ہوں گی تو اس وہم کا خاتمہ کیا گیا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرینگے اور ان آیتوں میں باطل معبودوں کا اپنی عبادت کرنے والوں سے برأت کے طریقے پر تخویف اُخروی ہے۔ الْيَمِيْنِ "مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یمین دین حق اور نیکی کے کاموں کو کہتے ہیں اور یہ آیت خیر سے روکنے کے معنی میں ہے اور اس سے نفرت پیدا کرنا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یمین قسم کے معنی میں ہے یعنی تم ہمیں قسمیں کھاتے تھے کہ شرک اور کفر حق ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یمین قدرت اور قوت کے معنی میں ہے یعنی تم ہمیں اپنی قوت اور طاقت زیب وزینت کے اعتبار سے ظاہر کرتے تھے۔ بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ یعنی تم ابتداء سے ایمان والے نہیں تھے تو ہم نے تمہیں کیسے ایمان سے پھیر دیا سُلْطٰنٍ حجت اور دلیل کے معنی میں ہے یعنی ہم نے تمہیں شرک پر کچھ دلیل اور حجت پیش نہیں کی ہے یا سُلْطٰنٍ سے مراد جبر اور زبردستی کرنا ہے طٰغِيْنَ طغیان سے مراد بے دلیل کام کرنے ہیں قَوْلُ رَبِّنَا اس کی تفسیر لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ہے لَذَآئِقُوْنَ یہ قول بدل ہے فَاَغْوَيْنٰكُمْ مقصد یہ ہے کہ ہم نے تم پر زبردستی نہیں کی ہے اور نہ ہم نے دلیل پیش کی ہے صرف تمہیں گمراہی کی دعوت دی ہے تاکہ ہمارے ساتھی زیادہ ہوجائیں تو تم نے ہماری دعوت اپنی پسند سے قبول کی ہے اور اسی طرح سورۃ قصص اور سورۃ سباء میں بھی گزر چکا ہے۔

تفسیر 33، 34: جب یہ ثابت ہوا کہ گمراہی میں دونوں گروہ شریک ہیں تو لازم ہے کہ عذاب میں بھی شریک ہونگے نَفْعَلُ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا ایک دوسرے کو ملامت کرنا اور گمراہی پر اقرار کرنا اور عذاب دینا یہ سب مجرموں کی سزا ہے کسی قسم کی تخصیص نہیں کی۔

تفسیر 35: اس آیت میں ماقبل کی علت ہے اور توحید کے انکار پر زجر ہے معلوم ہوا کہ مشرک اللہ تعالیٰ سے اور اس کی صفات اور عبادات سے انکار نہیں کرتا ہے لیکن صرف توحید سے انکار کرتا ہے جیسے سورۃ اسراء آیت 46 میں گزر چکا ہے اور سورۃ ص آیت 5 میں اور زمر آیت 45 میں آیگا۔

تفسیر 36: اس آیت میں عذاب کی دوسری علت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار اور آپ کی حقارت پر زجر ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ شاعر اور مجنون ہے یہ تو ان لوگوں کی بیوقوفی ہے اسلئے کہ مجنون تو اشعار نہیں بنا سکتا ہے اور یہ کتنے بیوقوف ہیں کہ ان دو متضاد صفات کی آپ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

تفسیر 37: اس آیت میں ان منکرین کا رد ہے اَلْحَقِّ سے مراد توحید ہے اور صَدَّقَ میں اشارہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی توحید ایک ہی دین ہے تو اس رسول کا انکار کرنا تمام رسولوں کا انکار کرنا ہے۔

تفسیر 38، 39: اس آیت میں زجر ہے اور گزشتہ دونوں آیتوں کی تشریح ہے اسی وجہ سے دوسری آیت میں اشارہ کیا کہ اس کی جزاء ان کے اعمال کا سبب ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔

تفسیر 40: اس آیت میں اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ سے استثنٰی ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ استثنٰی منقطع ہے اَلْمُخْلَصِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے دین کیلئے خاص کرلیا اور اپنے دین توحید اور اپنی دوستی کیلئے ان کو پسند کیا۔

تفسیر 41 سے 46: ان آیات میں، بشارت ہے 16 خاص انعامات کے ذریعے مَّعْلُوْمٌ یہاں پر سوال ہے کہ سورۃ الم سجدہ آیت 17 میں اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ گزر چکا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت کے انعامات کسی کو بھی معلوم نہیں ہیں اور یہاں فرمایا رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ؟ جواب یہ ہے کہ ان میں بعض صفات جو ہمیشہ ہیں وہ معلوم ہیں اور بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ہیں اور اس کی تفصیلی حقیقت معلوم نہیں ہے فَوَاكِهُ یہ رِزْقٌ کا بیان ہے تو معلوم ہوا کہ جنت کا رزق سارا لذت اور مزے کے لئے ہے بھوک ختم کرنے کے لئے نہیں ہے مُكْرَمُوْنَ اللہ تعالٰی کی طرف سے عزت بلند درجات کی وجہ سے اور اللہ تعالٰی کے کلام اور دیدار کی وجہ سے ہے۔ مُتَقٰبِلِيْنَ یعنی ایک دوسرے کو پیٹھ نہیں دیکھائیں گے یا مراد یہ ہے کہ یہ چار پائیاں اردگرد گھومیں گی تو ایک دوسرے کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے كَاْسٍ جب شراب سے بھرا ہوا ہو تو اس کو کَاْسٍ کہا جاتا ہے اور جب خالی ہو تو اسکو کَاْسٍ نہیں کہا جاتا ہے مَّعِيْنٍ مَعَنَ سے ہے جاری کو کہا جاتا ہے یا عین سے ہے یعنی آنکھوں سے نظر آئیگا لَذَّةٍ لذیذ کے معنی میں ہے اور جبکہ دنیا کی شراب تو بے کار اور بد مزہ ہے۔

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ فَاَقْبَلَ

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ

الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ

بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾

" نہ اس میں سر درد ہوگا اور نہ اس (شراب) کی وجہ سے ان کو الٹیاں آئیں گی [47] اور ان کے پاس ایسی عورتیں (بیویاں) ہوں گی جو اپنی نظروں کو اپنے خاوندں تک بند رکھیں گی اور خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی [48] گویا یہ لوگ چھپے ہوئے انڈے (شتر مرغ کی) ہیں [49] تو ان کے بعض بعضوں پر پلٹ کر سوالات کرینگے [50] ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا بیشک میرا ایک ساتھی تھا [51] تو وہ کہا کرتے کہ کیا آپ (توحید اور قیامت کو) ماننے والے ہیں [52] کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی بن جائیں اور ہڈی بن جائیں کیا ہمیں بدلہ دیا جائیگا [53] کیا تم جھانکنے والے ہو [54] تو جھانک کر دیکھے گا تو اسکو جہنم کے درمیان پائیں گے [55] وہ کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ آپ مجھے گمراہ کردیتے [56] اگر مجھ پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو جہنم میں حاضر کئے گئے ہیں [57] کیا ہم مرنے والے نہیں ہیں [58] سوائے ہماری پہلی بار مرنے کے اور ہم عذاب نہیں دیے جائیں گے [59]۔

تفسیر 47، 48، 49: غَوْلٌ چھپے ہوئے نقصان کو کہا جاتا ہے تو یہ سر، پیٹ اور باقی بیماریوں کے درد پر مشتمل ہے وَ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ عقل کے فساد کے معنی میں ہے یعنی نشہ ہونے کے سبب سے عقل کی خرابی نہ ہوگی اور یہ تخصیص عمومیت کے بعد ہے اسلئے کہ لفظ غَوْلٌ بھی نشے کے لئے آتا ہے اور نشہ بہت بڑی آفت ہے قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یہ عورتوں کی اعلیٰ ترین صفت ہے دنیا اور آخرت میں کہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور کی طرف آنکھیں نہیں پھیرتی اور نگاہیں نہیں اٹھاتی ہیں عِيْنٌ خوبصورت آنکھوں والی جو انداز ے سے بڑی ہو اور اس کی سفیدی نمایاں ہو اور اسکا کالا پن بھی نمایاں ہو بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اس سے مراد شتر مرغ کا انڈا ہے جو میل کچیل اور گرد وغبار سے محفوظ ہوا ہو اور زردی کی طرف مائل ہو یا اس سے مراد وہ انڈا ہے کہ صحیح سالم اس کو پانی میں ابالا جائے پھر اوپر کا چھلکا اس سے ہٹایا جائے تو نیچے صاف

سفید ہوتا ہے یا اس سے مراد مطلق انڈا ہے جو محفوظ ہو اور اس کے ساتھ عورتوں کی مشابہت اجزاء کی مناسبت سے کی جاتی ہے اس مقام تک کھانے پینے رہائش اور بیویوں کے انعامات ذکر ہوئے۔

تفسیر 50 تا 59: یہ بھی بشارت میں داخل ہے اس لئے کہ دشمن پر عذاب کا آنا اور عذاب کے سبب سے بچنا یہ بڑی نعمت ہے فَاَقْبَلَ یہ تو ایک دوسرے کے سامنے ہے اس لئے متقابلین کہا گیا ہے لیکن اس اقبال سے مراد ان سوالات میں پہل کرنا ہے قَرِیْنٌ اس سے مراد مقابلہ کرنے والے ہیں جو ایک دوسرے کے ہم عمر ساتھی ہوں اسلئے کہ قَرِیْنٌ اصل میں ایک زمانہ والے کو کہا جاتا ہے سَوَآءِ وسط کے معنی میں ہے اس لئے کہ اسکے تمام اطراف برابر ہیں نِعْمَةُ رَبِّیْ اس سے مراد شرک کے کاموں اور قیامت کے انکار کرنے سے بچنا ہے اور ایمان پر مضبوطی ہے اَلْمُحْضَرِیْنَ احضار شر میں استعمال ہوتا ہے اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ جب عذاب سے بچنے کا سبب ذکر کیا تو اب عذاب سے بچانا (جو کہ سبب ہے) اس کا ذکر ہے ہمزہ استفہام فاء عاطفہ پر داخل ہے تو معطوف محذوف ہے اَنَحْنُ مُخَلَّدُوْنَ مُنَعَّمُوْنَ فَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اور استفہام تقریری ہے۔ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى استثنٰی منقطع ہے یعنی دنیا میں ہماری صرف پہلی مرتبہ موت تھی جیسے سورۃ دخان آیت 56 میں ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

"بیشک یہ بہت بڑی کامیابی ہے [60] عمل کرنے والوں کو چاہئے کہ اس کے لئے عمل کریں [61]۔

تفسیر 60، 61: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ الخ یعنی دنیا والوں کو ترغیب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول ہے یا تحدیث نعمت کے طریقے پر جنتیوں کا قول ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا یعنی دنیا کے مقاصد اور شہوات کے لئے محنت نہ کریں بلکہ جنت کے انعامات کے حصول کے لئے مشقت ضروری ہے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ
الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾

"کیا یہ مہمان نوازی بہتر ہے یا زقوم کا درخت [62] بیشک ہم نے اس کو ظالموں کے لئے امتحان بنایا ہے [63] بلاشبہ وہ درخت ہے جو نکلتا (اگتا) ہے جہنم کی گہرائی میں اس کا پھل گویا شیطان (سانپوں) کے سر ہیں [65] تو بیشک یہ لوگ اس سے ضرور کھائیں گے تو اس سے پیٹوں کو بھریں گے [66] پھر ان کے لئے اس کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کی ملاوٹ ہوگی [67] پھر انکا پلٹنا ضرور جہنم کی آگ کی طرف ہوگا [68]۔

تفسیر 62 تا 68 ان آیتوں میں تخویف اخروی ہے۔ نُزُلًا اس غذا کو کہا جاتا ہے جو صالح لوگوں کے لئے نازل کی جائے اور یہ وہ کھانا ہے جو آنے والے مہمانوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے فِتْنَةً عذاب اور محنت کے معنیٰ میں ہے یا امتحان اور آزمائش کے معنیٰ میں ہے یعنی جب مشرکین نے یہ بات سنی کہ جہنم میں درخت ہے تو انہوں نے مذاق اڑانا شروع کیا کہ آگ میں درخت کیسے اُگ آئی ہے "طَلْعُهَا" طلع کھجور میں وہ چیز ہے کہ پہلے ظاہر ہو جائے پھر اس سے گچھا بن جائے ۔كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ اس سے مراد سرکش قسم کے سانپ ہیں جن کی خوفناک شکلیں ہوں یا اس سے مراد ابلیس اور اس کی اولاد ہے اگرچہ شکل اصل صورت میں انسانوں نے نہیں دیکھی لیکن عرف میں بدصورتی کیساتھ مشہور ہے جیسے ایک مثال میں آیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے مصور (تصویر والے) سے مطالبہ کیا کہ میرے لئے شیطان کی شکل بنادو تو اس نے کہا میرے پاس نمونہ لیکر آؤ میں نے شیطان کو نہیں دیکھا ہے تو اس بوڑھی خاتون نے جاحظ کو (جو اہل لغت میں مشہور ادیب معتزلی مولوی تھے) لیکر آئی (اور وہ بہت بدصورت تھا) تو مصور سے کہا کہ اس کی طرح میرے لئے شیطان بنادو تو یہ تشبیہ شہرت کی وجہ سے ہے جیسے خوبصورتی کی مشابہت پری مخلوق سے دی جاتی ہے۔ اگرچہ پری کسی نے نہیں دیکھی ہے اسی طرح یوسف علیہ السلام کی مشابہت ملائک کے ساتھ دی گئی تھی اگرچہ ملائک کو ان عورتوں نے نہیں دیکھا تھا فَمَالِـُٔوْنَ اشارہ ہے کہ یہ خوراک سیر ہونے کا فائدہ نہیں دیتی ہے لیکن صرف پیٹ بھرے گا اور بھرے ہوئے پیٹ سے بہت تکالیف اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں پھر جب کھانے سے پیٹ کا بھرنا متصل ہے تو فاء کو ذکر کیا اور جب پانی پینا کھانے

کے ساتھ متصل ہونا ضروری نہیں ہے تو ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ یعنی پانی کی گرمائش اور درخت کا کڑوا پن دونوں مل جائینگے یا یہ کہ اس پانی کو جہنمیوں کے خون کے ساتھ ملایا جائیگا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ جب جہنم میں کھانے پینے کا طبقہ الگ ہے اور آگ جہنم کا طبقہ (جحیم) الگ ہے تو فرمایا کہ انکے کھانے پینے کے بعد انکی واپسی جہنم کی طرف ہے۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا ع
نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾

"بیشک انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہ پایا تھا[69] لہٰذا یہ ان کے نشانات پر دوڑے جاتے ہیں[70] اور تحقیق ان سے پہلے بہت لوگوں میں سے گمراہ ہو چکے تھے[71] اور تحقیق ہم نے ان میں سے ڈرانے والے بھیجے تھے[72] تو دیکھئے ان کا آخری انجام کیا ہوا جن کو ڈرایا گیا ہے[73] مگر سوائے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو جو بچائے گئے تھے[74] اور بلاشبہ نوح علیہ السلام نے ہم کو پکارا پس البتہ ہم خوب (فریاد) قبول کرنے والے ہیں[75] اور ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی ہے[76] اور ہم نے ان کی اولاد کو دنیا میں باقی رکھا[77]۔

تفسیر 69 تا 70 ان آیات میں سابقہ عذاب کا سبب ذکر ہے جو کہ بغیر فکر اور دلیل کے گمراہوں کی تقلید ہے يُهْرَعُوْنَ یہ معلوم معنی میں ہے مجہول ہے اس وجہ سے ذکر کیا گویا ان کو بھگانے والے ان کی جہالت اور خواہش ہے۔

تفسیر 71، 72، 73، 74 ان آیتوں میں گزشتہ قوموں پر عذاب کے ذریعے سے منکرین کے لئے تخویف دنیاوی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ کے مخالفین پر عذاب آئے گا اور موحدین نجات پائیں گے اَلْمُخْلَصِيْنَ یہ منذرین سے استثنٰی ہے استثنا متصل ہے اولین کے لئے استثنا منقطع ہے۔

تفسیر 75 تا 75 آیت سے 149 تک دوسرا باب ہے اس میں سات انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات ذکر کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے محتاج تھے اور اسکے بندے تھے لفظ نا جمع متکلم کی ضمیر (جس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے) انکے واقعات میں ذکر کی ہے اشارہ ہے کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج تھے وہ انبیاء کرام، نوح علیہ السلام ابراہیم موسیٰ اور ہارون الیاس لوط اور یونس علیہم السلام تھے اور اس کا ربط اَلْمُخْلَصِيْنَ کیساتھ ہے کہ وہ انبیاء کرام اور ان کی پیروی کرنے

والے تھے نَادٰىنَا: اس سے مراد نوح علیہ السلام کی دعائیں ہیں جو سورۃ نوح میں تفصیلاً ذکر ہوئی ہیں۔ ''فَلَنِعْمَ'' فا اس دعا میں بہت اخلاص اور عاجزی پر دلالت کرتی ہے جو اجابت وقبولیت کا سبب تھا۔

تفسیر 76: یہ دعا کی قبولیت کا طریقہ ہے جو کہ ڈوبنے سے بچنے کیلئے یعنی اس نعمت میں اللہ کے محتاج تھے۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ پوری قوم کا غرق ہونا بڑوں اور چھوٹوں کا تو یہ بڑا غم ہے یا اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔

تفسیر 77: یہ نوح علیہ السلام پر دوسرا انعام ہے اس میں بھی وہ اللہ کے محتاج تھے مراد یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد سارے دنیا والے ان کی اولاد ہیں اشارہ ہے کہ کشتی میں صرف ان کی اولاد تھی اور باقی لوگ غرق ہوئے اور اسی طرح سورۃ یونس آیت 73 میں بھی گزر چکا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے تین بیٹے، حام، سام، یافث بچ گئے پھر حام کی اولاد سند، ھند، نوب، زنج، حبش اور قبط اور بربر وغیرہ ہے اور سام کی اولاد عرب، فارس اور روم اور بنی اسرائیل وغیرہ ہے اور یافث کی اولاد ترک، صقلب یاجوج ماجوج چین وغیرہ ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾

''اور ہم نے اس کا ذکر بعد والے لوگوں میں چھوڑ دیا [78] تمام عالم میں نوح علیہ السلام پر سلام ہو [79] بیشک ہم اسی طرح اچھے عمل کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں [80] بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا [81] پھر ہم نے بعد والے لوگوں کو غرق کردیا [82]۔

تفسیر 78، 79، 80، 81، 82: ان آیتوں میں باقی انعامات کا ذکر ہے تَرَكْنَا اسکا مفعول محذوف ہے یعنی اَلثَّنَاءَ الْحَسَنُ وَالذِّكْرُ الْجَمِيلُ سَلَامٌ: اس کا مفعول محذوف ہے اور سلام کا معنی یہ ہے کہ برے ذکر سے بعد والے لوگوں میں محفوظ اور سالم ہے اور اس میں بھی عبارت تقدیری ہے سَلَامٌ یعنی سلامتی اللہ کی طرف سے ہے۔ الْعَالَمِينَ اس سے مراد ملائک، جن اور انسان ہیں اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ اس میں نبی ﷺ کی تسلی کی طرف اشارہ ہے اور یہ دلیل ہے کہ ان انعامات کی وجہ نوح علیہ السلام کا احسان ہے اور احسان سے مراد حق کی طرف اخلاص کے ساتھ دعوت ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ یہ بھی احسان کی تفسیر ہے اور اس بات کی صراحت ہے کہ نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ایک خاص بندے تھے اور اس کے محتاج تھے۔

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا
آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا
بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا
ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾

"اور بیشک اس کے گروہ میں سے ابراہیم علیہ السلام بھی تھے[83] جب اپنے رب کے پاس پاک صاف دل کے ساتھ آئے[84] جب اس نے اپنے والد اور اپنی قوم والوں سے کہا تم کس چیز کی عبادت کررہے ہو[85] کیا اللہ کے علاوہ جھوٹے گھڑے ہوئے معبود بناتے ہو [86] تو رب العالمین پر تمہارا کیا گمان ہے[87] تو ایک نظر تاروں میں دیکھا[88] پھر کہا بیشک میں بیمار ہوں[89] تو یہ لوگ اس سے پیٹھ پھیرتے ہوئے پھر گئے[90] ان کے معبودوں کے پاس چھپ کر آئے پس فرمایا تم کیوں نہیں کھاتے ہو[91] تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بات بھی نہیں کرتے ہو[92] ان کو انہیں ہاتھ سے مارا[93] لوگ اس کی طرف دوڑتے ہوئے پلٹ گئے[94] فرمایا کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جسکو تم ہاتھوں سے تراشتے ہو[95] اور اللہ تعالی نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے[96] انہوں نے کہا اسکے لئے ایک عمارت بنادو اور اس کو آگ میں گرادو[97] انہوں نے یہ چاہا کہ اس کے ساتھ کوئی چال چلائیں تو ہم نے ان کو ذلیلوں میں سے بنایا[98]۔

تفسیر 83: یہ ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا واقعہ بطور دلیل نقلی ہے اس میں ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ذکر دو طریقوں سے کیا گیا ہے پہلا توحید کی دعوت میں مجاہدہ کرنا اور مصائب پر صبر کرنا دوسرا اللہ تعالی کے حکم سے اپنے بیٹے کی قربانی کرنا اور اس کی طرف سلامتی، بشارت اور برکات میں محتاج ہونے کا ذکر ہے یہ اللہ کے محتاج بندے تھے شِيعَتِهِ یعنی ابراہیم علیہ السلام توحید کے بارے میں مجاہدہ کرنے میں نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے یعنی اس طرح تھے۔

تفسیر 84: اس آیت میں ان کی فرمانداری کا بیان ہے جَاءَ رَبَّهُ اس سے مراد توحید کی طرف دعوت دینے کے ساتھ رب کی طرف متوجہ ہونا ہے سَلِيمٍ شرک اور شرک کے شبہات سے خالی ہونا اور مشرکوں کی طرف مائل ہونے سے خالی مخلص

ہونا۔ دعوت دینے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جو اللہ کے خوف سے کانپتا ہو جیسے انسان کو کاٹا جائے اور وہ کانپتا ہو (یہ سب احتمالات ہیں)۔

تفسیر 85: مَاذَا اس سے مراد شرک کی دلیل کا مطالبہ کرنا ہے اور انکے باطل معبودوں میں عبودیت کے وصف کا مطالبہ کرنا ہے جیسے سورۃ مریم آیت 42 میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 86: جب وہ دلیل سے اور ان کی معبودیت کے وصف کے اثبات سے عاجز تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا اَئِفْكًا اٰلِهَةً اس عبارت میں پہلی ترکیب یہ ہے۔ تُرِيْدُوْنَ فعل ہے اور دُوْنَ اللّٰهِ ظرف ہے اور اٰلِهَةً مفعول بہ ہے اِفْكًا مفعول لہ ہے۔ معمولات کو عامل پر اہتمام کی وجہ سے مقدم کیا ہے اور مفعول لہ میں ان کے عقیدے کے باطل ہونے پر صراحت ہے تو اس کو شروع میں ذکر کیا۔ دوسری ترکیب یہ ہے اِفْكًا مفعول بہ ہے مبدل منہ ہے اٰلِهَةً مبالغے کے طور پر اس سے بدل ہے تیسری ترکیب یہ ہے کہ اٰلِهَةً مفعول بہ ہے اور اَئِفْكًا اٰفِكِيْنَ مفعول سے حال ہے اِفْكٌ اصل میں پھیرنے کو کہتے ہیں یعنی وہ سخت جھوٹ جو حقیقت کے بالکل مخالف ہے۔

تفسیر 87: اس آیت میں شرک کا رد ہے اس میں تو جیہات ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ کیا تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز مخلوق کو اپنے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کیا تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی جنس میں سے ہے کہ تم اس کی تشبیہ مخلوق کیساتھ دیتے ہو تیسری توجیہ تخویف کے طور پر ہے یعنی تم اللہ پر کیا گمان کرتے ہو کہ شرک کے حال میں مر جاؤ اور اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔

تفسیر 88، 89، 90: رد شرک پر استدلال اس طرح کیا ہے کہ ایک مرتبہ ستاروں کے ذریعے سے استدلال کیا جس کی تفصیل سورۃ انعام آیت 76 میں گزر چکی ہے پھر فرمایا میں بیمار ہوں یعنی تمہارے شرک کی وجہ سے میرا دل بے چین ہے یا مراد یہ ہے کہ انکو دعوت دی کہ ہمارے اٰلِهَةً کا عرس ہے ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ہمارا اثر قبول کریں تو آپ نے ان کی باتو ں اور کاموں پر مختلف طور پر نکیر کی تاکہ ان سے کسی بہانے سے پیچھے رہ جائیں تو فرمایا اِنِّيْ سَقِيْمٌ یا مراد یہ ہے کہ تاروں کی طرف دیکھا اس ارادے سے کہ یہ اللہ کی قدرت الٰہی کے نمونے ہیں لیکن انہوں نے یہ گمان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے طرح تاروں میں غور کیا، اور اپنی قسمت معلوم کر لی ہے بعد والے توجیہ کی بنیاد پر یہ توریہ عملی ہے اور اِنِّيْ سَقِيْمٌ توریہ قولی ہے اور توریہ سے مراد یہ ہے کہ متکلم کوئی بات کہے اور اس سے درست معنی اپنے ارادے کے مطابق

مراد لیتا ہو لیکن مخاطب اس سے دوسرا معنی سمجھ جائے تو یہاں پر بھی سَقِيْمٌ سے ابراہیم علیہ السلام کی دلی پریشانی مراد ہے یا سَأَسْقَمُ کے معنی میں ہے کہ (عنقریب میں بیمار ہو جاؤں گا) اور ہر انسان بیمار ضرور ہوتا ہے جو کہ حقیقت ہے اور اس قوم نے یہ مراد لیا کہ اس کا بدن بیمار ہے اور یہ لوگ ہر قسم کی بیماری سے نفرت کیا کرتے تھے تو اسی وجہ سے اس سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ سوال: اگر کوئی کہے کہ صحیح حدیث میں اس لفظ سَقِيْم کو کذب کہا گیا ہے اور حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں؟ جواب (1): یہ ہے کہ یہ توریہ کے معنی میں ہے یعنی یہ معنی ان کی مراد کے مخالف تھا۔ تو اس وجہ سے اس کو مجازاً کذب کہا گیا۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ مفسر رازی نے کہا ہے کہ کذب کا اطلاق راوی نے اپنی طرف سے روایت بالمعنی کے طور پر کیا ہے اس لئے غلطی کی نسبت روایت کرنے والے کی طرف۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے بہتر ہے۔

تفسیر 91، 92: یہ شرک کے رد کے لئے ابراہیم علیہ السلام کے مجاہدہ کرنے کا ذکر ہے فَرَاغَ چھپ کر آنے کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے یعنی اپنی قوم سے چھپ کر آیا اور وہ قوم معبودوں کے آگے کھانے رکھا کرتی تھی کہ ان کھانوں میں برکتیں آئیں گی پھر برکت کے لئے اس میں تھوڑا اپنے لیے لیکر آتے اور باقی مریدوں کے لئے چھوڑ دیتے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان خطابات میں یہ بات ثابت کر لی کہ کھاتے نہیں ہیں اور نہ بات کر سکتے ہیں تو یہ لوگ عبادت کے لائق بھی نہیں لہذا یہ خطاب اگرچہ بتوں کو تھا لیکن ان مشرکوں کا رد ہے مشہور قول ہے کہ کلام کسی اور سے ہوتا ہے اور سنانا کسی اور کو ہوتا ہے۔

تفسیر 93: جب مارنے میں ضرب کا معنی ہے تو یہاں پر فَرَاغَ کے صلہ میں علیٰ ذکر کیا، بِالْيَمِيْنِ سے مراد دایاں ہاتھ ہے اسلئے کہ اس میں طاقت زیادہ ہوتی ہے یا قسم مراد ہے جو سورۃ انبیاء آیت 87 میں ہے اور باء سببیہ ہے یا عدل کو کہا ہے یعنی وہ عدل (توحید) کہ جس کے بارے میں میثاق کے دن اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا۔

تفسیر 94: اس واقعے کی خبر ملنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے جلدی سے آئے یا اس سے مراد یہ ہے کہ تکبر سے آئے زفاف دلہن سے ماخوذ ہے۔

تفسیر 95، 96: یہ دو طریقوں سے ان کے شرک کا رد ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ تَنْحِتُوْنَ یعنی تم نے یہ بت لکڑیوں اور پتھر وغیرہ سے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں تو وہ عبادت کے لائق نہیں بن سکتے ہیں اور اس میں وہ قبریں بھی داخل ہیں جن

کو چونے اور سیمنٹ وغیرہ سے مزین اور خوبصورت کیا گیا ہو اور پھر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ان سے حاجات مانگتے ہیں دوسرا طریقہ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں یہ باطل معبود اور ان کی عبادت کرنے والے بھی داخل ہیں اور یہ دلیل اہل سنت والجماعت کی ہے اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ ہر عمل و چیز کا خالق ہے چاہے وہ خیر کا یا شر کا اختیاری یا غیر اختیاری ہو اسی وجہ سے اضلال اور ہدایت اور ختم اور طبع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا حقیقت پر بناہے اور اختیاری اعمال میں بندے کا بھی کسب ہے اور اسکے کسب کی وجہ سے بندے سے حساب لیا جائیگا اور قدریہ نے کہا ہے کہ بندوں کے اختیاری افعال بندوں کی مخلوق ہے تو انہوں نے صفت خلق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا، اور جبریہ کہتے ہیں کہ انسان کے کسب کی کوئی گنجائش نہیں ہے محض مجبور ہے حالانکہ پتھر اور زندہ انسان کے درمیان اور درست ہاتھ اور فالج والے میں تمام اہل عقل فرق مانتے ہیں تو انکا یہ قول عقل کے بھی خلاف ہے۔

تفسیر 97، 98: جب ان کے پاس شرک پر دلیل نہیں تھی تو انہوں نے ظلم کا راستہ اختیار کیا اور مشورہ کیا کہ تنور کی شکل میں ایک بڑی آبادی بنالو لہٰذا وہ بنادی گئی اور لکڑیوں سے بھر دی گئی اور اس میں آگ جلادی گئی ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا گیا اور اس سارے کارنامے کو کَیْدًا کہا گیا لیکن جب یہ دلیل میں بھی کمزور ہو گئی اور آگ سے کچھ اثر نہ ہوا تو الْاَسْفَلِيْنَ کہا گیا اور جب مال وقت اور وا یذھن کا کچھ فائدہ نہ ہوا تو سورۃ انبیاء میں اسکو الْاَخْسَرِيْنَ کہا گیا تھا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

''اور اس نے فرمایا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں عنقریب وہ مجھے راہ دکھائے گا [99] اے میرے رب مجھے نیک اولاد میں سے دینا [100] اور ہم نے اسکو صبر والے لڑکے کی خوشخبری دی [101]۔

تفسیر 99: اس میں دو اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ جب آگ کی طرف لے گئے تو یہ کلمہ پڑھا تو معنی یہ ہے کہ میں اس چیز کی طرف جانے والا ہوں جو میرے رب نے میرے لئے مقرر کی ہے قریب ہے کہ وہ میری آگ سے نجات کا طریقہ بھی بتائے گا تو ہجرت کا ارادہ کر لیا اور سورۃ عنکبوت آیت 26 میں بھی انکی تائید ہے اِلٰى رَبِّیْ میں اِلٰى لام کے معنی میں ہے رب کی رضامندی کے لئے یا اس جگہ معنی ہے کہ جہاں میرا رب مجھے حکم دے مفسرین نے لکھا ہے کہ رب کے لئے سب سے پہلے ہجرت ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے اور یہ ہجرت ملک شام کی طرف تھی۔

تفسیر 100، 101: دین کی ترقی اور بقا کیلئے اولاد کی ضرورت ہے تا کہ دین کی دعوت جاری رکھی جائے اسی وجہ سے بیٹے

کے بارے میں دعا مانگی اور وہ دعا قبول ہوگئی اور لفظ حلیم میں اشارہ ہے کہ یہ بلوغت تک پہنچے گا اسلئے کہ صَبْرًا کی صفت بالغ کی تعریف و مدح میں کہی جاتی ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

"جب اسکے ساتھ کام کی عمر تک پہنچا تو اس نے کہا اے میرے بیٹے بیشک میں نے خواب دیکھا کہ میں آپ کو ذبح کر رہا ہوں تو آپ سوچیں آپ کی کیا رائے ہے اس نے کہا اے میرے ابا جان وہی کام کریں جس کا آپکو حکم دیا گیا ہے عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے [102]۔

تفسیر 102: اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی دوسرے آزمائش کا واقعہ ذکر ہے اَلسَّعْيَ یعنی ایسی عمر میں پہنچا کہ والد کے ساتھ کام کاج کر سکتا تھا اور عبادت بھی کر سکتا تھا ایسی عمر میں اولاد کی موت بہت غم کا سبب ہوتا ہے اَرٰى فِي الْمَنَامِ یہ دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب قطعی وحی ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى یہ رأی سے ماخوذ ہے۔ سوال: جب اللہ تعالیٰ کا حکم واجب العمل ہے تو بیٹے کے ساتھ مشورہ کیوں کیا؟ جواب: تاکہ بیٹے کا صبر اور اللہ تعالیٰ کے امر کی اطاعت معلوم ہو جائے تو انکا دل بہت خوش ہو جائے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کا لفظ توفیق کا سبب ہے۔ (ذبیح کی بحث) اہل علم کا اختلاف ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہے یا اسحاق علیہ السلام ہے تو اس میں دو اقوال ہیں۔ پہلے قول میں توقف اختیار کیا گیا ہے زجاج وغیرہ کے تعارض کی وجہ سے دلائل میں توقف ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہے اور یہ روایت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس اور علی بن طالب رضی اللہ عنہم اور عکرمہ اور سعید بن جبیر اور مجاہد اور شعبی رحمھم اللہ وغیرہ سے منقول ہے اور یہ قول ابن جریر اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے (اس قول کے دلائل یہ ہیں) پہلی دلیل: میں موقوف احادیث یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ۔ دوسری دلیل: مرفوع حدیث عباس بن عبدالمطلب کے واسطے سے ہے کہ ذبیح اسحاق ہے۔ تیسری دلیل: تورات کی عبارت ہے کہ "اِذْبَحْ وَلَدَكَ وَحِيْدَكَ اِسْحَاقَ" لیکن تینوں دلائل ضعیف ہیں جہاں تک پہلے قول کی بات ہے تو مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ تمام اقوال اصل میں کعب الاحبار رضی اللہ سے منقول ہیں ان سے صحابہ کرام اور تابعین نقل کیا کرتے تھے یہ روایت اسرائیلی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی روایات میں اکثر جھوٹ ہوتا ہے اور جو دوسری دلیل ہے اس مرفوع

حدیث کی سند میں حسن بن دینار بصری اور علی بن زید بن جدعان ہے پہلا راوی متروک ہے اور دوسرا منکر الحدیث ہے اور جو تیسری دلیل ہے تو امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اغاثۃ اللھفان 328 میں ثابت کیا ہے کہ یہ توراۃ میں یہودیوں کی لفظی تحریف تھی اصل میں وحیدک اسماعیل تھا تو انہوں نے اسماعیل کی جگہ اسحاق لکھ دیا ہے۔ **تیسرا قول** یہ ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہے اور یہ قول عبداللہ بن عمر ابوہریرہ علی رضی اللہ عنہ طفیل رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی ہے اور اکثر مفسرین اور محدثین نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے بہت سارے دلائل ہیں: **پہلی دلیل** موقوف احادیث عبداللہ بن عباس اور ابن عمر اور مجاہد شعبی اور محمد بن کعب اور حسن بصری کے اقوال و روایات ہیں۔ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان روایات میں صراحت ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہے اور یہودیوں نے کہا ہے کہ اسحاق علیہ السلام ہے لیکن وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ **دوسری دلیل** ابراہیم علیہ السلام نے اس ذبیح (ولد) کے بارے میں دعاء کی تھی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور اسحاق علیہ السلام بغیر دعا کے ان کو عطا کیے گئے۔ **تیسری دلیل** اسحاق علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں غُلٰمٍ عَلِيْمٍ ہے جبکہ یہاں غُلٰمٍ حَلِيْمٍ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اسماعیل علیہ السلام ہے۔ چوتھی دلیل: (سورۃ الصّٰفّٰت کی) ان آیات میں دو مرتبہ بشارت ذکر ہے دوسری بشارت میں اسحاق علیہ السلام کی صراحت ہے اگر پہلی آیت میں بھی یہ مراد لیا جائے تو پھر تکرار آئے گی۔ **پانچویں دلیل** اتفاق سے ثابت ہوا ہے کہ ذبیح کا واقعہ مکے میں منیٰ میں ہوا ہے اور وہاں مقیم والدہ کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ **چھٹی دلیل** اسحاق علیہ السلام کے بارے میں جو بشارت ہے تو اس میں یعقوب علیہ السلام کی بشارت بھی ذکر ہے جو کہ اسحاق علیہ السلام کا بیٹا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام اس وقت فوت نہیں ہونگے جب تک اسکا بیٹا یعقوب پیدا نہ ہو تو ذبیح کی آزمائش اس پر نہیں ہو سکتی ہے۔ **ساتویں دلیل** اَنَا ابْنُ الذَّبِيْحَيْنِ والی حدیث ہے ایک ذبیح رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ تھے اس کے باپ نے اسکے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی پھر اسکے ذبح کے بدلے میں اس کی جگہ سو اونٹ یا ایک دنبہ ذبح کیا تھا اور دوسرا ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہے (یہ مضمون امام ابن قیم کی کتاب اغاثۃ اللھفان سے لیا گیا ہے) تو معلوم ہوا کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہے اور اسکے مقابل اقوال ضعیف ہیں۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾

"پس جب دونوں اللہ کے حکم کے لئے فرمانبردار ہوئے اور اسکو ماتھے کے بل لٹایا [103] اور ہم نے اس کو آواز دی [104] کہ اے ابراہیم علیہ السلام بیشک تو نے خواب کو سچ کر دکھایا بیشک ہم اچھے عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں [105] بیشک یہ تو کھلی آزمائش تھی [106] اور ہم نے اس کے بدلے میں بہت بڑی قربانی دی [107] اور ہم نے بعد والے لوگوں میں چھوڑ دیا [108] ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہے [109] ہم اچھے عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں [110] بیشک یہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا [111] اور ہم نے اس کو اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی جو نبی تھے اور نیک لوگوں میں سے تھے [112]۔

تفسیر 103، 104، 105: دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوئے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کے اسباب تیار کئے اور اسماعیل علیہ السلام مذبوحیت کے لئے تیار ہوئے لِلْجَبِيْنِ جبین ماتھے کے دونوں طرفوں کو کہا جاتا ہے اور جبہہ ماتھے کو کہا جاتا ہے یعنی ماتھے کے بل اسکو لٹا دیا ہے جیسے ذبح کرنے کے لئے عام طریقہ ہے اور لَمَّآ کی جزا پوشیدہ ہے (فَدَيْنٰهُ بكبش) یا (كَانَ مَا كَانَ مِنْ حَالِهِمَا) اور وہ کام ہو گیا جس نے ہونا تھا اور جزا کو حذف کر لیا اس لئے کہ اس کی تفصیل اور حقیقت پر صرف ایک اللہ تعالیٰ عالم ہے۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا "سوال" ذبح تو نہیں ہوا ہے تو خواب کو کیسے حقیقت ثابت کر دیا؟ جواب: خواب میں اَذْبَحُكَ کہا ہے ذَبَحْتُ نہیں کہا ہے یعنی ذبح کرنے کے لئے تیاری کرنے کا خواب دیکھا تھا اور وہ اَسْلَمَا سے معلوم ہوا۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص کرنے والے انکی عبادت کو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور ان پر آسانی لاتا ہے۔

تفسیر 106: بَلٰٓؤُا امتحان اور ابتلاء کے معنیٰ میں ہے اور یہ معنیٰ ظاہر ہے یا نعمت اور احسان کے معنیٰ میں ہے اور ہٰذا البعد والی آیت کی طرف اشارہ ہے یعنی بدلے میں ذبیحہ دیا۔

تفسیر 107 : ایک قیدی کو چھڑانے کے لئے فدیہ دینا ہوتا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑ رہے تھے لیکن ہم نے فدیہ کے ذریعے انہیں چھڑا لیا۔ ذِبۡحٍ ذال کے کسرہ کے ساتھ مذبوح کے معنی میں ہے اور فتح زَبَرۡ کے ساتھ مصدر ہے عَظِیۡمٍ یعنی اس کی قدر اور مرتبہ بڑے آدمی کے بدلے میں بڑی قربانی دی جو کہ دنبے کی شکل میں تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کے ذریعے سے پہنچایا اور ابراہیم علیہ السلام کو امر ہوا کہ اسکو ذبح کر لو یہ دلیل ہے کہ دنبے کی قربانی کرنا افضل ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ قربانی کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو تمام امتوں میں جاری ہے یہ ذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ہے اور اسی طرح اس سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما نے دلیل لی ہے کہ جس نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کی نذر مانی تو وہ اپنی نذر کو ایک دنبے کے ذبح کرنے سے پوری کرلے لیکن یہ اس وقت ہے جو اولاد کا ذبح کرنا حلال نہ سمجھے اگر حلال سمجھے تو یہ گناہ کی نذر ہے اور جائز نہیں ہے۔

تفسیر 108 تا 111 : ان آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سلامتی اور جزا میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عبدیت کا ذکر کیا ہے (باقی تفسیر پہلے گزر چکی ہے)۔

تفسیر 112 : یہ دوسری بشارت ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلی بشارت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے تھی۔ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ یہ صفت نَبِیًّا کے بعد بطور تاکید کمال صلاحیت ذکر کی ہے یعنی جو اپنے اور غیروں کے نفسوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھ سکتا ہو۔

وَ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ ع
هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ
الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ
قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ
عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

"اور ہم نے اس پر برکت ڈالی اور اسحاق علیہ السلام پر اور ان دونوں کی اولاد میں بعض اچھے عمل کرتے تھے اور بعض اپنے نفس پر واضح ظلم کرتے [113] اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر احسان کیا ہے [114] اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی [115] اور ہم نے ان کی مدد کی تو یہ لوگ غالب آ گئے [116] اور ان کو ہم نے واضح حکموں والی کتاب دی [117] اور ہم نے دونوں کو سیدھی راہ پر مضبوط کیا [118] اور ہم نے ان دونوں کا ذکر بعد والے لوگوں میں چھوڑ دیا [119] موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر سلام ہے [120] بیشک ہم اچھے عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں [121] بیشک یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے [122] اور بیشک الیاس علیہ السلام رسولوں میں سے تھے [123] جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تم شرک سے کیوں نہیں بچتے ہو [124] کیا تم اپنی حاجات میں بعل کو پکارتے ہو اور خوبصورت شکل بنانے والی ذات کو چھوڑتے ہو [125] جبکہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے پہلے بڑوں کا رب ہے [126] پس انھیں جھٹلایا تو ان کو عذاب میں حاضر کیا جائیگا [127] مگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بچایا گیا ہے [128] اور ہم نے انکا ذکر بعد والے لوگوں میں چھوڑ دیا [129] الیاس علیہ السلام پر سلام ہے [130] بیشک ہم اچھے عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں [131] بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے [132]۔

تفسیر 113: اشارہ ہے کہ یہ لوگ برکات میں اللہ کے محتاج تھے برکت کے بعد علیٰ آ جائے تو اس بات کی دلیل ہے کہ

برکات کا ظاہر میں بھی اثر ہے جیسے باطن میں ہے اور جب فیہ آ جائے تو باطنی برکات پر دلالت کرتا ہے اور یہاں ظاہری برکات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زیادہ اولاد دی اور ان کی اولاد میں انبیاء کرام علیہم السلام پیدا کئے ہیں وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِہِمَا یعنی ان کی اولاد کے دو گروہ ہیں موحدین اور غیر مواحدین اور اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء کا پیدا ہونا ان کے باپوں کے لئے نجات کا سبب نہیں ہے جب وہ باپ ظالم اور مشرک ہوں اور اسی طرح اولاد کا مشرک اور ظالم بننے سے باپ کو نقصان نہیں پہنچتا جب وہ والد خود صالح ہو۔

تفسیر 114 تا 122 : یہ تیسرا قصہ ہے اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام تمام انعامات اور کمالات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے تھے پہلا احسان نبوت کا ہے دوسرا غرق ہونے سے نجات پانا تیسرا نصرت اور غلبہ چوتھا کتاب اللہ پانچواں صراط مستقیم کی ہدایت چھٹا اچھی تعریف اور سلامتی ساتواں احسان کا بدلہ اور اخلاص اور آخر میں ان دونوں کی خاص بندگی کا ذکر ہے تو یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ شفعاء شرکیہ (الٰہ) نہیں ہو سکتے ہیں الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ اس سے مراد ڈوبنا یا فرعونیوں کی غلامی ہے وَ نَصَرۡنٰہُمۡ ضمیر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور قوم کی طرف راجع ہے الۡمُسۡتَبِیۡنَ جس میں مکمل نور ہو اور جو علوم اور حکمتوں کے اعتبار سے جامع ہو اور وہ تورات تھی وَ ہَدَیۡنٰہُمَا اس سے مراد ان دونوں کی سنت ہے جو تورات کے لئے شرح تھی۔

تفسیر 123 تا 132 : یہ چوتھا قصہ ہے اس میں الیاس علیہ السلام کی عبدیت کا ذکر توحید کی طرف دعوت کے طور پر ہے، اور شرک کا رد ہے۔ اور پھر اس بات کا ذکر ہے کہ وہ اچھی تعریف اور سلامتی میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اور آخر میں انکی خاص بندگی کا ذکر ہے وَ اِنَّ اِلۡیَاسَ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں رسول تھے جب وہ لوگ شرک میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا اور عکرمہ رحمہ اللہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس کا نام ادریس تھا تو ہو سکتا ہے کہ الیاس ان کا لقب ہو اور ادریس نام ہو یا اسکے برعکس ہو جو حدیث امام قرطبی اور دیگر (مفسرین) نے ذکر کی کہ وہ زندہ ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے ملاقات ہوئی ہے تو امام سیوطی نے امام ذہبی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے اسی طرح خضر اور الیاس علیہما السلام کی زندگی کو صوفیوں نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور جب اس نے شرک کا کمل کر مقابلہ کیا تھا تو اسی وجہ سے لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ کا وصف ذکر کیا اَلَا تَتَّقُوۡنَ تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے اَتَدۡعُوۡنَ یہ تقویٰ نہ ہونے کی ہے۔ بَعۡلًا مفسرین نے لکھا ہے کہ بعل عورت کی شکل و صورت میں بت تھا سونے

سے بنایا تھا بیس ذراع (ہاتھ) لمبا تھا اور اسکے چار سو تک خادم (خدمتگار) تھے اور کبھی کبھی شیطان اس بت کے اندر داخل ہوجاتا اور ان سے گمراہی کی باتیں کراتا اور بعلک وہاں کے بادشاہ تھے اور اپنے شہر کا نام بعلبک رکھا تھا نوّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۔ وِذَرْ وہاں استعمال ہوتا ہے جس کو تعلقات قائم کرنے کے بعد چھوڑ دیا گیا ہو۔ الْخَالِقِيْنَ خلق تصویر کے معنی میں ہے جیسے سورۃ مومنون آیت 14 میں بھی ہے لَمُحْضَرُوْنَ مطلق عذاب کے حاضر ہونے کے مقام میں استعمال ہوتا ہے اِلْيَاسِيْن بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد الیاس ہے لیکن عرب عجمی ناموں میں بہت سے تصرفات کرتے ہیں لیکن اس سے مقصد کو نقصان نہیں پہنچتا ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ صحیح بات یہ ہے کہ یہ كَذَّبُوْهُ کی ضمیر سے مستثنیٰ ہے۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَ بِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ ع
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ
مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ
سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ
اِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾

"اور بیشک لوط علیہ السلام البتہ پیغمبروں میں سے تھے [133] جب ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی [134] سوائے ایک بڑھیا کے جو تھی پیچھے رہنے والوں میں [135] پھر ہم نے باقی لوگوں کو تباہ کیا [136] اور بیشک تم صبح کے وقت انکے پاس سے گزرتے ہو [137] اور رات کے وقت بھی تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو [138] اور بیشک یونس علیہ السلام رسولوں میں سے تھے [139] جب بغیر اجازت کے بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے [140] تو قرعہ اندازی کی تو یہ شکست خوردہ میں سے تھے [141] تو انھیں مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے آپکو ملامت کرنے والوں میں سے تھے [142] اگر تسبیح پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے [143] تو مچھلی کے پیٹ میں دوبارہ اٹھائے جانے والے دن تک رہتے [144] تو ہم نے انھیں ایک کھلے میدان میں پھینکا اور وہ بیمار تھا [145] اور ہم نے ان پر کدو کا درخت

اگا دیا[146] اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا[147] تو وہ ایمان لائے ہم نے ایک وقت تک فائدہ دیا[148]۔

تفسیر 133 تا 138: یہ پانچواں قصہ ہے اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ لوط علیہ السلام اپنے اور اپنے اہل کی نجات اور قوم کی ہلاکت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اور اس میں منکرین کیلئے زجر بھی ہے مُّصْبِحِيْنَ وَ بِالَّيْلِ اس میں اہل مکہ سے خطاب ہے کہ جب یہ لوگ تجارت کے سفر میں ملک شام کی طرف جاتے تو جب شام کو مکے سے گزرتے تو صبح کے وقت لوط علیہ السلام کی بستی میں پہنچ جاتے اور جب صبح کے وقت سفر شروع کر لیتے تو رات کے وقت وہاں پہنچ جاتے اور مُّصْبِحِيْنَ کو اسم کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ پہلا طریقہ جو کہ رات کو سفر کرنے کا ہے یہ دن کو سفر کی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ قافلے والے اکثر رات کو سفر کرتے تھے۔ فائدہ: لوط علیہ السلام کے اس واقعہ میں (سلام) اور اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا ذکر نہیں کیا اشارہ ہے کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ اور الیاس علیہم السلام وہ انبیاء تھے جن کی قوموں نے انکے قتل کے ارادے بنائے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی حفاظت کی گئی ہے اور لوط علیہ السلام کے قتل کے ارادہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اسی طرح گزشتہ انبیاء علیہم السلام وہ تھے جنہوں نے دعوتِ الی التوحید میں بہت ساری تکلیفیں برداشت کی ہیں اور ان کے زمانے کے بعد بعض لوگوں نے ان کی وفات کے بعد الوہیت کا عقیدہ بنا رکھا تھا اور لوط علیہ السلام کا معاملہ اور ایسا نہیں تھا اسی وجہ سے اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا ذکر نہیں کیا اور باقی کیساتھ ذکر کیا تھا (واللہ اعلم بالصواب)۔

تفسیر 139 تا 148: اس میں چھٹا واقعہ ہے اور اس میں یونس علیہ السلام کا تفصیلی حال ذکر ہے اور ان کی بندگی کا پانچ طریقوں سے ذکر کیا ہے (۱) رسول تھے (۲) بغیر اجازت کے گئے تھے (۳) قرعہ اندازی میں رہ گئے تھے (۴) مچھلی نے انھیں نگل لیا تھا (۵) تسبیح پڑھا کرتے تھے اور چار طریقوں سے ان کا محتاج ہونا ذکر کیا ہے۔ مچھلی کے پیٹ سے نکالنا ان کے اوپر بیل کو اگانا پھر رسالت کے ساتھ بھیجنا، متاع دینا تو یہ سارے دلائل ہیں کہ یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں بن سکتے ہیں اور نہ شفیع قہری (جبری) بن سکتے ہیں اِذْ اَبَقَ مالک کی اجازت کے بغیر جانے کو اباق کہتے ہیں تو یہ بھی جب قوم کے ایمان سے ناامید ہوئے اور ان کے عذاب کا وقت بھی قریب آیا تو انھوں نے اجتہاد کیا کہ انبیاء قوم کے عذاب کے وقت اس بستی سے نکل جایا کرتے ہیں تو یہ بھی اس شہر سے باہر نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے خاص حکم

کا انتظار نہیں کیا اسلئے ایک کشتی میں سوار ہوئے جس میں سواریاں زیادہ تھیں جب کشتی سمندر کے درمیان تک پہنچ گئی تو زیادہ بھاری ہونے کی وجہ سے ڈوبنے کے قریب ہوئی تو کشتی والوں نے ارادہ کیا کہ اس سے ایک سواری کم کرنا ضروری ہے تاکہ یہ کشتی ہلکی ہو جائے تو سمندر کے درمیان کشتی سے گرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا تو انہوں نے اتفاق کیا کہ قرعہ اندازی کرلینگے جس کا قرعہ نکل آیا تو اسکو کشتی سے گرادیں گے تو یونس علیہ السلام کا قرعہ نکل آیا اس کا ذکر اس قول فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ میں ہے۔ فائدہ: قرعہ اندازی کرنا اس حال میں شرعاً جائز ہے کہ ہر شخص کے حق کو ادا کرے لیکن آگے یا پیچھے ہونے کے لئے یا معمولی فرق کی وجہ سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی جائے اور کسی کو بھی اپنے حق سے محروم نہ کیا جائے تو یہ جائز ہے اور اسی طرح حق واجب بھی کسی کا نہ ہو لیکن انعام اور احسان کے طور پر بہت سارے افراد میں ایک ہی شخص کو انعام دینا چاہئے تو اس کا تعین قرعہ اندازی کے ساتھ کیا جائے اور مفسّر قرطبی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مقامات میں قرعہ اندازی ثابت ہے: (۱) حالت سفر میں بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنا کہ کونسی بیوی کو اپنے ساتھ لیکر جائے (۲) ایک شخص نے چھ غلام آزاد کئے تھے اور باقی مال نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث کے لئے قرعہ اندازی کی یعنی ان میں سے دو کو آزاد کرلیا یہ نبی کریم نے میراث کی تقسیم میں کیا تھا (۳) باقی رہا یونس علیہ السلام کا واقعہ تو وہ واقعہ یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں بہت زیادہ ہیں اب اگر اس زمانے میں کوئی واقعہ آجائے تو جائز نہیں ہے کہ اسکو سمندر میں پھینک دیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر صبر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف التجاء کی جائے گی۔ مُلِيمٌ اپنے آپکو ملامت کرنے والا تھا اپنے اقرار کرنے کی وجہ سے إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ الْمُسَبِّحِينَ مراد یہ ہے کہ یہ پہلے سے بہت زیادہ ذکر کرنے والا تھا تو اسکا مصداق یہ ہے کہ اُذْكُرُوا اللهَ فِي الرَّخَاءِ يَذْكُرْكُمْ فِي الشِّدَّةِ اللہ تعالیٰ کو فراخی کے وقت یاد کرو وہ تمہیں سختی میں یاد کرے گا یا مراد یہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کا ذکر کیا اور اس کثرۃ حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف ترغیب ہے اور اس کے سبب سے مصائب دور ہوتے ہیں فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ یعنی مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو اسکو سمندر کے کنارے پر گرادیا۔ الْعَرَاءِ خالی مکان اور سمندر کے کنارے کو کہا جاتا ہے سَقِيمٌ جسکا جسم بیمار ہو جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوجاتا ہے اور اسکا جسم نازک اور کچا ہو۔ سوال: سورۃ قلم آیت (۴۹) میں فرمایا لَوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ ان دونوں آیتوں کے درمیان ظاہر میں تعارض ہے؟ جواب: یہ

ہے کہ سورۃ قلم کا مطلب یہ ہے کہ مذموم حال سے بچایا جائے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کنارے پر گرا دیا صرف بیمار
تھا اور مذموم اور برے حال میں نہیں تھا یعنی اللہ نے اسکی حفاظت کر لی شَجَرَةً (درخت) کو اس کے پاس اگایا اسکے
پتوں کے ذریعے سے اس پر سایہ بنایا اور اسی وجہ سے اس کے جسم کے قریب مکھیاں بھی نہیں جا سکتی اور مشہور یہ ہے کہ وہ
درخت (یقطین) کدو کا تھا وَ اَرْسَلْنٰهُ اس میں مقصد اپنی قوم کی طرف دوبارہ واپس بھیجنا ہے اگرچہ یہ پہلے بھی رسول تھے
اور جو روایت مفسرین نے نقل کی ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد رسول بنایا گیا تو یہ روایت ضعیف ہے اس
میں شھر بن حوشب روائی ہے اور وہ متروک اور ضعیف ہے اَوْ يَزِيْدُوْنَ او بَلْ کے معنی میں ہے یعنی اسکے بعد اللہ
تعالیٰ نے اس قوم کو دو گنے سے بڑھایا اور اس میں برکات ڈالیں۔ فَاٰمَنُوْا سوال: سورۃ یونس آیت 98 میں
گزر چکا ہے کہ اس میں انہوں نے عذاب کی علامات دیکھنے کے وقت ایمان لایا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بعد میں ایمان
لایا؟ جواب: یہ ہے کہ جب یونس علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے تفصیلی ایمان لایا اور پہلے صرف اجمالی ایمان لایا تھا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ
لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ
نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾

"ان سے پوچھو کیا تمہارے رب کے لئے بیٹیاں اور ان کے لیے بیٹے ہیں [149] کیا ہم نے ملائکہ مؤنث پیدا کئے
ہیں اور وہ حاضر تھے [150] خبردار یہ لوگ یقیناً جھوٹ بولتے ہیں [151] کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا ہے اور بیشک یہ لوگ
جھوٹے ہیں [152] کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہے [153] تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کس طرح فیصلے کرتے
ہو [154] کیا تم نصیحت نہیں لیتے ہو [155] کیا تمہارے پاس واضح دلیل ہے [156] اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لے
آؤ [157] اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان نسب بنایا ہے اور بیشک جن بھی جانتے ہیں کہ ان کو ضرور (عذاب
میں) حاضر کیا جائے گا [158] اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں [159] مگر سوائے اللہ تعالیٰ کے
ان بندوں کو جو بچائے گئے ہیں [160]۔

تفسیر 149 تا 157 : یہاں سے تیسرا باب ہے سورۃ کے آخر تک اس میں ان مشرکین کا رد ہے جنہوں نے ملائکہ اور جنات کو اللہ کا شریک ٹھہرایا پھر ملائکہ کا بیان ہے جس میں اپنی عبادت کرنے والوں کا رد کیا ہے، منکرین کا رد اور نبی کریم کو تسلی اور بشارت ہے اور آخر میں توحید کا دعویٰ اور سورۃ کا بھی دعویٰ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سلامتی میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے آیت 149 سے سورۃ کی ابتداء کیساتھ متعلق ہے اور مشرکین بالملائکہ کے تین عقیدوں کا رد ہے پہلا ردوان کی تقسیم کا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بنات (بیٹیاں) ثابت کرتے ہیں اور اپنے لئے بیٹے ۔ دوسرا ان کا کو مونث کہنا ہے ۔ تیسرا ان ملائکہ کا اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں ثابت کرنا ہے یعنی اسکے لئے اولاد ماننے ہیں وَ هُمْ شٰهِدُوْنَ یعنی مونث و مذکر تو شہادت اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں تو انہوں نے تو ان کی پیدائش نہیں دیکھی ہے اسی طرح سورۃ زخرف آیت 19 میں آیا ہے اِفْكِهِمْ یعنی یہ دونوں ان کے گزشتہ عقائد ہیں لیکن حقیقت کے بالکل مخالف ہیں اور یہ ان تیسرے قول (ولد اللہ) کا سبب ہے اور اس قول میں جھوٹے ہیں اور جھوٹے کے قول کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ یہ ان سے دلیل عقلی کا مطالبہ ہے یعنی عقل تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ افضل قسم (نرینہ اولاد) کو چھوڑ کر بیٹیوں کو پسند کرے یہ بے دلیل فیصلہ ہے اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ اس میں گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے نقلی دلائل تھے ۔ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اس میں دلیل وحی کا مطالبہ ہے کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔

تفسیر 158، 159، 160 : ان آیات میں مشرکین بالجن کا رد ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم غیب اور اس کی صفات میں اور عبادت میں جنات کو شریک ٹھہرایا ہے جیسے سورۃ سبا اور سورۃ جن سے معلوم ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ان مجوسیوں کا رد ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور شیطان دونوں بھائی ہیں ایک خیر کا حکم دینے اور دوسرا شر کا حکم دینے والا ہے تو نَسَبًا سے پہلی توجیہہ کے مطابق شرکت کی نسبت ہے اور یہ قول حسن بصری سے منقول ہے اور دوسری توجیہہ پر اخوت (بھائی چارا) مراد ہے اِنَّهُمْ میں ضمیر جنات کی طرف راجع ہے اسلئے کہ وہ ان جنات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے جو کہ گمراہ اور فسادی جنات تھے یا ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے عَمَّا يَصِفُوْنَ وصف سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف ولد اور شریک کی نسبت کرنا اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ اس استثنیٰ میں تین وجوہات ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ استثنیٰ جَعَلُوْا کی ضمیر سے ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ يَصِفُوْنَ سے استثنیٰ ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ لَمُحْضَرُوْنَ سے مستثنیٰ ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ

تمام توجیہات میں استثناء متصل ہے۔

فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿161﴾ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ﴿162﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿163﴾ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿164﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿165﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿166﴾ وَإِن كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿167﴾

"پس بیشک تم اور وہ لوگ جنکی تم عبادت کرتے ہو[161] تم اس پر کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں ہو[162] مگر اسکو جو آگ میں داخل ہونے والا ہے[163] اور ہم میں کوئی بھی نہیں ہے مگر اس کے لئے معلوم ٹھکانہ ہے[164] اور بیشک ہم ہی صفوں کو بنانے والے ہیں[165] اور بیشک ہم ہی تسبیحات پڑھنے والے ہیں[166] یقیناً تھے وہ جو البتہ کہتے تھے[167]۔

تفسیر 161، 162، 163: یہ مقابل پر تفریع ہے یعنی جب یہ ملائک، انبیاء کرام علیہم السلام اور جنات عاجز اور محتاج مخلوق ہیں یعنی عقل والے جانتے ہیں کہ یہ عاجز مخلوق اللہ کے ساتھ شریک نہیں بن سکتی ہے اور نہ ہی کسی کو گمراہ کر سکتی ہے لیکن جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم مقرر کی ہو تو وہ گمراہ اور مشرک بن جائیں گے اور ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہ تقدیر کے منکرین کا رد بھی ہے اور مفسر قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کی ہے عَلَيْهِ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ کے مقابلے میں یا مَا تَعْبُدُونَ کی طرف راجع ہے اور علیٰ باء کے معنی میں ہے۔

تفسیر 164، 165، 166: اس آیت میں ملائک سے دلیل نقل ہے یعنی تمہارے معبود تمہارے معبود ہونے سے عاجز ہیں اسلئے کہ وہ بذات خود اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرتے ہیں اور یہاں عبارت مقدر ہے یعنی تَقُولُ الْمَلَائِكَةُ اور یہ سورۃ کی ابتداء کی طرح مشرکین بالملائکۃ کا رد ہے اور بعض مفسرین نے یہ قول نبی ﷺ کا قرار دیا ہے تو یہ ماقبل کی علت ہے کہ گمراہ نہیں کر سکتے ہو اسلئے کہ ہم توحید پر مضبوط ہیں مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں ایک بالشت کے برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے مگر اس پر ملائک کا قیام اور سجود کا سلسلہ جاری ہے۔ نیز ہمیں ان کی طرح نماز پڑھنے کا حکم بھی ہوا ہے کہ ان کی طرح صف بندی کر و اگلی صفوں کو مکمل کرو پھر بعد میں پیچھے صفیں بنالو ملکر کھڑے ہونا صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث 430، انکے قیام اور سجدے کے حالات اور ان کا ذکر یعنی سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ لہذا جو مخلوق عبادت کی اتنی پابند اور مکلف ہو اور ان کی اتنی عاجزی انکساری اور بے بسی ہو کیا وہ معبود یا

جبری شفاعت کے مالک ہو سکتے ہیں؟

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝168 لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝169 فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝170 وَلَقَدْ
سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝171 اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝172 وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝173 فَتَوَلَّ عَنْهُمْ
حَتّٰى حِيْنٍ ۝174 وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝175 اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝176 فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ
الْمُنْذَرِيْنَ ۝177

"کاش بلاشبہ ہمارے پاس پہلے لوگوں کا علم ہوتا [168] تو ہم اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ہوتے جنکو گناہوں سے بچایا گیا ہے [169] تو انہوں نے اس ذکر کا انکار کیا عنقریب وہ جان لینگے [170] اور تحقیق ہمارا وعدہ رسولوں کے لئے پورا کیا گیا ہے [171] بیشک انکے ساتھ ضرور مدد کی جائے گی [172] اور بیشک ہمارے لشکر یں ضرور غالب کی جائے گی [173] تو ان سے ایک وقت مقررہ تک منہ پھیرلو [174] اور آپ دیکھ لیں عنقریب یہ لوگ بھی دیکھ لینگے [175] کیا ہمارے عذاب کو یہ لوگ جلدی طلب کرتے ہیں [176] پس جب انکے میدانوں میں اتر جائے گا تو ان لوگوں کی صبح بہت بری ہے جنکو ڈرایا گیا ہے [177]۔

تفسیر 168، 169، 170: بیان پر حجت قائم کرنے کے بعد مشرکین کیلئے وعید ہے ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اس سے مراد واقعات اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے قصے ہیں جیسے اس سورۃ میں ذکر ہوا تو انکی تمنا پوری ہوئی پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے یا ذکر سے مراد پہلی کتابوں کی جنس میں سے کتاب ہے یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور ان کے پاس وہ کتاب آئی ہے جو قرآن کریم ہے لیکن انہوں نے کفر کیا تو عذاب کا انتظار کریں۔

تفسیر 171، 172، 173: مشرکین کے لئے زجر اور تخویف کے بعد رسولوں اور ایمان والوں کے لئے بشارت دیجاتی ہے اور اس طرح کا ذکر سورۃ غافر آیت 51 اور سورۃ مجادلہ آیت 21 میں ہے نصرت پیدائش کے اسباب اور نصرت غیبی دنیاوی اور اخروی دونوں پر مشتمل ہے اسی طرح نصرت کے بعد غلبہ نتیجہ ہے ظاہری دنیاوی غلبہ یا حجت کے ساتھ آخرت کا غلبہ سب پر مشتمل ہے سوال قرآن کریم کی دس آیتوں میں اخبار کے طور پر انبیاء کا قتل موجود ہے تو یہ نصرت اور غلبے کے منافی ہے؟ اس کا جواب بہت سی وجوہات سے ہے پہلا جواب مفسر خطیب شربینی اور باقی مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ

نصرت اور غلبہ کبھی حجت کے ساتھ اور کبھی دولت اور ولایت سے ہوتا ہے اور کبھی کبھی دین کے دوام اور اثبات سے ہوتا ہے پس اگر مومن بعض اوقات میں دنیا کے احوال کی وجہ سے مغلوب بھی ہوجائے لیکن یہ آخرت میں غالب ہوگا تو حکم اغلب کے اعتبار سے ہے یہ بعض انبیاء کے قتل اور بہت سارے مومنوں کیساتھ شکست کے منافی نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ان رسولوں کے ساتھ وعدہ تھا جو مستقل شریعت والے تھے اور جن انبیاء کا قتل ہوا ہے وہ غیر شریعت والے تھے اور یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ سے امام قرطبی نے نقل کیا ہے اور اسی وجہ سے نصرت کی آیتوں میں رسولاً کا لفظ ذکر ہے اور قتل کی آیات میں نبوت کی صفت ذکر ہے اور یہ بہتر جواب ہے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ نصرت اور غلبہ کا وعدہ تو ایمان والوں کیساتھ بھی ہوا ہے اور حالانکہ ایمان والوں کے قتل اور انکی شکست کھانے سے انکار کرنا تو جہالت ہے تو جو اس کی تطبیق اور جواب ہے تو وہی انبیاء کے بارے میں بھی ہے اور ان آیتوں کی بنیاد پر جو لوگ انبیاء کے قتل سے مطلق انکار کرتے ہیں اور قتل کی آیات کی بے جا تاویلات کرتے ہیں تو یہ تحریف معنوی کے ساتھ مشابہت ہے۔قرآن ایسی بعید تاویلات سے بری ہے۔اور اس میں صریح حدیث بھی ہے اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا أَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ (النهاية لابن كثير) صفحہ ۱۴۳ جلد ۴ سلسلۃ الصحیحۃ 281، مسند احمد

تفسیر 174، 175: بشارت کے بعد یہ تسلی ہے حِيْنٍ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مقرر وقت ہے چاہے فتح مکہ ہو یا غزوہ بدر یا دنیا کے باقی عذاب ہوں وَّ اَبْصِرْهُمْ انتظار کے معنی میں ہے فَسَوْفَ یہ وعید کے لئے ہے تہدید کے لئے نہیں ہے۔

تفسیر 176، 177: جب عذاب کا ذکر ہوا تو مشرکین نے استہزا شروع کیا کہ عذاب جلدی آجائے اس لیے ان کے لئے تخویف اور زجر ہے بِسَاحَتِهِمْ ساحۃ اصل میں گھر کے صحن کو کہتے ہیں اس سے مراد اچانک عذاب کا آنا ہے اس اعتبار سے کہ اس سے بچنے کا کوئی امکان نہ پائے صَبَاحُ اللہ تعالیٰ کے اکثر عذاب صبح کے وقت آئے ہیں کیونکہ اس مبارک وقت میں یہ منکرین غافل ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ کسی قوم پر رات کو آتے تو صبح کا انتظار کرتے تو جب رات کے وقت خیبر والوں کے پاس آئے اور صبح کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث 3647

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

"اور ان سے ان کے وقت مقررہ تک منہ پھیر یں [178] اور آپ دیکھیں عنقریب یہ لوگ بھی دیکھ لینگے [179] تو پاک ہے آپ کا رب جو عزت والا ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں [180] اللہ کی جانب سے رسولوں پر سلام ہے [181] اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے الوہیت کی صفات ہیں جو تمام عالم کا رب ہے [182]۔

تفسیر 178، 179: اس آیت میں بھی تسلی ہے لیکن پہلے حین سے مراد دنیا کا عذاب تھا اور یہاں پر اخروی عذاب مراد ہے تو تکرار نہیں ہے۔ فائدہ: پہلے وَّ اَبْصِرْ هُمْ ذکر کیا اور یہاں بغیر ضمیر کے ذکر کیا اشارہ ہے کہ دنیا کا عذاب بعض خاص لوگوں پر اور قیامت کا عذاب تمام منکرین پر آتا ہے اسلئے تو تخصیص کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر 180، 181، 182: یہ کل سورۃ کی تشریح ہے اور توحید کا دعویٰ بھی ہے لیکن جب ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور جنات کے عاجزی بے بسی محتاجی ثابت ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک نہیں بن سکتے ہیں اور شفعاء قہر یہ بھی نہیں بن سکتے ہیں اور یہی تسبیح کا مقصد ہے رَبِّكَ میں اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں پر اللہ کے کمال رحمت کی طرف اشارہ ہے رَبِّ الْعِزَّةِ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور غلبے کی طرف اشارہ ہے۔ سوال: عزت صفات کے اعتبار سے ہے جیسے قدرت ہے تو رب کی اضافت اسکی طرف درست نہیں ہے جیسے رَبُّ الْقُدْرَةِ صحیح نہیں ہے؟ جواب (۱) "ربٌّ" مَالِكٌ کے معنی میں متصف ہے یعنی عزت کے ساتھ موصوف ہے۔ جواب (۲) یہ ہے کہ عزت کبھی ذات کا صفت ہوتا ہے جیسے فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا اور فعل کا بھی صفت ہوتا ہے دوسرا معنی یہاں پر مراد ہے یعنی بندوں کا عزت مند ہونا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسے اس سورۃ میں ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے عزت کا ذکر ہوا یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ یہ سورۃ کا دعویٰ ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا کمال یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے عذاب سے سلامتی دیتا ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے "سَلَامٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ" وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ بھی توحید کا دعویٰ ہے اشارہ ہے کہ کافروں کی ہلاکت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نصرت جو اس سورۃ میں ذکر ہوئی اس پہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ہیں معالم التنزیل میں علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جو اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مکمل طور پر قیامت کے دن ثواب دے تو مجلس

کے اختتام میں ان تین آیتوں کو پڑھے ابن ابی حاتم 212-125 درالمنثور للسیوطی 5-554 زبیر علی زئیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے نوٹ: مجلس کی کفارے کی مسنون دعا ابوداؤد کتاب الادب حدیث 4857 میں موجود ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے نماز کے بارے میں مرفوع روایت نقل کی ہے۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے طبرانی کبیر حدیث 5124 مجمع الزوائد 10-105 تخریج ابن کثیر۔

سورۃ صافات کی خصوصیات:

۱۔ احوال ملائک۔

۲۔ احوال جنات۔

۳۔ احوال انبیاء کرام علیہم السلام۔

۴۔ زمین میں نوح علیہ السلام کی اولاد ہی باقی رہی ہے۔

۵۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا واقعہ۔

۶۔ الیاس علیہ السلام کی قوم کا بعل بیک کو الٰہ بنا کر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا تذکرہ۔

۷۔ یونس علیہ السلام کی قوم کا قصہ۔

۸۔ رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت۔

۹۔ خاص خوشخبری کا تفصیلی ذکر۔

۱۰۔ مشرک پیروکاروں کا اپنے بڑوں کے ساتھ جھگڑنا۔

۱۱۔ شجرۃ الزقوم کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۃ الصافات کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتها ۸۸ ۳۸ سورۃ ص مکیۃ ۳۸ رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ① بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا
وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ
الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ
اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ
بَيْنِنَا بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧

* اللہ تعالیٰ ہی اس کے مطلب کو جانتا ہیں۔ اور قرآن کی قسم جو نصیحت والا ہے[1] بلکہ کافر لوگ تکبر اور دشمنی میں ہیں[2] ہم نے ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کیا تو انہوں نے چیخ ماری لیکن اسوقت کوئی بچانے والا نہیں تھا[3] اور انہوں نے اس سے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ڈرانے والا آیا ہے اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے اور جھوٹا ہے[4] کیا اس نے بہت سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنایا ہے یہ بہت عجیب کام ہے[5] اور ان میں سے ایک گروہ چل پڑا کہ چلو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر ڈٹ جاؤ بیشک یہ ایک کام ہے کہ اس کا ارادہ کیا گیا ہے[6] ہم نے ان باتوں کو آخری دین میں نہیں سنا ہے یہ تو صرف جھوٹ بنایا گیا ہے[7] کیا اس پر ہمارے درمیان وحی نازل کی گئی ہے بلکہ یہ لوگ تو میری وحی سے شک میں ہیں بلکہ اب تک انہوں نے میرے عذاب کو نہیں چکھا ہے[8]۔

سورۃ کا ربط: ماقبل سورۃ سے اس سورۃ کا ربط بہت سے طریقوں سے ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ گزشتہ سورت میں نیک بندوں کی عاجزی اور محتاج ہونے کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں ان پر امتحانات ذکر ہورہا ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ شفاعت قہریہ یعنی زبردستی سفارش نہیں کرسکتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں مشرکین کا توحید سے تکبر کا ذکر کیا تو اس سورۃ میں تکبر کا سبب ذکر ہے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سورۃ الصافات میں ایک دوسرے سے براءت

کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں اس سے مختلف طریقے سے براءت کا ذکر ہے۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: ملائک اور انبیاء کرام علیہم السلام پر آزمائشوں کے ذریعے توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور ابلیس پر بھی امتحان کا ذکر ہے اور توحید کا دعویٰ آیت 65،66 میں اور تین انبیاء علیہم السلام پر ہونے والی آزمائشوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی آزمائش احکام شرعیہ میں اجتہادی غلطی کرنے پر ہے جو گناہ نہیں ہے۔ دوسری ابتلاء بھول سے ان شاء اللہ نہیں پڑھ سکا اور یہ بھی گناہ نہیں ہے۔ تیسری ابتلاء مالی اور بدنی ہے اور یہ آزمائش صبر کے لئے کیا گیا اگرچہ کوئی گناہ نہیں ہے اور یہ تین انبیاء کرام علیہم السلام روم کے علاقے میں گزرے ہیں پہلے دو نبوت کے وصف کے ساتھ بادشاہ بھی تھے اور تیسرا نبوت کی صفت کے ساتھ مالدار بھی تھا۔

سورۃ کا خلاصہ: یہ سورۃ تین ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب آیت 18 تک ہے اس میں پہلے قرآن کریم کی شہادت اور تخویف کا ذکر ہے پھر چار مقاصد کے ساتھ زواجر ہیں توحید اور رسالت کا انکار اور قرآن اور بعث بعد الموت کا انکار اور انکار کے ساتھ زجر ہے اور یہ جھٹلانے والی اقوام کے لئے تخویف دنیاوی اجمالاً ذکر ہے۔

تفسیر 1،2: صٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور اس کے بارے میں مفسرین نے تیرہ اقوال ذکر کئے ہیں لیکن بہتر قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے معنی پر عالم ہے اور اس میں سب سے بڑی حکمت قرآن کریم کے اعجاز پر دلیل اور تنبیہ ہے ذِي الذِّكْرِ یعنی توحید کے بیان اور اللہ تعالیٰ کے باقی اوامر اور نواہی پر مشتمل ہے اور اس جواب قسم میں بہت اقوال ہیں اور بہتر قول یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک اور شفیع قہری نہیں ہے) جیسے مشرکین کا گمان ہے پھر کافروں کے انکار کا سبب ذکر کیا جو کہ عزت اور شقاق ہے عِزَّةٍ سے مراد اپنے آپ کو عزت والا سمجھنا اور اس کی وجہ سے حق ماننے سے تکبر کرنا اور شِقَاقٍ سے مراد ضد اور عناد کی وجہ سے حق کی مخالفت کرنا اور عِزَّةٍ باطنی وصف ہے اور شِقَاقٍ ظاہری حالت ہے اور دونوں کی عظمت اور زیادتی کے لئے نکرہ استعمال کیا ہے۔

تفسیر 3: یہ شقاق کرنے والوں کے لئے دنیاوی خوف ہے فَنَادَوْا توبہ اور استغفار کے ذریعے فریاد اور مدد مانگنے کے لئے آوازوں کو بلند کیا۔ وَلَاتَ "بعض نحویوں نے کہا ہے کہ یہ اصل میں (لَا) ہے اور عرب کی عادت کی وجہ سے (ت) اس میں زائد ہے جیسے ثُمَّ میں ثُمَّتَ اور امام سیبویہ کا قول ہے کہ لَاتَ لَيْسَ کے مشابہہ ہے اور اسم کی ضمیر اس میں پوشیدہ ہے لَيْسَ الْحِينَ مَنَاصٍ عذاب کے معنی میں ہے جو پیچھے آنے والا ہو یا بھاگنے اور بچنے کے معنی میں ہے۔

تفسیر 4: یہ ان کے تکبر اور شقاق کی تفصیل ہے اور رسالت کے انکار پر زجر ہے مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی انہی کی جنس میں سے بشر ہے تو انہوں نے اس کی رسالت پر تعجب کیا جیسے سورۃ یونس آیت 2 میں ہے وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جھوٹا کہنے والا یقینی کافر ہے اور کافر سے مراد ضد اور عناد کی وجہ سے انکار کرنے والا ہے سٰحِرٌ سے مراد باطل کلام کے ذریعے سے دھوکا دینا یا معجزے کی طرف انہوں نے جادو کی نسبت کی ہے كَذَّابٌ یعنی توحید کے مسئلے اور نبوت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

تفسیر 5: یہ توحید کے انکار کرنے پر زجر ہے تعجب کا پہلا ذکر دعویٰ نبوت اور بشریت پر تھا اور یہ تعجب توحید کے مسئلے پر ہے۔ پہلا تعجب کرنا خفیف تھا تو فعل کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور دوسرا تعجب بہت ثقیل تھا تو مبالغے کے صیغے سے ذکر کیا اس لئے کہ لغت کے امام خلیل نے عَجِيب اور عُجَاب میں فرق بیان کیا ہے۔ یعنی عجاب وہ چیز ہے کہ جس میں حد سے زیادہ تعجب ہو مقصد یہ ہے کہ مشرکین نے ہر قسم کی حاجت پوری کرنے کے لئے اور ہر قوم کے لئے الگ الگ معبود اور حاجت روا بنائے ہوئے تھے انکا عقیدہ یہ تھا کہ ایک ہی ذات یہ سارے کام نہیں کر سکتی ہے اور مخلوق پر قیاس کرتے تھے تو نبی کریم نے ان کو توحید کی طرف دعوت دی یعنی تمام حاجتوں کو پورا کرنے والا اور تمام مخلوق کا اِلٰہ ایک اللہ ہے تو انہوں نے اس بات پر تعجب کیا اور انکار کیا بڑی بے عقلی اور جہالت ہے۔ نیز اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ابوطالب کا واقعہ نبی ﷺ کے متعلق ذکر کیا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ۔

تفسیر 6: توحید سے انکار کے بعد شرک پر ان کے ڈٹ جانے کا ذکر ہے۔ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ یعنی توحید کے سننے سے ان کی نفرت اور زیادہ ہوئی اور چلنے لگے جیسے سورۃ اسراء آیت 46 میں گزر چکا ہے اور انطلاق سے مراد جلدی سے چلنا ہے اِمْشُوْا اس سے مراد توحید کی مجلس سے جانا ہے یا ہمیشہ شرک کی راہ پر چلنا ہے امام زمخشری کا قول ہے کہ اس سے مراد کثرت ہے نبی کے مقابلہ کیلئے جمع ہونا ہے۔ اِنَّ هٰذَا توحید کی طرف اشارہ ہے یعنی اس نبی کا مقصد یہ ہے کہ ہم توحید مان لیں یا شرک پر ڈٹ جانے کی طرف اشارہ ہے یعنی شرک کرنے اور اس پر ڈٹ جانے کا ارادہ کرنا چاہیے تو پہلے کی بنیاد پر تقدیری عبارت یہ ہے لَشَيْءٌ يُّرَادُ مِنَّا اور دوسری کی بنیاد پر تقدیری عبارت یہ ہے يَنْبَغِيْ اَنْ يُّرَادَ هٰذَا فَقَطْ لَا غَيْرُ۔

تفسیر 7: یہ تعجب سے انکار کی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بڑوں سے یہ مسئلہ نہیں سنا ہے الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اس سے مراد عام

ہے یعنی ان کے بڑے اور اسی طرح متاخرین نصاریٰ اور یہودی اسلئے کہ ان سب نے توحید سے انکار کیا تھا اور توحید کو بیان نہیں کیا تھا جیسے اس دور میں جاہل کہتے ہیں کہ ہم (توحید اور سنت کے مسئلے کو) نہیں مانتے اس لئے کہ ہمارے بڑے مولویوں نے یہ بیان نہیں کیا ہے۔

تفسیر 8: منکرین قرآن کے لئے زجر ہے۔ "مِنۡۢ بَيۡنِنَا" یعنی محمد ﷺ سے زیادہ بڑے ملک سردار اور مالدار لوگ ہیں تو ان پر کیوں وحی نازل نہیں ہوتی ہے تو ان کے انکار کا سبب حسد اور دنیا پرستی ہی بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ یہاں سے ان منکرین کا چار طریقوں سے رد ہوا ہے "پہلا طریقہ" یہ ہے کہ یہ لوگ نبی ﷺ کو اب تک امین اور سچا کہتے تھے لیکن جب انہیں نے قرآن اور توحید کا مسئلہ شروع کیا تو لوگوں نے ان سے انکار کیا لہٰذا توحید میں شک کرنا قرآن اور رسالت سے انکار کا سبب ہے۔ بَلۡ لَّمَّا يَذُوۡقُوۡا عَذَابِ یہ دوسرا طریقہ ہے یعنی انکار اور شک کے باوجود ان کو مہلت دی گئی ہے اور ان پر عذاب نہیں آیا تو انہوں نے گمان کیا کہ ہم راہ حق پر گامزن ہیں۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَ

فِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۚ أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ ع

يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾ اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾

"یا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب ہے اور بخشنے والا ہے [9] یا ان کے لئے آسمان زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بادشاہی ہے تو چاہیے کہ وہ رسیوں کے ذریعے سے چڑھ جائیں [10] یا ایک چھوٹا سا لشکر ہے جو لشکروں سے شکست خوردہ ہے [11] ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور فرعون میخوں والوں نے جھٹلایا [12] اور قوم ثمود اور قوم لوط اور ایکہ کے رہنے والوں نے بھی یہ سب لشکر ہیں [13] ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے مگر انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اس پر میرا عذاب ثابت ہوا [14] اور یہ لوگ انتظار نہیں کرتے ہیں مگر ایک زوردار آواز کی جس کی درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوگا [15] اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارا رب ہمارے حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے دینا [16] آپ ان باتوں پر صبر کرنا جو یہ لوگ کہتے ہیں اور ہمارے قوت والے بندے داؤد علیہ السلام کو یاد کرو بیشک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا [17]۔

تفسیر 9: یہ تیسرا طریقہ ہے یعنی ذکر کا نازل ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے تو کیا اس رحمت کے خزانے ان کے اختیار میں ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسالت اس رسول کا حق نہیں اور اس طرح سورۃ زخرف آیت 32 میں بھی ہے الْعَزِيزِ اشارہ ہے کہ خزانے اللہ تعالیٰ سے کوئی زبردستی نہیں چھین سکتا ہے اور جسکو رحمت سے کوئی حصہ دیا ہے تو یہ کسی کی زبردستی نہیں ہے بلکہ ہبہ (بخشش) کے طور پر دی ہے اسلئے کہ وہ الْوَهَّابِ ہے۔

تفسیر 10: یہ رد کا چوتھا طریقہ ہے یعنی ان کے ساتھ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہو اور وحی تو آسمانوں سے نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ اوپر آسمان کی طرف چڑھ جائیں اور اس نبی پر وحی بند کرلیں الْأَسْبَابِ ہر وہ چیز جو دوسری چیز تک پہنچائے تو اس کو سبب کہا جاتا ہے چاہے دروازہ ہو یا راستہ ہو اور اس سے مراد آسمانوں کی راہ میں دروازے ہیں اور لفظ الْأَسْبَابِ اس

میں اشارہ ہے کہ آسمان کی چیزیں سورج، چاند، ستارے اور بادل وغیرہ اللہ تعالیٰ نے نیچے عالم میں تاثیرات کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔

تفسیر 11: اس میں نبی ﷺ کو قریش مکہ کی ہلاکت پر تسلی ہے یعنی قریب ہے کہ یہ لوگ اس جگہ میں (جو کہ مکہ ہے) اور آپ کی انکار کی وجہ تو شکست خوردہ ہو جائیں گے تو ان کی پرواہ مت کرے۔ جُندٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی هُمْ جُندٌ لفظ ما جُندٌ کی صفت ہے تحقیر یعنی معمولی لشکر ہے هُنَالِكَ جند کے لئے دوسری صفت ہے یعنی ایسا لشکر ہے کہ مکہ مکرمہ میں رہتا ہے یا مَهْزُومٌ کے لئے ظرف ہے اور مَهْزُومٌ جُندٌ کے لئے صفت ہے یعنی ان کو اس جگہ میں شکست دی جائے گی جہاں یہ انکار کی باتیں کرتے ہیں جو کہ مکہ ہے۔ اور یہ دلیل ہے کہ اس آیت میں مراد فتح مکہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہی شہر میں شکست کھائی۔ مِّنَ الْأَحْزَابِ یہ بھی جند کی صفت ہے یعنی ان لوگوں کی جنس سے ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت میں گروہ بندی اور تعصب کرتے تھے۔

تفسیر 12، 13، 14: یہ تخویف دنیاوی ہے اس میں گزشتہ اقوام کا ذکر ہے کہ انہوں نے توحید کے مسئلے سے اس طرح انکار کیا تھا جس طرح موجودہ لوگوں نے تکذیب کی ہے اور جیسے وہ اقوام اپنی مراد کو نہیں پہنچیں تو اس طرح یہ موجودہ لوگ بھی نہیں پہنچ سکیں گے اور جیسے وہ لوگ مختلف عذابوں کے ذریعے سے ہلاک ہوئے تھے تو یہ لوگ بھی عذاب کے ساتھ ہلاک کر دئے جائیں گے اور انہوں نے اپنی اپنی مختلف قوتوں کو انبیاء کی مخالفت میں استعمال کیا تھا لیکن کسی مقصد تک بھی نہیں پہنچے ہیں ایسا ذکر سورۃ ق آیت 12 میں بھی ہے۔ لیکن اس سورۃ میں ان قوموں کی قوتیں اور مختلف طریقوں سے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کرنا مراد ہے تو اس وجہ سے لفظ الْأَحْزَابُ ذکر کیا ہے اور قوتوں کی ترتیب کی طرف اشارہ کیا نوح علیہ السلام کی قوم میں زیادہ سرکشی تھی قوم عاد میں جسمانی قوتیں تھی فرعونیوں میں بادشاہی اور کثرت ظلم کی قوت تھی اور قوم ثمود میں کاریگری (صنعت کاری) کی قوت تھی، اور لوط علیہ السلام کی قوم میں قوت جہل اور خباثت، اور اصحاب الایکۃ میں قوت مالی اور تجارت تھی۔ ان اقوام نے مذکورہ اسباب کے سبب سے تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کے مقابلے کرتے تھے ذُو الْأَوْتَادِ اشارہ ہے کہ جن کو سزا دیتے پھر خاص کر موحدین کو تو ان کے ہاتھ پاؤں میں کیل ٹھونکتے تھے اور بادشاہی کی قوت کی طرف بھی اشارہ ہے اس لئے کہ میخوں والا اس کو کہا جاتا ہے جو مضبوط اور محکم ہو۔

تفسیر 15: یہ تخویف دنیاوی کے بعد تخویف اخروی کا ذکر ہے اور اس میں قیامت کے انکار پر بھی زجر ہے صَيْحَةً

وَّاحِدَةً اس سے مراد عالم کے فناء کرنے کی چیخ ہے کہ اس کے ذریعے سے ایک ہی دفعہ ہلاک کئے گئے ہیں مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ :فَوَاقٍ دودھ دھونے کے درمیان مزید دودھ آنے کے لئے جو وقفہ کیا جاتا ہے اس کو "فواق" کہا جاتا ہے تو مراد یہ ہے کہ جب یہ صور میں پھونکا جائے گا تو درمیان میں وقفہ اور آرام نہیں ہوگا بلکہ بہت لمبا ہوگا آواز اس کی تیز ہوگی یا مراد یہ ہے کہ ان کو فواق کے برابر بھی مہلت نہیں دی جائے گی جیسے یہ گزر چکا ہے فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔

تفسیر 16: یہ ان پر زجر ہے کہ یہ لوگ قیامت کا مذاق اڑایا کرتے تھے قِطَّ کسی چیز کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے یعنی حصہ، کتاب اور رزق وغیرہ کو شامل ہے یعنی یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے انعامات کا حصہ ہمیں دنیا میں دیا جائے جیسے سورۃ انفال آیت 32 میں گزر چکا ہے یا ہمیں ہمارا اعمال نامہ دنیا میں دیا جائے اور یہ سب یہ لوگ بطور تمسخر کہا کرتے تھے۔

تفسیر 17: اس آیت سے آیت 69 تک دوسرا باب ہے اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے تین انبیاء کے امتحان ذکر کرنے سے ان تین انبیاء علیہم السلام پر خصوصاً اور تفصیلاً اور چھ انبیاء پر اجمالاً اور پہلے امتحان کے ذکر کرنے کے بعد زواجر ذکر ہیں اور آزمائشوں کی بحث کو ذکر کرنے کے بعد بشارت اور تخویف اُخروی تفصیلاً اور اس باب کے آخر میں توحید کا دعویٰ آیت 17 میں ہے اس میں پہلے منکرین کا چار مرتبہ انکار ذکر کرنے کے بعد صبر کا حکم دیا ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام داؤد، سلیمان اور ایوب علیھم السلام یعنی داؤد، سلیمان اور ایوب علیہم اسلام ان کی بادشاہی اور مالداری اور ان کی نبوت کے باوجود بھی ان پر امتحانات آئے ہیں۔ لیکن انہوں نے صبر کیا تھا لہٰذا آپ بھی صبر تحمل سے کام لیتا یہ لوگ توحید سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بزرگ ہمارے سفارشی ہیں تو اب اس بات کا ذکر ہے کہ ان بزرگوں پر امتحانات آئے تھے اور جن پر آزمائش آتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفیع قہری نہیں بن سکتے ہیں۔ فائدہ: یہ آزمائش تین قسم کی ہیں پہلی قسم ان کے شرعی فیصلوں سے متعلق بندوں کے بارے میں ہیں۔ دوسری قسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بارے میں ہے کہ وہ ان شاء اللہ کو بھول گئے (جو کہ ذکر الٰہی ہے) اور تیسری ابتلاء اپنے نفس کے بارے میں بدنی اور مالی آزمائشوں کی ہے۔ امتحانات کے ذکر کرنے سے پہلے داؤد علیہ السلام کی اعلیٰ صفات کے ذریعے سے ان کی مدح ذکر کی گئی ہے۔ اشارہ ہے کہ جتنے بھی بڑے درجات والے بندے ہوں لیکن آزمائش سے بچ نہیں سکتے ہیں تو اس آیت میں داؤد علیہ السلام کی

تین صفات ذکر کی ہیں ۔ (۱) عَبْدَنَا اس سے مراد عبدیت خاص ہے (۲) ذَا الْاَیْدِ. اَیْدِ اسم مصدر ہے قوت
کو کہا جاتا ہے اس سے مراد عبادات کی قوت ہے جیسے حدیث صحیح بخاری کتاب الصیام حدیث 1131، صحیح مسلم فی الصیام
حدیث 1159، میں آیا ہے کہ روزوں میں سب سے محبوب طریقہ داود علیہ السلام کے روزے ہیں ایک دن روزہ رکھتے
اور دوسرے دن نہیں رکھتے اور نمازوں میں سب سے زیادہ محبوب طریقہ داوٗد علیہ السلام کا تھا کہ آدھی رات تک آرام کرتے
اور پھر رات کے تہائی حصے میں نماز پڑھتے اور پھر آخری حصے میں آرام کرتے یا اس سے مراد اس کی بادشاہی کی قوت ہے
(۳) اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ اس کو اواب کہا جاتا ہے کہ جب دل میں گناہ کا ارادہ گزر جائے تو جلدی سے استغفر اللہ پڑھے یا گناہ
کیا ہو اور اس سے توبہ کی ہو لیکن جب وہ گناہ اس کو یاد آجائے تو پھر استغفر اللہ پڑھے استغفار کرے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا
مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ اِذْ دَخَلُوْا
عَلٰي دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰي بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ
اِلٰى سَوَاۗءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ
فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾

"بیشک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو تابع بنایا جو صبح اور شام تسبیحات پڑھتے تھے [18] اور پرندوں کو اکٹھا کیا گیا ہے
سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے [19] اور ہم نے اس کی بادشاہی کو مضبوط کیا تھا اور ہم نے اس کو دین کی سمجھ
اور فیصلہ کن باتوں کی صلاحیت دی تھی [20] اور کیا آپ کے پاس جھگڑا کرنے والوں کی خبر آئی ہے جب انہوں نے عباد
ت خانے کی دیوار کو پھلانگا [21] جب داود علیہ السلام پر وہ داخل ہوئے تو ان سے وہ گھبرا گئے انہوں نے کہا ڈرو مت ہم دو
جھگڑنے والے ہیں ہمارے بعضوں نے بعضوں پر زیادتی کی ہے لہٰذا ہمارے درمیان حق فیصلہ کرنا اور بے انصافی نہ
کیجئے اور ہمیں سیدھے راہ کی رہنمائی کرنا [22] بلاشبہ یہ میرا بھائی ہے اسکے پاس ننانوے اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے
تو یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کرو اور مجھ پر بات کرنے میں غلبہ کرتا ہے [23]۔

تفسیر 18: اس آیت میں معجزے کے طور پر ان چار صفات کا ذکر ہے یعنی پہاڑ جو مخلوق میں بہت سخت مخلوق ہے لیکن جب

داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے یا زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ بھی اس کے ساتھ تسبیح اور زبور کی تلاوت کرتے بِالْعَشِيِّ دن کے آخری آدھے حصے کو کہا جاتا ہے یعنی عصر، مغرب، اور عشاء اس میں داخل ہے الْإِشْرَاقِ اس میں صلاۃ الاشراق (جب سورج ایک یا دو نیزے کے برابر پہاڑوں سے بلند ہو جائے) کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح صلاۃ الضحیٰ کی طرف اشارہ ہے جسکو صلاۃ الاوابین کہا جاتا ہے اور جو مغرب کی نفل نماز کو صلاۃ الاوابین کہتے ہیں تو وہ درست نہیں ہے۔

تفسیر 19: یہ دوسری معجزانہ صفت ہے لَّهُ کی ضمیر داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس کی تسبیح سے یا ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے أَوَّابٌ کے ساتھ متعلق ہے اور كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ پہلے معنی کے اعتبار سے داؤد علیہ السلام کی صفت ہے اور پرندے مخلوق میں بہت نرم دل والے ہیں تو یہ پہاڑوں کے مقابل ہیں یعنی بہت سخت اور بہت نرم دونوں ایک ساتھ ایک تسبیح پڑھتے ہیں۔

تفسیر 20: اس آیت میں باقی تین صفات ذکر کی گئی ہیں شَدَدْنَا مُلْكَهُ، مُلك ملکیت میں کثرۃ سے استعمال ہوتا ہے ان کے لشکر زیادہ تھے اور لوگوں پر ہیبت اور رعب بھی تھا اور ساتھ میں تائید اور نصرت الٰہی بھی تھی۔ (۲) وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ کتاب اللہ اور سنت کا علم دقائق لطائف کے نصوص اور احکام شرعیہ میں معرفت مراد ہے (۳) فَصْلَ الْخِطَابِ یہ لفظ مختصر اور جامع کلام کے لیے استعمال ہوتا ہے حمد او صلاۃ کے بعد اما بعد کو بھی شامل ہے نیز اُس کامل علم کو بھی جس کے ذریعے سے مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان فیصلہ کیا جاسکے اور اس بارے میں مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور علی رضی اللہ عنہ کے واقعات نقل کیے ہیں۔

تفسیر 21: داؤد علیہ السلام کی صفات کو ذکر کرنے کے بعد جو ان کی اعلیٰ عزت پر دلالت کرتی ہیں اب اس کی آزمائش کا ذکر ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ذکر ہے هَلْ اسم استفہام ہے لیکن اس سے مراد مابعد کے واقعے کو سننے کی طرف ترغیب دینا ہے الْخَصْمِ یہ اسم جنس ہے مفرد تثنیہ اور جمع مذکر اور مونث سب کے لئے عام ہے إِذْ تَسَوَّرُوا تثنیہ کی طرف جمع کی ضمیر کی نسبت کرنا بھی جائز ہے اور یہ سُوْرٌ سے لیا گیا ہے قلعے کی دیوار کو کہا جاتا ہے الْمِحْرَابَ بنی اسرائیل کی شریعت میں خاص بندوں کی عبادت کی جگہ الگ اور مستقل ہوتی تو اس کو محراب کہتے تھے اور محراب اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ شیطان کے مقابلے کی جگہ تھی اور اسی طرح سورۃ ال عمران میں گزر چکا ہے

تفسیر 22: جب عبادت خانے کے دروازے بند تھے اور یہ لوگ خصم (فیصلے) کے محتاج تھے تو یہ لوگ مجبوراً دیوار پر چڑھ

گئے۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ عجیب طریقے سے بغیر اجازت کے داخل ہونا ضرور خوف اور گھبراہٹ کا سبب ہوگا فَزِعَ اس کو کہا جاتا ہے کہ خوف کے آثار جسم پر ظاہر ہو جائیں جب آثار سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے ذریعے سے ڈرا کہ یہ دشمن ہو گئے تو انہوں نے پہلے لَا تَخَفْ کے ساتھ تسلی دی اور پھر اپنا حال پیش کیا خَصْمٰنِ اس سے مراد مدعی اور مدعا علیہ ہے اور اس قول کے ذریعے سے خصومت کا اجمالی سبب ذکر کیا بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ، بغی کسی دوسرے کے حق پر ظلماً زیادتی کرنے کو کہتے ہیں فَاحْكُمْ بَيْنَنَا اس میں انصاف کے فیصلے کا مطالبہ ہے اور یہ اختلاف کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ تاکید کے لئے حاکم سے عدل کا مطالبہ کرتے ہیں اگر چہ وہ مکمل طور پر عادل ہو وَاهْدِنَآ اس میں اشارہ ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد اسمیں ایسے آداب بتانا کہ آئندہ کے لئے ایسا اختلاف پیدا نہ ہو اور یہ عقلمند حاکم کا طریقہ ہوتا ہے۔

تفسیر 23: یہ جھگڑے کی تفصیل ہے اور گزشتہ آیات میں خصمان کا مشترکہ بیان تھا اور اس آیت میں صرف ایک خصم کا بیان ہے تو لفظ قَالَ اَحَدُهُمَا اس میں پوشیدہ ہے اور یہ مدعا علیہ ہے اس لئے کہ دوسرے شخص نے ان کے ایک دنبے پر دعویٰ کیا ہے اور یہ اس سے منکر ہے اَخِیْ چاہے نسبی یا دینی بھائی ہو دونوں احتمالات ہیں وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ باتوں پر غلبے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فصیح او چالاک تھا یا مالداری کی وجہ سے غالب اور قوت والا تھا۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا ۩ وَأَنَابَ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٢٥﴾ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾

"آپ نے فرمایا اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے کہ تیرے دنبے کو اپنے دنبوں کے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا ہے اور بہت سارے شرکاء ایں کہ ان کے بعض بعضوں پر سرکشی کرتے ہیں مگر وہ لوگ جنہوں نے ایمان لایا اور نیک اعمال کئے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور داؤد نے یقین کر لیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے تو اس نے اپنے رب سے بخشش مانگی تو رکوع میں گر پڑا اور سجدہ کیا [24] تو ہم نے ان کی یہ غلطی معاف کر دی اور بیشک اس کے لئے ہمارے پاس بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے [25] اے داؤد علیہ السلام بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا اس میں حق کیساتھ فیصلہ کرنا اور خواہش نفس کی اتباع نہ کرنا کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے بیشک وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے گمراہ کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب اس وجہ سے کہ انہوں نے قیامت کے دن کو بھلا یا ہے [26]۔

تفسیر 24: مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے ابوعبداللہ حلیمی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے شکایت کرنے والوں میں کمزوری کے آثار دیکھے تو انہیں یقین ہوا کہ یہ مظلوم ہے اور یہ سبب ٹھہرا دوسرے فریق سے کچھ پوچھے بغیر جلدی میں فیصلہ کرنے کا لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ اور اس دوسرے شخص کو ظالم قرار دیا اور یہ فتنے کا سبب بنا جو بعد میں ذکر ہوا ہے اس لئے کہ اس قسم کی عجلت نبی کی شان کے لائق نہیں بلکہ دوسری جانب سے بھی سوال کرنا ضروری تھا لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ہوئی کہ اسکو اور سزا نہیں دی اور اس نعمت کے شکریہ میں داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا ہے اور ہم اس کی پیروی کی وجہ سے کرتے ہیں اور یہ روایت امام قرطبی نے ذکر کی ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ توبہ کے طور پر کیا ہے اور ہم شکر کے طور پر کرینگے (صحیح نسائی باب سجود القرآن حدیث 958، سنن کبریٰ حدیث 1029، دارقطنی 1 / 407، امام البانی نے جامع الصغیر میں صحیح کہا ہے 3682، اس طرح زبیر صاحب نے بھی

تخریج ابن کثیر میں صحیح کہا ہے) وَاِنَّ کَثِیۡرًا اس میں مدعا علیہ کو اشارۃً زجر ہے کہ تو نے اس شخص کے ساتھ اپنا مال کیوں ملایا اس لئے کہ مال کی شراکت اکثر اختلاف اور جنگ وجدال کا سبب بن جاتا ہے۔اور یہ تجربے اور لوگوں کے عمل سے ثابت ہے اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوۡا اس میں اختلاط سے روکنے کی طرف اشارہ ہے یعنی جب کامل ایمان موجود ہوتو پھر کسی حال میں بھی ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے ہیں اس میں دونوں کو زجر ہے کہ تم میں ایمان کا نقصان ہے اسی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات کرتے ہو۔ وَ قَلِیۡلٌ مَّا هُمۡ مَاقِلَّتْ کی تاکید کے لئے ہے اور اسی طرح سورۃ سباء آیت 13 میں ہے مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے دعا میں سنا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ عِبَادِكَ الْقَلِيْلِ اس نے کہا اس دعا کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ کتاب الزھد للامام احمد: وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فتنے کا مصداق فیصلہ کرنے میں جلدی کرنا ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے اور اس سے جلدی کرنے سے مراد غلطی کرنا ہے اگرچہ یہ معصیت نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی شریعت میں یہ واجب نہیں تھا کہ دوسرے سے بھی سوال کیا جائے لیکن ایسا کرنا صرف مناسب تھا تو یہ ترک اولیٰ ہے اور انبیاء کرام علیھم السلام پر یہ بھی ناگوار گذرتا ہے اس لئے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنی عام نیک لوگوں کا ایک جائز کام خاص بندوں کے اعتبار سے برا سمجھا جاتا ہے یا فتنے کا مصداق یہ تھا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے اوقات کو تقسیم کیا تھا کہ ایک دن لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے، اور دوسرے دن عبادت خانے میں عبادت کے لئے خلوت اختیار کرتے اور یہ ان کا اجتہاد تھا لکن اس واقعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ دی کہ آپ کی عبادت کے وقت کسی کا اختلاف آجائے اور شرعی فیصلے کا محتاج ہو تو یہ فیصلہ کون کرے گا اور حالانکہ فیصلہ کرنے کا ثواب اور اجر نفلی عبادات سے زیادہ ہے جیسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ مجلس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بہت محبوب اور قریب تر عادل امام کی مجلس ہے صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث 1827 [نوٹ: مذکورہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے ممبروں پر بیٹھنے کا ذکر ہے اور اسی طرح سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ صحیح بخاری کی حدیث میں پہلا شخص عادل امام ذکر ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو جو تنبیہ کی اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقسیم میری طرف سے مناسب نہیں ہے اور یہ خلاف اولیٰ ہے اسی وجہ سے گمان کیا کہ میں فتنے میں واقع ہوا ہوں۔ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ انبیاء کا استغفار گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں لیکن یہ استغفار بطور تعبداً ہوتا ہے یعنی خود کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ سمجھتے ہیں تو بعض حالات اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتے ہیں اس

لئے استغفار کرتے ہیں ۔ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ أَنَابَ رکوع سجدے کے معنی میں ہے اور لغت میں رکوع اور سجدہ دونوں جھکنے انحناء کے معنی میں آتے ہیں اسی وجہ سے ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں یا اس طرح کہ پہلے رکوع کیا تو پھر سجدے میں گر پڑے یعنی رکوع کے حال سے سجدے میں گر پڑے۔

تفسیر 25 پہلا نتیجہ استغفار کا ہے اور دوسرا نتیجہ سجدہ کرنے کا ہے اور تیسرا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہے۔

فائدہ: بہت سے مفسرین نے اس آیت میں داؤد علیہ السلام کے ایک جرنیل اُوریا کا قصہ ذکر کیا ہے اور اس میں ان کے چار اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ایک دفعہ داؤد علیہ السلام ایک پرندے کے پیچھے اُوپر چڑھے تو اوریاء کی بیوی پر نظر پڑی اور وہ غسل کر رہی تھی تو ان کی اس سے محبت پیدا ہوئی پھر ارادہ کیا کہ کسی طریقے سے اوریاء کو قتل کر دیا جائے تو اس کو جہاد کے سخت معرکوں میں بھیجا آخر کار وہ قتل کیا گیا تو عدت کے گزر جانے کے بعد اس سے نکاح کر لیا اور اس سے سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے خَصْمَانِ کی شکل میں ملائک کو بھیجا تا کہ داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کریں کہ آپ کی ۹۹ بیویاں ہیں اور پھر بھی اوریاء کی بیوی کو طلب کرنے میں ظلم کیا (العیاذ باللہ) دوسرا قول یہ ہے کہ اس عورت سے اس کو سخت محبت پیدا ہوئی تو اس نے دل میں ارادہ کر لیا کہ اوریا فوت ہو جائے یا قتل کیا جائے تو اس عورت کو میں نکاح میں لوں گا اگرچہ ان کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا تیسرا قول یہ ہے کہ اس نے اوریاء سے مطالبہ کیا کہ اپنی یہ بیوی میرے لیے چھوڑ دو تو اس نے طلاق دے دی اور اس نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اور یہ اس زمانے کی عادت تھی۔ چوتھا قول یہ ہے اس عورت کو خِطبہ (نکاح کا پیغام) اُوریا نے بھیجا لیکن داؤد علیہ السلام نے ان کے پوچھنے کے بغیر اس سے نکاح کر لیا اور انہوں نے رشتہ داؤد علیہ السلام کو دے دیا لیکن یہ اقوال باطل ہیں اس میں گناہ کبیرہ یا صغیرہ کا وہم اور شبہ داؤد علیہ السلام پر آتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام ایسے کاموں سے معصوم ہیں پہلے قول کا باطل ہونا بہت ساری وجوہات سے ثابت ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ قصے کے شروع میں ہمارے نبی ﷺ کو اللہ نے حکم دیا ہے اور اُذْکُرْ کے ذریعے سے یعنی داؤد علیہ السلام کی طرح صبر کرنا اور یہ واقعات صبر کے مخالف ہیں۔ دوسری وجہ اس کی جو پہلی نو صفات ذکر ہوئیں سب اس واقعے کے منافی ہیں جیسے امام رازی نے تفسیر کبیر میں تفصیل ذکر کی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعے میں یزید الرقاشی ہے اور امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ یزید اگرچہ صالحین میں سے ہے لیکن حدیث میں ضعیف ہے اور یہ واقعہ اسرائیلی ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان روایات میں سے اکثر صحیح

اور متصل الاسناد نہیں ہیں اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ اس کی صحت کے بغیر کوئی اس قسم کی باتوں کی جرأت انبیاء کرام کے متعلق کرے۔ پانچویں وجہ: یہ ہے کہ اس سے مسلمان کے قتل کے ارادے کی نسبت اور غیر عورت سے عشق کی نسبت نبی کی طرف منسوب ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بھی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ اپنے مقام میں تفصیلاً آئے گا اور ابوحیان اندلسی نے البحر المحیط کی تفسیر ۳۹۳/۷ میں اس مقام میں ذکر کیا ہے کہ یہ بات قطعاً معلوم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ممکن ہی نہیں ہے کہ ان سے گناہ ہو جائے اس لئے کہ انبیاء سے گناہوں کے صادر ہونے کا امکان ہو تو شریعتیں تو باطل ہو جائیں گی اور وحی پر اعتماد باقی نہیں رہتا ہے۔ چھٹی وجہ: یہ ہے کہ حارث الاعور اور سدی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جس نے یہ واقعہ اس انداز سے بیان کیا کہ جیسے قصہ کرنے والے بیان کرتے ہیں اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے (160) ماروں گا (یہ روایت اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن گزشتہ وجوہات کی تائید کے لئے ذکر کی ہے) ساتویں وجہ: یہ ہے کہ یہ قصہ قرآن اور مرفوع حدیث میں نہیں ہے تو اس کی کیا حیثیت ہے کہ ہم قرآن کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر اس قصے کو تفسیر بنائیں۔ آٹھویں وجہ: یہ ہے کہ ان توجیہات میں انبیاء کرام کی بیویوں کی تشبیہ دنبے کے ساتھ دینا بے ادبی ہے اور یہ ملائکہ کی بات ہے۔ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ بھی تأدیل کا محتاج ہے ضرورت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلام میں تأویلات کرنا نامناسب بات ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس وجہ سے باطل ہے کہ اس میں بھی نبی کی طرف غیر شرعی محبت کی نسبت ہے اور آخری وجہ (جو پہلے ذکر ہوئی) وہ بھی اس میں ہے تیسرا قول اور چوتھا قول بھی آخری وجہ سے باطل ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں کو ظاہری معنی پر جاری کرنا چاہئے ان قصوں سے اپنے آپکو بچانا ضروری ہے پھر جان لو کہ اوریا کے قصے کے علاوہ مفسرین نے فتنے اور ابتلاء کی تین توجیہات لکھی ہیں۔ پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ تین افراد فیصلے کے لئے دیوار پر چڑھے تو داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ یہ لوگ میرے قتل کے لئے آئے ہیں اسلئے کہ اس وقت ان کے دشمن بھی موجود تھے جب فیصلے کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے تو معلوم ہوا کہ اس گمان میں داؤد علیہ السلام کو غلط فہمی ہوئی تھی اس غلط فہمی کو فتنہ کہا اور استغفار کیا یہ طریقہ قرآن کے ظاہر سے خوب مناسب ہے۔ دوسری توجیہ: ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے دونوں کی تقسیم کی اور یہ تقسیم کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تھا اس وجہ سے آزمائش آئی تا کہ داؤد علیہ السلام جان لیں کہ انکا یہ تقسیم کرنا مناسب نہیں تھا اور اس کو فتنہ کہا یہ طریقہ بھی بغیر کسی تأویل

ئے کرنے کے قرآن کے ظاہر سے مناسبت رکھتا ہے۔ تیسری توجیہ یہ بھی پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کی بات سن کر دوسرے کے خلاف فیصلہ کر لیا یعنی جلد بازی کی تھی لیکن ظاہری علامات بیان کرنے والے کے استنباط کی تھی اس طریقے پر بعض مفسرین نے رد کیا ہے کہ یہ بھی انبیاء کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ ان دونوں سے بات سنے بغیر فیصلہ کریں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب علامات سے استنباط کیا تو دوسرے کی بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی یہ بھی ہے کہ ہمارے دین میں دونوں جانبوں سے بات کا سننا ضروری ہے اور ان کے دین میں ضروری نہیں تھا اور یہ توجیہ بھی قرآن کے ظاہر سے مناسب ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ اور ان تین توجیہات پر مبنی ہے نَعْجَةٌ سے مراد ظاہری معنیٰ ہے اور خَصْمَانِ سے مراد بھی انسان ہے کہ ان کی لڑائی بھی حقیقت میں تھی بطور تمثیل اور تشبیہ نہیں تھی۔

تفسیر 26: اس آیت کا ربط اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ماقبل آیت کا تعلق فیصلے سے ہے جیسے بعد میں دو طریقے بیان ہوئے اور اوریا کے واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اس میں داؤد علیہ السلام کو ثابت قدمی کا حکم ہے اور شرعی فیصلہ کرنے کا ادب اور طریقہ سکھاتا ہے اور باقی لوگوں کو خواہش کی پیروی پر تنبیہ ہے اور جہاں تک داؤد علیہ السلام کی بات ہے تو وہ معصوم ہیں۔ ان سے یہ خطرہ نہیں ہے کہ انہوں نے خواہش کی پیروی کی ہوگی یا آئندہ کریں گے اس طرح مفسر آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ جن مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ تنبیہ داؤد علیہ السلام کو کی گئی ہے اس لئے کہ انہوں نے اوریا کی بیوی کے حصول میں خواہش کی اتباع کو دخل دیا تو ان مفسرین نے انصاف کے خلاف بات لکھی ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کی ہے۔ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مفسر خطیب شربینی نے لکھا ہے کہ خلیفہ کے دو معانی ہیں پہلا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا نائب بنایا اللہ کی طرف دعوت دینے اور لوگوں میں سیاست شرعی کی وجہ سے ہے۔ اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کو طاقت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو زمین میں نافذ کر دو تو اس معنیٰ کے اعتبار سے خلیفۃ اللہ کہنا جائز ہے تو معنیٰ حقیقی کی بنیاد پر خلافت جو کہ پہلے معنیٰ میں ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے تو اس طرح نہیں کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ فائدہ: خلیفۃ اللہ کا لفظ استعمال کرنے میں تین اقوال ہیں پہلے قول کا جواز مطلقاً ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور جرواہے کا بھی قول ہے جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا خَلِيفَةُ الرَّحْمٰنِ اَنَا مَعْشَرٌ حَنَفَاءُ نَسْجُدُ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا اس رحمٰن کے خلیفہ تو وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے لہٰ اُولٰٓئِكَ خُلَفَاءُ اللّٰهِ فِي اَرْضِهٖ ۔ دوسرا قول منع

کرنے کا ہے اس کی دلیل ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لَيْسَتْ بِخَلِيفَةِ اللهِ وَلٰكِنِّي خَلِيفَةُ رَسُولِ اللهِ صحیح مسوعة الباني كتاب التوحيد 465، اوراس دلیل سے کہ حقیقی خلافت کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قطعی طور پر محال ہے اور دوسرے قول میں اضافت (خلیفۃ اللہ) سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب ہونا تو یہ ممتنع ہے اور اگر اضافت سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خلیفہ بنایا تو یہ جائز ہے لیکن جب یہ لفظ مشکوک ہے اور شرعی دلیل اس کے جواز کے لئے نہیں ہے تو اس وجہ سے صحیح بات یہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال کرنا شرعاً منع ہے اور اس مسئلے کی تفسیر امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مفتاح دار السعادۃ صفحہ 165 اور زاد المعاد صفحہ 37 جلد 2، میں ذکر کی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝27

"اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اسکے درمیان ہے اسکو بے مقصد پیدا نہیں کیا یہ تو کافروں کا گمان ہے تو کافروں کے لئے آگ کی تباہی ہے [27]۔

تفسیر 27: گزشتہ آیت سے اس آیت کا ربط یہ ہے کہ پہلے تخویف تھی حساب کے دن بھلا دینے پر تو اس آیت میں انکار یوم الحساب کی وجہ سے رد ہے اور قیامت کا اثبات ہے بَاطِلًا اس سے مراد عبث کام اور وہ کھیل ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اسکا فائدہ ضرور ہے اور اسکا مکمل فائدہ دوسری زندگی میں ظاہر ہوگا جو کہ بعث بعد الموت ہے اسلئے کہ دنیا کے منافع تو کچھ بھی نہیں ہیں معلوم ہوا کہ ان مخلوقات کی پیدائش دوسری زندگی پر دلیل ہے اور یہ آیت اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جو ان مخلوقات کو عبث اور کھیل سمجھتے ہیں تو وہ کافر ہیں اور انکا یہ گمان جہنم کا سبب ہے۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾
كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ ۚ نِعْمَ
الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾

"کیاہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور سنت کے مطابق عمل کیا ہے ان لوگوں کی طرح بنادیں جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یاہم پرہیزگاروں کو گنہگاروں کی طرح بنادیں [28] اس کتاب کو ہم نے آپکی طرف نازل کیا ہے جو برکتوں والی ہے تاکہ یہ لوگ اسکی آیتوں میں غوروفکر کریں اور تاکہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں [29] اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطاء کیا جو اچھا بندہ تھا بیشک یہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا [30]۔

تفسیر 28: یہ قیامت کے منکرین پر دوسرا رد ہے یعنی جب جزا اور سزا نہ ہو تو پھر مومن اور کافر ایک جیسے ہونگے اور یہ بے انصافی اور ظلم ہے اس آیت میں افساد کفر، شرک اور سنت کی مخالفت کے معنی میں ہے اور عدم مساوات کی تکرار کو الگ الگ صفات کے ذریعے ذکر کیا اشارہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایمان کی صفات اور فساد اور تقویٰ اور جرم کی واضح دلیل ہے اور عدم مساوات کے لئے علت ہے۔

تفسیر 29: اس آیت میں توحید کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی طرف ترغیب ہے اور قیامت کی یاد دہانی کیلئے اور دونوں فریق کے درمیان فرق کی وضاحت کیلئے جو پہلی آیتوں میں مذکور تھا "مُبٰرَكٌ" تفسیر نیشاپوری میں سورۃ انعام کی تفسیر میں ہے کہ قرآن میں بھلائیاں بہت ہیں اور ہمیشہ کے فائدے اس میں ہیں اچھے کاموں پر ابھارنے اور برے کاموں سے روکنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے کہ جو قرآن کریم سے شغل رکھے اور اس کو مضبوطی سے تھامے رکھیں تو وہ دنیا اور آخرت میں عزت والا ہے اور پہلی بات تجربے سے بھی ثابت ہے لِيَدَّبَّرُوٓا مقصد صرف قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہے بلکہ اس میں غور وفکر کرنا ہے اور اس میں سوچنا اور امام قرطبی نے لکھا ہے کہ قرآن کے معانی کو سیکھنا واجب ہے اور اسی طرح یہ ترتیل یعنی آرام آرام سے پڑھنا تیز پڑھنے سے افضل ہے وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ غور وفکر کے بعد بعض لوگ نصیحت قبول کر لیتے ہیں اور بعض قبول نہیں کرتے ہیں جس نے قبول کرلیا تو اسکو خاص عقل والا کہا ہے اشارہ ہے کہ قرآن کے علم سے مراد اس پر عمل کرنا ہے۔

تفسیر 30: یہ تیسرا قصہ ہے اس میں سلیمان علیہ السلام کی بہترین صفات کا ذکر ہے اور پھر اس کے بعد مشرکین کا رد ذکر

کرتے ہوئے امتحان کا ذکر ہے کہ جس پر آزمائش آتی ہے تو وہ شفیع تھوڑی نہیں بن سکتا ہے اگرچہ بہت بڑا بزرگ ہی کیوں نہ ہو وَ وَهَبْنَا یہ بخشش اس طرح ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے بھائی ہارون علیہ السلام نے بخشش دی ہے تو مراد یہ ہے کہ اس کو نبی اس لئے بنایا کہ نبوت کے کاموں میں داؤد علیہ السلام کی مدد کرے اور ان کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام نبی بھی بنے تھے اور بادشاہ بھی بنے تھے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ یہ پہلی صفت ہے کہ بہت اطاعت و عبادت گزار تھے إِنَّهُ أَوَّابٌ یہ دوسری صفت ہے اسکی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾

" جب شام کے وقت ان کے پاس عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے [31] تو انھوں نے فرمایا میں نے اپنے رب کے ذکر سے مال کو پسند کیا یہاں تک (وہ گھوڑے) پردوں میں چھپ گئے [32] ان کو میرے پاس واپس لوٹا دو تو شروع ہوئے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیر رہے تھے [33] اور تحقیق ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمایا اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک جسم ڈالا تو اس نے رجوع کر لیا [34] اس نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطاء کرنا جو میرے بعد کسی کے لیے جائز نہ ہو بیشک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے [35] تو ہم نے اس کے لئے ہوا کو تابع بنایا جو اس کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی جہاں وہ ارادہ کرتے تھے [36]۔

تفسیر 31: اس آیت میں ان تیسری صفت کا ذکر ہے یعنی جہاد فی سبیل اللہ اور رباط فی سبیل اللہ سے محبت کرنا جہاد کے لئے گھوڑوں کو پالنا اور ان کی خدمت کرنا بڑے اجر کا سبب ہے وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ سورۃ انفال اور رَابِطُوا سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اَلْعَشِيِّ زوال کے بعد غروب تک کے وقت کو عشی کہا جاتا ہے اور عشاء سورج کے غروب کے بعد اور شفق کے غروب ہونے کے بعد کو کہا جاتا ہے الصَّافِنَاتُ وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں اور چوتھی کو ہلکی زمین پر رکھا ہو اور یہ تیز رفتار گھوڑے کی نشانی ہے یا لمبی گردن والے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 32: اس آیت میں وہم کا جواب ہے کہ اگر کوئی اعتراض کر لیں کہ دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا گناہ ہے اور یہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے تو اس آیت میں اسکا جواب دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ محبت اللہ کو یاد کرنے کی وجہ سے تھی عَنْ ذِكْرِ مِنْ ذِكْرِ اَجَلِهٖ کے معنی میں ہے اَلْخَيْرِ حلال مال کو کہا جاتا ہے اور یہاں پر جہاد کے گھوڑے مراد ہیں اور ذکر سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ حَتّٰى تَوَارَتْ یہ عُرِضَ کے ساتھ متعلق ہے یعنی وہ گھوڑے صفوں میں اسکے سامنے پیش ہوئے اور یہ معلومات کرنا چاہ رہے تھے کہ جہاد کرنے کے یہ قابل ہیں کہ نہیں یہاں تک کہ دور چلے گئے اور ان کے نظر سے چھپ گئے۔

تفسیر 33: مسابقے کے بعد گھوڑوں کو دوبارہ طلب کیا جیسا کہ گھوڑوں کو سدھانے کی یہ عام عادت ہے تو ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو گرد و غبار سے صاف کیا اور ان کو تھپکیاں دیں اور یہ نہایت محبت کی دلیل ہے جن کے اسباب کی خدمت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کی اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اپنے گھوڑے کو اپنی چادر سے صاف کرتے تھے۔ اور دوسری حدیث میں حکم آیا ہے کہ ان گھوڑوں کے ماتھے اور بدن کے پچھلے والے حصہ کو صاف کرتے کی تو سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور یہ روایت علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ان گھوڑوں کے پر بھی تھے (ابو داؤد 4932، نسائی فی الکبریٰ 8950) فائدہ: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دیگر اقوال بھی ہیں پہلا یہ کہ عن اپنے معنی میں ہے اور اس سے پہلے شَغَلَهٗ محذوف ہے اور تَوَارَتْ میں ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور یہ خطاب اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سورج غائب ہوا اور ان سے عصر کی نماز قضا ہوئی تو اس پر وہ ناراض ہوئے تو کہا کہ گھوڑوں کی محبت نے غافل کر دیا یہاں تک کہ سورج غائب ہوا اللہ اس سورج کو میرے پاس واپس لوٹا دو تو سورج ان کی طرف لوٹ کر آیا تو انہوں نے عصر کی نماز ادا کر لی لیکن چند وجوہات سے یہ تفسیر ضعیف ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں دنیا سے محبت کرنے کی طرف نسبت ہے جو سلیمان علیہ السلام کے لئے غفلت کا سبب بنا اور یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے۔ دوسری وجہ تَوَارَتْ کی یہ ہے (جس کی ضمیر ظاہراً صَافِنَاتُ کی طرف راجع ہے) اس ضمیر کی نسبت سورج کی طرف کرنا اگرچہ یہ لفظ عَشِی اس پر دلیل ہے یہ ضعیف ہے ظاہر کو بلا ضرورت چھوڑنا مناسب نہیں ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو سورج ٹھہرنے کی خبر ہونا کیونکہ اس پر مرفوع صحیح حدیث دلیل میں نہیں ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ تَوَارَتْ کی ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور رُدُّوْهَا کی

ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے اس ضمیر میں بلاضرورت تقدیری عبارت کے علاوہ وہ ضعف بھی ہے جو پہلے تفسیر میں ذکر ہوا ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ ضمیر برعکس ہو یعنی تَوَارَتْ کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہو اور رُدُّوْهَا کی ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اس قول میں بھی وہ ضعف ہے جو پہلے میں ذکر کیا گیا ہے اور ان تینوں تفسیروں میں بہت ضعیف بات یہ ہے کہ اس کے بعد مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ میں توارث سے مراد یہ ہے کہ تلوار کے ذریعے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنوں کو کاٹ ڈالا یہ تو بہت ساری وجوہات کی وجہ سے باطل قول ہے پہلا یہ کہ جہاد کے مال کو ہلاک کرنا۔ دوسرا یہ کہ یہ بیت المال اللہ کا مال تھا تو اسکا ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔ تیسرا یہ کہ مسح عرب کی اصطلاح میں کاٹنے کے معنی میں نہیں آتا ہے اور اس میں بعض شاذ اشعار بھی منقول ہیں چوتھی وجہ یہ ہے کہ حیوان کو صرف حلقوم میں ذبح کرنے کی اجازت ہے گردن اور پنڈلی سے ذبح کرنا تو ظلم ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ سدی اور کلبی کا قول ہے اور وہ تو تفسیر میں واهیین (کمزور) ہیں۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اس کا امام ابن جریر، امام رازی اور امام شربینی رحمھم اللہ وغیرہ نے رد کیا ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ اس قول سے بعض صوفیوں نے استدلال کیا ہے کہ جذبے کی حالت میں اپنے کپڑے پھاڑنا جائز ہے اس لئے کہ سلیمان علیہ السلام نے جذبے میں آ کر گھوڑوں کو ہلاک کیا اور یہ استدلال شبلی نے ذکر کیا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اسی کا رد کیا ہے اور اسی طرح تلبیس ابلیس میں ابن جوزی نے بھی اس کا رد کیا ہے۔

تفسیر 34 سلیمان علیہ السلام کی صفات ذکر کرنے کے بعد اس سے الوہیت کی نفی کرنے کے لیئے ان پر امتحان کا ذکر کیا ہے۔ فَتَنَّا: فتنہ ہر انسان کے اپنے حال کے موافق ہوتا ہے انبیاء کرام کے لئے فتنے کا لفظ استعمال ہوا ہے تو وہ اجتہادی غلطی یا سہواً یا نسیان کے حکم میں آتا ہے اور یہ گناہ نہیں ہے لیکن حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کے قانون سے انبیاء کے لئے ناراضگی کا سبب بن جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوا ہو اسی وجہ سے اس کو فتنہ کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام کے فتنے کے بارے میں صحیح قول یہ ہے جو صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جہاد سے محبت کیوجہ سے چاہا کہ ان کی جتنی اولاد پیدا ہو جائے وہ سب مجاہدین ہونگے اور انہوں نے کہا میں آج اپنی ساری بیویوں سے جماع کروں گا ان سے اولاد پیدا ہوگی تو وہ سب مجاہدین ہونگے اور ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا بھول گئے تو کچھ عرصہ بعد ان کے پاس ایک ناقص الوجود بچہ لایا گیا اور اسے کرسی پر ڈالا گیا کہ آپ کی بیوی سے صرف یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور باقی بیویوں سے کچھ پیدا نہیں ہوا تو انہیں یاد آیا کہ میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تھا یہ اس

کا نتیجہ تھا تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اس بناء پر جسد سے مراد نامکمل بچہ ہے یہ صحیح حدیث صحیح بخاری کتاب الغسل حدیث 284، صحیح مسلم فی الحیض 309، مسند بزار 9335، ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی قوت سے یہ بات خارج نہیں ہے کہ ایک رات میں سو بیویوں سے صحبت کریں اور دوسری ضروری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ہے لہٰذا صرف عقل کی بنیاد پر اس حدیث یا باقی احادیث کا رد کرنا ظلم ہے اور اس کے علاوہ جو اقوال مفسرین نے ذکر کئے ہیں جن میں سے یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کی بنیاد ان کا انگوٹھی پر رکھی گئی تھی اور شیطان سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا تھا اور مسلمانوں پر بادشاہی کی اور سلیمان علیہ السلام کے گھر پر مسلط ہوا تھا وغیرہ، وغیرہ یہ سب فضول باتیں ہیں امام ابن کثیر قرطبی، رازی اور شربینی وغیرہ نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ روایت یہودیوں سے نقل کی گئی ہے انہوں نے سلیمان علیہ السلام پر بہت جھوٹ باندھے تھے یہ ان کے جھوٹ کی ایک کڑی ہے اور امام ابن الحیان نے تفسیر البحر المحیط میں لکھا ہے کہ مفسرین نے فتنے اور جسد کے بارے میں ایسے اقوال ذکر کئے ہیں جن سے انبیاء کرام علیہم السلام کی براءت کرنا واجب ہے وہ مفسرین کی کتابوں میں ہیں لیکن ہمارے لئے ان کا نقل کرنا جائز نہیں ہے اور یہ یہودیوں اور زندیقوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتنے اور جسد کا بیان نہیں کیا لیکن اس پر ظاہر وہ ہے جو لَاَطُوْفَنَّ اللَّیْلَةَ والی حدیث میں آیا ہے۔

تفسیر 35: یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب ہے کہ تواضع اور خشوع کے اظہار کے لئے اور درجات میں بلندی کے حصول کے لئے استغفار کرتے ہیں یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا ہو اور استغفار دنیا کی ترقی کا سبب بھی ہے اسی وجہ سے بادشاہت کی دعا سے پہلے استغفار ذکر کیا وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ سوال: انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے کہ دنیا کی بادشاہت طلب کریں؟ جواب: دنیا کی بادشاہت اور مال جب دین کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جائے تو ان کا طلب کرنا جائز ہے بلکہ عبادت ہے تو سلیمان علیہ السلام نے دین کی حفاظت کے لئے یہ سوال کیا اور وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنا مقصد حاصل نہیں ہوا جو دین کی حفاظت کے لئے مجاہدین اولاد کو طلب کیا تھا تو اب دین کی حفاظت کے لئے بادشاہت طلب کرتے ہیں لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اس سے مراد ایسی بادشاہت ہے جو سلیمان علیہ السلام کیساتھ خاص ہو اور اس پر دلیل صحیح بخاری کی حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل رات میرے پاس نماز کی حالت میں ایک سرکش جن آیا مجھ پر نماز خلط ملط کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس

پر قدرت دی میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون کیساتھ باندھ لوں تاکہ کل تم اسکو دیکھ لو لیکن مجھے سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی تو اس وجہ سے میں نے نہیں باندھا صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث 461 صحیح مسلم حدیث 541 یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ اس میں سلیمان علیہ السلام نے اپنے لئے خصوصیت ذکر کی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ جنات کو پکڑنا اور انکو باندھنا ممکن ہے اور سحر جادو گنڈوں سے بھی ہو سکتا ہے لیکن وہ جائز نہیں ہے۔ سوال: اپنے لئے اس دعا کو خاص کرنا تو بخل ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی شان کے مناسب نہیں ہے؟ جواب: مفسر زمخشری نے ذکر کیا ہے کہ اس خصوصیت سے مراد معجزہ ہے اور معجزے کو اسلئے طلب کیا تھا کہ نبوت اور توحید کی تصدیق حاصل ہو جائے یہ انبیاء کرام کا کام ہے اور لَا يَنۢبَغِي کی تفسیر میں اور بھی بہت سارے اقوال ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں اور جب انکی بادشاہت کے حصول کے لئے سلیمان علیہ السلام کے پاس اسباب نہیں تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس نام سے وسیلہ طلب کیا اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ بغیر کسی عوض اور اسباب کے معافی کرنے والا ہو۔

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ ع
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿٤١﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ
مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ
صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

"لہذا ہم نے تابع کردی ان کے ہوا وہ چلتی تھی ان کے حکم سے نرمی سے جہاں وہ ارادہ فرماتے[36] اور ہم نے شیطانوں کو بھی تابع کرلیا جو ہر عمارت بنانے والے غوطہ لگانے والے ہیں[37] زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے[38] یہ ہماری بخشش ہے احسان کر یا محفوظ رکھ بغیر حساب[39] بیشک ہمارے پاس ان کے لئے بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے[40] اور ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کو یاد کرو جس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری اور تکلیف شیطان نے پہنچائی ہے[41] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا پاؤں زمین پر مار یہ غسل کرنے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے ہے[42] اور ہم نے اس کو اس کا اہل عیال اور ان کی طرح مزید اپنی رحمت سے اور عطا کئے اور عقلمندوں کے لئے نصیحت ہے[43] اور تو پکڑ اپنے ہاتھ میں ایک مٹھی تنکوں کی (جھاڑو) اور اپنی بیوی کو اسکے ساتھ مارنا اور قسم نہ توڑنا ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا وہ اچھا بندہ تھا بیشک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا[44]۔

تفسیر 36، 37، 38: ان آیات میں سلیمان علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے اور بادشاہت کا معجزے کے طور پر پہلے ہوا کو تابع کیا گیا جس کے ذریعے سے اس کا تخت اس کے حکم کی مطابق چلتا تھا اَمْرِهٖ میں مقتضی کی طرف اشارہ ہے رُخَآءً فرمانبردار اور نرم کو کہا جاتا ہے تابع تو ہر وقت ہوتی ہے لیکن کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز تو اسی وجہ سے سورۃ الانبیاء آیت 81 میں عَاصِفَةً ذکر ہے اور یا نرم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ تیز تھی لیکن سلیمان علیہ السلام کی رفتار میں پریشانی اور خرابی پیدا نہیں کرتی اَصَابَ ارادے اور قصد کے معنی میں ہے پہنچنے کے معنی میں نہیں ہے اور دوسرا معجزہ سرکش جنوں کو تابع کیا گیا وہ سخت کام کرتے جو انسان نہیں کرسکتے تھے بَنَّآءٍ عمارتیں بناتے جیسے سورۃ سبا آیت 13 میں گزر چکا ہے اور غَوَّاصٍ سمندر میں غوطہ لگاتے تاکہ موتی نکالیں اور جو فرمانبرداری سے انکار کرتے تو انکو قید کرکے زنجیروں

میں باندھتے ۔

تفسیر 39: هٰذَا میں پہلی بادشاہی اور ہوا کے مسخر کرنے اور شیاطین کو تابع کرنے کی طرف اشارہ ہے عَطَآؤُنَا اس کے ذریعے سے وہم کو دور کیا کہ یہودیوں نے اس بات کو مشہور کی تھی کہ سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے اور تسخیر جادو کے سبب سے کی تھی تو جواب ہوا کہ یہ بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی جادو کے ذریعے سے نہیں تھے۔ فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ یعنی اس میں سلیمان علیہ السلام دنیا کے کسی قانون کے بھی پابند نہیں تھے کسی قیدی کو آزاد کریں یا بند کریں ان پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔

تفسیر 40: اس میں اشارہ ہے کہ یہ دنیاوی انعامات اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے دوری کا سبب نہیں ہے جیسے باقی سرمایہ داروں کی مالداری آخرت کے منافی ہوتی ہے۔ فائدہ: داؤد علیہ السلام کے واقعے میں بھی یہ سجدہ ذکر ہے اسلئے وہاں پر غَفَرْنَا کے ساتھ صراحت ذکر ہے اور یہاں پر سجدے کا ذکر نہیں تھا اس وجہ سے مغفرت کا صراحتاً ذکر نہیں کیا ہے اس طرح لفظ اَسْتَغْفِرْ میں رَبِّ اغْفِرْ لِیْ سے زیادہ مبالغے اور عاجزی کا ذکر تھا تو معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام بہت زیادہ عبادت گزار اور عاجزی کرنے والے تھے (واللہ اعلم)۔

تفسیر 41: یہ تیسرا قصہ ہے داؤد علیہ السلام کا امتحان شرعی فیصلوں کے بارے میں تھا اور سلیمان علیہ السلام کی آزمائش جہاد سے محبت کے بارے میں تھی اور ایوب علیہ السلام کی ابتدائی آزمائش اپنے نفس کے بارے میں تھی یعنی بدن اور مال کے اعتبار سے اور پہلے دونوں بادشاہ اور عبادت گزار تھے اور ایوب علیہ السلام سرمایہ دار اور عابد تھے اور جب امتحان میں مقصد بندگی کو ثابت کرنا ہے تو اس وجہ سے اس کی صفت عَبْدَنَا سے ذکر کی اور عبدیت کی تفسیر اس قول کے ساتھ ذکر کی اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ قتادہ کا قول ہے جس کو مفسر شربینی نے ذکر کیا ہے کہ بِنُصْبٍ سے مراد بدنی بیماریاں ہیں۔ اور وَّ عَذَابٍ خارجی مصائب ہیں اہل وعیال اور مال کی ہلاکت کا سبب ہے شیطان کی طرف نسبت کرنے میں مشہور اقوال مفسرین کے ایسے قصے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہیں اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ قرآن اور صحیح حدیث میں ان واقعات کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اسرائیلیات کی باتیں علماء کے نزدیک چھوڑی گئی ہیں لہٰذا ان سے آنکھیں پھیر کر کانوں کو بہرہ کر دینا اسلئے کہ یہ آپ میں کفریہ خیالات پیدا کریں اور آپکے دل میں فساد پیدا کریں گا تو اس نسبت میں صحیح قول یہ ہے کہ شر اور خیر کے تمام افعال کفر اطاعت معصیت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کیساتھ ہیں

لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنی چاہیے اور شیطان کی طرف نسبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صالحین کی تکالیف اور مصائب پر شیطان خوش ہوتا ہے اور اس کے وسوسوں کا سبب بن جاتا ہے جیسے نسیان کی نسبت یوشع علیہ السلام نے شیطان کی طرف کی ہے وَمَآ اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (سورة کہف، آیت نمبر 72)۔ فائدہ: قرآن کریم میں سورۃ انبیاء اور اس سورۃ کے اجمالی طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں بیماری اور تکلیف تھی مگر اس سے ایسے مبالغے کے قصے بیان کرنا جو نبی کی شان کے خلاف ہو جائز نہیں مفسر آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس آیت میں محققین کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بشری حادثات آسکتے ہیں بشرطیکہ جرام مکر دہ عیب جوئی اور نفرت پیدا کرنے والے نہ ہو لہذا افالج کا برص جزام نابینا اور پاگل پن ہونا یہ بیماریاں ان پر نہیں آسکتی ہیں۔

تفسیر 42: یہ ان کی دعا کی قبولیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے علاج کا طریقہ ہے اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ایڑی اور پاؤں پر کسی چیز کے مارنے کو کہتے ہیں اور یہاں قُلْنَا مقدر ہے پھر اس میں اقوال ہیں مشہور قول یہ ہے کہ پاؤں اس وجہ سے مارنا کہ چشمہ جاری ہو جائے دوسرا قول اسلئے کہ اس سے بیماری ختم ہو جائے اور یہ ایک معجزہ ہے اور تفسیر قرطبی میں ان گمراہ صوفیوں کا سخت رد کیا ہے جو اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ذکر کے ساتھ ناچنا رقص کرنا جائز ہے اور یہ عین معنوی تحریف ہے اور لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا میں اسکا ذکر ہوا ہے۔ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ یہ بدن کے علاج کا طریقہ ہے کہ غسل کے ذریعے سے ظاہری بیماریاں ختم ہو جائیں گی اور پینے سے باطنی بیماریاں ختم ہو جائیں گی مغتسل پانی کو اور غسل کی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 43: یہ اہل کے بارے میں دعا کی قبولیت ہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام کا خاندان کے لوگ بکھر گئے تھے یا دنیا سے جا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کیا یہ بھی معجزہ ہے رَحْمَةً مِّنَّا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی غالب نہیں ہے کوئی (شفیع قہری) جبری شفاعت والا نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (اس میں بعد والوں کیلئے) نصیحت یہ ہے کہ صبر میں کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کشادہ ہے اس سے ناامید ہونا جائز نہیں ہے اور عاجزی انکساری کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

تفسیر 44: یہ اُرْكُضْ یا وَهَبْنَا پر یا پھر قُلْنَا مقدر پر عطف ہے اور یہ ایوب علیہ السلام کی قسم توڑنے سے بچنے کے لئے ایک تدبیر ہے اس نے قسم کھائی تھی کہ میں اس بیوی کو سو (۱۰۰) کوڑے ماروں گا اور اس کی بیوی کے مارنے کے بارے

میں بہت سارے اقوال ہیں اسمیں صحیح قول یہ ہے کہ ابلیس ایک طبیب کی شکل میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کے (شوہر کے) مرض کا علاج کرلوں گا اور آپ سے اجرت کا مطالبہ بھی نہیں کرونگا سوائے اس کے کہ میرے تقرب میں ایک بکرا ذبح کرلو یا آپ یہ کہیں گے کہ یہ شفاء اس نے دی ایوب علیہ السلام کی بیوی نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے لیکن اس بات کو ایوب علیہ السلام تک پہنچایا وہ سخت غصہ ہوئے غصے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اتنا عرصہ توحید میں گزارا تو پھر کیوں نہیں سمجھتی کہ یہ ایک مشرک تھا اور آپ کو شرک کے کلمات سکھائے) لہٰذا اس غفلت پر میں آپ کو سو کوڑے ماروں گا لیکن جب بیوی نے اس بات پر عقیدہ نہیں رکھا عمل نہیں کیا صرف ایوب علیہ السلام تک بات پہنچائی تو وہ مجرم نہیں تھی تب اسکا مارنا ظلم بن رہا تھا اور اگر بالکل مارنے سے رکتے تو ایوب علیہ السلام کی قسم (ٹوٹ جاتی) حانث ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بتائی کہ بیوی اس کے ظلم سے بھی بچ جائے اور ایوب علیہ السلام قسم توڑنے سے بھی بچ جائے اور اس سے معلوم ہوا کہ ادب سکھانے کے لئے شوہر کا بیوی کو مارنا جائز ہے لیکن حد سے تجاوز نہیں کرینگے ضِغْثًا اس جھاڑو کو کہا جاتا ہے جس میں سو تنکے ہوں یا اس شاخ کو کہتے ہیں جو سو(۱۰۰) ٹہنیوں (شاخوں) پر مشتمل ہو۔
فائدہ ۱: جو طریقہ ایوب علیہ السلام کو بتایا گیا اس کو شریعت میں مخرج کہا جاتا ہے اس کو حیلہ کہنا مناسب نہیں ہے اسلئے کہ حیلہ اگرچہ لغت میں مطلقاً تدبیر خفی کو کہتے ہیں لیکن اکثر استعمال اس طرح سے ہوتا ہے کہ اس میں خباثت پائی جاتی ہے۔ اور یہ سب امام راغب نے مفردات القرآن میں ذکر کئے ہیں پھر اس طریقے میں علماء کا اختلاف ہے مجاہد اور عطاء رحمھم اللہ سے منقول ہے کہ یہ ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہماری شریعت میں أیمان (قسم) کی حدود میں یہ رخصت باقی ہے اسلئے مخرج (ناقص خلقت والی) کی (جو صحیح ابن ماجہ کتاب الحدود حدیث 2574، طبرانی کبیر حدیث 5521 سنن کبریٰ 8/230) حدیث ہے کہ اس نے زناء کیا تھا اور غیر شادی شدہ تھے نبی ﷺ نے اس کے مارنے کے لئے ایسا طریقہ بتایا تھا اور اس پر ایمان (قسم) قیاس کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ضرورت کے وقت حدود میں جائز ہے اور أیمان میں یہ طریقہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس کی شرعی دلیل ہی نہیں ہے اور دوسرا طریقہ یہ کہ ہماری شریعت میں کفارہ ہے۔ فائدہ ۲ مبسوط اور عالمگیری وغیرہ میں فقہاء احناف نے حیلہ کی اقسام ذکر کی ہیں بعض جائز کہا گیا ہے جبکہ بعض کو ناجائز۔ پہلی قسم مظلوم سے ظلم کے ہٹانے کے لئے حیلہ کرنا جیسے ایوب علیہ السلام کا طریقہ تھا جائز ہے دوسرا ایک مباح چیز کے حصول کے لئے جائز طریقہ استعمال کرے جیسے یوسف علیہ السلام کے واقعے میں ہے یہ بھی جائز

ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا جیسے اس کی تحقیق گزر چکی ہے تیسری قسم حرام تک پہنچنے کے لئے حیلہ کرنا جیسے اصحاب سبت کا حیلہ تھا اور اسی طرح اسقاط مروجہ کا حیلہ اس ملک میں ہے مالدار کے لئے فدیہ لینا حرام ہے اور اسی طرح مقدار شرعی سے فدیہ کم کرنا منع ہے لیکن اس حیلہ مروجہ کے ذریعے سے یہ دونوں کام جائز سمجھے جاتے ہیں اور بھی بہت ساری خرابیاں اس میں ہیں تو یہ ناجائز ہے چوتھی قسم ایک شرعی حق کے ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تاکہ اس پر زکوٰۃ اور شفع واجب نہ ہو جائے اس کے جواز کی نسبت امام یوسف کی طرف کی گئی ہے اور یہ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ امام محمد کے قول کے مطابق فتویٰ ہوگا اور صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ كُلُّ حِيلَةٍ اَوْجَبَتْ اَبْطَالَ حِكْمَةٍ شَرْعِيَّةٍ لَا تُقْبَلُ ہر حیلہ جو حکمت شرعیہ کا لازم ہونا ساقط کرتا ہے وہ مردود ہے یہ بہتر قاعدہ ہے اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا یہ ایوب علیہ السلام کے بہت سارے مصائب اور ہر مصیبت میں صبر کرنے پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ اس طرح کی عبارت تجربے کے مقام میں استعمال ہوتی ہے جب ایک شخص یا ایک کام پر تجربہ کیا جائے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ پہلے بھی اس کی بندگی کا ذکر تھا تو وہ اللہ کی طرف عاجزی اختیار کرنے کی وجہ سے تھا نِعْمَ کیساتھ دوبارہ ذکر ہوا تو یہ توحید پر غیرت کیوجہ سے ہے جس کی وجہ سے بیوی کے مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى
الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ
الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ
فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

"اور ہمارے بندے ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کو یاد کرو جو قوت والے اور عقل والے تھے [45] بیشک ہم نے ان کو ایک خاص خصلت کیساتھ خالص کر دیا جو کہ آخرت کی یاد ہے [46] اور بیشک یہ ہمارے نزدیک البتہ چنے ہوئے پسندیدہ لوگ ہیں [47] اور اسماعیل الیسع ذوالکفل کو یاد کرو یہ سب پسندیدہ لوگوں میں سے تھے [48] یہ ایک نصیحت ہے اور پرہیزگاروں کے لئے بہترین پلٹنے کی جگہ ہے [49] ہمیشہ رہنے کے لئے باغات ہیں اور انکے لئے اسکے دروازے کھلے ہوئے ہونگے [50] اس میں ٹیک لگائے ہونگے اور اس میں بہت سارے پھل اور پانی طلب کریں گے [51] اور انکے پاس نیچے نگاہ رکھنے والی ہم عمر بیویاں ہوں گی [52] یہ ہے جس کا تم سے حساب کے دن کے لئے وعدہ لیا گیا ہے [53] بیشک یہ ہمارا رزق ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے [54]۔

تفسیر 45، 46، 47: یہاں تین انبیاء علیہم السلام پر آزمائشوں کا ذکر ہے جن کی آزمائشوں کا اجمالاً ذکر باقی سورتوں میں آیا ہے اور اس میں ان کی بندگی کی ثبوت ہے اس وجہ سے لفظ عِبٰدَنَآ ذکر کیا ہے پھر ان کی کمال کی پانچ صفات ذکر کی ہیں پہلی اور دوسری اُولُوا الْاَبْصَار پہلی سے مراد قوت اور خیر کے اعمال کی کثرۃ الْاَيْدِيْ یہ ید کی جمع ہے ہاتھوں کے معنی میں ہے لیکن اکثر اعمال ہاتھوں کے ذریعے سے ہوتے ہیں اس وجہ سے "اَيْدِيْ" سے مراد اعمال ہیں یا ید نعمت کے معنی میں ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بہت ہیں یا لوگوں کے ساتھ ان کے احسانات بہت تھے جس کا اللہ کی طرف دعوت دینا سبب تھا وَالْاَبْصَار اس سے مراد بصیرت قلبی ہے یعنی علم اور معرفت الٰہی والے تھے اور ان صفات کے ذکر کرنے میں اہم اشارہ ہے کہ جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں انکی مثال اس طرح ہے جیسے ان کے ہاتھ اور آنکھیں نہ ہوں اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ یہ تیسری صفت ہے خَالِصَةٍ یعنی اچھی حالت اور پاک صفت ذِكْرَى الدَّارِ یہاں پر بھی ھی پوشیدہ مراد

ہے یعنی وہ صفت خالصۃ یہ ہے کہ یہ لوگ ہر وقت آخرت کو یاد کریں اور اسکے لئے تیاری کریں باقی لوگوں کو اس کی نصیحت کریں وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ یہ چوتھی اور پانچویں صفت ہے اَلْمُصْطَفَيْنَ میں صفت لازمی سلبی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ذات میل کچیل (گناہوں) سے پاک ہے اَلْاَخْيَارِ میں صفت متعدی ایجابی کی طرف اشارہ ہے یعنی باقی لوگوں کی نسبت یہ لوگ بہتر ہیں اور اپنے ساتھ اور باقی لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے والے ہیں مفسر خطیب شربینی نے لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسلئے کہ مطلقاً اصطفاء اور اخیار عصمت پر دلالت کرتے ہیں۔

تفسیر 48: یہ تین انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے ان کی آزمائش اور اس پر صبر کرنے کی طرف اشارہ ہے اسماعیل علیہ السلام کی بچپن میں آزمائش اور اس پر صبر کرنا سورۃ الصافات میں ذکر ہوئی اور یسع بن اخطوب اور ذوالکفل (بشیر بن ایوب) علیہم السلام کے تفصیلی حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں مِنَ الْاَخْيَارِ میں دعوت الی اللہ میں ان کے مصائب کی طرف اشارہ ہے اور اس پر صبر کرنے اور باقی صالح اعمال کی طرف اشارہ ہے پہلے تین اور ان تین انبیاء علیہم السلام کے احوال میں تفاضل اور فرق کی طرف اشارہ کیا اس میں تعبیر کا تفاوت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ انکے درجات کے فرق کرنے پر خوب عالم ہے لیکن ہمارا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَ پر عقیدہ ہے۔

تفسیر 49 تا 54: انبیاء علیہم السلام پر آزمائشوں کے بعد اخروی بشارت کا ذکر ہے اور اَلْمُتَّقِيْنَ کے لفظ میں یہ سب داخل ہیں هٰذَا ذِكْرٌ تنوین برائے تنویع یعنی اقسام کے لئے ہے اور ایک عظیم قسم مراد ہے یعنی یہ جو (انبیاء علیہم السلام کے واقعات) گزر گئے یہ ایک قسم کی عظیم الشان نصیحت ہے اور دنیا میں ان کو اچھے انداز سے یاد کیا جائیگا اور آخرت میں بھی وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لفظ اس وجہ سے ذکر کیا کہ سورۃ کے شروع کے ساتھ کلام مربوط ہو (وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ) اِنَّ مضمون کا عطف ماقبل کے مضمون پر ہے هٰذَا ذِكْرٌ وما التَّقْوٰى فِي الدُّنْيَا وَاَمَّا ذِكْرُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ اور اس بشارت میں دس امور ذکر کئے گئے ہیں (۱) حُسْنَ مَاٰبٍ (۲) جنت عدن ماقبل کے لئے بدل ہے مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ یعنی جنت میں داخل ہونے کے وقت جنت کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائینگے جیسے سورۃ زمر آیت 73 میں ہے مُتَّكِـِٕيْنَ یہ اجمالی حالت ہے اور باقی آیتوں میں تفصیل ہے عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِــُٔوْنَ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ - يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ یعنی ہر قسم کے پھل اور پینے کی تمام

اقسام باء کا حرف ملابست کے لئے ہے یعنی خادموں کو پکاریں گے تو جب وہ حاضر ہونگے تو پھلوں اور پانی میں مصروف ہونگے وَ عِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ کھانے پینے اور مکان کے ذکر کے بعد اب بیویوں کا ذکر ہے اور بیوی کا صرف اپنے شوہر پر نگاہ رکھنا کسی اور کی طرف نہ دیکھنا انکا اپنے شوہروں سے زیادہ محبت اور زیادہ حیاء کی طرف اشارہ ہے اَتۡرَابٌ یعنی عمر، خوبصورتی اور زینت میں سب ایک جیسی ہوں گی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا حدیث 2841، ادب المفرد 978، صحیح ترمذی 1545، مشکوۃ البانی 4374 میں ہے کہ سب کی عمر 33 سال ہوگی یا یہ کہ شوہروں کے ہم عمر ہوں گی هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡحِسَابِ یعنی حساب کا دن ان کے لئے انعامات کا دن ہے حساب میں امتحان نہیں ہے اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ اس سے مراد جنت اور اس کے انعامات اور اس کے اہل کا ہمیشہ کے لئے رہنا ہے جیسے عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ سورۃ ھود آیت 108 اور فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ سورۃ تین آیت 6 یہ ان لوگوں کا رد ہے جو جنت اور اسکے اہل کے فنا ہونے کے قائل ہیں۔

هٰذَا ۗ وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾
وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ
لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي
النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ
الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ ع

"اور بیشک سرکشی کرنے والوں کے لئے برا ٹھکانا ہے [55] جہنم ہے یہ لوگ اس میں داخل ہونگے تو بہت برا ٹھکانا ہے [56] اس کو چکھو یہ کھولتا ہوا اور پیپ والا پانی ہے [57] اور اس طرح ہر قسم کے اور بھی عذاب ہیں [58] یہ ایک گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہوگا تمہارے لئے کوئی خوشی نہیں ہے بیشک یہ لوگ آگ میں داخل ہونگے [59] یہ لوگ کہیں گے بلکہ تمھارے لئے کوئی خوشی نہیں ہے تم نے یہ ہمارے آگے کئے ہیں تو بہت برا ٹھکانا ہے [60] یہ لوگ کہیں گے جس نے یہ ہمارے آگے کئے ہیں تو اس کو آگ میں ڈبل عذاب دینا [61] اور یہ لوگ کہیں گے ہمیں کیا ہوا کہ ہم ان کو نہیں دیکھتے ہیں جن کو ہم شریر لوگوں میں شمار کرتے تھے [62] کیا ہم نے انکو مذاق بنایا ان سے ہماری نظریں ٹیڑھی ہوئی ہیں [63] یقیناً یہ جہنم والوں کا لڑنا تو حقیقی بات ہے [64]۔

تفسیر 55 تا 64: یہ متقین کی بشارت کے مقابلے میں تخویف اُخروی ہے اور یہ بھی جہنم کی دس قبیح صفات پر مشتمل ہے هٰذَا مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے یہ جنت کے انعامات کی دوسری قسم کا ذکر تھا اب جہنم کا حال سنو وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ اس سے مراد کامل سرکشی کرنے والا یعنی مشرک لَشَرَّ مَاٰبٍ یہ حسن مآب کے مقابلے میں پہلا حال ہے جہنم شَرَّ مَاٰبٍ کے لئے بیان ہے فَبِئْسَ الْمِهَادُ وہ چیز جو انہوں نے اپنے لئے تیار کی ہو اس سے مراد فراش ہے هٰذَا اس میں بھی تقدیری عبارت ہے یعنی اَلْاَمْرُ هٰذَا یا هٰذَا مبتدا ہے حمیم اور غساق اس کی خبر ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے غَسَّاقٌ وہ گندگی جو جہنمیوں کے بدن اور ان کے زخموں سے بہتی ہوگی یا حمیم کے مقابلے میں ہے یعنی بہت زیادہ ٹھنڈا جو زیادہ ٹھنڈک کی وجہ سے جلاتا ہوا اور ترمذی کی حدیث میں ہے (ترمذی حدیث 2585، مشکوٰۃ حدیث 5611، امام البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ اگر دنیا میں غساق کا ایک قطرہ بہادیا جائے تو سارے دنیا والوں کے معیشت تباہ ہوجائینگے وَّاٰخَرُ مِنْ

شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ یعنی عذابٌ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖ کی ضمیر مذکورہ تاویل کے مطابق حمیم اور غساق کی طرف راجع ہے۔ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ : ازواج عذاب کی بہت ساری قسمیں ہوں گی۔ یہ باطل معبودوں کے اوران کے ایک دوسرے سے عابدوں کی برات کا ذکر ہے یعنی جب ان کے بڑے جہنم میں پہلے داخل ہوجائیںگے اوران کی پیروی کرنے والے ملائک پاس ہونگے ملائک ان کولیکر آئینگے اوران کے بعد ان کو داخل کرینگے تو ملائک ان کے بڑوں سے کہیں گے هٰذَا فَوْجٌ بڑی جماعت کو فوج کہا جاتا ہے مُّقْتَحِمٌ کسی تنگ جگہ میں زبردستی داخل ہونے کو اقتحام کہتے ہیں اس لئے کہ جہنم میں ان کی جگہیں تنگ ہوں گی لَا مَرْحَبًا بِهِمْ یہ ان کے بڑوں کا قول ہے اور یہ بددعا ہے یعنی فراخی ان کا مقدر نہ ہے یا جملہ خبریہ ہے اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ یہ بھی ان کے بڑوں کا قول ہے اور لَا مَرْحَبًا کے لئے علت ہے بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ یعنی تم اس (وسعت نہ دینے) کے حقدار ہو اوراسکی علت یہ ہے کہ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا اس میں ضمیر کفر اور شرک کی طرف راجع ہے جو قرینے سے معلوم ہوتا ہے فَبِئْسَ الْقَرَارُ قرار آرام کو کہتے ہیں تو یہ بطور مذاق اڑانے اور زجر کے لئے ہے قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ یہ دعوت کے طور پر ہے یعنی جو شرک کی طرف داعی ہے تو اس کے لئے دوگنا عذاب چاہئے جیسے سورۃ احزاب آیت 68 میں گزر چکا ہے وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا یہ چھوٹے بڑوں سب کا قول ہے اوراس میں اشارہ ہے کہ ان کی پیروی کرنے کا نتیجہ برا ثابت ہوا تو اس طرح انکا یہ گمان بھی غلط ثابت ہوا کہ یہ لوگ توحید والوں کو شرپسند کہا کرتے تھے اور حالانکہ وہ لوگ جہنم میں نہیں تھے بلکہ وہ تو بہترین لوگوں میں سے تھے اور جاہلوں کی یہ عادت آج بھی جاری ہے کہ یہ توحید اور سنت کے داعیوں اور ہر حق پرست کو شرپسند کہتے ہیں لیکن ان کو قیامت میں معلوم ہوجائیگا اَتَّخَذْنٰهُمْ اس میں ہمزہ استفہامی موجود ہے اور ہمزہ وصلی محذوف ہے اور یہ استفہام تقریری ہے انکے قول کا حاصل یہ ہے کہ وہ موحدین جنہیں ہم شریر کہتے تھے وہ جہنم میں ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے ہیں یا تو ہماری نظر خراب ہے اوراس سے ویسے نظریں پھیری ہیں اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ مراد یہ ہے کہ دنیا میں ان کی حقیقت اور ان کے مرتبے سے ہماری نظریں بند تھیں تَخَاصُمُ یعنی بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان یہ باتیں کرنا یہ جہنم کی آگ میں خصومت اور لڑائی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ
الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾
اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

"آپ کہہ دیجئے بیشک میں ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تنہا ذات ہے اور غالب ہے [65] جو آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسکا رب ہے جو غالب ہے اور معاف کرنے والا ہے [66] آپ کہہ دیجئے یہ بات تو بڑی شان والی ہے [67] تم اس سے منہ پھیرنے والے ہو [68] مجھے ملائک اعلیٰ کی اس بڑی مجلس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے جب وہ آپس میں لڑ رہے تھے [69] مجھے صرف اس وجہ سے وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلا ڈرانے والا ہوں [70]۔

تفسیر 65، 66: یہ توحید کا دعویٰ ہے اور ماقبل پر تفریع ہے اور یہ سورۃ کی ابتداء سے متعلق ہے اس میں رسول کی صداقت اور توحید کا ذکر ہے اور توحید کے اثبات کے لئے پانچ اسماء الٰہی ذکر کئے گئے ہیں۔

تفسیر 67، 68: یہ توحید کے مسئلے کے لئے عظمت شان کا بیان ہے اور ساتھ میں اعراض کرنے والوں کو زجر ہے هُوَ ضمیر توحید کی طرف راجع ہے اور اسی طرح قرآن کریم کی طرف بھی اور سورۃ میں ماقبل جتنے بھی الفاظ مذکور ہیں ان سب کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 69: اس آیت سے آخری آیت تک تیسرا باب ہے۔ اس میں صدق رسول کا مضمون نفی علم غیب کے ساتھ ذکر ہے پھر ملائک اور ابلیس پر امتحان کرنے کا ذکر ہے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے ذریعے اور آخر میں رسول اور قرآن کی سچائی کا ذکر ہے جو سورۃ کی ابتداء سے موافقت کے لئے ہے اس میں صدق رسول کا ذکر ہے اعراض کرنے والوں پر رد کرتے کے لئے جنہیں گزشتہ آیت میں زجر تھی۔ حاصل یہ ہے کہ تم کس بنیاد پر اعراض کرتے ہو حالانکہ اس نبی نے اپنے علم سے یہ بات نہیں کی ہے بلکہ وحی کے ذریعے سے خبر دی ہے اس آیت کی تفسیر میں دو اقوال مشہور ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ الْمَلَاِ الْاَعْلٰى سے مراد ملائک ہیں اور اختصام سے مراد ملائک اور اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کے خلیفہ بننے اور سجدے کے بارے میں بحث کرنا ہے جو سورۃ بقرہ میں ذکر ہوا ہے اختصام صرف سوال اور جواب کو کہتے ہیں جھگڑے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ دوسرا قول عبدالرحمٰن بن عائش کی روایت سے حدیث ہے جو امام ترمذی نے صحیح ترمذی کتاب التفسیر 3235، حاکم تلخیص

خازن اور قرطبی وغیرہ نے یہاں پر ذکر کی ہے اور اختصام کفارات اور درجات کی بلندی میں ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے اس لئے کہ بعد میں اس کا تذکرہ آنے والا ہے دوسرا یہ کہ حدیث سے ثابت نہیں ہے اس کی تفصیل تفسیر خازن میں ہے حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عائش کی ایک حدیث ہے جس کی سند میں اضطراب ہے اور امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بہت ساری اسناد سے منقول ہے اور وہ تمام ضعیف ہیں اور اس حدیث کے ثابت ہونے میں اعتراض ہے اور کتاب الجرح والتعدیل امام ابن ابی حاتم کی صفحہ 262 جلد ۵ میں کہا ہے کہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عائش صحابی ہے اور ابو ذرعہ نے کہا ہے کہ یہ معروف بھی نہیں ہے۔ سوال: اگر کہا جائے کہ امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے؟ جواب: محدثین امام ترمذی کی تصحیح کا اعتبار نہیں کرتے ہیں جب کہ جرح تفصیلی ہو اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے الفاظ تَجَلّٰی لِیْ کُلِّ شَیْءٍ یَاعَلِمْتُ مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کلی کی دلیل لیتے ہیں تو انکا یہ استدلال ضعیف ہے اسلئے کہ حدیث ضعیف ہے۔

تفسیر 70: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا سبب ذکر ہے کہ وہ وحی ہے اور علم جب سبب کی طرف محتاج ہو تو اس کو شرعاً علم غیب نہیں کہا جا سکتا ہے اِلَّآ اَنَّمَآ یہاں پر لام مقدر ہے اِلَّا لِاَنَّمَآ یعنی اس وجہ سے کہ میں نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ہوں یا اَنَّمَا مصدر یہ مصدر کی تاویل میں ہے معنی یہ ہے کہ وحی ہوتی ہے مگر ڈرانے کے لئے اور یہ معنی بہتر ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾

"جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا بیشک میں مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں [71] تو جب میں اس کو برابر کردوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکوں تو تم اس کو سجدہ کرنے والے ہو جانا [72] تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا [73] مگر ابلیس نے نہیں کیا اس نے تکبر کیا اور یہ کافروں میں سے تھا [74]۔

تفسیر 71، 72، 73، 74: ان آیات میں یَخْتَصِمُوْنَ کی تفصیل ہے اور یہاں یہ واقعہ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ملائکہ اور ابلیس پر بھی آزمائش کی گئی تھی انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا مکلف کیا گیا تھا اور جس پر آزمائش آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک یا شفیع قہری نہیں بن سکتا ہے اور یہ مشرکین بالملائکۃ والجن کا رد ہے بَشَرًا سوال: یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ لوگ بشر کو نہیں جانتے تھے تو خطاب میں ان کو بَشَرًا کیسے ذکر ہوا؟ جواب: یہاں پر وضعی معنی مراد ہے یعنی ایسی

مخلوق کو پیدا کروں گا کہ اس کا وجود اور بدن ہمیشہ کے لئے ظاہر ہوگا مگر جب اس کی لباس وغیرہ میں چھپائے تو نظر آئے گا اور جو ملائک اور جنات ہیں تو وہ ہمیشہ نظر نہیں آتے ہیں رُوْحِیْ وہ روح کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی ملکیت اور اختیار نہیں ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی ظاہری سبب نہیں ہے اس خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوئی ہے کوئی ظاہری سبب نہیں ہے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ اس عبارت سے پہلے تقدیری عبارت ہے یعنی جب ان کو پیدا کیا اور روح ڈالی اور ان کے ناموں کے متعلق میں نے علم دیا تو پھر (امر تنجیزی) سے ملائک سے کہا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اور یہ تقدیر سورۃ بقرہ کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے كُلُّهُمْ تاکید کے لئے ہے یعنی ملائک میں سے کوئی بھی مخالفت کرنے والے نہیں تھے اَجْمَعُوْنَ اس میں اجتماعی حالت کی طرف اشارہ ہے یعنی ایک جماعت کی شکل میں سجدہ کیا الگ الگ نہیں ہوئے ہیں اور یہ سجود تحیۃ اور (سلام) کرنے کے طور پر ہے جو پہلی امتوں میں جائز تھا لیکن صرف سر جھکانے کے طور پر تھا عبادت اور سر کو زمین پر رکھنے کے طور پر نہیں تھا اور ہماری امت میں تحیۃ صرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا ہے اور ساتھ میں مصافحہ اور معانقہ کرنا بھی سنت سے ثابت ہے لیکن سلام کے وقت سر جھکانا منع ہے پہلے بھی یہ بحث چھ سورتوں میں گزر چکی ہے۔

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝75 قَالَ أَنَا خَيْرٌ
مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝76 قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝77 وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ
يَوْمِ الدِّينِ ۝78 قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝79 قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝80 إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ
الْمَعْلُومِ ۝81 قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝82 إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝83

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تمہیں سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا انہیں جن کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا کیا تم نے تکبر کیا یا تم سرکشی کرنے والوں میں سے ہو[75] اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے[76] اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہاں سے نکلو یقیناً تم مردود ہو[77] اور بیشک تم پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے[78] ابلیس نے کہا اے اللہ مجھے دوبارہ زندگی تک مہلت دینا[79] اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تمہیں مہلت دی گئی ہے[80] ایک وقت مقررہ تک (اللہ کے علم میں)[81] ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا[82] مگر سوائے تیرے خالص بندوں کے[83]۔

تفسیر 75: پہلے اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے کی علت ذکر کی جو کہ تکبر ہے لیکن پر بھی ابلیس سے سوال فرمایا ہے تا کہ اس کا جھوٹ بھی ظاہر ہو جائے سوال کا مقصد یہ ہے کہ اس کا سجدہ نہ کرنا یہ دو علتوں میں سے ایک علت ہے یا اس نے ویسے تکبر کا دعویٰ کیا ہوگا یا حقیقت میں تکبر ہوگا۔ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یہ تثنیہ ہے یہ دلیل ہے کہ یَدَیْن سے مراد ہاتھ ہیں ظاہر کی معنی میں ہے لیکن اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم اس میں بحث نہیں کر سکتے یہ تمام سلف صالحین کا عقیدہ ہے اس کی تاویل قدرت کے ساتھ کرنا یہ قرآن کی مخالفت ہے اور اس تعبیر میں آدم علیہ السلام کی شان کی عظمت کی طرف اشارہ ہے جو ان کے سجدے کا سبب ہے فائدہ: سورۃ اعراف میں ان لَا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ تھا وجہ فرق یہ ہے کہ وہاں اس بات کا ذکر تھا کہ سجدہ کرنا مامور بہ کی مخالفت کرنے سے مراد اس کام کا نہ کرنا ہے تو اسی وجہ سے لَا تَسْجُدَ ذکر کیا اور یہاں پر خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یہاں سبب سجدے کے امر کی طرف اشارہ ہے تو یہاں پر تَسْجُدَ کا لفظ مناسب ہے (واللہ اعلم)۔

تفسیر 76 تا 83: دوسری جانب کے اعتبار سے یہ ابلیس کا جواب ہے یعنی حقیقتاً میں ہی بڑا ہوں اور یہ ابلیس کا واضح جھوٹ ہے خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ یہ دعوے کی دلیل ہے اور دلیل کا دوسرا مقدمہ پوشیدہ ہے یعنی آگ مٹی سے بہتر ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ

میں اس سے بہتر ہوں اور یہ دلیل یعنی (کبریٰ) باطل ہے اسلئے کہ مٹی کے فائدے آگ سے زیادہ ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس میں دو جنس ہیں مٹی اور پانی اور ہر ایک کے الگ الگ فائدے ہیں اور آگ تو ایک جنس ہے دوسرا یہ کہ نباتات اور ترقی کا مادہ مٹی ہے اور آگ کے بچانے اور ختم کرنے کے لئے ایک مادہ ہے اور بھی بہت فرق ہے تو اس نے قیاس کو اللہ تعالی کی نص کے مقابلے میں پیش کیا ہے یہ ایک گمراہی ہے اور پھر یہ قیاس بذات خود باطل ہے یہ دوسری گمراہی ہے لَعْنَتِیْٓ سورۃ حجر میں اللعنۃ ذکر کیا تھا اس میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور یہاں پر مضاف الیہ پر صراحت ہے اسلئے کہ یہاں سجدے کا حکم ہے سبب ذکر ہوا ہے اور اس کے باوجود بھی ابلیس نے انکار کیا ہے تو یہ مقام بہت زیادہ تاکید کا ہے اور باقی تحقیق سورۃ حجر میں گزر چکی ہے فَبِعِزَّتِكَ اس قسم کھانے میں ابلیس کی خباثت نفسانی پر دلیل ہے یعنی کہتا ہے کہ میں تیری عزت مانتا ہوں اور آدم علیہ السلام کی عزت نہیں مانتا ہوں اور حالانکہ اسکی عزت خَلَقْتُ بِيَدَيَّ سے مذکور ہے۔ فائدہ: اس واقعے کا ماقبل سے ایک ربط یہ ہے کہ پہلے اعراض کا ذکر کیا تھا اور انکا یہ اعراض حسد کیوجہ سے تھا تو اس آیت میں ابلیس کے حسد کا انجام ذکر ہوا۔

قَالَ فَالْحَقُّ ۖ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۚ﴿84﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿85﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿86﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿88﴾

"اللہ تعالی نے فرمایا یہ حق ہے اور میں حق کی بات ہی کہتا ہوں [84] ضرور میں جہنم کو تم سے اور جس نے تمھاری پیروی کی ان میں سے سب سے بھر دوں گا [86] آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس پر کچھ مزدوری کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں اور نہ میں جھوٹ بنانے والوں میں سے ہوں [86] یہ تو صرف تمام عالم کے لئے نصیحت ہے [87] اور کچھ عرصہ بعد تم اسکی حقیقت کو جان لوگے [88]۔

تفسیر 84، 85: اَلْحَقَّ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اَنَا الْحَقُّ یا هٰذَا الْحَقُّ یا مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اَلْحَقَّ مِنِّیْ اور اس سے مراد بعد والا جملہ ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ اور وَالْحَقَّ اَقُوْلُ اس میں عام قول مراد ہے یعنی اللہ تعالی کا ہر امر قول حق ہے یعنی اس کا قول حق میں منحصر ہے اور اس طرح جملہ سورۃ السجدہ آیت 13 اور سورۃ ہود آیت 119 میں گزر چکا ہے اور ان دونوں آیات میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ مطلق کہا ہے اور اس آیت میں ابلیس کی پیروی کرنے پر مقید کیا ہے تو یہ اس کی تفسیر بیان ہوئی۔

تفسیر 87،86: زجر کے بعد اعراض کرنے والوں کے لئے تخویف ہے ابلیس کے انجام سے تو اب پہلی آیت میں اور دوسری آیت میں قرآن کریم کی سچائی ہے اور جب سچائی کی رکاوٹ میں صرف دو چیزیں ہیں ایک مزدوری کی اجرت کا طمع رکھنا جس کی وجہ سے مکمل حق بیان نہیں ہوسکتا ہے اور دوسری اپنی طرف سے جھوٹ بنانا تو ان دونوں چیزوں کی نفی کر دی اَلْمُتَكَلِّفِيْنَ تکلف عام ہے اپنی طرف سے جھوٹ بنانا اور ایسی صفات کا اپنے لئے دعویٰ کرنا جو اس میں نہ ہوں اور علم کے بغیر فتویٰ دینا اور اس میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث صحیح بخاری فی التفسیر حدیث 4809، صحیح مسلم حدیث 2798، ہے کہ جو کسی مسئلے کا علم رکھتا ہو یا اسکے بارے میں کوئی خبر رکھتا ہو تو اس کو بیان کرے اور جو کسی مسئلے کا علم نہیں رکھتا ہو گفتگو نہ کرے اور جو کسی مسئلے کا علم نہیں رکھتا ہو تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا ہوں اسلئے کہ یہ کہنا بھی علم ہے اور پھر اس نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔

تفسیر 88: یہ زجر ہے کہ اب تم انکار کرتے ہو لیکن کچھ عرصہ بعد یعنی دنیا میں تم عذاب کے وقت یا موت کے وقت یا قیامت میں اس کی حقیقت کو جان لوگے نَبَاَهٗ قرآن کریم کا حقیقی حال یا اس کے انکار کی عاقبت کی خبر یا جو خبریں قرآن نے دی ہیں یہ لفظ ان تمام پر مشتمل ہے۔

سورۂ ص کی خصوصیات:

۱۔ داود علیہ السلام کے واقعے کا تذکرہ۔

۲۔ سلیمان علیہ السلام کے احوال کا تذکرہ۔

۳۔ ایوب علیہ السلام کے احوال کا تذکرہ۔

۴۔ مشرکین اور ان کے معبودوں کے آپس میں ایک دوسرے سے اظہار برأت۔

۵۔ جہنم والے آپس میں جھگڑا کریں گے۔

۶۔ آدم علیہ السلام کے سجدے کا تذکرہ۔

الحمد للہ سورۂ ص کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتہا ۷۵ | ۳۹ سورۃ الزمر مکیۃ ۵۹ | رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝٢

"اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غالب حکمت والا ہے[1] بے شک ہم نے آپ کی طرف حق واضح کرنے کے لئے کتاب نازل کی لہذا اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص کریں[2]۔

اسکا دوسرا نام سورۃ غرف ہے۔ ربط: سابقہ سورتوں سے بہت سے طریقوں کے ساتھ ربط ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ سورتوں میں بزرگوں کی عاجزی اور آزمائشوں کا ذکر تھا معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک اور اس پر غالب نہیں ہوسکتے ہیں تو اب اس سورۃ میں اس کا نتیجہ ذکر کیا جارہا ہے جو کہ توحید فی العبادات ہے دوسرا طریقہ کہ سورۃ ص میں ان کے توحید سے انکار کا ذکر ہے تو اس سورۃ میں مشرکین کے عقیدے کی تفصیل اور توحید پر نقلی دلائل کا ذکر کیا جارہا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ذکر کیا تھا تو اس سورۃ میں قرآن کو نَبَاٌ یعنی قرآن کی سچائی اور دعویٰ ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ کا دعویٰ: عقلی دلائل کے اعتبار سے شرک فی العبادات والوہیت کا رد ہے اور شرک اعتقادی کے اعتبار سے تمام اقسام کا رد کیا شرک فی العلم، شرک فی التصرف اور شرک فی العبادات، شرک فی الدعاء اتخاذ ولد اللہ کا رد ہے اور شفاعت قہریہ کا رد ہے اور موحدین اور مشرکین کے حال کے درمیان موازنہ کا ذکر ہے اور صفات اور جزا میں بھی فرق کا تذکرہ ہے (تنبیہ) اس سورۃ میں دعوے کے ساتھ دلائل مناسب ہیں یعنی خالقیت، مالکیت اور ربوبیت (رزق، پیدا کرنے اور جینے اور موت لانے میں) یہ سب ذکر کئے گئے ہیں اور خالق مالک رب ہے تو عبادت کا بھی ضرور وہی حقدار ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: یہ سورۃ پانچ ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب آیت 21 تک ہے اس میں قرآن کی سچائی کا ذکر ہے اور پھر قرآن کا مقصد کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ توحید فی العبادۃ ہے پھر مشرکین کے دو عقیدوں کا رد ہے ایک شرکی عقیدے

کا وسیلہ اور دوسرا اتخاذ الولد کے عقیدے کا تذکرہ ہے پھر دو عقلی دلائل ہیں جن میں اللہ تعالٰی کی خالقیت کا ذکر ہے

پھر دو زوجہ ہیں پھر دو آیتوں میں موحد اور مشرک کے تقابل کا بیان ہے پھر چار آیتوں میں دلائل وحی کے ذریعے توحید فی

العبادۃ کا ذکر ہے پھر دو آیتوں میں تخویف اُخروی ہے پھر چار آیتوں میں فریقین کا تقابل ہے۔

تفسیر 1: اس آیت میں قرآن کریم کی سچائی کا ذکر ہے اور اس صفت کے ذریعے اس کی تعریف ہے کہ اللہ کی طرف سے

نازل کیا گیا ہے افتراء نہیں ہے الْعَزِيزِ قدرت کی صفات کی طرف اشارہ ہے الْحَكِيمِ علم کی صفات کی طرف اشارہ

ہے۔

تفسیر 2: اس آیت میں نزول قرآن کے مقصد کا ذکر ہے جس کی بالحق کے ذریعے اجمالی تعبیر کی گئی ہے یعنی یہ قرآن حق

پر مشتمل ہے پھر اس مقصد کی تفصیل ہے جو حق ہے۔ فَاعْبُدِ اللهَ کے ساتھ جو توحید فی العبادات والوھیت ہے۔

سوال: پہلے تنزیل ہے جو تدریجاً نزول پر دلالت کرتا ہے پھر انزال کا لفظ آیا ہے۔ جو کہ یکبارگی نزول کے معنی کو بتاتا ہے

ان دونوں الفاظ کو ایک ساتھ لانے کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: پہلا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے بتدریجاً نازل کیا ہے

اور اس طریقے سے قرآن کا نزول مکمل ہوا ہے گویا اس میں ایک وہم کو ختم کیا کہ آہستہ آہستہ نزول سے پھر بھی اس میں کوئی

نقصان نہیں آیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے قطعی فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی طرف مکمل کتاب نازل کرینگے تو وہ بھی ہم نے

آہستہ آہستہ شروع کیا ہے یعنی اِنَّآ اَنْزَلْنَآ تنزیل کے لئے علت قرار دیا گیا ہے۔ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ دین عبادت کے

معنی میں ہے اور اخلاص سے مراد توحید ہے اس لئے توحید کے بغیر عبادت معتبر نہیں ہے اس میں اشارہ ہے کہ ہر عبادت نیت

پر موقوف ہے۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ
إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَّوْ أَرَادَ اللَّهُ أَن
يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
بِالْحَقِّ ۖ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ ۖ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ
مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ
ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝

"خبردار عبادت کا خالص حقدار اللہ تعالیٰ ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ مددگار بنائے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کریں بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ کرے گا جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو زیادہ جھوٹے اور کفر کرنے والے ہوں [3] اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا کہ اپنے لیے بیٹا بنا دے تو ضرور ان لوگوں سے چن لیتا جن کو پیدا کیا ہے جو وہ چاہتا اس کی ذات اولاد سے پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا اور غالب ذات ہے [4] آسمانوں اور زمین کو حق ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے رات کو دن میں لپیٹتا ہے اور دن کو رات میں لپیٹتا ہے سورج اور چاند کو تابع بنایا ہے ہر ایک اپنے وقت مقررہ تک چلتا ہے خبردار اللہ تعالیٰ ہی غالب اور بخشنے والا ہے [5] تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے پھر تمہارے لئے جوڑا بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں سے آٹھ قسم کے جوڑے بنائے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش میں پیدا کرتا ہے تین قسم کے اندھیروں میں یہ تمہارا رب ہے اسی کے لئے بادشاہی ہے عبادت کا حقدار اس کے علاوہ اور (کوئی معبود برحق) نہیں ہے تو کس طرح تم پھیرے جاتے ہو [6]۔

تفسیر 3: جب اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بہت سارے لوگ غافل تھے شرک اور ریاکاری میں مبتلاء تھے تو ان کی تنبیہ کے لئے حرف تنبیہ کے ساتھ فرمایا أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ اور یہ علت اخلاص فی العبادت کے لئے ہے الْخَالِصُ وہ عبادت ہے جو ہر قسم کے شرک، ریاکاری، شہرت اور دنیاوی اجرت وغیرہ سے خالی ہو اور مجاہد رحمہ اللہ سے

منقول ہے کہ یہاں پر الدِّیْنُ تمام اوامر اور نواہی کو شامل ہے صحت اور قبولیت سب کے لئے خلوص شرط ہے اور پھر مشرکین فی العبادۃ کا رد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کی عبادت کرتے ہیں اور بہانہ بناتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربت کے لئے وسیلے ہیں مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کو شامل ہے چاہے ملائک ہوں یا انبیاء یا اولیاء ہوں اور وہ بت جو ان کی شکل وصورت پر بنائے گئے ہیں اور اسی طرح ان کی قبروں کو بھی شامل ہے یہاں پر اولیاء سے مراد معبود ہیں مَا نَعْبُدُهُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال کا جواب ہے یعنی اگر ان سے کہا جائے کہ غیر اللہ کی عبادتیں کیوں کرتے ہو کیا ان کو رب مانتے ہو تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کو رب نہیں مانتے ہیں بلکہ ہم اللہ کی طرف ان کو وسیلہ بناتے ہیں لہٰذا ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں نَعْبُدُهُمْ سے پہلے يَقُوْلُوْنَ مقدر ہے اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ ان کے بہانے بنانے کا جواب سورۃ احقاف آیت 27 میں ہے اور یہاں پر صرف زجر ہے اس لئے کہ یہ لوگ قرآن کے مقصد کی مخالفت کرتے ہیں اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں کہا ہے کہ ان مشرکین نے اپنے گمان کے مطابق ان مقربین ملائک کی شکل وصورت میں بت بنائے تھے اور ان صورتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اس عقیدے کے ساتھ کہ ان کی صورتوں کی عبادت کرنا بعینہٖ ملائک کی عبادت ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے میں ہماری سفارش کریں اور رزق دینے میں ترقی اور باقی دنیاوی حادثات میں جبکہ آخرت سے تو یہ لوگ منکر تھے اور پھر لکھا ہے کہ یہ شبہ گزشتہ مشرکین کا تھا اور اب بھی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس شبہ کے رد کے لئے بھیجے گئے ہیں (تو میں کہتا ہوں) کہ ملائک کے وسیلے بنانا اور ان کی عبادت کرنا شرک ہے تو جن لوگوں نے قبروں کے وسیلے بنائے اور ان کو سجدے کرنا شروع کیا اور ان کی قبروں کے طواف اور ان کی نذریں پیش کرنا (یہ عبادت ہے) اور یہ یقیناً شرک ہے مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ یعنی مشرکین کہتے ہیں کہ یہ وسیلے ہیں یہ سفارشی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے حاجتیں پوری کراتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے آپس میں بھی اختلاف کرتے ہیں اور توحید فی العبادۃ میں ایمان والوں کے ساتھ بھی اختلاف کرتے ہیں تو اس کا عملی فیصلہ جزا اور سزا کا قیامت کے دن ہوگا اور خود ہی معبودان باطلہ ان سے انکار کرلیں گے جیسے سورۃ انبیاء آیت 40 اور سورۃ احقاف آیت 6 میں اور سورۃ غافر آیت 74 میں مذکور ہے كٰذِبٌ تقرب الی اللہ کے دعوے میں جھوٹا ہے كَفَّارٌ حول میں اللہ تعالیٰ کی توحید سے منکر ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاقی مسئلہ ہے اور قرآن کریم کے نزول کا مقصد ہے اور اسی وجہ سے مبالغے کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 4: یہ بھی زجر ہے اور مشرکین فی العبادۃ کا رد ہے کہ یہ لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے نائب مقرر کیا ہے اور ان کو الوہیت کے کاموں کے اختیارات دیے ہیں تو یہ اتخاذ الولد کا معنی ہے تو اس آیت میں اس عقیدے کا رد ہے اب بھی یہ عقیدہ بہت سارے جاہلوں میں موجود ہے لَوۡ اَرَادَ اللّٰہُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ولد بنایا ہوا ہوتا تو تمہاری مرضی سے نہیں بناتا اپنی مرضی کے مطابق بناتا اور تمہیں خبر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں یہ خبر نہیں دی ہے کہ فلاں اللہ کا ولد ہے۔ اَلۡوَاحِدُ اس طرح ایک ہے کہ اس سے اولاد پیدا نہیں ہوتی ہے اور اسی طرح تصرف کرنے میں اکیلا ہے تو اس کو اولاد کی حاجت نہیں ہے اَلۡقَهَّارُ ہر چیز اور ہر کسی پر غالب ہے تو ولد اور نائب کی اسے کوئی ضرورت نہیں۔

تفسیر 5: توحید فی العبادۃ کے اثبات کے لئے پہلی عقلی دلیل ہے اور یہ آفاقی دلیل اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور رب اور متصرف زمانے کے اجزاء پر جو کہ رات اور دن ہیں اور زمانے کے تغیر کے اسباب میں جو کہ سورج اور چاند ہیں یُکَوِّرُ تکویر لپیٹنے کو کہتے ہیں اس سے مراد چھپانا ہے اور شرعی حساب میں رات پہلے ہیں اسی وجہ سے دن پر اس کا ذکر پہلے لایا ہے اَلۡغَفَّارُ یعنی معاف کرنا عجز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے غالب ہونے کے باوجود ایمان والوں کو معاف کرتا ہے اور کافروں سے عذاب کو موخر کرتا ہے۔

تفسیر 6: یہ دوسری عقلی انفسی دلیل ہے اس میں بھی خالقیت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تصرف ذکر کیا ہے اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ اِنۡزَال کے ساتھ تعبیر کی ہے اسلئے کہ چوپائے پودوں کے ذریعے سے زندہ رہتے ہیں اور پودے پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی اوپر سے نازل ہوتا ہے اور اسی طرح ہر قسم کی پیدائش جو آسمانی اسباب کے ذریعے ہو تو اِنۡزَال کے ساتھ اس کی تعبیر ہوتی ہے خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ جیسے سورۃ مومنون آیت 14 میں مذکور ہے۔ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ یعنی اندھیروں میں مخلوق ایک چیز بھی نہیں بنا سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ تین اندھیروں میں انسان کو بہترین بناتا ہے ایک اندھیرا ماں کے پیٹ کا دوسرا رحم (بچہ دانی) تیسرا بچہ کا وہ باریک پردہ ہے جس میں بچہ نشوونما پاتا ہو ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ یہ ماقبل دلائل کے لئے ایک نتیجہ ہے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یہ دوسرا نتیجہ ہے فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ یہ زجر ہے۔

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ
أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝٧ وَإِذَا مَسَّ
الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ
أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝٨ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ
سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا
يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝٩ قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝١٠

"اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے پرواہ ہے اور اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا ہے اور اگر تم شکر ادا کرو تو وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا پھر تمہارے رب کی طرف پلٹنا ہے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا بے شک وہ تمہارے سینوں کے رازوں پر خبردار ہے [7] اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اسی کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے پھر جب اس کو اپنی طرف سے نعمت دے اس کو بھلا دیتا ہے جس کی طرف وہ اس سے پہلے اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے لئے شریک بناتا ہے تاکہ لوگوں کو راہ سے گمراہ کرے آپ کہہ دیجئے اپنے کفر سے تھوڑے وقت کے لئے فائدہ اٹھا بے شک تو جہنم والوں میں سے ہے [8] کیا وہ شخص جو رات کے وقت اطاعت کرنے والا ہو سجدہ اور قیام کرنے والا ہو آخرت کا خوف رکھتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو آپ کہہ دیجئے کیا وہ لوگ برابر ہو سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے ہیں بے شک خالص عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں [9] آپ کہہ دیجئے اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے اعمال کئے ہیں ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ ہے بے شک صبر کرنے والوں کا ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [10]۔

تفسیر 7: اس آیت میں دلائل کے بعد فریقین کا ذکر ہے پہلے جملے میں زجر ہے اور اشارہ ہے کہ تمہارے کفر کرنے کا ضرر اور نقصان اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا ہے بلکہ تمہیں پہنچتا ہے اور دوسرے جملے میں سوال کا جواب ہے کہ کفر کا ضرر اللہ تعالیٰ

پر بس ہے تو اس سے منع کیوں کرتا ہے؟ جواب ہوا کہ جب کوئی بھی مالک اپنے غلام کا کفر (ناشکری) پسند نہیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو بہت رحم کرنے والا ہے تو وہ بندوں کے لئے کفر کیسے پسند کرے تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک صفت ہے اور رضا مندی دوسری الگ صفت ہے ہر چیز کا ارادہ کرتا ہے لیکن رضا مندی ہر چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور دوسرے جملے میں شکر کی قبولیت کی بشارت ہے اور اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں ہے اور چوتھے جملے میں سوال کا جواب ہے کہ کفر کا ضرر تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا لیکن ان لوگوں پر آتا ہے جو گمراہی کے لیڈر اور بڑے ہوتے ہیں تو جواب ہوا کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ اور پھر بعد والے جملوں میں خوف ہے اور جب اعمال سے مراد دل کی نیت ہے یعنی دل پر اس کا مدار ہے تو آخر میں إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ فرمایا۔

تفسیر 8: یہ شرک پر زجر ہے جو کہ پہلا فریق ہے پھر اس کے ساتھ معاملات میں تضاد ہے کہ ضرر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو فریادیں کرتے ہیں اور نعمت کی حالت میں شرک کرتے ہیں اسی طرح سورۃ یونس آیت 23، سورۃ اسراء آیت 27، سورۃ نمل آیت 54، سورۃ عنکبوت آیت 65 اور سورۃ لقمان آیت 32 میں بھی گزر چکا ہے۔ مُنِيبًا إِلَيْهِ اخلاص اور توحید کے معنی میں ہے یعنی آرزو کرنے میں اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے ہیں خَوَّلَهُ تحویل ابتدائی عطیے میں استعمال ہوتا ہے کہ اس نعمت کی رعایت اور تربیت بھی ہوسکتی ہو مَا كَانَ يَدْعُوٓا: مَا ضرر کے معنی میں ہے يَدْعُوٓا إِلَىٰ كَشْفِهِ کے معنی میں ہے یا مَا سے مراد اللہ تعالیٰ ہے لِيُضِلَّ لام عاقبت کے لئے ہے اور لازمی اور متعدی دونوں کے معنی میں یعنی کفر اور شرک کے باوجود اس کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور انعامات دیتا ہے یہ دنیا کے فائدے اور سامان ہے جو کافروں کو بھی دیا جاتا ہے یہ کوئی حق کی دلیل نہیں ہے۔

تفسیر 9: اس آیت میں دوسرے فریق کے علم اور عمل کی صفات میں دونوں کے مقابلے کے طور پر حال ہے مومن کی تین عملی صفات ذکر کی گئی ہیں پہلی صفت قَانِتٌ ہے قُنُوتٌ سے مراد اطاعت ہے آنَاءَ الَّيْلِ جب رات کا قیام کرتے اور نماز پڑھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دن کو تو ضرور پڑھیں گے اور یہ محبت کی صفت ہے دوسری صفت يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ کی صفت ہے یہ خوف کی صفت ہے تیسری صفت وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهٖ یہ امید کی صفت ہے جب اس سورۃ میں عبادت کا مسئلہ ہے تو اس آیت میں عبادت کے اجزاء ذکر کئے گئے ہیں اور اَمَّنْ کا مقابل محذوف ہے یعنی كَمَنْ لَا يَفْعَلُ كَذٰلِكَ۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي یہ صفت علم اور عدم علم میں فرق ہے یعنی وہ موحد جس میں پہلی تین صفات ہوں تو یہ عالم ہے اور مشرک جس

میں یہ صفات نہیں ہیں تو وہ جاہل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس عالم میں یہ تین صفات نہیں ہیں تو یہ بھی اللہ کے نزدیک جاہل ہے اور یہ علم کی فضیلت پر دلیل ہے لیکن علم سے مراد عمل کے ساتھ توحید اور شریعت کا علم ہے جیسے ابوحیان نے کہا ہے کہ علم سے مراد وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے انسان بچ جائے اور صاحب روح المعانی نے اشارات میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے معبود کی قدر جانتے ہیں وہ تو معبود یعنی اللہ سے اپنی تمام حاجتیں مانگتے ہیں اور جو لوگ معبود کی قدر نہیں جانتے ہیں تو وہ اللہ کے علاوہ اوروں سے مانگتے ہیں اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ یعنی اس فرق کو وہ لوگ جانتے ہیں جن کی عقل وہموں سے خالی ہو۔

تفسیر 10: جب ایمان والوں کی بلند شان بیان کی گئی تو اب ان کے فرائض کا ذکر ہے تقویٰ، احسان، ہجرت، صبر اور اس پر بشارت بیان کی ہے قُلْ يٰعِبَادِ یہ رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ایمان والوں کو پہنچاؤ اس لئے کہ رسول کا کلام نزّ سُلُ کا کلام ہوتا ہے یعنی اے رسول میری طرف سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے) اے میرے بندو اور جاہلوں کا قول غلط ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہم رسول کے مومن بندے ہیں کیونکہ یہ اس سورۃ کے مضمون یعنی دعوے کے بھی خلاف ہے لہٰذا یہ قول جاہلوں کی تحریف اور شرک پر مبنی ہے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ اشارہ ہے کہ بندوں سے مراد عام نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو اس سورۃ کے دعوے کو ماننے والے ہیں فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ. حَسَنَةٌ سے مراد جنت ہے اور فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا اَحْسَنُوْا کے ساتھ متعلق ہے اور احسان سے مراد عبادت میں اخلاص ہے (جیسے حدیث جبرائیل میں آیا ہے (متفق علیہ) یا حَسَنَةٌ سے مراد دنیا کی بہترین زندگی ہے یعنی وہ زندگی اور مال جو دین اور آخرت کے لئے خرچ کئے جاتے ہیں جو ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ میں ہے اور اس توجیہ کی بناء پر فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ کے ساتھ متعلق ہے وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ یہ ہجرت کرنے کی طرف ترغیب ہے یعنی جب تقویٰ کا حکم اور احسان کی طرف ترغیب ذکر کی گئی تو وہم پیدا ہوا کہ بعض اوقات ایک ہی شہر میں اس پر عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے لہٰذا اس کی مخالفت کرنا جائز ہوگا تو جواب ہوا کہ مخالفت نہ کرے بلکہ وہ علاقہ چھوڑ دے ہجرت کرلے اور جب ہجرت کی تکالیف پر صبر کرنے کی ضرورت ہے تو بعد والے جملے میں اس کی بشارت ذکر ہوئی۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ
اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ
فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

”آپ کہہ دیجئے بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اُسی کے لئے دین کو خالص کروں [11] اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہو جاؤں [12] آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کر لی تو میں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں [13] آپ کہہ دیجئے میں اللہ کی عبادت اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے کرتا ہوں [14] تم ان کی عبادت کرو جن کو تم اللہ کے علاوہ چاہتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے بے شک مکمل نقصان میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں اور اہل عیال کو نقصان میں مبتلاء کیا ہے قیامت کے دن خبردار یہی واضح نقصان ہے [15] ان کے لئے اوپر کی طرف سے سائے ہونگے اور ان کے نیچے کی طرف سے سائے ہونگے اس کے ذریعے سے اللہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے اے میرے بندو مجھ سے ڈرو [16]

تفسیر 11، 12، 13، 14: یہ سورۃ کے دعوے کے لئے دلائل وحی ہیں جو کہ توحید فی العبادت ہے اور اس کو تعلیم کا طریقہ کہا جاتا ہے اور یہ سوال جواب کی صورت میں ہے یعنی جب موحد ہجرت کرتا ہے تو مشرکین سوال کرتے ہیں کہ ہجرت کیوں کرتے ہیں تو یہ کہے گا میں توحید فی العبادت پر مامور ہوں اور اس علاقے میں مشکل ہے اسلئے ہجرت کر رہا ہوں پھر سوال ہوا کہ اعمال قلبی پوشیدہ کئے جا سکتے ہیں تو وہ کرتے رہو البتہ ظاہری اعمال نہ کرنا تو ہجرت کی ضرورت نہیں ہوگی تو یہ جواب دے گا وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ اسلام سے مراد ظاہری اعمال ہیں کہ یہ بھی مامور بہا ہیں اس کو میں نہیں چھوڑ سکتا ہوں لِاَنْ حرف لام دلالت کرتا ہے کہ مامور بہ محذوف ہے اور وہ امر کیلئے غایہ ہے یعنی توحید والاعمل لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ یہ لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے اس لیے کہ ہر نبی اپنی امت میں پہلا مسلمان ہوتا ہے یا اول سے مراد صرف اسلام کی طرف سبقت کرنے والا ہے پھر سوال ہوا کہ اگرچہ تجھے امر ہوا ہے لیکن شاید کہ یہ امر وجوب کے لئے نہ ہو تو اس کا رہ جانا جائز ہے تو اس جملے کے ذریعے سے جواب ہوا قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ یعنی اس امر کی مخالفت

کرنا بڑے عذاب کا سبب ہے پھر سوال جواب کے بعد مشرک اور موحد کے راستے الگ کرنے کا بیان ہے۔ قُلِ اللّٰہَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّہٗ دِیۡنِیۡ: لفظ کے ساتھ اور پہلے امر ذکر ہوا تھا تو اس میں امر پر عمل کرنے کا اعلان ہے اور جب عمل میں عبادت کی تخصیص مقصود ہے تو اسی وجہ سے مفعول مقدم ذکر کیا ہے۔

تفسیر 15، 16: پہلے آیت موحد کا راستہ ذکر کیا گیا ہے تو اس میں مشرک کا ارادہ ذکر کیا جو اللہ کے علاوہ اوروں کی عبادت کرتا ہے اور اس امر میں مقصد وعید دینا ہے اسی وجہ سے اس کے بعد عذاب کا خوف دلایا الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَہۡلِیۡہِمۡ اس خسران سے مراد شرک فی العبادت ارتکاب ہے اپنے نفسوں اور اپنے اہل وعیال کو شرک کی طرف بلانا ہے جب یہ لوگ دنیا میں اس خسران کو نہیں جانتے ہیں تو اسی وجہ سے یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کا ذکر کیا ہے یعنی قیامت کے دن ان کا نقصان ظاہر ہو جائے گا اور آیت میں خسران کے بارے میں بہت تاکیدات ذکر کی ہیں (۱) پہلے اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ کے ساتھ (۲) دوسرا حرف لا کے ساتھ (۳) تیسرا ھُوَ (۴) چوتھا الۡمُبِیۡنُ کے ساتھ اشارہ ہے کہ شرک سے زیادہ نقصان والا کوئی نہیں ہو سکتا ہے اور اس کے بعد لَہُمۡ مِّنۡ فَوۡقِہِمۡ ظُلَلٌ کے ذریعے سے خسران کی تفصیل ذکر کی ہے یعنی ان کو ہر طرف سے جہنم کی آگ نے گھیرا ہوگا ظُلَلٌ سے مراد بڑے بادل کی طرح طبقے ہیں اور اوپر والے "ظُلَلٌ" کو غواش اور نیچے والے کو مِہَادٌ سورۃ اعراف آیت 41 میں کہا گیا ہے۔ سوال: نیچے والے ظُلَلٌ کس وجہ سے کہا ظُلَلٌ تو اوپر ہوتا ہے؟ جواب: اس کو مشاکلہ لفظی کہا جاتا ہے جیسے جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا پھر سوال آیا کہ ان عذابوں کے ذکر کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ عنادی تو نہیں جانتے ہیں تو جواب ہوا ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ کے ساتھ یعنی انابت والے لوگ فائدے لیتے ہیں پھر ان عذابوں سے بچنے کا طریقہ بیان کیا کہ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ کے ساتھ۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ
الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ
الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ ۚ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿٢٠﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ
يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ
ع ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٢١﴾

"اور وہ لوگ جنھوں نے شیطان کی عبادت سے اپنے آپ کو بچایا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لئے خوشخبری ہے تو میرے بندوں کو خوشخبری دینا[17] جو لوگ بات مانتے ہیں تو اس میں اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ خالص عقل والے ہیں[18] کیا وہ شخص جس پر عذاب کا فیصلہ پورا ہوا تو کیا آپ ان کو بچا لیں گے جو آگ میں ہیں[19] لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بالا خانے ہیں اس کے اوپر اور پختہ بالا خانے ہیں جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا ہے[20] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے پانی نازل فرماتا ہے تو اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے پھر اس کے ذریعے سے کھیتی کو نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پھر خشک ہو جاتی ہے اس کو آپ زرد پائیں گے پھر اسکو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے نصیحت ہے[21]۔

تفسیر 17، 18: پہلی زجر سے منکرین کا حال ذکر ہوا اب ان کے مقابلے میں موحدین کا حال کا ذکر فرما رہے ہیں اور ان کے لئے بشارت کا ذکر ہے اور ان کی پانچ صفات ذکر کی جا رہی ہیں۔ پہلی صفت وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وہ لوگ جو غیر اللہ کی عبادت سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں یعنی کسی قسم کا بھی شرک نہیں کرتے ہیں الطَّاغُوْتَ طغیان میں مبالغہ ہے اور حقیقت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ سرکش اور گمراہ ہوں اس میں انسی اور جنی شیطان شامل ہیں اور مجازاً اسکا اطلاق ہر من دون اللہ معبود پر کیا جاتا ہے جیسے بت اور اولیاء کی قبریں اس لئے کہ ان

کی عبادت گمراہی کا سبب ہے اور یہ سبب کا مسبب پر اطلاق ہے یہ مفسر خطیب شربینی رحمہ اللہ نے السراج المنیر میں لکھا ہے دوسری صفت وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ اس سے مراد شرک اور کفر سے توبہ کرنا ہے اور توحید پر مضبوطی اختیار کرنا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى دل میں خوش ہونگے دنیا میں اور موت کے وقت ملائک خوشخبری دیں گے اور اسی طرح بعث بعد الموت کے وقت اور میدان محشر اور حساب کے موقف کے وقت ان سب کے لے عام ہے اسلئے مطلق ذکر کیا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ اس میں اشارہ ہے کہ یہ بندگی کے آگے پیچھے اجزاء ہیں اور بندگی بشارت کے لئے سبب ہے تیسری صفت الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ پہلے قلبی صفات تھیں اور یہ جوارح کی صفات ہیں الْقَوْلَ سے مراد قرآن وحدیث ہے اس کو تو جسے سنتے ہیں اس لیے کہ استماع سننے کے ارادے کو کہتے ہیں یا قول سے مراد مطلق باتیں ہیں حق ہوں یا باطل بغیر دلیل کے ہوں یا دلیل کے ساتھ ہوں اچھی ہوں یا بری تو ان کو سنتے ہیں تاکہ حق اور باطل اس میں معلوم ہوجائے فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ یعنی علم کے بعد عمل کرنا ہے جب قول سے مراد قرآن وحدیث ہے تو احسن سے مراد حسن اور جائز کے مقابل ہے اور وہ تمام عبادات اور معاملات میں ہے مثلاً نماز میں احسن یہ ہے کہ وہ شرائط اور ارکان پر مشتمل ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ موافق ہو اور اختلافی راجح طریقے پر عمل کرے اگر مکروہات پر مشتمل ہوجائے تو جائز ہوگا لیکن احسن نہیں ہے اسی طرح معاملات میں اگر کسی پر قرضہ ہو تو معاف کرلیتے ہیں یا انکو مہلت دیتے ہیں اسی طرح مذاہب دلیل کے اعتبار سے راجح ہو تو اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی طرح ایک جانب صحیح حدیث اتفاقی ہوتی ہے اور دوسری جانب سے صحیح حدیث اختلافی ہوتی ہے جیسے نماز میں پہلی تکبیر کے علاوہ رفع الیدین کی احادیث صحیح اتفاقی ہیں اور ترک رفع الیدین کی احادیث اختلافی صحیح ہیں ؛ نوٹ : ترک رفع الیدین کی کوئی حدیث صحیح وصریح نہیں اگر کوئی حدیث صحیح ہے تو صریح نہیں اگر صریح ہے تو صحیح نہیں اس لئے استاد محترم رحمہ اللہ کے شیخ یعنی شیخ القرآن محمد طاہر رحمہ اللہ نے ضیاء النور میں لکھا ہے کہ ہر وہ روایت باطل ہے جس میں رکوع سے قبل وبعد رفع الیدین کی نفی ہوتی ہے ضیا النور [ص 201] (مترجم) تو یہ تمام کام احسن ہیں اور واجب کو مستحب پر مقدم کرتے ہیں اور مستحب کو مباح پر مقدم کرتے ہیں اور جب الْقَوْلَ سے مراد مطلق ہو تو احسن سے مراد سَيِّئ (برائی) کا مقابل ہے یعنی مسائل احکام اور ہر قسم کی باتیں سنتے ہیں لیکن عمل اسی پر کرتے ہیں جو دلیل شرعی سے ثابت ہوتے ہیں تو اس میں اشارہ ہے کہ علم کے باوجود کسی کی بے دلیل تقلید نہیں کرتے ہیں پانچویں صفت کہ یہ لوگ ہدایت والے ہیں چھٹی صفت یہ لوگ صاف عقل والے ہیں اشارہ ہے کہ جاہل لوگ ان کو گمراہ اور بے عقل کہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے

نزدیک یہ لوگ ہدایت والے اور عقلمند ہیں۔

تفسیر 19، 20: ان دونوں آیتوں میں جزاء اور سزا میں فریقین کا مقابل بیان کیا ہے۔پہلی تخویف ہے اور دوسری بشارت ہے أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ مونث کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اس لئے کہ کلمہ قول کے معنی میں ہے اور مونث کے صیغے میں نرمی کی طرف اشارہ ہے اور یہاں پر فیصلے کی سختی ہے كَلِمَةُ الْعَذَابِ اس سے مراد بدبخت لوگوں کی تقدیر کا فیصلہ ہے یا اس سے مراد وہ قول ہے جو سورۃ ص آیت 85 کے آخر میں ذکر ہوا ہے أَفَمَنْ کے لئے جزاء پوشیدہ ہے كَمَنْ لَيْسَ كَذَالِكَ) یا أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ یہ جزاء ہے لیکن اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ پر ذکر کیا ہے اور استفہام کے ہمزہ کو تاکید کے لئے دو جگہ پر ذکر کیا ہے لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا اس میں فریقین کے لئے بشارت ذکر کی ہے جب منکرین کے لئے آیت 14: میں اُوپر نیچے کی طرف سے عذاب ذکر کیا تو اس آیت میں جنتیوں کے لئے اوپر تلے غرف (بالاخانوں) کا ذکر ہے لَكِنِ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ یہ لَكِنِ یہاں استدراک کے لئے نہیں ہے اس لیے کہ پہلے نفی نہیں ہے بلکہ ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے۔ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ اس میں بہت تاکید ہے کہ غرف جمع ہے اس کا شمار معلوم نہیں ہے پھر دوسرا بھی جمع ہے اس کی حد بھی معلوم نہیں ہے مَبْنِيَّةٌ یہ لفظ اس فائدے کے لئے ہے کہ دنیا کی بلند عمارتوں کی چھتیں بھی بلند اور مضبوط بنائی جائیں پھر بھی کمزور ہوتی ہیں اور جنت کی ساری چھتیں مضبوط اور محکم ہوگی اور مرفوع حدیث میں ہے۔صحیح مسلم کتاب الجنة وصفتها حدیث 2831، کہ جنتی اہل غرف کو اپنے آپ سے بلند اس طرح دیکھیں گے کہ گویا مشرق اور مغرب میں باقی تاروں سے ایک چمکدار تارا رہ چکا ہو اور تم اس کو دیکھ رہے ہوں یہ ان کے مرتبوں میں فرق کرنے کی وجہ سے ہے ان صحابہ کرام میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ منازل انبیاء علیہم السلام کی ہوں گی آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

تفسیر 21: اس آیت سے آیت 42 تک دوسرا باب ہے اس میں تیسری عقلی دلیل ہے اور قرآن کریم کی جانب ترغیب دینے کے ساتھ فریقین کا تقابل ذکر کیا اور تخویف اُخروی ہے اور پھر فریقین کے حال کے لئے تخویف دنیاوی قرآن کی طرف ترغیب اور مثالیں ذکر کی ہیں پھر تخویف اور خوشخبری کے ذریعے فریقین کا تقابل ذکر کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور فریقین کے حال کا ذکر ہے اور پھر چوتھی دلیل عقلی اعترافی کے ذریعے شرک فی التصرف کا رد ہے اور پھر براءت

کا اعلان اور قرآن کی طرف ترغیب ہے اس آیت 21 میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو بیان کرنے کے بعد اس کی ربوبیت کا بیان ہے اور تربیت کے دو موازنہ کا تذکرہ ہے، پانی اور پودے یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے تصرف اور اختیار میں ہیں اور اس میں دنیا کے فناء کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے بھی جیسے پہلی آیت میں گزر چکا ہے فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ یعنی بارش کا وہ پانی جو زمین میں داخل ہو کر زمین میں پھیل جاتا ہے جیسے رگوں میں خون پھیلتا ہوا گردش کرتا ہے لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ اس میں عبرت ونصیحت ہے توحید کے اثبات اور بعث بعد الموت کیلئے ہے۔ نیز دنیا کے فنا ہونے کے لئے اور مثال کے طور پر قرآن کریم کے حال کا تذکرہ کیا ہے کہ اسی طرح قرآن کو آسمان سے نازل کیا گیا ہے اور لوگوں کے دلوں میں داخل کیا تاکہ اس کے ساتھ مختلف آثار پیدا ہو جائیں کسی میں اچھا اثر پیدا ہو جائے اور کسی میں برا اثر پیدا ہو جائے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ڰ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

[22] کیا وہ شخص جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کے لئے کھولا تو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے لہٰذا ان لوگوں کے لئے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سننے سے سخت ہیں یہی لوگ واضح گمراہی میں ہیں [22] اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں یہ متشابہ کتاب ہے بار بار بیان ہونے والی ہے اس سے ان لوگوں کے چمڑوں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے چمڑے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے [23]۔

تفسیر 22: اس آیت میں پہلی دو جماعتوں کا تقابل ذکر ہے اور پہلی آیت میں جو دلیل ذکر ہوئی تھی اس سے فائدے حاصل کرنے کے لئے علت کا ذکر ہے جو اپنے سینے کو اس دلیل کیلئے کھولنا ہے اور سینے کھولنے سے مراد اسلام کو قبول کرنے کے لئے

انابت اختیار کرتا ہے یعنی ان کے دل سے اللہ تعالیٰ شبہات اور عناد ہٹاتا ہے تو اسلام قبول کر لیتے ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن کو سمجھتے ہیں نور سے مراد قرآن ہے اس نور کے ساتھ وہ اسلام پر مضبوط اور محکم ہو جاتا ہے اور اس کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی (كَمَنْ طَبَعَ اللهُ عَلٰى قَلْبِهٖ وَاَقْسَاهُ) اس کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا کر سخت کیا ہو اور اس میں استفہام انکاری ہے یعنی یہ لوگ ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ یہ ان دونوں گروہوں کے عدم مساوات کی علت ہے اور بعض مفسرین نے یہاں روایت نقل کی ہے (مستدرک حاکم ابن ابی شیبہ 7/76 لیکن یہ روایت ضعیف ہے حکمت القرآن) کہ شرح صدر کی تین علامات ہیں جنت کی طرف انابت، دنیا سے نفرت موت کے لئے اس کے آنے سے پہلے تیاری کرنا لہٰذا یہ قسوۃ قلب کی علامات اس کے برعکس ہیں مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں سختی پیدا ہو جاتی ہے جیسے وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا گیا اس سے مراد عَنْ قَبُوْلِ ذِكْرِ اللّٰهِ ہے

تفسیر 23: اس آیت میں قرآن کی سچائی کا ذکر ہے اور دل کی سختی کو ختم کرنے کی طرف ترغیب ہے جو پہلی آیت میں ذکر کی گئی ہے اور اس آیت میں قرآن کریم کی صفات ذکر کی گئی ہیں پہلی صفت اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ قرآن کریم پر حدیث کا اطلاق کرنا باقی پانچ آیتوں میں ہے اس لیے کہ حدیث ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جو بیان کیا جاتا ہو اور یہ لفظاً بھی حسن ہو اس لیے کہ بہت زیادہ فصیح اور بلیغ ہے اور قاری کو اور سننے والے کو لذت دینے والا ہے اگرچہ یہ اشعار نہیں ہیں اور معنی بھی احسن ہے جو کہ تناقض اور اختلاف سے پاک ہے گذشتہ اخبار اور آنے والی خبروں میں بھی کچھ جھوٹ نہیں ہے اور اس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے ہیں دوسری صفت "كِتٰبًا" یعنی خیر کو اکٹھا کرنے والا تیسری صفت مُّتَشَابِهًا یعنی حسن فصاحت و بلاغت میں تمام آیتیں اور سورتیں ایک جیسی ہیں اگرچہ تیس سالوں میں نازل ہوا ہے اور اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو اتنے عرصے میں بنانے سے بہت تفاوت اور اختلاف آتا اور اس کی دلیل سورۃ نساء آیت 82 میں ہے چوتھی صفت مَّثَانِيَ یعنی اس کے قصے، احکام، زواجر اور وعدے بار بار ذکر ہوئے ہیں اور اسی طرح اس کی تلاوت بھی بار بار کی جاتی ہے اور اس سے دل نہیں بھرتا ہے مثانی مثنیٰ کی جمع ہے اور کتاب مفرد ہے لیکن کتاب سے مراد کتاب کی آیات اور تفصیلات ہیں تو جمع کے ساتھ اس کی صفت بیان کرنا صحیح ہے پانچویں صفت تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اقشعرار اس کیفیت کو کہا جاتا ہے کہ خوف کی وجہ سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائے اور یہ جلد کی صفت ہے

تو جلود ذکر کیا اور یہ حال دل کی خشیت سے پیدا ہوتا ہے اسی وجہ سے یَخْشَوْنَ کا ذکر کیا چھٹی صفت ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی دل اور جلد کا یہ سبب اطمینان اور محبت کا سبب بنتا ہے تو اس کی وجہ سے جلد میں نرمی آجاتی ہے سارے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اس انسان کے اعضاء اللہ کے ذکر اور اطاعت میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور دل میں ایمان محکم اور مضبوط ہو جاتا ہے اور یہ ترتیب سورۃ انفال آیت 2 میں ذکر ہوئی ہے اور یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس کے ذریعے سے ڈر خوف پیدا ہونے کے بجائے اطمینان کا سبب بن جاتا ہے جو کہ خوف سے نفرت پیدا کرتا ہے اور جب نرمی اور رونگٹے چمڑے پر ظاہر ہوتے ہیں تو اس وجہ سے جلود کو پہلے ذکر کیا تفسیر قرطبی، البحر المحیط، ابن کثیر اور السراج المنیر میں اس مقام میں ان صوفیوں کا سخت رد ذکر کیا گیا ہے جن پر ذکر کے وقت بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور رقص کرنے اور اچھلنے کودنے لگ جاتے ہیں اور اس کو وہ جذبہ کہتے ہیں اور اسی کو کمال سمجھتے ہیں اگر یہ کوئی کمال اور اچھی صفت ہوتی تو اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اور باقی ایمان والوں کی صفت میں اس آیت میں ضرور ذکر کرتا اسماء رضی اللہ عنہا اور سعید بن عبد الرحمان سے منقول ہے کہ یہ جذبہ شیطانی ہے اور امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان میں سے اگر کوئی شخص چھت پر یا دیوار پر بیٹھ جائے یا کنویں کے کنارے کے پاس بیٹھ جائے اور اس پر مکمل قرآن پڑھ کر سنایا جائے اگر یہ بے ہوش ہو کر گر جائے تو وہ جذبہ میں سچا ہوگا مگر ایسا نہیں ہوتا ساتویں صفت ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے یا اقشعرار کی طرف اور نرمی کی طرف جو کہ قرآن والوں کی صفات ہیں۔

أَفَمَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝٢٤ كَذَّبَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝٢٥ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ
الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝٢٦ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ ۝٢٧ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝٢٨ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ
مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝٢٩ إِنَّكَ مَيِّتٌ
وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۝٣٠ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۝٣١ ع

"کیا وہ شخص جو اپنے آپکو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے قیامت کے دن اور ظالموں سے کہا جائیگا کہ ان اعمال کی سزا چکھو جو تم کرتے تھے[24] ان لوگوں نے تکذیب کی جو ان سے پہلے تھے تو ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آیا کہ جہاں سے وہ شعور ہی نہیں رکھتے تھے[25] تو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھایا اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے اگر یہ لوگ جانتے[26] اور تحقیق ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کرلیں[27] یہ عربی زبان میں قرآن ہے اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں[28] اللہ نے مثال بیان کی ہے کہ ایک آدمی ہو اس میں بہت سارے جھگڑا کرنے والے حصہ دار ہوں اور ایک ایسے آدمی ہو جو ایک ہی آدمی کے لئے خالص ہو وہ دونوں مثال میں برابر ہوسکتے ہیں سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے زیادہ لوگ علم نہیں رکھتے ہیں[29] بلاشبہ آپ مرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں[30] پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑوگے[31]۔

تفسیر 24: اس آیت میں ایمان والوں کے حال کو بیان کرنے کے بعد منکرین کے لئے تخویف اُخروی ہے اور اس آیت میں تقابل ہے لیکن دوسری جانب کو حذف کیا گیا ہے کَمَنْ اٰمَنَ مِنَ الْعَذَابِ (بِسَبَبِ الْقُرْآنِ) اور اسی طرح سورۃ حٰم سجدہ آیت 40 میں ہے بِوَجْهِهٖ یعنی جہنم میں اوندھے منہ گرایا جائے گا اور انکا ہاتھ بندھا ہوا ہوگا تو یہ چہرے کے ذریعے سے اپنے آپ کو عذاب سے بچائے گا یعنی عذاب کے ہٹانے کا دوسرا طریقہ اس کے پاس نہیں ہوگا جبکہ اس طرح دفاع کرنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ وَجْهِهٖ سے مراد دنیاوی شرافت اور وجاہت ہو یعنی یہ اپنے آپ

کو قیامت کے عذاب سے دنیاوی عزت اور شرافت کے ذریعے سے بچانا چاہتا ہے۔ اور قرآن کے ساتھ دشمنی کرتا ہے مگر اس کے ذریعے بچ نہیں سکتا ہے۔

تفسیر 25، 26: اس آیت میں گزشتہ منکرین کے حال کو ذکر کرنے کے بعد تخویف دنیاوی کا ذکر ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ لفظ مِنْ زمانے کے قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسے قوم سباء اور قوم تُبَّعٌ وغیرہ فَأَذَاقَهُمُ مفسر مبرد نے لکھا ہے کہ جس سے اعضاء کو کچھ بھی اثر پہنچ جائے تو اسکو ذوق کہتے ہیں چاہے وہ کوئی درد ہو یا کڑواپن اور مٹھاس ہو۔

تفسیر 27، 28: اس آیت میں دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے قرآن کریم پر عمل کی طرف ترغیب ہے جو پہلی آیتوں میں ذکر ہوا ہے مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اس سے مراد مثالیں ہیں اور کل سے مراد ہر وہ چیز جس کی ضرورت محسوس ہو جانے یا مثل سے مراد وعظ اور بیان کی اقسام ہیں یا مثل سے مراد سابقین کے عذاب کے نمونے ہیں قُرْاٰنًا یہ من القرآن سے لغوی معنی کے ساتھ حال ہے یعنی قیامت تک پڑھا جا سکتا ہے عَرَبِيًّا عربی زبان فصاحت اور بلاغت والی ہے اس جیسی دوسری واضح زبان نہیں ہے یا اس سے مراد لغوی معنی ہے یعنی واضح مقصد والا ہے غیر ذی عوج اس سے مراد شکوک وشبہات اور اعتراضات ہیں اس لئے کہ عِوَجٍ عین کی زیر سے معنوں میں اور عین کے زبر سے جسموں میں استعمال ہوتا ہے جبکہ ضَرْبُ الْأَمْثَالِ برائے نصیحت و یاد دہانی ہوتی ہیں لہٰذا اس وجہ سے پہلی آیت میں يَتَذَكَّرُوْنَ فرمایا تھا۔ اور غَيْرَ ذِي عِوَجٍ میں شکوک وشبہات سے بچنے کی طرف اشارہ ہے تو اس لیے اس کے آخر میں يَتَّقُوْنَ فرمایا، (۲۹) گزشتہ آیت میں كُلِّ مَثَلٍ ذکر ہوا ہے تو اس آیت میں موحد اور مشرک کے امتیاز کیلئے ایک خاص مثال ذکر کی مُتَشَاكِسُوْنَ یعنی ضدی اور عنادی ہیں انصاف پر راضی نہیں ہوتے اور آپس میں اتفاق بھی نہیں کرتے اس مثال کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک غلام کئی افراد کا مشترکہ ہو اور بد اخلاق اور ضدی بھی ہوں جب اس کو ایک مالک کسی کام حکم دیتا ہے تو اس کے برعکس دوسرا مالک کسی اور کا حکم دیتا اور آپس میں اتفاق بھی نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو معاف بھی نہیں کرتے اگر اس غلام کو کوئی حاجت وضرورت پیش آئے تو ان میں سے ایک بھی تعاون بد اخلاقی کی وجہ سے نہیں کرتا لہٰذا یہ غلام انتہائی تنگ زندگی گزاریگا جبکہ دوسرا ایک ہی شخص کا غلام ہے جس کا امام مالک با اخلاق درگزر اور معافی کرنے والا ہے رحیم وکریم شفقت کرنے والا ہے ایسے سخی وشریف مالک کا غلام خوش وخرم زندگی گزارے گا جب اس سے غلطی ہوگی تو اس کو معاف کرے گا اور جب اس کو ضرورت پڑے تو وہ ضرور مدد کرے گا اس طرح وہ مشرک انسان جس نے مختلف معبود بنا رکھے ہوں ایک کو بھی بندگی و پکار کا

حقدار سمجھتا ہے اور دوسرے کو بھی ایک معبود کو ایک مصیبت دور کرنے کے لئے دوسرے کو دوسری مصیبت کے لئے پھر یہ معبود اس کے مشرک پیر اور مولوی ہیں جو کہ عنادی اور حرص کرنے والے ہیں اگر یہ مشرک ایک کی عبادت واطاعت کرے تو دوسرا اس سے ناراض ہوتا ہے ایک کے پاس کوئی نذر یا شکرانہ لیکر جائے تو دوسرا اس پر غصہ کرتا ہے اور ایک ہی وقت میں بہت ساری ضرورتیں ہوتی ہیں تو حیران ہوتا ہے کہ ایک ضرورت کے لئے ایک دربار کے پاس جاؤں گا تو دوسرا دربار مجھ سے رہ جائے گا یہ مشرک بہت تنگ زندگی گزارے گا اور موحد آدمی تو ایک اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا ہے ایک ہی وقت میں بہت ساری ضرورتیں مانگ سکتا ہے تو اس کی زندگی خوب آرام دہ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ دلیل ہے کہ الوہیت کی تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں اور ان کے معبودوں میں یہ صفات نہیں ہیں یہ معبود اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے ہیں تو ان کے عابدین بھی برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ فائدہ: یہ مثال بتوں کی عبادت کرنے والوں کے موافق نہیں ہے اس وجہ سے مفسر خطیب شربینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو علماء اور پیروں کی عبادت کرتے ہیں اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ لوگ ہمارے لئے شفاعت (شرکیہ) کریں گے اور ہر ایک کا یہی عقیدہ ہے کہ میرا عالم اور پیر حق پر ہے اور یہ دوسرا باطل پر ہے۔

تفسیر 30، 31: جب مشرکین کا سخت رد کیا گیا تو وہ غصے کی وجہ سے بدعاء کرنے لگے کہ یہ نبی مر جائے تاکہ ہماری جان اس سے چھوٹ جائے تو اس آیت میں جواب ہے کہ موت تو سب پر آتی ہے دوسروں کی موت پر خوش ہونے کا کچھ فائدہ نہیں اور یہ موت کی وجہ سے ان جھگڑوں سے بچ جاؤ گے بلکہ موت کے بعد قیامت کی زندگی میں جھگڑے ہوں گے اور اس میں فیصلے ہوں گے تَخْتَصِمُوْنَ یہ اختصام عام ہے چاہے ایمان والوں کے درمیان ہو یا اہل کتاب کافروں اور مشرکوں کے درمیان ہو۔ فائدہ: یا کی تشدید کے ساتھ میت کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو مرا نہ ہو البتہ مرنے والا ہو، اور یا کے سکون کے ساتھ اس کو کہا جاتا ہے جو فوت ہوا ہو لیکن یہ فرق اکثری ہے کبھی ایک دوسرے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى، اَوْ يُحْيِ الْمَوْتٰى میں مَوْتٰى میّت (شدّ کے ساتھ) کی جمع ہے لیکن اس سے مراد مردے ہیں اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت آئی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ دفن کیے گئے ہیں اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ذکر کی ہے کہ کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی مخالفت نہ کرے اور دوسرا یہ کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر اس صفت میں باقی لوگوں کے مساوی (برابر) ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝32 وَ
الَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝33 لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
الْمُحْسِنِيْنَ ۝34 ۚ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝35
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝36 ۚ وَمَنْ يَّهْدِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ۝37

"اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے یا سچائی کی تکذیب کرے جب اس کے پاس آئی کیا جہنم میں کافروں کی رہنے کی جگہ نہیں ہے [32] اور جو سچائی لیکر آئے اور اس کی تصدیق کر لی یہی لوگ پرہیزگار ہیں [33] ان کے لئے وہ انعامات ہیں اپنے رب کے نزدیک جو وہ چاہتے ہیں یہ عمل کرنے والوں کا بدلہ ہے [34] تاکہ اللہ ان سے ان کے برے اعمال کو دور کر دے اور جو نیک کام انھوں نے کیے ہیں ان کا اچھا بدلہ عطا فرمائے [35] کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی (بچانے والا) نہیں ہے اور یہ لوگ آپ کو ان لوگوں کے ذریعے سے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں اور جسکو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اسکو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں ہے [36] اور جسکو اللہ تعالیٰ ہدایت دے تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے کیا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا نہیں ہے [37]۔

تفسیر 32: اس آیت میں تَخْتَصِمُوْنَ (اختصام) کا فیصلہ ذکر کیا ہے لہذا پہلے منکرین کے لئے خوف اخروی ذکر کیا ہے كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ولد اور شرک کی نسبت کرنے میں اور اسی طرح اس کی صفات کی تاویل کرنے میں جو اس نے اپنی ایک صفت بیان کی ہو جیسے ید (ہاتھ) اور بعض کہتے ہے کہ اس سے مراد قدرت ہے جیسے فرقہ جہمیہ موولہ والے کہتے ہیں۔

تفسیر 33، 34، 35: ان آیات میں ایمان والوں کے لئے بشارت ہے جَآءَ بِالصِّدْقِ صدق سے مراد مسئلہ توحید ہے اور کتاب اللہ ہے یعنی ہر وہ شخص جو قرآن اور توحید کی طرف دعوت دیتا ہے وَصَدَّقَ بِهٖ اس سے مراد تمام ایمان والے ہیں جو قرآن اور توحید کی دعوت کو مان لیتے ہیں اور ان کے پانچ حالات کو ذکر کیا ہے پہلی صفت تقویٰ کی دوسری ان کی خواہش کے مطابق جنت میں انعامات کی فراخی تیسری محسنین کی صفت چوتھی برائی کا کفارہ یعنی ان کے گناہ معاف کرے گا آمنوا جب زیادہ گنہگار کو معاف کرتا ہے تو کم گنہگار کو تو ضرور معاف کرے گا اجر و ثواب جو اچھے اعمال پر ملتا ہے وہ اعمال

مراد ہیں جو کتاب وسنت کے موافق ہوں۔

تفسیر 36: پہلے آخرت کا اختصام ذکر کیا تو اس آیت میں دنیا کا اختصام ذکر کرتا ہے یعنی ہر مشرک موحد کو اپنے باطل معبودوں سے ڈراتا ہے یعنی نبی علیہ السلام سے کہا کرتے تھے کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہنا (کہ یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے ہیں) یہ لوگ آپ کو مصیبت مرض، جنون، پہنچائیں گے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ سے ڈرایا گیا جیسے مفسرین نے ذکر کیا ہے اب بھی مشرکین موحدین سے کہتے ہیں کہ توحید کے مسئلے بیان مت کرو اور نہ ہی غیر اللہ کی نذر و نیاز سے منع کرنا اور ان سے غلاف مت ہٹانا اور نہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے اللہ تعالیٰ نے موحدین بندوں کو تسلی دی ہے اور مشرکین کا رد کیا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ عبد سے مراد ہر موحد ہو سکتا ہے اور پھر تقابل کے طور پر فریقین کا ذکر کیا ہے بِعَزِيْزٍ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے بچانے کے لئے اس وجہ سے کافی ہے کہ غالب ہے اور باقی معبودوں میں طاقت نہیں ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کہہ دیجئے کیا تم ان کے حال کو جانتے ہو جنکو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو اگر مجھے اللہ تعالیٰ کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا یہ لوگ اس کی تکلیف کو ہٹا سکتے ہیں یا مجھے رحمت پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا یہ لوگ اسکی رحمت کو روک سکتے ہیں آپ کہہ دیجئے مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کریں [38] آپ کہہ دیجئے اے میری قوم اپنے طریقے پر عمل کر دے بیشک میں بھی عمل کرنے والا ہوں تو عنقریب تم جان لوگے [39] کہ کون ہے جسکے پاس رسوا کرنے والا عذاب آئے گا اور اس پر ہمیشگی کا عذاب آئے گا [40]۔

تفسیر 38: یہ چوتھی دلیل عقلی اعترافی مشرکین کے اقرار کے ساتھ غیر اللہ کی خالقیت اور تصرف کی نفی کے لئے ہے اور پہلی

آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ تم ان باطل معبودوں کے ذریعے سے موحدین کو کیسے ڈراتے ہو تم خود بھی اقرار کرتے ہو کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اور یہ معبود اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں فائدے اور نقصان کے مالک نہیں ہیں تو اس آیت میں مشرکین کے اقرار سے دو عقیدے ذکر ہیں پہلا یہ کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سورۃ عنکبوت آیت 61 لقمان آیت 25 زخرف آیت 9، 87 میں بھی ذکر ہوا ہے اور دوسرا اقرار اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی تمہارے معبودوں کے پاس ضرر اور فائدے خیر اور شر کا اختیار اور قدرت نہیں ہے اور اس استفہام کا جواب بھی ابن جریر وغیرہ نے لام مقدر یا سکوت کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے معبود اللہ کے مقابلے میں فائدے اور نقصان کے مالک نہیں ہیں یا خاموش رہ جاتے ہیں اور یہ خاموش رہنا بھی اقرار کی دلیل ہے قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ یعنی اگر مشرک دعویٰ کرلے کہ یہ معبود خود مختار نہیں ہیں لیکن شفعاء تو یہ ہیں یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پورا اور کافی ہے کسی کی حاجت نہیں رکھتا ہے الْمُتَوَكِّلُوْنَ سے مراد موحدین ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں مونث کے صیغے ذکر کیے ہیں اسی وجہ سے خاص مشرکین کا رد ہے کہ وہ عزّیٰ کی عبادت کرتے تھے اور وہ مونث تھی یا اس زمانے میں جو خواتین کی قبر کی عبادت کرتے ہیں یا تانیث میں ان کے معبودوں کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ مونثات کمزوری سے مشہور ہیں۔

تفسیر 39، 40: اور یہ براءت کے ذکر کے ساتھ توکل کا بیان ہے مَكَانَتِكُمْ عادت، حالت اور قوت کو کہا جاتا ہے یعنی اگر کفر اور شرک کردیا اگر مجھے ضرر پہنچانے کے لئے کچھ قوت اور چالیں استعمال کرو اِنِّيْ عَامِلٌ عَلٰى مَكَانَتِيْ اس میں پوشیدہ ہے اس سے مراد دین کی دعوت اور استقامت ہے۔ اور جب نبی کے حالات میں وقفے وقفے سے ترقی ہوتی ہے تو اسی وجہ سے علی مکانتی کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے يُخْزِيْهِ اس سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور عَذَابٌ مُّقِيْمٌ سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنتَ
عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا ع
الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

"بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تو جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی فائدے کے لئے پائی اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اسکی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور آپ ان پر کارساز نہیں ہیں [41] اللہ تعالیٰ موت کے وقت ان کے نفسوں کو فوت کرتا ہے اور وہ روحیں جو اپنی نیند میں فوت ہوتی ہیں تو ان کو روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ کیا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے بے شک اس میں ایسے لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں [42]۔

تفسیر 41: اس میں قرآن کی سچائی اور اسکی طرف ترغیب ذکر کی ہے اور براءت کے اعلان کے بعد اس میں تسلی دینا مقصد ہے لِلنَّاسِ اس میں دلیل ہے کہ قرآن تمام دنیا والوں کے لئے کتاب الہیٰ ہے وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ یعنی آپ ان کے ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں آپ کی طرف ان کی نسبت نہ کی جائے اسلئے وکیل وہ ہوتا ہے جس کی طرف موکل کے کاموں کی نسبت کی جاتی ہے اور حقوق بھی اس کی طرف راجع کئے جاتے ہیں۔

تفسیر 42: اس آیت سے آیت 52 تک تیسرا باب ہے اس میں پانچویں دلیل عقلی ہے پھر غیر اللہ سے نفی کے طور پر شفاعت کا مسئلہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے شفاعت کے اثبات کا مسئلہ ہے اور توحید سے نفرت کرنے پر زجر ہے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کے امر پر دلائل کا نتیجہ ہے پھر تخویف اُخروی اور تخویف دنیاوی اور چھٹی دلیل عقلی ہے اس آیت 42 میں ماقبل کی ترقی کے ساتھ دلیل عقلی ہے اس لئے کہ گزشتہ آیت میں خلق اور تربیت اور نفع اور ضرر کی مالکیت کا ذکر ہوا تو اب اللہ تعالیٰ کے تصرف کو نیند اور موت کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى پورا لینے کے معنی میں ہے جیسے اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ میں گزر چکا ہے پھر جب یہاں "اَلْاَنْفُسَ" کا لفظ ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ نفس کا لینا مراد ہے نفس اور روح کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ نفس الگ ہے اور روح الگ ہے یعنی نفس عام ہے یعنی وہ تنفس کے ساتھ آتا ہے اگر تمیز اور حیات دونوں ہوں یا صرف حیات ہو اور روح خاص ہے جس کے ساتھ حیات متعلق ہو اور اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہے اور اس کے دو نام ہیں اور یہ بہتر قول ہے ایک وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں نیند اور موت کے وقت لی

کسی چیز کو انفس کہا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو سلمہ کی وفات کی ایک حدیث میں موت کے وقت روح کے قبض کا ذکر بھی آیا ہے صحیح بخاری حدیث 595، صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث 920 اور یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری حدیث جو ابن ماجہ نے ذکر کی ہے اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةِ کہا ہے اور لیلۃ التعریس والی حدیث میں (سونے کے بارے میں)اَخَذَ بِنَفْسِي يَارَسُوْلَ اللهِ کہا اور پھر اس کے بعد اِنَّ اللهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا فرمایا ہے صحیح بخاری تو معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی چیز ہے لیکن اس میں دو صفات ہیں اسی وجہ سے ایک کو نفس الحیاۃ کہا جاتا ہے اور وہ موت کے وقت قبض کیا جاتا ہے دوسرے کو نفس التمیز کہا جاتا ہے اور وہ نیند کے وقت قبض کیا جاتا ہے اور تفسیر مدارک ،روح المعانی اور السراج المنیر میں مذکور ہے کہ انفس کا اطلاق نیند کے وقت پر کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ سوئے ہوئے لوگوں کی تشبیہ مردوں کے ساتھ ہے یعنی سویا انسان بھی تمیز اور تصرف نہیں رکھ سکتا ہے جیسے مردہ انسان تمیز اور تصرف نہیں رکھ سکتا ہے اور یہ قول ان مفسرین کا رد ہے ان لوگوں پر جو مردوں کے لئے تصرفات اور تمیز ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مردے اپنی قبر کے پاس پرندوں میں نر اور مادہ کی تمیز کرتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں حِيْنَ مَوْتِهَا یعنی نفوس کی موت کے وقت لیکن اضافت روح کی طرف کی ہے اسلئے کہ روح بدن سے الگ ہو تو یہ بھی روح کے لئے ایک قسم کی موت ہے اگرچہ روح کے لئے فنا ہونا نہیں ہے وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا اسی طرح سورۃ انعام آیت 60 میں تُوَفّٰی نیند کے بارے میں ذکر کیا ہے اور آیت 61 میں تُوَفّٰی موت کے لئے ذکر کیا ہے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلے کو وفات الصغریٰ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو وفات کبریٰ کہا جاتا ہے اور یہاں پر ان دونوں کے برعکس ذکر کیا گیا ہے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ یہ جملہ دلیل ہے کہ مردوں کے لئے ارواح ان کے جسموں میں واپس نہیں لوٹ سکتی ہیں مگر جب صحیح دلیل کے ساتھ واپسی ثابت ہو جائے جیسے بعث بعد الموت اور سورۃ بقرۃ میں پانچ واقعات ذکر کئے ہیں کہ موت کے بعد پھر زندہ کئے گئے ہیں اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے ساتھ مردوں کا زندہ ہونا یہ تو صحیح اور صریح دلائل سے ثابت ہے تو اس دلیل سے وہ مستثنیٰ ہے (اس بارے میں بحث کی قبر برزخ) میں روح بدن کی طرف لوٹائی جائے گی جمہور علماء اس کے قائل ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سبب جو ابوداؤد اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور اس میں ابو محمد بن حزم نے کہا ہے کہ کسی نے بھی عذاب قبر کے بارے میں یہ روایت نہیں کی ہے کہ روح بدن کی طرف لوٹائی جائے گی سوائے منہال بن عمرو کے اور وہ قوی نہیں یہ اس آیت وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ کے خلاف ہے اور پھر اس سے منصوص اور معجزانہ مقامات مستثنیٰ ہیں لیکن امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے شرح ابوداؤد کے صفحہ 92 جلد 13 میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ردالروح الی الجسد والی روایت میں جرح ابوحاتم بستی اور امام ابن حزم نے ذکر کی ہے وہ جرح صحیح نہیں ہے اور ابوموسیٰ اصبھانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور ابونعیم اور حاکم وغیرھما نے اس کو صحیح کہا ہے جب یہ روایت ثابت ہے تو اس آیت کی سورۃ بقرہ کے ساتھ موافقت کیسے ہے؟ اس میں ایک قول یہ ہے کہ جس کو آلوسی نے روح المعانی میں پسند کیا ہے کہ قبر میں روح پرانے بدن کی طرف نہیں لوٹائی جاتی ہے بلکہ مثالی جسد میں داخل ہوگی۔ اور اس پر سبز پرندوں والی روایت اس کی دلیل میں ذکر کی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ امام ابن قیم نے شرح ابوداؤد میں ذکر کیا ہے کہ قبر میں روح کی بدن کی طرف واپسی عارضی ہے اس کے ذریعے قبر میں حیات مستقر حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور اسی طرح ابن عبدالہادی نے الصارم المنکی میں لکھا ہے کہ رد الروح فی القبر کے ذریعے سے حقیقی زندگی حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور یہ موت کے ساتھ منافی نہیں ہے یعنی یہ واپسی متشابہات میں سے ہے ہم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے ہیں لیکن اس پر ایمان لائینگے اسی طرح ملاعلی قاری نے مرقاۃ کے صفحہ 198 جلد 1 میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے (قبر میں بدن کی طرف) روح کے اعادے میں توقف اختیار کیا ہے اور اسی طرح صفحہ 203 جلد 1 میں ذکر کیا ہے کہ بدن سے روح کا تعلق مردے کے ساتھ حلول کے طور پر نہیں ہے تو اس تحقیق کی بناء پر اس آیت فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ کا رد الروح کے ساتھ کوئی منافات نہیں ہے تو اس سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ؕ قُلۡ اَوَ لَوۡ کَانُوۡا لَا یَمۡلِکُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ قُلۡ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ
جَمِیۡعًا ؕ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ
الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ اِذَا ذُکِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰہُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَ الۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ اَنۡتَ تَحۡکُمُ بَیۡنَ عِبَادِکَ فِیۡ مَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾

"کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی سفارشی پکڑے ہیں آپ کہہ دیجئے اگرچہ یہ لوگ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھ سکتے ہیں اور نہ عقل رکھتے ہیں [43] آپ کہہ دیجئے سارے سفارش کا اختیار اللہ کے پاس ہے اسی کے لئے آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [44] اور جب اللہ تعالیٰ کو اکیلے یاد کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اس کے علاوہ کسی اور کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت یہ لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں [45] آپ کہہ دیجئے اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہر پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو جاننے والے تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس چیز میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے [46]۔"

تفسیر 43: اس آیت میں شفاعت شرکیہ کے عقیدے پر زجر ہے یعنی یہ لوگ پہلے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان معبود من دون اللہ کی عبادت اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ یہ لوگ اِلٰہ ہیں بلکہ صرف ان کو سفارشی مانتے ہیں پھر یہ کہ یہ معبود تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار اور قدرت نہیں رکھ سکتے تو اجازت کے بغیر شفاعت کا اختیار ان کو کیسے حاصل ہوسکتا ہے اور اسی طرح تمہاری عبادت کا علم بھی نہیں رکھتے ہیں۔

تفسیر 44: یہ ان کے شرکیہ عقیدے کا دوسرا رد ہے یعنی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے تو کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کرسکتا ہے اور شفاعت کی بہت ساری اقسام ہیں اس وجہ سے تاکید جمیعا کے ساتھ ذکر کی ہے۔

تفسیر 45: یہ ان کی دوسری قبیح خصلت پر زجر ہے اور ان کے سوال کا جواب ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اجازت کے بغیر سفارش نہیں کہتے ہیں بلکہ ہماری سفارش کے لئے ہمارے معبودوں کو اللہ تعالیٰ اجازت دے گا تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہاری تو اللہ تعالیٰ کے ذکر توحید سے دشمنی تھی تو تمہیں کیسے اجازت دینگے وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ جیسے پہلی آیت میں قُلۡ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیۡعًا گزر گیا جب ان سے یہ کہا جائے کہ تمام اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اسی کی

بندگی کرو اسی کو مدد کیلئے پکارو تو پھر کیفیت یہ ہوتی ہے اِشْمَأَزَّتْ اس میں بہت زیادہ مبالغہ ہے اس لئے کہ اِشْمِزَازٌ اس کیفیت کو کہا جاتا ہے کہ دل ایسے غصے اور ناراضگی سے بھر جائیں کہ چہرے اور ماتھے پر بل آجائے۔ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهٖ یعنی ان کے معبودوں کے لئے جھوٹے قصوں اور دلائل کے ساتھ قدرت اور علم غیب ثابت کرتے ہیں یا ان کی جھوٹی کرامات کے ساتھ ذکر کیا جائے تو يَسْتَبْشِرُوْنَ اس میں بھی بہت زیادہ مبالغہ ہے یعنی ان کے دل خوشی سے اتنے پھول جاتے ہیں کہ خوشی کے آثار ان کے چہروں اور ماتھوں پر ظاہر ہوجاتے ہیں اور ایسے لوگ ہمارے دور میں بہت زیادہ ہیں کہ توحید کا بیان کرنے والے کو سخت غصے میں پیش آتے ہیں توحید کے داعی کو اولیاء کا منکر کہتے ہیں جیسے مفسر آلوسی نے اپنا قصہ بھی اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اس طرح کا مضمون سورۃ اسراء آیت 46 میں بھی مذکور تھا کہ یہ لوگ توحید کے بیان کرنے کے وقت پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور سورۃ صافات آیت 35 میں ہے کہ تکبر کرتے ہیں اور سورۃ حٓ آیت 5 میں ہے کہ تعجب کرتے ہیں اور سورۃ غافر آیت 12 میں اس کو جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنایا ہے۔

تفسیر 46: جب مشرکین کی عظیم خباثت کا ذکر ہوا جو کہ توحید سے نفرت ہے اور یہ موحد کی ناراضگی کا سبب ہے تو اب موحد کے دل کی تسلی کے لئے دعا کی تلقین کی جارہی ہے اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعے وسیلہ ہے بڑی قدرت کی صفت فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اور بڑے علم کی صفت عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ہے اور بڑے اختیار اور تصرف کی صفت اَنْتَ تَحْكُمُ ہے اور ندا کا جواب تعمیم کے لئے حذف کیا گیا ہے یعنی ان صفات کے بعد انسان جو بھی ضرورت کی دعا مانگے تو قبول ہوتی ہے جیسے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں کہا ہے کہ میں ایسی آیت کو جانتا ہوں جو اس کو پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور صحیح مسلم کی حدیث میں ان صفات کے بعد خاص دعا کا ذکر بھی ہوا ہے کہ نبی ﷺ رات کی نماز کے شروع میں اس طرح پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اَنْتَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اے جبرائیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام کے رب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے ظاہر اور مخفی کا علم رکھنے والے تو فیصلہ کرنے والا بندوں کے درمیان حق کے ساتھ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں مجھے اپنے حکم سے ہدایت کی رہنمائی فرما ان میں

لوگوں نے حق سے اختلاف کیا تو ہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔(صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث 770)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿47﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿48﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ بَلْ هِىَ

فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿49﴾

"اور اگر ظالموں کے لئے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے اور اس کی طرح اور ہو جائے تو یہ لوگ ضرور قیامت کے دن برے عذاب سے بدلہ دینگے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ حال ظاہر ہو جائے گا جو ان کے گمان میں نہیں تھا[47] اور ان کو ان کے برے اعمال کے انجام ظاہر ہو جائینگے جو انہوں نے کئے ہے اور ان کو وہ چیز گھیر لے گی جس کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے[48] جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت دے دیں تو یہ کہتا ہے یہ مجھے مہارت کی وجہ سے دی گئی ہے بلکہ یہ تو امتحان ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ نہیں جانتے ہیں[49]۔

تفسیر 47، 48: ان آیات میں توحید کے منکرین پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کا ذکر ہے اور یہ تین زواجر کے ذریعے تخویف اُخروی ہے پہلی زجر یہ ہے کہ ان سے عذاب کے بدلے میں کچھ فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائیگا جیسے سورۃ آل عمران آیت 91 رعد آیت 18 مائدہ آیت 36 میں ہے دوسری زجر وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ اور یہ ان مشرکین مبتدعین کو شامل جو نیکی کے تصور سے اعمال کرتے تھے لیکن قیامت میں معلوم ہو جائیگا کہ یہ سیئات تھے یہ مجاہد کا قول ہے اور یہ سورۃ کی ابتداء کے ساتھ مناسب ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور وہ لوگ جو اس نیت سے گناہ کرتے ہیں کہ موت سے پہلے توبہ کرلیں گے اور اچانک ان پر موت آجاتی ہے ان کو بھی شامل ہے یہ سدی کی روایت ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ریاکاری کرنے والوں کے لئے تباہی ہے یہ ان کی نشانی اور حال ہے اور تیسری زجر وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا اضافت بیانیہ ہے یعنی برے کام وہ ہیں جو انہوں نے کئے

ہیں یا سیئات سے مراد برا انجام ہے یعنی ان کے اعمال کی بری سزائیں۔

تفسیر 49: یہ مشرکین کی دوسری خباثت پر زجر ہے اور فَإِذَا کو فا کے ساتھ ذکر کیا اسلئے کہ ماقبل تخویف کی علت ہے اور ظَلَمُوا میں ظلم کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسان کی اس کی طرف نسبت نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکو اپنا حق اور کمال سمجھتے ہیں عَلَىٰ عِلْمٍ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر عالم ہے کہ میں اس کی نعمت کا اہل اور حقدار تھا یا مراد یہ ہے کہ اس کو جو بھی نعمت حاصل ہو جائے تو اپنے کسب اور کوشش کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اور اپنی محنت کو مستقل سمجھتے ہیں جیسے دہری انسان ایسی باتیں کرتا ہے اور سورۃ قصص آیت 78 میں عِلْمٍ عِنْدِي میں صرف دوسرا معنیٰ مراد ہے۔ فائدہ: أُوتِيتُهُ میں مذکر کی ضمیر کو شَيْئًا مِنْ نِعْمَةٍ کی تاویل کے ساتھ نعمت کی طرف راجع کیا ہے یعنی اگرچہ کم نعمت ہو بھی اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں مانتے ہیں اور بَلْ هِيَ میں عطیہ کی تاویل کے ساتھ ضمیر مونث ذکر کی ہے اس لئے کہ دنیا تو دار الامتحان ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ
ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥١﴾ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا ع
تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾

"تحقیق آپ سے پہلے بھی لوگوں نے یہ باتیں کی تھیں تو ان سے عذاب کو ان اعمال نے نہیں ہٹایا جو یہ لوگ کرتے تھے [50] تو ان کو برا انجام پہنچا اس کی وجہ سے جو انہوں نے کمائے اور وہ لوگ جنہوں نے ان موجودہ لوگوں میں سے ظلم کیا ہے تو ان کو اعمال کا برا انجام ملے گا جو انہوں نے کئے ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں [51] کیا وہ لوگ نہیں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کرتا ہے بے شک اس کام میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں [52] آپ کہہ دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے [53]۔

تفسیر 50، 51: اس آیت میں سابقین کے حال کو ذکر کرنے کے ذریعے تخویف ہے کہ یہ کلمہ أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ گزشتہ منکرین پر عذاب کا سبب بنا تھا جیسے قارون نے بھی اسی طرح کہا تھا سورۃ قصص آیت 78 فَمَآ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا

یا استفہامیہ ہے مِنْ هٰٓؤُلَآءِ مِن بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے سَيُصِيبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا قحط سالی کے عذاب کی طرف اشارہ ہے جو مکے والوں پر آیا تھا اور اسی وجہ سے اس کے بعد رزق کی فراخی اور تنگی کا ذکر ہے۔

تفسیر 52: یہ چھٹی عقلی دلیل ہے پہلے دلائل میں عام تصرف کا ذکر کیا تھا اور اس آیت میں رزق میں خاص تصرف کا ذکر ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس بات پر ایمان لاتا کہ حوادث تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ رزق کی کشادگی کسی کے لئے بطور استدراج ہوتی ہے اور رزق کسی کے لئے عزت ہوتی ہے۔

تفسیر 53: اس آیت سے آیت 67 تک چوتھا باب ہے اس میں شرک اور باقی گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف ترغیب ہے اور تین اعذار کو دور کرنے کے لئے قرآن کی پیروی کی طرف ترغیب ہے اور پھر تخویف اور بشارت ہے اور پھر دو عام عقلی دلائل کو ذکر کیا ہے آٹھویں اور ساتویں پھر شرک فی العبادت پر رد کرنے کے لئے دلیل وحی ہے، آیت 53 میں عذاب سے بچنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے جو پہلی آیتوں میں ذکر ہوا ہے اور وہ طریقہ شرک اور باقی گناہوں سے توبہ کرنا ہے يٰعِبَادِيَ اس سے مراد ایمان والے ہیں تو الذُّنُوبَ جَمِيْعًا سے مراد کفر اور شرک کے علاوہ گناہ ہیں یا اس سے مراد سارے بندے ہیں مشرکین بھی اس میں شامل ہیں تو الذُّنُوبَ میں شرک بھی داخل ہے۔ **سوال:** اس احتمال پر تو "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ" کے ساتھ تو ظاہراً مخالفت آرہی ہے؟ **جواب:** اس آیت میں مَغْفِرَةٌ سے مراد توبہ کرنا ہے کہ توبہ کے ذریعے شرک اور کفر بھی معاف ہوتا ہے اور اس آیت میں توبہ کے علاوہ مراد ہے اور اس کی تائید میں طبرانی کی حدیث ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس آیت کے مقابلے میں دنیا وما فیہا کو پسند نہیں کرتا ہوں ایک شخص نے کہا اگر کسی نے شرک کیا ہو تو نبی ﷺ کچھ لمحے کے لئے خاموش ہوئے اگر شرک بھی کیا ہو تب بھی اور تین مرتبہ اس کو دہرایا۔ ان لفظوں کے ساتھ یہ روایت طبرانی اوسط 176۔ احمد 275/5 وغیرہ میں ذکر ہے مگر شیخ شعیب ارناووط نے اس کو ضعیف الموسوعة الحديثية 22363 البتہ اس آیت کی فضیلت میں صحیح احادیث موجود ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4810 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 122)۔

وَاَنِيۡبُوۡۤا اِلٰى رَبِّكُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ۝٥٤ وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ

اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝٥٥ اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا

فَرَّطْتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ ۝٥٦ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰٮنِىۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝٥٧ اَوۡ 20

تَقُوۡلَ حِيۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝٥٨ بَلٰى قَدۡ جَآءَتۡكَ اٰيٰتِىۡ فَكَذَّبۡتَ بِهَا

وَاسۡتَكۡبَرۡتَ وَكُنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٥٩

"اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے حکموں کے تابع ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی [54] اور اچھی باتوں کی پیروی کرو اس سے پہلے کہ تمھارے پاس اچانک عذاب آجائے اور تمہیں شعور بھی نہ ہو [55] (یہ خبر اس وجہ سے دی) کہ کوئی نفس یہ نہ کہے کہ افسوس ہے اس کی کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کی ہے [56] یا یہ نہ کہو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں پرہیزگاروں میں سے ہو جاتا [57] یا یہ نہ کہو کہ جب عذاب کو دیکھ لے کاش کے میرے لئے واپس پلٹنا ہوتا تو میں اچھے عمل کرنے والوں میں سے ہوتا [58] ہاں کیوں نہیں بلکہ تمھارے پاس میری آیتیں آئیں تو تم نے اسکو جھٹلایا اور تکبر کیا اور تم کافروں سے میں سے تھے [59]۔

تفسیر 54: یہ ایک پوشیدہ لفظ جو کہ اِسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ وَاَنِيۡبُوۡۤا ہے یعنی شرک سے توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف توحید کے ساتھ رجوع کرو وَاَسۡلِمُوۡا میں اعمال کے ساتھ انقیاد مراد ہے۔

تفسیر 55: یہ قرآن کی طرف ترغیب ہے انابت اور اسلام قرآن کی اتباع میں ہے اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اس لئے کہ تمام قرآن احسن ہے جیسے آیت 23 میں گزر چکا ہے یا احسن سے مراد محکم ہے یعنی قرآن کے محکمات کی اتباع کرنا پہلی آیت میں بھی مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ تھا اور اس آیت میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توبہ کرنے اور قرآن کی اتباع میں جلدی کرو اس میں تاخیر نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ عذاب آجائے ورنہ پھر کچھ نہیں کر سکو گے۔ فائدہ: جو شرک سے توبہ نہیں کرتے تو وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ میرے معبود میری مدد کریں گے تو پہلی آیت میں لَا تُنۡصَرُوۡنَ ذکر کیا اور جو قرآن کی اتباع نہیں کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بعد میں نیک عمل کریں گے تو ان کے لئے فرمایا کہ عذاب کا وقت معلوم نہیں ہے اچانک آئیگا تو عمل میں کیوں تاخیر کرتے ہو (واللہ اعلم) وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ یہ بَغۡتَةً کی تفسیر ہے یعنی جس کا وقت

اور تاریخ بھی معلوم نہیں ہے۔

تفسیر 56: اس میں تین اعذار پیش کرتے ہیں پہلا عذر یہ ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ نکرہ خاص قسم کے لئے ہے جو کہ کافر اور مشرک ہیں یٰحَسْرَتٰی اصل میں یہ یَاحَسْرَتِیْ تھا یا یہاں استغاثہ پر دلالت کرنے کے لئے یا کی جگہ الف استعمال کیا ہے فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ یہ کیفیت میں متشابہات میں سے ہے اگرچہ اسکا معنی ظاہر ہے جو جانب کو کہتے ہیں اور وہ ظاہری معنی کے ساتھ محکم ہے اور تفریط سے مراد شرک، کفر، ظلم اور گناہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کمی کرنا ہے اور سستی کرنا ہے وَاِنْ كُنْتُ۔ اِنْ نافیہ ہے اور لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ میں لام الا کے معنی میں ہے یا اَنْ مثقل سے مخفف ہے اور وَاِنْ كُنْتُ میں اشارہ ہے کہ مسخرے میرا مزاج بن چکا تھا السّٰخِرِيْنَ اہل حق کا مذاق اڑانے والے یعنی صرف نافرمانی ہی نہیں کی ہے بلکہ اہل حق کا مذاق بھی اڑایا ہے۔

تفسیر 57: یہ دوسرا عذر ہے یعنی اگر قرآن کے بھیجنے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو ہدایت نہ دی ہوتی تو ان لوگوں نے عذر پیش کیا ہوتا کہ اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں ہدایت دیتا لیکن جب قرآن ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے تو اب یہ لوگ یہ حجت (بہانہ) پیش نہیں کر سکتے ہیں یہاں ہدایت سے مراد صرف حق کو کتاب یا رسول کے بھیجنے کے ذریعے سے بیان کرنا ہے اور اسکی تائید سورۃ طٰہٰ آیت 134 میں گزر چکی ہے۔

تفسیر 58: یہ تیسرا عذر ہے یعنی اگر قرآن کو نازل نہ کیا جاتا تو یہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کا مطالبہ کرتے اور اس صورت میں یہ تو انکا حق تھا اور اللہ تعالیٰ اس حق کو مان لیتا لیکن جب قرآن نازل کیا گیا اور ان کو مکمل عمر بھی دی گئی ہے اور وہ قرآن کو نہیں مانتے ہیں تو اب اگر قیامت میں وہ کہیں کہ مجھے دنیا کی طرف واپس لوٹا دے کہ میں ایمان لے آؤں تو اس کا یہ مطالبہ قبول نہیں ہوگا بلکہ وہ عذر رد کیا جائیگا جیسا کہ سورۃ فاطر آیت 37 میں گزر چکا ہے۔ یہ اقوال ان کی طرف سے قیامت میں قائم ہونگے لیکن ان پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا اور عذر کے طور پر بھی قبول نہیں ہوں گے اس لئے کہ قرآن کے نزول سے یہ سب عذر ختم ہوگئے ہیں اور یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ تَقُوْلَ کے شروع میں تینوں جگہوں میں لَا مقدر ہے لیکن ظاہراً اس کو ذکر نہیں کیا ہے لیکن بات نہ ہونے کے برابر ہوگی پھر عام مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اقوال ہر منکر سے ہونگے اور قتادہ نے کہا ہے کہ ان کی تین اقسام ہیں اور ہر قسم کی طرف سے الگ الگ قول ہوگا۔

تفسیر 59: یہ ان اقوال کا جواب ہے کہ جب یہ لوگ قیامت میں یہ عذر پیش کرلینگے تو ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ

یہ عذر قبول نہیں ہیں اس لئے کہ تمھارے پاس میری آیتیں آئی تھیں لیکن تم نے انکار کیا ہے بَلیٰ **سوال:** اگر یہ کہا جائے کہ یہ لفظ تو پہلے کلام میں نفی کا مطالبہ کرتا ہے اور یہاں نفی نہیں ہے؟ تو **جواب** یہ ہے کہ ان تین اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تو حق سے واقف نہیں تھے تو بَلیٰ سے جواب ہو جائیگا اور پھر اچھی ترتیب سے ان کا انکار تین طریقوں سے ذکر کیا ہے پہلا جھوٹ ہے دوسرا تکبر ہے جو تکذیب کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے تیسرا کفر ہے جو استکبار کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰
وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ
هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۶۲ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۳ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝۶۴ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۵ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۶ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ
بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۷

"اور قیامت کے دن آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے ان کے چہرے کالے ہونگے کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کی جگہ نہیں ہے [60] اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بچائے گا جنہوں نے شرک سے اپنے آپکو بچایا انکی کامیابی کی وجہ سے نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہونگے [61] اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے [62] اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا ہے یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں [63] آپ کہہ دیجئے کیا اللہ کے علاوہ مجھے حکم کرتے ہو اے جاہلو کہ میں ان کی عبادت کروں [64] اور تحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپکا عمل ضائع ہو جائیگا اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے [65] بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور آپ شکرگزاروں میں سے ہو جائیں [66] انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کرنے کا حق ہے اور زمین سب کی سب اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان لپیٹے ہوں گے اس کے دائیں ہاتھ میں وہ پاک اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں [67]۔

تفسیر 60: اعذار اور بہانوں کو دور کرنے کے بعد تخویف ہے۔ یعنی انکا جرم ثابت ہوا اور ان کے بہانے ختم ہوئے اور وہ شرمندہ ہو جائینگے اور ان کے چہرے کالے ہونگے کَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ اس میں مشرکین داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف شریک اور ولد کی نسبت کرتے ہیں اور امام بقاعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فرقہ معتزلہ اور وہ لوگ جو جھوٹ بولتے

ہیں اور انکا گمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے واقف نہیں ہے تو اس میں وہ بھی داخل ہیں۔ لِّلْمُتَكَبِّرِينَ قیامت کے دن چہرے کی سیاہی بہت ذلت اور حقارت ہے تو یہ متکبر کے حال کے مناسب ہے۔

تفسیر 61: اس آیت میں بشارت ہے بِمَفَازَتِهِمْ یہ ظرف مکان ہے اس سے مراد جنت ہے یا مصدر میمی ہے یعنی متقین کو عذاب سے نجات دینگے جنت میں داخل ہونے کے سبب سے یا مفازہ سے مراد ایمان اور عمل صالح ہے یعنی ذکر مسبب کا ہے لیکن اس سے مراد سبب ہے لَا يَمَسُّهُمُ السُّوٓءُ یہ مفازہ کی تفسیر ہے پہلی توجیہ کے ذریعے سے یا اس میں وَ يُنَجِّي کا بیان ہے۔

تفسیر 62: یہ ساتویں عقلی دلیل ہے اور دو کلی صفات ہیں ہر چیز کو پیدا کرنا اور ہر چیز کی ذمہ داری اور حفاظت کرنا اور یہ تقویٰ کا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے اس وجہ سے ڈرتے ہیں کہ ان صفات پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

تفسیر 63: اس آیت میں آٹھویں عقلی دلیل ہے تیسری صفت کلی ذکر ہے یعنی ہر چیز کا اختیار اور تصرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور چابیاں بھی اللہ ہی کے پاس ہیں تو معلوم ہوا کہ خزانے دینے کے مختار بھی صرف وہی ہے بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت جو ذکر ہوئی یہ آیات اللہ میں داخل ہے اس کا منکر اور مشرک تباہ ہونے والا ہے

تفسیر 64: یہ گزشتہ دلائل کی تشریح ہے یعنی توحید فی العبادات پر واضح دلائل دینے کے بعد پھر بھی تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہو یہ بہت بڑی جہالت ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شرک کی دعوت دیتا ہے تو وہ مکمل جاہل ہے۔

تفسیر 65، 66: یہ ماقبل کی علت ہے یعنی ان جاہل قسم کے مشرکین کے امر اور دعوت سے اپنے آپ کو بچانا اس لئے کہ اتفاقی وحی تمام انبیاء کرام کے ذریعے سے واضح ہوئی ہے کہ شرک کرنے سے ہر عمل ضائع ہوتا ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ معنی یہ ہے کہ ہر نبی کو اپنے اپنے دور کے لحاظ سے وحی کی گئی ہے اور اس طرح کا ذکر سورۃ انعام آیت 88 میں بھی ہے یہ شرک کی قباحت پر دلیل ہے کہ نبی کا عمل بھی شرک کی موجودگی میں برقرار نہیں رہ سکتا ہے تو باقی لوگوں کا عمل کس طرح برقرار رہے گا۔ اور نبی سے تو گناہ نہیں ہوسکتا ہے تو لَئِنْ اَشْرَكْتَ کا خطاب بفرض تقدیر کے طور پر ہے بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ پہلی آیت میں شرک سے روکنا تھا اور اس آیت میں توحید کا امر ہے اور الشّٰكِرِيْنَ سے مراد توحید کی دعوت دینا ہے اور اس کو ظاہر کرنا ہے۔

تفسیر 67: اس آیت سے پہلے سورۃ کے آخر تک پانچواں باب ہے اس میں تین حالات کے ذریعے تخویف اور زجر ہے

پہلا تمام عالم کا فناء ہونا دوسرا البعث اور حساب تیسرا اجر اور تفصیلی بشارت ہے اس میں آیت 67 میں مشرکین فی العبادت کے لئے زجر ہے اور قَدَرٍ تعظیم کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے حق تعظیم یہ ہے کہ اس کی عبادت ایسے طریقے سے کی جائے جو ہر قسم کے شرک سے پاک عبادت ہو جبکہ مشرک اس طرح نہیں کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ مشرک نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور نہ ہی اس کی تعظیم کی ہے اور نہ ہی جائز طریقے سے اس کی صفت بیان کی ہے وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ اس میں اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان فرمایا گیا جَمِیْعًا کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد تمام (سات) زمینیں ہیں اور قبض سے مراد ہاتھ سے تھامنا ہے اسی وجہ سے قیامت کی تخصیص کی ہے صرف قیامت اس سے مراد نہیں ہے اسلئے کہ قدرت کاملہ تو دنیا میں بھی ہے لہذا قیامت کی خصوصیت کی ضرورت نہیں ہے بِیَمِیْنِهٖ یہ کیفیت کے اعتبار سے متشابہات میں سے ہے اور معنی کے اعتبار سے محکم ہے یعنی دایاں ہاتھ اور اسکی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یمین سے مشبہ اور فرقہ مجسمہ دلیل لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشابہ اور مجسم ہے تو جواب ہوا کہ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ یعنی قدرت اور علم میں کوئی شریک اور مشابہ نہیں ہے اور عبادت میں بھی شریک نہیں ہے اور جب آسمان اور زمین کو قبضے میں لینے کے لئے اللہ کی بلندی یعنی علو اچھا ہے اس وجہ سے ترمذی کی روایت میں وتعالیٰ بھی ذکر کیا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ ایسے حال میں انسان کہاں ہونگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جہنم کے اوپر پل صراط پر ہونگے۔ صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث (2791)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ
قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿٦٨﴾ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِيءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ ع
كَفَرُوا إِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتّٰى إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ
يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى
الْكٰفِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

"اور صور میں پھونکا جائیگا تو فوت ہو جائینگے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر جن کو اللہ تعالیٰ باقی رکھنا چاہے پھر اس میں دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا تو اس وقت یہ لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہونگے [68] اور قیامت کے دن زمین اپنے رب کے نور کے ذریعے سے روشن ہو جائے گی اور اعمال نامے رکھ دیئے جائینگے اور پیغمبروں کو لایا جائیگا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا [69] اور ہر نفس کو ان اعمال کا بدلہ پورا پورا دیا جائیگا جو انہوں نے کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کو خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں [70] اور کافروں کو گروہ کی شکل میں جہنم کی طرف ہنکایا جائیگا یہاں تک کہ جب جہنم کے پاس آئینگے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائینگے اور چوکیدار ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے یہ لوگ کہیں گے ہاں کیوں نہیں لیکن کافروں پر عذاب کا فیصلہ پورا ہوا تھا [71] کہا جائیگا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت برا ہے [72]۔

تفسیر 68: اس آیت میں تخویف اُخروی ہے اور اس میں ماقبل کے ساتھ عالم کے فناء کرنے کا ذکر ہے فَصَعِقَ صعق موت کے معنیٰ میں ہے یا بے ہوشی کے معنیٰ میں ہے یہاں پر پہلا معنیٰ اظہر ہے إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ اس میں بہت سارے اقوال ہیں قتادہ کا قول یہ ہے کہ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہمیں معلوم نہیں ہے۔ دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے فناء کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے جیسے جنت کے حور غلمان اور جہنم کے سانپ بچھو تیسرے قول میں ملائکہ مراد ہیں کہ وہ فوت نہیں ہونگے چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے فوت ہوئے ہیں اور فَصَعِقَ

کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ اس وقت ان کی موت کا سبب قیامت کا خوف ہوگا اور دوسرے معنی کے مطابق مَنْ شَآءَ اللّٰہُ سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن جب اس صعق والی حدیث میں فلا ادری کا لفظ آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی علم نہیں ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہوئی ہے یا نہیں تو موسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر مستثنیٰ سمجھنا صحیح نہیں ہے اور اس آیت سے صراحۃً معلوم ہے کہ صور میں دو مرتبہ پھونکا جائیگا پہلا فناء کے لئے اور اسکو فزع بھی کہا جاتا ہے جیسے سورۃ نمل آیت 87 میں اور صعق بھی کہا جاتا ہے اور دوسرا بعث بعد الموت کے لئے اور یہ دونوں سورۃ یٰسٓ آیت 49 میں بھی ذکر ہیں۔

تفسیر 69، 70: اس آیت میں بعث اور حساب کے بعض حالات ذکر ہیں بِنُوْرِ رَبِّهَا نور کی صفت اللہ تعالیٰ کی ہے جیسے سورۃ نور میں بغیر تشبیہ اور تمثیل کے گزر چکا ہے وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ اس سے مراد جنس ہے یعنی اعمال نامے وَ الشُّهَدَآءِ یہ تخصیص کے بعد عموم ہے یعنی انبیاء کو شہادت کے لئے حاضر کیا جائیگا وَهُوَ اَعْلَمُ یہ وَوُفِّيَتْ کے لئے تاکید ہے یعنی اس وجہ سے پورا دیا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ حساب لیتا ہے اور گواہوں کو پیش کرتا ہے تو کیا اسکو علم نہیں ہے تو جواب وَهُوَ اَعْلَمُ کے ذریعے سے ہوا یعنی حساب اور گواہوں کی حاضری یہ حجت قائم کرنے کے لئے ہے۔

تفسیر 71: اس میں حساب اور شہادت جزا اور سزا کی تقسیم کا ذکر ہے تو اس آیت میں منکرین کے حال کو ذکر کرتے ہوئے خوف آخرت کا ذکر ہے زُمَرًا ان گروہوں کو کہا جاتا ہے کہ ان کے درمیان فرقہ بندی ظاہر ہو کفر اگر چہ ایک ہی ملت ہے لیکن ان کے درمیان بہت سے فرقے اور قسمیں ہیں فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا سورۃ حجر آیت 44 میں گزر چکا ہے کہ سات دروازے ہیں اور اس آیت میں اشارہ ہے کہ ان کے کیلئے پہلے سے دروازے نہیں کھولے جائینگے یہ ان کی ذلت کیلئے ہے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اس میں کافروں کو ملامت کرنا مقصد ہے یہ بھی بڑا عذاب ہے لِقَآءَ يَوْمِكُمْ یعنی یَوْمَ بَعْثِكُمْ اَوْ يَوْمَ دُخُوْلِكُمُ النَّارَ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اس سے مراد تقدیر میں ان کے کفر اور عذاب کا فیصلہ ہے یا وہ کلمہ ہے جو سورۃ صٓ آیت 85 میں ذکر ہے عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کیا اشارہ ہے کہ عذاب کی علت ان کا کفر ہے۔

تفسیر 72: حجت کے قائم ہونے کے بعد اس پر جہنم کے دخول کا حکم ہے لفظ قِيْلَ قائلین کے عموم کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ اس طرح کہیں گے خٰلِدِيْنَ داخل ہونے کے وقت خلود نہیں ہو سکتا ہے تو اس سے مراد اس وقت میں

اندازہ لگانا اوران کے خلود کا ارادہ کرنا ہے اَلْمُتَكَبِّرِيْنَ عذاب کی علت کفر ہے اور تذلیل کی علت جو ان آیتوں میں ذکر ہوئی وہ ان کا تکبر ہے اسی وجہ سے یہ صفت ذکر کی ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع

"یہاں تک جب ان کے پاس آئینگے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائینگے اوران سے ان کے چوکیدار کہیں گے تم پر سلام ہو خوش رہو تو (جنت میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے [73] اور وہ کہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں جنت کی زمین کا وارث بنایا ہم جہاں چاہیں جنت میں جگہ پکڑیں گے تو اچھے عمل کرنے والوں کا اجر اچھا ہے [74] اور آپ ملائک کو دیکھیں گے عرش کے اردگرد گھیرا لگائے ہونگے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرینگے اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور کہا جائے گا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہاں والوں کا رب ہے [75]۔

تفسیر 73: یہ اُخروی بشارت تفصیلاً ذکر کی گئی ہے وَ سِيْقَ پہلے بھی یہ لفظ تھا لیکن وہاں پر سُوق کا لفظ ذلت اور اہانت کے طور پر تھا اور یہاں پر سَوق اکرام اور عزت کے لئے ہے اور اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں سُوق سے مراد جنتیوں کا سوار ہونا ہے زُمَرًا یہ بھی مختلف امتیں ہیں ہر رسول کی الگ الگ امت ہے یا اس سے مراد مختلف اعمال والے ہیں یعنی شہداء، علماء اور دعوت وتبلیغ کرنے والے وغیرہ وغیرہ جس پر جو صفت غالب ہو اسی کے مطابق چلے گا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا واد حرف عطف مقدر عبارت پر عطف ہے اور اِذَا کا جواب اس وجہ سے حذف کیا تا کہ عموم پر دلالت کرے یعنی جب یہ لوگ آ جائینگے تو بہت سارے انعامات سے خوش ہو جائینگے اور خاص نعمت دروازوں کا کھلنا ہے اور اس میں ان کی عزت اور آرام کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے دروازے کھلے ہونگے جیسے سورۃ ص آیت 50 میں گزر چکا ہے اور بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ واو ثمانیہ ہے یعنی عرب کی عادت یہ ہے کہ آٹھ عدد کے مقام پر واو ذکر کرتے ہیں گویا عدد ایک قسم

کا سات پر اختتام ہوا دونیا کا عدد آٹھ سے شروع ہوگا اور جنت کے دروازے آٹھ ہیں جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے احمد 4/185 طیالسی 3119، مشکوۃ 5630 ، شیخ البانی نے صحیح کہا ہے صحیح ترغیب 4242، صحیح جامع الصغیر 2056-،6167) طِبْتُمْ تم دنیا میں توحید اور ایمان کے عقیدے اور نیک اعمال کی وجہ سے پاک تھے یا یہ السلام علیکم کی طرح جملہ دعائیہ ہے۔

تفسیر 74: یہ بھی بشارت میں داخل ہے اور یہ پوشیدہ لفظ (دَخَلُوْهَا وَقَالُوْا) پر عطف ہے وَعْدَهٗ اور یہ وعدہ سورۃ مریم آیت 61 میں مذکور ہے الْاَرْضَ اس سے مراد جنت کی زمین ہے اور اس کو میراث اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بغیر کسی مناسب محنت سے حاصل ہوتی ہے نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ یعنی اسکو جنت میں اتنی فراخی اور کشادگی سے نوازا جائیگا کہ اس میں آزادی سے گھومے گا یہ نہیں کہ کسی اور کے حصے تک اس کی رسائی ہوگی حَيْثُ نَشَآءُ اس متکلم کے صیغے میں اشارہ ہے کہ جنت میں ہر ایک خالص اللہ کی رضامندی کا تابع ہوگا فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ اس میں الف لام عہدی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے موافق عمل کرنے والے اور صفت کے ذکر کرنے میں عمل کرنے کی طرف ترغیب ہے۔

تفسیر 75: اس آیت میں قیامت کے دن کی عظمت اور تخویف کا ذکر ہے مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ، مِنْ کے حرف میں اشارہ ہے کہ تمام عرش پر ملائک احاطہ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ عرش کی عظمت بہت زیادہ ہے وَقِيْلَ اس صیغے میں قائلین کے عموم کی طرف اشارہ ہے یعنی تمام ایمان والے اور ملائک اللہ کی حمد بیان کرینگے اشارہ ہے کہ جنت میں سب سے بڑا تلذذ (مزہ لینا) یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے تسبیحات اور اللہ کی حمد بیان کرنا۔

سورۃ زمر کی خصوصیات:

۱۔ توسل شرکیہ پر رد ذکر ہوا ہے۔

۲۔ اہل شرک اور اہل ایمان کے درمیان تقابل۔

۳۔ شرک فی العبادات پر کثرت سے رد کیا گیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی تاثیر اہل قرآن پر ذکر کی گئی ہے۔

۵۔ تفصیلی اور مرتب دلائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶۔ توبہ کی طرف ترغیب کا ذکر ہے۔

۷۔ وفات کی دو قسمیں ذکر ہوئی ہیں۔

اللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

اے اللہ مجھے اپنے ذکر شکر اور اچھے عبادت کرنے پر مدد فرمائیں

اٰیاتھا ۸۵ ۔ ۴۰ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ مَکِّیَّۃٌ ۶۰ ۔ رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سورۃ مومن کا دوسرا نام سورۃ غافر اور تیسرا سورۃ الطول ہے۔

حٰمٓ ۞ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۞ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی

الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۞ مَا یُجَادِلُ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی

الْبِلَادِ ۞ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ کُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِیَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا

بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَکَیْفَ کَانَ عِقَابِ ۞

”اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے[1] اس کتاب کا نزول اس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب ہے جاننے والا ہے[2] گناہ کو معاف کرنے والا ہے توبہ قبول کرنے والا ہے سخت عذاب دینے والا ہے قوت اور طاقت والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اسی کی طرف پلٹنا ہے[3] اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے نہیں ہیں مگر جنہوں نے کفر کیا ہے تو آپ کو ان کا شہروں میں پھرنا دھوکے میں مبتلا نہ کرے[4] ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی ہے اور ان کے باقی گروہوں نے بھی اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں پختہ ارادہ کیا ہے تاکہ اس کو پکڑے (اور اس کو قتل کرنے کے لئے) باطل کے ذریعے سے جھگڑتے تھے تاکہ اس کے ذریعے سے حق کو ڈگمگائے میں نے اس کو پکڑا تو میرا عذاب کیسے ہوا[5]۔

اس سورۃ سے سورۃ احقاف تک سات سورتیں حوامیم کے ساتھ مشہور ہیں اور یہ تیسرا باب ہے اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں مسند دارمی میں روایت ہے کہ حوامیم کو عرائس القرآن کہا جاتا ہے انس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے امام قرطبی رحمہ اللہ اور خطیب شربینی رحمہ اللہ وغیرہ نے مرفوعا نقل کیا ہے کہ حوامیم قرآن کی دیباج ہے اور دوسری روایت نقل کی ہے کہ ہر چیز کا پھل ہوتا ہے اور قرآن کا ثمرہ ذوات حٰم ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ خوبصورت سبز شاداب باغیچے

ہیں۔ جو جنت کے باغیچوں میں سیر کرنا چاہتا ہے تو ان سورتوں کی تلاوت کرے۔ مفسر خازن اور خطیب شربینی رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی ہے کہ ہر چیز کا مغز اور خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حوامیم ہیں تو اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو تو ان سورتوں کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔

ربط: اس سورۃ کا ماقبل سورۃ سے بہت سی وجوہات سے ربط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۃ زمر میں شرک فی العبادۃ کا رد تھا تو اس سورۃ میں شرک فی الدعاء کا رد ہے کہ وہ بھی عبادت کا اہم جز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں تخویف دنیاوی اجمالی اور اس سورۃ میں اس کی تفصیل کے لئے فرعونیوں کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں تعریف اور قرآن کا مقصد ذکر کیا تھا تو اس سورۃ کے شروع میں قرآن کی عظمت شان کا ذکر ہے۔ سورۃ کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون شرک فی الدعا کا رد ہے اور توحید فی الدعاء کا اثبات ہے اور اس کو سات مرتبہ 12، 14، 20، 43، 65، 77 میں ذکر کیا ہے اور یہ پانچ طریقوں سے ہے۔ (۱) شرک کی تمام اقسام کا رد ہے۔ (۲) آٹھ عقلی دلائل کے ذریعے (۳) رجل مؤمن کے واقعہ کے ذریعے کا (۴) فرعونیوں کو ہلاک کرنے سے اس وجہ سے انہوں نے توحید سے انکار کیا تھا (۵) اور اس مسئلے کی عظمت شان کا ذکر کرنے کے ذریعے۔

سورۃ خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورۃ تین ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب آیت 14 تک ہے اس میں چار مضامین ہیں اور یہ سورۃ کے دعوے کے لئے تمہید ہے اور اس دعوے کی عظمت کے ذکر کرنے میں قرآن کی طرف اللہ تعالیٰ کی توصفات کے ذریعے سے پہلی ترغیب ہے۔ دوسرا مضمون زجر اور تخویف دنیاوی و آخروی ہے ان لوگوں کے لئے جو قرآن اور اس سورۃ کے دعوے میں جدال کرتے ہیں۔ تیسرا ایمان والوں کے لئے بشارت ہے اور مومن کے لئے ملائکہ کی دعاؤں کا ذکر ہے چوتھا منکرین کے لئے تخویف اُخروی ہے اور عذاب کا سبب ذکر کیا جو کہ توحید سے انکار ہے۔

تفسیر 1: یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کا ذکر پہلے بار بار گزر چکا ہے بہتر یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کے اعجاز کی طرف اشارہ ہے اسی وجہ سے بعد میں قرآن کی عظمت کو ذکر کیا ہے۔

تفسیر 2، 3: اس آیت میں قرآن کریم کی طرف ترغیب ہے اور اس کی عظمت کا بیان ہے نازل کرنے والے کی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کی نو صفات عظیمہ کا ذکر ہے اور یہ چار مضامین میں سے پہلا مضمون ہے جو کہ خلاصہ میں ذکر ہوئے ہیں الْعَزِيزِ میں قدرت کی صفات کی طرف اشارہ ہے الْعَلِيمِ میں علم کی صفات کی طرف اشارہ ہے تَنْزِيلُ مبتدا ہے

اور من اللہ خبر ہے غَافِرِ الذَّنۡبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ یہ دونوں صفات توحید والوں سے متعلق ہیں التَّوۡبِ جمع توبۃ یا مصدر ہے شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ یہ کافر اور مشرک سے متعلق ہے الطَّوۡلِ غنی کے معنی میں ہے یعنی مشرکین سے مستغنی ہے اور الطَّوۡلِ انعام، قدرت اور فضل کو کہا جاتا ہے۔ فائدہ: غافر اور قابل کے درمیان جمع واو ذکر کیا اشارہ ہے کہ مومن تائب کے لئے دو قسم کی رحمتوں کو جمع کیا ہے اور مشرک کے لئے ہر خوف کو مستقل ذکر کیا ہے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کے طور پر ذکر کیا ہے اور ماقبل کے لئے علت کے مقام میں ہے اسی وجہ سے واو عاطفہ ذکر نہیں کی ہے اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ یہ صفت تخویف اور بشارت دونوں کے لئے مشترک ہے امام قرطبی رحمہ اللہ اور خطیب شربینی وغیرہ نے عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک شرابی کو خط میں یہ آیات لکھیں جب اس کو خط پہنچا تو رونے لگا اور توبہ کی اور عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ اگر تمہارا ایک بھائی لغزش میں پڑا ہو تو اس کے ساتھ ایسا عمل کرو اور اس کے لئے توبہ اور مغفرت کی دعا مانگو اور شیطان کے رحم و کرم پر اس کو نہ چھوڑو۔

تفسیر 4: یہ جھگڑنے والوں کے لئے زجر ہے اور یہ دوسرا مضمون ہے کہ جو قرآن اور اس کے مقصد توحید میں جھگڑتا ہے تو وہ کافر ہوتا ہے اور مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن میں جدال کفر ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ کتاب اللہ میں جدال پہلے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنا ہے اور جدال سے مراد قرآن میں طعن کرنا ہے کہ یہ سحر ہے شعر اور کہانت ہے وغیرہ اور اس پر شبہات اور اعتراضات کرنا ہے اور اس کو جدال بالباطل کہا جاتا ہے اور اس سورۃ میں یہ مختلف تعبیرات کے ذریعے سے ذکر ہوا ہے۔ آیت 5، 35، 56 اور اس جدال کا مقصد حق کا مقابلہ کرنا اور اس کو ختم کرنا ہے اور جو جدال بالحق ہے وہ صالحین کی صفت ہے جیسے جَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ اور اس سے مراد اهل ایمان کے لئے اہل باطل کے شکوک و شبہات کو ختم کرنا ہے اور ان پر نرم مزاج سے الزامی دلائل کو قائم کرنا ہے اور یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے فَلَا یَغۡرُرۡكَ اس میں وہم کا جواب ہے کہ اگر یہ مجادلین کافر ہیں تو دنیا میں ان کی مالداری اور مزے کیوں ہیں؟ جواب ہوا کہ یہ مزے نہیں ہیں بلکہ تقلب ہے اور باب تفعل میں تکلف کا معنی ہے یعنی اگرچہ ان کی جائیدادیں، تجارتیں اور لشکر وغیرہ زیادہ ہیں لیکن یہ پریشانی اور تکالیف کا سبب ہے ان کے لئے کچھ اطمینان نہیں ہے۔

تفسیر 5: یہ گزشتہ مجادین کے ذکر کرنے کے اعتبار سے تخویف دنیاوی ہے اور ان کے لئے عذاب اور تین بیماریوں کا ذکر ہے ایک تکذیب دوسرا انبیاء علیہم السلام کو تکلیف دینا اور تیسرا جدال بالباطل ہے لِیَاۡخُذُوۡهُ اس سے مراد قید کرنا

اور قتل کرنا ہے اور باقی تکالیف دنیا کی ہیں بِالْبَاطِلِ اس سے مراد باطل شبہات ہیں جس کی کچھ حقیقت نہیں ہے لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ یہ ان کے جدال کا مقصد ہے دَحضُ اصل میں پھسلنے کو کہتے ہیں اور اس سے مراد حق کو زائل کرنا اور ختم کرنا ہے۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۞ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۞ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞

"اور اسی طرح آپکے رب کا فیصلہ ان لوگوں پر پورا ہو چکا ہے جو کافر ہیں کہ بے شک یہ لوگ آگ میں رہنے والے ہیں [6] وہ ملائکہ جو اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیحات بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم میں گھیر رکھا ہے تو ان لوگوں کو معاف کر جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راہ کی پیروی کی ہے اور ان کو آگ کے عذاب سے بچانا [7] اے ہمارے رب ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرمانا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور (جو صالحین ہیں) اصلاح کرنے ان کے باپوں اور بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بے شک تو غالب حکمت والا ہے [8] اور ان کو برے انجام سے بچانا اور جس کو تو نے اس دن کے برے انجام سے بچایا تو بلاشبہ تو نے اس پر رحم کیا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے [9]۔

تفسیر 6: اس آیت میں تخویف اُخروی ہے وَكَذٰلِكَ یعنی جس طرح ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑا حَقَّتْ كَلِمَتُ کلمے کے لزوم سے مراد تقدیر میں فیصلہ کرنا ہے یا ان کے کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صدور ہے اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ یہ کلمے کا بیان ہے یا کلمے سے مراد لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ قول ہے اور اَنَّهُمْ میں باسببیہ مقدر ہے یعنی اس سبب سے کہ یہ لوگ آگ کے مستحق ہیں۔

تفسیر 7، 8، 9: ان آیتوں میں منکرین کے لئے تخویف کے بعد موحدین کیلئے بشارت ہے اور یہ تیسرا مضمون ہے اور جب

کافروں کی ایمان والوں کے ساتھ دشمنی کو ذکر کیا گیا تو اب ان کو تسلی دینے کے لئے ایمان والوں پر ملائکہ کی دوستی اور شفقت کا ذکر ہے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ ان ملائکہ کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ یہ بہت مقرب اور بڑی شان اور قوت والے ہیں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مرفوعاً ذکر ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حملۃ العرش ملائک میں سے ایک ملک کا حال ذکر کیا ہے کہ کان کے لو سے کندھوں تک سات سالوں کی مسافت ہے سنن ابوداود کتاب السنۃ حدیث 4727، سلسلۃ الصحیحۃ 151، اور ان ملائکہ کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تعداد میں صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یہ ملائک کی عبادت اور اطاعت کا ذکر ہے وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یہ تسبیح اور حمد کے لئے علت ہے اور وَبِهٖ سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اشارہ ہے کہ یہ لوگ ایمان والوں کے خیرخواہ ہیں تو معلوم ہوا کہ عقیدہ توحید میں شراکت محبت اور نصیحت (خیرخواہی) کا سبب ہے اور اس میں ایمان لانے کی طرف ترغیب ہے رَبَّنَا یہ مغفرت کی دعا کا ذکر ہے اور لفظ رَبَّنَا عام دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کے نام کا وسیلہ ہے اور اشارہ ہے کہ اے اللہ تو ہمارا مربی اور محسن ہے تو ہم پر دعا کی اجابت کا احسان کرنا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دو صفات کے ذریعے سے وسیلہ ہے کیونکہ دعاء کی قبولیت کے لئے عظیم رحمت اور دعا کرنے والے کے حالات کا علم رکھنا ضروری ہے۔ اصل میں وسعت کا فاعل علم اور رحمت ہے لیکن یہاں پر اللہ تعالیٰ کو فاعل قرار دیا ہے اور رحمت اور علم کو بطور تمیز ذکر کیا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت اور علم میں بے اختیار نہیں ہے۔ اور اسی طرح اشارہ ہے کہ ابہام کے بعد تمیز میں ان دونوں صفات کے لئے تاکید اور مبالغے ہیں ۔ وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ تَابُوْا میں توحید کے عقیدے اور شرک سے اجتناب کی طرف اشارہ ہے اور وَ اتَّبَعُوْا میں عمل صالح کی طرف اشارہ ہے وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اس میں فاعل مغفرت کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کی ایسی مغفرت کرنا کہ عذاب کا کوئی حق بھی باقی نہ رہے رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جب پہلے عذاب سے بچنے کا ذکر کیا تو اب کامل ثواب کی دعا کا ذکر ہے وَمَنْ صَلَحَ یعنی جس موحد کے ساتھ توحید میں موافقت کی ہے والد، بیوی اور اولاد نے اگرچہ اس شخص کی طرح مجاہدہ نہیں کیا ہے لیکن ان کو مکمل خوش کرنے کے لئے جنت میں داخل کیا جائیگا اور اسی طرح سورۃ رعد آیت 23 میں گزر چکا ہے وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ اس سے مراد ان کے گناہوں کا عذاب ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ تو تکرار ہے اسلئے کہ پہلے بھی وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ذکر ہوا ہے جواب یہ ہے کہ یہاں پر ضمیر آباء اور ازواج اور ذریات کی طرف راجع ہے اور پہلی ضمیر اصل میں موحد داعی کی طرف راجع تھی یا وَ

قِهِمُ السَّيِّاٰتِ سے دنیاوی گناہوں سے بچانا ہے یَوْمَئِذٍ پہلے معنی کے مطابق قیامت کا دن اور دوسرے معنی کے موافق دنیا مراد ہے امام مطرف کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں انسانوں کے لئے بہت زیادہ خیر خواہ ملائک ہیں ان آیات کے سبب سے واضح ہے جبکہ دیگر مخلوق میں مخلوق کے لئے سب سے بڑا شیطان ہے اور اسی طرح ان آیات میں ایمان والوں کے لئے بہت زیادہ بشارت ہے اگر ایک ملک دعا مانگے تو قبول کی جائے گی اور اگر سارے ملائک مانگیں تو وہ ضرور قبول ہوگی اور خلف بن ہشام نے کہا ہے کہ میں نے سلیم بن عیسیٰ پر قرآن پڑھ کر سنایا جب اس آیت تک پہنچے تو رونے لگے اور کہا اے خلف اللہ کے نزدیک مومن کتنا مرتبے والا ہے کہ یہ بستر پر سو رہا ہے اور ملائک اس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں یہ روایت امام قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿١٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١١﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾

"بے شک جنہوں نے کفر کیا ہے ان کو آواز دی جائے گی (قیامت کے دن) کہ اللہ تعالیٰ کا غصہ تمہارے نفسوں کے غصے سے بہت زیادہ ہے جب تمہیں ایمان کی طرف پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے [10] یہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی ہے ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا کیا نکلنے کی راہ ہے [11] یہ اس وجہ سے کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جاتا تھا جو ایک اکیلی ذات ہے تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے تو تمام اختیار اس اللہ کے لئے جو بلند اور بڑی ذات ہے [12] اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جو تمہیں دلائل دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں [13]۔

تفسیر 10: ایمان والوں کی عظمتِ شان کو ذکر کرنے کے بعد جھگڑنے والے کافروں کے لئے شدید تخویف ہے اور یہ چوتھا مضمون ہے یُنَادَوْنَ قیامت کے دن ان کو پکارا جائیگا اور یہ لوگ جہنم میں ہونگے اور اپنے آپ پر غصے کا اظہار کرینگے

لَمَقْتُ اللّٰهِ لام ابتدائیہ کو اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ يُنَادَوْنَ میں قول کا معنی مضمر ہے اور مقولہ کی شروع میں لام ابتدائیہ داخل ہو سکتا ہے مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ یہ غصہ ان کا قیامت اور جہنم میں ہوگا۔ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ یہ لَمَقْتُ اللّٰهِ سے متعلق ہے یعنی تم پر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا غصہ تھا جب تمہیں ایمان کی دعوت اور تبلیغ کی جاتی تو تم ان کار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا غصہ تمہارے غصے سے بہت بڑا ہے یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کو غصہ اور ناراض کیا ہے کہ تم نے توحید سے انکار کیا تو اب تمہارے غصے کی کیا حیثیت ہوگی۔ فائدہ: مَقْتٌ سخت غضب اور بغض کو کہا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر 11: یہ اقرار جرم کے طور پر ان کا جواب ہے تاکہ جہنم سے نکل جائیں اور دنیا کی طرف واپس پلٹ جائیں البتہ عذاب کے بہت خوف کی وجہ سے انھوں نے دنیا کو بھلا دیا ہے اس لیے اس کی طرف پلٹنے کا ذکر نہیں کیا ہے اور دوسرے حال میں یہ لوگ کہتے ہیں هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ سورۃ شوریٰ آیت 44 فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا سورۃ سجدہ آیت 12 يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ سورۃ انعام آیت 27 میں اَخِّرْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا ذکر ہے۔ فائدہ: اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے جیسے سورۃ بقرہ آیت 28 میں مذکور تھا اس میں پہلا قول یہ ہے کہ پہلی موت سے مراد ماں کے پیٹ میں نطفے کی صورت میں ان کا وجود تھا اور دوسری موت سے مراد معروف موت ہے اور پہلی حیات سے مراد بدن میں روح ڈالنا ہے جب ماؤں کے رحم میں ہو اور پھر دنیا کی طرف باہر آنا اور دوسری زندگی قیامت کے دن بدن میں روح ڈالنا ہے اور اس کو بعث بعد الموت کہا جاتا ہے اور اسی ترتیب سورۃ مومنون آیت 12 سے آیت 16 تک ذکر کی گئی ہے اس قول میں نطفے پر میت کا اطلاق بطور تشبیہ یا بطور مجاز ہوا ہے اور یہ قول ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم، قتادہ اور ضحاک رحمھم اللہ سے مفسرین نے نقل کیا ہے اور یہ بہتر قول ہے اس میں قبر کی حیات کا ذکر نہیں ہوا ہے اسلئے کہ وہ حقیقی حیات نہیں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی وہ مشہور موت مراد ہے اور قبروں میں پہلی حیات مراد ہے پھر دوسری موت قبر میں اور دوسری حیات آخرت میں مراد ہے لیکن اس قول پر اشکال یہ ہے کہ پہلی زندگی جو کہ دنیاوی اور حقیقی زندگی ہے اس کا ذکر چھوڑ کر حکمی زندگی کو ذکر کرنا یہ بعید ہے؟ دوسرا یہ کہ اس توجیہ پر تین زندگیاں معلوم ہوتی ہیں تیسرا یہ کہ قبر میں حیات کے بعد دوبارہ موت کے لیے صحیح صریح دلیل نہیں ہے۔

تفسیر 12: ذٰلِكُمْ میں پوشیدہ عبارت کی طرف اشارہ ہے یعنی (لَيْسَ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ) اور اس کی علت

ذکر کی جو کہ توحید سے انکار ہے وَحْدَهٗ حال کے مقام میں مصدر مضاف ہے یعنی مُتَوَحِّدًا اَوْ مُنْفَرِدًا یا ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے یعنی علیٰ وَحْدَتِهٖ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ یہ فعل مضارع ماضی کے معنی میں ہے دُعِیَ پر عطف ہے یا مراد یہ ہے کہ دنیا میں واپس پلٹنے کے بعد (بالفرض) اگر شرک کیا جائے تو تم پھر بھی اس کو مان لوگے تو یہ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ کی طرح ہے سورہ انعام آیت 28 میں ہے۔ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ " یہ جملہ بھی علت ہے کہ نجات نہیں ہے اس وجہ سے کہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی کی پاس ہے اور مشرکین کا رد ہے وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے شفعاء کو اختیار ہے ہمیں دنیا اور آخرت میں تکلیف سے بچائینگے۔

تفسیر 13: یہ توحید کی عقلی دلیل ہے اور فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ ' کے لئے علت ہے اور دنیا میں دلائل کے اظہار کے ساتھ مشرکین کے عذر کا خاتمہ کرنا ہے اٰيٰتِهٖ ان عقلی دلائل سے مراد دنیا کے محسوسات کے اعتبار سے آسمان، زمین، پہاڑ، سورج، چاند، تارے، ہوائیں، بادل، بارشیں، درخت اور پودے وغیرہ ہیں اٰيٰتِهٖ میں اصلاح اور دین کے قیام کی طرف اشارہ ہے وَمَا يَتَذَكَّرُ یعنی تذکر توحید کے طور پر حق طلب کرنے پر موقوف ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

"پس اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارو اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں [14] اللہ تعالیٰ درجات کو بلند کرنے والا ہے عرش والا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم کے ساتھ وحی ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے [15] جس دن یہ لوگ ظاہر ہونگے ان میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ پر چھپ نہیں سکتا ہے آج کے دن بادشاہی کس کے لئے ہے اللہ کے لئے جو اکیلا اور غالب ذات ہے [16] آج کے دن ہر کسی کو پورا پورا بدلہ دیا جائیگا جو اس نے عمل کیا ہے آج کے دن زیادتی نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے [17]۔

تفسیر 14: اس آیت سے آیت 51 تک دوسرا باب ہے اس میں سورۃ کا دعویٰ (یعنی بنیادی مضمون) ہے اور اس دعوے

کی عظمت کا ذکر اللہ تعالیٰ کی صفات کی عظمت کے ذریعے ہے اور ساتھ اس دعوے کے منکرین کے لئے تخویف دنیاوی واُخروی ہے آیت 22 تک اور پھر تخویف کی مثال فرعون کے واقعے کے ذریعے ہے ساتھ ساتھ توحید کی تبلیغ پر تشجیع ہے رجل مؤمن کے مکالمے کے ذریعے اور آخر میں تخویف اُخروی کا ذکر ہے کہ کفر اور شرک میں اپنی اتباع کرنے والوں سے متبوعین سے براءت کرینگے اس آیت 14 میں سورۃ کا دعویٰ ہے یعنی توحید فی الدعاء پھر امر اور شرک فی الدعاء کا رد ہے اور فاء کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ یہ گزشتہ آیات کی فرع ہے۔ مُخْلِصِيْنَ لَهُ ہر قسم کے شرک جلی اور خفی اور تشبیہ سے براءت کرنا اخلاص ہے الدِّيْنَ یہاں مراد دعاء ہے وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ اشارہ ہے کہ جو توحید فی الدعاء کو برا سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس مسئلے میں منکرین کی طرف سے ہر قسم کے مصائب آئینگے جس پر صبر کرنا ضروری ہے۔

تفسیر 15: اس میں توحید فی الدعاء کی طرف ترغیب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کی ہیں اور یہ دعوے کی عظمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو دعا اور مدد میں خالص کرتے ہیں اسلئے کہ یہ صفات عالیہ ہیں۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ یہ مرتفع کے معنی میں ہے یعنی مدح اور ثناء کے بلند مرتبوں کا حقدار ہے یا رافع کے معنی میں ہے یعنی آخرت میں موحدین کے درجات کو بلند کرنے والا ہے اور دنیا میں بعض لوگوں کے درجات کو بعضوں پر بلند فرماتا ہے جیسے فرمایا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ، سورۃ مجادلۃ آیت 11 رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ، ذُو الْعَرْشِ یعنی عرش کا خالق اور مالک ہے اور عرش کا محتاج نہیں ہے يُلْقِي الرُّوْحَ اس سے مراد وحی ہے اسلئے کہ اس کے ذریعے سے ایمانی زندگی حاصل ہوتی ہے اور عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور فعل مضارع ماضی کے حال کی حکایت کے لئے ہے یعنی دیگر انبیاء علیہم السلام اور اس نبی ﷺ پر وحی کو بھیجتا ہے یا روح سے مراد قرآن ہے تو عِبَادِهٖ سے مراد اس امت میں وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم اور عمل کی توفیق دی ہے۔ لِيُنْذِرَ یہ غایہ اور روح کے القاء کا مقصد ہے یعنی اس سے مراد دعوت اور تبلیغ ہے يَوْمَ التَّلَاقِ اصل میں التلاقی ہے (ایک دوسرے سے ملاقاتیں) اور یہ قیامت کے دن کا نام ہے اسلئے کہ جب روح کی ملاقات (ایک دوسرے سے ملنا) بدن کے ساتھ ہوجائے اور ہر شخص کی اپنے اعمال کی جزاء سے ملاقات ہوجائے گی اور عابدوں، معبودوں، ظالموں، مظلوموں، آسمان اور زمین والوں کی اولین اور آخرین کی ملاقات ہوجائے گی یہ لفظ ان تمام کے لئے عام ہے

سب اس میں شامل ہیں۔

تفسیر 16: اس آیت میں قیامت کے دن کی عظمت ہیبت اور اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا ذکر ہے۔ پہلی صفت علم کلی ہے جو اس لفظ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ کے ذریعے ہے۔ دوسری صفت سوال جواب کے ساتھ مکمل بادشاہی اور اختیار کی صفت ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ تیسری اور چوتھی صفت الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ہے بَارِزُوْنَ قبروں سے نکلنا اور ظاہر ہونا کہ کسی قسم کا پردہ بھی نہ ہو اور حالات کا ظاہر ہونا ان سب کو شامل ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اَلْيَوْمَ کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام بادشاہ اور انکی بادشاہی اور تمام متکبرین اور ان کے دعوے ختم ہو جائینگے اور اس سوال اور جواب میں اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک منادی (ملک) کو حکم دے گا تو وہ یہ پکارے گا تو تمام ایمان والے اور کافر یہ جواب دیں گے اور یہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ سوال اور جواب دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ ملائکہ ایک دوسرے سے سوال جواب کرینگے اور انسانوں کو سنائیں گے۔

تفسیر 17: یہ قیامت کے دن کے باقی احوال ذکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پہلی صفات کی تشریح ہے یعنی جب ثابت ہو گیا کہ ہر چیز پر عالم ہے اور ہر چیز کا بادشاہ ہے تو معلوم ہوا کہ ظلم کے بغیر جزا اور سزا دینا اور حساب کرنا یہ بھی ثابت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اس وجہ سے حساب کے اسباب کا محتاج نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ نصف النہار (دنیاوی دن کے آدھے حصے) تک مکمل حساب ختم کرے گا۔

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَـنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ ؕ ۞ يَعۡلَمُ
خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ۞ وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَـقِّ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ
بِشَىۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ۞

اور ان کو قریب کی آفت سے ڈراؤ جب دل حلق تک پہنچ جائینگے غم سے بھرے ہونگے ظالموں کے لئے کوئی جگری دوست اور نہ کوئی ایسا سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے [18] اللہ تعالیٰ آنکھوں کے پوشیدہ خیانت کو جانتا ہے اور وہ بھی جانتا ہے جو سینے چھپاتے ہیں [19] اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے [20]۔

تفسیر 18: یہ قیامت کی ہیبت کا مزید چار طریقوں سے ہو رہا ہے پہلا طریقہ یہ کہ اَلۡاٰزِفَةِ یعنی قریب آنے والا حادثہ اور مصیبت ہے اور اسی طرح سورۃ نجم آیت 57 میں بھی آیا ہے دوسرا طریقہ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَـنَاجِرِ یہ بہت زیادہ غموں سے کنایہ ہے جیسے سورۃ احزاب میں وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَـنَاجِرَ یا حقیقت پر محمول ہے کہ بہت زیادہ ہیبت کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے زائل ہو جائینگے اور حلق تک پہنچ جائینگے تیسرا طریقہ كٰظِمِيۡنَ رعب اور غم سے بھرے ہوئے ہونگے گویا افسوس و غم کے سبب سے ان کی رگیں پھول گئی ہوں گی چوتھا طریقہ حال مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ حمیم اس دوست کو کہتے ہیں کہ تکلیف کے وقت اس پر خون ابلنے اور گردش کی کیفیت طاری ہوتی ہے یعنی گرم دوست اور اس سے مراد یہ ہے کہ فائدہ نہیں دے سکیں گے وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ یہاں قید اور مقید دونوں کی نفی ہے یعنی جب کوئی سفارشی ہی نہیں ہے تو ان کی بات کیسے مان لی جائے گی اور یہ آیت کافر اور مشرک کے بارے میں ہے باقی گنہگاروں کے لئے سفارش ہو سکتی ہے اور فائدہ بھی دے سکتی ہے۔

تفسیر 19: یہ آیت سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ سے متعلق ہے جو حساب کر سکتا ہو اور ہر قسم کے عمل کا حساب کرے گا اگرچہ وہ پوشیدہ اعمال ہیں یا آیت 15 سے متعلق ہے یعنی توحید فی الدعاء کے اثبات کے لئے باقی صفات ذکر کی ہیں۔ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ خَآئِنَةَ کی خصلت کے معنی میں ہے اور اس کی اضافت من یا لام کے ذریعے ہے یعنی خیانت اور نقصان کی وہ خصلت جو آنکھوں سے صادر ہوتی ہے یا خَائِنَةٌ مصدر ہے خیانت کے معنی میں ہے یا صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی اَلۡاَعۡيُنِ الۡخَائِنَةِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی ایک مجلس میں بیٹھا ہو اور غیر عورتیں گزرتی

ہوں اور یہ اس عورت کی طرف ایسے انداز سے دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھی بھی نہیں سمجھ سکے تو اس کو خَآئِنَةُ الْاَعْیُنِ'' کہتے ہیں (تفسیر ابن کثیر) اعضاء کا پوشیدہ عمل مراد ہے اور وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ دلوں کا پوشیدہ عمل ہے۔

تفسیر 20: یہ بھی توحید کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یَقْضِیْ قضاء کرنا اور ضرورت پوری کرنا دونوں کے لئے عام ہے وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یہ شرک فی الدعاء کا رد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام معبود کچھ ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان سے حاجات مانگنا اور ان کو حاجت روا سمجھنا یہ سب بے مقصد کام اور شرک ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ
آثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ
سُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا
اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ
مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

"کیا یہ لوگ زمین میں نہیں پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیں جو ان سے پہلے تھے وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت تھے اور زمین میں نشانیوں والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کیوجہ سے پکڑا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی بچانے والا نہیں تھا [21] یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ آیا کرتے تھے تو یہ لوگ انکار کرتے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے [22] اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے معجزات کے ساتھ اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا [23] فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا یہ جادوگر تو بہت بڑا جھوٹا ہے [24] جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ان کے بیٹوں کو قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو اور کافروں کا حال تباہی میں ہوگا [25] فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب سے مدد مانگے مجھے خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا زمین میں کوئی فساد پیدا کرے گا [26] موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگتا ہوں ہر اس شخص سے جو تکبر کرنے والا ہے اور حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا ہے [27]۔

تفسیر 21: یہ آیت 5 سے متعلق ہے اور توحید کی دعوت کے منکرین کے لئے تخویف دنیاوی اور وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ کے لئے دلیل ہے کہ گزشتہ مشرکین ہلاک کئے گئے ہیں اور ان کے معبودوں نے ان کو نہیں بچایا وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ جیسے ان کی ظاہری قوتوں نے بھی عذاب کو نہیں ٹالا۔ وَآثَارًا فِي

الْاَرْضِ" ان کے گھروں کی چھتیں دروازے منارے اب تک موجود ہیں جیسے ثمودیوں کی کنڈرات۔

تفسیر 22: یہ بِذُنُوْبِھِمْ کی تفصیل ہے یعنی ان کے گناہوں میں بڑا گناہ رسولوں سے ان کار اور توحید پر ان کے معجزات سے ان کار کرنا تھا۔ فائدہ: گزشتہ آیت میں عذاب کا ذکر تھا تو اَخَذَ کو پہلے ذکر کیا اور اس کا سبب بعد میں ذکر کیا اور اس آیت میں مسبب کو ذکر کرنا اہم تھا تو اس لیے سبب کو پہلے ذکر کیا اور اَخَذَ کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر 23: اس آیت میں تخویف دنیاوی کی مثال پیش کی اور اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً کے لئے نمونہ ہے بِاٰيٰتِنَا سورۃ اسراء آیت 101 میں معجزات کی تعداد (۹) ذکر کی ہے اور اس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔ وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اس سے مراد لاٹھی ہے تو یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے یا اس سے فرعون کے دل پر موسیٰ علیہ السلام کا خوف اور رعب مراد ہے کہ زیادہ قوت اور ظلم کے باوجود پھر بھی موسیٰ علیہ السلام قتل نہیں کر سکتا ہے۔

تفسیر 24: ان تین افراد کا خاص ذکر کیا اسلئے کہ موسیٰ علیہ السلام سے دشمنی کا سبب فرعون کی بادشاہی ہامان کی وزارت اور قارون کی سرمایہ داری تھی اور یہی تین تو تیں اکثر حق کے مقابلے میں ہوتی ہیں سوال قارون نے تو پہلے وقت میں یہ بات نہیں کی ہے تو قَالُوْا میں اس کو کیسے داخل کر دیا؟ جواب یہ ہے کہ شروع سے ہی اس کا قول باطل تھا اگرچہ ظاہر میں ایمان لایا تھا اور آخری وقت میں اس کا یہ قول ظاہراً اور عملاً ثابت ہوا سٰحِرٌ اس کے معجزات کو سحر پر محمول کر دیا کَذَّابٌ توحید کے مسائل اور وحی کو جھوٹ قرار دیا۔

تفسیر 25: قتل کا یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ لوگ اس کے ساتھی نہ بنیں اور اس پر ایمان نہ لائیں تو اس سے پہلے قتل کا امر اس وجہ سے کیا کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہو جائیں اور اس قتل کا ذکر سورہ اعراف آیت 127 میں تھا اور پہلے قتل کا ذکر سورۃ بقرہ آیت 49 میں ہے وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ یہ سوال کا جواب ہے کہ فرعونیوں نے قتل کرنے کے منصوبے بنائے تھے تو کیا اس کے ذریعے سے لوگ ایمان قبول کرنے سے روک دیے گئے؟ تو جواب ہوا کہ کافروں کے منصوبے اور انکی چالیں حق سے رکاوٹ بننے میں ہمیشہ برباد ہوتی ہیں۔

تفسیر 26: جب اس منصوبے کا کچھ فائدہ نہ ہوا تو فرعون نے دوسرا منصوبہ بنایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا جائے ذَرُوْنِيْٓ یہ اس وجہ سے کہا کہ اس کی قوم میں ایسے لوگ تھے جو کہ اس کو مشورہ دیتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرنا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں کے دلوں میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت تھی جیسے فرعون کی بیوی نے کہا تھا (سورۃ قصص آیت 9

میں) تو شاید اس نے دوبارہ بھی کہا ہو کہ اس کو قتل مت کرو اور دوسری وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں نے اس سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تو کمزور سا آدمی ہے اور اگر تم نے قتل کر دیا تو لوگ کہیں گے کہ فرعون اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے عاجز تھا اس وجہ سے قتل کر دیا تیسری وجہ یہ تھی کہ علاقے میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وہ امیر کو کسی حادثے میں مصروف کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی جان کی خلاصی ہو۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون کو مصروف کر دیا تاکہ ہم اس سے بچ جائیں یا اس کا سبب موسیٰ علیہ السلام کا فرعون پر وہ رعب تھا کسی نے روکا نہیں ہے ویسے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اس کو قتل کر دوں وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ یہ بھی لوگوں کے وہم کو ختم کرنے کے لئے ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی بدعاء سے نہیں ڈرتا ہوں اور تم بھی مت ڈرو اِنِّیْۤ اَخَافُ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا سبب ذکر کر رہا ہے اسلئے کہ دو خطروں میں 1 ایک خطرہ تو ضرور ہے یا تو یہ تمہارے دین اور عقیدے کو بگاڑ دے گا اور یا کم از کم اپنا گروہ بنالے گا تو وطن میں اختلافات اور فساد بنے گا تو پہلا فساد دین کا ہے اور دوسرا دنیا کا ہے اور دین کے فساد کو پہلے ذکر کیا اسلئے کہ عام لوگ اپنے مال اور دنیا کی بنسبت اپنے دین پر زیادہ غیرت میں آتے ہیں (چاہے حق ہو یا باطل ہو) اور یہ دلیل ہے کہ باطل پرست لوگ یعنی مولوی، پیر اور اقتدار والے اپنے عوام کو دین (باطل) کے نام سے دھوکا دیتے ہیں اور اسی طرح معلوم ہوا کہ اھل باطل نے حق پرستوں کا ہمیشہ مفسدین اور شرپسند نام رکھا ہے۔

تفسیر 27: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اللہ پر توکل اور خوف کے نہ ہونے کا بہادری اور دلیری کے ساتھ اظہار کیا ہے کہ میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں اور دعاء مانگتا ہوں کہ مجھے ایسے ظالموں سے پناہ میں رکھے مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ناحق قاتل اور ظالم وہ شخص ہے کہ یہ دونوں صفات اس میں ہوں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے تو کسی کی حق بات کو نہیں مانتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے سے نیچے مرتبے والے لوگوں پر ظلم کرے بعض لوگوں کی طبیعت تو ظلم کرنا ہی ہے لیکن قیامت کے حساب سے ڈرتے ہیں اور جو حساب سے بھی نہیں ڈرتا تو یہ بڑا ظالم ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم
بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ
لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾ يَا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِن بَأْسِ
اللَّهِ إِن جَاءَنَا ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ
يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ
وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾ وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ
اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي
شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ
مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ
آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

"فرعون کی آل سے ایک مومن آدمی نے کہا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل لیکر آئے اور گر یہ جھوٹا ہو تو اس پر اس کے جھوٹ کا وبال ہے اور اگر سچا ہو تو تمہیں اس عذاب میں سے بعض پہنچ جائے گا جس کا وعدہ تم سے لیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا ہے جو حد سے گزرنے والا اور زیادہ جھوٹا ہو [28] اور اے میری قوم تمہارے لئے آج بادشاہی ہے تم اس زمین میں غالب ہو ہماری مدد اللہ کے عذاب سے کون کریگا اگر تمہارے پاس عذاب آجائے فرعون نے کہا میں تمہیں وہی رائے دیتا ہوں جو میں نے دی ہے اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ دکھاتا ہوں [29] اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم مجھے خوف ہے کہ تم پر پہلی عنادی امتوں کی طرح عذاب آجائے [30] نوح علیہ السلام کی قوم کے حال کی طرح اور ثمودیوں اور عادیوں اور ان کے بعد والے لوگوں کی طرح اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا [31] اور اے میری قوم مجھے تم پر اچانک پکار والے دن کا بھی خوف ہے [32] جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جس کو اللہ گمراہ

کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے [33] اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام دلائل لیکر آئے تم ان کے لائے ہوئے دلائل میں شک اور شبہہ کرتے رہے یہاں تک کہ جب انکی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے گزرنے والا شک کرنے والا ہو [34] اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کی پاس آتی ہو (یہ) اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی کا باعث ہے اور ان لوگوں کے نزدیک بھی جو ایمان لائے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر لگا تا ہے [35]۔

تفسیر 28: اس آیت سے رجل مومن کی دعوت شروع ہورہی ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کے لئے اس رجل مومن کو بھیجا جو فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے سے روک رہے تھے اور اس میں دعوت پر دلیری ہے اور دعوت کے طریقے کا ذکر ہے اور اہل حق کو تسلی ہے اور رجل مومن کے مکالمے میں چار حصے ہیں پہلا حصہ دو آیتوں میں ہے اس میں نرمی اور خیر خواہی کے انداز سے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے بچانے کا ذکر ہے اور اشارہ ہے کہ بادشاہی کے غرور کی وجہ سے حق کا مقابلہ نہیں کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ اللہ تعالیٰ نے نام ذکر نہیں کیا ہے بلکہ رجولیت کا وصف ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ یہ کامل آدمی تھا مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ: مفسرین نے کہا ہے کہ یہ فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور اسی وجہ سے فرعون نے اس کو بہت مہلت دی اور اس کا بیان بھی سن لیا اگر اسرائیلی ہوتا تو فرعون اس طرح مہلت بھی نہ دیتا یَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ یہ دعوت کا طریقہ ہے کہ دعوت کی ابتداء میں ضروری نہیں کہ داعی اپنا مسلک لوگوں کو بیان کرے تا کہ وہ لوگ ابتدا سے اس سے نفرت نہ کریں اگر یہ لوگ مطالبہ کریں کہ آپ کی جماعت اور مسلک کیا ہے تو پھر جواب (اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ) سورۃ حٰم سجدہ آیت 33 اور یہ چھپانا گناہ نہیں ہے بلکہ رخصت ہے اس لئے کہ ایک تو حق کو چھپانا ہے کہ حق کو بیان نہیں کرتے ہیں اور دوسرا طریقہ حال کو چھپانا ہے اور اس کے ذریعے سے اس کے ایمان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو مومن کی صفت سے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد ایمان کو ظاہر کیا اور اگر اسی حال میں ایمان کا اظہار کرتا تو یہ بہتر اور عزت والی بات تھی یہی وجہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو کہ بعد میں آنے والی ہے) اس میں علی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ واللّٰہ لَیَوْمَ اَبِیْ بَکْرٍ خَیْرٌ مِّنْ مُّؤْمِنٍ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اِنَّ ذَالِكَ الرَّجُلَ كَتَمَ اِيْمَانَهٗ فَاَثْنَى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ فِيْ كِتَابِهٖ وَهٰذَا اَبُوْبَكْرٍ اَظْهَرَ اِيْمَانَهٗ وَبَذَلَ مَالَهٗ وَدَمَهٗ لِلّٰهِ تعالیٰ۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4815: ومناقب الانصار حدیث

3856: یہاں یَکۡتُمُ کا یہ معنی کرنا کہ اپنے ایمان کو مضبوط کر رہے تھے یہ لغت اور تمام مفسرین کے خلاف ہے اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ یعنی اس کا کچھ جرم نہیں ہے جسکی وجہ سے تم اس کو قتل کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دیتا ہے لہٰذا یہ جرم نہیں وَقَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ یعنی تمہارے پاس دلیل لیکر آئے ہیں اور ایک نہیں بلکہ بہت سارے دلائل ہیں مِنۡ رَّبِّکُمۡ یعنی اپنی طرف سے دلائل نہیں بنائے ہیں بلکہ یہ تو رب کی طرف سے ہیں وَ اِنۡ یَّکُ کَاذِبًا یہ شک نہیں بلکہ تلطّف (نرم انداز) ہے یعنی اگر سچا یا جھوٹا ہو تو تم پر کچھ وبال نہیں ہے پھر کیوں قتل کرتے ہو بلکہ اگر سچا ہو تو تم پر عذاب آئیگا بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 48 میں ہے اور باقی عذاب آخرت میں ہوگا امام بخاری اور امام مسلم رحمھم اللہ نے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبے کے پاس کھڑے تھے تو عقبہ آیا اور پیچھے کی طرف سے اس کی کندھے پکڑے اور اس کی گردن سے چادر لپیٹ کر گلے کو دبایا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عقبہ کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ سے پیچھے دھکیلا اور فرمایا اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَ قَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ اور حکیم ترمذی اور امام ابن حجر نے الصواعق المحرقۃ میں یہ طویل حدیث ذکر کی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ مُسۡرِفٌ یہ جملہ مستانفہ ہے سوال کا جواب ہے کہ کیا اس بیان کے ذریعے سے فرعونیوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا؟ تو جواب ہوا کہ مسرف کذاب کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے مسرف سے مراد مشرک ہے اور کَذَّاب ربوبیت کے دعوے میں ہے اور یہ فرعون کے اوصاف تھے یا یہ رجل مومن کے کلام میں داخل ہے یعنی اگر بفرض محال موسیٰ علیہ السلام مسرف ہو اپنے آپ پر زیادتی کرتا ہو اور رسالت کے دعوے میں جھوٹا ہو تو یہ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

تفسیر 29: اس آیت میں تخویف کے ساتھ دنیا سے بے رغبتی کا ذکر ہے کہ بادشاہی اور غلبے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا ہے یٰقَوۡمِ یہ لفظ دلیل ہے کہ رجل مومن فرعونیوں کی نسل سے تھا اور اس ندا کا مقصود پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور اس کے قتل سے اپنے آپ کو بچانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو (فَاشۡکُرُوا اللّٰہَ وَلَا تَقۡتُلُوۡا مُوۡسٰی) فَمَنۡ یَّنۡصُرُنَا تہمت سے بچنے کے لئے جمع متکلم ذکر کیا ہے اور نصیحت کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے قَالَ فِرۡعَوۡنُ جب فرعون کھڑا ہوا کہ اس آدمی کے بیان سے لوگوں پر اثر نہ ہو جائے تو ان لوگوں پر رعب ڈالنے لگا کہ میں تمہارا خیر خواہ اور مرشد ہوں میری رائے پر عمل کرو مَآ اَرٰی، رَاٰی سے ماخوذ ہے اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا ہے سَبِیۡلَ الرَّشَادِ یعنی موسیٰ علیہ السلام سے انکار اور میرے دین پر مضبوط رہنا یہ ہدایت اور رشد ہے

اور اسی طرح باطل پرست لوگ اپنے باطل طریقوں کو رشد اور ہدایت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

تفسیر 30: اس آیت میں رجل مومن کے مکالمے کا تیسرا حصہ آیت 35 تک ہے اس میں تخویف دنیاوی واُخروی ذکر ہورہی ہے اور یوسف علیہ السلام سے دلیل نقلی اور صفات قبیحہ پر زجر ہے اس میں ماقبل سے دعوت میں اضافہ ہے کیونکہ پہلے عذاب کے آنے کو بطور شک (اِنْ جَآءَنَا) ذکر کیا ہے اور اب عذاب کا یقینی ذکر اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ وہ قومیں جو رسولوں کے مقابلے میں گروہ بندی اور فرقہ پرست تھیں ان کے عذابوں کی طرح ان پر بھی عذاب آئے ہیں سوال: ان کے عذاب کے دن اور واقعات تو بہت ہیں تو یَوْمِ کا لفظ مفرد کیوں ذکر کیا ہے۔ اشارہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غضب سے پہلے ایک دن اور ایک واقعے پر مشتمل ہے۔

تفسیر 31: یہ اجمال کی تفصیل ہے اور لفظ دَاْبِ میں اشارہ ہے کہ ان کا کفر اور تکذیب اور اس کے سبب سے عذاب کا آنا سب کی ایک ہی عادت جاری وساری ہے وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ یہ جملہ مستانفہ جواب ہے سوال اگر کوئی کہے کہ قوموں کو ہلاک کرنا کیا ظلم نہیں ہے؟ تو اس جملے میں جواب ہے کہ حجت اور گناہ کے علاوہ عذاب نہیں دیتا ہے۔

تفسیر 32، 33: اس میں تخویف اُخروی ذکر ہے یَوْمَ التَّنَادِ یہ نام قیامت کے دن کا اس وجہ سے ہے کہ اس دن میں بہت ساری پکاریں ہوں گی جنت والوں کا جہنمیوں کو آواز دینا اور اس کے برعکس اعراف والوں کا دونوں جانب والوں کو آواز دینا اور ملائکہ کا جنتیوں کو پکارنا اور ہر کسی کو ان کے امام کے نام سے پکارنا اور کافروں اور ظالموں کی فریاد میں کرنا اور اللہ تعالیٰ کا جنات اور انسانوں کو پکارنا وغیرہ مُدْبِرِیْنَ یعنی پیٹھ پھیرنے والا ہوگا حساب کے موقف سے اس کو آگ کی طرف لوٹایا جائیگا مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ یعنی ان کے باطل معبود ان کو نہیں بچاسکتے ہیں اور باقی بھی کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

تفسیر 34: یہ یوسف علیہ السلام سے دلیل نقلی ہے اور اس کو اس وجہ سے خاص کیا کہ مصر میں یہ مشہور نبی بھیجا گیا ہے اور اسی طرح بعد والے جملے کی مثال ذکر کی کہ (اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کردے تو ان کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا) بِالْبَیِّنٰتِ اس سے مراد تفصیلی توحید ہے جو کہ سورۃ یوسف آیت 39، 40 میں مذکور ہے اور اصل یہ خطاب اس کے بڑوں کو تھا لیکن یہ موجودہ لوگ اپنے آباء اجداد کے راستے پر چل رہے تھے تو خطاب میں دونوں ایک جیسے قرار دیے گئے ہیں مِّمَّا جَآءَکُمْ بِهٖ اس سے مراد توحید ہے لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا یعنی تم کفر پر مضبوط ہوگئے اور تم نے کہا اچھا ہوا کہ یوسف علیہ

السلام سے چھٹکارا حاصل ہوا دوسرا نبی اب نہیں آئیگا یا مراد یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام فوت ہوئے اور مصر کا نظام خلط ملط ہوا تو تم نے افسوس کیا کہ افسوس ہے یہ رسول پھر کبھی نہیں آسکے گا اشارہ ہے کہ اب موسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے ہو لیکن پھر بعد میں اس کے پیچھے افسوس کرو گے کَذٰلِكَ کاف تشبیہ کے لئے ہے یعنی جیسے مصر والے گمراہ ہوئے اسی طرح ہر مسرف اور شک کرنے والا گمراہ ہوگا یا کاف لام تعلیلی کے معنی میں ہے یعنی شک کرنے کے وجہ سے توحید میں گمراہی پیدا ہوتی ہے مُسْرِفٌ شک کرنے والا جو حدود سے تجاوز کرتا ہو اس وجہ سے مسرف ہے مُرْتَابٌ توحید کے دلائل میں شک کرنے والا جب انکار کے درجے میں ہو تو شک ہوتا ہے پھر ارتیاب ہوجاتا ہے۔

تفسیر 35: یہ ان کی گمراہی میں ترقی ہے کہ پہلے شک ہوتا ہے پھر ارتیاب ہوجاتا ہے اس کے بعد گمراہی اور پھر حق کے بارے میں جدال شروع ہوجاتا ہے۔ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ یہ باطل جدال کا معنیٰ ہے اَتٰىهُمْ "اس لفظ میں اشارہ ہے کہ دلیل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جبکہ اس طرح کی دلیل ان کے پاس نہیں ہے كَبُرَ مَقْتًا یہ اس جدال کی بہت بڑی قباحت ذکر کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کے غضب کا بہت بڑا سبب ہے كَذٰلِكَ کاف تشبیہ یا تعلیلیہ ہے عَلٰى كُلِّ قَلْبِ کل کو مقدم ذکر کیا اشارہ ہے کہ ہر متکبر کے دل پھر مہر نہیں لگاتا ہے لیکن جب بعض متکبر کے دل پر مہر لگاتا ہے تو یہ مہر اس کے دل کو گھیر کر اس کے دل کو بند کر لیتی ہے۔ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ پہلا حقوق اللہ میں سے ہے دوسرا حقوق العباد میں سے ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ
مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ
اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ
مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ
عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي
الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

"اورفرعون نے کہا اے ہامان میرے لئے ایک محل بنادو تا کہ میں دروازوں تک پہنچ جاؤں[36] آسمانوں کے دروازوں تک تا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک لوں گا کیونکہ میرا تو اس پر جھوٹا ہونے کا گمان ہے اور اسی طرح فرعون کو اس کا برا عمل خوبصورت کر کے دکھایا اور اس کو حق راہ سے روک دیا گیا ہے اور فرعون کی چال تباہی میں ہے[37] اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم میری پیروی کرو میں تمھیں کامیابی کی راہ دکھاؤں گا[38] اے میری قوم بے شک اس دنیا کی زندگی میں تو تھوڑا مزہ ہے اور جبکہ آخرت کا گھر ہمیشہ کے لئے آرام کی جگہ ہے[39] جس نے گناہ کا عمل کیا تو اس کو اسی طرح بدلہ دیا جائیگا اور جس نے سنت کے مطابق عمل کیا چاہے مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ موحد ہو تو ان لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائیگا اس میں بغیر حساب کا رزق دیا جائیگا[40] اور اے میری قوم مجھے کیا ہوا کہ میں تمھیں نجات کی طرف پکارتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف پکارتے ہو[41] تم مجھے پکارتے ہو تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراؤں جن کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمھیں غالب بخشنے والی ذات کی طرف پکارتا ہوں[42] ضرور وہ جس کی طرف تم مجھے پکارتے ہو ان کی پکار اور دعائیں اور آخرت میں قبول نہیں ہے اور بے شک ہماری واپسی اللہ کی طرف ہے اور بے شک مشرکین ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں[43]۔

تفسیر 36: یہ بطور تلبیس فرعون کا جواب ہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں رجل مومن کا کلام اثر نہ کرے یعنی لوگوں کے لئے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ زمین میں تو الٰہ میں ہوں اور اگر موسیٰ علیہ السلام کا الٰہ بھی ہو تو آسمانوں میں ہوگا لہٰذا اس کے مقابلے کے لئے اسباب بنانے کا حکم ہامان کو دیا صَرْحًا بلند محل یا منارہ جو دور سے نظر آتا ہوا لْاَسْبَابَ ہر وہ چیز جسکے ذریعے سے دوسرے تک رسائی حاصل ہو تو اس کو سبب کہا جاتا ہے چاہے راستہ ہو یا دروازہ ہو۔

تفسیر آیت 37: جب آسمانوں کے دروازوں تک چڑھنا مشکل عمل ہے تو اس کا پہلے مختصر ذکر کیا اب لوگوں پر شکوک شبہات ڈالنے کے لئے تفصیل ذکر کی ہے۔ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى اس لفظ کے نصب (زبر) کے ساتھ ایک وجہ یہ ہے کہ یہ امر کا جواب ہے جو کہ ابْنِ لِیْ لفظ ہے اور امر کے جواب میں فاء کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے اور یہ بصری نحویوں کا طریقہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ لَعَلَّ کے جواب میں بھی اِنْ مقدر ہوتا ہے۔ اور یہ کوفیوں کا طریقہ ہے اور اسی کو بہت سارے مفسرین نے پسند کیا ہے اور یہ قول فرعون کے اس عقیدے پر بناء ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جسم ہے اور بلند مکان پر بیٹھا ہے دنیا کے بادشاہوں کی طرح اور اس کے ساتھ مقابلہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ عقیدہ کفر کا ہے یا مراد یہ ہے کہ ایک بلند محل بناتے ہیں اس کے ذریعے سے کواکب کا حال معلوم ہوتا ہے اور اسی کو اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ کہا جاتا ہے تو اس سے آسمانوں کا حال معلوم ہوگا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں سے وحی آتی ہے اور اللہ نے آسمانوں سے اس کو رسول بنایا ہے اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا یہ لفظ دعوے کے لئے ہے یعنی محل بنانا اور آسمانوں کی طرف چڑھنا اور الٰہ معلوم کرنا اور رسالت کے دعوے میں جھوٹا ثابت کرنا وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ یعنی جیسے آسمانوں کی طرف چڑھنا اور اللہ تعالیٰ کے حالات کو معلوم کرنا ممکن نہیں ہے اور یہ تمام اہل عقل کے نزدیک برا عمل ہے لیکن اس کو وہ خوبصورت عمل نظر آتا ہے اور جس نے کفر اور شرک کو اچھا عمل سمجھا تو وہ توحید کے ماننے سے محروم ہوتا ہے تو اسی وجہ سے وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ذکر کیا ہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ یہ جملہ مستانفہ سوال کا جواب ہے کہ فرعون کو اس چال سے بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی تو جواب ہوا اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس محل کو بنانا نہیں ہے یا اس کو بنا تو لیا لیکن ان کے مال اور وقت کا نقصان ہوا اللہ تعالیٰ نے اس محل کو تباہ کر دیا اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔

تفسیر 38: یہ رجل مومن کے مکالمے کا تیسرا حصہ ہے آیت 40 تک اس میں اپنی اتباع کی طرف دعوت دی ہے اور دنیا سے بے رغبتی اور بشارت اخروی کا ذکر ہے اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ یہ فرعون کے قول کے مقابلے میں ہے

جو آیت 29 میں گزر گیا اور اس میں رجل مومن نے اپنے مسلک اور فرعون کے ساتھ مقابلہ کرنے کی صراحت بیان کی۔
سوال: سورۃ یٰسٓ میں رجل مومن نے رسولوں کی اتباع کی طرف دعوت دی (اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ) اور اس مقام پر رجل مومن نے اپنی پیروی کی دعوت دی ہے اور اسی طرح امتی کے لئے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی اتباع کی طرف لوگوں کو دعوت دیں؟ جواب: سورۃ یٰسٓ کے واقعے میں قوم نے انبیاء کو جھٹلایا ان کی اتباع کو منحوس سمجھا تھا تو رجل مومن نے ان کی اتباع کا حکم دیا اور اس کا سبب ذکر کیا اور اس سورۃ میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا ہے رجل مومن موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا تو کہا کہ موسیٰ علیہ السلام قتل سے بچانے میں میری موافقت کرو اور اسی بات میں کامیابی ہے اور اسی طرح موافقت کی طرف دعوت دینا یہ امتی کا کام ہے تو اتباع ساتھی بننے کے معنی میں ہے۔

تفسیر 39: اس آیت میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف ترغیب ذکر کی ہے یعنی دنیا کے اقتدار کے لئے نبی کی مخالفت نہیں کرنا۔ مَتَاعٌ نظم الدرر اور تفسیر السراج المنیر میں ہے کہ عرب کے محاورے میں (مراد) بدبودار متاع کا اطلاق ہوتا ہے جو کہ صرف سخت ضرورت کے وقت ضرورت کے مطابق جائز ہے تو اسی طرح دنیا بھی ہے اور جب متاع کے لفظ میں جلدی فناء ہونے کی دلیل ہے تو اس کے مقابلے میں جنت کو دار القرار کہا ہے معنی یہ ہے کہ اس میں فناء ہونا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ الْاٰخِرَةَ جنت یا آخرت کے دن کے معنی میں ہے۔

تفسیر 40: اس میں اشارہ ہے کہ آخرت جزا اور بدلے کی جگہ ہے اور خوف اور خوشخبری ذکر کی ہے بِغَيْرِ حِسَابٍ اس کا کوئی حساب نہیں ہے یا اس میں حساب نہیں ہے۔

تفسیر 41: اس آیت سے آیت 44 تک رجل مومن کے مکالمے کا چوتھا حصہ ہے اور اس میں توحید اور شرک کی تفصیل ہے اور دونوں دعوتوں کے درمیان فرق ہے اور حکایت بیان کرنا ہے تو اس آیت میں توحید (نجات) کی انتہاء اور شرک (آگ) کی انتہاء ذکر کی ہے جنت کو نجات سے تعبیر کیا اشارہ ہے کہ جنت میں ہر غم مصیبت، تکلیف فناء وغیرہ جو کہ دنیا کے اوصاف ہیں ان سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر 42: یہ ماقبل کی تفسیر ہے یعنی النَّارِ سے مراد کفر اور شرک ہے اور النَّجَاةِ سے مراد عزیز غفار کی تفسیر ہے تَدْعُوْنَنِيْ مدعو الیہ حذف ہے یعنی اِلٰى اٰلِهَتِكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ شرک کو بھی توبے کے ذریعے سے معاف کرتا ہے اور باقی گناہوں کو بھی معاف کرتا ہے۔

تفسیر 43: یہ شرک فی الدعاء کا صریح رد ہے اَنَّمَا لفظ ما اللہ کے ماسوا کے لئے عام ہے چاہے بت ہوں یا بزرگ وغیرہ سب کے لئے یکساں ہے لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ زجاج نے معنی کیا ہے لَیْسَ لَهٗ اِسْتِجَابَةُ دَعْوَةٍ یعنی یہ لوگ کسی کی ضرورت اور دعا کو دنیا اور آخرت میں قبول نہیں کر سکتے ہیں اور کلبی سے منقول ہے کہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں شفاعت (تھریہ) نہیں ہے یا اس سے مراد دعا اور عبادت ہے یعنی یہ لوگ دنیا اور آخرت میں عبادت اور دعا کے مستحق نہیں ہیں وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ اس سے مراد مشرکین ہیں جنہوں نے شرعی حدود سے تجاوز کیا ہے هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ اصحاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہے گے اور ہمیشہ جہنمی ہونا کافروں اور مشرکوں کے ساتھ خاص ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا
مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫
اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا
لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ
بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

"تم ان باتوں کو جلدی یاد کر لوگے جو میں تم سے کہتا ہوں اور اپنے کام کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے [44] تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی چالوں کے برے (آثار) سے بچایا اور فرعونیوں کو برے عذاب نے گھیر لیا [45] آگ پر ان کو صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہو جائے گی (تو کہا جائیگا) کافروں کو سخت عذاب میں داخل کرو [46] اور جب یہ لوگ آگ میں جھگڑا کرینگے تو کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے بے شک ہم تمہارے پیرو کار تھے تو کیا ہم سے آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو [47] جنہوں نے تکبر کیا وہ لوگ کہیں گے ہم تو سب اس میں ہیں اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے [48] اور جو آگ میں ہیں وہ لوگ جہنم کے چوکیداروں سے کہیں گے اپنے رب سے دعا مانگو کہ ہمارے لئے عذاب کا ایک دن آسان کر دے [49]۔

تفسیر 44: یہ بیان کا خاتمہ ہے ایک بہترین خاتمے کے ذریعے تکمیل اس لئے کہ پہلے تو اس میں نہ ماننے کے ساتھ تہدید

ہے حاصل یہ ہے کہ اب تو میری دعوت کو نہیں مانتے ہو لیکن پھر بھی عذاب کے نزول کے وقت افسوس کرو گے پھر اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کرنا (تفویض) اور توکل علی اللہ ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعونیوں نے اس آدمی کو قتل کا ارادہ کیا تو اس نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور یہ کلمہ موسیٰ علیہ السلام سے سیکھا تھا اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ.

تفسیر 45: یہ دعوت الی اللہ کی برکت ہے ان لوگوں پر عذاب آیا ہوا اور یہ سلامت بچ نکلا سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو وقفے وقفے سے فرعونیوں پر نازل ہوتے تھے اور وہ سورۃ اعراف میں مذکور ہیں یا اس سے مراد غرق ہونا ہے اور تفسیر مدارک میں نسفی نے لکھا ہے کہ فرعون نے اس کے قتل کرنے کے لئے ہزار آدمیوں کو بھیجا تو بعض لوگوں کو درندوں نے کھا لیا اور جو لوگ واپس بھاگ کر آئے تھے تو فرعون نے ان کو پھانسی پر چڑھایا سُوْٓءُ الْعَذَابِ اس سے مراد غرق ہونے کے ساتھ ساتھ باقی تمام عذاب ہیں۔

تفسیر 46: اَلنَّارُ یہ سُوْٓءُ الْعَذَابِ کا بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ان دونوں توجیہات کی بناء پر یُعْرَضُوْنَ اَلنَّارُ یا اٰلِ فِرْعَوْنَ سے حال ہے یا اَلنَّارُ مبتدا ہے یُعْرَضُوْنَ اس کی خبر ہے غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا اس سے مراد دنیا کے دنوں کے حساب سے صبح شام ہے یعنی ان دو اوقات میں ان کو اس آگ پر پیش کیا جائیگا اور باقی اوقات میں اور عذاب ہوں گے یہ دوام اور ہمیشگی سے کنایہ ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی سند سے حدیث ذکر کی ہے اور قتادہ رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ یہ ہر کافر کی روح کا حال ہے اور بخاری اور مسلم رحمہم اللہ کی حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے روایت ہے کہ تمام آگ والوں پر قیامت کے دن تک ان کا ٹھکانا صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1379 صحیح مسلم حدیث 7390) فائدہ: اس آیت سے بہت سارے مفسرین، محدثین اور عقائد کے علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عذاب قبر حق ہے اور امام بخاری نے عذاب قبر کے ترجمۃ الباب میں یہ آیت کریمہ ذکر کی ہے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کثیرہ میں تو عذاب القبر کا لفظ بھی اور عذاب فی القبر کا لفظ آیا ہے (اِنَّهُمَا لَیُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِهِمَا) صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1361 صحیح مسلم کتاب الطہارۃ حدیث 292، یہ حدیث اس پر دلیل ہے تو اس کی تعبیر سے انکار کرنا گمراہی ہے ہاں اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم اور شعور سے بہت بعید ہے بعض وہ تفصیلات جو صحیح احادیث میں آئی ہیں مثلاً سوال جواب کرنا اور اس کے لئے مردوں کو بٹھانا کسی کے لئے قبر

کو کشادہ اور کسی کے لئے قبر کو تنگ کرنا اور پرندوں کے جسم میں روح ڈالنا وغیرہ ان کا ماننا ضروری ہے پھر اس میں اہل سنت والجماعت کے دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ کہ روح پر اپنے ٹھکانے اور بدن پر اپنے مکان میں عذاب دینا برابر ہے چاہے صحیح سالم ہو یا ریزہ ریزہ ہوا ہو اور چاہے اس کے ذرات حیوانوں کے پیٹ میں ہوں یا سمندروں میں ہوں وغیرہ اور بدن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی زندگی دی ہے جو عذاب کا احساس کر سکے لیکن روح کا بدن کے ساتھ تعلق کا ہونا اس پر کوئی صریح حدیث نہیں ہے اور روح کے پلٹنے کا مسئلہ سورۃ زمر میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے لیکن جسد مثالی کی شرط کے ساتھ اس پر حدیث طیر دلالت کرتی ہے اور عذاب کا تعلق اصلی بدن کے ساتھ نہیں ہے اس میں پہلا قول صحیح ہے اور اگر سوال کیا جائے کہ یہ آیت مکی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ قبر کا عذاب نہیں ہے ہاں کچھ عرصہ بعد پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عذاب قبر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس میں عذاب قبر کا اثبات تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رکیوں کیا اس کا جواب امام ابن کثیر نے تین طریقوں سے دیا ہے پہلا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف برزخ میں روح کی پیشی آگ پر ثابت ہے اور اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ بدن کے ساتھ عذاب کا تعلق ہے یا نہیں تو بدن کے لئے عذاب کا حصول اس آیت کے نزول کے بعد ثابت ہوا دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کافروں کے عذاب پر دلالت کر رہی تھی اس سے مومن کے لئے قبر میں عذاب ثابت نہیں ہوتا ہے اور احادیث کے ذریعے سے گنہگاروں مومنوں کا عذاب ثابت ہوا ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت ارواح کے عذاب پر دلالت کرتی ہے تو احادیث میں جسموں کا عذاب بھی ہے۔

تفسیر 47: اس آیت میں تخویف اُخروی فرعونیوں کے واقعے پر مرتب ہے جیسے آل فرعون نے کفر اور شرک میں فرعون کی پیروی کی ہے اسی طرح وہ لوگ جو باطل پرست مولویوں، پیروں اور اقتدار والوں کی پیروی کرتے ہیں تو جہنم کے اندر انکی لڑائی ہوگی الضُّعَفٰٓؤُا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم اور عقل میں کمزور ہوں اس سے بدن میں کمزوری مراد نہیں ہے تبعاً یہ مفرد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا تابع کے لئے اسم جمع ہے۔

تفسیر 48: یہ متکبرین کا جواب اظہار عاجزی کے ذریعے کہ ہم اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ہیں تو تم سے عذاب کو کیسے دور کریں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ یعنی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس میں کسی کا اختیار نہیں چلتا ہے اور یہ فیصلہ انصاف کے ساتھ ہے لہٰذا اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ہے

تفسیر 49: جب آپس میں ایک دوسرے کی مدد سے ناامید ہوجائیں گے تو جہنم کے داروغہ (ملک) سے دعا طلب کرینگے یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ یہ درخواست کرنے میں تنزل ہے یعنی اگر مکمل نجات نہیں دیتا ہے تو ایک غیر معینہ وقت تک ہم سے کچھ عذاب ہٹادے جَهَنَّمَ کا لغوی معنی گہری جڑ والی سخت چیز ہے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا

فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَ

اَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًی وَّذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

"یہ لوگ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلائل نہیں لیکر آئے یہ لوگ کہیں گے ہاں کیوں نہیں تو ملائک کہیں گے اپنے لئے دعا مانگو اور کافروں کی پکار تو ضائع میں ہے [50] بے شک ہم اپنے رسولوں کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ دنیا کی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہوں کو پیش کیا جائیگا [51] جس دن ظالموں کو ان کے عذر کچھ فائدہ نہیں دینگے اور ان کے لئے لعنت ہے اور برا گھر ہے [52] اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب (توراۃ) کا وارث بنایا [53] جو خالص عقل والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی [54] تو صبر کرنا بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی خطاؤں کے لئے بخشش مانگو اور صبح اور شام اپنے رب کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرو [55]۔

تفسیر 50: یہ ملائک کی طرف سے ان جہنمیوں کے لئے جواب اور اس میں زجر بھی ہے تاکید کے ساتھ۔ رُسُلُكُمْ یعنی تمہاری اپنی جنس سے اللہ تعالیٰ کا پیغام لانے والے تھے اور بے دلیل بات بھی انہوں نہیں کی تھی بلکہ بِالْبَیِّنٰتِ بہت واضح دلائل لیکر آئے تھے اس کے باوجود بھی تم نے ان کار کیا تھا تو معلوم ہوا کہ تم بہت ظالم اور کافر ہو ہم تمہارے لئے سفارش نہیں کر سکتے ہیں اپنے لئے دعا مانگو وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اس سے مراد آخرت میں دعا ہے کہ وہ برباد ہے قبول نہیں ہے جبکہ دنیا میں انکی بعض دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

تفسیر51: یہاں سے سورۃ کا تیسرا باب اختتام سورت تک ہے اس میں ایمان والوں کو تسلی ہے اوردعوت دینے والوں کے لئے استغفاراور تسبیح کا حکم ہے اورلوگوں کے جدال اوراختلافات کے وقت استعاذہ کا حکم ہے پھر دودلائل کے ساتھ قیامت کا اثبات ہے پھر شرک فی الدعا کا رد ہے جوکہ سورۃ کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون ہے اوراس پر سات تفصیلی دلائل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کی تفصیل ہے کہ ان انعامات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے توکسی اورسے کیوں حاجتیں مانگتے ہو پھر جھگڑنے والوں کے لئے زجر اورتخویف شدید ہے اوریہ انبیاء کرام علیہم السلام سے نقلی اجمالی دلیل ذکر ہے اورپھر تین دلائل عقلیہ ہیں اورتخویف دنیاوی اورعذاب کے وقت توبے کی عدم قبولیت پر اختتام ہے۔اس آیت میں نصرت الہیہ کے ذریعے سے تسلی ہے اوریہ ماقبل کا نتیجہ ہے کہ فرعونی دنیا میں اورآخرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے بنی اسرائیل میں ایمان والوں کواللہ تعالیٰ نے عذاب سے بچایا اوردشمن کے مقابلے میں ان کے ساتھ مدد کی تو یہ تمام ایمان والوں کا حال ہے فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ دنیا میں امداد کبھی غلبہ دینے کبھی دشمن کو ہلاک کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اورآخرت میں نصرت جہنم سے بچانا اورجنت میں داخل کرنا اورہمیشہ کے لئے عزت اوراکرام دینا: اَلْاَشْهَادُ اس سے مراد وہ گواہ ہیں جوالگ الگ آیتوں میں ذکر ہوئے ہیں پیغمبر کے شہادت سورۃ نساء آیت 41 مومنین کی سورۃ بقرہ آیت 143 اعضاء کی جیسے سورۃ یٰسٓ آیت 65 اورسورۃ نور آیت 27 اورحٰمٓ سجدہ آیت 20 ملائک کی جیسے سورۃ قٓ آیت 21۔

تفسیر52: مظلوموں کی بشارت کے بعد ظالموں کا حال ذکر کیا ہے يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ یعنی عذر پیش نہیں کرسکیں گے اوراگر بالفرض بحال پیش کربھی دیں تو فائدہ نہیں ہوگا جیسے سورۃ مرسلات آیت 36 اورسورۃ قیامۃ آیت 15 میں ہے۔

تفسیر53، 54: یہ بھی نصرت الہیہ کی ایک قسم ہے اوراسی طرح یہ نصرت الہیہ کے حصول کا سبب ہے اوریہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے دلیل نقلی ہے اَوْرَثْنَا اس میں اشارہ ہے کہ یہ کتاب بنی اسرائیل میں موجود تھی اوراس طرح میراث کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ اس کتاب کے اہل اورمستحق چلے تھے اَلْهُدٰى مفعول بہ ہے اوردوسرا ھُدًى مفعول لہ ہے اس کی ہدایت عام تھی اوراس کی تذکیر اُولُو الْاَلْبَابِ کے ساتھ خاص تھی۔

تفسیر55: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کوتسلی ہے اورداعی الی الحق کے لئے آداب ذکر کئے گئے ہیں (اوراس آیت

میں تین آداب مذکور ہیں (۱) مصائب پر صبر۔ (۲) استغفار (۳) تسبیح اور حمد اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اس سے مراد نصرت کا وعدہ ہے جو آیت 51 میں ذکر ہوا ہے وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ لفظ استغفار گناہ کو مستلزم ہے بلکہ ہر بندے اور خاص کر مقرب بندے کے لئے استغفار کے طور پر بندگی کا اظہار لازم ہے اور اسی طرح لِذَنْۢبِكَ کا لفظ گناہ کرنے میں صریح نہیں ہے بلکہ اگر ذنب ہو جو کہ گناہ کے معنی میں ہوتا ہے تو عام مفسرین ذَنْبَ اُمَّتِكَ سے تاویل کرتے ہیں یا مقدر تعلیق ہے یعنی اگر بالفرض گناہ صادر ہوا ہو یا ذنب سے مراد خلاف اولی ہے جو کہ گناہ نہیں ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اس کے کرنے پر بھی ناراض ہوتے ہیں بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْكَارِ عشی سے مراد زوال سے سورج کے غروب ہونے تک اور ابکار سے مراد صبح سے زوال تک یا سورج نکلنے تک صبر دل کی عبادت، استغفار زبان کی عبادت اور تسبیح اور حمد عام بدن کی عبات ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ
بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ۙ۬ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ
اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع

"بے شک وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں بغیر دلیل کے جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہے ان کے سینوں میں بڑا حسد ہے یہ لوگ اس کو پورا نہیں کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ طلب کرو بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے [56] بے شک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش بہت بڑی ہے لوگوں کی پیدائش سے لیکن زیادہ لوگوں میں سے نہیں جانتے ہیں [57] اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتا ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور سنت کے مطابق اعمال کئے ہیں اور برے اعمال والے برابر نہیں ہو سکتے ہیں تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو [58] بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے لیکن زیادہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں [59] اور تمہارے رب نے کہا ہے مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا بے شک وہ لوگ جو میری پکار سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے [60]۔

تفسیر 56: اس آیت میں جدال کے وقت چوتھا ادب ذکر ہو رہا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ ہے اور ان کے لئے زجر ہے

اور تسلی ہے کہ مجادلین اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکتے ہیں اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ کبر سے مراد امر کبیر (بڑا مقصد) ہے جو کہ آیت 5 میں گزر چکا ہے یعنی حق کو مغلوب کرنا اور حق پرستوں کو ختم کرنا مَّا هُمۡ بِبَالِغِیۡهِ یہ لوگ اس مقصد تک نہیں پہنچے یعنی ان کا یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا ہے یا کبر سے مراد تکبر اور فخر ہے یعنی ان کے سینوں میں حق ماننے سے تکبر ہے اور یہ لوگ اس تکبر کے تقاضے تک نہیں پہنچ سکتے ہیں اور تکبر کا تقاضا حق کو ختم کرنا ہے اور جب ان کے اختلاف اور تکبر کے اسباب سے مومن دائمی غصہ ہوتا ہے تو غصے کو دور کرنے کے لئے فرمایا فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ۔

تفسیر 57: اس آیت میں توحید کے انکار کے بعد بعث بعد الموت کے انکار کرنے پر زجر ہے اور اِنّی کی دلیل سے قیامت کا اثبات ہے یعنی آسمانوں اور زمین کی پیدائش یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار ہیں اور یہ قدرت کا اعلیٰ چیز پر استدلال ہے ادنیٰ چیز کے قدرت کی ذریعے سے اور یہ قطعی دلیل ہے۔

تفسیر 58: یہ بھی قیامت کے اثبات پر دلیل لمی کے طور پر استدلال ہے یعنی ان فریقین کے درمیان عقیدہ اور اعمال میں فرق کرنا یہ جزا اور سزا میں فرق کرنے کی دلیل ہے اور جزا اور سزا کا میدان الگ ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ قیامت حق ہے اس آیت میں پہلے بطور مشابہت عدم مساوات ہے اور دوسرا بطور اصل ہے اسلئے کہ اعمیٰ سے مراد جاہل مقلد ہے اور بصیر سے مراد مستدل عالم ہے اور اسی طرح السراج المنیر میں بھی لکھا ہے۔

تفسیر 59: اس آیت میں ماقبل دونوں دلائل کا نتیجہ ہے جو آیت 57 میں ذکر کئے تھے اور جو دلائل کو نہیں جانتا ہے تو اس کو بے علم کہا جاتا ہے اسی وجہ سے اس آیت کے آخر میں لَا یَعۡلَمُوۡنَ ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت میں مقصد ذکر کیا ہے اور یہ لوگ مقصد نہیں مانتے ہیں تو اس کو بے ایمان کہا جاتا ہے اس وجہ سے یہاں لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فرمایا۔

تفسیر 60: جب قیامت میں نجات کے لئے عقیدہ اور توحید پر عمل کرنا ضروری ہے تو اب اس آیت میں توحید فی الدعا کی طرف ترغیب دی ہے (جو کہ سورۃ کا دعویٰ ہے) اور یہ دعوے کے اثبات کے لئے دلیل وحی ہے اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ جب دعا سے مراد شرعی دعا ہے جو باقی آیتوں اور حدیثوں کی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اور اس کے ساتھ قبولیت کا وعدہ لازم ہے اسی وجہ سے استجب کے ساتھ قید نہیں لگائی ہے یا یہ کہ اِنۡ شَآءَ کی قید یہاں پوشیدہ ہے یعنی اگر اللہ چاہے باقی آیتوں کے قرینے سے جیسے سورۃ اسراء آیت 18 انعام آیت 41 لیکن پہلا قول بہتر ہے اس لئے کہ یہ قیود کافروں کے بارے میں ہیں عَنۡ عِبَادَتِیۡ عبادت سے مراد بطور توحید دعا ہے اور اس پر صریح دلیل ہے کہ اَلدُّعَاءُ هُوَ الۡعِبَادَةُ ترمذی

کتاب التفسیر حدیث 2979 ابن ماجہ کتاب الدعا 3828 اور دو حدیث جو اس لفظ کے ساتھ ہے کہ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ تو وہ ضعیف ہے دٰخِرِیْنَ ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہونا یہ کافروں کے ساتھ خاص ہے تو یہ دلیل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے پکارنے سے تکبر کرنا کفر ہے اور اس آیت میں دعا سے مراد عقیدہ توحید کی ساتھ اپنی حاجتوں کا مطالبہ کرنا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾

"اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو آرام کے لئے بنایا اور دن کو دیکھنے کے لئے بنایا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ہیں [61] یہ تمھارا اللہ ہے جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ دوسرا معبود برحق نہیں ہے تو حق سے کس طرح پھر جاتے ہو [62]۔

تفسیر 61: پہلی آیت میں توحید کا دعویٰ ذکر ہوا تو اب اُس کے اثبات کیلئے عقلی دلائل ذکر کیے جا رہے ہیں اور ان دلائل میں بڑے بڑے انعامات کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان نعمتوں کا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا کسی اور کو مشکل کشا نہ بنانا اس دلیل میں دو بڑے انعامات مذکور ہیں پھر اَلَّيْلَ کی صفت حذف کی ہے جو کہ مظلماً ہے اور اس کا فائدہ ذکر کیا ہے اسلئے کہ اندھیرا مقصد نہیں ہے اور اَلنَّهَارَ کے ساتھ صفت ذکر کی ہے لیکن فائدہ حذف کیا ہے جو کہ تَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اس وجہ سے یہ صفت بہت سارے فائدوں پر مشتمل ہے اور اَلَّيْلَ پہلے ذکر کیا ہے اسلئے کہ مہینوں کے حساب میں رات دن پر مقدم ہوتی ہے اور لفظ النَّاس کو دو مرتبہ ذکر کیا پہلے الناس میں تمام انسان مراد ہیں اور دوسرے میں اکثر مراد ہیں۔

تفسیر 62: اس آیت میں دلیل اور ماقبل دلیل کے لئے نتیجہ بھی ہے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں اس آیت میں جمع کی ہیں تُؤْفَكُوْنَ اس پھیرنے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ جہاں ایک جانب حق اور دوسری جانب باطل ہو۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً
وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ
الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

”اسی طرح وہ لوگ پھیرے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں [63] اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جس نے زمین کو آرام کے لئے بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں خوبصورت صورتیں دی ہیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا ہے یہ تمہارا رب اللہ ہے تو وہ برکت والا ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے [64] وہی ذات زندہ ہے اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارو تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہان والوں کا رب ہے [65] آپ کہہ دیجئے مجھے ان لوگوں کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو جب میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آئے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس رب کے لئے تابع ہو جاؤں جو تمام جہاں والوں کا رب ہے [66]۔

تفسیر 63: اس آیت میں پھر جانے کی علت ذکر کی ہے جو کہ آیات اللہ سے انکار ہے اور یہ منکرین کے لئے مشترکہ علت ہے۔

تفسیر 64: یہ بھی دلیل ہے اور اس میں بھی چار بڑے بڑے انعامات ذکر ہیں وہ پہلے انعامات زمانے کے اعتبار سے تھے اور یہ مکانی ہیں اور مکان کے ساتھ مکین (انسان) کا بھی ذکر کیا ہے تو اس آیت میں آفاقی علوی اور سفلی اور انفسی انعامات دلائل کے لئے اکٹھے ذکر کئے ہیں فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اس طرح سورۃ تغابن آیت 3 اور سورۃ تین آیت 4 میں بھی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سیدھے قد و قامت والا بنایا ہے اور ہاتھوں کے ذریعے سے کھاتا پیتا ہے اور آنکھیں، ناک اور منہ کو خوبصورت ترتیب کے ساتھ چہرے پر بنایا ہے اور یہ آیت دلیل ہے کہ مخلوق میں انسان سے بڑھ کر کوئی خوبصورت دوسری چیز نہیں ہے فَتَبٰرَكَ یہ گزشتہ آیتوں کی تشریح ہے اور برکت بہت سارے فائدوں کے پیدا کرنے کے معنی میں ہے اور رونقے وقفے سے فائدے کے بڑھانے کو کہتے ہیں اور اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اور جب زمانی اور مکانی انعامات

تربیت کے لئے ہیں تو اسی وجہ سے آیت 66 اور اس آیت دونوں میں ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 65: یہ بھی دلیل ہے اور توحید الوہیت اور توحید فی الدعا کو حمد کے ساتھ نتیجے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

تفسیر 66: یہ پہلے دلائل کا نتیجہ ہے یعنی یہ دلائل شرک سے منع کے لئے اور توحید پر حکم دینے کے لئے مستلزم ہیں اور اسی طرح یہ مشرکین کیلئے جواب ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو یہ ان کا جواب ہو سکے گا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ
لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ ۖ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِي
يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ
اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾

''اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تمہیں بچوں کی صورت میں نکالا پھر اپنی جوانی تک پہنچ جاتے ہو پھر (تمہیں عمر دیتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے تک پہنچ جاؤ اور بعض تم میں سے پہلے فوت کر دئے جاتے ہیں اور (تمہیں پالتا ہے) تاکہ تم اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل حاصل کرو [67] اللہ تعالیٰ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے [68] کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کو حق سے کیسے پھیر دیا جاتا ہے [69] جنہوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان باتوں کو جن کے ذریعے سے ہم نے رسولوں کو بھیجا عنقریب یہ لوگ جان لینگے [70]۔

تفسیر 67: یہ دلیل ہے پیدائش کی ابتدا جو انسان کے مختلف حالات پر مشتمل ہے اس لئے اس کو دلیل انفسی کہا جاتا ہے مِّن تُرَابٍ ہر انسان کے نطفے زمین کی اشیاء سے پیدا کئے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ تراب بعید مادہ ہے اور جب ان حالات کے انقلاب پر عرصہ گزر گیا تو اسی وجہ سے ثُمَّ کو درمیان میں ذکر کیا ہے۔ سوال: سورۃ حج آیت 5 میں ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ ذکر کیا ہے تو یہاں کیوں ذکر نہیں کیا ہے؟ جواب: جب اس آیت سے پہلے انسان کی صورت کا ذکر کیا ہے اور صورت کا تعلق مضغے کے ساتھ ہے لہٰذا یہ اس طرح ہوا جیسے صُوَرِ مُضْغَتِكُمْ تو پھر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور سورۃ حج میں اس طرح ذکر نہیں کیا گیا تھا طِفْلًا جمع کے معنی میں جنس ہے اور طفولیۃ پیدائش کو کہا جاتا ہے تو جب تک بچہ ماں باپ کا محتاج ہوتا ہے

کھانے پینے اور لباس پہننے میں تو یہ اپنے ماں باپ کا تابع ہے اَشُدَّکُمۡ بدنی قوت اور عقلی قوت کے اجتماع کو اَشُدّ کہا جاتا ہے ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا سے پہلے فعل پوشیدہ ہے یعنی ثُمَّ یُرَبِّکُمۡ لِتَبۡلُغُوۡ اور اَشُدّ کا اطلاق چالیس سالوں تک ہے ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا یہاں پر بھی فعل پوشیدہ ہے یعنی ثُمَّ یُنۡقِصُ الۡقُوَّۃَ لِتَکُوۡنُوۡ شُیُوۡخًا اور لِتَبۡلُغُوۡۤا یہاں فعل پوشیدہ ہے وَیَفۡعَلُ ذَالِکَ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی اس سے مراد موت کا مقررہ وقت ہے۔

تفسیر 68: یہ بھی دلیل ہے پہلے انسانوں کی خاص حیات اور ممات کا ذکر ہوا اور اس میں عام ذکر ہے اور اِذَا قَضٰۤی میں اشارہ ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔

تفسیر 69، 70: یہ پھر مجادلین کے لئے زجر ہے یعنی وہ دلائل جو گزر چکے ہیں اس میں جھگڑتے ہو اور اپنے شرک کو ثابت کرتے ہو اور ان مجادلین کا حال بیان کیا ہے بِالۡکِتٰبِ جنس کتب الٰہی مراد ہے یا صرف قرآن مراد ہے وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِہٖ رُسُلَنَا اس سے مراد توحید کا مسئلہ ہے جو کہ سورۃ انبیاء آیت 35 اور سورۃ نحل آیت 36 میں مذکور ہے۔

إِذِ الْأَغْلٰلُ فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا
كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ اُدْخُلُوْٓا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ
أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾

"جس وقت لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور (ان کے پاؤں میں) زنجیریں ہوں گی [71] کھولتے ہوئے پانی میں کھینچے جائینگے پھر آگ میں جھونک دیے جائینگے [72] پھر ان سے کہا جائیگا وہ لوگ ہیں جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے تھے [73] اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ لوگ کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں بلکہ ہم نے تو اس سے پہلے کسی کو بھی نہیں پکارا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہ کرتا ہے [74] یہ اس سبب سے ہے کہ تم زمین میں ناجائز طریقے سے خوش ہوتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم تکبر کرتے تھے [75] جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے تو تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت برا ہے [76] آپ صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو پھر ہم آپ کو بعض وہ عذاب دکھا دینگے جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا ہم آپ کو فوت کر دینگے تو ہماری طرف ہی واپس پلٹ کر آنا ہے [77]۔

تفسیر 71 تا 76: ان آیات میں مجادلین کے لئے تخویف اُخروی کا ذکر ہے اور یہ تخویف دس امور پر مشتمل ہے (۱) إِذِ الْأَغْلٰلُ فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ ، اذا، اذ کے معنی میں ہے اسلئے کہ یہ حالات آنے والے ہیں لیکن قرآن میں اکثر یقین کی وجہ سے قیامت کے حالات ماضی کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیے ہیں (۲) وَالسَّلٰسِلُ سے دو معانی ہیں پہلا یہ کہ الْأَغْلٰلُ پر عطف مفرد کا مفرد پر عطف کے طور پر یعنی سلاسل بھی ان کی گردنوں میں ہوں گے دوسرا معنی یہ ہے کہ جملے کا عطف جملے پر ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی زنجیریں ان کے پاؤں میں ڈالے جائینگے (۳) يُسْحَبُوْنَ ، اَلسَّلَاسِلَ سے متعلق ہے اور بِهَا پوشیدہ ہے یعنی زنجیروں میں کھینچے جائینگے یا مطلق کھینچنا مراد ہے (۴) فِي الْحَمِيْمِ یہ يُسْحَبُوْنَ سے متعلق ہے یا تقدیر کے ساتھ ایک مستقل جملہ ہے کہ يَدْخُلُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ (۵) ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ یعنی ایندھن کی طرح ان کے ساتھ آگ کو بھڑکایا جائیگا یا یہ معنی کہ آگ میں بھونے جائینگے یا بھرنے کے معنی

میں ہے یعنی ان کے ذریعے سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائیگا (۷) ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ یہ سوال سخت زجر کے لئے ہے ان لوگوں کو جنہوں نے دنیا میں شرک فی الدعا کیا تھا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وہ لوگ کہاں ہیں کہ جن کو تم پکارلو اور تمہیں عذاب سے بچالیں تو یہ لوگ پہلے جواب دینگے ضَلُّوْا عَنَّا کہ ہم سے سے گم ہو گئے اور یہ جملہ ان کے شرک کرنے پر ان کے اقرار کرنے کو مستلزم ہے تو پھر ان کو وہم آیگا کہ یہ تو ہم نے برا کام کیا ہے کہ خود سے اقرار کرلیا پھر دوسرا جواب دیں گے بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا یعنی شرک فی الدعا سے ان کار کر لینگے جیسے سورۃ انعام آیت 23 میں گزر چکا ہے كَذٰلِكَ يُضِلُّ اضلال سے مراد جواب دینے میں شک کرنا تردد کرنا جیسے اب شک میں ہیں کہ کبھی اقرار اور کبھی ان کار کرتے ہیں اور یہ ان کو رسوا کرنے کیلئے ہے تَفْرَحُوْنَ فرح اور مرح میں فرق یہ ہے کہ فرح کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دوسرے کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور دوسرا قول اس کے برعکس ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے دوسرے فرق کی طرف اشارہ کیا ہے اس نے کہا ہے کہ تَفْرَحُوْنَ کے معنی میں فرق یہ ہے کہ زیادہ نوکروں زیادہ گناہوں اور زیادہ مال صحت، اور عافیت کی وجہ سے خوشی ظاہر کرتے تھے تو اس میں پیروں کے عرس بھی داخل ہیں جو شرک کرنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور تَمْرَحُوْنَ یہ ہے کہ رفتار اور چلنے میں تکبر اور فخر کا اظہار کرتے ہوں جیسے لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (۸) اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ اس سے مراد بطور تقسیم ہے الگ الگ دروازوں میں داخل ہو جاؤ (۹) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ مثوی: وہ ٹھکانا ہے کہ جس میں ہیشگی ہو اور بے اختیار جگہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تفسیر 77: مجادلین کے حالات بیان کرنے کے بعد اب باقی تکالیف اور جدال پر صبر کرنے کا حکم اور تسلی دی جارہی ہے دوسرا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یہ وعدہ ہے آیت 51 میں گزر چکا ہے تیسرا ان کے سوال کا جواب ہے کہ ہم پر جدال کے سبب سے عذاب کیوں نہیں آتا ہے تو اس قول کے ذریعے سے جواب ہوا کہ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان پر عذاب ضرور آیگا آپ کی زندگی میں آیگا تو آپ دیکھ لیں گے یا آپ کی وفات کے بعد آیگا تو آپ نہیں دیکھ سکتے ہیں لیکن قیامت میں دیکھ لیں گے اسلئے کہ قیامت میں ان کا رجوع ہماری طرف ہوگا اور اِمَّا کا جواب فَذٰلِكَ کے ذریعے سے پوشیدہ ہے اور فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ یہ نَتَوَفَّيَنَّكَ کے جواب کے قائم مقام ہے یعنی فَنُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اور اسی طرح سورۃ یونس آیت 46، سورۃ رعد آیت 40 اور سورۃ زخرف آیت 41، 42 میں مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا
كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ ع
لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ
تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ
مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

"اور ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو بھیجا ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے قصے ہم نے آپ پر بیان کئے ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے قصے آپ پر بیان نہیں کئے ہیں اور رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ کوئی آیت اللہ کے حکم کے بغیر لیکر آئے پس جب اللہ کا حکم آئیگا تو ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور اسی وقت باطل پرست لوگوں کا نقصان ظاہر ہو جائیگا [78] اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے جانوروں کو پیدا کیا ہے تا کہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو [79] اور تمہارے لئے اس میں فائدے ہیں اور تا کہ تم اس ضرورت کو پہنچ جاؤ جو تمہارے سینوں میں ہے اور کشتی پر تم سوار کرائے جاتے ہو [80] اور تمہیں اپنے دلائل دکھاتا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے کونسے دلائل کا انکار کروگے [81] کیا یہ لوگ زمین میں چلتے نہیں ہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیں جو ان سے پہلے تھے جو ان سے زیادہ تھے اور قوت اور زمین میں نشانات بنانے میں بھی زیادہ تھے تو جو کام وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے [82]۔

تفسیر 78: یہ چوتھی تسلی ہے اشارہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تکالیف کے ذکر کے ذریعے۔ پانچویں تسلی ہے منکرین کے سوال کے جواب کے ذریعے کہ وہ کہتے تھے اگر رسول ہو تو ہمیں معجزہ دکھا دو جو ہم مانگ رہے ہیں؟ جواب یہ ہے وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اور اسی طرح سورۃ رعد آیت 38 اور سورۃ ابراہیم آیت 11 میں ذکر ہوا ہے اور اس آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام سے دلیل نقلی اجمالی ہے وَخَسِرَ هُنَالِكَ اصل میں خسران ان کے برے اعمال کے وقت تھا لیکن اس وقت ان پر اپنا نقصان ظاہر نہیں ہوا کرتا تھا اور عذاب کے وقت نقصان ظاہر ہوا اسی وجہ سے هُنَالِكَ کی تخصیص کر دی۔

تفسیر 79، 80، 81: ان آیات میں انعامات کے ذکر کے ساتھ باقی عقلی دلائل کا ذکر ہے پہلی آیت میں چوپایوں کے دو بڑے فائدے ذکر کئے ہیں جو کہ سواری اور کھانا ہے لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا لفظ مِنْهَا میں اشارہ ہے کہ تمام جانور سواری کرنے کے لئے نہیں ہیں اور اسی طرح سارے حلال جانوروں کو نہیں کھایا جاتا ہے اور دوسرے میں تین انعامات ذکر کئے ہیں مَنَافِعُ اس کے بالوں کے بہت سارے فائدے ہیں اور اسی طرح دودھ میں بہت سارے فائدے ہیں اور ان کے چمڑوں اور ہڈیوں میں بہت سارے فائدے ہیں وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ اس میں سخت ضرورت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی وجہ سے تمہیں پریشانی ہوتی ہے کہ میں اس ضرورت کو کیسے پہنچ سکوں گا تو اونٹ اور گھوڑوں کے ذریعے سے پہنچ جاتے ہو وَعَلَى الْفُلْكِ کشتی کے ساتھ فی اور علی دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں لیکن یہاں عَلَيْهَا کی مناسبت کی وجہ سے علی کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ **فائدہ** لِتَرْكَبُوْا، لِتَبْلُغُوْا اور تُحْمَلُوْنَ میں تو ظاہراً ایک فائدہ ہے لیکن حقیقت میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ رکوب سے مراد سواری کا سفر ہے ہجرت، جہاد اور علم کے طلب کرنے کے لئے اور حَاجَةً سے مراد دنیاوی امور ہیں جیسے تجارت کرنا ہے تو یہ دونوں اختیاری امور ہیں اور ضروری بھی ہیں لہٰذا اس وجہ سے حرف لام اور معلوم کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اور گوشت کے کھانے اور سواری کا جو بعد میں ذکر ہوا یہ دونوں مقصدی امور نہیں ہیں تو لام کے بغیر ذکر کیا اور بعد والی آیت میں وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لفظ کے ساتھ بے شمار انعامات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 82: پہلی آیتوں میں انعامات کا ذکر کیا تو اب عذاب کی نشانیاں ذکر کی ہیں اور یہ تخویف دنیاوی ہے فَيَنْظُرُوْا یعنی عبرت حاصل کرنے کے لیے سفر کرو تو فکر کی نظر سے دیکھو اَكْثَرَ مِنْهُمْ جو تعداد اور مال میں زیادہ تھے وَاَشَدَّ قُوَّةً جسم کے اعتبار سے زیادہ قوت والے تھے وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ بلند عمارتیں اور پہاڑوں میں عمارتیں بنانا اور اس میں فرعون کی قوم کی طرف اشارہ ہے اس سورۃ میں ان کا حال ذکر ہوا ہے فَمَآ اَغْنٰى مانافیہ ہے استفہامیہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دنیا مال وجاہ نجات نہیں دے سکتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا
رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ وَ كَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشۡرِكِیۡنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمۡ یَكُ یَنۡفَعُهُمۡ اِیۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا
بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

"پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ آئے تو انہوں نے اس علم کی وجہ سے تکبر کیا جو ان کے پاس تھا اور اسی چیز نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے [83] جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا ہم اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان لائے اور جن کو ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا تھا ہم ان کا انکار کرتے ہیں [84] تو جب وہ ہمارے عذاب کو دیکھ لیں اس وقت ان کو ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جیسے اس کے بندوں میں گزر چکا ہے اور اس وقت کافروں کا نقصان ظاہر ہوا [85]۔

تفسیر 83: اس آیت میں عذاب کا سبب ذکر ہے جو کہ انبیاء کی تکذیب ہے فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ یہ ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہے اور علم سے مراد دنیاوی علوم ہیں جیسے فلسفہ، ریاضی، سائنس اور طب وغیرہ جیسے بقراط سقراط حکیم سے کہا گیا تھا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے پاس کیوں نہیں جاتے ہیں تو انہوں نے کہا ہم مہذب قوم ہیں ہمیں کسی کی تہذیب اور ہدایت کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح جالینوس حکیم نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ ہماری طرف نہیں بھیجے گئے ہیں ہم تو آپ سے زیادہ جانتے ہیں یا علم سے مراد ان کے کفریہ شرکیہ اور بدعتی شبہات ہیں انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ علم جیسے انہوں نے اپنے آباء کی اتباع کے ساتھ استدلال کیا ہے یا اس قول کے ساتھ کہ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا یا اس قول کے ساتھ میں مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیۡمٌ وغیرہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عندہم کی ضمیر انبیاء کی طرف راجع ہے اور فَرِحُوۡا میں ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے اور فرح سے مراد ہنسی مزاح کرنا ہے اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو قرآن اور صحیح حدیث پیش کی جائے اور اس کے مقابلے میں باقی کتابیں اور دلائل پیش کرے یا اپنی تقلید پر جم جائے تو یہ شخص پہلے باطل پرست لوگوں کے طریقے پر ہے۔

تفسیر 84: جب عذاب کے وقت کفار سمجھ گئے کہ دوسری کوئی بھی چیز ہمیں فائدہ نہیں دے سکتی ہے بلکہ ان کے معبود بھی نجات نہیں دے سکتے ہیں تو اس وقت انہوں نے توحید پر ایمان لایا جیسے فرعون نے کہا تھا وَ كَفَرۡنَا یہ کفران کا کے معنی

میں بے کُنَّا بِہٖ انکی عبادت کرنے کیوجہ سے ہم مشرک بن گئے تھے۔

تفسیر 85: یہ مجبوری اور اضطراری ایمان ہے یہ قبول نہیں ہے فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ لفظ يَكُ کونفی کی تاکید کے لئے ذکر کیا ہے سُنَّتَ اللّٰهِ یہ فعل محذوف کے لئے مفعول مطلق ہے سَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی سُنَّةً یا فعل محذوف کے لئے مفعول بہ ہے یعنی اِحْذَرُوْا (ڈر جاؤ) اور اس سنت سے مراد یہ ہے کہ عذاب آنے کی حالت میں ایمان قبول نہیں ہوگا۔ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ آیت 78 میں الْمُبْطِلُوْنَ ذکر کیا ہے اور اس آیت میں الْكٰفِرُوْنَ کہا فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں قُضِيَ بِالْحَقِّ ذکر ہوا تھا اور حق کے مقابلے میں ابطال ذکر ہوتا ہے اور اس آیت میں ایمان ذکر ہے اور ایمان کے مقابلے میں کفر ذکر ہوتا ہے۔

سورۃ مومن کی خصوصیات:

۱۔ اس سورۃ میں صفت الٰہی کثرت سے ذکر ہیں۔

۲۔ فرعون کے ساتھ رجل مومن کا مباحثہ۔

۳۔ قبر کا عذاب اس سورۃ میں ذکر ہے۔

۴۔ ایمان والوں کے لئے مقرب ملائکہ کی دعائیں۔

۵۔ جہنم والے دوحیات اور دوممات کا اقرار کریں گے۔

۶۔ رسول کی تعلیم کے مقابل منکرین کا دنیاوی تعلیم پر خوشی کا اظہار ذکر ہے۔

سورۃ مومن کی تفسیر بفضل اللہ تعالیٰ مکمل ہوئی

آیاتھا ۵۴ ﴿۴۱ سُورَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۱﴾ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

سورۃ حم سجدہ اور اس کے اور نام یہ ہیں، فُصِّلَتْ اَلْمَصَابِیْحُ، اَلْاَقْوَاتُ سَجْدَۃُ مُؤْمِنٍ۔

حٰمٓ ۞ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۞ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَ

بَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞

"اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے [1] بہت مہربان رحم کرنے والی ذات کی طرف سے اس کا نزول ہے [2] یہ کتاب ہے اس کی آیتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں عربی زبان والا قرآن ہے اس قوم کے لئے جو جانتی ہے [3] خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے لہٰذا ان کے زیادہ لوگوں نے منہ پھیرا کیونکہ وہ نہیں سنتے ہیں [4] اور انہوں نے کہا جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ ہے تو آپ بھی عمل کریں ہم بھی عمل کرنے والے ہیں [5]۔

ربط: اس سورۃ کا کئی طریقوں سے پہلی سورۃ کے ساتھ ربط ہے۔ پہلا طریقہ: یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں رد شرک فی الدعا تھا تو اس سورۃ میں منکرین کے تین اوہام کا خاتمہ ہے دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ سورۃ مومن میں قرآن نازل کرنے والے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کی توصفات ذکر کی تھیں تو اس سورۃ میں منزل (قرآن) کے نو احوال ہیں تیسرا طریقہ: یہ ہے کہ وہاں عذاب دنیاوی کا ایک نمونہ ذکر تھا تو اس سورۃ میں دو نمونے ذکر کئے گئے ہیں۔ چوتھا طریقہ: یہ ہے کہ اس سورۃ میں داعی (رجل مومن) کی دعوت کی تفصیل ذکر کی تھی اور اس سورۃ میں دعوت کے طریقے اور آداب ذکر کئے گئے ہیں۔ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں مجادلین کے لئے زواجر تھیں تو اس سورۃ میں ان کے باطل شبہات ذکر کئے گئے ہیں کہ یہ ان کا جھگڑا ہے چھٹا طریقہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں قیامت کے دن مشرکین کا شرک فی الدعا سے

انکار ذکر تھا تو اس سورۃ میں ان کے اعضاء کی شہادت کا ذکر ہے۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: توحید کا اثبات ہے مختلف امور کے ذریعے آٹھ عقلی دلائل کے ذریعے اور شرک کی اقسام، (شرک فی العبادۃ، شرک فی الدعاء، فی العلم) پر رد کے ذریعے اور پانچ اسماء الٰہی کے ذریعے اور بہت سی زواجر اور تخویفات دنیاوی و اخروی کے ذریعے۔

سورۃ کا خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورۃ تین ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب آیت 24 تک ہے اس میں قرآن کے نو (9) حالات کو ذکر کرنے کے بعد قرآن کی طرف پہلی ترغیب ہے اور قرآن پر اعتراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے پھر منکرین کا شبہ اور اس کا جواب ہے پھر عقلی دلائل ہیں پھر واقعہ عاد اور ثمود کے ذکر کرنے کے ذریعے سے تفصیلاً تخویف دنیاوی و اخروی ہے۔

تفسیر 1: مبتدا خبر محذوف ہے یعنی ھذا حٰمٓ یہ قرآن یا سورۃ کا نام ہے یا اعجاز کے لئے ہے۔

تفسیر 2، 3، 4: یہ قرآن کے نو (9) احوال کے ذکر کرنے کے ذریعے سے ترغیب ہے تَنْزِيْلٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے (۲) مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اشارہ ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا ذریعہ ہے (۳) كِتٰبٌ تَنْزِيْلٌ سے بدل ہے اور یہ لفظ اس کے جامع ہونے کی دلیل ہے (۴) فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ احکام، امثال، دلائل خوف اور بشارتیں سب آئیں الگ الگ تفصیل کے ساتھ ہیں قُرْاٰنًا یعنی جامع یا مجموع ہے یا پڑھا گیا ہے (۶) عَرَبِيًّا عربی زبان والا ہے یعنی واضح بیان والا ہے اسلئے کہ (ع ر ب) وضوح پر دلالت کرتا ہے لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ جو جانتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا (۷) یا توحید کا علم رکھتے ہیں یا لغت عربی کا علم رکھتے ہیں تو ان کو فائدہ دینے والا ہے (۸) بَشِيْرًا تصدیق کرنے والوں کو خوشخبری دینے والا ہے (۹) نَذِيْرًا مخالفین کے لئے تخویفات پر مشتمل ہے فَاَعْرَضَ یہ زجر ہے فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ یہ اعراض کی تفصیل ہے یا معنی یہ ہے کہ توحید سے اعراض کرتے ہیں تو اس وجہ سے قرآن کو نہیں سنتے ہیں۔

تفسیر 5: یہ اعراض یا لَا يَسْمَعُوْنَ پر عطف ہے اور اس میں اعراض کا سبب ذکر ہے اور یہ منکرین کا پہلا شبہ ہے شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے یہ مسئلے ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں لہٰذا ہمیں یہ نصیحت مت کرنا فِيْٓ اَكِنَّةٍ اس لفظ میں عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی نسبت اَكِنَّةٍ کے ساتھ زیادہ مبالغہ ہے یعنی دل اندر پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں اس میں کچھ بھی

سوراخ نہیں ہے وَقْرٌ مشرکین اور مبتدعین کے ان قصوں کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے جاہلوں کے کانوں کو حق سننے سے بند کیا ہے وَّمِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ اس میں بہت تاکید ہے یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان فاصلہ ہے حجاب نے ان سب کو بند کیا ہے اور یہ تینوں (اَکِنَّۃٍ وَقْرٌ حِجَابٌ) بطور تشبیہ ہے اشارہ ہے کہ سمجھنے کے اسباب کان اور آنکھیں ہیں اور وہ تینوں ہماری طرف سے آپ کے مسائل میں کچھ کام نہیں کر سکتے ہیں اور حجاب سے مراد دین کی مخالفت یا جہالت اور علم کا تفاوت ہے فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ یعنی اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق کوشش کرنا اور ہم آپ کے مقابلے میں محنت کرینگے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ وَ اسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ٪﴿۸﴾ قُلۡ اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ تَجۡعَلُوۡنَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۚ﴿۹﴾ ع

" آپ کہہ دیجئے بیشک میں تمہاری طرح انسان ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہاری عبادت کا حقدار صرف ایک ذات ہے تو اس کی طرف قائم ہو جاؤ اور اس سے بخشش طلب کرو اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے [6] وہ لوگ جو زکوۃ نہیں دیتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے انکار کرتے ہیں [7] بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور سنت کے مطابق اعمال کئے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے [8] کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے دو دنوں کی مقدار میں زمین بنائی اور تم اس کے لئے شریک بناتے ہو یہ تمام عالم والوں کا رب ہے [9]۔

تفسیر 6: یہ اس شبہ کا جواب ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میری باتوں پر تمہاری عقلیں اور کان اسوقت کام نہیں کرتے اور اس طرح میں تمہیں اس وقت ظاہر نہیں ہوتا جب میں کوئی ملک یا جن ہوتا میں تو تمہاری طرح انسان ہوں اور انسان تو دوسروں کی باتوں کو سنتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی باتوں کو سمجھتے ہیں یُوۡحٰۤی اِلَیَّ یعنی میرا اور آپ کا فرق صرف وحی اور عدم وحی میں ہے انسانی تقاضوں میں فرق نہیں ہے اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ یہ تمام وحی کا خلاصہ ہے یعنی یہ تو ایسا مسئلہ ہے کہ جو عقل اور نقل سے ثابت ہے اور بات بھی مختصر ہے تو پھر اسکو کیوں نہیں سمجھتے

ہو فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ جواب کے بعد توحید کی طرف دعوت ہے معنی یہ ہے کہ مضبوط ہو جاؤ کسی قسم کی شرک کی طرف مائل مت ہونا وَ اسْتَغْفِرُوْهُ یعنی گزشتہ شرک سے بخشش طلب کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے گا وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ یہ استغفار کی علت ہے یعنی شرک سے اس وجہ سے توبہ کرو کہ تم تباہی سے بچ جاؤ۔

تفسیر 7: شرک کی صفت کے بیان کرنے کے بعد یہ مشرکین کی قبیح صفات کا ذکر ہے الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ یعنی ایسے عمل نہیں کرتے ہیں کہ ان کا نفس اور مال اس کی وجہ سے صاف ہو جائے یہاں زکوٰۃ عام معنی میں ہے جیسے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ وصف اس وجہ سے خاص ذکر کیا کہ مشرکین غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز کرتے ہیں اور مریدوں کو دیتے ہیں اور گناہوں میں خرچ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسکینوں وغیرہ پر خرچ نہیں کرتے اور اس آیت میں اشارہ ہے کہ کافروں کو کفر کے ساتھ باقی گناہوں پر بھی عذاب دیا جائیگا زکوٰۃ نہ دینا ایک تو بطور انکار ہے تو یہ کفر ہے دوسرا عملاً چھوڑنے کے طور پر ہے یعنی فرضیت سے انکار نہیں کرتے مگر زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں تو کفر نہیں ہے لیکن کافروں کا عمل ہے اور ان کے ساتھ مشابہت ہے۔

تفسیر 8: اس بشارت میں ایمان اور نیک عمل کی طرف ترغیب ہے غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ختم ہونے والا نہیں ہے یعنی ہمیشہ ہے اور یہ جنت کا اجر ہے معلوم ہوا کہ جنت فنا نہیں ہوگی یا جلایا ہوا نہیں ہوگی یا اس میں کچھ نقصان نہیں آئیگا۔

تفسیر 9: سوال جواب اور توحید کی طرف ترغیب دینے کے بعد اب اس کو چار عقلی دلائل کے ذریعے سے ثابت کیا جا رہا ہے یہ پہلی دلیل ہے جس میں زمین کی پیدائش ذکر کی ہے دو دن کے مقدار میں تھی یعنی وہ وقت ایک ایسی مقدار اور نوبت کا تھا کہ اب اس کی دو دنوں سے تعبیر کی جا سکتی ہے وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا یہ کفر باللہ کی تفسیر ہے ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اشارہ ہے کہ خالقیت ربوبیت کو مستلزم ہے۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ ⑩

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِينَ ⑪

"اور اس نے مضبوط پہاڑ اس کے اوپر بنائے ہیں اور اس میں برکتیں نازل کی ہیں اور اس نے اس میں غذاؤں کا اندازہ رکھا (اور سارے کام ہوئے) چار دنوں میں (یہ جواب) پوچھنے والوں کے لئے برابر ہے [10] پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے کہا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے اور ان دونوں نے کہا ہم آئے تعمیل ارشاد کے [11]۔

تفسیر 10: یہ دوسری دلیل عقلی ہے اس میں تصرف الٰہی کے تین اوصاف ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی صفت جَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ پہاڑ زمین میں گڑھے ہوتے ہیں کیلوں کی طرح اور مِنْ فَوْقِهَا یعنی زمین کے اوپر لمبے لمبے ظاہر کئے ہیں تاکہ مخلوق انہیں دیکھ لے اور اس سے فائدہ حاصل کرے اسی وجہ سے سورۃ نبأ آیت 7 میں فرمایا وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا اور سورۃ مرسلات آیت 27 میں شَامِخَاتٍ اور دوسری صفت وَبٰرَكَ فِيهَا میں ضمیر پہاڑوں کی طرف راجع ہے جس میں درخت، پتھر اور خزانے وغیرہ ہیں یا ضمیر زمین کی طرف راجع ہے سمندروں اور نہروں وغیرہ کی طرف اشارہ ہے یہ تمام دائمی منافع قیامت تک کے لئے ہیں اور برکت میں بھی دوام اور فائدوں کے زیادہ ہونے کا معنی ہے تیسری صفت وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا اس سے وہ منافع مراد ہے جو انسانوں کے رزق سے تعلق رکھتا ہے اور یہ رزق زمین اور پہاڑ سے پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہے اور لفظ قدر تقدیر کے مسئلے پر صریح دلالت کرتا ہے فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ اس میں دو پہلے دن شمار کیے گئے ہیں یعنی پہاڑوں اور نہروں وغیرہ کو دو دنوں میں پیدا کیا ہے جب پہلے دو دنوں کو شامل کیا جائے تو چار ہو گئے فِي يَوْمَيْنِ نہیں کہا ہے اس وجہ سے کہ وہم پیدا ہوتا کہ یہ بعینہٖ وہ پہلے دو دن ہیں اور اگر ساتھ میں اٰخَرَيْنِ فرماتے تو کلام طویل ہو جاتا اور دوسری بات یہ کہ سَوَآءً کا تعلق چار دنوں سے ہے اگر يَوْمَيْنِ فرماتا تو پھر یہ تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ سَوَآءً، أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سے مراد مُسْتَوِيَةٌ حال کے معنی میں ہے یعنی ایسے حال میں کہ یہ چار دن مکمل ہیں اس میں کمی نہیں ہے یا سَوَآءً مفعول مطلق ہے اِسْتَوَتْ سَوَآءً کے معنی میں ہے اور وہ أَرْبَعَةِ یا أَقْوَاتَهَا سے جملہ حالیہ ہے لِّلسَّآئِلِينَ یہ قَدَّرَ سے متعلق ہے اور سَائِلِينَ طَالِبِينَ کے معنی میں ہے یعنی محتاج ہے یا محذوف مبتدا کے لئے خبر ہے هٰذَا لِلسَّآئِلِينَ یعنی یہ ان لوگوں کے لئے ہے

جوان کے بارے میں سوالات کرتے ہیں یا سَوَآءً سے متعلق ہے یعنی ایسے حال میں کہ یہ چار دن گنتی میں برابر ہیں جن کا علم سائلین کے پاس ہے جو کہ اہل کتاب ہیں اسلئے کہ ان کے علم میں بھی چار دن ہیں۔

تفسیر 11: یہ تیسری دلیل عقلی ہے اسْتَوٰٓی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور لفظ اِلَی السَّمَآءِ علو (بلندی) کے لئے ہے معنی معلوم ہے کہ آسمان کی طرف بلند ہوا لیکن اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے یا اسْتَوٰٓی قصد اور پورا کرنے کے معنی میں ہے یعنی مکمل توجہ دی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے "وَهِيَ دُخَانٌ" مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی کے اوپر تھا تو اس پانی میں اللہ تعالیٰ نے حرکت اور اضطراب کو پیدا کیا اس سے ایک بخار پیدا ہوا اس کو دخان کہا یعنی (دھویں) کی طرح کالے کالے اجزا تھے فَقَالَ لَهَا یہ قول دخان سے خطاب ہے اور مراد یہ ہے کہ اے دخان میرے حکم کی تابع ہو جاؤ کیونکہ میں تجھ سے آسمانوں کو اپنے حکم سے بناتا ہوں اور زمین سے کہا کہ تجھ سے انسانوں کے لئے فائدے نکالتا ہوں یا یہ قول آسمانوں کے بنانے کے بعد ہے طَوْعًا اَوْ كَرْهًا یعنی تم حکم ضرور مانوگے چاہے تمہیں پسند ہو یا نہ ہو قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب حقیقتاً ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی طاقت دی تھی طَآئِعِيْنَ یا طائعات نہیں کہا ہے اسلئے کہ یہ دونوں جب کلام کر رہے تھے تو ذوی العقول کی طرح ہوئے اسی وجہ سے تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ

جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۚ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

"تو ان سات آسمانوں کو دو دنوں کے اندازے میں پورا کیا اور ہر آسمان میں اپنے حکم کی وحی بھیجی اور ہم نے آسمانی دنیا کو چراغوں کے ساتھ خوبصورت کیا ہے اور ہم نے اس کی حفاظت کی ہے یہ اس ذات کا اندازہ ہے جو غالب حکمت والی ہے[12] اگر انہوں نے اعراض کیا تو کہو میں تمہیں ثمودیوں اور عادیوں کے عذاب سے ڈرتا ہوں[13] جب ان کے پاس ان کے آگے اور پیچھے سے رسول آئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو ہم پر ملائکہ نازل فرماتا بے شک جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں[14]۔

تفسیر 12 اس میں بھی دلیل عقلی ہے جو چار الٰہی تصرفات پر مشتمل ہے پہلا فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ، هُنَّ کی ضمیر آسمانوں کی طرف راجع ہے اور وہ معنی جمع ہے فِيْ يَوْمَيْنِ یہ دونوں ان چار دنوں کے علاوہ ہیں تو سب چار دن بن گئے دوسرا تصرف وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا یہ ہے کہ ہر آسمان میں ملائکہ ہیں تو ان کے مناسب احکام بھیجے یا اَوْحٰى اَنْقَنَ کے معنی میں ہے آسمان میں اس کے مناسب انتظام چلایا تیسرا تصرف وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ اشارہ ہے کہ ستارے پہلے آسمان سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ آسمان سے نیچے ہیں لیکن اس سے آسمان کی زینت بنی ہے چوتھا وَحِفْظًا فعل محذوف کے لئے مفعول مطلق ہے یعنی وَحَفِظْنَاهَا حِفْظًا، ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ تقدیر سے مراد ہر چیز کو مناسب اندازے سے پیدا کرنا ہے۔

تفسیر 13 دلائل کے بعد اعرض کرنے والوں کے لئے تخویف دنیاوی ہے پہلی دو قوموں کو بطور نمونہ ذکر کیا جو کہ عاد اور ثمود ہیں فَاِنْ اَعْرَضُوْا یہ آیت 4 سے متعلق ہے۔ **سوال** اعراض تو اکثر لوگوں نے کیا ہے تو اس میں لفظ اِن کیوں ذکر کیا جو کہ شک پر دلالت کرتا ہے؟ **جواب** یہاں پر اعراض سے مراد اعراض پر دوام ہے یعنی اگر اعراض کرنے پر ہمیشگی کی اور توبہ نہیں کی اور عاد اور ثمود کے ذکر میں اشارہ ہے کہ کسی کی بدنی اور ہنری قوت اللہ کے عذاب کو نہیں ٹال سکتی ہے

صٰعِقَةً یعنی سخت عذاب جس سے چیخ پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کو بے ہوش کر دے یا فوت کر دے۔

تفسیر 14: یہ ان دونوں قوموں پر عذاب کے سبب کا ذکر ہے مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ یعنی ان سے پہلے بھیجے گئے رسول ان کے پاس آئے تھے جن کو طویل عمریں دی گئی تھیں وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اور ان قوموں کی ہلاکت کے بعد بھی انبیاء کرام علیہم السلام رہ گئے تھے اشارہ ہے کہ یہ انبیاء سے خالی نہیں رہے تھے یا عبارت میں تقدیر ہے فَاَنْذَرَهُمْ مِنْ اَیْدِیْهِمْ یعنی ان کو گزشتہ اور آنے والے عذاب سے ڈرانا اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ''معلوم ہوا کہ تمام انبیاء توحید فی العبادۃ کے مسئلہ پر متفق تھے قَالُوْا یہ ان کا انکار ذکر ہے۔ اور یہی عذاب کا سبب ہے اور ان کے انکار کی وجہ سے کہ ہم رسولوں کو بشر نہیں مانتے اگر ملائک رسول ہوتے تو ہم مان لیتے بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ اشارہ ہے کہ ان کا اصل انکار توحید کے مسئلے سے تھا جس کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا تھا۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ
أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٦﴾ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَ
كَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾

"تو جو عادی تھے انہوں نے زمین میں ناجائز طریقے سے تکبر کیا اور انہوں نے کہا کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ سخت ہو کیا وہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے جو ان سے قوت میں زیادہ سخت تھے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے[15] تو ہم نے ان پر تیز ہوا بھیجی منحوس دنوں میں تاکہ ہم ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی[16] اور جو ثمودی تھے ان کو ہم نے ہدایت دی انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی تو ان کو رسوائی کے عذاب نے آ پکڑا ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے[17] اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور اپنے آپ کو شرک سے بچایا[18] اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آگ کی طرف اکٹھا کیا جائیگا تو یہ لوگ گروہوں میں تقسیم کئے جائینگے[19]۔

تفسیر 15: مشترک عذاب کو ذکر کرنے کے بعد ہر قوم کے کفر اور عذاب کا الگ الگ طریقہ ذکر کیا ہے تو عادیوں کا مرض تکبّر تھا اور تکبّر کا سبب ان کے بدنوں کا بڑا ہونا تھا تو تکبّر سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ہود علیہ السلام کی بات کو کان لگا کر نہیں سنتے تھے اور کچھ پروا بھی اس کی نہیں کیا کرتے اَوَ لَمۡ یَرَوۡا یہ ان کے قول کا رد ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ انکا خالق ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی قوت ان سے زیادہ ہے تو یہ لوگ اپنی قوت سے اس کا عذاب کیسے ہٹا سکیں گے وَ کَانُوۡا یہ تکبّر پر عطف ہے بِاٰیٰتِنَا اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل اور اس کی توحید مراد ہے۔

تفسیر 16: یہ عادیوں کی چیخ کی تفسیر ہے صَرۡصَرًا بہت تیز اور بہت ٹھنڈا اور بہت آواز کرنے والا ہے یہ لفظ تمام معانی پر دلالت کرتا ہے تو اس سے ہوا میں یہ تینوں صفات موجود ہیں اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ ان دونوں کی گنتی سورۃ الحاقۃ آیت 7 میں ذکر ہے نَحِسَ سَعَدَ کے مقابل ہے۔ یعنی ان کے حق میں منحوس تھے یا پے درپے کا معنیٰ مراد ہے یا بہت سردی یا زیادہ

گرد وغبار والا ہے

لِنُذِيقَهُمْ یہ اَرْسَلْنَا کے ساتھ متعلق ہے عَذَابَ الْخِزْيِ جب انہوں نے تکبر کیا تو ان کو شرمندگی اور ذلیل کرنا مناسب تھا تو اس وجہ سے الْخِزْيِ اَخْزٰی کو عذاب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 17، 18: یہ عذاب کے دوسرے نمونے کا ذکر ہے فَهَدَيْنٰهُمْ یعنی رسولوں کے واسطے سے ان کو توحید اور ایمانیات ذکر کئے اور انہوں نے سن لیے لیکن فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى حاصل یہ ہے کہ عادیوں نے تکبر کی وجہ سے بالکل ہدایت کی طرف کان بھی نہیں لگایا اور ثمود نے کان ہی نہ دھرا لیکن گمراہی، کفر اور شرک ان کو خوبصورت نظر آئے اس وجہ سے اعراض کر لیا اس وجہ سے معلوم ہوا کہ کفر کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم ضدی عنادی لوگوں کی جو حق کو جانتے ہیں اس کو مانتے نہیں ہیں اور دوسری قسم وہ لوگ جن کو شرک اور کفر اچھا کام نظر آئے لیکن توحید کو مانتے نہیں ہیں اور یہ دونوں قسمیں اس وقت موجود ہیں صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ اضافت بیانیہ یا صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے الْهُوْنِ مصدر ہے اس کا مضاف محذوف ہے یعنی ذی الْهُوْنِ، وَ نَجَّيْنَا میں ایمان والوں کو بشارت ہے یعنی عادیوں اور ثمودیوں میں جو ایمان لائے تو انہوں نے نجات پائی یا صرف ثمودیوں کے ساتھ متعلق ہے اشارہ ہے کہ عادیوں میں ایمان والے بہت کم تھے اسی وجہ سے انکا ذکر نہیں ہوا۔

تفسیر 19: تخویف دنیاوی کے بعد تخویف اخروی ہے اَعْدَآءُ اللّٰهِ ہر مشرک اور کافر اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی مخالفت کرنے والا اس لفظ میں داخل ہے لیکن وہ لوگ جو قرآن سے اعراض کرتے ہیں اور قرآن نہیں سننا چاہتے ہیں اور باقی لوگوں کو بھی اس سے روکتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے دشمن ہیں اس سورۃ میں اس صفت والے لوگ ذکر ہوئے اس وجہ سے اس سورۃ میں خاص کر اَعْدَآءُ اللّٰهِ کی وصف ذکر کی ہے يُوْزَعُوْنَ یعنی اکٹھا کرنے کے بعد مختلف گروہوں میں تقسیم کیے جائینگے اور آگ میں داخل کر دیے جائینگے اس لئے کہ وَزْعٌ اصل میں تقسیم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

حَتّٰىٓ اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ
شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا
كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

" یہاں تک کہ جب آگ کے پاس آئینگے ان پر ان کے کان گواہی دینگے اوران کی آنکھیں اوران کے چمڑے جو وہ عمل کرتے تھے [20] اور وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہے وہ کہیں گے ہمیں اس ذات نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت دی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے [21] اور جو تم چھپایا کرتے تھے کہ تم پر نہ تمہارے کان نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے چمڑے گواہی دینگے لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سارے کاموں کو نہیں جانتا ہے [22] اور یہ تمہارا وہ گمان تھا جو تم نے اپنے رب پر کیا تھا تمہیں اس نے ہلاک کر دیا تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوئے [23] اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور اگر یہ (عذر و) معافی کے خواستگار ہوں تو بھی (معذور و) معاف نہیں رکھے جائیں گے [24]۔

تفسیر 20: جب سورۃ مومن میں ذکر ہوا کہ یہ مشرکین شرک کرنے سے انکار کرینگے تو اس سورۃ میں ان کے خلاف ان کے اپنے اعضاء کی شہادت کا بیان ہوا ہے ان تین اعضاء کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سننے کی قوت کانوں میں ہے دیکھنے کی قوت آنکھوں میں ہے اور سونگھنے، پینے اور چکھنے کی قوت یہ تمام چمڑے میں داخل ہے اور جب اس سورۃ میں یہ بات گزر گئی کہ اکثر لوگ کانوں سے قرآن نہیں سنتے ہیں اور دلائل عقلیہ کو ذکر کیا اشارہ ہے کہ یہ لوگ آنکھوں سے اس کائنات کو نہیں دیکھتے ہیں تو ان دونوں اعضاء کو شہادت کیلئے اس وجہ سے خاص کیا اور اس طرح شہادت سورۃ نور آیت 24 اور سورۃ یٰسٓ آیت 25 میں ذکر ہوئی ہے۔

تفسیر 21: اس میں چمڑوں کی تخصیص کی ہے اس وجہ سے کانوں اور آنکھوں سے خطاب نہیں ہوسکتا ہے اور باقی اعضاء سے خطاب ہوسکتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جلود تمام اعضاء کو شامل ہے وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یہ بھی چمڑوں کا کلام

ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری پہلی خلقت پر قادر ہے تو ہمیں بولنے کی طاقت دینے پر بھی قادر ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے پیدا کیا ہے تو تم اس کی نافرمانی کیوں کرتے ہو یا یہ جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے۔

تفسیر 22: یہ بھی تخویف میں داخل ہے اور یہ بھی انسانی اعضاء کی طرف منسوب ہے یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا دنیا میں زجر ہے لیکن کُنْتُمْ، اَنْتُمْ کے معنی میں ہے تَسْتَتِرُوْنَ اپنے آپ کو بچانے کے معنی میں ہے یا حیاء کرنے کے معنی میں ہے یا ڈرانے کے معنی میں ہے کَثِیْرًا اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو یہ لوگ چھپ کر کیا کرتے تھے تو انکا گمان یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان باتوں کا علم نہیں ہے بعض فلسفیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات پر عالم نہیں ہے اور یہ عقیدہ کفریہ ہے اور مشرکین میں بعض لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر عالم نہیں ہے اور بعضوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے جیسے ایک مشرک شاعر کا قول ہے وَمَهْمَا يُكْتَمُ اللهُ يَعْلَمْ: یعنی جو بھی چیز چھپائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

تفسیر 23: اگر وہ لوگ صبر کریں تو آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اہل علم نے کہا ہے کہ ظن کی دو قسمیں ہیں ایک حسن اور دوسرا فاسد ہے حسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رحم اور فضل والا سمجھتے ہیں اور استغفار مانگتے ہیں اور طاعت کرتے ہیں تو یہ ظن اس حدیث میں مراد ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث 7405: صحیح مسلم حدیث 2675: دوسری حدیث میں ہے کہ اس حال میں مرجائے کہ اللہ تعالیٰ پر اچھا گمان رکھتا ہو۔ اور فاسد ظن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب نہیں سمجھتے ہیں اطاعت بھی نہیں کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے گا اور قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ظن دو قسم کا ہے ایک منجی (نجات دینے والا) دوسرا مردی (ہلاکت کرنے والا) اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ سورۃ الحاقۃ آیت میں پہلی قسم مراد ہے اور يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ میں بھی ہے۔ اور دوسری اس آیت میں مذکور ہے اور اسی طرح يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ میں ہے۔ سورۃ آل عمران اور عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ لوگ جو ہمیشہ گناہ کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے گا یہاں تک کہ دنیا سے مفلس چلے جائینگے اور پھر یہ آیت پڑھی۔

تفسیر 24: یہ بھی تخویف ہے اور اِنْ يَّصْبِرُوْا کا مقابل حذف کیا گیا ہے یعنی اَوْلَمْ يَصْبِرُوْا یعنی چاہے صبر کریں یا نہ

کریں لیکن جہنم میں ضرور داخل ہونگے جیسے سورۃ طور آیت 16 میں ہے وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا یہ عُتبیٰ سے لیا گیا ہے رجوع کے معنیٰ میں ہے یعنی اگر یہ لوگ دنیا میں واپسی طلب کرتے ہیں تو یہ بات نہیں مانی جاسکتی ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے پہلا قول اس طرح ذکر کیا ہے کہ یہ دنیا میں مراد ہے یعنی اگر یہ لوگ دنیا میں آگ والوں کے عمل پر برقرار رہے تو آگ میں داخل ہونگے اور اگر کفر سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں تو ان کی اس طرح توبہ قبول نہیں ہوگی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

"اور ہم نے ان کے لئے ساتھی (شیطان) مضبوط مقرر کئے ہیں جو ان کے آگے پیچھے ہیں ان کے لئے اس کو خوبصورت کر کے دکھایا اور ان پر فیصلہ ثابت ہوا کہ ان جماعتوں میں داخل ہونگے جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں بے شک وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں [25] اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہیں سنو اور اسکے مقابلے میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ [26] تو ہم ضرور کافروں کو سخت عذاب چکھائیں گے اور ہم ان کو ان کے برے اعمال کی سزا دینگے جو یہ لوگ کیا کرتے تھے [27] یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا ہے جو کہ آگ ہے اس میں ہمیشگی کا گھر ہے ان اعمال کیوجہ سے بدلہ دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہماری آیتوں سے انکار کیا کرتے تھے [28]۔

تفسیر 25: آیت 25 سے آیت 44 تک دوسرا باب ہے اس میں اعراض کا سبب اور قرآن سے روکنے کا ذکر ہے اور پھر قرآن سے منع کرنے کا ذکر ہے اور یہ انکار دوسرا شبہ ہے اور اس کا جواب تخویف اخروی کے ذریعے دیا گیا ہے پھر استقامت پر بشارت ہے پھر دعوت کا طریقہ ذکر کیا ہے پھر دو عقلی دلائل پھر الحاد کرنے والوں کے لئے زجر ہے اور قرآن کی سچائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کا ذکر ہے اس آیت 25 میں ان کے کفر کا سبب کا ذکر ہے اور یہ اعراض اور قرآن سے روکنے کا سبب ہے اور یہی عذاب کا سبب ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اس میں دوسرے شبہ کی طرف اشارہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ ان کافروں اور مشرکوں کو اعمال خوبصورت دکھائی دیتے ہیں تو اسکے لئے شیطانی وسوسوں کے ذریعے سے دلائل پیش

کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں لولیاء کرام کی قدرت ہے جب بھی ہم ان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں تو قبروں سے آواز دیتے ہیں کبھی ہاتھ نکال کر ہم سے مصافحہ کرتے ہیں کبھی صحراء میں نظر آجاتے ہیں کہ میں تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں کبھی خواب میں آکر ہم سے مدد کرنے کے وعدے کرتے ہیں اور جب ہم ان کو پکارنا چھوڑ دیتے ہیں تو سوتے میں چار پائی ہم پر گرائی جاتی ہے اور ہمیں ڈراتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کی عبادت کرنا اور ان کو مدد کے لئے پکارنا جائز ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب شیطانی کام ہیں اور وہ شیطان اپنا نام ولی رکھتا ہے اور یہ کام شیطان اس وجہ سے کرتا ہے کہ ان لوگوں کو شرک کے کام خوبصورت کر کے دکھائے وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ, تَقْيِيضُ مسلط کرنے اور پیوست کرنے کو کہتے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں یعنی ان کے ساتھ شیاطین سوتے اور جاگتے وقت ہر وقت ان کے ساتھ لازم ہوتے ہیں اور ان سے الگ نہیں ہوتے ہیں فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اس میں ایک قول یہ ہے کہ پہلے سے مراد دنیا کی مال و دولت ہے اور دوسری سے مراد آخرت اور بعث بعد الموت ہے اور دوسرا اسکے برعکس ہے دنیا کو خوبصورت دکھانا یہ ہے کہ اس میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ دین اور آخرت سے غافل ہو جائے اور آخرت کا خوبصورت کرنا یہ ہے کہ اس سے ان کو منکر قرار دے تو مَا خَلْفَهُمْ کا فعل اصل میں مقدر ہے یعنی أَنْسَوْهُمْ (ان سے آخرت کو بھلا دیا ہے) اور تیسرا قول امام نیشاپوری نے ذکر کیا ہے کہ مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد اس زمانے کے مفسدین کے اعمال ہیں جو کہ شرکیات، کفریات اور خرافات ہیں اور ان کو اچھے اور خوبصورت کام نظر آتے ہیں الْقَوْلُ سے مراد عذاب کا فیصلہ ہے فِيٓ أُمَمٍ, فی مع کے معنی میں ہے یا حال ہے یعنی یہ لوگ ان گروہوں میں ہونگے۔

تفسیر 26: یہ زجر گزشتہ آیت کے مضمون کا نتیجہ ہے یعنی جب شیطانوں نے ان کے لئے شرک کے کام مزین (خوبصورت) کر دیئے اور قرآن کریم تو شرک کا واضح رد کرتا ہے تو اسی وجہ سے یہ لوگ قرآن سے لوگوں کو روکتے ہیں الَّذِينَ كَفَرُوا اس لفظ کے ذریعے سے صراحت اس وجہ سے کی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کے سننے سے روکنے والے کافر ہیں چاہے وہ جس دور میں بھی ہوں اس وجہ سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں وہ لوگ داخل ہیں جو قرآن کے سننے کے باوجود اپنے مسلک کے طریقے پر چلتے ہیں لِهَٰذَا الْقُرْآنِ اس اسم اشارہ میں مراد یہ ہے کہ قرآن کو اس طرح پڑھنا کہ توحید کے اثبات اور شرک کے رد پر مشتمل ہوں صرف قراءت کرنا مراد نہیں ہے وَالْغَوْا فِيهِ شور مچانا، عیب تلاش کرنا، اعتراضات کرنا اور ہنسی مذاق اڑانا سب کے لئے یہ لفظ مشترک ہے۔ قرآن کے مقابلے

میں باقی علوم میں مشغول ہونا اور اور اشعار اور نعتیں پڑھنا (گانے ڈرامے) سننا وغیرہ یہ سب اس لفظ میں داخل ہیں لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ معلوم ہوا کہ ان مخالفت کرنے والوں کا مقصد قرآن والوں کو قرآن کی تحریک اور قرآن کی تعلیمات کو کمزور کرنا ہے اگرچہ برائے نام مسلمان ہوں یا کافر ہوں لیکن انکا یہی مقصد ہوتا ہے۔

تفسیر 27: یہ ماقبل قول کے جواب پر پانچ طریقوں سے تخویف ہے اس آیت میں دو طریقے ہیں ایک دنیا اور آخرت میں سخت عذاب اور دوسرا حرف لام اور لَنَجْزِيَنَّهُمْ میں نون کے ساتھ تاکید دینے پر اور اسی طرح اس آیت میں قرآن کے منع کرنے والوں کے بارے میں دو احکام ہیں ایک یہ کہ یہ کام کفر کا ہے اور دوسرا یہ بہت برا عمل ہے شَدِيْدًا ایسا عذاب جو بدن کے تمام اعضاء کو ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔

تفسیر 28: اس آیت میں دو طریقوں سے تخویف ہے ایک یہ کہ ان کی سزا مکمل آگ ہے اس لئے کمال کے طور پر النَّارُ کو معرفہ ذکر کیا ہے دوسرا یہ کہ یہی آگ ان کے لئے دَارُ الْخُلْدِ ہے اور دو احکام ذکر کیے ایک یہ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے صریح دشمن ہیں دوسرا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں سے عناداً انکار کرنے والے ہیں ذٰلِكَ مبتدا کی خبر محذوف ہے۔ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ: سوال: آگ تو بذات خود دَارُ الْخُلْدِ ہے تو فِيْهَا کو کیوں ذکر کیا؟ جواب: لفظ فِيْ میں (انغماس) غوطہ لگانے کا معنی ہے یعنی ان کو ہر جانب سے آگ نے گھیرا ہوگا اور یہ لوگ اس میں غوطے لگائینگے تو یہ سخت عذاب کی طرف اشارہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ
الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ
أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا
تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾

"اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں وہ دو افراد دکھا دے جنہوں نے انسانوں میں سے اور جنوں میں سے ہمیں گمراہ کیا ہے تاکہ ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روندیں تاکہ وہ ذلیل لوگوں میں سے ہو جائیں[29] بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر (اس کہنے پر) استقامت اختیار کریں ان پر ملائک اتریں گے کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو اور اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے [30] ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے جو تمہارے نفس چاہتے ہیں اور تمہارے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی تم تمنا کرتے ہو[31] یہ مہمان نوازی ہے اس اللہ کی طرف سے جو بخشنے والا مہربان ہے[32]۔

تفسیر 29: اس آیت میں ایک طریقے سے تخویف ہے وہ اصل میں بڑے گمراہ قسم کے لوگوں کی تقلید پر افسوس کرتا ہے اور یہ گزشتہ آیت 25 کی طرف اشارہ ہے ان کے برے ساتھی دنیا میں بہت زیادہ تھے اور آخرت میں ان کو گمراہ قرار دینگے اَضَلّٰنَا بڑی گمراہی یہ تھی کہ قرآن سے روکا کرتے تھے اور یہ لوگ ان کی تقلید کرتے تھے نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا یعنی انہوں نے ہمیں دنیا میں اپنے حکم کے نیچے کر دیا تو اسکے بدلے میں ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالنا چاہتے تھے لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ یعنی انہوں نے ہمیں دنیا میں ذلیل کیا تھا اور یہ لوگ ہمارے کندھوں پر چڑھ کر بیٹھے تھے آج ہم چاہتے ہیں کہ وہ لوگ ہمارے نیچے ہو جائیں اور ذلیل ہو جائیں لیکن انکا یہ قول صرف بطور تمنا ہے اور ان کی تمنا پوری نہیں ہوگی۔

تفسیر 30: جب قرآن کے مخالفین کا ذکر ہوا تو اب خوشخبری کے طور پر قرآن والوں کا حال ذکر ہو رہا ہے قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ یہ قرآن کی تاثیر سے ان کا عقیدہ بنا ہے اس سے مراد مکمل ایمان اور توحید کا کمال ہے یعنی خالق اور مالک اور عبادت کا حقدار ہے اور پالنے والی ذات ہے چیزوں کو پیدا کرنا اور تمام حاجات کو پورا کرنے پر قادر ہے یہاں پھر رب ان تمام

صفات کے لئے مشترک ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اس سے مراد موت تک توحید اور ایمان پر مضبوط رہنا ہے اور اس پختگی کی تفسیر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی بھی قسم کا شرک نہیں کیا ہو اور عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ امر اور نہی پر مضبوطی سے قائم ہو اور گیدڑوں کی طرح ادھر اُدھر (منافقوں کی طرح) نہ دوڑے۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر عمل اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے کرتے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تمام فرائض کو ادا کرتا ہے یہ عام مفسرین کے بھی اقوال ہیں اور اس میں تابعین کے بھی مختلف اقوال ہیں لیکن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور قولاً اور عملاً موت تک اس پر مضبوط رہتے ہیں اور استقامت کا معنیٰ اور مرتبہ اور باقی تفصیل سورۃ الفاتحہ (لطائف القرآن) میں ہم نے ذکر کی ہے اور اَقَامُوْا نہیں کہا ہے بلکہ سین اور تاء کو درمیان میں لایا اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دین پر مضبوطی کی دعا طلب کرتے ہیں اور اس بشارت کو آٹھ طریقوں سے ذکر کیا ہے اس کو کرامات اولیا بھی کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ولی وہ ہوتا ہے جو تمام زندگی میں رَبُّنَا اللّٰہ پر قائم ہو۔ اور اس میں استقامت کی صفات بھی موجود ہوں۔ اس آیت میں چار طریقوں سے بشارت ذکر کی ہے پہلا ملک کا نزول اور تَتَنَزَّلُ کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر وقت ہمیشہ نزول فرماتے ہیں یہ مراد نہیں کہ صرف ایک دفعہ نزول فرمائیں ورنہ یہ نزول تو نیند میں بھی ہوسکتا ہے یعنی سچے خواب دیکھنے میں اور روح نکلنے کے وقت قبروں سے اٹھنے کے وقت اور میدان محشر میں بھی ہوگا یعنی انسان پر آنے والے مشکل ترین لمحات میں ملائک تسلّی واستقامت کیلئے نزول فرماتے رہیں گے۔ دوسرا ملک عدم حزن (بے غم ہونے) کی خوشخبری ہے تیسرا ملک یعنی اولاد یا گھر والوں یا اپنے رشتہ داروں کے پیچھے پریشان نہیں ہونگے اور دنیا کے پیچھے افسوس کرنا نہیں ہوگا۔ چوتھا ملک جنت کی بشارت ان وعدوں کے موافق ہے جو اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں جو کہ جنت میں بے شمار انعامات ہیں جنکا ذکر بہت ساری آیتوں میں ہے۔

تفسیر 31: اس آیت میں تین طریقوں سے بشارت ہے پہلا نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یہ قُرَنَآءَ الشَّيٰطِيْنِ کے مقابل ہے جس طرح دنیا میں شیاطین مشرکین کے ساتھی ہوتے ہیں اسی طرح دنیا میں ملائک ایمان والوں کے ساتھی ہوتے ہیں جو ان کو خیر کا الہام کرتے ہیں اور نماز کے لئے انہیں نیند سے بیدار کرتے ہیں اور باقی ضرر والے شیاطین کو ان سے دور رکھتے ہیں جیسے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (سورۃ رعد آیت 11) میں گزر چکا ہے وَفِي

الاٰخِرَۃِ شیاطین کے ساتھی تو آخرت میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائینگے اور ملائک آخرت میں بھی ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی ہونگے ایمان والوں کی شفاعت کرینگے اور ان کو سلام کرینگے دوسری بشارت وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیٓ اَنْفُسُکُمْ اشارہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو بچایا ہوگا تو آخرت میں اس کی آزادی ہوگی دوسرا حکم وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ. اِدِّعَآ عام ہے جو قول کے طلب یا دل کی تمنا کے ساتھ ہو اور یہ اشتہاء نفس سے بھی عام ہے یعنی منہ کی طلب دل کی تمنا اور نفس کی اشتھاء پر پابندی نہیں ہے۔

تفسیر 32: اس آیت میں ایک خوشخبری ہے نُزُلًا " کھانے پینے کی وہ چیزیں جو مہمان کے لئے تیار کی جاتی ہیں یعنی دنیا کی طرح نہیں ہوگا کہ مہمان کے لیے صرف تین دن تک تکلف ہوگا اور پھر عام کھانا کھلایا جائے گا بلکہ جنت میں ہر وقت اکرام اور عزت مہمان کی طرح ہوگا۔ نُزُلًا لفظ ما سے حال ہے یا اُعِدَّتْ مقدر مفعول بہ ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا
السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا
الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا
لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

"اور کون بات میں اس شخص سے اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور سنت کے مطابق عمل کرتا ہے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں کی جماعت سے ہوں [33] اور اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی ہے برائی کو اچھے طریقے سے دور کرو تو اس وقت آپ کے اور اس کے درمیان جس کے ساتھ دشمنی تھی گویا کہ مخلص دوست ہے [34] اور یہ خصلت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور یہ صرف بڑے حصے کے حقدار کو دی جاتی ہے [35] اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کے پناہ مانگیں بے شک وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے [36] اور توحید کے بعض دلائل میں سے رات اور دن ہیں سورج اور چاند ہیں سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو اس اللہ کو سجدہ خاص کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو [37]۔

تفسیر 33: اس آیت میں استقامت کی صفت کا بیان ہے جو دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بطور زجر ہے جو قرآن کے سننے سے لوگوں کو روکتے ہیں یعنی قرآن تو بہترین اور اعلیٰ دعوت دیتا ہے تو اس سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو اور ان آیتوں میں دعوت الی اللہ کا ذکر ہے اس آیت میں تین آداب ہیں۔ پہلا ادب دَعَآ اِلَی اللّٰهِ یعنی اس کا مقصد و منشور دعوت الی اللہ ہے اور اس سے توحید کی تمام اقسام کی طرف، دعوت، اور اللہ اور رسول کی اطاعت کی طرف دعوت اور سنت پر عمل کرنے طرف دعوت تمام حالات میں مراد ہے۔ دوسرا ادب وَ عَمِلَ صَالِحًا یہ ادب لوگوں کے دلوں میں دعوت کی تاثیر کے لئے ہے کہ دعوت دینے والا اس زجر میں داخل نہ ہو جائے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اور عمل صالح رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کی مکمل اتباع کرنے پر مشتمل ہے۔ تیسرا ادب وَ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یہ دعوت کرنے کے بعد ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ یہ قول ضرورت کے وقت ہے مثلاً لوگ پوچھ لیں کہ جناب آپ کون سے گروہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو جواب دے میں مسلم ہوں یا اسلام سے مراد اخلاص ہے یعنی اگر یہ لوگ گمان کریں کہ اس کی اس دعوت میں دنیا کے مال وجاہ وغیرہ کا مقصد ہوگا تو اخلاص کے اظہار کے طور پر جواب دے گا۔

تفسیر 34: اس آیت میں دو آداب کا ذکر کیا جارہا ہے وَ لَا تَسْتَوِی یعنی داعی کے لئے ضروری ہے کہ حَسَنَةٌ اور سَیِّئَةٌ کا فرق مکمل طور پر پہچان لے تاکہ حسنة کا حکم دے اور سیئة سے منع کرے اور حسنة توحید اور سنت دونوں کو کہا جاتا ہے اور سَیِّئَة شرک، بدعات اور فسق و فجور کو کہا جاتا ہے یا حَسَنَةٌ سے مراد اچھے اخلاق ہیں اور سَیِّئَةٌ سے مراد برے اخلاق ہیں اور لفظ لا کو سَیِّئَةٌ اور حَسَنَةٌ کے درمیان فرق کرنے کے لئے تاکید کے لئے تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسے سورۃ فاطر وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ میں گزر چکا ہے یا اس وجہ سے کہ حسنات کے درمیان بھی تفاوت ہے اور سیات کے درمیان بھی تفاوت ہے۔ دوسرا ادب: ماقبل جملے کی تشریح ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ تو حسنة کے بیان کرنے کے ذریعے سے جو کہ توحید اور سنت ہے اسکے ذریعے سے شرک اور گناہوں کو دور کرو اشارہ ہے کہ ہر مسئلے کا مقابلہ مسئلے کے ذریعے سے کرو گالی اور جھگڑے وغیرہ سے مقابلہ نہ کرنا۔ یا مراد یہ ہے کہ صبر حلم عفو اور کرم وغیرہ کے ساتھ مخالفین کے تعصب اور گالی اور ظلم وغیرہ کا دفاع کرو اور امام قرطبی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے کو گالی دے تو وہ دوسرا شخص اس سے کہے کہ اگر آپ نے میرے بارے

میں سچ کہا ہو تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور اگر آپ نے جھوٹ بولا ہو تو اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ یہ ان دو فائدوں کا بیان ہے اس دعوت کا طریقہ اور اس کا پھل اور نتیجہ ذکر ہے وَلِیٌّ یعنی قریب ہو جائیگا۔ حَمِیْمٌ مخلص بن جائیگا۔ سوال: ان آداب کے تو تمام انبیاء علیہم السلام اچھے طریقے سے پابند تھے پھر خاص طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان آداب پر مکمل عمل پیرا تھے اور حالانکہ آپ کے بعض دشمن جیسے ابو جہل اور ابولہب وغیرہ وہ تو ان کے دوست نہ بن سکے؟ جواب: اس آیت میں دشمن سے مراد جہالت کیوجہ سے ہے عناد کی وجہ سے نہیں ہے عَدَاوَةٌ خاص نوع تنکیر ہے سورۃ عنکبوت آیت 46 کے قرینے سے کہ جس میں اچھے انداز سے بحث نہ کرنے کو مستثنیٰ کیا ہے اور جب اہل کتاب باقی عوام کی بہ نسبت ضدی اور عنادی زیادہ تھے تو سورۃ عنکبوت میں استثناء کے ذریعے سے صراحت کی اور اس سورۃ میں استثنیٰ ذکر نہیں کیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر 35: اس آیت میں اس صفت کی عظمت شان کا ذکر ہے یعنی احسن طریقے سے دفاع کرنا صابر اور جنتیوں کی عادت ہے ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ اس سے جنت مراد ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے اللہ کے نزدیک بڑے حصے والے ہیں اور جاہل لوگ حصہ دار اور ولی ان کو کہتے ہیں جو پاگل اور دیوانے ہوتے ہیں اور یہ بہت برا عقیدہ ہے۔

تفسیر 36: اس آیت میں داعی کے لئے دوسرا ادب ذکر ہے۔ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ یعنی جب مخالفین آپ کو برا بھلا کہیں تو شیطان چاہے انسی ہو یا جنی ہو آپ کو وسوسہ ڈالتا ہے کہ آپ بھی گالی دیں اور آپ کو جھگڑے کی طرف آمادہ کرتا ہے نَزْغٌ کا فاعل بھی تاکید کے لئے نزوع قرار دیا ہے یا نَزْغٌ نَازِغٌ کے معنی میں ہے اور مِنَ الشَّیْطٰنِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ استعاذہ باللہ کا قرآن میں دو حالتوں میں حکم ہے پہلا قرآن کی قراءت کے شروع کرتے وقت جیسے سورۃ نحل آیت 98 اور دوسرا غضب اور غصے کے وقت جیسے سورۃ اعراف آیت 200 میں ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ معرفہ اور ضمیر فصل ذکر کی ہے وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں منکرین کی بہت ضد اور عناد ذکر ہوا تو اسکے ختم کرنے کے لئے بہت تاکیدی الفاظ کی ضرورت تھی جبکہ سورۃ اعراف میں اتنی شدت کی ضد و مخالفت منکرین کی نہیں تھی وہاں تاکید کی ضرورت نہیں تھی۔

تفسیر 37: اس آیت میں توحید پر دلیل عقلی کا ذکر ہے اور اشارہ ہے کہ اگر داعی غصہ ہو جائے تو اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد

دلائل پیش کرے۔ وَ مِنۡ اٰیٰتِهِ اس میں اشارہ ہے کہ توحید کے دلائل بے شمار ہیں الَّیۡلُ وَ النَّهَارُ یہ مسبب ہے اور لِلشَّمۡسِ وَ لَا لِلۡقَمَرِ اسباب ہیں یعنی اسباب اور مسببات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے لَا تَسۡجُدُوۡا ان مشرکین کا رد ہے کہ جو سورج اور چاند کی عبادت کرتے ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کا قوم تھا اسی طرح بلقیس اور اس کی قوم اور حدیث میں ہے کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے وقت سورج کی عبادت کرنے والے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق حدیث 3272: صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 832: اور یہ وہ لوگ ہیں جو روشنی کی عبادت کرتے ہیں یہ درحقیقت مجوسیوں کا ایک گروہ ہے۔ الَّذِیۡ خَلَقَهُنَّ اس میں ضمیر الَّیۡلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ کی طرف یا صرف شمس اور قمر کی طرف راجع ہے۔ سوال: جب ماقبل کے مرجع میں مونث ایک ہے جو کہ قسمیں ہیں اور تین مذکر ہیں تو ہونا تو یہ چاہئے کہ مذکر کو مونث پر فوقیت دیتا؟ جواب: تانیث میں ان کے ضعف اور کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ اکثر مشرکین چاند کی بہ نسبت سورج کی عبادت زیادہ کرتے ہیں چاند کی عبادت کرنے والے کم ہیں تو اس وجہ سے مونث کی ضمیر ذکر کی ہے اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ یعنی مشرکین بھی دعوے کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو اشارہ ہے کہ شریعت میں عبادت توحید کا نام ہے لہٰذا توحید پر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے اگر واقعی تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو غیر اللہ کی طرف سجدے نہ کرنا اور اس آیت میں اشارہ ہے کہ مشرکین بہت بے عقل ہیں اسلئے کہ جو توحید کے دلائل ہیں انہوں نے ان کو معبود بنایا ہے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى
الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ
لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

"پس اگر انہوں نے تکبر کرلیا تو جو لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ دن اور رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ لوگ تھکتے نہیں ہیں[38] اور بعض توحید کے دلائل میں سے یہ ہیں کہ آپ زمین کو بنجر پائیں گے تو جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تازہ ہو جاتی ہے اور اُگاتی ہے بے شک جس اللہ نے اسکو تازہ کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے[39] بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے ہیں کیا جو جہنم میں گرائے جاتے ہیں وہ بہتر ہیں؟ یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئینگے جو تم چاہو عمل کرو بے شک وہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے[40] بے شک جنہوں نے قرآن کا انکار کیا جب ان کے پاس آیا (یہ لوگ ہلاک ہو جائینگے) اور بے شک یہ عزت والی کتاب ہے[41] اس کے آگے پیچھے سے باطل نہیں آسکتا ہے یہ تو اس اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو حکمت والی تعریف کیا گیا ہے[42]۔

تفسیر38: اس آیت میں تکبر کی وجہ سے سجدہ چھوڑنے پر وعید ہے ابلیس کی طرح بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ اس سے مراد دوام ہے وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ اشارہ ہے کہ تسبیح پڑھنا ملائکہ کے لئے حکم قرار دیا گیا ہے جیسے انسان سانس لیتا ہے اور اس پر تھکتا نہیں ہے معلوم ہوا کہ تسبیح کے ساتھ ملائکہ باقی کام بھی اللہ کے امر کے ساتھ کر سکتے ہیں تسبیح بیان کرنے سے ان کو باقی کاموں سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

تفسیر39: یہ دوسری دلیل عقلی ہے اور اشارہ ہے کہ بارش کے ذریعے سے زمین میں انقلاب پیدا ہوتا ہے اسی طرح قرآن کے بیان کرنے سے لوگوں میں انقلاب پیدا ہوتا ہے خَاشِعَةً خشک اور بنجر اور گرد وغبار والی زمین جس میں پودے نہ ہوں اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ پودے نکلنے سے پہلے یہ حال ہوتا ہے یعنی زمین پودے نکلنے کے وقت حرکت میں آجاتی ہے یعنی پانی نکلنے

کی وہ جگہ کشادہ ہو جاتی ہے اور یہ زمین ابھر جاتی ہے یعنی نرم ہو جاتی ہے لیکن عبارت میں تقدیم اور تاخیر اس معنی پر بناء ہے یا یہ پودے کے نکلنے کے بعد پودوں کی صفات ہیں زمین کی طرف نسبت مجازی ہے یعنی پودے کی جڑ نکلنے کے وقت ہل جاتی ہے اور پھر اوپر کی طرف اٹھ جاتی ہے اور اس طرح سورۃ حج آیت 5 میں گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاهَا یہ اس حال سے دوبارہ زندگی ثابت کرنے کی دلیل ہے اور اسی طرح یہ قیامت کا تذکرہ ہے یعنی انسان جب اپنی زمین کی فصل دیکھ لے تو ایسا نہ ہو کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے بعث بعد الموت کو بھلا دے۔

تفسیر آیت: 40 یہ لَا تَسۡمَعُوۡا کے ساتھ متعلق ہے یعنی آیتوں میں الحاد ایسے انداز سے کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس کے سننے سے منع کرتے ہیں اور باطل تاویلات تحریف اور مقابلے کرتے ہیں تو ان کے لئے تین طریقوں سے زجر اور تخویف ہے پہلا طریقہ لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ عالم ہے اور ان کی ہلاکت پر قادر ہے دوسرا طریقہ اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ یعنی الحاد کرنے والے جہنم کی آگ میں اوندھے منہ گرائے جائینگے اور ایمان والے جہنم سے امن میں ہونگے تو کیا یہ دونوں گروہ ایک جیسے ہو گئے لہٰذا یہ استفہام انکاری ہے اور خیر کی نفی اس وجہ سے ہے کہ قرآن میں الحاد کرنے والے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں تیسرا طریقہ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ اس آیت میں نسبت کا اثبات اور انسانوں کے ارادوں کا ذکر ہے چاہے ارادے اچھے ہوں یا برے۔

تفسیر آیت 41، 42: یہ بھی ملحدین قرآن کیلئے زجر ہے اس میں قرآن کی سچائی چار صفات کے ذریعے بیان ہوئی ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اس کی خبر ان کے برے حال کی تعمیم کے لئے پوشیدہ ہے یعنی یہ لوگ تباہ ہیں ان کو عذاب دیا جائے گا یہ لوگ بے عقل ہیں جو جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائینگے وغیرہ عَزِیۡزٌ اس کے بہت سارے معانی آئیں اور سب یہاں مراد ہیں اللہ کے نزدیک عزت والی ہے ہر کتاب پر غالب ہے بے مثال ہے مقابلے کے اعتبار سے مشکل ہے یعنی کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے لَّا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ باطل سے مراد تغیر، تبدیلی یا تکذیب ہے یا شیطان ہے مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِهٖ دو اطراف کا ذکر کیا یعنی کسی بھی طرف سے اس میں باطل معانی سے نہیں آ سکتا ہے یا اس سے مراد گزرے ہوئے واقعات اور آنے والے حالات ہیں اور باطل سے مراد تکذیب ہے یا اس سے مراد پہلی نازل کردہ کتابیں ہیں اور بعد میں کتاب کا نازل ہونا ہے یعنی گزشتہ کتابوں میں اس قرآن کی تکذیب نہیں ہے اور اس کے بعد بھی منسوخ ہونے کا حکم نہیں آ سکتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ آخری کتاب ہے کیونکہ آخری نبی پر اس کا نزول ہوا ہے۔ سوال: پہلے معنی پر یہ سوال

آتا ہے کہ بہت سارے باطل پرستوں نے قرآن کی تکذیب کی ہے اور اس میں تحریف کی کوشش کی ہے اور اس میں تحریف کی ہے؟ جواب: مراد یہ ہے کہ اس میں تکذیب اور تحریف نہیں چلے گی یعنی اگر کوئی کرے بھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا مقابلے میں ایسے اہل علم کو پیدا کیا ہے جو ان کا رد کرتے ہیں جیسے حدیث میں ہے: مستدرک حاکم حدیث 3375: اس کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے امام ذہبی نے اس کی تائید کی اور امام البانی نے بھی سلسلۃ الصحیحۃ میں تصحیح کی ہے 599:

يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ: یعنی باطل پرست جاہل حیلہ بازی کرنے اور حد سے تجاوز کرنے والے مولویوں کے تاویلات کے تردید کرتے رہیں گے۔

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ
قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَ
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى ع
الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ
عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

"آپ کو نہیں کہا جائے گا مگر وہی باتیں جو آپ سے پہلے انبیاء کو کہی گئی تھیں بے شک آپ کا رب مغفرت والا ہے اور دردناک عذاب دینے والا ہے [43] اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کیا یتیں الگ الگ کیوں بیان نہیں ہوئی ہیں اور کیا کتاب عجمی ہے اور نبی عربی ہے آپ کہہ دیجئے یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور ان پر اندھا پن ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو دور سے پکارا جائیگا [44] اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کیا جاتا اور بے شک یہ لوگ اس سے پختہ شک میں ہیں [45] جس نے نیک عمل کیا تو اپنے فائدے کے لئے اور جس نے برا عمل کیا تو ضرر اسی پر ہوگا اور آپ کا رب بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے [45] جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کیلئے اور جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے اور آپکا رب بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں [46]

تفسیر 43: ملحدین کے ذکر کرنے کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے اور آیت کی دو تفسیریں ہیں پہلی یہ کہ قَدْ قِيْلَ

لِلرُّسُلِ سے مراد ساحر، کذاب مجنون وغیرہ کی نسبت کرنا اور طعن وتشنیع کرنا دوسری یہ کہ توحید کی وہ وحی مراد ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجی گئی ہے تو پہلے معنی میں ماقِیْلَ لوگوں کی طرف سے تھے اور دوسرے معنی میں قِیْلَ اللہ کی طرف سے ہے اِنَّ رَبَّکَ مستقل کلام ہے ایمان والوں کو تسلی ہے اور بشارت ہے اور منکرین کیلئے زجر ہے یا یہ ماقبل قیل کے لئے تفسیر ہے یعنی تمام رسولوں کی بشارت اور انذار وحی ہے۔

تفسیر 44: یہاں سے آخر تک تیسرا باب ہے اس میں تیسرے شبہ کا جواب ہے پھر عذاب کا سبب ذکر کیا ہے جو کہ کتاب میں ان کا اختلاف ہے پھر تخویف اخروی کے ساتھ دلیل عقلی ہے پھر چار زواجر ہیں اور آخر میں آٹھویں دلیل عقلی ہے۔ اس آیت 44 میں مشرکین کے شبے کا بیان ہے جب قرآن کریم اور رسول کی سچائی ذکر ہوئی تو منکرین نے دوسرا اعتراض کیا کہ اس قرآن کو عجمی زبان میں کیوں نہیں اتارا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن آپ نے اپنے پاس سے بنایا ہے تو جواب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اب تو تم ایک اعتراض کرتے ہو اور اگر عجمی زبان میں اس کا نزول ہوتا تو پھر تم دو اعتراض کرتے ایک یہ کہ لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ اسلئے کہ جو تفسیر اور بلاغت عربی لغت میں ہے اس طرح کسی اور لغت میں نہیں ہے دوسرا یہ کہ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ کیا کتاب عجمی اور رسول عربی ہے اور عجمی اور عربی میں فرق یہ ہے کہ اعجمی وہ ہے کہ جو خوب وضاحت بھی نہیں کرسکتا ہو چاہے عرب ہو یا غیر عرب ہو اور عجمی وہ ہے کہ جو عربی نسب سے نہ ہو اگر چہ وہ بھی عرب کی طرح فصیح اور بلیغ ہوتا ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ قرآن کے فوائد کا بیان ہے لیکن شرط کے ساتھ جو کہ انابت ہے یعنی ایمان لانا لازم ہے اور جب وہ شرط نہ ہو جو لَا یُؤْمِنُوْنَ سے مراد ہے تو پھر ان کے لئے نقصان ہے عَمًی یہ مصدر ہے اور اس کا مضاف پوشیدہ ہے یعنی ذوعَمًی۔ اُولٰٓىٕكَ یُنَادَوْنَ یہ ان کی دوسری مثال کی طرف اشارہ ہے یعنی جب یہ لوگ قرآن نہیں سنتے ہیں تو ان کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو بہت دور ہوتا ہے اور کوئی اسے پکارے تو یہ سنتا ہے اور نہ ہی سمجھتا ہے تو عبارت میں تقدیری عبارت ہے اُولٰٓىٕكَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنَادَوْنَ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ قیامت میں ہوگا کہ ان کو شرمندہ کرنے کے لئے ان کو دور سے برے ناموں سے پکارا جائیگا تو پھر تقدیری عبارت کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر 45: یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے جیسے آپ کی کتاب قرآن میں ان لوگوں کا اختلاف ہے تو اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں اختلاف کیا گیا ہے وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ جب قرآن حق ہے اور یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ان پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ ان کے عذاب کو اللہ تعالیٰ نے حکم تقدیری کے

ذریعے سے مؤخر کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ضمیر تقدیر اور قضا کی طرف راجع ہے یا قرآن کی طرف راجع ہے۔

تفسیر 46: یہ نسبت کا صیغہ ہے جیسے عداد قصاب اس میں ذو پوشیدہ ہے یعنی ذُوْ ظُلْمٍ یہ صیغہ مبالغے کا نہیں ہے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ
وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾

"اللہ کی طرف قیامت کا علم لوٹایا جاتا ہے اور کوئی بھی پھل اس کے خوشوں سے نہیں نکلتا ہے اور نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے علم کے ذریعے اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں جو تمہارے گمان میں تھے وہ کہیں گے ہم نے تجھے خبر دی کہ ہم میں سے کوئی (شریک پر) گواہی دینے والا نہیں ہے[47] اور ان سے وہ معبود کھو جائینگے کہ جن کو یہ لوگ اس سے پہلے پکارتے تھے اور یہ لوگ گمان کریں گے کہ انکے لئے بھاگنے کی جگہ نہیں ہے[48] بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو ناامیدی کرنے والا اور ماتھے پر بل چڑھانے والا ہوتا ہے[49]۔

تفسیر 47: یہ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کیلئے تین مثالوں کے ذریعے دلیل ہے ایک قیامت کے علم کا ذکر دوسرا پھلوں کے پیدا ہونے کا علم تیسرا عورتوں کے حمل کا علم اور علم قدرت کو مستلزم ہے لہٰذا یہ مشرکین کا رد ہے کہ تمہارے شرکاء ان میں سے ایک چیز کا علم بھی نہیں رکھتے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کیوں ٹھہراتے ہو اور اس آیت کا ماقبل سے مناسبت وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ کے لئے بطور علت ہے یعنی ظلم تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کا علم اور قدرت ناقص ہو اور اللہ تعالیٰ ہر غیب پر عالم اور قادر ہے اِلَيْهِ یہ حصر کے لئے پہلے ذکر کیا ہے يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی قیامت کے بارے میں جس سے بھی پوچھا جائے چاہے وہ نبی ہو یا جبرائیل ہو اور چاہے وہ ولی ہو لیکن وہ یہی جواب دے گا کہ واللہ اعلم تو اس کا علم اللہ کی طرف لوٹا دیتے ہیں کیونکہ خود اس کا علم نہیں رکھتے ہیں اَكْمَامِهَا، كُمٌّ کی جمع ہے یعنی شگوفے اور پھلوں کے چھلکے جب کھول دیے جاتے ہیں تو اس میں سے پھل باہر ظاہر ہو جاتا ہے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ یہ اس دلیل کا نتیجہ ہے کہ قیامت

میں مشرکین کو معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے یہ شرکاء نفع اور ضرر پر قادر اور عالم الغیب نہیں تھے تو اس وجہ سے ان سے انکار کر لینگے شُرَكَآءِيْ یعنی تمہارے وہم میں شریک تھے اٰذَنّٰكَ ماضی کو تاکید کے لئے ذکر کیا ہے اس سے مراد اب خبر دینا ہے۔ شَهِيْدٍ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک کے وجود پر دلالت کرنے والا۔

تفسیر 48: یہ شرک سے انکار کے لئے ایک علت ہے یعنی ان کے معبودان سے غائب ہو جائینگے یعنی ان کی مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتے ہیں اگر بزرگ ہوں تو جنت میں داخل ہونگے اور اگر برے لوگ ہوں تو تب بھی اپنے معبودوں سے الگ ہو جائینگے اور دوسری علت یہ ہے کہ ان کے لئے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا تو مجبوراً شرکاء سے انکار کرینگے مَا لَهُمْ ما حرف نفی ہے فعل ظَنُّوْا کو عمل سے روکنے والا ہے۔

تفسیر 49: یہ پہلی زجر ہے یعنی جیسے قیامت میں ان مشرکین کا حال بدل جائیگا تو اسی طرح دنیا میں بھی ان کا حال مختلف رہا۔ یعنی انسان خیر کو مانگنے میں اضافہ چاہتا ہے اور اس سے تھکتا نہیں ہے اور نہ سیراب ہوتا ہے مال، اولاد اور دنیا کے مرتبے چاہتا ہے اور تکلیف کے حال میں یعنی اگر ایک دعاء خیر اور دنیا کی تمنا پوری نہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے ناامیدی کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مخالفت اور دشمنی شروع کرتا ہے۔ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ: ان دونوں کا فرق یہ ہے کہ فَيَـُٔوْسٌ دل سے تعلق رکھتا ہے اور قَنُوْطٌ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اور پہلا حال کافر کا ہے جیسے سورۃ یوسف آیت 87 میں ہے اور دوسرا حال گمراہ کا ہے جیسے سورۃ حجر آیت 56 میں ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ
اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ
اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

"اور اگر ہم اس کو اپنی طرف سے تکلیف کے بعد کوئی رحمت چکھا دیں جو اس کو پہنچ جاتی ہے تو ضرور کہے گا کہ یہ میرا حق ہے اور میرا گمان نہیں ہے کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے تو میرے لئے اس کے پاس ضرور خوشی ہوگی تو ہم کافروں کو ضرور ان کے اعمال کے بارے میں خبر دینگے اور ضرور ان کو سخت عذاب چکھائیں گے [50] اور جب ہم انسان پر کوئی نعمت کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی کروٹ کو دور کر لیتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے [51]۔

تفسیر 50: یہ تین طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بے قدری کرنے پر زجر ہے پہلا یہ کہ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ یعنی یہ اللہ تعالیٰ پر میرا حق ہے میرے علم اور عمل کے سبب سے میرا حق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے یا مراد یہ ہے کہ میں نے غیر اللہ کی بہت منتیں مانی ہیں اور ان کی قبروں کی خدمتیں کی ہیں تو اس کی وجہ سے مجھ سے اس تکلیف کا ہٹانا میرا حق ہے دوسرا وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً تیسرا وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ یعنی پہلا تو قیامت سے انکار کرنا ہے اور پھر کہتا ہے کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ مجھے دنیا میں میرے حق کی وجہ سے انعامات دیئے گئے ہیں تو اسی طرح آخرت میں میرا حق بھی مجھے جنت اور خوشی دے گا یا دو جملوں کے ذریعے سے ان کی تخویف ذکر کی ہے پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے شرکیہ اعمال کی حقیقت پر انہیں خبردار کروں گا کہ یہ لوگ برباد ہیں اور دوسرے جملے میں ان کے برے اقوال اور اعمال میں سخت سزا ہوگی۔

تفسیر 51: اس آیت میں ان کے اقوال کو ذکر کرنے کے بعد انسان کے مختلف کاموں پر تیسری زجر ہے اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ یعنی حق کے ماننے سے اعراض کرتے ہیں اور تکبر کی وجہ سے اس سے دور پھرتے ہیں یا اس وجہ سے کہ حق پرستوں کے ساتھ بدنام نہ ہو جائیں۔ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ جب عرض (چوڑائی) کو ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی زیادہ ہوگی اسلئے کہ جس چیز کا عرض ہوتا ہے تو لمبائی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور اس سے مراد کثیر ہے عَرِيْضٍ میں اشارہ ہے کہ صرف اس ایک حاجت کا بار بار ذکر کرتے ہیں باقی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے کو طول کہا جاتا ہے اور اس

کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرک انسان فراخی اور انعامات کے وقت اپنے رب کو نہیں جانتا ہے اور مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور یہ مضمون سورۃ یونس، سورۃ نحل، سورۃ اسراء، سورۃ عنکبوت اور سورۃ لقمان میں بھی گزر چکا ہے۔ آیت 49 میں ایک قسم کے انسان کا ذکر تھا جو کہ مرتد تھا اور یہاں دوسرے قسم کا ذکر ہے جو کہ عام مشرک ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٥٣﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿٥٤﴾

"آپ کہہ دیجئے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کے ساتھ کفر کرو تو اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہے جو دور کی دشمنی میں ہو [52] عنقریب ہم ان کو اپنے دلائل دنیا کے کنارے میں ظاہر کرینگے اور ان کے نفسوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ حق ہے کیا آپ کا رب (اس صفت کے ساتھ) کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے [53] خبردار بے شک یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہونگے خبردار بے شک وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے [54]۔

تفسیر 52: یہ قرآن کے انکار کے ذریعے چوتھی زجر ہے اِنْ كَانَ یہ اِذَا کے معنی میں ہے لیکن اِنْ کو ارخاء عنان کے لئے ذکر کیا ہے یعنی دعوت اور مناظرے کے وقت مخاطب کو سوچنے کا موقعہ دے مَنْ اَضَلُّ یہ ان شرطیہ کے جزا کے مقام میں ہے لیکن جزا حقیقت میں پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اَلَسْتُمْ اَضَلَّ النَّاسِ، فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ قرآن سے انکار کرنا باوجود اس کے کہ ان کو علم بھی ہو کہ یہ حق ہے اس کو شقاق کہتے ہیں۔

تفسیر 53: زواجر کے بعد حق کی طرف ترغیب ہے اور آیات سے مراد دلائل عقلیہ ہیں اور اس کی دو اقسام ہیں ایک افاقی دلائل ہے اور دوسری انفسی ہے یا تخویف ہے اور آیات سے مراد گزشتہ قوموں کے واقعات ہیں زمین کے مختلف اطراف میں موجود ہے اور فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ سے مراد بدنی تکالیف اور بیماریاں ہیں اَنَّهُ کی ضمیر قرآن یا توحید یا رسول کی طرف راجع ہے۔ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ یہ دلیل وحی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی حق پر کافی ہے اگر یہ لوگ جانتے تو باقی دلائل کی طرف ضرورت نہیں تھی اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ یہ بِرَبِّكَ سے بدل ہے یعنی رب کی شہادت توحید اور رسول کی صداقت اور قرآن کی صداقت کے لئے شہادت کافی ہے جیسے كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا یا لام تعلیلیہ مقدر ہے یعنی تیرا رب معبودیت حاجت روائی مشکل کشائی کے لئے کافی ہے اسلئے کہ وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے اور غیب دان بھی ہے

اور یہ سورۃ کے آخری دلیلِ عقلی ہے

تفسیر 54: حق ثابت کرنے کے بعد دلائل کے ذریعے منکرین کے لئے زجر ہے اور لفظ "اَلَآ" کے ساتھ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ ان منکرین کا شک کرنا ظاہر ہے اور اسی طرح ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا احاطہ ظاہر ہے اور محیط میں منکرین کے لئے زجر اور عذاب کی طرف اشارہ ہے اور احاطہ سے مراد قدرت اور علم کا احاطہ بھی ہے۔

سورۃ حم سجدہ کی خصوصیات:

۱۔ قرآن سے اعراض اور عدم سماع پر منکرین کو وعید اور ان کی بے دینی۔ نیز قرآن کے خلاف شور و شغب کا ذکر ہے۔

۲۔ عادیوں اور ثمودیوں کے انکارِ حق کے طریقے میں فرق۔

۳۔ قیامت کے دن اعضاء کی شہادت کا تذکرہ۔

۴۔ زمین و آسمان کی (6) چھ دنوں میں تخلیق۔

۵۔ استقامت کرنے پر خوشخبری۔

۶۔ دعوت دینے کے مختلف طریقوں کا ذکر۔

۷۔ مختلف قسم کے انکار کرنے والوں کو کثرت سے وعیدیں دی گئی ہیں۔

اللہ کی توفیق سے سورۃ حم السجدہ کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتھا ۵۳ ۴۲ سورۃ الشوریٰ مکیۃ ۶۲ رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سورۃ شوریٰ کا دوسرا نام سورۃ حٰم عسق

ربط: اس سورۃ کا ماقبل سے ربط کئی وجوہ سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورۃ میں قرآن کریم کی نو صفات ذکر ہوئی تھیں تو اس سورۃ میں قرآن والوں کی نو 9 صفات ذکر ہورہی ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کیلئے زجر تھی تو اس سورۃ میں قرآن کریم پر فیصلے کرنے کے لئے دعوت ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں دعوت الی اللہ کی طرف ترغیب تھی تو اس سورۃ میں دعوت دینے والے کی دس ذمہ داریوں کا ذکر ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں شرک کی تین قسموں کا رد کیا گیا تو اس سورۃ میں رد شرک فِی الْوِلَایَۃِ وَالتَّصَرُّفِ ہے۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون رد شرک فی الولایۃ ہے ولایت کے دو معانی ہیں (۱) کائنات میں اختیارات وتصرفات (۲) شریعت سازی کے اختیارات نیز یہ دعویٰ لفظ ولایت اور اس کے مترادف کے ذریعے نفیاً اور اثباتاً ان آیاتوں میں ذکر کیا گیا ہے 46،44،31،9،8،6 ان آیتوں میں نفیاً ذکر ہے اور لفظ حکم وتشریع اور مترادف لفظوں میں اثباتاً ذکر ہے 3,8,10,13,17,47,51,52 اور نفیاً آیت 35,21,16,14 میں ذکر ہے اس سورۃ میں مخالفین کے تین شبہات کا ازالہ بھی ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں تین ابواب ہیں پہلا باب آیت 15 تک ہے اس میں پہلے شبہے کا جواب وحی کے ختم کے تاکید کے ذریعے اور اللہ تعالیٰ کیلئے ولایت ثابت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ عالم میں امن صرف توحید الٰہی میں مضمر ہے پھر غیر اللہ سے ولایت کی نفی کی ہے اور قرآن کی طرف ترغیب دی ہے اور غیر اللہ کی ولایت کی نفی کی ہے پھر دوسرے شبہ کا ازالہ ہے پھر ولایت الٰہی ثابت کرنے کیلئے دو عقلی دلائل ذکر کیے ہیں اور شریعت اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کی ہے اور پھر تیسرے شبہ کا ازالہ ہے۔

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

"اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے[1،2] اسی طرح آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف وحی کی جاتی ہے جو آپ سے پہلے تھے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو غالب حکمت والا ہے[3] اسی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہ بلند اور بڑی شان والا ہے[4] قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ جائیں اور ملائک اپنے رب کے حمد کے ذریعے تسبیح بیان کرتے ہیں اور جو زمین میں ہیں انکے لئے بخشش مانگتے ہیں خبردار اللہ تعالیٰ ہی معاف کرنے والا مہربان ہے[5] اور جنہوں نے اللہ کے علاوہ مددگار بنائے ہیں اور اللہ انکی حفاظت کرنے والا ہے اور آپ ان پر کارساز نہیں ہیں[6]۔

تفسیر 1،2: یہ کٓھٰیٰعٓصٓ کی طرح حروف مقطعات ہیں وہ بھی خماسی حروف تھے اور یہ بھی لیکن کٓھٰیٰعٓصٓ ایک ساتھ لکھے ہوئے ہیں اور یہ بہت سے قاریوں کے نزدیک الگ الگ ہیں یعنی حٰمٓ، عٓسٓقٓ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ایک آیت ہے اور یہ دو آیتیں ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ آگے پیچھے دیگر سورتوں کی مماثلت کی وجہ سے حٰمٓ کو الگ لکھا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ کٓھٰیٰعٓصٓ میں اس پر اتفاق ہے کہ وہ حروف تہجی مقطعات ہیں اور حٰمٓ، عٓسٓقٓ تو اہل علم نے حروف شمار نہیں کیا ہے اور حٰمٓ کو فعل قرار دیا ہے اور ان مفردات کے مرکب سے ماخوذ ہونے پر ماہرین مفسرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں البتہ بہتر قول وہ ہے جو باقی مقطعات میں ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 3: اس آیت میں بھی قرآن کی طرف ترغیب ہے کہ یہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی وحی کی طرح اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اور اس میں پہلے شبہے کا جواب ہے منکرین کا شبہہ یہ تھا کہ اس نبی نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا ہے مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اب بھی جو توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں اس پر بھی لوگ اسی طرح کا اعتراض کرتے ہیں جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کوئی نئی چیز اور نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی اس طرح

کہا گیا تھا کَذٰلِكَ ان آیات اور سورتوں کی طرف اشارہ جو اس سورۃ سے پہلے نازل کی گئیں اور وحی ماضی کے معنی میں ہے کیونکہ اس کے بعد مِنْ قَبْلِكَ ذکر ہے لیکن مضارع کا صیغہ ذکر کیا ہے اسلئے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں وحی کا سلسلہ جاری تھا بعض مفسرین نے ذٰلِكَ کا مشار الیہ حٰمٓ. عٓسٓقٓ کو قرار دیا ہے۔

تفسیر 4: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے تصرف اور ولایت کا اثبات ہے اور شرک فی التصرف کا رد ہے اور یہ وحی کا خلاصہ ہے جو پہلی آیت میں ذکر ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام وحی کا خلاصہ توحید ہے۔

تفسیر 5: اس آیت میں شرک کی قباحت کا ذکر ہے جو کہ عالم کی تباہی کا سبب ہے اور توحید کی عظمت شان کا ذکر ہے جو عالم کے لئے امن کا سبب ہے مِنْ فَوْقِهِنَّ میں مِنْ ابتدا کے لئے ہے یعنی یہ انفطار اس آسمان سے شروع ہوگا جو آسمان بلند ہے تو ضمیر یا تو آسمانوں کی طرف راجع ہے یا زمین کی طرف راجع ہے یا مشرکین کی جماعتوں کی طرف راجع ہے اور انفطار کی علت سورۃ مریم آیت 91 میں ذکر ہے وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ یہ سوال کا جواب ہے کہ جب انفطار کا سبب موجود ہے تو انفطار کیوں نہیں ہوتا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے لئے رکاوٹ تسبیح، حمد اور استغفار ہے یعنی توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور جب صرف آسمانوں کا ذکر ہوا ہے تو اس کے رہنے والے صرف ملائکہ ہیں تو اس سے ملائکہ کی تسبیح خاص کر ذکر کی ہے اس میں اشارہ ہے کہ زمین کے انشقاق سے بچنے کی وجہ موحدین کی توحید ہے اور اس کی طرف ایک حدیث میں اشارہ بھی ہے کہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اللهُ صحیح مسلم حدیث 234 کتاب الایمان۔ ترمذی حدیث 2207 یعنی قیامت اسوقت تک قائم نہ ہوگی جب زمین میں اللہ تعالیٰ کی توحید ختم نہ ہو جائے۔ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اس سے مراد صرف ایمان والے ہیں جیسے سورۃ مومن آیت 7 میں گزر چکا ہے لیکن جب زمین کا باقی رہنا اور اس کا امن سے ہونا ایمان والوں کے سبب سے ہے تو گویا زمین والے صرف یہ لوگ ہیں یعنی ذکر عام اور اس سے مراد خاص ہے یا استغفار سے مراد عذاب کی تاخیر ہے اَلَآ اِنَّ اللهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ اس میں ملائکہ کے استغفار کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اور مغفرت کیساتھ قبول فرماتا ہے اور بعض اہل لطائف نے لکھا ہے کہ اس آیت کے شروع میں ہیبت اور رعب کا ذکر ہے اور آخر میں رحمت اور لطف کا ذکر ہے۔

تفسیر 6: اس آیت میں شرک فی الولایت پر زجر ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات سے باخبر ہے چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے یا نہ دے لیکن آپ پر کچھ بھی ذمہ داری نہیں ہے اَوْلِيَآءَ اللهُ اس سے مراد نفع کا

حقدار نقصان اور ضرر کا حقدار ہے اور اسی طرح شرعی احکامات کے اختیار کا مالک سمجھنا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ
فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۞ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ
الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِىُّ وَهُوَ يُحْىِ الْمَوْتٰى ۫ وَ
هُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۞

"اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن وحی کی ہے تا کہ آپ اصل بستی والے اور ان کے ارد گرد لوگوں کو ڈرائیں اور آپ اکٹھے ہونے والے دن سے لوگوں کو ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا گروہ جلتی ہوئی آگ میں ہوگا [7] اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا [8] کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ مددگار بنائے ہیں پس اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے [9]۔

تفسیر 7: اس میں بھی نبی کریم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ وکیل نہیں ہیں لیکن وحی کے ذریعے سے ڈرانے والے ہیں اور اس آیت میں قرآن کی سچائی بیان ہوئی ہے کہ اس میں شرعی احکام ہیں لہذا کسی اور کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے وَمَنْ حَوْلَهَا اس سے مراد تمام دنیا ہے یہ دلیل ہے کہ آخری نبی تمام دنیا کے لئے نبی ہے لہذا اس کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت نہیں ہے وَتُنْذِرَ پہلے انذار سے مراد توحید کی طرف دعوت ہے اور دوسرے انذار سے مراد قیامت کا اثبات ہے فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ یعنی انذار کے بعد بعض لوگ ایمان لائینگے اور بعض انکار کرینگے اور اسی طرح اکٹھا کر لے کے بعد جنت کی طرف تقسیم ہو جائینگے ایک جگہ میں اکٹھے نہیں ہونگے۔

تفسیر 8: اس آیت میں سوال کا جواب ہے کہ جب قرآن مکمل ہدایت ہے اور نبی ﷺ کامل ڈرانے والے ہیں تو یہ سب ایمان کیوں نہیں لاتے ہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہدایت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وَالظّٰلِمُوْنَ اس میں سبب کی طرف اشارہ ہے کہ جن لوگوں کو ہدایت سے محروم رکھا گیا ہے اس کا سبب ان لوگوں کا ظلم اور عناد ہے۔

تفسیر 9: یہاں بھی پہلے جملے میں شرک فی الولایت پر زجر ہے اور دوسرے جملے میں ولایت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کی ہے

اور یہ فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ یہ فاءِ شرط پر دلالت کرتی ہے اگر یہ لوگ صرف ولی برحق چاہتے ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وَ ھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی یہ ماقبل کی دلیل ہے یعنی عجیب اور بڑا تصرف جو کہ بعث بعد الموت ہے اور ہر چیز پر قدرت یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہ صفات ان کے علاوہ اولیاء میں نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں بن سکتے ہیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ⁽¹⁰⁾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⁽¹¹⁾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⁽¹²⁾ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللّٰهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ⁽¹³⁾

"اور جو تم کسی بھی چیز میں اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لوٹا دو یہ تمہارا اللہ ہے جو میرا رب ہے اس پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں [10] زمین اور آسمان کا شروع سے پیدا کرنے والا ہے تمہارے نفسوں سے تمہارے لئے جوڑے بنائے ہیں تمہیں اس میں پھیلا دیتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے [11] اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں جس کے لئے چاہے رزق بڑھاتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کرتا ہے بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہے [12] (واضح) مقرر کیے ہیں تمہارے لئے دین میں سے وہ احکام جن کے بارے میں نوح علیہ السلام کو مضبوط حکم دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ جس کے ذریعے سے ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو مضبوط حکم دیا تھا کہ تم دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقے نہیں بنانا مشرکین پر وہ دین بہت (ناپسند) بھاری ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ دین کیلئے ان کو چن لیتا ہے جن کو چاہے اور ان کو ہدایت دیتا ہیں جو حق کی طرف رجوع کرتے ہیں [13]۔

تفسیر 10: اس آیت میں شرک فی الحکم کا رد ہے اور رد شرک فی الولایت پر عطف ہے جو پہلی آیت میں تھا وہ یہ ہے کہ منکرین کہتے ہیں کہ آپ ہمیں توحید کے جو مسئلے بیان کرتے ہیں یہ ہماری کتابوں کے مخالف ہیں ہماری کتابوں میں تو شرک

کے جواز کے لئے بہت سی جزئیات ہیں یہ اعتراض یہود اور نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے تھے اور مشرکین عرب کو سکھاتے تھے اور اب بھی باطل پرست لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اختلافات کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے ذریعے سے کرینگے فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حکم قیامت تک تمام امت کو شامل ہے یعنی تحاکموا الی اللہ ورسولہ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف فیصلوں کو لوٹا دو اور امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امور اور تمام شرعی احکام اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ شریعت سے لیے جاتے ہیں اس آیت میں تقلید کے رد کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر کوئی انسان دوسرے انسان کی بات یا کسی کتاب کی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کی سنت پر پیش نہیں کرتا اور بغیر دلیل کے قبول کرتا ہے اور جب اس کے خلاف واضح دلیل بھی آجائے تب بھی وہ بات نہیں چھوڑتا ہے تو یہ تقلید ہے جو کہ باطل ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ یہ ماقبل کی علت ہے تین طریقوں سے پہلا طریقہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ فیصلہ اس وجہ سے پیش کرینگے کہ وہ ہمارا رب ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام امور میں توکل اللہ پر کرتا ہے اور احکام میں بھی اسکے فیصلے پر اعتماد کرتا ہے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارا رجوع ہے تو ہر حکم میں اس کی کتاب کی طرف رجوع کرینگے۔

تفسیر 11، 12 یہ عقلی دلائل ہیں دس جملوں کے ذریعے شرک فی الولایت والحکم کے رد میں چھ جملے پہلی آیت میں ہیں اور چار جملے دوسری آیت میں ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں، زمینوں، انسانوں اور حیوانوں کے جوڑوں میں تصرفات چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسباب کے بغیر تمام حاجتوں کو پورا کرنے والا اور خزانوں اور رزق کے کم کرنے اور کشادہ کرنے کا اختیار اور ہر چیز پر علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے حکم اور ولایت میں شریک نہیں بناؤ۔ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ (یہ تزویج نکاح کرنے کا فائدہ) ذکر کیا ہے جو کہ نسل کے پھیلانے کا سبب ہے یہ دلیل ہے کہ ہر وہ منصوبہ جس میں نسل کشی کی جاتی ہو یہ تزویج کی حکمت سے مخالفت ہے اور یہ جائز نہیں ہے فِيْهِ میں ضمیر جعل مصدر کی طرف راجع ہے اس سے مراد زوجیت کی تدبیر ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تصرفات میں مخلوق کی طرح اسباب کا محتاج نہیں ہے، اور اسی طرح مخلوقات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کیساتھ الوہیت کے تصرفات میں کوئی مشابہ اور ہم مثل نہیں ہوسکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے اور اس جملے میں نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ نہیں ہے اور اللہ کے ساتھ مخلوق کی بھی شراکت کی نفی ہے اور یہ کامل توحید ہے اس وجہ سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے

بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ توحید کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسی ذات کو ثابت کرنا ہے جو دیگر ذوات کے مشابہ نہ ہو اور یہ ذات صفات سے بھی خالی نہیں ہے اور اس کی ذات کی طرح کوئی ذات نہیں اور اس کے ناموں کی طرح کوئی نام والا نہیں اور اس کے افعال کی طرح کسی کے افعال نہیں ہیں اور ان کی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں نیز اگر کسی صفت ہو بھی تو لفظی اشتراک ہوگا حقیقی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات صفات حادثہ سے پاک ہے اس لئے کہ صفت حادثہ کیلئے صفت قدیمہ محال ہے یہ اہل حق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مشبّہ کا رد ہے اور مجسمہ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات یعنی ہاتھ آنکھ استویٰ وغیرہ مخلوق کے ساتھ مشابہ مانتے ہیں، اور بعض ان میں وہ ہیں جو ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے مخلوق کی طرح جسم ثابت کرتے ہیں، اور اس قسم کے تمام عقائد باطل وفاسد ہیں۔ نیز جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ثابت شدہ صفات میں تاویلات کرتے ہیں جہمیہ فرقے کی طرح یا اللہ کی ثابت شدہ صفات کا انکار کرتے ہیں منکرین کی طرح، تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں، صحیح منہج سلف صالحین کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے ان تمام صفات کو ثابت کرتے ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لئے قرآن مجید میں ثابت کی ہیں، یا اس کے نبی مکرم نے صحیح حدیث میں ثابت کی ہیں اور تاویل تمثیل۔ اور تشبیہ سے اپنے دامن عقیدہ کو بچائے رکھتے ہیں مراد یہ ہے کہ (ید) ہاتھ (عین) آنکھ (ساق) (پنڈلی) عرش پر مستوی ہونا وغیرہ ظاہری معنوں پر محمول کرتے ہیں اور اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں، اور اس کے متعلق بے جا سوالات کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ سوال: مراد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے جبکہ اس جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل ہے البتہ اس کی مثل کی مثل نہیں ہے؟ اس کا جواب مختلف طریقوں سے ہے۔ جواب (۱): "ك" تاکید میں زیادتی کے لئے ہے یعنی اللہ کا مشابہ نہ حرف کے ذریعے اور نہ اسم کے ذریعے ذکر ہوسکتا ہے۔ (حرف کاف تھا اور لفظ مثل) ذکر کیا ہے۔ جواب (۲): یہ ہے کہ مثل ذات کے معنیٰ میں ہے۔ جواب (۳): یہ ہے کہ مثل صفت کے معنیٰ میں ہے۔ جواب (۴): یہ ہے کہ اس جملے کے ساتھ مثل کی نفی بطور استدلال ہے حاصل یہ ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ اللہ کی مثل ہے تو اللہ تعالیٰ میں اس کی مثال ماننی ہوگی جبکہ اس کی مثل بالکل نہیں ہے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، مقالید چابیاں ہیں لیکن ظاہر بات ہے کہ چابیوں کا مالک خزانوں کا مالک ہوتا ہے تو اس سے مراد خزانوں کی چابیاں ہیں اس طرح سورۃ زمر آیت 63 میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 13: اس آیت میں رد شرک فی الولایۃ والحکم پر دلیل وحی ہے یعنی احکام کی تشریع کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس

ہے اور یہ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ کیساتھ متعلق ہے، اور اسی طرح توحید تمام امتوں میں اللہ تعالیٰ کی شرع ہے تو اس کی مخالفت مت کرو یہ دلیل ہے کہ احکام کا شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام شریعت کو بیان کرنے والے ہیں۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ ۔ مِنْۢ بَعْدِ والے مقام کے لئے بیان ہے یعنی سابقہ انبیاء علیہم السلام کا دین تمہارے لئے اللہ نے راہ مقرر کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ ہمارے دین میں باقی ادیان کی نسبت قرآن وحدیث کے ذریعے سے تشریح اور وضاحت زیادہ ہے اسی وجہ سے ہماری ملت کو اَلْمِلَّةُ الْبَیْضَاءِ لَیْلُهَا كَنَهَارِهَا فرمایا گیا ہے صحیح ابن ماجہ 4075 سلسلۃ الصحیحۃ 688- 500 یعنی رات بھی دن کی طرح روشن ہے مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا اشارہ ہے کہ پہلے تشریعی نبی نوح علیہ السلام تھے یعنی جو مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے باوجود توحید اور احکام شریعت لیکر آئے ہیں اور شفاعت کی حدیث میں بھی آیا ہے کہ نوح علیہ السلام کو قیامت میں شفاعت کے طلبگار کہیں گے اَنْتَ اَوَّلُ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلَى الْاَرْضِ احمد 5، 178 ابن حبان حدیث 2085، 2079 مشکوٰۃ 5679 امام ابن حبان والبانی نے صحیح کہا ہے اور آدم علیہ السلام تو سب سے پہلے نبی تھے لیکن اس وقت توحید اور شریعت کی مخالفت کرنے والے موجود نہیں تھے وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ یہ لفظ مَا پر عطف ہے اور نوح علیہ السلام کے دین کا پہلے ذکر کیا اشارہ ہے کہ یہ قدیم دین ہے اور آخر میں ہمارے نبی کا دین ذکر کیا اور پھر درمیانے کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ دین شروع اور آخر اور درمیان ایک جیسا ہے پھر جب آخری نبی ﷺ کا دین اصل مقصود ہے اسی وجہ سے وَّ الَّذِیْۤ کے ساتھ ذکر کیا جو کہ موصلات کا اصل ہے اور اَوْحَیْنَا کے ساتھ تاکید کے لئے ذکر کیا کہ آخری نبی وحی کے دین سے خارج نہیں ہے اور وحی کے ساتھ ثابت ہے وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى ان کی تخصیص اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے شرائع مشہور ہیں اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ یہ مَا وَصّٰى کا بدل ہے یا بِهٖ کی ضمیر سے بدل ہے یا از سر نو کلام ہے یعنی هُوَ اِقَامَةُ الدِّیْنِ سے مراد یہ ہے کہ اس دین کو اپنے آپ میں عمل کیساتھ جاری کرنا اور باقی لوگوں میں دعوت، دلائل اور دفعِ شبہات کے ازالوں کے ذریعے سے دین کو جاری کرنا الدِّیْنَ اس سے مراد وہ شرائع ہیں جو تمام ادیان میں ایک جیسے ہیں جو کہ اطاعت نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور اللہ کے احکام کی اطاعت، ایمانیات ہر قسم کے کفر شرک اور زنا کے احکام قتل، جھوٹ، ظلم خیانت وغیرہ کی حرمت وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ یہ اقامت دین کی تاکید ہے اس سے مراد دین میں افتراق کی ممانعت ہے اصول میں اختلاف سے اجتناب کرو اور فروع یعنی طریقے اور جزئیات ہیں تو وہ دینوں میں الگ الگ ہیں لیکن اس کو تفرق نہیں کہا جاتا ہے اور اسی طرح

اسکو تفرق کا سبب بنانا جائز نہیں ہے کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ یہ اِقَامَةُ الدِّيْن کی علت ہے یعنی مشرکین اس دین کو نہیں چاہتے ہیں البتہ وہ اس میں تفرق پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کو قائم رکھو اس میں اشارہ ہے کہ جو دین اسلام توحید اور اس کے باقی اصول کو بری نظر سے دیکھتے ہیں تو وہ مشرکین ہیں اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ سے متعلق ہے یعنی تمہارے دین کی دعوت ہے ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اِجْتِبَآء صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے اسوجہ سے مَنْ يَّشَآءُ کہا اور ہدایت کے لئے سب سے پہلے انابت شرط ہے اس وجہ سے يُّنِيْبُ ذکر کیا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ
كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَ
الَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيدٌ ﴿١٦﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾

"اور انہوں نے اختلاف نہیں کیا تھا مگر جب ان کے پاس علم آیا اس کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے ضد کی وجہ سے فرقے بنائے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے وقت مقرر نہ کیا ہوتا تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کیا جاتا اور یقیناً جو ان کے بڑوں کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے ہیں وہ ضرور اس سے مضبوط شک میں ہیں[14] لہٰذا اسی وجہ سے دعوت دیں اور قائم رہیں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے اور کہیں میں ان چیزوں پر ایمان لایا ہو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں چاہے وہ کتاب بھی ہو اور مجھے حکم دیا گیا ہے تا کہ تمہارے درمیان انصاف کروں ، اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ بھی اختلاف نہیں ہے اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف پلٹنا ہے[15] اور وہ لوگ جو اللہ کی توحید میں اس کی قبولیت کے بعد جھگڑتے ہیں تو ان کی دلیل ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے[16] اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے کتاب کو حق اور میزان کیساتھ اتارا ہے اور آپ کو کیا معلوم ہے قیامت تو بہت قریب ہے[17]۔

تفسیر 14: اس آیت میں تیسرے شبہے کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ تم جس دین کی طرف دعوت دیتے ہو بہت سارے علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین صحیح نہیں ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان علماء کی مخالفت کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ ان کا تفرق اور اختلاف علم اور دلیل کے مخالف ہے اور اسی طرح ان کی مخالفت ضد اور عناد پر مبنی ہے اور اس آیت میں اختلاف پیدا کرنے والوں کیلئے زجر ہے اور اسی طرح سورۃ بقرہ آیت 90، سورۃ آل عمران آیت 19 اور سورۃ بینہ آیت 4 اور جاثیہ آیت 17 میں ہے ان آیات کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ متفرقین سے مراد اہل علم ہیں

اور عوام کے دینی اختلاف کو تفرق نہیں کہا جاتا ہے اس لئے کہ فرقے بنانا علماء کا کام ہے عوام تو صرف مخالفت کرتے ہیں۔ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ یہ سوال کا جواب ہے کہ اگر لوگ باطل پر ہیں تو ان پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى یہاں بِتَاخِيْرِهِمْ کا لفظ مقدر ہے وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ اس سے مراد وہ عوام اور ناقص مولوی ہیں جو کتاب کے وارث ہیں یعنی انہوں نے پورا علم حاصل نہیں کیا ہے لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ، مِنْهُ کی ضمیر دین توحید کی طرف راجع ہے جو پہلی آیت میں ذکر ہوا ہے یا مِنْ اَجْلِيَّةٍ ہے اور ضمیر ان کے علماء کے تفرق کی طرف راجع ہے حاصل یہ ہے کہ بڑے بڑے مولویوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے توحید اور دین حق کی مخالفت کی اور اس کے مقابلے میں شرک کی کتابیں لکھیں بعد میں آنے والے ناقص مولویوں نے اور امیوں نے بڑے علماء کی موافقت کی اور شرک کی کتابوں کی تقلید کی اور توحید سے انکار کیا۔

تفسیر 15: آیت 15 سے آیت 35 تک دوسرا باب ہے اس میں دس جملوں کے ذریعے دعوت کی طرف ترغیب ہے پھر مقابلہ کرنے والوں کے لئے زجر ہے اور انہیں قرآن کی طرف دعوت دی تخویف کے ساتھ اور پھر توحید فی الدنیا کے ساتھ تیسری دلیل عقلی ہے پھر شرک فی التحکیم کے ذریعے سے ایک زجر ہے اور تخویف اور بشارت ہے اور دوسرا رسول کے انکار پر زجر ہے اور توحید کی طرف ترغیب ہے پھر تین عقلی دلائل ہیں اور پھر دنیاوی اور دلیل عقلی ہے اس آیت میں دعوت کی طرف ترغیب ہے اور یہ تفرق کے ختم کرنے کے لئے بطور علاج ہے جو پہلی آیت میں گزر گیا اور اس میں داعی کے لئے دس جملے ذکر کیے گئے ہیں اور یہ دعوت کے آداب ہیں فَلِذٰلِكَ فَادْعُ، لام اجلیہ ہے اور ذٰلِكَ میں تفرق اور اختلاف کو ختم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مراد اس کو ختم کرنا ہے معنی یہ ہے کہ تفرق اور اختلاف کو ختم کرنے کے لئے آپ حق کی دعوت دیں یا لام الیٰ کے معنی میں ہے اور ذٰلِكَ دین توحید کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت 13 میں ذکر ہوا ہے یا قرآن کی طرف اشارہ ہے اور فاء کو تاکید کے لئے دو مرتبہ ذکر کیا ہے جو کہ اصل میں دو جملے ہیں۔ (اُدْعُ لِذٰلِكَ لِذٰلِكَ اُدْعُ) اَهْوَآءَهُمْ اس سے مراد بے دلیل مسائل ہیں جو مولویوں نے اپنی طرف سے بنائے ہیں وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی جب بھی مخالفین شرک اور بدعت کے اثبات کے لئے باقی کتابوں سے استدلال کریں تو آپ جواب میں کہہ دیں کہ میں صرف منزل کتاب پر ایمان رکھتا ہوں لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ یعنی عدل کی طرف دعوت دیتا ہوں لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ حجت جھگڑے کے معنی میں ہے یعنی دعوت کی ابتداء میں جھگڑے نہیں کرتا ہے صرف دلائل کے ذریعے

سے توحید کی طرف دعوت دینا ہے۔

تفسیر 16 : اس آیت میں دعوت کرنے والے کیلئے تسلی ہے کہ آپ کے مخالفین کے دلائل باطل اور بے مقصد ہیں اس کی پروا نہیں کرنا اسْتُجِيبَ لَهُ یعنی بہت عقلمند لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت کو قبول کیا ہے تو یہ بھی منکرین پر ایک الزامی دلیل ہے حُجَّتُهُمْ بیان کے گمان کے مطابق حجت ہے وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ یہ تخویف دنیاوی و اُخروی ہے۔

تفسیر 17 : اس آیت میں مخالفین کے حجت کو باطل قرار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حجت کی طرف ترغیب ہے الْكِتٰبَ مطلق گزشتہ کتب ہیں۔ وَالْمِيزَانَ اس سے مراد قرآن کریم ہے یا دونوں سے مراد قرآن ہے اور صفت کا عطف صفت پر ہے یا وَالْمِيزَانَ سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کے دلائل ہیں تاکہ اہل جہل اور تقلید کے طریقے سے بچ جائیں (السراج المنیر) اور اسی طرح سورۃ الحدید آیت 25 میں بھی ہے وَمَا يُدْرِيكَ اس میں قرآن پر عمل کی طرف اشارہ ہے کہ جلدی کرو عمل کرنے میں قیامت کے آنے سے پہلے کیونکہ قیامت اچانک آئے گی مَا يُدْرِيكَ اس کا دوسرا مفعول حذف ہے (وَقْتُ السَّاعَةِ) اور ما استفہام انکاری ہے اور یہ لفظ جہاں بھی ذکر ہوتا ہے تو وہاں نبی کو اس کا علم نہیں دیا ہوتا ہے تو قیامت کی معین تاریخ بھی نبی ﷺ کو نہیں معلوم لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ یہ مستقل کلام ہے سَاعَةُ بَعْثٍ کے معنی میں یا وَقْتُ السَّاعَةِ یا مجی الساعۃ اسی وجہ سے قریب کو مذکر ذکر کیا یا قریب ذوقرب کے معنی میں ہے۔

يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا‌ ۚ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا الۡحَـقُّ‌ ؕ اَلَاۤ
اِنَّ الَّذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَهُوَ الۡقَوِىُّ
الۡعَزِيۡزُ ﴿۱۹﴾ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَ
مَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ﴿۲۰﴾ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَوۡلَا
كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾

"اس قیامت کو وہ لوگ جلدی طلب کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ (قیامت) حق ہے خبردار جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ دور کی گمراہی میں ہونگے [18] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیساتھ پوری مہربانی کرتا ہے اور جسے چاہے رزق دیتا ہے اور وہی طاقتور غالب ہے [19] جو (اپنے عمل کے ساتھ) آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کی کھیتی کو بڑھادینگے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کو بھی اس میں سے دینگے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا [20] کیا (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) ان کے شریک ہیں کہ ان کے لئے دین میں وہ باتیں بنائیں جن کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی ہے اور اگر فیصلے کا وقت مقرر نہ کیا ہوتا تو ان کے درمیان اب ضرور فیصلہ کیا جاتا اور بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے [21]۔

تفسیر 18: اس میں قیامت کے حال کا ذکر ہے اور منکرین کے لئے قیامت کو جلدی طلب کرنے میں اور بے مقصد مباحثوں پر زجر ہے اور اشفاق اور یقین کرنے پر ایمان والوں کی تعریف ہے اَلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا اس لفظ میں اشارہ ہے کہ ان کی جلدی محبت کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ بطور استہزاء ہے مُشۡفِقُوۡنَ دل کا وہ خوف جس کا اثر اعضاء پر ظاہر ہوجائے اور اشفاق عدم استعجال کو مستلزم ہے یعنی یہ صفت يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ صفت جلد بازی کے مقابل ہے۔

تفسیر 19: یہ رد شرک فی الولایۃ والحکم پر دلیل عقلی ہے اور لَطِيۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ میں اشارہ ہے کہ بہت عظیم شفقت اور مہربانی قرآن کا نزول ہے تفسیر قرطبی میں لَطِيۡفٌ کے بیس معانی ذکر کئے ہیں اور امام رازی نے کہا ہے کہ یہ لفظ علم کے اوصاف پر باریک امور کیساتھ مشتمل ہے اور رحمت خاصہ اور رفق (مہربانی) بھی ہے يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ رزق کے مختلف حالات کی طرف اشارہ ہے چاہے فراخی سے ہو یا تنگی سے ہو۔

تفسیر 20: دنیا کے رزق کو ذکر کرنے کے بعد تزھید فی الدنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف ترغیب ہے حَرْثٌ: ہل چلانا (کاشت کرنا) اس سے مراد جزاء ہے اور بِعَمَلِهٖ پوشیدہ ہے یعنی نیک عمل میں آخرت کی جزا کا ارادہ یا بِرِزْقِهٖ پوشیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اسکے ذریعے سے آخرت کو کماتے ہیں نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ دنیا میں زیادت یہ ہے کہ ان کے لئے مال میں برکت ڈالتا ہے اور نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا یعنی مال کو دنیا کی بلندی اور عزت کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیتے ہیں یا نیک عمل پر دنیا کمانے کا ارادہ کرتے ہیں یعنی عبادت اور دین کا کام قرآن پڑھنا وغیرہ دنیا کی نیت سے کرتے ہیں اور اس طرح سورۃ اسراء آیت 18 اور آیت 19 میں گزر چکا ہے وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے نیک عمل پر دنیا کے اقتدار یا اجرت کا ارادہ کیا ہو تو وہ اجرت لینا جائز ہوگا یا ناجائز لیکن آخرت میں اس کا ثواب برباد ہوگا۔ اس کا وہ اور اس آیت کا مطلب صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى صحیح بخاری حدیث (۱) ہر شرعی عمل شرعی نیت پر موقوف ہے اور ہر ایک کے لئے وہی فائدہ پہنچتا ہے جو شرعی نیت میں ہو تو آیت کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اعمال اور مالوں کو آخرت کی نیت سے خرچ کرو۔

تفسیر 21: یہ شرک فی التشریع والحکم پر زجر ہے اور یہ آیت 13 اور آیت 17 کے متعلق ہے یعنی شریعت اور اللہ کی کتاب میں تو شرکیہ شرکانہ کام جائز نہیں ہیں تو کیا یہ کام ان کے لئے باقی اِلٰهَ نے جائز قرار دیئے ہیں اور اللہ کے علاوہ تو باقی اِلٰهَ نہیں ہوسکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ تمام انواع کے شرک کرنا جائز نہیں ہیں اور اس آیت سے بہت سارے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ شرک کی اقسام میں سے ایک قسم شرک فی الحکم والتشریع ہے اور اس کو شرک فی الاطاعۃ اور شرک فی التحلیل والتحریم بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ شارع حقیقت میں ایک اللہ تعالیٰ ہے اگر نبی پر اسکا اطلاق کیا ہوگا تو وہ شریعت بیان کرنے کے معنی میں ہوگا۔ تیسرا مسئلہ ائمہ مجتہدین شریعت کو بنانے والے نہیں ہیں بلکہ شرعی دلیل سے احکام نکالنے والے ہیں تو کبھی صحیح ہونگے اور کبھی غلط ہونگے۔ چوتھا مسئلہ ایک مجتہد امام یا مفسر استاد پیر کو حلال اور حرام کا اختیار والا سمجھنا یہ بھی شرک ہے۔ پانچواں مسئلہ شرک کے کاموں بدعات فسق و فجور میں کسی ایک عالم کی پیروی کرنا یہ تقلید شرک ہے۔ چھٹا مسئلہ ایک مجتہد امام کی تقلید کرنا کہ اس کا قول آیات قرآنیہ اور صحیح صریح احادیث کے مخالف نظر آئے لیکن پھر بھی اسی امام کے قول پر عمل کرے یہ بہانہ بناتے ہوئے کہ یہ عالم ہم سے زیادہ جانتا تھا یہ تقلید بھی گمراہی ہے اور لفظ مَا لَمْ يَاْذَنْ

بِهِ اللّٰهُ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک عالم اور امام اور مقتدا کے قول پر قرآن یا صحیح حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو تو اس کی پیروی کرنا اللہ تعالیٰ کی پیروی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے اور اذن سے مراد دلیل شرعی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔ وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ یہ سوال کا جواب ہے کہ یہ مذکورہ لوگ مشرک ہیں تو ان پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ جواب: یہ ہے کہ فیصلے کا وعدہ قیامت کے دن کا ہے یا تقدیر الٰہی میں ان کا عذاب بعد میں ہے وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ یہ اجمالی فیصلہ ہے یہاں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جس نے شریعت الٰہی کو چھوڑا ہوا اور مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ جس چیز کا اللہ نے حکم نہیں دیا اسکے پیچھے چلتا ہو اسلئے یہ شرک ہے اور شرک ظلم عظیم ہے جیسے سورۃ لقمان آیت 13 میں ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

"آپ ظالموں کو دیکھیں گے وہ ان اعمال سے ڈریں گے جو انھوں نے کیے ہونگے اور وہ (سزا) ان پر واقع ہونے والی ہوگی اور جو لوگ ایمان لائے اور سنت کے مطابق اعمال کئے ہوں جنت کے باغات میں ہونگے ان کے لئے ان کے رب کے نزدیک وہ سب کچھ ہوگا جو یہ لوگ چاہیں گے یہ بہت بڑا فضل ہے [22]۔

تفسیر 22: اس آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے ایک شرک فی التشریع کرنے والے تو ان کے لئے تخویف اخروی ہے اور دوسرا گروہ موحدین کا جو شرعی دلیل پر چلنے والے ہوتے ہیں تو ان کو بشارت اخرویہ دیتا ہے وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ صالح اعمال وہ ہیں جو دلیل شرعی کے موافق ہیں فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ روضہ اس کو کہتے ہیں جس میں زیادہ ہریالی اور زیادہ لذتیں ہوں تو معلوم ہوا کہ جنت کے درجات میں بہت فرق ہے اور جب اعلیٰ لوگوں کے لئے اعلیٰ درجات ہوتے ہیں تو وہ ایمان والے جن کے اعمال میں کچھ کمی ہو تو وہ بھی جنت میں ہونگے اگرچہ نیچے درجات میں ہونگے ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ فضل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جزا صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے یہ اللہ تعالیٰ پر وجوب اور استحقاق کے طور پر نہیں ہے جیسے معتزلہ کہتے ہیں الْكَبِيْرُ وہ ذات ہے جس کی حقیقت اور وصف کو مخلوق کا تصور نہیں پہنچ سکتا ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی
الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ
كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

"یہ وہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اپنے بندوں کو خوشخبری دیتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ہیں تم کہہ دیجئے میں تم سے بدلہ نہیں لیتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لئے محنت کرو اور جس نے کوئی نیکی کی تو ہم اس میں ان کی خوبصورتی بڑھا دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اعمال کو قبول کرنے والا ہے [23] کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگادے گا (اگر اپنی طرف سے جھوٹ بنایا ہو) اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے واضح کرتا ہے بے شک وہ اللہ تعالیٰ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے [24] اللہ تعالیٰ وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے اور برائی کو معاف کرتا ہے اور جو کام تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے [25]۔

تفسیر 23: یہ آیت شروع میں تاکید ہے گذشتہ آیت کے لئے اور تاکید پانچ طریقوں سے ہے۔ (۱) ذٰلِكَ یہ لفظ مرتبے کی بلندی مشار الیہ پر دلالت کرتا ہے (۲) بشارت کے ذریعے سے تسلی کرنا (۳) اللہ تعالیٰ بشارت دینے والا ہے (۴) مُبَشَّرٌ لَّهُمْ کا نام عباد اللہ کے ذریعے سے (۵) ایمان اور عمل صالح کے ذریعے سے ان کی صفت قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا جب بشارت دینے میں لوگ عادتاً عوض کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ وہ اخلاص کے خلاف ہے تو کہا گیا کہ پیغمبر اس پر کچھ عوض بھی نہیں مانگتے ہیں نہ حقیقتاً اور نہ حکماً سوال کرتے ہیں یعنی طمع بھی نہیں رکھتے ہیں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی سوال پانچ انبیاء علیہم السلام سے سورۃ شعراء میں نقل کیا ہے کہ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ آیت 109، 127، 145، 164، 180 میں اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صراحت سے منقول ہے سورۃ انعام آیت 90 سورۃ ص آیت 86 سورۃ سبا آیت 47 میں تو اس آیت میں اجر میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ کیوں مستثنیٰ کیا ہے یعنی صرف یہ اجر مانگتا ہوں؟

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی اَجْرًا پر جملہ ختم ہوا اور عبارت میں تقدیر ہے لٰكِنْ اُذَكِّرُكُمْ

وَاَسْئَلُکُمْ دوسرا جواب: استثناء متصل ہے بطور دعا اور فرض کرنے کے یعنی میں کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا ہوں اور اگر بالفرض مودۃ فی القربیٰ اجر ہو تو وہ مانگتا ہوں لیکن وہ اجر ہی نہیں ہے اس لئے کہ دنیاوی اجر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے اجیر کو دنیاوی ترقی حاصل ہوتی ہو اور مودۃ فی القربیٰ کے ذریعے سے تو نبی کو فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے سے اس کی دنیاوی ترقی کا حصول ہو سکے فائدہ: اَلْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى میں مفسرین کے تین اقوال ہیں پہلا قول مجاہد اور حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے اور مجاہد کے قول کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے مرفوع سند کے ساتھ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ میں تم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت سے تقرب حاصل کرو تو یہ قربیٰ تقرب الی اللہ کے معنی میں ہے۔ اور اس کو تاکید اور مبالغے کے لئے مودت کا ظرف قرار دیا ہے۔ دوسرا قول امام شعبی کا ہے جو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قربیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت نسبی کے معنی میں ہے کہ قریشیوں کے تمام خاندان والوں کے ساتھ اس کی دوستی تھی تو معنی یہ ہے کہ میں تو تم سے کسی قسم کا اجر کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میری قرابت اور رشتہ داری کا تم لحاظ کرو یعنی باقی لوگ تو غیر ہیں جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے ہیں لیکن تم لوگوں کو تو چاہئے کہ رشتہ داری کی وجہ سے مجھ پر ایمان لے آو۔ تیسرا قول کلبی اور سدی سے منقول ہے کہ قربیٰ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والے ہیں جو کہ ان کے اہل بیت میں شامل ہیں یعنی میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ہوں مگر اس بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے ساتھ مودت اور محبت رکھو ان کو اذیت نہیں پہنچاؤ) اور وہ آپ کی ازواج مطہرات اور آل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کی بیویوں کے ساتھ بغیر افراط اور تفریط کے امت کا ان سے ساتھ محبت کرنا لازم ہے وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ یہ پوشیدہ لفظ پر عطف ہے یعنی وَمَنْ يَّقْتَرِفْ سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا یعنی جس نے برائی کی یعنی (مودۃ فی القربیٰ) اختیار نہیں کیا تو اس پر اس کا گناہ ہے حَسَنَةً اس سے مراد اولاً مودۃ فی القربیٰ ہے اور باقی نیکیاں اس میں داخل ہیں نَزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ایک معنی یہ ہے کہ اس کے دل میں اس کی نیکی کی خوبصورتی اور محبت بڑھا دینگے دوسری وجہ یہ ہے کہ زیادہ ثواب دینگے شَكُوْرٌ وہ ذات جو زیادہ اجر اور ثواب کے ساتھ نیکی کو ظاہر کرتی ہے اسلئے کہ شکر لغت میں ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر 24: یہ رسول کے انکار پر زجر ہے یعنی وہ لوگ جو مودۃ فی القربیٰ نہیں کرتے ہیں بلکہ الٹا اس پر افتراء (جھوٹ) باندھنے کی نسبت کرتے ہیں فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ قتادہ کے نزدیک اسکا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے

(جس وقت آپ کے دل میں افتراء کا ارادہ آ جائے) تو اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر مہر لگا دے گا پھر آپ کسی کی بھی بات نہیں جانو گے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر مہر نہیں ہے تمام مخلوق میں وہ افصح، ابلغ اور اعقل ہیں تو معلوم ہوا کہ افتراء نہیں کیا ہے بلکہ یہ سزا برحق رسول کے ساتھ مختص ہوتی ہے یعنی اگر برحق رسول بالفرض جھوٹ باندھے تو اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے یہ جھوٹے نبی کے بارے میں لازم نہیں ہے تو مرزا غلام محمد کذاب کا اس اس سے اپنے لئے استدلال کرنا غلط ہے اور مجاہد کے نزدیک یَخۡتِمۡ کا معنی یَرۡبِطۡ اور یصبر ہے اور اِنۡ اِذَا کے معنی میں ہے یعنی ان کے انکار کے وقت اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں صبر اور ربط پیدا کرے گا وَ یَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ مجاہد کے معنی کے اعتبار سے یہ یَخۡتِمۡ پر عطف ہے اور قتادہ کے معنی کے اعتبار سے یہ شروع سے کلام ہے منکرین کا رد ہے اَلۡبَاطِلَ سے مراد منکرین کے شبہات ہیں ایک شبہ ان میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف افترا کی نسبت ہے۔

تفسیر 25: یہ وَ مَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً کا حال ذکر کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کرنے پر توبہ کی طرف ترغیب ہے صحیح توبہ یہ ہے کہ گزشتہ گناہ پر دل میں نادم ہو جائے اور فی الفور وہ گناہ چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے عزم کرلے کہ یہ گناہ آئندہ نہیں کروں گا وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ جب توبہ کی قبولیت کا آنے والے زمانے کے ساتھ اس کا تعلق ہو تو گزشتہ گناہوں کا خوف باقی تھا تو یہ جملہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ گزشتہ گناہوں کی پکڑ نہیں ہوگی۔ وَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ وہ کام جو چاہے خیر کے ہوں یا شر کے ہو گزرے ہوئے ہوں یا بعد والے زمانے میں آنے والے ہوں۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ
بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ
الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

"اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال کو قبول فرماتا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ہیں جو سنت کے موافق ہوتے ہیں اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لئے سخت عذاب ہے [26] اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے رزق کو کشادہ کر دے تو ضرور یہ لوگ زمین میں سرکشی کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے اندازے کے مطابق نازل کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خبردار اور دیکھنے والا ہے [27] اور اللہ تعالیٰ وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہی اختیار رکھنے والا اور تعریف کی ہوئی ذات ہے [28] اور اس کی توحید کے بعض دلائل میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش ہے اور جو ان دونوں میں جاندار پھیلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جب بھی چاہے اکٹھا کرنے پر قدرت رکھنے والا ہے [29]۔

تفسیر 26: یہ ایمان والوں کی مزید عزت اور بشارت کا ذکر ہے وَيَسْتَجِيبُ یہ عام ہے دعائیں مانگنا اور عبادت کو قبول فرمانا اور باقی بھائیوں کے لئے سفارش طلب کرنا سب مراد ہے اور زیادہ تاکید کے لئے وَيَسْتَجِيبُ کو متعدی بالذات قرار دیا ہے وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ یعنی انہوں نے جو طلب کیا ہوتا ہے اس سے زیادہ اپنے فضل سے دیتا ہے۔

تفسیر 27: اس آیت میں اس سوال کا جواب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے تو جب یہ لوگ مالوں کی فراخی مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو کیوں نہیں دیتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رزق کی کشادگی تو سرکشی کا سبب ہے تو یہ دعاء ان کے لئے خیر کا سبب نہیں ہے اسی وجہ سے قبول نہیں فرماتا ہے۔ سوال: بہت سارے انبیاء کرام اور صحابہ کرام اولیاء کے ہاں بھی تو رزق کی فراخی تھی مگر انہوں نے سرکشی نہیں کی ہے؟ جواب: پہلا یہ کہ کشادگی سے مراد سب کے لئے ایک جیسی کشادگی ہے یعنی اگر تمام بندے مالدار ہو جائیں تو ایک دوسرے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی تو دہری بن جائیں گے نظام عالم خراب ہو جائیگا اور عبادت مالیہ کا سلسلہ دنیا سے ختم ہو جائے گا تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو مالدار بنایا اور

بعضوں کو فقیر بنایا ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس سے مراد بعض خاص ایمان والے ہیں جن کے حال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو مالداری عطا کرے تو فساد اور گناہوں کے کام شروع کرلیں گے یا پھر زیادتی کا مطالبہ کریں گے اور دنیا سے سیراب نہیں ہوں گے۔

تفسیر 28: یہ توحید پر دلیل عقلی ہے اور يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ کی تفصیل ہے یعنی رزق کا سبب بارش ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے ساتھ نازل فرماتا ہے الْغَيْثَ مفید بارش کو کہا جاتا ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا اس سے مراد مشرکین ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی کافروں کی صفت ہے یا قُنُوْطٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی اسباب سے ناامید ہونا ہے تو پھر ایمان والوں کے لئے بھی شامل ہے رَحْمَتَهٗ اس سے مراد نباتات اور فصلیں ہیں۔ تفسیر آیت 29: یہ رد شرک فی الولایۃ پر دوسری دلیل عقلی ہے اور یہ بہت سارے دلائل پر مشتمل ہے اس لیے کہ اس میں علوی، سفلی اور وسطی نظام ذکر کیا ہے اور توحید کے ساتھ ساتھ قیامت کو بھی ثابت کیا ہے مِنْ دَآبَّةٍ عرف میں اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہوں اور اصطلاح میں جانور بلکہ گھوڑوں کو کہا جاتا ہے تو ملائک پر اس کا اطلاق کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ دَآبَّةٍ سے مراد ہر ذی روح اور حرکت کرنے والا ہے تو ملائک کو بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ فِيْهِمَا سے مراد واحد یعنی ایک ہے جو کہ زمین ہے اور تثنیہ کی ضمیر کبھی ایک کے لئے استعمال ہوتی ہے جیسے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ لیکن یہ اس چیز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ دونوں چیزوں سے ایک چیز بنی ہو تو اس کی پیدائش میں آسمانی اور ارضی اسباب دونوں کی شراکت ہے جیسے لؤلؤ مرجان کے پیدا کرنے میں دونوں قسم کے پانی کا اختلاط ہے۔ تیسرا جواب: یہ ہے کہ بعض آسمانی ملائک پر اوعال صحراء کی بکری کا اطلاق ایک حدیث میں کیا گیا ہے جن کی متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے گھٹنوں سے قدم تک فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ (اوعال کی روایت کو السنۃ لابن ابی عاصم میں ضعیف قرار دیا ہے 577)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ
فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ
كَثِيْرٍ ۝ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

"اور تمہیں جو مصیبت پہنچی جاتی ہے تو ان اعمال کیوجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے کیئے ہیں اور بہت سارے گناہوں کو معاف کرتا ہے [30] اور تم اللہ کو زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بچانے والا اور نہ کوئی مددگار ہوگا [31] اور اس کی توحید کے بعض دلائل میں سے سمندر میں پہاڑوں کی طرح چلنے والی کشتیاں ہیں [32] اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہواؤں کو روک لے گا تو کشتیاں ہمیشہ سمندر کی پیٹھ پر کھڑی رہیں گی بے شک اس کام میں زیادہ صبر کرنے والوں شکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہے [33] یا ان کے اعمال کی وجہ سے کشتیوں کو ہلاک کردیا جائیگا اور بہت سارے گناہوں کو معاف کرتا ہے [34] اور تاکہ وہ لوگ یقین کرلیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے [35]۔

تفسیر 30، 31: یہ تخویف دنیاوی ہے یعنی گناہ مصیبت اور دنیاوی عذاب کا سبب ہے یہ ایمان والوں کو خطاب ہے کہ ان کے بعض گناہوں کیوجہ سے سزا دنیا میں دی جاتی ہے بیماریوں، غموں اور قرضوں کے اعتبار سے اور بہت سارے گناہ سزا کے بغیر معاف کردیتا ہے اور یہ آیت 25 کے ساتھ متعلق ہے یا یہ خطاب کافروں کو ہے یعنی جب یہ لوگ توحید کے دلائل سے انکار کرتے ہیں اور شرکیات میں مشغول ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بعض گناہوں کی سزا ان کو دنیا میں دیتا ہے جیسے سورۃ روم آیت 41 میں مذکور ہے اور یَعْفُوْا سے مراد عذاب کو مؤخر کرنا ہے وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ عذاب سے بچانے کے تین طریقے مراد ہیں ایک انسان کی اپنی قوت اور طاقت ہے تو اس جملے میں اس کی نفی کردی اور دوسرا دوست کے ذریعے سے اور تیسرا مددگار کے طور پر اگر دوست نہ ہو تو اس کو بعد والے جملے سے رد کیا۔

تفسیر 32، 33، 34، 35: یہ ایک اور دلیل عقلی ہے توحید پر دریاؤں کے عذاب سے تخویف کا ذکر ہے كَالْاَعْلَامِ عَلَمٌ کی جمع ہے اس سے مراد پہاڑ یا بلند محل ہیں اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ یعنی کشتیاں اور جہاز ہوا کے

بغیر نہیں چل سکتے ہیں تو وہ ہوا اعتدال کیساتھ چلتی ہے لیکن جب اعتدال سے باہر ہو جاتی ہے تو پھر یا تو ٹھہر جاتی ہے تو کشتی بھی دریا پر ٹھہر جاتی ہے پھر اس کے چلنے کا کچھ ذریعہ نہیں بنتا ہے یا بہت تیز ہو جاتی تو کشتی کے ڈوبنے کا سبب بن جائیگا۔ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ مبالغے کا صیغے اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ تھوڑا شکر تو کافروں میں بھی ہے تو صابر اور شکور سے مراد مومن ہے اور جب سمندر کے سفر میں بہت خطرات ہیں، تو اس کے لئے زیادہ صبر کی ضرورت ہے اور اس سے نجات پانے میں بہت انعامات ہیں اس لیے اس پر شکر کرنا چاہئے اسی وجہ سے سورۃ لقمان آیت 31 میں بھی سمندر کے سفر کے ساتھ یہ صفت ذکر ہوئی ہے اَوْ يُوْبِقْهُنَّ اس کا ذکر ، يُسْكِنِ الرِّيْحَ کے تحت درست نہیں اسلئے کہ اِيْبَاقٌ (اہلاک اور غرق) ہونے اور برسنے کیوجہ سے نہیں آتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں عبارت مقدر ہے اِنْ يَّشَاْ يَجْعَلِ الرِّيْحَ عَاصِفً یعنی جب ہوا اعتدال سے نکل جائے اور تیز ہو جائے تو موجیں بلند ہو جاتی ہیں اور کشتیاں ڈوب جاتی ہیں اور کشتیوں کا سمندر میں کھڑا ہونا کم خوف ہے اور ڈوبنا زیادہ خوف اور عذاب ہے۔ وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ بہت سارے گناہوں یا لوگوں سے درگزر کرتا ہے جب مومن ہو یا جب مشرک ہو تو ان کو عذاب سے مہلت دیتا ہے وَيَعْفُ یہ يُوْبِقْهُنَّ پر عطف ہے یعنی جب ہوا تیز ہو جاتی ہے تو بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ غوطے لگانے سے یا کسی تختے کے اوپر اپنی قدرت سے نجات دیتا ہے یا وَيَعْفُ شروع کلام سے ہے اور اس سے واو خلاف القیاس حذف ہوا ہے وَّيَعْلَمَ یہ پوشیدہ عبارت پر عطف ہے یعنی يُغْرِقْهُمْ لِيَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَلِيَعْلَمَ تو اس میں اِنْ پوشیدہ ہے اور یہ دونوں حالتوں کے ساتھ متعلق ہے یعنی جب کشتی رک جاتی ہے یا ڈوب جاتی ہے تو اس وقت کافر اور مشرک جان لیتے ہیں کہ ہمارے معبود ہمیں نجات نہیں دے سکتے ہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو چیخ کر پکارتے ہیں جیسے اس کا تذکرہ سورۃ یونس سورۃ عنکبوت اور سورۃ لقمان میں گزر چکا ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٣٦ وَ
الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝٣٧ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣٨ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ
يَنْتَصِرُوْنَ ۝٣٩ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"جو چیز تمہیں دی جاتی ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور ہمیشہ کے لئے ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں[36] اور جو لوگ بڑے گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور ظاہر بے حیائی سے اور غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں[37] اور جو لوگ اپنے رب کے حکموں کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور انکا کام آپس میں مشورہ کرنا ہوتا ہے اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں[38] اور جب ان کو کوئی زیادتی پہنچ جاتی ہے تو یہ لوگ بدلہ لیتے ہیں[39] اور برائی کا بدلہ اسی طرح برائی ہوتا ہے تو جو کوئی معاف کردے اور نیک اعمال کرے تو اسکا ثواب اللہ تعالیٰ پر ہے بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے[40]۔

تفسیر 36: یہاں سے سورۃ کے آخر تک تیسرا باب ہے اس میں تزہید فی الدنیا (دنیا سے بے رغبتی) اور آخرت پر ایمان والوں کی توصفات کو ذکر کرنے کے ذریعے ترغیب ہے، پھر تخویف اُخروی پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ترغیب کے ساتھ ساتھ منکرین کے لئے زجر ہے پھر عقلی دلیل ہے پھر آخر میں قرآن کی صداقت اور وحی کی تاکید ہے اس آیت میں تزہید فی الدنیا ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کشتی دے اعتدال سے اس کو ہواؤں میں چلائے اور ڈوبنے سے بچ جائے یہ تو دنیا کا تھوڑا فائدہ ہے تو اس پر تکبر کرنا اور شرک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو بھلانا جائز نہیں ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ یہ آخرت کی طرف ترغیب ہے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا آخرت کے انعامات کو حاصل کرنے کے لئے توصفات ذکر کی گئی ہیں اور اس آیت میں دو کا ذکر ہے اللہ پر توکل کرنا اور ایمان کی صفت میں شرک جلی سے بچنے کی طرف اشارہ ہے اور اللہ پر توکل کرنے میں اپنے آپ کو شرک خفی سے بچانے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ توکل میں یہ معنی ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف التفات نہیں کرتے ہیں۔

تفسیر 37: اس آیت میں تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہے گذشتہ دونوں صفات ایجابی تھیں اور یہ دونوں سلبی صفات ہیں کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ ہر گناہ جس کی سزا زیادہ اور سخت ہو شرک، قتل، زنا، چوری، والدین کی نافرمانی، جادو، جھوٹی قسم کھانا، بہتان وغیرہ یہ کبیرہ گناہ ہیں وَ الۡفَوَاحِشَ یہ عام کے بعد خاص ہے یعنی گناہوں میں سے وہ گناہ کہ عقل اور طبیعت بھی اس سے نفرت کرے جیسے زنا، جھوٹ، خیانت اور دھوکا وغیرہ اس میں داخل ہیں وَ اِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ پہلے حقوق اللہ کا ذکر تھا اور اس میں حقوق العباد کا ذکر ہے اور یہ اعتدال کی صفت ہے یعنی جو اس کی بے عزتی کرتے ہیں تو غیرت کی وجہ سے غصہ تو ہوتے ہیں لیکن پھر بھی بدلہ نہیں لیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ تکبر اس میں نہیں ہے اس لئے کہ صرف غصہ کی وجہ سے لوگوں کو پکڑنا ان کو معاف نہ کرنا یہ تکبر ہے۔

تفسیر 38: اس آیت میں پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صفت کا ذکر ہے وَ الَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ اس میں ایمان کے بعد مکمل طور پر فرمانبردار ہونا مراد ہے وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ اس میں اتفاق اور اتحاد کی طرف اشارہ ہے جس کا سبب ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کرنا ہے اور مشورہ احکام بنانے کے لئے نہیں ہے بلکہ احکام کو چلانے کے لئے ہے اور اس کو شوریٰ کہا جاتا ہے اور جو مغربی شوریٰ اور جمہوریت ہے تو وہ احکام بنانے کے لئے ہوتی ہے اور وہ شرک ہے اور اس سورۃ میں یہ صفت اس وجہ سے ذکر کی ہے کہ اس سورۃ کا دعویٰ توحید بالحکم تھا جس کے جاری کرنے کے لئے مشورہ کرنے کی ضرورت تھی پھر جب گزشتہ صفات میں مشورہ کی ضرورت نہیں تھی بلکہ بعد والے اعمال میں مشورے کی ضرورت ہے تو اسی وجہ سے درمیان میں یہ صفت ذکر کر دی اور شوریٰ کا حکم سورۃ آل عمران آیت 159 میں مذکور ہے۔

تفسیر 39: اس میں نویں صفت کا ذکر ہے سوال: چوتھی صفت اور اس صفت کے درمیان منافات ہے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ جنایت کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں پہلی قسم ان کی ہے جو اپنی خیانت کرنے پر نادم ہوں تو اس کو معاف کرنا چاہئے اور دوسری قسم وہ لوگ اپنی خیانت کرنے پر مضبوط ہوں اور ظلم کو نہیں چھوڑتے ہیں تو ان سے انتقام لینا ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ پہلا دعوت کے وقت غضب کے بارے میں ہے یعنی دعوت اور تبلیغ کے وقت جو زیادتی کرے اور برا بھلا کہے اور دواعی غصہ ہو جائے لیکن معاف کرے اور دوسرا دنیاوی امور کے بارے میں۔ تیسرا جواب: یہ ہے کہ ان جملوں میں امر کا صیغہ نہیں ہے بلکہ عزیمت ذکر کی ہے پہلا زیادہ بہتر ہے اور دوسری کی رخصت ذکر کی ہے کہ اس پر بھی عمل کرنا جائز ہے لیکن اس کے ساتھ شرط بھی ہے۔

تفسیر 40: اس میں مدد اور انتقام لینے کی شرط ذکر کی گئی ہے جو کہ برابر ہے اور پھر اعلیٰ وصف کی طرف ترغیب ذکر کی ہے جو کہ معاف کرنا ہے اور برائی کے بدلے برائی کہا ہے اگرچہ وہ برائی نہیں ہے مشاکلت کی وجہ سے کہا ہے اگرچہ یہ برائی کا بدلہ رخصت کی وجہ سے لینا جائز ہے لیکن اصل میں تو برائی ہے وَ اَصْلَحَ اس میں اشارہ ہے کہ معافی کرنے کے بعد فساد نہیں کرنا یعنی عفو منافقت کے طور پر نہیں ہوتا ہے بلکہ اصلاح کے لئے ہوتا ہے۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ۚ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ
سَبِيْلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۚ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ
الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٦﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾

"اور ظلم ہونے کے بعد جس نے بدلہ لیا تو ان لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے [41] بے شک ملامت ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق طور پر سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے [42] اور جس نے صبر کیا اور معافی اختیار کی بیشک یہ لازم کے ہوئے کاموں میں سے ہے [43] اور جن کو اللہ گمراہ کردے تو گمراہی کے بعد ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہے اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے یہ لوگ کہیں گے کیا واپسی کے لئے کوئی راہ نہیں ہے [44] اور آپ ان کو دیکھیں گے یہ لوگ آگ پر پیش کیے جائیں گے ذلت کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے لرزدہ نگاہوں سے دیکھیں گے اور ایمان والے کہیں گے بے شک پورے نقصان والے وہ لوگ ہیں قیامت کے دن جنہوں نے اپنے مال اور اہل عیال کو نقصان میں ڈالا خبردار ظالم ہمیشگی کے عذاب میں ہوں گے [45] اور ان کے لئے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ کے علاوہ ان کی مدد کریں اور اللہ جن کو گمراہ کردے ان کے لئے ہدایت کی کوئی راہ نہیں ہے [46] اپنے رب کے حکموں کو قبول کرلو ایسے دن کے آنے سے پہلے جس کو اللہ کی طرف سے کوئی واپس کرنے والا نہ ہوگا اور اس دن تمہارے لئے پناہ کی جگہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لئے کوئی فائدہ مند انکار ہوگا [47]۔

تفسیر 41، 42: اس آیت میں ایک وہم کو ختم کرنا ہے کہ جب کوئی مظلوم ظالم سے بدلہ لے تو بعض نا سمجھ لوگ اس مظلوم کو ملامت کرتے ہیں لہٰذا اس آیت میں ان کا رد ہے اور یہ بدلہ لینا عام ہے چاہے بدن کے اعتبار سے ہو یا مال اور قدرت کے اعتبار سے ہو اور دوسری آیت میں ملامت کے مستحق لوگوں کا ذکر کیا ہے اور وہ دو قسم کے ہیں پہلے وہ لوگ ہیں جو لوگوں

پر ظلم کرتے ہیں یعنی حقوق العباد کو ضائع کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو حقوق اللہ کو ضائع کرتے ہیں۔

تفسیر 43: یہ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ پر عطف ہے یعنی صبر کی وجہ سے بدلہ نہیں لیتے ہیں اور ان کو معاف کر دیتے ہیں یعنی ناراضگی ختم کر لیتے ہیں عَزْمِ الْاُمُوْرِ وہ کام جو شریعت میں عزیمت کیساتھ مطلوب ہیں اگرچہ مقابل میں رخصت پر عمل جائز ہو۔

تفسیر 44: اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تخویف اُخروی ہے جو گذشتہ صفات سے محروم ہیں وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ یعنی مظلوم کے صبر اور معاف کرنے کے باوجود بھی یہ ظالم اپنی ضد اور عناد کو نہیں چھوڑتا ہے وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ، تری کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے یعنی آپ ظالموں میں سے برے حال والے لوگوں کو دیکھ لینگے اور یَقُوْلُوْنَ ان کے برے حال کا بیان ہے هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ جواب پوشیدہ ہے کہ نہیں ہے اور اس طرح سورۃ غافر آیت 11 اور سورۃ انعام آیت 27 اور سورۃ سجدہ آیت 12 سورۃ فاطر آیت 37 میں بھی ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 45: یہ بھی چھ طریقوں سے تخویف اُخروی ہے۔ مِنَ الذُّلِّ، خٰشِعِيْنَ سے متعلق ہے یعنی یہ خشوع عبادت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ذلت کی وجہ سے ہے یَنْظُرُوْنَ سے متعلق ہے مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ، مِنْ ابتداء کے لئے ہے یا باء کے معنی میں ہے کمزور نظر یہ ہے کہ شرم کی وجہ سے آنکھیں نہیں اٹھا سکیں گے **سوال** دوسری آیت سے تو ثابت ہے کہ ان کو اندھا اٹھایا جائیں گا؟ **پہلا جواب** یہ مختلف اوقات ہیں بعض وقت اندھے ہونگے اور بعض وقت نظر تیز ہوگی فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ اور بعض وقت نظر کمزور ہوگی۔ **دوسرا جواب** یہ ہے کہ یہاں طرف خفی سے مراد آنکھوں پر دل کے ساتھ دیکھنا ہے وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ کافروں کو ملامت کرنے کی بات ہے لہٰذا یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے وَ اَهْلِيْهِمْ اہل کا نقصان یہ ہے کہ ان کو شرک اور کفر میں اپنے تابع بنایا اور یَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس وجہ سے فرمایا کہ اس دن نقصان ظاہر ہوا اگرچہ وہ دنیا میں تھا اَهْلِيْهِمْ، فی اَهْلِيْهِمْ کے معنی میں ہے اور مراد یہ ہے کہ اہل ان سے الگ ہوئے ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے ہیں یا تو وہ اپنے عمل کے سبب سے جنت میں داخل ہوئے یا آگ میں ہیں ان کو ان کا حال یا خبر نہیں ہوگا۔

تفسیر 46: یہ بھی تخویف اُخروی ہے اور شرک فی الولایۃ کا رد ہے فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ دنیا میں حق کی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ اور یا پھر اس قول هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ کا جواب ہے بہر حال سبیل سے خاص سبیل مراد ہے ذکر عام مراد خاص ہے۔

تفسیر 47: اس آیت میں اس چیز کی طرف دعوت ہے جس کے ذریعے ان عذابوں سے نجات حاصل ہوتی ہے جو پہلی آیتوں میں ذکر ہوئے ہیں اِسْتَجِيْبُوْا اس سے مراد سورۃ کے دعوے کی استجابت ہے اور اللہ کے احکام کو مکمل طور پر ماننا ہے لَا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یعنی جب اللہ تعالیٰ واپس نہیں کرتا ہے تو کوئی کبھی بھی واپس نہیں لوٹا سکتا ہے نَّكِيْرٍ گناہوں سے انکار کرنے والا ہے یعنی انکار والا یعنی انکار تو کرلیں گے لیکن وہ انکار فائدہ نہیں دے سکے گا اس لیے کہ گواہوں کے ذریعے سے ان کا جرم ثابت ہوا ہوگا اور امام مجاہد رحمہ اللہ کے نزدیک نَّكِيْرٍ سے مراد مددگار ہے یعنی عذاب کو ہٹانے والا نہیں ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾

[48] اگر وہ لوگ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر حفاظت کرنے والا نہیں بھیجا آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں تو اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر ان کے اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے پہلے کیے ہیں ان کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو انسان ناشکری کرتا ہے [48]۔

تفسیر 48: یہ اِسْتَجِيْبُوْا کا مقابل ہے اور اعراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے اور نبی ﷺ کو تسلی ہے فَاِنْ اَعْرَضُوْا جزا مقدر ہے یعنی آپ کے ذمے کچھ حساب نہیں ہے) فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ یہ جزا کی علت ہے وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ یہ زجر ہے اور پھر اعراض کرنے کا حال ہے یعنی نعمت کے حال میں اعراض تکبر کے طور پر کرتا ہے اور مصیبت کی حالت میں اعراض ناشکری کے طور پر کرتا ہے۔ فائدہ: رحمت کے ساتھ اَذَقْنَا ذکر کیا ہے اور سَيِّئَةٌ کیساتھ تُصِبْهُمْ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ انسان کو جب تھوڑی سی نعمت پہنچ جائے تو تکبر کرتا ہے اس لئے کہ دنیا کے انعامات جنت کے مقابلے میں کم ہیں اسی وجہ سے ذوق یعنی چکھنا کے ساتھ تعبیر کی ہے اور سَيِّئَةٌ میں کم پر خوش رہتا ہے لیکن جب بڑھ جائے تو ناشکری کا اظہار کرتا ہے اور اصابۃ زیادہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا فائدہ: پہلے جملے کی ابتدا میں اِذَا اور دوسرے جملے کی ابتداء میں اِنْ ذکر کیا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کا ہونا اصل چیز ہے اور مصائب عارضی چیز ہے۔ تیسرا فائدہ: نعمت کے حال میں مفرد ذکر کیا ہے اور مصیبت کے حال میں جمع کی ضمیر ذکر کی ہے اگرچہ انسان اسم جنس ہے لیکن اس میں اشارہ ہے کہ تکبر کے حال میں انسان اپنے آپ کو باقی لوگوں سے بے پروا سمجھتا ہے اور مصیبت کے حال

میں باقی لوگوں کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے۔ اور ان سے فریادیں کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿49﴾
اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿50﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿51﴾ وَكَذٰلِكَ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ
نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿52﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿53﴾

"اللہ کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی ہے جو وہ چاہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہے بیٹے بخشتا ہے[49] بعض لوگوں کو دونوں قسم بیٹے اور بیٹیاں دیتا ہے اور بعض کو بانجھ بنا دیتا ہے بے شک وہ اللہ تعالیٰ جاننے والا قدرت والا ہے[50] اور کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر اس کے دل پر وحی کر دے یا پردے کے پیچھے یا کسی ملک کو بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جسے چاہے وحی کر دے بے شک وہ بلند حکمت والی ذات ہے[51] اسی طرح ہم نے آپ کو روح (قرآن) کی وحی کی ہے اپنے حکم سے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان کی تفصیل جانتے تھے لیکن ہم نے اس قرآن کو روشنی بنا دیا ہے ہم جسے چاہیں اپنے بندوں کو اس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں[52] اس ذات کی راہ ہے یعنی اللہ جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف تمام کاموں کا پلٹ کر جانا ہے[53]۔

تفسیر 49، 50: یہ توحید فی الولایۃ پر دلیل عقلی ہے کلی بادشاہی پیدائش اور اولاد کی تقسیم یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے آیت میں مُلْكُ سے ابتداء کی ہے اشارہ ہے کہ یہ بعد والا نظام بادشاہی کا نظام ہے يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ اور يَهَبُ ان دونوں کو ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ پیدا کرنے کی دو اقسام ہیں پہلی یہ کہ عدم سے وجود کی طرف بغیر کسی مادے کے منتقل کرے دوسری یہ کہ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا کرتا ہے پھر انسانوں کی اولاد کے اعتبار سے دو اقسام ہیں اور آخر میں بے اولاد کا ذکر کیا ہے پھر اس تقسیم کی علت ذکر کی عَلِيْمٌ، قَدِيْرٌ بہت اَفْصَحْ اَبْلَغْ بہترین ترتیب ہے۔ پہلا فائدہ: یہ ہے کہ

اِنَاثًا کو پہلے ذکر کیا ہے عورتوں کی کثرۃ کی طرف اشارہ ہے جو کہ قیامت کی علامات میں سے ہے اور امام قرطبی نے واثلہ سے نقل کیا ہے کہ عورت کی برکت یہ ہے کہ پہلے بیٹی پیدا ہو جائے پھر اسکے بعد بیٹا پیدا ہو جائے۔ یہ روایت منکرت موضوع ہے سلسلۃ الضعیفۃ 4519 دوسرا فائدہ: اِنَاثًا نکرہ اور الذُّکُوْرَ کو معرفہ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ عورت کو اجنبیت حالت میں رکھنا چاہئے کہ پردہ نشین ہو جو پہچانی نہیں جاتی ہو اور مرد تو ظاہر ہوتے ہیں وہ پہچانے جاتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: یُزَوِّجُھُمْ لفظ عام ہے کہ ایک دفعہ لڑکا لڑکی دونوں پیدا ہو جاتے ہیں جس کو توامین جڑواں بچے کہا جاتا ہے یا الگ الگ وقت میں دے پھر تزویج میں اصل مرد ہے اس وجہ سے ذُکْرَانًا کو وَّ اِنَاثًا پر مقدم کیا ہے۔

چوتھا فائدہ: مفسرین نے یہ تقسیم انبیاء علیہم السلام میں ذکر کی ہے لوط علیہ السلام پہلی قسم کا مصداق ہے ابراہیم علیہ السلام دوسری قسم کے مصداق تھے اور آخری نبی ﷺ تیسری قسم کے اور یحیٰ علیہ السلام چوتھی قسم کے لیکن یہ تخصیص کے طور پر نہیں ہے بلکہ مثال کے طور پر ہے اور اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اپنی اولاد میں اختیار نہیں رکھتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو بزرگ اولیاء کس طرح کسی کو اولاد دے سکتے ہیں جس طرح مشرکین بزرگوں اور ان کی قبروں سے التجائیں کرتے ہیں صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1330 صحیح مسلم حدیث 1265 تو یہ صریح شرک ہے۔ پانچواں فائدہ: یہ اقسام غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہیں تو اسکے ساتھ خنثیٰ کا انکار نہیں ہو سکتا ہے اسلئے کہ لفظ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اور قَدِیْرٌ خنثیٰ کے پیدا کرنے کو شامل ہے۔

تفسیر 51: سابقہ آیت میں نعمت ظاہری کی تقسیم تھی اب اس آیت میں باطنی نعمت کی تقسیم ہے جو کہ وحی ہے اور اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے لئے الوھیت کے مرتبے سے عجز کا اثبات بطور حصر انسان کے ساتھ کیا ہے اور اللہ کے کلام کرنے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ: وحی کا ہے یہاں خاص معنیٰ مراد ہے یعنی نبی کے دل میں ملک کے واسطے کے بغیر بات ڈال دے چاہے حالت بیداری میں ہو یا نیند میں جیسے حدیث میں ہے اَلْقِی اللّٰهُ فِیْ رُوْعِیْ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا ترغیب حدیث 1702: کتاب البیوع۔ سلسلۃ الصحیحۃ 2500: 2866: اس حدیث کو الشیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن صحیح کہا ہے (اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مریگا یہاں تک کہ اپنا رزق مکمل کرلے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ دوسرا طریقہ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بغیر حقیقتاً باتیں کی ہوں جیسے معراج کی حدیث میں ہے۔ تیسرا طریقہ اَوْ

یُرْسِلَ رَسُوْلًا یہ وَحْیًا کے معنی پر عطف ہے یعنی اَنْ یُوْحٰی اِلَیْہِ اور اَنْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا کی تاویل میں ہے رسول سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے اور یہ بعد والا طریقہ بھی دو قسم پر ہے جیسے صحیح بخاری کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں ذکر ہوا ہے پہلا طریقہ یہ کہ جبرائیل کی آواز صَلْصَلَۃُ الْجَرَسِ کی طرح ہوتی ہے اور یہ نبی پر بہت گراں ہوتی ہے لیکن وہ اس سے وحی یاد کر لیتا، دوسرا طریقہ جبرائیل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں آتے اور نبی ﷺ کے ساتھ ظاہرا باتیں کرتے تھے اور یہ آسان طریقہ تھا۔ فائدہ: اس آیت سے دلیل لی گئی ہے کہ انبیا علیہم السلام دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں کر سکتے صرف کلام اللہ سن سکتے ہیں تو یہ ایک دلیل ہے کہ کلام کرنا اللہ کی صفت ہے۔

تفسیر 52: اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب اور قرآن کی صداقت کا بیان ہے جو سورۃ کی ابتدا سے متعلق ہے اور اشارہ ہے کہ قرآن کریم مذکورہ طریقوں سے نازل ہوا ہے جو پہلی آیتوں میں ذکر ہوئے رُوْحًا سے مراد قرآن کریم ہے اور قرآن کریم روحانی عبادت کا سبب ہے جیسے حیوانی روح حیات بدنیہ کا سبب ہے اور اسی وجہ سے قرآن کو ربیع القلوب بھی کہتے ہیں (دلوں کی بہار) مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ اس سے مراد قرآن کریم ہے یعنی قرآن کے نزول سے پہلے نبی ﷺ قرآن سے بے خبر تھے جیسے سورۃ یوسف آیت 2 سورۃ یونس آیت 21 میں ہے یا کتاب سے مراد مطلق ہے یعنی تورات انجیل زبور یا کتاب سے مراد لکھنا ہے۔ وَلَا الْاِیْمَانُ نبوت سے پہلے نبی ﷺ کو معلوم نہیں تھا یا اس سے مراد ایمان کی طرف دعوت کا طریقہ یا اس سے مراد اہل ایمان ہیں اور یہ توجیہات اس وجہ سے لازم ہے کہ اجمالی ایمان تمام انبیاء میں نبوت سے پہلے موجود ہوتا ہے قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے جہل باللہ اور صفات اللہ اور اس میں شک کرنے سے معصوم تھے اور خطیب شربینی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نبوت سے پہلے اللہ کی وحدانیت اور عظمت کا اقرار کرنے والے تھے نماز حج اور عمرہ کیا کرتے تھے اور لات منات کو برا سمجھتے تھے غیر اللہ کے نام پر مذبوحہ نہیں کھایا کرتے تھے اور اس طرح لکھا ہے کہ صفات الٰہیہ دو قسم کی ہیں ایک قسم وہ ہے جو عقل سے معلوم ہوتی ہیں اور دوسری یہ ہے جو صرف نقلی دلائل سے معلوم ہوتی ہیں نبوت سے پہلے نبی پہلی قسم پر عقیدہ رکھتے ہیں اور جو روایت انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی نبوت سے پہلے شرک کیا کرتے تھے تو وہ موضوع احادیث اور روایات ہیں۔ فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تفصیلی ایمان قرآن کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے تو یہ بات جو کی جاتی ہے کہ ایمان قرآن سے پہلے ہے تو اس سے مراد اجمالی ایمان ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اس میں رسول کی رسالت

کا اثبات ہے اور ہدایت سے مراد دعوت اور ارشاد ہے۔

تفسیر 53: یہ صراط مستقیم کی عظمت شان کا ذکر ہے الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ یہ صراط کے مقصد کی طرف اشارہ ہے جو کہ توحید ہے اور سورۃ کی ابتدا کے ساتھ متعلق ہے اور رد شرک فی الولایۃ ہے اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ اس میں ایک وہم کا خاتمہ ہے کہ اگر کوئی وہم کرے کہ بعض چیزوں میں بندوں کی ملکیت بھی ہے تو کہا گیا لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت اور عاقبت ان تمام کی ملکیت اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔

سورۃ الشوریٰ کی خصوصیات:

۱۔ وحی الٰہی کی کثرت سے تصدیق اس سورۃ میں ذکر ہے۔

۲۔ حاکمیت الٰہی کا ذکر ہے۔

۳۔ شرک فی الحاکمیت کی تردید۔

۴۔ ولایت (دوستی) اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی گئی ہے اور غیر اللہ سے نفی کی ہے۔

۵۔ تمام نبیوں کی شریعت کا تذکرہ۔

۶۔ داعی کے لئے (10) دس لازمی اُمور کا تذکرہ۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تشبیہ کی نفی اور صفات کا اثبات۔

۸۔ ایمان والوں کی خاص صفات کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ کے توفیق سے اس سورۃ کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۸۹ ۴۳ سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۳ رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

* اس کی مراد کو اللہ جانتا ہیں [1] واضح بیان کرنے والی کتاب کی قسم [2]۔

ربط: سوۃ شوریٰ سے اس کا ربط بہت سی وجوہ سے ہے۔ پہلی وجہ: یہ ہے کہ گذشتہ سورۃ میں قرآن کریم کی تحکیم کا حکم تھا جو کہ موحدین کی حجت تھی تو اس سورۃ میں مشرکین کی حجتوں کا رد ہے دوسری وجہ: یہ ہے کہ پہلے بعض مشرکین کے شبہات کا رد تھا تو اس سورۃ میں ان کے مشہور شبہ کا رد ہے جو کہ شفاعت قہریہ کا عقیدہ ہے تیسری وجہ: یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں مشرکین کے لئے زواجر تھیں تو اس سورۃ میں شرک کی اقسام کا رد اور زجر ہے۔ چوتھی وجہ: یہ ہے کہ سورۃ شوریٰ میں قرآن کریم پر فیصلہ کرنے کی طرف دعوت تھی تو اس سورۃ میں قرآن کریم سے اعراض پر زجر ہے۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون: مشرکین کی حجتوں کا رد کرنا ہے اور وہ شرک پر اللہ تعالیٰ کی مشیت کو دلیل بناتے تھے اور دوسری حجت شفاعت شرکیہ کا عقیدہ ہے اور تیسری حجت آبا ؤ اجداد کی اتباع آیت 25، 87، 64 میں اور اس کے ساتھ ساتھ شرک کی اقسام شرک فی العبادۃ فی الدعاء و فی التصرف کا رد ہے اور اتخاذ الولد کے عقیدے کا تین نقلی دلائل اور آٹھ عقلی دلائل کے ذریعے رد ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تین ابواب ہیں پہلا باب آیت 36 تک ہے اس میں قرآن کی سچائی کا نو طریقوں سے ذکر ہے پھر زجر اور تخویف دنیاوی ہے پھر چار عقلی دلائل ہیں پھر مشرکین بالملائکۃ کے لئے زجر ہے اور ان کی دو دلیلوں کا رد ہے اور ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر ہے پھر دو زواجر اور دنیا سے بے رغبتی کا ذکر ہے۔

تفسیر 1، 2: اس میں شہادت کے فائدے پیش کرنے کے لیے قرآن کی قسم کا ذکر ہے اور اس کی تفصیل سورۃ یٰس کی ابتدا میں گزر چکی ہے اَلْمُبِیْنِ یہ متعدی ہے توحید اور حق کی راہ کو مشرکین کی راہ سے واضح کرنے والی اس میں اشارہ ہے کہ اس سورۃ میں شبہات کے ختم کرنے کی وضاحت ہے دلائل نقلیہ کے ذریعے یا لفظ مُبِیْنِ لازم ہے یعنی واضح اور صاف مضمون والا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٣ وَإِنَّهُۥ فِىٓ أُمِّ ٱلْكِتَٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِىٌّ حَكِيمٌ ۝٤ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ
ٱلذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۝٥ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِىٍّ فِى ٱلْأَوَّلِينَ ۝٦ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِىٍّ إِلَّا
كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٧ فَأَهْلَكْنَآ أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ ٱلْأَوَّلِينَ ۝٨

"بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تا کہ تم عقل حاصل کرو[3] اور بے شک یہ اصل کتابوں میں ہے ہمارے نزدیک بلند حکمت والا ہے[4] کیا ہم آپ سے نصیحت پھیر دیں اس وجہ سے کہ تم مشرک قوم ہو[5] اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے انبیاء بھیجے ہیں[6] ان کے پاس کوئی بھی نبی نہیں آیا مگر یہ لوگ اسکا مذاق اڑاتے ہیں[7] تو ہم نے ان میں سے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو پکڑنے میں بہت سخت تھے اور پرانے لوگوں کے نمونے گزر چکے ہیں[8]۔

تفسیر3: یہ جواب قسم ہے حاصل یہ ہے کہ قرآن کی وضاحت اعلیٰ مرتبے میں ہے وہ اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے بندے کی کتاب نہیں ہے اور اسی طرح ہر عقل والوں کے سمجھنے کی کتاب ہے۔ سوال: جَعَلْنَا کا ظاہری معنیٰ تو پیدا کرنا ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم مخلوق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ غیر مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہی حق ہے؟
پہلا جواب: یہ ہے کہ یہاں قرآن کی توصیف کا عربیت کے ساتھ مقصد ہے عرب کے مخاطبین کو ترغیب کے لئے ہے اور جَعَل تصییر کے معنی میں ہے یعنی قرآن کریم کو عربی لغت میں نازل کیا گیا ہے اور مشرکین نے قرآن کے خلق اور عدم خلق میں بحث نہیں کی ہے تو اس میں ایک جانب کے ثبوت کی ضرورت نہیں تھی اور وہ باقی دلائل سے ثابت ہوا ہے کہ مخلوق نہیں ہے۔ دوسرا جواب امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا جَعَلْنَا سَمَّيْنَاهُ (نام رکھنے کے معنی میں ہے) اور وَصَّيْنَاهُ (صفت دی ہے) اور اَنْزَلْنَاهُ اَوْ بَيَّنَّاهُ (نازل اور بیان کیا ہے ہم نے) اور اَنْزَلْنَاهُ کا معنی بہتر ہے اسلئے کہ قرآن میں اس لفظ کے ساتھ ذکر زیادہ ہے جیسے سورۃ یوسف آیت 2 میں ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی معنی پسند کیا ہے۔
تیسرا جواب: جَعَلَ تقدیر اور کتاب کے معنی میں ہے یعنی ہم نے تقدیر میں قرآن عربی زبان میں لکھا ہے اور وہ تقدیر لوح محفوظ ہے اور اس کی تائید روح المعانی میں طاؤس رحمہ اللہ سے نقل کی ہے کہ ایک شخص حضر موت مقام سے آیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مجھے خبر دو کہ قرآن کلام اللہ ہے یا اللہ کی مخلوقات میں سے مخلوق ہے اس نے جواب دیا کہ اللہ کا کلام ہے اور آیت پڑھ کر سنائی حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ (سورۃ توبہ) تو اس آدمی نے یہ آیت ذکر کی اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں عربی زبان

میں لکھا ہے اور آیت پڑھی بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ. فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج) اور وہ جواب جو امام رازی اور شربینی رحمہم اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد لفظی کلام ہے اور وہ مخلوق ہے یہ قول غلط ہے اسلئے کہ کلام کی لفظی اور نفسی تقسیم کرنا یہ بدعت ہے اور قرآن کریم تو واضح دلائل ہیں کہ مسموع مقروء، متلو اللہ کا کلام ہے اور یہ منہج امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ سے اکبر اور شرح عقیدہ الطحاویہ 188، میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب العلو للعلی الغفار میں امام ابو یوسف کا امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے ساتھ مناظرہ ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کیا تھا اور فرماتے تھے کہ جو کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کریم میں احکام ہمعانی، مقاصد اور حکمتیں حاصل کرنے کے لئے غور وفکر کرنا ضروری ہے اسلئے کہ اس کو انزال کا مقصد قرار دیا ہے۔

تفسیر 4: یہ بھی تصدیق اور ترغیب دینے کے لئے قرآن کی صفات ہیں وَ اِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ اسی طرح سورۃ بروج آیت 22 اور سورۃ واقعہ آیت 78 میں ہے اور یہ دلیل ہے کہ یہ قرآن اس خاص ترتیب کے ساتھ لوح محفوظ میں اصل ترتیب کے ساتھ ہے ہاں نزول میں ترتیب واقعات کے سبب سے دوسرے طریقے سے ہے حَكِيْمٌ حکمتوں والا ہے۔

تفسیر 5: یہ قرآن سے استفہام انکاری کے طور پر اعراض کرنے پر زجر ہے یعنی اگر مشرکین کہہ دیں کہ ہم توحید نہیں مانتے تو تم ہمیں یہ قرآن کیوں بیان کرتے ہو اور تنگ کرتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمھارے شرک اور انکار کی وجہ سے قرآن کا نزول اور قرآن کو بیان کرنا نہیں چھوڑیں گے صَفْحًا یہ فعل کے لفظ کے بغیر مفعول مطلق ہے لیکن معنی ایک ہے اَنْ كُنْتُمْ لام کی تقدیر کے ساتھ علت ہے یا انکار کے لئے علت ہے یعنی اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ یعنی ہم تم سے قرآن اس وجہ سے نہیں پھیرتے ہیں کہ تم مشرکین اس کے ضرورت مند ہو۔

تفسیر 6، 7، 8: ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اور زجر کے بعد منکرین کے لئے تخویف دنیاوی ہے كَمْ خبریہ زیادہ ہونے کے معنی میں ہے پہلی آیت میں رسولوں کی بعثت کا ذکر ہے اور دوسری میں منکرین کے استہزا کا ذکر ہے جو کہ عذاب کا سبب ہے اور تیسری آیت میں مسبب کا ذکر ہے جو کہ عذاب ہے مِنْهُمْ ضمیر ان مشرکین کی طرف راجع ہے جو گزشتہ آیت میں مخاطب تھے۔ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا ان کے زیادہ مال، بڑے بدن اور زیادہ لشکروں کی وجہ سے طاقت میں مَثَلُ حالات اور خبر کو کہا جاتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ
فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ
عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ ع

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس اللہ نے پیدا کیا ہے جو غالب ہے اور زیادہ جاننے والا ہے[9] جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پالو[10] اور وہ ذات ہے جس نے آسمان کی جانب اندازے سے بارش برسائی تو ہم نے اس کے ذریعے سے بنجر زمین کو سیراب کیا اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے [11] اور وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا اور تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں میں سے بنایا جس پر تم سواری کرتے ہو[12] تاکہ تم اس کی پیٹھوں پر برابر ہو جاؤ اپنے رب کے انعامات کو یاد کرو جب تم اس پر برابر ہو جاؤ اور تم کہو اس ذات کے لئے پاکی ہے جس نے ہمارے لئے یہ مقرر کیا ہے اور ہم اس کو قابو میں لانے والے نہیں تھے[13] اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف واپس پلٹنے والے ہیں[14] اور انہوں نے اللہ کے بندوں میں جز بنائے بیشک انسان کھلا ناشکری کرنے والا ہے[15] کیا اللہ تعالیٰ نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے بیٹیاں بنائی ہیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ چن لیا ہے[16]۔

تفسیر 9: یہ توحید کے مسئلے پر دلیل عقلی اعترافی ہے اور ان کا یہ اقرار سورۃ عنکبوت آیت 61 اور لقمان آیت 25 میں مذکور ہے اور اس آیت میں خَلَقَهُنَّ کو جواب میں اقرار کی تاکید کے لئے ذکر کیا ہے۔

تفسیر 10: یہ دوسری دلیل ہے اس میں اقرار نہیں ہے اس لئے کہ لَكُمْ فرمایا ہے ''لَنَا'' نہیں فرمایا تو یہ گذشتہ کے ساتھ بطور تویر (جہت وضاحت) کے ساتھ ذکر ہے یعنی جب آسمانوں اور زمینوں کا خالق اس کو مانتے ہو تو اس کے یہ بعد والی قدرت ضرور مانو گے اس آیت میں قدرت الٰہی کے دو نمونوں کا ذکر ہے مَهْدًا اور مِهَادُ جُھلا اور ماں کی گود بچے کے لئے آرام کی

جگہ ہوتی ہے اسی طرح زمین رہنے کے لئے اور بے شمار انعامات اور آرام کے لئے ہے سُبُلًا سفر کے راستے یا زندگی کے رزق کے اسباب لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ مقصد کو پہنچنا مراد ہے چاہے دنیا کا ہو یا دین کا۔

تفسیر 11 : یہ تیسری دلیل ہے اس میں قدرت کی دو عظیم نشانیوں کا ذکر ہے بارشیں برسانا پودے اُگانا اور کھیتیاں پیدا کرنا۔ بِقَدَرٍ اس میں اشارہ ہے کہ جو بارش اندازے سے زیادہ ہو جائے تو وہ عذاب کی بارش ہوتی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر ہوئی تھی بَلْدَةً مَّيْتًا بلدہ اس مکان کے معنی میں ہے جس میں زندگی گزارنے کیلئے لوگ جمع ہو کر رہتے ہوں۔ اور مکان مذکر ہے تو مَيْتًا اس وجہ سے مذکر لایا ہے كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اشارہ ہے کہ جس طرح یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے تو اسی طرح بعث بعد الموت کی دلیل ہے اور اسی طرح اس جملے کے ذکر کرنے میں آخرت کی یاد دہانی ہے تاکہ دنیا کی فصلیں اور باغات کو دیکھنے کے وقت آخرت سے غفلت نہ آئے۔

تفسیر 12 : یہ چوتھی دلیل عقلی ہے اس میں عام انعامات کا ذکر ہے الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا اس لفظ میں تمام حیوانات، نباتات اوصاف اور اطراف زمانیات اور مکانیات سب مذکر مؤنث میٹھا، کڑوا سفید کالا اوراوپر نیچے دایاں بایاں مراد ہے۔ آسمان، زمین، ماضی اور مستقبل گرمی اور سردی دن اور رات بہار خزاں اندھیرا اور روشنی جنت جہنم خیر وشر مالداری اور فقیری۔ ایمان اور کفر وغیرہ۔ زَوْجٌ اصل میں وہ چیز ہے جو تکمیل کیلئے دوسرے کے ساتھ کسی وجہ سے مناسبت رکھتی ہو تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ زوجیت سے منزہ ہے اور اس طرح سورۃ یٰسین آیت 36 اور ذاریات آیت 49 میں ہے مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مِن بعضیہ ہے اس لئے کہ بعض کشتیاں اور جانور سواری کے نہیں ہوتے ہیں یا مِن مابعد ماء کیلئے بیانیہ ہے۔

تفسیر 13، 14 : اس میں سواری کا ادب ہے تاکہ انسان کسی بھی وقت اور خاص کر سواری کے وقت (جو کہ اکثر ہلاکت کا وقت ہوتا ہے کیونکہ تکبر اور فخر کا سبب ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ کو نہ بھلائے اور اس کی توحید اور قدرت اور انعامات کو ہر وقت یاد رکھے۔ اور موت کی حالت کو بھی یاد رکھے۔ اور یہ ادب زبان سے بھی حدیث میں ثابت ہے عمل الیوم والیلۃ نسائی حدیث 502، حاکم 99-98-2/، ابوداؤد 2602، ترمذی 255/2، سلسلۃ الصحیحۃ 1652، میں ثابت ہے اور دل میں بھی یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے سنت طریقہ یہ ہے کہ رکاب میں پاؤں رکھ لے تو پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے، پھر اَللّٰهُ

اَکْبَرُ کہے اور جب سواری پر بیٹھ جائے تو الحمد للہ کہہ دے اس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَۃَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْہِ اور پھر سُبْحَانَ الَّذِیْ الخ تک پڑھ لے ظُہُوْرِہٖ میں ضمیر مَا تَرْکَبُوْنَ کی طرف راجع ہے اور وہ جنس ہے اور عَلَیْہِ ضمیر بھی مَا تَرْکَبُوْنَ کی طرف راجع ہے یا ظَہَر کی طرف راجع ہے جو ظُہُوْرٌ کے ضمن میں ہے الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا اس میں اللہ کی عظمت ہے وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ اس میں انسان کے عجز کا ذکر ہے وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اس جملے میں سواری کی حالت پر قیاس کے طور پر موت کی یاد دہانی ہے یعنی جیسے اب یہ انسان سواری پر سوار ہے اور ایک جانب جا رہا ہے اسی طرح ایک وقت لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوگا اور قبرستان کی طرف جائیگا۔

تفسیر 15: یہ لَئِنْ سَاَلْتَہُمْ کے ساتھ متعلق ہے اور شرک پر زجر ہے یعنی یہ مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق اور قادر ہے تو اولاد اور شریک کی اس کو کیا ضرورت ہے جو عقیدہ مشرکین رکھتے ہیں کہ فلاں اللہ کا بیٹا ہے اور ملائک اللہ کی بیٹیاں ہیں اور فلاں ولی اللہ کا لاڈلا ہے اور انھوں نے اس کو حصہ دار بنایا ہے جُزْءًا اولاد بھی ٹکڑا ہے اور شریک بھی ایک قسم کا ٹکڑا ہوتا ہے اسی وجہ سے قتادہ سے منقول ہے کہ جزء ہر معبود من دون اللہ کو کہا جاتا ہے اور اکثر مفسرین نے یہاں پر بنات (بیٹیاں) مراد لی ہیں۔

تفسیر 16: یہ مشرکین بالملائکہ کا رد ہے کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ملائک اللہ کی بیٹیاں ہیں یعنی عقل اور عرف میں یہ بات بہت عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹے دینے پر قادر ہے تو تمہیں بیٹے دے اور اپنے لیئے بیٹیاں بنائے اور یہ معلوم ہے کہ مرد کی جنس عورت کی جنس سے اشرف ہے اسی طرح سورۃ نجم آیت 21,22 میں بھی ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم ۗ مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝

"اور جب ان میں کسی کو اس کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی یہ لوگ رحمٰن کیلئے صفت بیان کرتے ہیں تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے [17] کیا (یہ لوگ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں) جس کی پرورش زیورات میں کیجاتی ہے اور جھگڑے کی حالت میں صاف بیان نہیں کر سکتی ہے [18] اور یہ لوگ رحمان کے بندوں کو جو کہ ملائک ہیں لڑکیاں تصور کرتے ہیں کیا انھوں نے ان کی پیدائش دیکھی ہے عنقریب ان کا یہ بیان لکھا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائیگا [19] اور انھوں نے کہا اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہیں کرتے ان کے پاس اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے یہ لوگ تو صرف اندازے لگانے والے ہیں [20]۔

تفسیر 17: اس آیت میں دوسرے طریقے سے رد اور زجر ہے کہ وہ مخلوق جس کو تم اپنے لیے طبعاً ناپسند کرتے ہو اور اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرتے ہو یہ اللہ تعالی کی بہت زیادہ بے عزتی کے مترادف ہے اور اس طرح سورۃ نحل آیت: 58 میں گزر چکا ہے مَثَلًا صفت کے معنی میں ہے یعنی بیٹی کا پیدا ہونا یا مشابہ کے معنی میں ہے اس لئے کہ ولد والد کے مشابہ ہوتا ہے ظَلَّ یہ دن کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی سارا دن اس کا چہرہ کالا ہوتا ہے اور یہ تخصیص اس وجہ سے کی کہ رات کو تو کالا رنگ نظر نہیں آتا ہے کَظِیْمٌ جو غم سے بھرا ہوا اور اس وجہ سے بات نہ کر سکتا ہو۔

تفسیر 18: اس آیت میں دوسرے طریقے سے زجر ہے یعنی عورت مرد کی بنسبت کمزور جنس ہے تو اس ضعیف جنس کی اس ذات کی طرف کس طرح نسبت کرتے ہو جو علیم اور قدیر ذات ہے اور ضعف دو طریقوں سے ذکر کیا گیا ہے ایک ضعف عورت کی زینت کا ہے اس لیئے کہ عورت زیورات کے بغیر بدصورت نظر آتی ہے اور مرد اپنی زینت میں زیورات کا محتاج نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ گفتگو میں مقابلے کی کمزوری ہے۔ کہ حیاء کی وجہ سے اپنا مقصد اور پوری دلیل واضح

نہیں کرسکتی ہے اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا یہ دلیل ہے کہ عورت کیلئے سونے چاندی کا زیور جائز ہے اور اس بارے میں احادیث بہت سے آئی ہیں اور جس حدیث میں سونے کا منع آیا ہے وہ بعض مفسرین کے نزدیک اس حال پر محمول ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو اور بعض کے نزدیک خلاف اولیٰ اور اسراف پر محمول ہے اَوَمَنْ یہ لفظ یا تو پوشیدہ فعل کے ساتھ منصوب ہے یعنی نَسَبُوْا اِلَی اللّٰہِ اَوْ عَبَدُوْ مَنْ یَّنْشَاءُ یا مرفوع مبتداء ہے اور ان عبارات کے ساتھ خبر پوشیدہ ہے۔

تفسیر 19 : پہلے اس بات پر زجر تھی کہ ملائک کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا اب اس پر زجر ہے کہ ملائک کو مؤنث کہتے ہیں اور ان کی صفات مؤنث کیساتھ بیان کرتے ہیں جیسے سورۃ نجم آیت: 27 اور صافات آیت: 150 میں ہے۔ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ یہ ملائک کے بارے میں صحیح عقیدہ ان لوگوں کے جواب میں ہے جو سوال کریں کہ ملائک مذکر ہیں یا مؤنث ہیں اور ان لوگوں کا رد ہے جو ملائک کو معبود سمجھتے ہیں اِنَاثًا جیسے فارسی میں ایک ملک کو فرشتہ کہتے ہیں اور پشتو میں فرشتہ یا ملائکہ کہتے ہیں تو یہ الفاظ بھی مؤنث ہیں ان کا استعمال جائز نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ یعنی مرد اور عورت کی صفت تو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے تو انہوں نے تو ملائک کو نہیں دیکھا ہے سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو ملائک دیکھے نہیں ہیں بلکہ اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ یہ مؤنث ہیں اور بڑے تو جھوٹ نہیں بولتے ہیں تو ہم اسی وجہ سے گواہی دیتے ہیں کہ یہ مؤنث ہیں اس وجہ سے ان کو زجر ہوئی کہ ان کی یہ شہادت ان کے اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ وَيُسْئَلُوْنَ یعنی ان سے دلیل کا سوال کیا جائیگا کہ تم کس وجہ سے بے دلیل باتوں کے پیچھے چلتے تھے امام شربینی نے لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ بے دلیل قول منکر ہے اور تقلید حرام ہے اور بہت ساری برائیوں کا سبب ہے۔

تفسیر 20 : یہ ان کے شرک کے عمل پر دوسری زجر ہے کیونکہ وہ ملائک کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے لئے دلیل بیان کرتے ہیں کہ اس شرک پر اللہ کی مشیت (رضامندی) ہے۔ اور یہ بھی مشرکین کی پرانی دلیل ہے جیسے سورۃ انعام آیت 148: اور سورۃ نحل آیت 35 میں مذکور ہے۔ اس قول کا رد اس دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یعنی ان کے شرک پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ کیونکہ رضا تو باطنی صفت ہے اس کے لیئے دلیل چاہیئے اور جو کام یعنی خلقت اور وجود ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر دلیل ہے نہ کہ رضاء پر یہاں تک معلوم ہوا کہ

مشرکین بالملائکہ نے پانچ قسم کا کفر کیا ہے: پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جز (ولد) کا عقیدہ رکھا ہے۔ دوسرا یہ کہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ فرشتوں کو عورتیں کہتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ پانچواں یہ کہ اس کی نسبت اللہ کی مشیت کی طرف کرتے ہیں یعنی اچھا کام سمجھتے ہیں۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم
مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ
أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا
أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾

"کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کتاب دی تھی تو یہ لوگ اس سے دلیل لینے والے ہیں [21] بلکہ انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم ان کے قدموں میں ہدایت پانے والے ہیں [22] اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر ان کے مالدار لوگوں نے کہا ہم نے اپنے بڑوں کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان کی ہدایت پر اقتدا کرنے والے ہیں [23] تو نبی نے فرمایا کیا میں اگر تمھارے پاس اس سے بہتر ہدایت لیکر آتا جس پر تم نے اپنے بڑوں کو پایا یہ لوگ کہتے کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں [24]۔

تفسیر 12: یہ بھی زجر ہے کہ ان کفریات پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل کتاب اللہ سے نہیں ہے یعنی الکا یہ عقیدہ گویا عقل کے خلاف ہے تو اسی طرح یہ نقل اور وحی کے بھی خلاف ہے اٰتَیْنٰہُمْ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ ہر کتاب شریعت کی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ کتاب دلیل ہے جو اللہ کی طرف سے ہو چاہے وحی خفی ہو یا جلی ہو۔

تفسیر 22: یہ دوسری زجر ہے اور مشرکین کی دوسرے دلیل کا رد ہے جو کہ آباء کی اتباع اور محض تقلید ہے عَلٰٓی اُمَّۃٍ یہاں طریقے اور دین کے معنی میں ہے اس لیئے کہ اُمَّۃٍ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا قصد واقتدا کیا جائے تو وہ راستہ اور دین ہے مُّھْتَدُوْنَ یعنی بڑوں کی اتباع میں ہدایت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس تقلید میں ہم نے بھی کچھ غلطی نہیں کی ہے اور نہ ہی ہمارے بڑوں نے غلطی کی ہے۔

تفسیر 23: یہ ان کی دلیل کا رد ہے جو کہ آباء کی اتباع ہے کہ یہ استدلال تو گزشتہ اقوام (مشرکین) کا بھی تھا تو ان پر عذاب آئے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ دلیل باطل ہے۔ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا وہ لوگ جو دنیا کے انعامات اور مزوں میں حد سے گزر چکے ہیں اور مفعول کے صیغے میں اشارہ ہے کہ زیادہ سستی کی وجہ سے بے اختیار ہو چکے ہیں مُّقْتَدُوْنَ اقتدا میں لزوم اور دوام کا معنیٰ ہے اور اپنی نا سمجھی کا اقرار ہے۔

تفسیر 24: یہ پہلے انبیاء علیھم السلام کی طرف سے رد ہے اس دلیل پر کہ تم یا ہدایت کی پیروی کرو گے یا نہیں کرو گے اگر ہدایت کے پیروکار ہو تو میں تمہارے پاس مکمل ہدایت کی باتیں لیکر آیا ہوں تو اس کو کیوں نہیں مانتے ہو۔ اَهْدٰى یہ صیغہ صرف الزامی طور پر ذکر کیا ہے یعنی بالفرض اگر تمہارے بڑوں کی راہ ہدایت کی ہے لیکن جو چیزیں میں اللہ کی طرف سے لیکر آیا ہوں اس میں تو ہدایت زیادہ ہے تو اگر دنیا کے کاموں میں تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے طریقے میں بڑوں کے طریقے کی بنسبت فائدہ زیادہ ہے تو پھر تو تم بڑوں کا طریقہ دنیاوی مفاد کیلئے چھوڑ دیتے ہو تو دین کے بارے میں بھی ایسا ہی کیا کرو۔ كٰفِرُوْنَ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ضرور عناد میں پڑھ چکے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٥ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ
مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝٢٦ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝٢٧ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ۝٢٨ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝٢٩ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ
قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝٣٠ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ
عَظِيْمٍ ۝٣١ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝٣٢

" ہم نے ان سے بدلہ لیا تو آپ دیکھ لیجئے جھٹلانے والی قوم کا انجام کیا ہوا [25] اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور اپنے والد سے کہا کہ بیشک میں تمھارے معبودوں سے بیزار ہوں [26] مگر جس ذات نے مجھے پیدا کیا عنقریب وہی مجھے راہ دکھائے گا [27] اور اللہ تعالیٰ نے اس کلمے کو اس کی اولاد میں باقی رکھا تاکہ یہ لوگ پلٹ جائیں (گمراہی سے) [28] بلکہ میں نے ان کو اور ان کے بڑوں کو دنیا کی خوشیاں دیں یہاں تک کہ ان کے پاس حق آیا اور واضح بیان کرنے والا رسول آیا [29] جب ان کے پاس حق آیا انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اسکا انکار کرنے والے ہیں [30] اور انھوں نے کہا یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے ایک شخص پر کیوں نازل نہیں ہوا [31] کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ہم نے ان کے درمیان دنیا کی زندگی کی تقسیم کی ہے اور ہم نے ان کے بعضوں کو بعض پر مرتبہ دیا ہے تاکہ ان کے بعض بعضوں کو خدمتگار بنائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں [32]۔

تفسیر 25: یہ منکرین کے لئے تخویف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور فَانْتَقَمْنَا میں فاء اسلئے ہے کہ ان کی کوئی بھی دلیل اور عذر ضد اور عناد کے علاوہ نہیں بچا تو اس لئے یہ دنیا کے عذاب کا سبب بنا۔

تفسیر 26، 27 یہ رد شرک میں ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ہے اور مشرکین کی دلیل کو رد کیا کہ وہ اپنے بڑوں کی اتباع کرتے ہیں اگر مشرکین کی اتباع کی کوئی شرعی دلیل ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور قوم کے بڑوں کی مخالفت کس وجہ سے کی تھی اور اس طرح تمہارا بڑا ابراہیم علیہ السلام ہے اگر تم بڑوں کی اتباع کی دلیل لیتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع سے انکار کیوں کرتے ہو اِنَّنِیْ بَرَآءٌ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مصدر ہے اور

بعف کیلئے آتا ہے اور وہ برأت کے معنیٰ میں ہے اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ یہ استثناء متصل ہے کیونکہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور یہ باقی ہمارے سفارشی ہیں یا اِلَّا صفتی ہے غیر کے معنیٰ میں ہے اور یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کلمے کی طرح ہے سَیَهْدِیْنِ اس سے مراد استقامت ہے اس لیئے کہ اس کلمے کے اعلان کی وجہ سے بہت سارے مصائب آتے ہیں اور اس میں استقامت کی ضرورت ہے۔

تفسیر 28 اس میں وضاحت ہے کہ یہ کلمہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں ہے تاکہ مشرکین مکہ یہ نہ کہیں کہ یہ ہمارے لیئے نہیں ہے وَجَعَلَهَا فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور ھَا کی ضمیر ماقبل کلمے کی طرف راجع ہے جو کہ توحید کا کلمہ ہے یعنی اس کلمہ توحید اور اللہ تعالیٰ کیساتھ مشرک سے برأت کو ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد میں جاری رکھا اس سبب سے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء اس کی اولاد میں پیدا ہوئے اور انھوں نے توحید کی طرف دعوت دی ہے عَقِبِهٖ تمام اولاد کو کہا جاتا ہے تو یہود، نصاریٰ مشرکین عرب سب اس میں داخل ہیں اور اس کی اولاد میں نبوت اور توحید کا یہ اجراس کی دعاء کی وجہ سے ہے جو کہ سورۃ بقرۃ 129، 124 میں مذکور ہے اور اس دعاء کی قبولیت سورۃ عنکبوت 27 میں بھی مذکور ہے۔

تفسیر 29،30 ان آیتوں میں رسول اور قرآن کے انکار پر زجر ہے انکار کرنے کا پہلی سبب ذکر کیا اور اس میں ایک سوال کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ جب ان کی حجتیں باطل ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی براءت کا کلمہ ان پر واضح ہوا ہے تو پھر انکار کس وجہ سے کرتے ہیں تو جواب میں بھی سبب ذکر کیا ہے جو کہ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ ہے یعنی شرک کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو مال، صحت عافیت اور دنیا کی ترقی سے نوازا ہے تو انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم اور ہمارا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو جب رسول اور قرآن آیا اور توحید کو واضح کیا تو انھوں نے انکار کیا اور اس طرح سورۃ الفرقان 18 میں گزر چکا ہے اور اَلْحَقُّ سے مراد قرآن ہے اور دوسرے اَلْحَقُّ سے مراد توحید ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے۔

تفسیر 31 یہ دوسری زجر ہے اور انکار کا دوسرا سبب ذکر ہے وہ یہ ہے کہ منکرین کے نزدیک عظمت کا سبب مالداری ہے اور نبوت کو مالدار کا حق تصور کیا ہے جیسے یہ عقیدہ سرمایہ داروں کا ہوتا ہے تو انھوں نے کہا کہ مکہ اور طائف میں بڑے بڑے مالدار ہیں لہٰذا قرآن کا نزول ان پر کیوں نہیں ہوتا ہے اَلْقَرْیَتَیْنِ ایک ہی شخص تو دو بستیوں کا نہیں ہوسکتا ہے تو عبارت میں تقدیر ہے یعنی مِنْ اِحْدَی الْقَرْیَتَیْنِ۔

تفسیر 32 اس آیت میں ان کے باطل طریقہ کا رد ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ نبوت کی تقسیم انھوں نے اپنی اختیار اور اپنے

رائے کے موافق سمجھی تھی جب ان کی رائے کے خلاف ہوئی تو یہ لوگ انکار کرنے لگے ان کا مقصد یہ ہے کہ نبوت اور رسالت تو اللہ کی خاص رحمت ہے اس میں کسی کا اختیار نہیں ہے تو کس وجہ سے یہ لوگ اس کی تقسیم اپنی رائے سے کرتے ہیں نَحْنُ قَسَمْنَا یہ ان کے رد کی تاکید ہے یعنی وہ دنیا جو ایک ذلیل چیز ہے اس کی تقسیم ہی ان کے اختیار میں نہیں ہے تو عظیم نعمت جو کہ نبوت ہے وہ ان کے اختیار میں کیسے ہوسکتی ہے مَّعِيشَتَهُمْ اس سے مراد ان کی دنیا کی زندگی کے اسباب ہیں جب یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس وجہ سے ایک کم عقل سادہ انسان وہ مالدار ہوگا اور دوسرا عقلمند لیکن وہ غریب ہوگا اور اس طرح کبھی انسان مال کمانے کیلئے سارے طریقے اور حیلے استعمال کرتا ہے لیکن اس کو مال حاصل نہیں ہوتا اور کبھی ایک انسان کو بغیر تکلیف کے زیادہ مال حاصل ہوجاتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اختیار و تصرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور تقسیم کی دلیل یہ ہے وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ یعنی بعض غنی بعض فقیر کوئی آزاد تو کوئی غلام کچھ بادشاہ تو کچھ رعیت کچھ عقلمند اور کچھ بے وقوف یہ سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا حکمت درجات بندی یعنی مالداری اور غریب بنانے میں یہ ہے کہ بعض بعضوں کیلئے خادم، نوکر اور مزدور ہوتے ہیں تو تب دنیا کا نظام چلے گا اس معنیٰ میں سُخْرِيًّا مسخر سے لیا گیا ہے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ لام عاقبت کا ہے اور سُخْرِيًّا کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جاسکتا ہے) یعنی اس تفاوت کا اثر اور نتیجہ یہ ہے کہ مالدار غریب کا مذاق اڑاتا رہتا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں مساوات کے نظریہ کا رد ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مال میں تمام لوگ برابر ہونے چاہئیں مالدار اور غریب کے مرتبے اس میں نہ ہونا اچھا نظام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مالداری اور فقیری یہ ظالموں کا نظام ہے یہ تقسیم تو اللہ تعالیٰ نے نہیں کی ہے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ تفاوت کے ساتھ یہ تقسیم میرا نظام ہے اور اس کی حکمت بھی ذکر کی کہ اگر تمام لوگ مال میں مساوی ہوجائے تو پھر لوگ ایک دوسرے کے کام نہیں آتے اور کوئی کسی کا خادم نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے اور گھروں میں الفت، محبت اور ہمدردی وغیرہ اخلاق وغیرہ ختم ہوجائیں گے تو دنیا کا نظام بگڑ جاتا اور جن علاقوں میں مساوات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بالکل دھوکا ہے اس لیئے کہ اس میں کچھ دنیا کی عزت کے کام میں مشغول ہیں جیسے بادشاہ افسر اور مخدوم اور کوئی ذلت کے کام میں مشغول ہے تو مساوات کا دعویٰ انکا باطل ہے وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ اشارہ ہے کہ نبوت دنیا کی چیزوں سے اعلیٰ اور اشرف ہے لہٰذا اسکا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا
يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ
وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ ع

"اور اگر لوگ ایک ہی جماعت نہ ہوتے (کفر پر) تو جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کو چاندی کے چھت بناتے اور سیڑھیاں بناتے جس پر یہ لوگ چڑھتے [33] اور ان کے گھروں کیلئے دروازے بناتے اور چارپائیاں جس پر یہ لوگ آرام کرتے [34] اور (ہم دیتے) سونا مگر یہ سب تو دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور آخرت آپ کے رب کے نزدیک تقویٰ والوں کیلئے ہے [35] جس نے رحمٰن کے ذکر سے منہ پھیر دیا ہم اس کے ساتھ شیطان مقرر کرلینگے وہ اس کا دوست ہوگا [36]۔

تفسیر 33، 34، 35 ان آیات میں دنیا کی ذلت کا ذکر ہے جو خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ کے ساتھ متعلق ہے اور اسی طرح 31 کیساتھ متعلق ہے یعنی ان کے قول کا دوسرا رد ہے کہ وہ عظمت کا سبب مالداری کو سمجھتے ہیں تو اللہ نے اس کی ذلت بیان کی حاصل یہ ہے کہ دنیا کے مال اللہ کے نزدیک اتنے ذلیل ہیں کہ مؤمن کی شان کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے ہیں بلکہ کافروں کے ساتھ پوری مناسبت ہے بلکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ تمام مال کافروں کو دیتا اور ایمان والوں کو کچھ نہ دیتا لیکن ایک الٰہی حکمت اس سے مانع ہے وہ یہ ہے کہ پھر تمام انسان کافر ہوجائینگے مؤمن کوئی بھی نہیں رہے گا تو معلوم ہوا کہ کبھی ایک چیز بذات خود قبیح ہوتی ہے لیکن سبب کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ ٹھہر جاتی ہے اور اس کی تائید میں وہ حدیث ہے کہ اگر دنیا کا وزن (عزت) اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتا تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا صحیح ترمذی کتاب الزھد حدیث 2327 صحیح ابن ماجہ 4110، وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ لَوْلَآ حرف شرط ہے اسکا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں شرط کا وجود اور جزا کی نفی ہوتی ہے اور اگر وجود حقیقی ہو یا جزا کی نفی شرط کی نفی کا سبب ہوتی ہے جب وجود دنیا کو طلب کرنے کی طرف پلٹنا یعنی اگر تمام لوگوں کا کافر ہونا یا دنیا پرست ہونا نہ ہوتا تو میں تمام سونا چاندی کافروں کو دیتا لیکن سب کا کافر ہونا اللہ کو پسند نہیں ہے اسی وجہ سے کافروں کو سارے مال کا مالک نہیں بنایا اور اس کے خلاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مال کافروں کو نہیں دیئے ہیں تاکہ تمام لوگ کافر یا دنیا پرست نہ بنا

جائیں۔ لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ یعنی رحمانیت کی صفت تو تقاضا کرتی ہے کہ تمام بڑے اور چھوٹے انعامات اللہ کی طرف سے ہیں تو یہ لوگ اس کے لئے شریک یا ولد کیوں مقرر کرتے ہیں سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ چھت، سیڑھیاں، دروازے، پلنگ، ان چاروں کو اس وجہ سے خاص کیا کہ یہ لکڑیوں سے بنائے جاتے ہیں یا لوہے سے اور باقی آبادی سیمنٹ، مٹی اور پتھروں سے ہوتی ہے تو جو لوہے یا لکڑیوں سے بنتا ہے تو وہ سونے چاندی سے بناتے اور سونا چاندی اس وجہ سے خاص کیا کہ اس کے ساتھ مکان میں روشنی بھی ہوتی ہے۔ پہلے کمرے کی چھت ضروری ہے تو پھر چھت کو چڑھنے کا ذریعہ جو کہ معارج (سیڑھی) ہوتا ہے پھر دروازوں کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر بیٹھنے اور آرام کیلئے چارپائی کی ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے اس ترتیب کے ساتھ ان کو ذکر کیا ہے زُخْرُفًا یہ مِنْ فِضَّةٍ کے محل پر عطف ہے تو معنی یہ ہے کہ چھتیں سونے اور چاندی کی ہوں گی یا مقدر فعل کیلئے مفعول ہے یعنی وَيَجْعَلُ زُخْرُفًا اور زخرف سونے اور چاندی کو کہا جاتا ہے جیسے اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (سورۃ اسرا) اور اسی طرح زینت اور خوبصورتی کو بھی کہا جاتا ہے جیسے حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا (سورۃ یونس) جب کافروں کو زیادہ مال دینا عام لوگوں کے کفر کا سبب بتایا گیا تو ایمان والوں کو زیادہ مال دیتا تو تمام لوگ ایمان والے ہوجاتے (جواب) جو ایمان دنیا کیلئے ہو تو شریعت میں اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے اس جانب کا ذکر نہیں کیا۔

تفسیر 36: اس آیت سے 67 تک دوسرا باب ہے اس میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کے لئے تخویف اور زجر ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے اور قرآن کی سچائی کا ذکر ہے پھر دلیل نقلی اجمالی ہے پھر موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی تفصیلی ہے پھر منکرین کے لئے زجر اور عیسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی تفصیلی ہے۔ اس میں قرآن سے اعراض کرنے کا ذکر ہے جو کہ دنیا سے محبت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے جس کی ذلت پہلی آیت میں بیان ہوئی۔ وَمَنْ يَّعْشُ یہ عَشَا يَعْشُوْ سے لیا گیا ہے اَعْشٰى کمزور نظر والے کو کہا جاتا ہے اور وہ لوگ جن کو رات کو نظر نہیں آتا ہے اور دن کو آتا ہے اور جس کی نظر صحیح ہو لیکن جان بوجھ کر اندھا بنا ہوا ہو تو اس کے لیے عَشٰى، يَعْشٰى استعمال ہوتا ہے اور یہاں اکثر قراءت شین کے پیش سے ہے یعنی پہلا معنی مراد ہے اور اس میں لطیف اشارہ ہے کہ قرآن سے معمولی (کم) اعراض کرے تو یہ عذاب کا سبب ہے تو جس نے پورا اعراض کیا تو وہ سب سے زیادہ ہلاک اور تباہ ہے نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا. لَقِيْض اصل میں انڈے کے

چھلکے کا انڈے کے ساتھ پیوست ہونا ہے اور پیاز کے چھلکوں کا ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہونا تو یہ مکمل مسلط ہونے کی طرف اشارہ ہے شیطان عام ہے چاہے انسی ہو یا جنی ہو فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ کسی وقت بھی اس سے الگ نہیں ہوتا ہو یعنی باطل عقائد، اخلاق اور معاملات وغیرہ ان کو خوبصورت دکھاتے ہیں اور حلال سے اور اطاعت سے منع کرتے ہیں اور حرام اور معصیت ان کیلئے مزین کرتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے کہ جس نے قرآن چھوڑ کر اس کی معمولی مخالفت کی تو شیطانوں کیلئے ایسے شخص کا گمراہ کرنا آسان ہوتا ہے تو قرآن شیطان سے بچنے کیلئے مضبوط قلعہ ہے ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن میں شیطانی شبہات کے مکمل جوابات ہیں اور دوسرا یہ کہ قرآن میں اللہ نے برکت ڈالی ہے کہ شیطان اسکے مقابلے سے عاجز ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝

"اور بے شک یہ لوگ ان کو حق راہ سے پھیرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں یہ لوگ ہدایت والے ہیں [37]" یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئینگے تو کہیں گے ہائے افسوس میرے اور تمھارے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہو تم تو بہت برے دوست تھے [38] اور آج کے دن تمہیں کچھ فائدہ بھی نہیں دے گا جب تم نے ظلم (شرک) کیا ہے یہ کہ تم عذاب میں شریک ہونگے [39] کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو ہدایت دے سکتے ہیں اور اس کو جو کھلی گمراہی میں ہو [40] اگر ہم آپ کو لے جائیں تو بے شک ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں [41] یا ہم آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ لیا ہے تو ہم ان کے عذاب پر قدرت رکھنے والے ہیں [42]۔

تفسیر 37: وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ جمع کے ضمائر اس وجہ سے ذکر کیے ہیں کہ من اور شیطان جمع کے معنی میں ہے السَّبِيْلِ اس سے مراد سبیل اللہ ہے جو کہ قرآن ہے اور رحمن کا ذکر ہے وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ اشارہ ہے کہ گمراہی دو قسم کی ہے ایک یہ ہے کہ اس کا گناہ ظاہر ہوتا ہے لیکن بے پروائی کی وجہ سے کرتا ہے تو یہ فسق کا مرتبہ ہے اور

دوسری قسم یہ ہے کہ گناہ کو ثواب سمجھتے ہیں اس میں ان کو فائدے نظر آتے ہیں تو یہ بدعت کا مرتبہ ہے چاہے عقیدے میں ہو یا عمل میں اور یہ درجہ بہت خطرناک ہے کیونکہ انسان اس سے توبہ نہیں کرتا ہے اس وجہ سے کہ اس کو اچھا کام سمجھا جاتا ہے تو یہاں دوسرا مرتبہ مراد ہے جیسے سورۃ کہف 104 اور فاطر 1 میں ہے اور اسمیں اشارہ ہے کہ اچھے اور برے کی تمیز قرآن سے ہوتی ہے اور اس انسان نے تو اس سے اعراض کیا ہے اس وجہ سے برے کام کو اچھا سمجھا ہے۔

تفسیر 38: اس آیت میں تخویف اخروی ہے إِذَا جَآءَنَا اس میں ضمیر مَنْ يَّعْشُ کی طرف راجع ہے اور عبارت میں تقدیر ہے یعنی فعلم ضلالہ (اپنی گمراہی پر عالم ہوجائے) تو افسوس کرینگے بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی آپ سے اتنے دور ہو جیسے مشرق سے مغرب دور ہے یا گرمی اور سردی کا مشرق ایک دوسرے سے دور ہے۔

تفسیر 39: یہ بھی زجر میں داخل ہے اور سوال کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ کبھی عام آزمائشیں ہوتی ہیں تو وہ آسان ہوتی ہیں لیکن جب عذاب میں بہت سے لوگ شریک ہونگے شاید کہ اس میں کچھ آسانی ہوگی؟ تو جواب ہوا کہ جہنم کا عذاب لوگوں کی کثرت سے آسان نہیں ہوگا یا یہ سوال ہے کہ افسوس وتمنائیں زیادہ ہوجائینگی تو کچھ غم ہلکا ہوجائیگا تو اس کا جواب بھی ہوا کہ یہ بھی کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ ضمیر پہلے قول کی طرف راجع ہے یعنی يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ کی طرف راجع ہے اور أَنَّكُمْ میں لام اجلیہ مقدر ہے یا لَنْ يَّنْفَعَكُمُ کا فاعل أَنَّكُمْ ہے إِذْ ظَّلَمْتُمْ اذ علت کیلئے ہے اور مراد اس سے شرک ہے ظرف کیلئے نہیں ہے اس لیئے کہ ظلم کا زمانہ بھی دنیا ہے اور الْيَوْمَ سے مراد آخرت ہے تو ظرفیت صحیح نہیں ہوتی ہے۔

تفسیر 40 ان آیتوں میں مختلف طریقوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اس آیت میں پہلا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ قرآن سے اعراض کریں اور ایمان نہیں لاتے ہیں تو آپ پر کچھ وبال نہیں ہے اس لیئے کہ ممانعت انکی طرف سے ہے کہ قرآن سے اندھے اور بہرے ہیں فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ فی انغماس (ڈوبنے) کیلئے آتا ہے یعنی گمراہی میں ہر طرف سے ڈوبے ہوئے ہیں اور گھرے ہوئے ہیں اور ہدایت کے راستے ان کیلئے بند ہیں۔

تفسیر 41,42 اس میں تسلی کا دوسرا طریقہ ہے یعنی ہم ان منکرین کو ضرور عذاب دینگے یا آپ کی ہجرت کے بعد یا آپ کی موت کے بعد ضرور عذاب دینگے یا آپ کی موجودگی میں عذاب لے آئینگے تو آپ کچھ بھی پروا نہیں کریں اور اسی طرح سورۃ یونس 46، سورۃ رعد 40 اور سورۃ غافر 77 میں گزر چکا ہے فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ إِذْهَاب سے مراد مکہ سے ہجرت کرنا ہے یا فو

ت ہونا ہے اَوْ نُرِيَنَّكَ اِذْهَابْ کے دوسرے معنیٰ میں دلیل ہے کہ اراءۃ (دیکھنا) موت کے مقابل ہے یعنی موت کے بعد دنیا والوں کے حالات نہیں دیکھ سکتے حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کی روایات میں ان آیتوں کا مصداق مسلمانوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد فتنوں کا واقع ہونا ہے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں امت کے حالات دکھا دیئے جن پر وہ خوش ہوئے اور وفات کے بعد فتنوں کا آغاز ہوا اور یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احترام و تکریم تھی کہ باقی انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ہی ان کی امتوں پر عذاب کا نزول ہوتا رہا۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿43﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿44﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿45﴾ ع

پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اس کو مضبوطی سے تھام لیں بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں [43] اور یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کیلئے ذکر ہے اور عنقریب تم سے سوال کیا جائیگا [44] اور ان سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسول بھیجے ہیں کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کوئی معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے [45]۔

تفسیر 43 اس آیت میں تسلی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیری کی ترغیب دی ہے یعنی یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں آپ اللہ کی کتاب پر مضبوط رہنا یعنی بیان کرنے عمل کرنے اور دلیل لینے میں اِنَّكَ یہ ماقبل کی پہلی علت ہے یعنی جو صراط مستقیم پر ہوگا تو اس پر کتاب اللہ کا تھامنا لازم ہے اور یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہے۔

تفسیر 44 یہ فَاسْتَمْسِكْ کیلئے دوسری علت ہے لَذِكْرٌ شرافت اور عزت کے معنیٰ میں ہے اور قوم سے مراد قریشی اور عرب ہیں یعنی قرآن کا ان کی زبان میں نازل ہونا ان کے لیئے عزت کا مقام ہے یا ذکر وعظ اور نصیحت کے معنیٰ میں ہے اور قوم سے مراد تمام امت ہے وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ قرآن کی نعمت کے بارے میں پڑھنے اور عمل کرنے کا سوال کیا جائیگا اور بیان کرنے کے بارے میں بھی سوال کیا جائیگا آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

تفسیر 45 یہ تمام انبیاء علیہم السلام سے دلیل نقلی اجمالی ہے جیسے سورۃ نحل 36 اور سورۃ انبیا 25 میں ہے اور پہلے کے ساتھ ربط ہے کہ قرآن کریم میں توحید کا ذکر ہے تو اسی طرح انبیاء کی دعوت بھی توحید کیلئے تھی قرآن کی دعوت تمام انبیاء کی دعوت کے موافق ہے۔ سوال: وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو باقی انبیاء نہیں تھے تو اس

کو کیسے حکم ہوا کہ ان سے سوال کرو؟ جواب: یہ ہے کہ یہ حکایت اسرا کی رات کی ہے کہ اس رات بعض انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی تو امر ہوا کہ اب ان سے سوال کرو جیسے یہ روایت امام قرطبی اور ابن کثیر رحمھم اللہ وغیرہ نے نقل کی ہے پھر اس میں دو روایات ہیں پہلی یہ کہ اس نے سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم توحید پر بھیجے گئے ہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس نے سوال نہیں کیا ہے بلکہ فرمایا کہ میرا یقین ہے لہذا سوال کی ضرورت نہیں۔ وَسْـَٔلُوْ جواب کیلئے نہیں تھا بلکہ مشرکین پر الزام کے طور پر تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ عبارت میں محذوف الفاظ ہیں یعنی اُمَمٌ مَنْ اَرْسَلْنَا یامَنْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ اور اس سے مراد یہود نصاریٰ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور اس میں مقصود مشرکین عرب پر الزام لگانا تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ عبارت محذوف ہے یعنی کُتُبَ مَنْ اَرْسَلْنَا اور سوال سے مراد انکی کتابوں اور دینوں میں غور کرنا ہے جیسے تورات، اور انجیل، اس وجہ سے بعد والی آیات میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا حال ذکر ہوا ہے اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً اس لفظ میں اشارہ ہے کہ مشرکین کیساتھ موحدین کا اختلاف مَجْعُوْلُ اٰلِهَةٌ میں تھا جیسے اب بعض لوگ ان کو عطائی کہتے ہیں اور عوام اس کی تعبیر کرتے ہیں کہ اولیاء اور بزرگوں کو اللہ نے حصے دیئے ہیں کسی کو اولاد کا اختیار دیا ہے کسی کو مالدار بنانے کسی سے فالج ہٹانے کسی کو بیماریاں ہٹانے کسی کو پھوڑے ٹھیک کرنے کے اختیارات دیئے ہیں کسی کو مطلق اختیار دیا کسی کو علم غیب کا اختیار دیا یعنی انہوں نے اللہ کے علاوہ کسی کو مستقل الٰہ سمجھا ہے اور یہ شرک کی حقیقت ہے يُّعْبَدُوْنَ الوہیت کے عقیدے کے ساتھ عبادت بھی لازم ہے اور اَجَعَلْنَا میں استفہام انکاری ہے جیسے سورۃ نحل آیت 36 اور سورۃ انبیاء آیت 46 اس پر گواہ ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

"اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا تو اس نے کہا میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں[46] تو جب ان کے پاس ہمارے معجزات لیکر آئے تو اچانک اس کا مذاق اڑاتے تھے[47] اور ہم نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا مگر وہ بڑا تھا پہلے والے سے تو ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑا تاکہ یہ لوگ گمراہی سے پلٹ جائیں[48]۔

تفسیر 46، 47: موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی تفصیلی ہے اور تکذیب کرنے والوں کی عاقبت فرعونیوں کے واقعے کے ذریعے ذکر کی گئی ہے اور آیت 31 سے متعلق ہے یعنی جیسے آخری رسول پر مشرکین مکہ طعن کرتے تھے کہ یہ مسکین اور غریب ہے تو اس طرح فرعونی بھی موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرتے تھے یعنی فرعون کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام فقیر مسکین تھے" بِاٰیٰتِنَآ اس سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو کہ سورۃ اعراف، آیت، 108 اور 130، اور 133 اور سورۃ اسرا آیت، 101 میں ذکر ہوئے ہیں۔ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس میں رسالت کا اثبات اور مرسل کا ذکر ہے اور مرسل بہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ توحید ربوبیت کی طرف اشارہ ہے جس کا فرعون منکر تھا یَضْحَکُوْنَ ہنسی سے مراد استہزاء اور مذاق اڑانا تھا اس وصف میں ان کی زیادہ سرکشی کی طرف اشارہ ہے اس لیئے کہ ہنسی مذاق اڑانے والا غور وفکر نہیں کرتا ہے۔

تفسیر 48: اشارہ ہے کہ ان کی ہنسی کرنا بے مقصد تھا اس لیئے کہ آیات کمزور اور معمولی نہیں تھیں۔ سوال: مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا یہ لفظ تو تقاضا کرتا ہے کہ ہر معجزہ دوسرے سے بڑا تھا تو پہلا دوسرے سے بڑا تھا جبکہ یہ تو حقیقت کے خلاف ہے کہ اکبریت (تفصیل کیساتھ) دونوں جوانب میں نہیں ہوسکتی ہے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ اکبریت ہر دیکھنے والے کے گمان میں ہے اس لیئے کہ وہ تمام نشانیاں بڑے ہونے میں برابر تھیں۔ دوسرا جواب: آیت میں تخصیص ہے یعنی مَانُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ (مُتَاَخِّرَةٍ) اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا (السَّابِقَةِ) ہر بعد والی پہلے سے بڑا تھی اس لیے کہ پہلی آیت سے ایک علم حاصل ہوا دوسرے سے دو علم اس طرح تو (9) سے نو علوم حاصل ہوئے تو وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ اس میں اشارہ ہے کہ بعض آیات عذاب کی شکل میں تھیں۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٠﴾ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾

"اور انہوں نے طلب کی اے جادوگر ہمارے لیئے دعا مانگیں اپنے رب سے اس وجہ سے کہ آپ کے ساتھ وعدہ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کر لینگے [49] تو جب ہم نے ان سے عذاب ہٹادیا تو اسوقت یہ لوگ وعدہ توڑتے [50] فرعون نے اپنی قوم میں آواز دی فرمایا اے میری قوم کیا میرے لیئے مصر کی بادشاہت نہیں تھی اور یہ نہریں میرے حکم کے تحت چلتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ [51] یا میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل ہے اور قریب نہیں ہے کہ اپنی بات کھل کر بیان کرے [52]۔

تفسیر 49، 50: یہ مشرکین کی عادت ہے کہ سختی میں اپنے باطل معبودوں سے ناامید ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں تو اس طرح فرعونیوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کے ذریعے اللہ کو وسیلہ بنایا اور یہ ان کے کفر عنادی پر دلیل تھی يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ جب یہ لوگ دعاء کے محتاج ہوتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی بے عزتی ساحر کہہ کر کیوں کرتے ہیں؟ پہلا جواب: کہ ان کی اصطلاح میں عالم کو ساحر کہتے تھے۔ دوسرا جواب: یہ انتہائی جہالت کی وجہ سے کہ یہ لوگ اپنی عادتی بات کو نہیں چھوڑ رہے تھے بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ عہد سے مراد ایمان لانے کی وجہ سے عذاب سے امن دینا اور یہ ذکر ہوچکا ہے سورۃ طٰہٰ آیت 47 میں اور جب سورۃ اعراف کا بتفصیلی واقعات بیان کرنے پر تھا تو وہاں بعض کلمات اس سورۃ کے نسبت زیادہ ذکر کیلئے ہیں اور اس سورۃ میں اختصار مقصود ہے۔

تفسیر 51: جب فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی آیات (معجزات) اور اس کی دعاء کی قبولیت کیوجہ سے خوف پیدا ہوا کہ میری قوم میری مخالفت کریگی اور موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیگی تو اپنی قوت کا مظاہرہ کیا اور دنیاوی بادشاہت پر تکبر کا اظہار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی توہین اور ذلت بیان کرنے کی ناکام کوشش کی اس میں فرعون کے متکبرانہ انداز کی طرف اشارہ ہے کہ میں قوت اور طاقت والا ہوں اس لئے مجھے اس سے وعدوں کی ضرورت نہیں۔ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ حکومت کا اعلان منادی کے طور پر ہوتا ہے اس وجہ سے نادیٰ کیساتھ تعبیر کی أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ لفظ لِي کو مقدم کیا اس میں حصر اور تخصیص کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مصر کی بادشاہی میرے لیئے خاص ہے میرے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے باقی لوگ تو میری

جاتا ہے وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ پہلے جملے میں قانون کے نظام کی طرف اشارہ ہے اور اس جملے میں معاشی نظام کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں میرے اختیار میں ہیں رود نیل سے بہت نہریں الگ الگ جاری کی تھیں اس میں سے چار بڑی بڑی نہریں گھروں، محلات، باغات، میں چلائی تھیں ان چاروں کے نام یہ ہیں (۱) نہر الملک (۲) نہر طولون (۳) نہر تنیس (۴) نہر دمیاط اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انہار سے مراد شہر کے بڑے سرمایہ دار وغیرہ ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد مطلق اموال ہیں۔

تفسیر 52 اس آیت میں فرعونیوں کی طرف موسیٰ علیہ السلام کی حقارت ہے " هُوَ مَهِيْنٌ یعنی بادشاہی اور مال کی قوت نہیں ہیں نہریں ان کی نہیں ہیں کام کاج خود کرتے ہیں۔ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ یعنی فصاحت و بلاغت اس میں نہیں ہے اپنا مقصد خود نہیں بیان کر سکتا ہے اور یہ دونوں باتیں صاف جھوٹ ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام تو بہت عزت مند، شریف، عمدہ اخلاق اور خوبصورت سیرت والے تھے۔ صحیح بخاری کتاب آحادیث الانبیا حدیث 3437 اور صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 172، 278 کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ جو سرخ رنگ کی طرف مائل گندمی رنگ، لمبے قد والے گنگریالی بالوں والے تھے گویا کہ یہ شنوءۃ قوم کے قبیلے میں سے تھے اور بچپن میں اس کی زبان میں گرہ تھی تو وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ دعاء کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی لیکن متکبرین کی عادت ہے کہ جھوٹے اوصاف کے ساتھ حق پرستوں کو موصوف کرتے ہیں۔

فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ ع

" اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے ہیں یا ان کے پاس ملائک آتے جو صفیں باندھے ہوتے [53] تو اس قوم کو اس نے دھوکے میں ڈالا تو انھوں نے اس کی پیروی کر لی بیشک وہ نافرمان قوم تھی [54] لہذا جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا ہم نے ان سے بدلہ لیا تو ہم نے ان سب کو غرق کیا [55] ہم نے ان کو گزرے ہوئے لوگوں اور بعد والوں کیلئے عبرت بنایا [56]۔

تفسیر 53 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر اور تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو اس زمانے کے بادشاہوں کے قاصدین پر قیاس کرنے لگے کیوں کہ اس زمانے میں بادشاہ اپنے قاصد کو جو ان کے خاص مقرب ہوتا اس کو سونے کا کنگن

پہناتے اور ان کی معیت میں کئی سارے خدام کو روانہ کرتے تو اس وجہ سے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ دو توں اعتراضات کیے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ رسول نہیں ہے ان کا یہ قیاس باطل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے جو انبیاء ہیں غیبی قوتوں سے ان کی مدد کی جاتی ہے اور دنیا کی زیب وزینت کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ **فائدہ:** فرعون پانی کے ذریعے سے اپنے لیے عزت حاصل کرنا چاہ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی کے ذریعے ہلاک کیا اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے عزت اور مدد حاصل کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کو ہلاکت کا سبب بنادیتا ہے اور اس طرح فرعون موسیٰ علیہ السلام کو حقیر سمجھتا تھا اور تحقیری اور عدم فصاحت کے عیب اس پر چسپاں کرتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون پر مسلط کیا۔

تفسیر 54: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ پہلے فرعون کا دعویٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی حقارت قوم کی جہالت کیلئے سبب بن گیا اور یہ جہل ان کیلئے فرعون کی اطاعت کا سبب بنا "فَأَطَاعُوهُ" اور فرعون کی یہ باتیں اس کی قوم کے جہالت کا سبب اس وجہ سے بن گیا کہ یہ لوگ مکمل طور پر فاسق اور نافرمان تھے إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ **فائدہ:** پیروں اور باطل پرست ولیوں کا عقیدہ بھی فرعون کی طرح ہے کہ یہ لوگ اپنے مرید، شاگردوں کو قرآن اور سنت کے علم اور تحقیق سے منع کرتے ہیں تاکہ جاہل رہ جائیں جب ان کی اطاعت کریں گے۔

تفسیر 55: اس آیت میں فرعونیوں کے عذاب کا ذکر تخویف دنیاوی کے لئے ہو رہا ہے فَلَمَّا آسَفُونَا اسف غضب کے معنیٰ میں ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن مخلوق کے مشابہ نہیں ہے اور غضب کے اشارہ میں مقصود انتقام لینا ہے اس لیے انتقام کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ عمر بن ذر سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے اے گناہ کرنے والے لوگوں اللہ کے زیادہ حلم پر مغرور نہ ہونا بلکہ اس کے غضب سے ڈرا کرو اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اور ابن جریج رحمہ اللہ ایک دفعہ غصہ ہوئے تو کسی نے ان سے کہا کہ اے ابو خالد آپ بھی غصہ کرتے ہیں تو انھوں نے کہا احلام کا خالق بھی غصہ ہوتا ہے اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

تفسیر 56: سَلَفًا یہ سَالِفٌ کی جمع ہے جیسے خدم خادم کی جمع ہے یا یہ مصدر ہے جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور سَلَفًا مطلقاً متقدمین کو کہا جاتا ہے چاہے خیر ہو یا شر ہو اس وجہ سے اس کے ساتھ صالح اور صالحین کی قید لگائی گئی ہے اور سَلَفًا اور مَثَلًا میں چند وجوہات سے فرق ہے۔ **پہلی وجہ:** یہ ہے کہ سلف گزرے ہوئے عذاب کا نمونہ ہے اور مثل عبرت

حاصل کرنے کیلئے واقعہ ہے۔ دوسری وجہ: سلف ان لوگوں کی اقتدا کیلئے ہے جو زیادتی اور فساد کرنے والے ہوں اور مثل عجیب شان والی بات۔ تیسری وجہ: سلف ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے ان کی طرح اعمال ان کے زمانے میں کیئے ہوں اور مثل ان کے لیئے کہ بعد میں انکی طرح عمل کیلئے ہو۔ چوتھی وجہ: سلف آگ میں پہلے جانے والے اور مثل بعد والے لوگوں کیلئے وعظ نصیحت کرنا۔ پانچویں وجہ: بنی اسرائیل صالحین کیلئے نجات پانے میں سلف بن گئے اور فرعونی برے لوگوں کیلئے مثل بن گئے فَجَعَلْنٰهُمْ دونوں کی طرف ضمیر جمع کی راجع ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوٓا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلٰٓئِكَةً فِى الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُۥ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِى تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

"اور جب ابن مریم علیہ السلام کو قوم کے لئے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے آپ کی قوم شور مچاتی ہے [57] اور کہتے ہیں کیا ہمارا معبود بہتر ہے یا یہ بہتر ہے یہ بات آپ کو ضد کی وجہ سے بیان کرتے ہیں بلکہ یہ تو جھگڑنے والی قوم ہے [58] وہ تو صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا ہے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کیلئے نمونہ بنایا ہے [59] اور اگر ہم چاہیں تمھارے بدلے میں زمین میں ملائک پیدا کرلینگے جو تمھاری جگہ پر رہینگے [60] اور بے شک (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہے تو قیامت میں شک نہ کرنا اور میری اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے [61] اور تمھیں شیطان نہ پھیرے کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے [62] اور جب عیسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے تو فرمایا میں تمھارے پاس واضح حکمت کی باتیں لیکر آیا ہوں اور تاکہ تمھیں ان بعض باتوں کی وضاحت کردوں جس میں تم اختلاف کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو [63] بے شک اللہ تعالیٰ میرا اور تمھارا رب ہے تو اس کی خاص عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے [64]۔

تفسیر 60: یہ ان لوگوں کا رد ہے کہ عیسی علیہ السلام کی عجیب پیدائش سے ان کی الوہیت پر دلیل لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عیسی علیہ السلام کا حال اگرچہ عجیب ہے اللہ تعالی اس سے زیادہ عجیب پر قدرت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ تم سے ملائک پیدا کرلے یا تمھارے بدلے میں ملائک زمین میں آباد کرے لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ملائک اِلٰـہ بن جائیں اس لئے کہ عجیب طریقوں کی وجہ سے کوئی مخلوقیت اور عبدیت سے نہیں نکل سکتا ہے مِنْكُمْ مِنْ بدلیت یا اپنے معنی میں ہے یعنی تولید کے طور پر۔

تفسیر 62,61 عیسی علیہ السلام کے متعلق دوسرا فائدہ ذکر کیا جارہا ہے جو عیسی علیہ السلام کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اِنَّهٗ کی ضمیر ابن مریم کی طرف راجع ہے، اور اس سے مراد قیامت کے نزدیک دجال کے خروج کے وقت اس کا نزول فرما ہے جس کی تفصیل صحیح احادیث میں آئی ہے صحیح بخاری کتاب البیوع حدیث 2222، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 155 ترمذی فی الفتن حدیث 3322، لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی عیسی علیہ السلام کا نزول قیامت کے علم کا سبب ہے یا علم علامۃٌ کے معنی میں ہے یعنی قرآن کے نصوص قیامت کے علم کا سبب ہے لیکن اس احتمال سے کلام کا ربط ماقبل سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وَ اتَّبِعُوْنِ عیسی علیہ السلام کے حال کی تفسیر اور شبہات کو ختم کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نزول کے بعد عیسی علیہ السلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا پابند ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں شیطان وسوسے زیادہ ڈالتے ہیں تو اس قول کے ذریعے وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ تنبیہ ذکر کی ہے چاہے شیطان جنی ہو یا انسی ہو جیسے اس زمانے میں قادیانی (شیاطین انسی) حیات عیسی اور نزول عیسی کے بارے میں شبہات پیدا کرتے ہیں لیکن ان شبہات کے خاتمے کے لیئے قرآن کا علم ضروری ہے اور اتَّبِعُوْنِ پر عمل کرنا چاہیے۔

تفسیر 63، 64: جب عیسی علیہ السلام کی عظمت شان اور سچائی کا بیان ہوا تو اب دلیل نقلی کے طور پر اس کی طرف سے دعوت توحید کا ذکر ہے اور یہود ونصاری اور مشرکین عرب کا رد ہے بِالْبَيِّنٰتِ اس سے مراد معجزات اور انجیل ہے بِالْحِكْمَةِ اس سے مراد نبوت ہے یا رسالت کا علم جو کہ رسول عیسی علیہ السلام کی احادیث ہیں یا حکمت کا مصداق بھی بینات ہیں جو پہلے ذکر ہوئے ہیں جو کہ محکم اور مضبوط ہوتے ہیں کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ یہ بِالْحِكْمَةِ کے معنی پر عطف کیا گیا ہے جو کہ حکمت کے اظہار کیلئے ہے۔ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ یہ وَلِاُحِلَّ

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ سورۃ آل عمران آیت 50 کی طرح ہے مراد یہ ہے کہ تورات میں بعض احکام اور بعض محرمات تھیں تو انجیل کی وجہ سے وہ منسوخ ہوگئے اور اس میں بنی اسرائیل کے لئے آسانی تھی یا اس سے مراد تورات کی تحریفات ہیں اور بعض کل کے معنی میں ہے یا اس سے مراد وہ مسائل ہیں جو یہود کے علماء نے اپنی طرف سے بنائے ہوں تو پھر بھی بعض کل کے معنی میں ہے یا اس سے مراد دین کے وہ مسائل ہیں جن میں علماء نے اختلاف کیا تھا اس کی وضاحت عیسیٰ علیہ السلام نے کی اور دنیاوی اختلافات ذکر نہیں کیئے ہیں تو بعض اپنے معنی میں ہے اور ان میں بڑا اختلافی مسئلہ توحید کا تھا اسی وجہ سے اس کی وضاحت کی فَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ کے ساتھ اور یہ جملہ سورۃ آل عمران آیت: 51 اور سورۃ مریم آیت 36 میں گزر چکا ہے۔ فائدہ: سورۃ آل عمران اور اس سورۃ میں "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مذکور تھا تو اِنَّ اللّٰهَ اس کی علت ہے اسی وجہ سے شروع میں واؤ ذکر نہیں کیا اور سورۃ مریم میں ماقبل کلام پر عطف کیا گیا تھا تو اسی وجہ سے حرف واؤ کو ذکر کیا گیا ہے، پھر ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت سے شبہات کو ختم کرنا مقصود تھا تو اس طرح شبہے کو ختم کرنے کیلئے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ لفظ هُوَ کے ساتھ (جو کہ تاکید اور حصر کیلئے ہے) ذکر کیا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا
خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ
كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾

" تو یہ گروہ آپس میں مختلف ہوئے تو ظالموں کیلئے دردناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے [65] یہ لوگ صرف قیامت کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس اچانک آ جائے اور انکو شعور بھی نہ ہو [66] اس دن دوست بعض بعضوں کیلئے دشمن ہونگے متقین کے علاوہ۔ [67] (ان سے کہا جائے گا) اے میرے بندو آج کے دن تم پر نہ خوف ہوگا اور نہ غمگین ہونگے [68] جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ مسلمان ہوئے [69] جنت میں تم اور تمھاری بیویاں داخل ہوجاؤ تمھیں انعامات دیے جائینگے [70] ان پر سونے کے پیالے اور گلاسوں کے ساتھ چکر لگائے جائینگے اور اس میں وہ چیزیں ہیں جو ان کے نفس چاہتے ہیں اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور اس میں تم ہمیشہ رہوگے [71] اور یہ وہ جنت ہے جو تمھیں تمھارے ان اعمال کے وجہ سے دی گئی ہے جو تم کرتے تھے [72] اور تمھارے لیے اس میں زیادہ پھل ہیں ان میں سے تم بعض کو کھاتے ہو [73]۔

تفسیر 65 اس آیت میں سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دین اگر توحید کا ہوتا تو بعد والے لوگوں نے اس کی مخالفت کیوں کی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد ان میں فرقے پیدا ہوئے تھے اور یہ لوگ فرقہ بندی اور تعصب میں مبتلا ہوئے تو ان میں یہ اختلاف کا سبب بنا جیسے سورۃ مریم آیت 37 میں گزر چکا ہے پھر اس اختلاف کرنے والوں کے لیے زجر بیان ہوئی ہے جب پہلی آیتوں میں شبہات کا ازالہ کیا اور اس کے باوجود لوگوں نے یہ اختلاف کیا تو یہ ظلم ہے اور سورۃ مریم میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا ذکر ہے اور مخالفین نے اس کا انکار کیا ہے تو وہ کفر ہے اس وجہ سے اس سورۃ میں اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اور سورۃ مریم میں اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 66 یہ بھی اختلاف کرنے والوں کے لئے تخویف اُخروی ہے بَغْتَةً اس سے مراد اسکا وقت اور تاریخ معلوم نہ ہونا ہے وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ هَلْ يَنْظُرُوْنَ کے معنیٰ پر عطف ہے، یا بَغْتَةً کی تاکید ہے یعنی یہ لوگ قیامت کے آنے کے وقت غافل ہونگے۔

تفسیر 67 اس آیت سے سورۃ کے آخر تک تیسرا باب ہے اس میں بشارت تفصیلی ہے پھر تفصیلی زجر اور عذاب کا سبب ذکر کیا گیا ہے پھر زواجر ہیں اور توحید کے تفصیلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں ولد کی نفی، شرک الوہیت کی نفی، شرک فی البرکات کی نفی، شفاعت قہریہ کی نفی ہے اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور مشرکین سے بیزاری کا حکم ہوا ہے۔

تفسیر 67 اس آیت میں مشرکین اور موحدین کی دنیاوی دوستی کے انجام کا ذکر ہوا ہے کہ مشرین کی دوستی کا انجام آخرت میں دشمنی ہوگی اور ایک دوسرے سے براءت کرینگے جو مختلف سورتوں میں ذکر ہوا ہے، جیسے سورۃ اعراف، بقرہ، ابراہیم، قصص۔ (تابعین اور متبوعین کی ایک دوسرے سے براءت) اور اس آیت سے آیت 73 تک بشارت بارہ امور کو شامل ہے اور ساتھ میں بشارت کا سبب بھی ذکر کیا گیا ہے تو اس آیت میں متقین کی دوستی کی ہمیشگی کا ذکر ہے اور یہ پہلی خوشخبری ہے۔

تفسیر 68: اس آیت میں دوسری اور تیسری بشارت کا ذکر ہے خوف اور غم کا نہ ہونا یا عبادت سے پہلے يَقُوْلُ اللهُ مقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پکارے گا تو لوگ سروں کو بلند کرینگے کہ ہم عباد اللہ ہیں تو اللہ فرمائے گا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تفسیر 69: اس آیت میں بشارت کے دو سبب ذکر کیے گئے ہیں: پہلا سبب ایمان بالآیات، اور دوسرا سبب اسلام یعنی مکمل ظاہری اور باطنی فرمانبرداری۔

تفسیر 70: میں اس کا جواب ہے (يَا عِبَادِ) اور اس میں باقی تین بشارتیں ذکر کی گئی ہیں جنت میں ازواج سمیت داخل ہونا اور تحبیر۔ اَزْوَاجُ سے مراد وہ بیویاں ہیں کہ اپنے شوہروں کے ساتھ توحید اور سنت میں موافقت کی ہو نحبرۃ اصل میں خوبصورت طریقے سے اکرام میں مبالغہ ہے تو اسکا معنیٰ یہ ہوا کہ جنت میں بے حساب مزے لینا بہت سے انعامات، کرامت اور فرح (خوشیاں) ہیں ان سب کو تُحْبَرُوْنَ سے تعبیر کیا ہے۔

تفسیر 71: اس آیت میں باقی پانچ بشارتیں ہیں يُطَافُ عَلَيْهِمْ کھانے پینے کیلئے یہ برتن ہیں بِصِحَافٍ کھانے کیلئے اور اَكْوَابٍ پینے کیلئے صحاف صحفہ کی جمع ہے اور صحفہ اہل عرب کے اصطلاح میں وہ برتن جس سے پانچ افراد پیٹ

بھر سکے وَّ اَكْوَابٍ کوب کی جمع ہے وہ گلاس جس کے پکڑنے کے لئے کوئی دستہ نہیں ہو اور اس میں بھی مِنْ ذَهَبٍ مراد ہے یعنی دونوں قسم کے برتن سونے چاندی کے ہونگے اہل جنت کی مختلف اقسام ہیں کسی کے برتن سونے کے ہونگے کسی کے چاندی کے ہونگے جیسے سورۃ دھر آیت 21 میں ہے۔ وَ فِيْهَا یہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے تو عام انعامات مراد ہیں یا ان ہی برتنوں کی طرف راجع ہے تو کھانے پینے کی اقسام مراد ہیں مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ نفس کی چاہتیں عام ہیں چاہے ملبوسات (لباس) کے ہوں مذوقات (کھانوں ذائقوں) میں ہوں مسموعات سننے کی چیزوں میں ہوں یا سونگھنے کے نعمتوں میں سے ہوں معقولات عقل سے ادراک والی نعمتوں میں سے ہوں۔ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ یہ صرف مبصرات کیلئے ہے اور یہ سیر وتفریح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس میں بڑی چیز اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے تو اس وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا ہے نیشاپوری رحمہ اللہ نے قفال سے روایت کی ہے کہ ان دونوں جملوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ انعامات ذکر و جمع کیے ہیں کہ اگر تمام مخلوقات اس کو جمع کرنے لگیں تو اس کو جمع نہیں کر سکتی ہیں۔

تفسیر 72: اس میں جنت کے حصول کا سبب ذکر ہے جیسے سورۃ اعراف 43، میں گزر چکا ہے اُوْرِثْتُمُوْهَا میراث اس وجہ کہا کہ میراث بغیر تکلیف کے حاصل ہوتا ہے تو اس طرح ایمان والوں نے جنت کیلئے جو عمل کیا ہے وہ حقیقت میں جنت کے انعامات سے بہت کم ہیں گویا کہ جنت بھی بغیر تکلیف کے حاصل ہوا ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جنت کا حقدار ہونا اللہ تعالیٰ کے رحم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے حدیث صحیح بخاری حدیث 4136، کتاب المغازی صحیح مسلم کتاب صفۃ القیامۃ حدیث 2816 میں آیا ہے، اور جنت کے درجات عمل سے حاصل ہوتے ہیں تو یہاں عمل کو سبب بنایا، یا یہ کہ بڑا عمل ایمان اور توحید ہے اور حدیث میں جو رحمت ذکر ہے وہ بھی استقامت علی التوحید کے معنی میں ہے تو آیت اور حدیث موافق ہیں۔

تفسیر 73: میں آخری بشارت کا ذکر ہے کہ کھانے پینے کے بعد فَوَاكِهَةٌ (پھل) ہیں كَثِيْرَةٌ اس کی بہت سے اقسام اور افراد ہیں جو نہ ختم ہونے والے ہیں مِّنْهَا مِن تبعیضیہ اس وجہ ذکر کیا ہے کہ جنتی وہ تمام پھل ختم نہیں کر سکتے ہیں۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا
رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا
مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِن كَانَ
لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾

"بیشک مجرمین جہنم کی عذاب میں ہمیشہ رہینگے [74] ان سے کم نہیں کیا جائے گا اور یہ لوگ اس میں نا امید رہینگے [75] "ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے بلکہ یہ خود ظلم کرنے والے تھے [76] اور یہ لوگ آواز دینگے اے مالک ہم پر آپکا رب موت کا فیصلہ کر دے وہ کہے گا تم اس میں رہنے والے ہو [77] ہم تمہارے پاس حق لیکر آئے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں [78] کیا تم نے ایک بات مضبوط کی ہے تو بیشک ہم بھی اٹل فیصلہ کرنے والے ہیں [79] یا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی چھپی باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے ہیں بلکہ ہمارے ملائک ان کے پاس لکھتے ہیں [80] کہہ دیجئے اگر رحمن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا [81]۔

تفسیر 74، 75، 76: اس آیت میں تکویف اخروی ہے اور یہ بشارت کے مقابلے میں ہے البتہ تخویف کو بشارت کے آدھے حصے کے برابر ذکر کیا ہے یعنی چھ طریقوں سے پہلی آیت میں زواجر ہیں، دوسری آیت میں بھی دو ہیں تیسری آیت میں عذاب کا سبب ذکر کیا جو کہ ظلم (شرک، اور کفر) ہے لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ۔ تَفَتَّرُ اس کو کہا جاتا ہے کہ کمزور کرنے کا ارادہ کیا جائے اور فتور عام کمزوری کو کہا جاتا ہے اور امام بیضاوی نے لکھا ہے تَفَتَّرُ اور فُتُورٌ کم کمزوری کو کہا جاتا ہے یعنی یہ عذاب کبھی بھی کمزور نہیں پڑے گا۔

تفسیر 77: اس آیت میں دو زواجر ذکر کی گئی ہیں، مالک کی طرف مدت طلب کرنے کیلئے اور فریادیں کرنا اور مَّاكِثُونَ کے ساتھ جواب دیا گیا۔ مَالِكُ جہنم کا خازن ملک کا نام ہے محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے کہ یہ لوگ پہلے آواز جہنم کے تمام داروغوں کو دیں گے۔ جیسے سورۃ غافر آیت :49 میں ہے پھر جب ان سے نا امید ہوجائیں گے تو پھر مالک کو آواز دیں گے اور ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ ہزار سال کے بعد جواب دے گا امام ترمذی کی اس روایت کو شیخ البانی نے ترغیب میں ضعیف قرار دیا ہے إِنَّكُم مَّاكِثُونَ اور صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4819 مَّاكِثُونَ سے مراد ہمیشہ

رہنات، جیسے جنت کے بارے میں سورۃ کہف آیت 3 میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 78: اس آیت میں عذاب کے سبب کا ذکر ہے اور اس خطاب میں دو احتمالات ہیں (پہلا) احتمال یہ ہے کہ یہ خطاب جہنم کے داروغہ مالک کی طرف سے ہے دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے۔ اَکْثَرَكُمْ سوال ان سب نے تو حق سے نفرت کی ہے تو اکثر کیوں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ اکثر سے مراد ان کے بڑے ہیں وہ حق سے نفرت کرتے تھے باقی ان کی تقلید کرتے تھے اور حقیقت سے واقف نہیں تھے۔

تفسیر 79، 80: ان آیتوں میں زجر ہے اَمْ اَبْرَمُوْٓا یہ کٰرِهُوْنَ کے ساتھ متعلق ہے یعنی صرف حق کے برا سمجھنے پر اکتفاء نہیں کرتے ہیں بلکہ حق کے مقابلے میں تدبیریں اور نبی کے قتل اور توحید کو ختم کرنے کیلئے تدبیریں اور چالیں چلاتے ہیں اَبْرَامٌ مضبوط اور قطعی فیصلے کرنے کو کہتے ہیں تو وہ ایسی تدبیر ہوتی ہے جو اکٹھے جمع ہو کر کر لیتے تھا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ اس طرح سورۃ طور آیت 42 میں آتا ہے چونکہ وہ حق کی دشمنی کو دل میں چھپاتے ہیں پھر اس کے لیئے دوستوں سے سرگوشیاں کرتے ہیں تو اس عمل پر لفظ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ کے ذریعے سے زجر کی ہے اس وہم کا رد بَلٰی کے ساتھ کیا ہے پھر زیادہ تاکید کیلئے ملائک کا لکھنا ذکر کیا تاکہ یہ لوگ پھر انکار نہ کرسکیں یحیٰی ابن معاذ سے منقول ہے کہ جو لوگوں سے گناہ پوشیدہ رکھے اور اس ذات سے حیا نہ کرے جس سے آسمانوں میں کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے اس نے اللہ کی تحقیر کی اور یہ منافقت کی علامات میں سے ہے۔

تفسیر 81: اس آیت میں ولد کے عقیدے کا رد ہے سورۃ کی پہلی آیت 15: کے ساتھ یا 45 کے ساتھ تعلق رکھتی ہے یعنی اگر مشرکین کہہ دیں کہ جس کو ہم نے الٰہ تصور کیا ہے وہ حقیقی الٰہ نہیں اللہ تعالیٰ کا ولد ہے تو اس کی عبادت جائز ہے تو اس آیت میں اس عقیدہ کا رد ہے اس آیت میں بہت سے احتمالات ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ اِنْ شرطیہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اِنْ نافیہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ کہ اِن پہلے احتمال پر نافیہ ہے فَاَنَا پہلی جزا ہے اور تیسرا احتمال پر ولد کی نفی پر تفریع ہے اور اس طرح عٰبِدِیْنَ میں پہلا احتمال یہ ہے کہ عبادت کرنے والے کے معنیٰ میں ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ ولد کی عبادت کرنے والا اور دوسرا یہ کہ اللہ کی عبادت کرنے والا۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ عَبِدَ سے نفرت کرنے اور انکار کرنے کے معنیٰ سے لیا گیا ہے اور جب اِن شرطیہ ہو اور شرط اور جزا ہو تو ایک معنیٰ یہ ہے کہ اگر بالفرض رحمان کا ولد ہو تو میں اس ولد کی سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا ملازمے کی وجہ یہ ہے کہ رحمان کے ولد کی تعظیم رحمان کی تعظیم کی

طرح فرض ہے اور فرض کے ادا کرنے میں تو میں سب سے آگے ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب رسول ہوں لیکن یہ بات باطل ہے اور میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتا ہوں تو معلوم ہوا کہ مقدم بھی باطل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ولد نہیں ہے اگر ان کی جزا محال ہو تو وہ قضیہ شرطیہ ہے لیکن ملازمہ اس میں ظاہر ہے۔ جیسے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا جائے اور کہا جائے کہ اگر یہ انسان ہوتو یہ کلام کرنے والا ہوگا لیکن اگر بولنے والا نہیں تو انسان بھی نہیں ہے لیکن ملازمہ تو سچائی ہے کہ اگر انسان ہوتا تو بولنے والا ضرور ہوتا اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اگر رحمان کا ولد ہوتو میں پھر بھی رحمان کی عبادت کرتا ولد کی عبادت نہیں کرتا ملازمے کی وجہ یہ ہے کہ میں تو عبادت اللہ کے حکم سے کرتا ہوں اور اللہ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ فلاں میرا ولد ہے اور اس کی عبادت کروگے۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

"آسمانوں اور زمین کا رب عرش کا رب ان باتوں سے پاک ہے، جو یہ لوگ (اس کے بارے میں) بیان کرتے ہیں [82] ان کو چھوڑ دو کہ باطل باتوں اور کھیل کود میں مشغول ہو جائیں یہاں تک کہ وہ ان کے سامنے آئیگا جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے [83] اور اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جو آسمان میں مختار ہے اور زمین میں بھی اختیار والا ہے اور وہ حکمت والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے [84] اور وہ برکت والا جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا اختیار ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور خاص کر اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤگے [85]۔

تفسیر 82: اس آیت میں اللہ کیلئے ولد کے عقیدہ کا دوسرے طریقے سے رد ہے یعنی عالمین کا رب ہونا اور صاحب ولد ہونا دو متضاد چیزیں ہیں اس لئے اگر ولد حقیقتاً ثابت بھی ہو جائے تو اس سے کمزوری اور حاجت مندی لازم آتی ہے اور جب کہ رب العالمین کسی کا محتاج نہیں ہوسکتا ہے اور عالم کے تین اطراف ذکر کیئے ہیں عرش جو کہ بلند ہے اور زمین جو کہ نیچے ہے اور آسمان جو درمیان میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے کسی جزء (حصے) میں بھی ولد (نائب) کا محتاج نہیں ہے۔

تفسیر 83: دلائل ذکر کرنے کے بعد اعراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے کہ وہ شبہات میں مشغول ہیں اور اس کو خوض کہا جاتا ہے یا شھوات میں مشغول ہیں اور اس کو لعب کہا جاتا ہے۔

تفسیر 84 : یہ بھی اتخاذ الولد کے عقیدہ کا اور ایک وہم کا رد ہے ان کا وہم یہ تھا کہ اگرچہ عالم کا رب ہے لیکن یہ امکان بھی ہے کہ الوہیت میں کسی اور کو حصہ دینا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا ولد یا شریک ہوگا تو جواب شرک فی الوہیت کے طور پر ہوا یعنی اگر شریک فی الربوبیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے تو شریک فی الوہیت میں بھی نہیں ہے اِلٰہ عبادت کے مقدار کے معنیٰ میں ہے اور وہ ذات جس کی بندگی حق کے ساتھ کی جاتی ہے زمینوں میں بھی اور آسمانوں میں بھی۔

تفسیر 85 یہ شرک فی البرکات کا رد ہے اور دوسرے وہم کا ازالہ ہے وہم یہ ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ رب اور الٰہ ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ بعض برکات اور منافع کا اختیار دوسروں کو سونپا ہو تو وہ ولد یا شریک بن جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اس کے فناء ہونے کا علم جو اس کے پاس ہے اور تمام فیصلوں کا رجوع اللہ کی جانب ہے یہ سب کچھ جب اللہ کیلئے ہے تو معلوم ہوا کہ برکات پیدا کرنے والا اور دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ تَبٰرَكَ کی تفصیل سورۃ اعراف 54 اور سورۃ مؤمنون آیت 14 سورۃ فرقان آیت 1، 10، 61 سورۃ غافر آیت 64 میں گزر چکی ہے۔ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ جب علم اس کے ساتھ خاص ہے، تو لازم بات ہے کہ قدرت بھی اسپر اللہ تعالیٰ کی خاص ہے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ
خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

"اور وہ لوگ سفارش کا کچھ اختیار نہیں رکھ سکتے ہیں جن کو یہ لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں مگر جنہوں نے حق کا اقرار کیا ہو اور وہ علم رکھتے ہوں [86] اور اگر ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ لوگ ضرور کہینگے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ تو یہ لوگ توحید سے کس طرح پھیرے جاتے ہیں [87] اور اس کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب بے شک یہ ایمان نہ لانے والی قوم ہے [88] آپ درگزر کریں ان سے اور جدائی کا سلام کریں تو عنقریب یہ لوگ جان لینگے [89]۔

تفسیر 86 : اس میں مشہور شبہ کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ ہم اپنے معبودوں کو الٰہ نہیں کہتے ہیں رب اور خالق نہیں کہتے ہیں صرف یہ کہ ہماری دنیا کی ضروریات اللہ سے پوری کرا دیتے ہیں اور آخرت میں ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا دینگے اس لیئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور چنے ہوئے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ مجبوراً ان کی بات مانتا ہے تو اس عقیدے کو رد کیا گیا لیکن اس آیت میں آخرت میں مشرکین کی شفاعت کا رد ہے یا ان کے معبودوں سے آخرت میں شفاعت

کا رد ہے جس میں توحید کا عقیدہ نہ ہو یعنی مشرک پیر ہو پھر اس آیت میں احتمالات ہیں اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ میں دو احتمالات ہیں: پہلا احتمال یہ کہ اس سے مراد معبود من دون اللہ ہیں تو یَدْعُوْنَ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور ھُمْ ضمیر مقدر ہے اَلَّذِیْنَ کی طرف راجع ہے۔ دوسرا احتمال: یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں اور یَدْعُوْنَ کا مفعول مقدر ہے یعنی یَدْعُوْنَ اٰلِهَةً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پہلے احتمال پر لَا یَمْلِكُ کا معنی ہے شفاعت کرنے پر قدرت اور اختیار نہیں رکھتے ہیں اور تیسرا احتمال پر لَا یَمْلِكُ مشرکین اپنے نفسوں کیلئے شفاعت کے حصول کا اختیار نہیں رکھ سکتے ہیں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ میں اِلَّا میں بھی دو احتمالات ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ استثناء متصل ہے اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ میں ملائک، عیسیٰ اور عزیر علیہم السلام اور اولیاء داخل ہیں اور اِلَّا کے ساتھ وہ لوگ مستثنیٰ ہوجائینگے۔ چوتھا احتمال: یہ ہے کہ اِلَّا استثناء منقطع ہے اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ سے مراد صرف برے معبود ہیں یعنی مشرکین اور پیر وغیرہ۔ اور مَنْ شَهِدَ میں بھی دو احتمالات ہیں۔ پہلا احتمال: یہ کہ اس سے مراد شفیع ہے اور بعد والی دونوں صفات شفیع کی ہیں (دوسرا) یہ کہ اس سے مراد مشفوع لہ ہے مستثنیٰ منہ مفرغ مقدر ہے اور لام حرف مَنْ کے ساتھ مقدر ہے یعنی اَلشَّافِعَةُ لَا حَدٍ اِلَّا لِمَنْ شَهِدَ اور بعد والی دونوں صفات مشفوع لہ کی ہیں۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ میں بھی دو احتمالات ہیں۔ پہلا احتمال: یہ کہ شہادت بالحق زبان کے ساتھ عقیدہ قلبیہ بھی شرط ہے یعنی یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ دوسرا احتمال: یہ ہے کہ مشفوع لہ کے حال کا علم رکھتا ہے کہ یہ مؤمن ہے یا نہیں ہے یعنی موحد شفیع تب شفاعت کرے گا جب اس کو معلوم ہوجائے کہ یہ شخص موحد ہے اور یہ علم دنیا میں حاصل نہیں ہوتا ہے اور آخرت میں بھی تب حاصل ہوگا جب ایمان والوں کی نشانیاں مقرر ہوجائیں (سفید چہرے اور اعضاء) یا اللہ ان کو خبر دے کہ یہ موحد ہے اس کے لیے شفاعت کرو یہ سب دس احتمالات ہیں اور مفسرین نے نقل کیے ہیں لیکن ان سب میں راجح معنی یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود شفاعت کا اختیار نہیں رکھ سکتا ہے مگر وہ معبود (مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) جس نے توحید کے علم کے ساتھ دنیا میں توحید کی شہادت دی ہو یا اس موحد کے حال کا علم اس کو ہو۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شہادت بالحق صرف علم کے ساتھ فائدہ دیتی ہے اور جب انسان بات کی دلیل کا علم نہیں رکھتا ہو تو تقلید کچھ فائدہ بھی نہیں دیتی ہے۔

تفسیر 87: یہ دلیل عقلی ہے اور اس میں بھی شفاعت قہریہ کا رد ہے یعنی تمہارے شفعاء تو تمہارے اقرار کے ساتھ بھی مخلوق ہیں تو مخلوق کو شفیع قہری کس طرح سمجھتے ہو مَنْ خَلَقَهُمْ هُمْ کی ضمیر معبودوں کی طرف راجع ہے یا عابدوں اور معبودوں

دونوں کی طرف راجع ہے۔

تفسیر 88: اس آیت میں زجر ہے وَقِيلِهٖ اس میں واؤ قسمیہ ہے اور قیل قول کے معنیٰ میں ہے اور ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یٰرَبِّ یہ قول کا مقولہ ہے آخر تک اور جواب قسم پوشیدہ ہے۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَمُعَانِدُوْنَ) حاصل یہ ہے کہ یہ نبی وقتے وقتے سے اللہ کے دربار میں مشرکین کی شکایت پیش کرتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ یَارَبِّ اَنَّ هٰؤُلَاءِ تو شہادت کے طور پر اس قول پر قسم ہے کہ بے شک یہ لوگ عنادی ہیں یا قِيلِهٖ کیلئے مقولہ ہے صرف یارب ہے یعنی یہ نبی جو کہتا ہے یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا فرقان آیت 30، اور جواب قسم اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ہے تیسری توجیہ یہ ہے، وَقِيلِهٖ عِلْمُ السَّاعَةِ پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی وَعِنْدَهٗ عِلْمُ قِيلِهٖ اور قول کا مقولہ یارب ہے۔ لیکن معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان بہت فاصلہ ہے لہٰذا یہ توجیہ مناسب نہیں ہے۔

تفسیر 89: اس میں منکرین کے عناد پر تفریع ہے اور معاندین کا حکم ہے جو کہ براءت اور قطع رحمی ہے فَاصْفَحْ صَفْحٌ سے مراد ان کی محبت اور دوستی سے اعراض کرنا ہے یا ان کا برا بھلا کہنا اور گالی گلوچ ہے اور یہ معنی منسوخ نہیں ہے بلکہ مبلغ کی دعوت کے وقت یہ اخلاق رکھنا ضروری ہے وَقُلْ سَلٰمٌ اس کو الوداعی اور متارکہ سلام کہا جاتا ہے یہ سلام تحیہ نہیں ہے اس لیئے کہ مشرکین پر سلام تحیہ جائز نہیں ہے لہٰذا معنیٰ یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ میری اور آپ کی جدائی ہے میں تمہیں گالی نہیں دیتا اور بداخلاقی نہیں کرتا ہوں اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سلام پیش کیا تھا جیسے، سورۃ مریم آیت 47 میں ہے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ میں عذاب کی طرف اشارہ ہے چاہے دنیاوی عذاب ہو یا اُخروی عذاب ہو۔

سورۃ زخرف کی خصوصیات

۱۔ شرک کے مختلف قسموں پر رد یعنی شرک فی الدعا، شرک فی التصرف، شرک فی العبادۃ، شرک فی البرکات، شرک بالملائکۃ، بالتخاذ ولد اور رد شرک فی الشفاعۃ القہر یہ۔

۲۔ اول تا آخر دلائل اعترافیہ کا ذکر۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء سے دلائل نقلیہ کا ذکر ہے۔

۴۔ مشرکین کے دو دلیلوں پر رد اس سورۃ میں وارد ہے۔

۵۔ اللہ کی مشیت سے شرک پر دلیل پکڑنے کا ذکر ہے۔

۶۔ آباء واجداد کی پیروی کا تذکرہ ہے۔

۷۔ مشرکین کے بنائے ہوئے باطل معبودوں کی تردید۔

۸۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شان تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔

اللہ کی توفیق سے اس سورۃ کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتها ۵۹ ۴۴ سورۃ الدخان مکیۃ ۶۴ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

”اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے[1] اور واضح بیان کرنے والے کتاب کی قسم (جو اس بات پر گواہ ہے)[2]۔

ربط: اس سورت کا گذشتہ سورت سے ربط کئی وجوہات سے ہیں: پہلی وجہ: یہ ہے کہ گذشتہ سورۃ میں مشرکین کے دلائل کا رد تھا تو اس سورۃ میں عذاب دنیاوی کا خوف ذکر ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کی قباحت کا ذکر تھا تو اس میں قرآن کریم کی عظمت اور صدق کا ذکر ہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے تکبر کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کی کرامت کا ذکر ہے۔ چوتھی وجہ: یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں عقلی دلائل کے ساتھ توحید کے ثبوت کا ذکر تھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذکر کرنے کے ذریعے توحید کا اثبات ہے۔

سورۃ کا دعویٰ/مرکزی مضمون: سورۃ کا مضمون یہ ہے کہ قرآن کے معترضین ومنکرین کو کے لئے تخویف دنیاوی ذکر ہے آیت 10 اور 59 میں اور قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعے عظمت کا ذکر ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں دو ابواب ہیں پہلا باب آیت 40 تک ہے جس میں قرآن کی سچائی اور قرآن کا مقصد ذکر ہوا ہے جو کہ توحید اسماء وصفات ہے، پھر دخان اور بَطْشَةَ الْكُبْرىٰ کے ذکر کرنے سے دنیاوی عذاب کی وعید ہے پھر فرعون کا واقعہ سورۃ کے دعوے کیلئے بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے پھر بنی اسرائیل پر انعامات کا ذکر ہے پھر بعث بعد الموت کے انکار کے سبب سے زجر اور تخویف کا ذکر ہے۔

تفسیر 2.1 ان آیتوں میں وہ تفسیر ہے جو سورۃ زخرف کی ابتداء میں ذکر ہوئی ہے الْمُبِيْنِ اس سورۃ میں ابانت یعنی وضاحت عذاب کو ذکر کرنے کے ذریعے سے ہے اور سورۃ زخرف میں وضاحت دلائل اور شبہات کے ازالوں کے ذریعے تھی اور یہ شبہات کے طور پر قسم ہے جو بعد میں ذکر کئے ہوئے مقصد کا ثبوت ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ﴿٣﴾ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا
مُرْسِلِينَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٦﴾ رَبِّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ ۖ إِن
كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٧﴾ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۖ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِى شَكٍّ
يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾ فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِى ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ يَغْشَى ٱلنَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ رَّبَّنَا ٱكْشِفْ
عَنَّا ٱلْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ أَنَّىٰ لَهُمُ ٱلذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا۟ عَنْهُ وَقَالُوا۟ مُعَلَّمٌ
مَّجْنُونٌ ﴿١٤﴾ إِنَّا كَاشِفُوا۟ ٱلْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ ﴿١٥﴾

"بے شک ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے بے شک ہم ڈرانے والے ہیں[3] اس رات میں فیصلے کئے جاتے ہیں بے (کی کتاب میں) ہر اس کام کے جو حکمت والا ہوتا ہے[4] ہماری طرف سے حکم ہے بے شک ہم رسول کو بھیجنے والے ہیں[5] آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے[6] آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا رب ہے اگر تم یقین رکھتے ہو[7] عبادت کا حقدار اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تمہارا رب اور تمہارے پہلے بڑوں کا رب ہے[8] بلکہ یہ لوگ شک میں مشغول ہیں[9] تو انتظار کرو جس دن آسمان واضح دھواں ظاہر کریگا[10] لوگوں کو ڈھانپے گا یہ دردناک عذاب ہے[11] (کہیں گے) اے ہمارے رب ہم سے عذاب کو ہٹادے بیشک ہم بھی ایمان لاتے ہیں[12] ان کے لیۓ نصیحت کیسے ہوگی حالانکہ ان کے پاس واضح پیغام پہنچانے والا رسول آیا ہے[13] پھر انھوں نے اس سے منہ پھیرا اور کہتے ہیں کہ اس کو کسی نے سکھایا ہے اور دیوانہ ہے[14] بے شک ہم ان سے کم وقت کیلئے عذاب کو ہٹاتے لیکن تم کفر کی طرف دوبارہ لوٹتے ہو[15]۔

تفسیر 3 اس آیت میں جواب قسم ہے یعنی قرآن کو بیان کرنا اور اسکی وضاحت اس بات پر شاہد ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور نزول کا وقت بھی مبارک ہے اور انذار کیلئے مکمل کتاب ہے لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ۔ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے جیسا کہ سورۃ قدر میں ہے اور لیلۃ القدر رمضان میں ہے اس کی دلیل سورۃ بقرۃ آیت:185 ہے اور اسی طرح سورۃ قدر جس میں لیلۃ القدر کے بارے میں مِّن كُلِّ أَمْرٍ اور سَلَٰمٌ کو ذکر کیا ہے تو یہاں فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ اور رَحْمَةً ذکر کیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی فضیلت کے بارے میں بہت صحیح احادیث نقل کی گئی ہیں

اور اس رات کی فضیلت نزول قرآن کے سبب سے ہے بعض مفسرین نے لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد شعبان کی پندرھویں رات لی ہے اور اس کی فضیلت کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی گئی ہیں: لیکن وہ قول درست نہیں ہے اہل تحقیق مفسرین نے اس کا رد ذکر کیا ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ یہ قول باطل ہے اور جو کہتے ہیں کہ قرآن کے نزول کی ابتداء لیلۃ القدر کے علاوہ کسی دوسری رات میں ہوئی ہے فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللّٰهِ تو بے شک اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا ہے اور اسی طرح ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ یہ رات شعبان کی لیلۃ النصف ہے جیسے عکرمہ رحمہ اللہ سے نقل ہوا ہے فَقَدْ اَبْعَدَ النُّجْعَةَ تو یہ فائدے سے دور چلا گیا، اور جو احادیث اس رات کی فضیلت کے بارے میں ذکر ہوئی ہیں تو ان میں صحیح مرفوع متصل حدیث نہیں ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شعبان کے لیلۃ النصف کے بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جائے نہ اس کی فضیلت کے بارے میں اور نہ اوقات کے بارے میں لہٰذا اس کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عکرمہ کی حدیث مرسل ہے باقی نصوص کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے ملا علی قاری نے مرقات میں کہا ہے کہ دیلمی وغیرہ نے شعبان کی آدھی رات میں سو (100) رکعات نماز کا ذکر کیا ہے اور اس کو صَلٰوةُ الْفِيَةِ کہتے ہیں تو وہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز سب سے پہلے بیت المقدس میں (440ھ) میں ایجاد ہوئی ہے۔ اسی طرح اس رات یا اس سے پہلی رات میں لوگ آگ جلاتے ہیں اور اس کے ساتھ کھیلتے ہیں مکہ والوں نے آٹھویں صدی ہجری میں یہ رسم ایجاد کی ہے اور یہ مجوسی اور ہندوؤں کی رسم ہے اور ترمذی کی حدیث میں اس رات کی فضیلت ذکر ہوئی ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ذکر ہوئی ہے اس کی سند میں دو انقطاع ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور معاذ بن جبل کی حدیث ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کی ہے اس کی سند میں ابن لھیعہ ضعیف راوی ہے اور علی کی حدیث جو ابن ماجہ نے نقل کی ہے اس کی سند میں ابو بکر بن عبد اللہ العامری ہے محدثین نے کہا ہے کہ یہ احادیث گھڑتا تھا اور متروک راوی ہے اور دوسری حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی امام بیہقی نے نقل کی ہے وہ بھی مرسل حدیث ہے اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ یہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کیلئے علت ہے یعنی قرآن کے نزول کا مقصد ڈرانا ہے۔

تفسیر 4 یہ فِيْ لَيْلَةٍ کی علت ہے یعنی قرآن کے نزول کو اس رات کے ساتھ اس وجہ سے خاص کیا ہے کہ اس رات میں محکم کاموں کے فیصلے کیئے جاتے ہیں تو قرآن کا نزول بھی محکم کام تھا اس رات میں اس کا آغاز ہوا يُفْرَقُ تمام اشیاء کی تقدیر

آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہے اور یہ صحیح مسلم فی کتاب القدر حدیث 16، 2683 ترمذی حدیث 2156 الاسماء والصفات للبیھقی اسنادہ صحیح علی شرط شیخین، 374، سے ثابت ہے لیکن اس سے ایک سال کیلئے مقرر کی ہوئی چیزیں اور کام الگ کر دیتا ہے اور ملائک کے حوالے کر دیتا ہے اور یہ جدا کرنا لیلۃ القدر میں ہوتا ہے اس وجہ سے یُفۡرَقُ کہا جو جدا کرنے پر دلالت کرتا ہے کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے اس وجہ سے حکیم کی قید احترازی نہیں ہے اور امور یعنی پیدا کرنا اور مارنا، رزق کی مقدار، مدد اور شکست فائدہ اور نقصان۔ عبادات کرنا، گناہ کرنا، حج کرنا اور سفر کرنا وغیرہ ان سب کو لفظ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ شامل ہے۔

تفسیر 5 اَمۡرًا یُفۡرَقُ سے تعلق رکھتا ہے یعنی یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے امر کی وجہ سے ہے یا امر فعل محذوف کیلئے مفعول ہے (اَنۡزَلۡنَا اَمۡرًا) اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ مقدر کیلئے علت ہے یعنی اَنۡزَلۡنَاہُ کے ساتھ اِلَی النَّبِیِّ مراد تھا تو یہ علت اس کی ہے کہ قرآن کا انزال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس وجہ سے کیا کہ ہم اس کو رسول بنانے والے ہیں۔ **دوسری توجیہ** یہ ہے کہ تین جواب قسم ہیں: **پہلا جواب** اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ **دوسرا جواب** اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ **تیسرا جواب** اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ

تفسیر 6 یہ مفعول لہ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ کے ساتھ متعلق ہے یا تینوں جوابات سے اور ترغیب ہے کہ قرآن کو نازل کرنا اور ڈرانا اور رسول بھیجنا یہ سب رب کی طرف سے خاص رحمت ہے اور رحمت کے طلبگار جب زبان سے طلب کرتے ہیں تو اس کے لیے اَلسَّمِیۡعُ ذکر کیا ہے اور کبھی دل سے طلب کریں تو اس کے لیے اَلۡعَلِیۡمُ ذکر کیا اور اس طرح یہ جملہ قرآن کا خلاصہ انذار کا اور رسالت کا خلاصہ ہے کہ یہ توحید ہے اس وجہ سے بعد والی دو آیتوں میں اس مسئلے کی تاکید کیلئے باقی صفات استدلال کے طور پر ذکر کی ہیں اور یہ نو اسماء وصفات ذکر کی ہیں۔

تفسیر 7، 8 پہلے تین صفات ذکر کی ہیں اب ان دو آیتوں میں چھ مزید ذکر کی ہیں اور اس میں اصل مقصد توحید ثابت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار قرآن کی عظمت کیلئے ہے اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ اس شرط میں ان لوگوں کو خطاب ہے جو یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق اور رب ہے اور شرط کی جزا پوشیدہ ہے تو معنی یہ ہے کہ اگر تم یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خالق اور رب ہے تو یقین رکھو کہ قرآن اور رسول حق ہے ملازمے کی وجہ یہ ہیں کہ یہ قرآن اور رسول بھی اللہ کی خالقیت، الوہیت اور ربوبیت کے ثبوت کیلئے بھیجے گئے ہیں یا یہ خطاب عام ہے تو معنی یہ ہے کہ اگر اللہ کی توحید پر یقین کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو قرآن اور رسول پر ایمان لے آؤ۔

تفسیر 9 اس آیت میں زجر ہے یعنی اللہ کی خالقیت اور ربوبیت پر انکا یقین حقیقی نہیں ہے بلکہ بڑوں کی تقلید کے طور پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ شک میں ہیں اور اس کے ساتھ یہ لوگ جن کفریہ اور شرکیہ کاموں میں مشغول ہیں وہ سب بے کار اور لایعنی ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس میں عمر کا ضیاع ہے۔

تفسیر 10 تا 15 تک اس میں تخویف دنیاوی ہے دخان کے واقعہ کے ذریعے اور اس میں مفسرین کے دو اقوال ہیں: پہلا قول امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 2798، صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین 2798، ترمذی 3251، مضمون اس کا یہ ہے کہ جب قریشیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تو آپ نے بدعاء کی کہ اے اللہ ان پر قحط سالی نازل فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی آئی تھی۔ تو ان پر قحط سالی شروع ہوئیں یہاں تک کہ لوگ گھٹلیاں کھانے لگے اور آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو ایسے اس کو لگتا جیسے دھواں ہے تب یہ آیتیں نازل ہوئیں پھر مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ یا رسول اللہ قبیلہ مضر (جو کہ آپ کے رشتہ دار ہیں) ان کے لیئے دعاء کیجئے اس لیے کہ وہ قحط سے ہلاک ہو گئے آپ نے بارش کی دعا مانگی تو بارش ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ اس حدیث کی بنیاد پر دخان سے مراد قحط ہے لہٰذا اُس وقت زمین سے دخان کی طرح گرم ہوا اور گرد و غبار بلند ہو رہا تھا اور النَّاس سے مراد صرف مکے والے ہیں دوسرا قول علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعا منقول ہے کہ تمام لوگوں پر دخان اٹھ جائے گا تو مؤمنین پر زکام کی طرح ہوگا اور کافر کا سارا بدن سوجھ جائے گا اور آیت میں یوم القیامت سے مراد قیامت قریب ہونا مراد ہے اس لیئے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت سے قبل ظاہر ہونے والی دس بڑی علامات ہیں۔ پہلی اس میں دخان شمار کیا ہے اور اس قول کی بناء پر دخان اس میں حقیقی ہوگا اور چند دن بعد ہٹ جائے گا اور دوسری علامت شروع ہوگی میں راقم الحروف کہتا ہوں کہ قرآن مجید کے الفاظ دونوں اقوال کے موافق ہیں البتہ پہلا قول زیادہ مناسب ہے یعنی یہ دخان مکہ والوں پر واقع ہوا تھا اور دوسرا دخان ساری دنیا والوں پر قرب قیامت میں واقع ہوگا۔ تَاْتِى السَّمَآءُ۔ آسمان کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ کسی بھی سبب سے زمین سے معلوم نہیں ہوتا ہے یا آسمان سے مراد (جو) فضا ہے وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کو ایک بشر انسان تعلیم دیتا ہے جیسا سورۃ الانعام 105، سورۃ نحل 103 میں ہے یا اس کو شیطان تعلیم دیتا ہے اور یہ کاہن ہے وَاَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى اس جملہ تک کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انھوں نے نبی کی تکذیب

دونوں کی توجیہ میں ان کے عذاب اور ہدایت دونوں سے محرومی کا سبب بنا اِنَّا کَاشِفُ الْعَذَابِ قَلِیۡلًا پہلے قول کی بنا پر نبی کی دعا سے عذاب کو ٹالنا مراد ہے اور دوسرے قول کی بنا پر علامات قیامت جب واقع ہوں گی تو اس میں درمیانہ وقفہ مراد ہے اِنَّکُمۡ عَآئِدُوۡنَ ضد وعناد کی وجہ سے کفر کی طرف پلٹنے والے ہیں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ کا دعویٰ جھوٹا ہے

يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ۙ﴿۱۷﴾

اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ﴿۱۸﴾ وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۚ﴿۱۹﴾

جس دن ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے، بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں [16] یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو (بھی) آزما چکے ہیں جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا [17] کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کردو یقین مانو کہ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں [18] اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں [19]

تفسیر 16: یہ بھی تخویف دنیاوی ہے اور مراد اس سے مشرکوں کا بدر کے دن ہلاک کرنا ہے یا یہ تخویف اُخروی ہے اور بَطۡشَةً سے قیامت کے دن مشرکین کو سخت عذاب میں پکڑنا ہے اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ اس سے انتقامی سزا مراد ہے اور انتقام کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں سزا کی کوئی حد مقرر نہ ہو۔

تفسیر 17: یہ تخویف دنیاوی کی مثال ہے فرعون کو ہلاک کرنے کے واقعے کے ذریعے اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عذاب کے وقت وعدے کئے تھے کہ ہم ایمان لے آئیں گے فقط آپ اللہ تعالیٰ سے عذاب ٹالنے کی دعا کریں مگر عذاب ہٹ جانے کے بعد وہ اپنے وعدوں سے پھر گئے اسی طرح مشرکین مکہ بھی مکر جائیں گے وَلَقَدۡ فَتَنَّا سے مراد رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجنا اور اس کی اطاعت کا حکم یعنی أَمَرۡنَا بِالطَّاعَةِ ہے یا فتنے سے مراد عذاب ہے كَرِيۡمٌ یہ فرعون کے قول کے مقابلے میں ہے (مَهِيۡنٌ) جو سورۃ زخرف میں گزر چکا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کرامت، عزت اور شرافت مختلف طریقوں سے اچھے اخلاق عطاء کیے تھے اور اعلیٰ نسب نبوت اور رسالت سے نوازا ہے۔

تفسیر 18 اس کی دو توجیہات ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ اَدُّوۡۤا کا مفعول محذوف ہے طَاعَةَ اللّٰهِ اور عِبَادَ اللّٰهِ منادیٰ ہے اور حرف ندا پوشیدہ ہے دوسرا یہ کہ عِبَادَ اللّٰهِ اَدُّوۡا کا مفعول ہے یعنی میرے ساتھ بنی اسرائیل کو آزاد کردو اور یہ دونوں مقصد

اس کے کلام میں سورۃ اعراف آیت: 104,105 میں موجود ہیں اَمِیْنٌ اللہ کی وحی کا امانتدار، اور اپنے لئے ایسی تعریف انبیاء علیھم السلام لوگوں کی ترغیب کیلئے کر سکتے ہیں جیسے سورۃ اعراف آیت: 68 میں گزر چکا ہے لیکن کریم کی صفت اپنے لئے خود ذکر کرنا مناسب نہیں ہے تو یہ صفت اللہ نے ان کے لئے اپنی طرف سے ذکر کی۔

تفسیر 19 پہلے امر بالمعروف ذکر ہوا اور یہ نہی عن المنکر ہے اور علوا طاعت کرنے سے تکبر کرنے اور افترا اور بغاوت کرنے کو شامل ہے۔ اور اکثر بادشاہوں کے اخلاق میں فخر اور تکبر ہوا کرتے ہیں اس وجہ سے ان کو دعوت دینے میں علو سے منع فرمایا گیا ہے جیسے سورۃ نمل آیت 31 میں ہے اور ان دونوں آیتوں میں جامع دعوت ذکر ہے توحید، رسالت، شرک اور کفر کا رد، معجزات پیش کرنا، اور موحدین کے حق ادا کرنے کا حکم ہے۔

وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ
مُجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

''اور بیشک میں تمہارے اور اپنے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو [20] اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے ہو تو مجھ سے الگ ہو جاؤ [21] لہٰذا اپنے رب سے دعاء مانگی کہ اس قوم کے لوگ مجرم ہیں [22] تو میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا [23] اور سمندر کو ٹھہرا ہوا چھوڑ دو بیشک یہ لشکر غرق ہونے والا ہے [24]۔

تفسیر 20 جب فرعون نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تھا جیسے سورۃ غافر آیت: 26 میں ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بچنے کیلئے پناہ طلب کی جیسے سورۃ غافر آیت: 47 میں ہے اور فعل ماضی (عُذْتُ) مضارع کے معنی میں ہے اَنْ تَرْجُمُوْنِ رجم پتھروں سے مارنا یا گالی اور طعنوں سے بدنام کرنا ہے۔

تفسیر 21 اس سے پہلے عبارت میں تقدیر ہے یعنی فَإِنْ آمَنْتُمْ لِي أَفْلَحْتُمْ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي۔ اگر تم ایمان لاتے تو کامیاب ہو جاتے اور اگر ایمان نہیں لاتے ہو لِی ایمان سے لغوی معنی مراد ہے تو صلے میں لام آیا ہے یا شرعی ایمان مراد ہے اور لام اجلیہ ہے بیان کرنے اور میری دلیل کی وجہ سے۔ فَاعْتَزِلُوْنِ مراد یہ ہے کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ یعنی مجھے تکلیف دینے سے یا مراد یہ ہے کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ یعنی میری قوم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے۔

تفسیر 22 یہ مقدر عبارت کی وضاحت ہے یعنی فَكَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا۔ انھوں نے کفر اور تکذیب کی لہٰذا انہوں نے بددعا کی

اوراس بددعاء کی تفصیل سورۃ یونس آیت:88میں گزرچکی ہےاور اس دعاء کا سبب یہ ہےأَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ جرم واضح گناہ فسق فجور اور ظلم کو کہا جاتا ہے اور یہ کفر اور سرکشی ہے اور یہ تعدی اصل میں دنیاوی عذاب کا سبب ہے اس وجہ سے کافروں کو مجرمین کہا۔

تفسیر 23 یہ بددعاء کی قبولیت ہے تو عبارت میں تقدیر ہے یعنی قُلْنَا لَهُ بَعْدَ الْإِجَابَةِ (ہم نے اس سے اس کی بددعاء کی قبولیت کے بعد کہا اور نجات کیلئے سیر فی اللیل بہتر طریقہ ہے اسلئے کہ فاجر فاسق اسوقت میں غافل سوئے رہتے ہیں دوسری یہ کہ رات کے سفر میں خیر اور برکت ہوتی ہے، تیسرا گرمی سے بچنا ہے اسی طرح سیر فی اللیل رات میں سفر۔ یعنی رات کو تہجد پڑھنا بھی اللہ کے عذاب سے نجات کا سبب ہے اگرچہ یہاں پر پہلا معنی مراد ہے إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ۔ اس میں ان کی طرف تنبیہ ہے کہ سفر کرنے میں اور ذکر کرنے میں سستی نہ کرو کیونکہ دشمن ہمارے پیچھے آنے والے ہیں۔

تفسیر 24 اس آیت میں بنی اسرائیل کی نجات اور فرعونیوں کے عذاب کے طریقے کی طرف اشارہ ہے اور عبارت میں اختصار ہے یعنی حکم دیا کہ لاٹھی سے سمندر کو مارو تو اس میں بارہ راستے کشادہ بن جائینگے اور پانی اپنی جگہ پر ٹھہر گیا جب بنی اسرائیل سمندر سے گزر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ یہ سمندر اب خود بہہ جائے تاکہ فرعونی ہمارے پاس نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اپنی جگہ پر ٹھہرا ہوا یا کشادہ راستے اور اسکی علت اس قول میں إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ذکر کی ہے۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ
مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾

"انھوں نے بہت سارے باغات اور چشمے چھوڑے ہیں [25] اور فصلیں اور عزت والی جگہیں [26] اور خوشی کا سامان جس میں یہ لوگ مزے کرنے والے تھے [27] اسی طرح ہوا اور ہم نے یہ باغات وغیرہ) دوسری قوم کیلئے چھوڑ دیئے ہیں [28] تو ان پر آسمان اور زمین نہیں روئے اور نہ ان کو مہلت دی گئی [29] اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی [30] فرعون سے بے شک وہ سرکشی کرنے والا زیادتی کرنے والوں میں سے تھا [31] اور ہم نے انھیں علم کے وجہ سے باقی تمام عالم پر برتری دی [32] اور ہم نے ان کو انعامات دیئے جس میں واضح آزمائش ہے [33] بیشک یہ لوگ ضرور کہتے ہیں [34] یہ ہماری صرف پہلی موت ہے اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائیگا [35] تو ہمارے بڑوں کو لے کر آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو [36]۔

تفسیر 25، 26، 27، 28 ان کے غرق ہونے کے بعد ان کے مالوں کا حال ذکر ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ سب غرق ہوئے ہیں اور اسی طرح اشارہ ہے کہ غرق ہونا ان کے لیے حقیقی معنیٰ میں تھا مجازی معنیٰ (نقصان) وغیرہ نہیں ہے وَّنَعْمَةٍ یہ لفظ دنیا کے ان تمام مالوں کیلئے ہے جو خوشی مستی اور تکبر کا سبب ہوتا ہے فٰكِهِيْنَ خوشی اور تکبر کرنے والے اور مزے لینے والے تھے اور اس طرح سورۃ شعراء آیت: 57,58 میں گزر چکا ہے۔ فائدہ: سورۃ شعراء میں كُنُوْزٍ ذکر کیا تھا اشارہ ہے کہ فرعونی ان خزانوں کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرتے تھے ساحروں سے کہا جاتا تھا کہ تمھیں زیادہ اجرت دونگا اور اس سورۃ میں یہ واقعہ ذکر نہیں کیا ہے اس طرح اس سورۃ میں نَعْمَةٍ ذکر ہے اور سورۃ شعراء میں ذکر نہیں کیا تھا اس وجہ سے کہ اس سورۃ میں فرعونیوں کی سرکشی اور ان کا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ذکر ہے اور یہ دونوں کام نعمت کی وجہ سے تھے كَذٰلِكَ رفع کی حالت میں ہے یعنی اَلْاَمْرُ كَذٰلِكَ یا نصب کی حالت میں ہے اَفْعَلُ

كُلَّ اِلَيۡكَ لِمَنۡ عَصَانِيۡ یہ کام ان کے ساتھ کرتا ہوں جو نافرمانی کرتے ہیں قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ مراد وہ کمزور لوگ ہیں جو مصر میں فرعون کے لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے یا اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو داؤد علیہ السلام کے زمانے میں اس شہر میں واپس آئے اور ان کے مالوں کے وارث بن گئے جیسے سورۃ اعراف آیت:137 میں اسکی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 29 اس آیت میں فرعونیوں کی ذلت ورسوائی ذکر کی گئی ہے آسمان اور زمین کا رونا حقیقت پر محمول ہے جیسے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ مؤمن کیلئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے رزق کا نزول ہوتا ہے اور دوسرے دروازے سے اعمال چڑھتے ہیں تو جب یہ مرجاتا ہے تو آسمان کے یہ دونوں دروازے اس کے پیچھے روتے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے ترمذی 3255، ابو یعلی 4133، مجمع الزوائد 7/104، شیخ زبیر نے بھی تخریج ابن کثیر میں ضعیف کہا ہے اور اس طرح ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ جو زمین پر رکوع سجدہ اور خیر کے باقی اعمال کرتا ہے تو اس کی موت کے بعد وہ زمین بھی اسکے پیچھے روتی ہے تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ فرعونیوں کا کچھ بھی نیک عمل نہیں تھا جو آسمان کی طرف چڑھتا اور زمین ان کے پیچھے روتی نہیں یا اس سے مراد أَهۡلَ السَّمَاءِ وَالۡاَرۡضِ ہیں یعنی آسمان کے ملائک اور زمین کے ایمان والے ان کے پیچھے نہیں روتے۔

تفسیر 30,31 فرعونیوں کے عذاب کے بعد جو کہ مشرکین کے لئے تخویف دنیاوی کے طور پر تھا۔اب موحدین کے لئے بشارت کے طور پر بنی اسرائیل پر انعامات کا ذکر ہے اَلۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ جو کہ سورۃ بقرۃ آیت 49 میں مذکور ہے مِنۡ فِرۡعَوۡنَ یہ مِنَ الۡعَذَابِ سے بدل ہے اس میں مبالغہ ہے کہ فرعون کا وجود ہی عذاب تھا یا اَلۡعَذَابِ سے حال ہے یعنی یہ عذاب فرعون کی طرف سے واقع اور صادر ہوا تھا عَالِيًا سرکش جو اپنے اوپر کسی کا قانون نہیں مانتا ہے اسی طرح سورۃ قصص آیت 4 میں بھی ہے۔

تفسیر 32 یہ بنی اسرائیل پر دوسرے انعام کا ذکر ہے یہ فضیلت تمام لوگوں پر جزوی فضیلت ہے کہ بنی اسرائیل میں بہت سارے انبیاء بھیجے گئے ہیں یا اس سے مراد اس زمانے کے لوگ ہیں اور اس امت پر ان کی فضیلت نہیں ہے اس آیت کی دلیل سے كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ. عَلٰى عِلۡمٍ یعنی اللہ تعالیٰ عالم ہے کہ یہ لوگ اس وقت اس فضیلت کے مستحق تھے یا اللہ تعالیٰ ان کے نقصانات پر عالم ہے۔

تفسیر 33 یہ دوسرے انعام کا ذکر ہے اور آیات سے مراد وہ معجزات اور عجیب انعامات ہیں جن میں سے بعض سورۃ بقرۃ

میں ذکر ہوئے ہیں بَلٰٓـؤٌا سے مراد امتحان ہے یا نعمت کے معنی میں ہے جیسے سورۃ انفال آیت :17 میں ہے۔

تفسیر 34، 35، 36 یہ آیت 9 سے متعلق ہے یعنی جس طرح یہ لوگ توحید اور رسالت سے شک میں ہیں تو اس طرح یہ لوگ بعث بعد الموت کے منکر ہیں اور اس میں ان کے انکار مِنَ الْبَعْثِ پر زجر ہے اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى ان کے انکار کے قول بہت زیادہ ہیں اس وجہ سے لَيَقُوْلُوْنَ پر وقف ہوا لیکن جزا قول یہ ہے کہ اس جملے میں دو وجوہ سے اشکال ہے پہلا یہ کہ هِيَ کی ضمیر زندگی کی طرف راجع ہے یا موت کی طرف راجع ہے اگر زندگی کی طرف راجع ہو تو اس سے موت کا استثنیٰ درست نہیں ہے اور اگر موت کی طرف راجع ہو تو موت میں تو کلام نہیں ہے دوسرا یہ کہ اولیٰ کہا تو معلوم ہوا کہ دوسری موت تو ہے اور دوسری موت اس وقت ہو سکتی ہے جب درمیانی زندگی ہو تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ دوسری زندگی مانتے ہیں لیکن پھر تو تناقض آئے گا اس بعد والے قول وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ سے؟ [illegible] یہ ہے کہ هِيَ کی ضمیر حالت اور عاقبت کی طرف راجع ہے تو معنیٰ یہ ہے کہ ہمارا حال، صفت اور عاقبت صرف پہلی موت میں ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے اور لفظ اولیٰ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسری موت ہو اسنوی نے تمہید میں لکھا ہے کہ اول لغت میں چیز اور کلام کی ابتداء کو کہا جاتا ہے اس کے بعد دوسرا ہو یا نہ ہو جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص نے پہلا حج کیا اور پھر فوت ہوا یہ نیشا پوری اور آلوسی نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔ [illegible] یہ ہے کہ ان سے کہا گیا کہ تم ایسی موت سے مرو گے جس کے بعد زندگی ہوگی جیسے تم پر ایسی موت گزرتی ہے جس کے بعد زندگی تھی جیسے سورۃ بقرۃ آیت :28 میں گزر چکا ہے تو انھوں نے کہا کوئی بھی ایسی موت نہیں جس کے بعد زندگی مگر وہی پہلی موت ہے اس توجیہ کی بناء پر ضمیر موت کی طرف راجع ہے لیکن قید کے ساتھ مقید ہے جس کے بعد زندگی ہو یعنی مَا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ تَسْتَعْقِبُهَا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى۔ پہلی توجیہ کو قصر افراد کہا جاتا ہے اور دوسری کو قصر قلب کہا جاتا ہے فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ یہ منکرین کی حجت ہے اور اس کی دو توجیہات ہیں ایک یہ ہمارے فوت شدہ باپوں کو زندہ کر دو جیسے سورۃ جاثیہ آیت :25 میں آتا ہے، دوسری توجیہ یہ ہے کہ بڑوں سے دوبارہ زندگی کے بارے میں دلیل اور قول پیش کرو ہم بڑوں کی بات دلیل سے مانتے ہیں۔

أَهُمۡ خَيۡرٌ أَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٖ وَٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۚ أَهۡلَكۡنَٰهُمۡۖ إِنَّهُمۡ كَانُواْ مُجۡرِمِينَ ۝٣٧

'' کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہیں ہم نے ان کو ہلاک کیا بے شک وہ گنہگار تھے [37]۔

تفسیر 37 یہ ان کے انکار پر رد تخویف کے طریقے پر اور تخویف کی مثال تبع کی قوم سے شروع کی ہے اشارہ ہے کہ آخری قوم جو ہلاک ہوئی ہے وہ قوم تبع کی ہے یا اس وجہ سے کہ یہ لوگ مشرکین عرب کے بہت قریب تھے أَهُمۡ خَيۡرٌ أَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٖ اور قوم کی زیادتی اور دیگر نعمتیں اور دنیاوی بہتری مال عزت ہے یعنی وہ ان صفات میں ان موجودہ مشرکین سے بہتر تھے لیکن گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیئے گئے ہیں تو یہ موجود لوگ کیسے بچ جائینگے؟۔ تُبَّعٖ کے بارے میں مفسرین کے دو اقوال ہیں: پہلا یہ کہ یمن کے تمام بادشاہ مراد ہیں ہر ایک کو تبع کہا جاتا ہے جیسے اسلامی بادشاہ کو خلیفہ کہا جاتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ان میں ایک خاص بادشاہ تھا جس کو اسعد ابو کریب الحمیری کہا جاتا تھا قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آگ کی عبادت کرتا تھا اور اسی طرح اس کی قوم بھی آگ کی پجاری تھی لیکن اس نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دی، لیکن انھوں نے مخالفت کر لی تو ان پر عذاب آیا اور یہ بچ گیا اور اس کی دو بیٹیاں تھیں جنھوں نے توحید کو قبول کیا تھا وہ بھی بچ گئی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سو سال (700) پہلے تھے۔ مفسر فراء نے معالم التنزیل میں اس کے مدینۃ الرسول پر حملہ کرنے کا ارادہ اور پھر اس سے پیچھے ہونا اور اوس و خزرج کو نبی آخر الزمان کے بارے میں خط بھیجنا اور ان کو وصیت کرنا تا کہ میرا اسلام ان کو پہنچائے یہ تمام واقعہ ذکر کیا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝38 مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝39
اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝40 يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝41 اِلَّا مَنْ رَّحِمَ
اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝42 اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝43 طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝44 كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝45 30/30
كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝46 خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ ۝47 ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝48 ذُقْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝49 اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝50

"اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کھیلنے کیلئے پیدا نہیں کیا ہے[38] ہم نے دونوں کو حق ظاہر کرنے کیلئے پیدا کیا ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جانتے نہیں ہیں[39] بے شک فیصلے کا دن ان سب کیلئے مقرر کیا ہوا وقت ہے[40] جس دن ایک دوست دوسرے دوست سے کچھ مصیبت دور نہیں کر سکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی[41] مگر جس پر اللہ رحم کردے بے شک اللہ تعالیٰ غالب مہربان ہے[42] بے شک زقوم کا درخت[43] گناہگاروں کا کھانا ہے[44] پگھلائے ہوئے تانبے کی طرح ہے جو پیٹوں میں ابلے گا[45] کھولتے ہوئے گرم پانی کی طرح[46] اس کو پکڑو تو جہنم کے درمیان کی طرف کھینچو[47] پھر اسکے سر کے اوپر گرم کیے ہوئے پانی میں سے ڈالو۔[48] اس کو چکھ بے شک تو غالب اور مرتبے والا تھا[49] بے شک یہ وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے[50]۔

تفسیر 38,39 یہ بھی استدلال کے طور پر انکار بعث بعد الموت کا رد ہے یعنی اگر ایسا ہو کہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کریں اور اس کے انعامات کی ناشکری کریں اور ان کو سزا دینے کیلئے کوئی مستقل دن نہ ہو اور اسی طرح کوئی مصلحین اور کوئی مفسدین ہوتے ہیں اور ان کے فرق کے لئے جزا اور سزا کیلئے کوئی جنت اور جہنم نہ ہو تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ عالم اوپر نیچے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے بغیر فائدے کے پیدا کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ عبث اور لعب کاموں سے پاک ہے تو دوسری آیت میں اس کا نتیجہ ذکر ہوا ہے کہ عالم حق کیلئے پیدا کیا ہے بِالْحَقِّ فاعل سے حال ہے یعنی مُحِقِّيْنَ فِيْ خَلْقِهِمَا یا بالام کے معنی میں ہے یعنی لِاِظْهَارِ الْحَقِّ اَوْ لِاِقَامَةِ الْحَقِّ اور حق سے مراد توحید ہے یا حق سے مراد حکمت ہے جو کہ جزا اور سزا دینا ہے اس دوسری آیت میں تثنیہ کی ضمیر ذکر کی ہے اور مَا بَيْنَهُمَا کو کلام کے اختصار کیلئے دونوں نتیجہ

میں طرفین کا تابع بنایا اور دلیل میں تو تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے تو اسی وجہ سے پہلے مَا بَیْنَهُمَا مستقل ذکر کیا تھا۔

تفسیر 40 اس آیت سے سورۃ کے آخر تک دوسرا باب ہے اس میں تخویف اُخروی تفصیلی طور پر ذکر کی گئی ہے جو تیرہ امور پر مشتمل ہے آخرت کی خوشخبری تفصیلا تیسرا 13 امور پر مشتمل ہے، سورۃ کا اختتام قرآن کی طرف ترغیب اور تخویف دنیاوی پر کی ہے اس آیت: 40 میں قیامت کا نام یوم الفصل ذکر کیا ہے جیسے سورۃ مرسلات آیت: 38 اور سورۃ نباء آیت: 17 میں ذکر ہے یعنی مؤمن اور کافر کے درمیان تفریق کرے گا اشارہ ہے کہ دنیاوی عذاب میں کبھی کبھی مؤمن اور کافر شریک ہوتے ہیں لیکن قیامت کے دن بالکل الگ الگ ہونگے۔

تفسیر 41,42 پہلے میں یوم الفصل کی ہیبت کا دو طریقوں سے ذکر کیا ہے (1) کہ دوست دوست کے کام نہیں آئیگا اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں کی جائے گی دوسری آیت میں استثناء ہے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ اس سے مراد ایمان والے ہیں یہ لوگ ایک دوسرے کیلئے اللہ کے حکم سے شفاعت کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود شافعین کی شفاعت کے بغیر بعضوں کے ساتھ مدد کرے گا۔

تفسیر 43,44,45,46 ان آیتوں میں ایک قسم کے جہنم کے عذاب کا ذکر ہے جو کھانے کی صورت میں ہے اور اس درخت کا ذکر سورۃ اسراء آیت 60 اور سورۃ الصّٰفّٰت آیت 62 میں گزر چکا ہے الْاَثِیْمِ گناہ میں مبالغہ کرنے والا یعنی بڑا گناہگار اور وہ مشرک اور کافر ہے كَالْمُهْلِ ہر وہ چیز جو آگ میں پگھل جاتی ہے چاہے سونا، چاندی، اور لوہا تانبہ وغیرہ یا مراد تیل کا آخری حصہ جو ناقابل برداشت گرم ہوتا ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ شجرۃ الزقوم کا ایک قطرہ اگر دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا میں رہنے والوں کی زندگی برباد ہو جائے گی تو ان کا کتنا برا حال ہوگا جن کی یہ خوراک ہو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ ترمذی حدیث 2585 شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

تفسیر 47,48 پہلی آیت میں عذاب کا ایک طریقہ ہے یعنی کھانے کی جگہ سے آگ کے درمیان بری طرح گھسیٹ کر لے جائیں گے اور دوسری آیت میں عذاب کا دوسرا طریقہ ہے اسی طرح سورۃ حج آیت: 19 میں بھی گزر چکا ہے اور فَوْقَ رَاْسِهٖ میں مِنْ فَوْقِ رَاْسِهٖ کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے سورۃ حج میں ثیاب ذکر کیا تھا جو تمام بدن کے عذاب کے احاطے پر دلالت کرتا ہے تو وہاں پر مِنْ کافی تھا اور اس سورۃ میں احاطے کیلئے دوسرا لفظ نہیں تھا تو مِنْ کے بغیر فوق ذکر کیا تاکہ تمام بدن کے احاطے پر دلالت کرے۔

تفسیر 49، 50 الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ کافر کے گمان میں مراد ہے یعنی کافر گمان کرتا ہے کہ میری طرح عزت مند اور شریف دوسرا آدمی دنیا میں نہیں ہے تو اس سے بطور مذاق قیامت کے دن یہ کہا جائے گا اشارہ ہے کہ اگر آپ عزیز اور کریم ہیں تو آپ کو ذلت کا خطاب ذلت کیلئے کیوں کیا جاتا تَمْتَرُوْنَ باب افعال مبالغے پر دلالت کرتا ہے مِرْيَةً (شک) میں یعنی وہ مسئلہ جو عقلی دلائل سے ثابت ہو اور پھر بھی انسان اس میں شک کرے تو یہ بہت جہالت والی بات ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿51﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿52﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿53﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿54﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿55﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿56﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿57﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿59﴾

"بیشک پرہیزگار لوگ امن کی جگہ میں ہونگے [51] باغات اور چشموں میں ہونگے [52] باریک ریشم اور موٹے ریشم پہنے ہونگے ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونگے [53] اسی طرح ہوگا اور ہم ان کو خوبصورت آنکھوں والی حوریں نکاح میں دینگے [54] یہ لوگ اس میں ہر قسم کے پھل ایسے حال میں مانگیں گے کہ ہر مصیبت سے امن میں ہونگے [55] اس میں صرف پہلی مرتبہ موت چکھیں گے (جو انھوں نے چکھی ہے) اور ان کو اللہ جہنم کے عذاب سے بچائے گا [56] آپ کے رب کے فضل کی وجہ سے یہ بہت بڑی کامیابی ہے [57] تو بے شک یہ قرآن ہم نے آپ کی زبان پر آسان کیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں [58] آپ انتظار کریں بے شک یہ لوگ بھی انتظار کرنے والے ہیں [59]۔

تفسیر 51 سے 57 تک ان آیات میں تفصیل سے آخرت کی خوشخبری ہے مَقَامٍ اقامت کی وہ جگہ جس میں دوسری طرف تبدیلی نہیں آتی ہو مقام میم سے۔ زبر اور پیش کے ساتھ کبھی ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی فرق ہوتا ہے یہاں ایک معنی ہے كَذٰلِكَ مبتدا محذوف کیلئے خبر ہے یعنی اَلْاَمْرُ كَذٰلِكَ یہ جملہ تاکید کیلئے ہے یا فعل مقدر کے ساتھ منصوب ہے اَكْرَمْنَا هُمْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ اس سے مراد ایک ساتھ ملانا اور جوڑے بنانا بیوی اور شوہر کی طرح یا اس سے مراد اللہ کی طرف سے نکاح کا عقد ہے اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى گزشتہ موت کا استثناء آنے والے حال سے درست نہیں ہے؟ **جواب:** بہت سے طریقوں سے ہے۔ **پہلا طریقہ:** یہ ہے کہ استثنٰی منقطع ہے یعنی لٰكِنَّ الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى قَدْ

[illegible] اِلَّا بعد کے معنیٰ میں ہے یعنی پہلی موت کے بعد ذَاقُوْهَا (پہلی موت تو انھوں نے چکھی ہے) [illegible] اس کو تعلیق بالمحال تاکید کیلئے کہا جاتا ہے یعنی اگر گزشتہ موت یہ لوگ آنے والے وقت میں چکھتے تو چکھ لیتے تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی موت نہیں آئے گی۔ **سوال:** جہنم میں بھی تو موت نہیں ہے تو اس میں جنت کی کیا فضلیت ہے؟ **جواب:** مقصد یہ ہے کہ جنت میں حیات کاملہ ہے اور جہنم میں زندگی کوئی زندگی نہیں ہوگی۔ سورۃ اعلیٰ میں فرمایا ہے لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ یہ دلیل ہے کہ اعمال کا ثواب اللہ پر واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

تفسیر 58 یہ سورت کی ابتداء سے متعلق ہے قرآن کی طرف ترغیب اور نبی کو دلیری پر اُبھارا ہے قرآن کو اس لئے بیان کرنا تاکہ یہ لوگ قرآن سے نصیحت کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائیں بِلِسَانِكَ آپ کی لغت چوں کہ عربی ہے اور عربی زبان تمام زبانوں میں سے آسان ہے یا مراد یہ ہے کہ آپ کی زبان پر آسان طریقے سے قرآن جاری کرتا ہوں آپ پر پڑھنا اور بیان کرنا مشکل نہیں ہے۔

تفسیر 59 یہ بھی سورۃ کے دعوے سے متعلق ہے جو آیت 10 میں تھا اور مراد یہ ہے کہ اگر ان لوگوں نے قرآن کی نصیحت اور بیان کرنے سے عبرت حاصل نہیں کی تو پھر ان کے عذاب کا انتظار کریں یا مراد یہ ہے کہ آپ کے ساتھ اللہ کی نصرت ہے آپ انتظار کریں اور یہ لوگ آپ پر تکالیف کے آنے اور موت کا انتظار کرتے ہیں۔

سورۃ الدخان کی خصوصیات:

۱۔ عذاب دُخان کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔

۲۔ بڑے دن کی پکڑ (البطشۃ الکبریٰ) یعنی بدر یا قیامت۔

۳۔ فرعون اور اسکی قوم سے رہ جانے والی نعمتیں۔

۴۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت کا ذکر جو کہ مبارک لیلۃ القدر کی رات ہے۔

۵۔ قوم تُبّع اور انکی ہلاکت کا ذکر۔

۶۔ تفصیل سے خوشخبری اور وعید عذاب کا ذکر۔

اللہ کے فضل سے سورۃ الدخان کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۳۷ ۴۵ سورۃ الجاثیۃ مکیۃ ۶۵ رکوعاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سورۃ جاثیہ اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ الشریعۃ ہے

ربط: سابقہ سورۃ سے چند وجوہات سے ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں عذاب کے ذریعے سے تخویف تھی تو اس سورۃ میں عذاب سے نجات کا طریقہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورۃ میں بنی اسرائیل پر انعامات کا ذکر تھا تو اس میں ان کی ناشکری کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ تیسری وجہ ہے کہ سورۃ دخان میں قرآن کی عظمت کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں قرآن کی مخالفت کرنے والوں کیلئے سخت زجر ہے اور ان کی قبائح کا ذکر ہے۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی مرکزی مضمون: اس میں شریعت کی اتباع کا حکم ہے اور خواہشات سے آیت 18 میں روکا گیا ہے اور ساتھ میں وحی اور عقلی دلائل کے ذریعے توحید کا اثبات ہے اور پانچ اسماء حسنٰی کو ذکر کیا اور توحید کا دعویٰ آیت 37,36 میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح مشرکین کے شبہ کا جواب ہے شبہ یہ تھا کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم غیر اللہ کو اس لیے پکارتے اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے ایسا کیا کرتے تھے؟ تو جواب ہوا کہ شریعت کی اتباع فرض ہے اور بڑوں نے تو خواہشات کی پیروی کی ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورۃ دو ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب آیت :22 تک ہے اس میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اور ان کو آیات وحیہ کہا جاتا ہے، جو آیت: 2,6,20,11 ہیں اور آیات عقلیہ 3،4،5،12،13 ہیں اور آیات میں منکرین کو زجر اور تخویف ہے اور خواہشات کے متبعین کو آیت :21,19,10,9,8,7 میں اور بنی اسرائیل کے حال کو بطور مثال ذکر کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت 14، 15 میں خطاب ہے اور سورۃ کا دعویٰ آیت :18 میں ہے۔

حٰمٓ ۝1 تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝2 إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝3 وَفِي
خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ۝4 وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ۝5 تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُونَ ۝6 وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝7 يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى
عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝8

اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے [1] اس کتاب کا نزول اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے [2] بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے دلائل ہیں [3] اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو پھیلایا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے دلائل ہیں [4] اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق کا (سبب) اتارا ہے تو اس کے ساتھ زمین کو زندہ کیا اس کے بنجر ہونے کے بعد اور ہواؤں کے چلنے میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں [5] یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم ان کو آپ پر حق کے لیے پڑھتے ہیں تو اللہ کی کتاب کے بعد کونسی بات پر اور اس کے دلائل پر یہ لوگ ایمان لائینگے [6] ہر جھوٹے شخص سخت گناہگار کے لیے ہلاکت ہے [7] جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اسپر پڑھی جاتی ہیں پھر کفر پر تکبر کرتے ہوئے ڈٹ جاتا ہے گویا کہ ان کو نہیں سنا ہے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں [8]۔

تفسیر 1 اس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔ آیت 2۔ یہ قرآن کی طرف ترغیب ہے قرآن میں تعلیم اور توحید کو ثابت کرنے اور شریعت کے لیے آیات وحیہ ہیں۔

تفسیر 3 یہ دلائل عقلیہ میں سے پہلی دلیل ہے اس میں آیات آفاقیہ علویہ اور سفلیہ مذکور ہیں فِي السَّمٰوٰتِ خلق کا لفظ اس لیے ذکر نہیں کیا تا کہ عموم کا فائدہ دے یعنی آسمانوں کی ذوات میں جو سورج، چاند اور ستارے وغیرہ ہیں اور زمین کی ذوات میں جو معدنیات، نباتات اور زندگی کے باقی اسباب ہیں ان تمام میں توحید پر الگ الگ دلالت بھی ہے اور وہ بے شمار ہیں اس وجہ سے آیات جمع ذکر کیا ہے لِّلْمُؤْمِنِينَ اشارہ ہے کہ ایمان حقیقت میں عبرت کے لیے سبب اور استدلال کے لیے سبب ہے البتہ ضدی منکر کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا ہے۔

تفسیر 4 اس آیت میں دوسری دلیل عقلی آیات انفسی کے ذریعے سے ذکر کی ہے اور مَا یَبُثُّ کو مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا نئے نئے دلائل پر دلالت کرنے کے لیے اور جتنی دلائل زیادہ ہوتی ہیں تو اتنا شک اور گمان ختم ہوتا ہے اور یقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے تو اس وجہ سے آخر میں یُوْقِنُوْنَ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 5 اس آیت میں آیات متوسطہ کے ذریعے تیسری دلیل عقلی ہے مِنْ رِّزْقٍ سبب کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد مسبب ہے اور جب اس سورۃ میں دلائل کے ساتھ انعامات کی تذکیر بھی مقصد ہے اور ظاہر نعمت تو رزق ہے تو اس پر صراحت کی اور جب یہ دلائل بہت واضح ہیں ہر عقل والا جانتا ہے تو اس وجہ سے یَّعْقِلُوْنَ سے خاتمہ کیا۔ فائدہ اس ترتیب میں ایک حکمت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مؤمن ہوں تو ان دلائل کو سمجھ لو اور اگر حق اور یقین کے طلبگار ہوں تو ان دلائل میں غور کرنا اور اگر نہ مؤمن اور یقین والے ہو تو کم از کم عاقلوں میں سے تو ہو تو ان دلائل کی معرفت کی کوشش کرو۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ آیت 3 میں فلکیات کے احوال کا ذکر ہے اور وہ دور ہیں اس میں صرف تصدیق کافی ہے اور آیت 4 میں انفسی دلائل ہیں جو بہت قریب ہیں تو اس میں یقین کا لفظ استعمال کیا ہے اور آیت 5 میں آثار ہیں اوپر نیچے اور انقلابات ہیں تو اس کے لیے صرف عقل بھی کافی ہے۔

تفسیر 6 یہ ان عقلی دلائل اور قرآن کی طرف ترغیب ہے بَعْدَ اللّٰهِ حدیث کا لفظ پوشیدہ ہے یعنی بعد حَدِیْثِ اللّٰهِ تعالیٰ جو کہ قرآن ہے جیسے سورۃ مرسلات آیت 50 میں مذکور ہے اور اٰیٰتِہٖ سے مراد عقلی دلائل ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔

تفسیر 7، 8 اس میں آیات کے منکرین کو زجر اور تخویف ہے۔ ان کی پانچ قبیح صفات ذکر کی گئی ہیں: اَفَّاكٍ یعنی وہ لوگ جو حق سے پھرنے میں مبالغہ کرتے ہیں اور جھوٹ بولنے دھوکا دینے اور تحریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں اَثِیْمٍ بڑا گناہگار کافر اور مشرک کو کہا جاتا ہے یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ وحی اور عقلی دلائل دونوں اس میں شامل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ بے خبر بے علم نہیں ہے خوب خبردار علم والا ہے پھر بھی مخالفت کرتا ہے۔ ثُمَّ یُصِرُّ اصرار سے مراد دو طریقوں سے گناہ پر ڈٹ جانا۔ پہلا یہ کہ گناہ کو گناہ نہیں کہتا ہے یعنی مبتدع ہو۔ دوسرا یہ کہ ضدی عنادی ہو گناہ جانتا ہے لیکن ضد کی وجہ سے کرتا ہے اور اسی طرح سورۃ لقمان آیت 7 میں ذکر ہوا ہے۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا یُغْنِیْ
عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْـًٔا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًی ۚ وَالَّذِیْنَ
كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ ع
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا
كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

"اور جب ہماری آیتوں سے کچھ جان لیتے ہیں تو اس کو مذاق بناتے ہیں ان لوگوں کے لیے رسوائی کا عذاب ہے [9] ان کے آگے جہنم ہے اور جو اعمال انھوں نے کیے ہیں وہ ان سے نہیں پھیر سکتے ہیں کچھ عذاب اور نہ وہ معبود جو انھوں نے اللہ کے علاوہ مددگار بنائے ہیں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے [10] یہ ہدایت ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے اپنے رب کی آیتوں سے ان کے لیے سخت دردناک عذاب ہے [11] اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے سمندر تابع کیے ہیں تاکہ اس میں کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو [12] اور جو آسمانو ں اور زمینوں میں ہے ان سب کو تمہارے لیے تابع بنایا ہے یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں [13] ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنے حق کی معافی کریں ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے دنوں کا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں تاکہ قوم کو بدلہ دے ان اعمال کی وجہ سے جو یہ لوگ کرتے ہیں [14] جس نے سنت کے مطابق عمل کیا تو اس کے فائدے کے لیے ہے اور جس نے برا عمل کیا تو نقصان اس پر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے [15]۔

تفسیر 9: اس آیت میں زجر، تخویف اور چھٹی قبیح صفت ہے وَ اِذَا عَلِمَ اس کی دو توجیہات ہے پہلی یہ کہ جب سمجھ جائے کہ یہ قرآن کی آیت ہے تو ضد، عناد اور جہالت کی وجہ سے اس کا مذاق اڑاتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی ایک آیت کے مقصد کو سمجھ لیتے ہیں مثلاً آیت میں شرک کا رد ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَهُمْ یہ جمع ذکر کیا اشارہ ہے کہ كُلِّ اَفَّاكٍ میں ایک شخص مراد نہیں ہے بلکہ زیادہ لوگ ہیں۔

تفسیر10 اس آیت میں اس شخص کے لیے کامل تخویف ہے جس میں یہ چھ قبیح صفات موجود ہیں مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ وَرَآءَ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی اس کا معنیٰ آگے پیچھے دونوں آتا ہے یہاں (پہلا) معنیٰ مراد ہے یعنی اب دنیا میں یہ لوگ عزت اور تکبر میں ہیں یعنی آگے (قیامت میں) ان کے لیے جہنم ہے وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ جب حق کی مخالفت کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک دنیا پرست سرمایہ دار تو ان کا گمان یہ ہے کہ مال کمانے سے عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے اور دوسرے پیر پرست اور بت پرست ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے پیر اور بزرگ ہمیں بچائیں گے تو اس جملے میں پہلی قسم کے لوگوں کا رد کیا ہے اور دوسرے جملے وَلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ میں دوسری قسم کی تردید ذکر کی ہے۔ فائدہ: ان آیات میں چھ قبیح اوصاف اور چھ عذابوں کا ذکر ہے اور عذاب کی صفت میں پہلے اَلِیْمٌ ذکر کیا ہے ۔اس لیے کہ اس متکبر شخص نے دنیا میں مسلسل قرآن سنانے کے وقت قرآن کے بیان کرنے والے کے دل کو بہت درد پہنچایا ہے اور دوسرے عذاب کی صفت میں مُّهِیْنٌ ذکر کیا اس لیے کہ استہزا کے ساتھ قرآن اور قرآن والوں کی اہانت کی ہے تو اس کی سزا بھی اہانت ہوگی اور تیسری صفت عَظِیْمٌ ذکر کی ہے اشارہ ہے کہ یہ عذاب ان پر ہر سمت سے ہر زمانے میں اور ان کے تمام اعضا پر احاطہ کرنے والا ہے۔

تفسیر11 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اور منکرین کے لیے زجر ہے۔ هٰذَا قرآن کی طرف اشارہ ہے جو وحی اور عقلی دلائل پر مشتمل ہے هُدًی نکرہ تعظیم کے لیے ہے مِنْ رِّجْزٍ یہ اصل میں گندے قبیح عذاب کو کہا جاتا ہے جس سے نفرت کی جائے جیسے دنیا میں طاعون وبا، اور آخرت میں مَآءٍ صَدِیْدٍ اور غِسْلِیْنَ۔

تفسیر12,13 ان آیات میں پھر عقلی دلائل ہیں گزشتہ دلائل صرف آیات کے طور پر تھی اور یہ دلائل انعامات کے طور پر ہیں اس وجہ سے سَخَّرَ لفظ ذکر کیا ہے اور بحر کی تسخیر سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی صفات پیدا کی ہیں جس میں تم کشتیاں چلا سکتے ہو جیسے نرمی اور ہمواری، درمیانی ہوائی موجیں ایک محدود انداز میں اور کشتیاں اور جہاز اپنی طرف جذب نہ کرنا وغیرہ حالات اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے کسی مخلوق کا اس میں کچھ اختیار نہیں ہے اسی طرح تَسْخِیْرِ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں میں ملائکہ اور اس جانب میں سورج، چاند، ستارے، اور زمین میں جاندار، درخت، پودے نہریں، پہاڑ، وغیرہ تمام انسانوں کے فائدے اور خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں اور اس سے

فائدہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسان اسباب پیدا کیے ہیں۔ جَمِیْعًا مِّنْهُ میں صراحت ہے کہ اس میں کسی مخلوق کا اختیار نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے اور جَمِیْعًا حال ہے مَّا فِی السَّمٰوٰتِ سے یا فعل پوشیدہ ہے اِعْتَقِدُوْا جَمِیْعًا مِّنْهُ اور مِنْهُ میں مِن ابتداء کے لیے ہے نہ کہ تبعیض کے لیے۔

تفسیر 14، 15 دعوت اِلَی اللہِ بعد دلائل کے ذریعے ادب اور حسن اخلاق کی تعلیم ہے۔ یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللہِ یعنی جو اہل توحید کی بے عزتی کرتے ہیں ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب (جو منکرین پر نازل ہوتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے انعامات (جو موحدین پر نازل ہوئے ہیں) اس کا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں اس وجہ سے یہ لوگ اس طرح بداخلاقی کرتے ہیں یَغْفِرُوْا اس سے تعریض نہ کرنا اور گالی وغیرہ کے جواب سے درگزر کر کے صبر کرنا ہے اور یہ اخلاق حسنہ اگر قتال کی فرضیت سے پہلے ہوں یا بعد میں ہوں لیکن منسوخ نہیں ہیں بلکہ داعی کے لیے ان پر ہر وقت عمل کرنا ضروری ہے لِیَجْزِیَ قَوْمًا یہ ایمان والوں اور کافروں کے لیے عام ہے اور پھر دوسری آیت میں اس جزا کی تفصیل مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

"اور تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور دین کی سمجھ دی ہے اور نبوت دی اور ان کو پاکیزہ خوراک دی اور تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے [16] اور ہم نے ان کو دین کے واضح احکام دیے ہیں تو انھوں نے علم کے آنے کے بعد اختلاف کیا اپنی آپس میں ضد کی وجہ سے بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ کرے گا جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے [17]۔

تفسیر 16، 17 آیت یہ ماقبل کے لیے تمثیل ہے جیسے قرآن کے مخاطبین کو واضح دلائل دیے ہیں اور آخری نبی ان کے پاس بھیجا لیکن انھوں نے مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مناسب بدلہ دے گا اسی طرح بنی اسرائیل کو آیات نبوت اور انعامات دیے ہیں انھوں نے بھی علم کے باوجود اختلاف کیا اور جب یہ دونوں مضمون ایک دوسرے کے مساوی ہیں تو اس وجہ سے

صرف واؤ کو ذکر کیا پھر ان آیات میں ان پر چھ انعامات ذکر کیے پانچ پہلی آیت میں اور ایک دوسری آیت میں ۔ وَ الْحُكْمَ کتاب اللہ کا علم اور فہم رکھنا جو اصل میں انبیاء کی سنت (حدیث) ہے بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ اس سے مراد حلال حرام کے احکام اور ان کے شرائع تھے یا اس میں واضح صفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی طرف اشارہ ہے جو ان کی کتاب میں ذکر ہوئے ہیں بَغْیًا بَیْنَهُمْ یعنی ان میں سے بعض نے دوسرے بعض کے ساتھ ضد، عناد اور حسد شروع کیا ریاست اور بادشاہی کے طلب کرنے کی وجہ سے اور اس میں اشارہ ہے کہ اختلاف کی بنیاد علماء ہیں اور اس بغی (سرکشی) کا سبب ضد اور عناد ہے اور یہ اختلاف پھر عوام کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اس طرح سورۃ بقرۃ آیت:212، آل عمران آیت:19 اور شوریٰ آیت 14 میں گزر چکا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۸ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝۱۹ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝۲۰

"پھر ہم نے آپ کو دین کی واضح راہ پر لگایا لہذا اس کی اتباع کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جو نہیں جانتے ہیں[18] بے شک وہ آپ سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ نہیں ہٹا سکتے ہیں اور بیشک ظالم بعض بعض کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے[19] یہ لوگوں کے لیے روشنی کے دلائل ہیں اور یقین رکھنے والی قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے[20]۔

تفسیر 18 اس آیت میں سورۃ کا دعویٰ ہے، جب پہلے ذکر ہو کہ بنی اسرائیل نے اپنا دین سرکشی اور اختلاف کی وجہ سے برباد کیا ہے اور عام مشرکین کا حال بھی ذکر ہوا کہ وہ آفَاقِ اور اَنْفُسِهِمْ ہیں تو معلوم ہوا کہ ان دونوں گروہوں کی پیروی جائز نہیں ہے تو اس وجہ سے آپ کو جو مستقل شریعت دی گئی ہے (جو کہ قرآن اور سنت ہے) لہذا اس کی پیروی کرنا فرض ہے شَرِیْعَةٍ عام اصطلاح میں اس راہ کو کہا جاتا ہے جو کشادہ، سیدھی، آسان اور مقصد تک پہنچانے والی ہو اور شرعی اصطلاح میں ان احکام، نواہی، حدود اور فرائض وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ نے بندوں کو رسول کے واسطے سے بھیجے ہوں مِّنَ الْاَمْرِ اس سے مراد مطلق دین ہے اور جَعَلْنٰكَ کے لفظ میں ایک فائدہ یہ ہے کہ شریعت وحی سے ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا

فائدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی زندگی سب شریعت ہے الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یہ گزشتہ دونوں گروہوں کے لیے ہے چاہے جاہل امیین ہوں یا بےعمل اہل کتاب ہوں اوراس میں اشارہ ہے کہ شریعت کے مخالف کسی کا قول ماننا جائز نہیں ہے اس لیے کہ بےعلم بے دلیل کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 19 یہ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ کی علت ہے اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ اس کے دومطلب ہیں ایک یہ کہ اگر ان کی پیروی کرتے ہوتو اس وجہ سے دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی پیروی کرنا حق ثابت کرنے کے بارے میں یہ آپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے یعنی ان کی خواہشات حق کے اثبات کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ولایت سے مراد بعد والوں کا بڑوں کی پیروی کرنا ہے اور شرک اور خرافات میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ باطل میں مدد کرنا اس سے مراد دوستی نہیں ہے اس لیے کہ کبھی ان کے درمیان دشمنی بھی ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ مائدہ آیت نمبر14 میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 20 یہ قرآن کی طرف ترغیب ہے اور فَاتَّبِعْهَا کے لیے علت ہے یعنی شریعت کی اتباع اس وجہ سے واجب ہے کہ اس میں تین بلند اوصاف ہیں بصائر، ھدیٰ اور رحمت، پہلے میں قرآنی دلائل کی طرف اشارہ ہے دوسرے میں قرآن کے دعوے اور مقاصد کی طرف اشارہ ہے اور تیسرے میں اس کے فائدے اور ثمرات کی طرف اشارہ ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَ
مَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ
بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَ
مَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَا كَانَ
حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ
السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾

"کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں جو برائی کا کام کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح بنائیں گے جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک اعمال کیے ہیں ان کی زندگی اور موت برابر ہو تو یہ فیصلہ بہت برا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں [21] اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے لیے پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر نفس کو اس عمل کا بدلہ دیا جائے جو کیا ہو اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا [22] کیا آپ اس کے حال سے واقف ہیں جس نے اپنی خواہش کو معبود بنایا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگائی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردے لگائے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا اس کو گمراہ کرنے کے بعد کون ہدایت دے گا کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ہو [23] اور انھوں نے کہا یہ ہماری دنیا کی زندگی ہے جس میں مریں گے اور زندہ ہوں گے اور ہمیں صرف زمانہ مارے گا اور ان کے پاس اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے یہ لوگ صرف گمان کرنے والے ہیں [24] اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ ہمارے بڑوں کو لے آؤ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو [25] کہہ دیجیے اللہ تمھیں زندہ کرے گا پھر تمھیں مارے گا پھر تمھیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ان کے زیادہ لوگ نہیں جانتے ہیں [26] اور اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست لوگوں کا نقصان ظاہر ہو جائے گا [27]۔

تفسیر 21 اس آیت میں شریعت کے منکرین کے لیے زجر اور ان کا رد ہے اور جو کہتے ہیں کہ شریعت اور بے دینی ایک ہی ہے اَلَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ یعنی شرک، بدعات اور باقی گناہ کرتے ہیں اور شریعت کی مخالفت کرتے ہیں سَوَآءً یہ زبر پر بنا ہے اس لیے کہ یہ اَلَّذِیْنَ کا حال ہے مَحْیَاهُمْ اور مَمَاتُهُمْ میں ضمیر دونوں گروہوں کی طرف راجع ہے اور حسب میں استفہام انکاری ہے حاصل یہ ہے کہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے اور ایمان والوں کی موت میں کوئی فرق نہیں ہے تو ان کا یہ گمان غلط ہے بلکہ ایمان والوں کی زندگی اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت میں ہے اور مشرکین کی زندگی نافرمانی اور گناہوں کی ہے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اور تسلی ہے اور کافر ہمیشہ پریشان ہوتے ہیں اور ایمان والوں کی موت بشارت کے ساتھ ہے ملائکہ ان کو خوشخبریاں دیتے ہیں اور کافروں کی موت ذلت، رسوائی اور سختی کے ساتھ ہے اور یہ آیت مفسرین کے نزدیک مُبْکَاۃُ الْعَابِدِیْنَ سے مسمّٰی ہے اس لیے کہ اکثر صالحین سے منقول ہے کہ رات کی نماز میں جب اس آیت تک پہنچ جاتے تو بار بار اس کو پڑھتے اور روتے۔

تفسیر 22 اس آیت سے آخر سورۃ تک دوسرا باب ہے اس میں باقی آیات عقلیہ کا ذکر ہے اور خواہش کی اتباع اور قیامت کے انکار پر زجر ہے پھر شریعت کی پیروی کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہے اور خواہش کی پیروی کرنے والوں کے لیے تخویف ہے اس آیت 22 میں دلیل عقلی ہے اور اس طرح کافروں کے اس پہلے گمان کا رد ہے جو کفر اور اسلام کو مساوی کہتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا ایجاد کرنا عدل اور انصاف پر دلالت کرتا ہے اور وہ فریقین کی جزا میں عدل سے فرق کرنا ہے بِالْحَقِّ سے مراد توحید ہے یا عدل ہے اور باء سبب ہے وَلِتُجْزٰی اس پر عطف ہے۔

تفسیر 23 یہ زجر ہے اور کافروں کے پہلے گمان کا رد ہے کہ کافروں کا حال مؤمنوں کے ساتھ کیسے برابر ہو سکتا ہے حالانکہ ان لوگوں نے خواہش کو الٰہ بنایا ہے اور یہ گمراہ لوگ ہیں اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اس میں دو توجیہات ہیں پہلی یہ کہ اِلٰهَهٗ مفعول اول ہے اور هَوٰىهُ مفعول ثانی ہے یعنی الٰہ کو اپنی خواہش کے مطابق بنایا کسی کا بت الٰہ ہے اور کسی کی خواہش الٰہ ہے اور کسی کی خواہش سے قبر الٰہ ہے اور کسی کا پیر الٰہ ہے اور کسی کا شیخ الٰہ ہے وغیرہ اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور جبکہ الٰہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کی الوہیت پر واضح آیات اور دلائل ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ اِلٰهَهٗ مفعول ثانی ہے اور اس کو اہتمام کی وجہ سے مقدم کیا ہے اور هَوٰىهُ مفعول اول ہے یعنی وہ نفس اور خواہش کی اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے اللہ کی پیروی کی جاتی

ہے یعنی اپنی خواہش کے مطابق حلال اور حرام بناتا ہے جائز اور ناجائز بناتا ہے اور انکے پیچھے چلتا ہے اور تفسیر قرطبی میں اتباع خواہش کی قباحت میں بہت ساری احادیث اور صالحین کے اقوال نقل کیے ہیں ۔ فائدہ اسی طرح سورۃ فرقان آیت 43 میں گزر چکا ہے تو فرق یہ ہے کہ اس سورۃ میں پہلی توجیہ راجح ہے اور اس سورۃ میں خواہش کی اتباع پر بحث ہے تو یہاں دوسری توجیہ راجح ہے وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ یہ مسبب کا سبب پر عطف ہے اور عَلٰى عِلْمٍ مفعول کا حال ہے یعنی یہ گمراہ اپنی گمراہی پر واقف ہے یا فاعل کا حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسکی گمراہی پر عالم ہے یا اس کے حال پر کہ گمراہی کا لائق ہے وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ یہ بھی مسبب کا سبب پر عطف ہے جب اس سورۃ میں وحی اور عقلی دلائل بیان ہوئے اور وحی آیات کے لیے سننا ضروری ہے اور عقلی آیات کے لیے عقل ضروری ہے اور دیکھنے کی ضرورت ہے تو تینوں کا ذکر ترتیب کیساتھ کیا ہے۔

تفسیر 24 یہ قیامت کے انکار پر زجر ہے اور مسبب کا سبب پر عطف ہے ۔ سوال نَمُوْتُ وَ نَحْيَا پہلے جملے سے ثابت ہوا کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی سے یہ لوگ منکر ہیں اور اس جملے میں تو موت کے بعد دوبارہ ثابت کی ہے تو یہ ظاہر میں تعارض ہے؟ اس کے جوابات یہ ہیں ۔ پہلا جواب زجاج نے کہا ہے کہ بعض مرینگے اور بعض زندہ پیدا ہونگے ۔ دوسرا جواب: مراد ماؤں کے رحموں میں نطفے کا بننا اور حیات سے مراد دنیاوی زندگی ہے ۔ تیسرا جواب ہم مریں گے اور اپنی اولاد کے بقا کی وجہ سے ہم زندہ ہیں ۔ چوتھا جواب موت ماضی کے معنیٰ میں ہے ہمارے بعض مر گئے ہیں اور بعض ہم زندہ ہیں (ایک وقت تک) پانچواں جواب حیات سے مراد روح کی حیات ہے تناسخ کے عقیدے کے ساتھ روح بدن سے نکل جائے تو دوسرے انسان یا حیوان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے وَ مَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ یہ بعض جاہل عرب کے عقیدے کا رد ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حوادث، تکالیف اور موت کا فاعل دھر (زمانہ) ہے اور اس وجہ سے یہ لوگ مصیبت کے وقت دھر کو برے لفظوں میں یاد کرتے تھے (یاَخِیبَۃُ الدَّھرِ) اور حدیث میں ہے کہ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ (صحیح بخاری کتاب 6181: صحیح مسلم 2246: کتاب الالفاظ من الادب ۔ ابن حبان مصائب لانے کی نسبت دھر کی طرف نہیں کرو) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ درست بات یہ ہے کہ اللہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں ضمنی معنیٰ مراد ہے یعنی اَلْفَاعِلُ الْمُتَصَرِّفُ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بعض حوادث کی نسبت زمانے کی

طرف کرتے ہیں یا تمام حوادث کی تو یہ سب کافر ہیں اور انکو دھری کہا جاتا ہے اور یہ فتنہ اس وقت بہت زیادہ ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام فتنوں سے محفوظ رکھے۔ خواہ ظاہر ہو یا مخفی۔

تفسیر 25۔ یہ بعث بعد الموت کی آیات کے انکار پر زجر ہے اور ایسی دلیل کا مطالبہ کرنا ہے جو حقیقت میں دلیل نہیں ہے ائْتُوا بِآبَائِنَا ۔ یعنی ہمارے باپوں کو زندہ کرو تو ہمیں مشاہدے سے ثابت ہو جائے گا کہ دوبارہ زندگی ہے یا مراد یہ ہے کہ بڑے ہم سے کہہ دیں کہ بعث بعد الموت حق ہے ہم تو صرف اپنے بڑوں کی بات مانتے ہیں یہ تو کوئی حجت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو مجازی حجت کہا ہے جو بہانے کے معنیٰ میں ہے جیسے سورۃ نساء آیت:165 میں ہے۔

تفسیر 26 یہ ان کے شبہ کا جواب ہے اور اشارہ ہے کہ جو ذات تمہاری پہلی زندگی پر قادر ہے تو دوبارہ زندگی پر تو ضرور قادر ہے ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ دوبارہ زندگی کی تعبیر جمع کیساتھ اس وجہ سے کی ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہڈیوں کے اور بدن کے گوشت کو اکٹھا کرنے سے تعجب کیا کرتے تھے جیسے سورۃ القیامۃ آیت:3 میں ہے۔

تفسیر 27 یہ بھی توحید اور بعث بعد الموت کے لیے دلیل عقلی ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یہ يَوْمَئِذٍ اس کی تاکید ہے اور یہاں سے نیا مقصد شروع ہوا اور وہ تخویف اُخروی ہے یا یہ تقدیر کے ساتھ ماقبل پر عطف ہے وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۔ يَخْسَرُ خسران اصل میں دنیا میں ہے لیکن ظاہر ہونا آخرت میں ہے اور خسران کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی حیات عقل، صحت اور فارغ وقت جو رأس المال کی طرح تھا وہ انھوں نے خرچ کیا ہے اور اپنے آپ کو تھکایا ہے اس ارادے کے ساتھ کہ ہمیں فائدہ حاصل ہو جائے گا لیکن قیامت کے دن ان کو شرمندگی، ذلت اور عذاب حاصل ہوں گے اور اس کو انتہائی خسران اور نقصان کہا جاتا ہے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٨ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ
عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٩ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ
رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝٣٠ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ
كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝٣١ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ
اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝٣٢ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٣٣

”اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت اپنے گھٹنوں کے بل گری ہوگی ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی آج کے دن تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے [28] یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر حق کے ساتھ کلام کر رہی ہے بے شک ہم ملائکہ کے ذریعے وہ اعمال لکھواتے تھے جو تم کیا کرتے تھے [29] پس جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ہیں تو ان کو ان کا رب اپنی خاص رحمت میں داخل کرے گا یہ بہت واضح کامیابی ہے [30] اور جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم پر پڑھی نہیں جاتی تھیں تو تم تکبر کرتے اور تم گنہگار لوگ تھے [31] اور جب کہا جاتا کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کچھ بھی شک نہیں ہے تم کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے ہم تو ایک معمولی گمان کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں [32] اور ان پر ان کے اعمال کے (برے انجام) ظاہر ہو جائیں گے اور ان کو وہ چیز گھیر لے گی جس کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے [33]۔

تفسیر 28 یہ بھی خوف آخرت ہے جَاثِيَةً۔ جُثْوَةٌ جمع ہونے کو کہا جاتا ہے تو كُلَّ اُمَّةٍ ایمان والوں اور کافروں کے لیے عام ہے یعنی قیامت میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے اور ہر کسی کو انکا اعمال نامہ دیا جائے گا اور پھر بعد میں فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تفصیل ہے یا جاثیہ (جُلُوس علی الرُّكَب) کے معنی میں ہے دوزانو گھٹنوں کے بل بیٹھنا رعب کی وجہ سے تو ظاہر یہ ہے کہ كُلَّ اُمَّةٍ سے مراد کافر مشرک ہیں وہ اس طرح کی حالت میں ہوں گے اِلٰى كِتٰبِهَا اس سے مراد وہ اعمال نامہ ہے جو ملائکہ نے لکھا ہے جیسے سورۃ اسراء آیت: 13 میں ہے یا اس سے مراد وہ نازل کی ہوئی کتاب ہے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ انھوں نے اس کی کونسی جگہ پر عمل کیا ہے پہلی توجیہ بہتر ہے اس لیے کہ اس کی تائید میں باقی آیتیں بھی ہیں۔

تفسیر 29 یہ ملائکہ یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے یَنْطِقُ یعنی وہ کتاب خود گواہی دے گی اس کی دلیل حٰم سجدہ آیت 21 ہے یا یہ کہ یہ لوگ دیکھیں گے اور ان کے اعمال اس میں لکھے ہوئے ہوں گے تو ایسے ہوا گویا وہ کتاب ناطق ہوئی جیسے سورۃ مؤمنون آیت 67 اور سورۃ کہف آیت 41 میں ہے نَسْتَنْسِخُ استفعال کے صیغہ کے ساتھ ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ کو اس اعمال نامے کے لکھنے کا حکم دیتا جیسے سورۃ قٓ آیت 18 اور سورۃ انفطار آیت 11 میں ہے۔

تفسیر 30،31 پہلی آیت میں بشارت اور رحمت سے مراد جنت ہے جب باطل پرستوں کا نقصان ظاہر ہوا تو اس کے مقابلے میں ایمان والوں کی واضح کامیابی ذکر کی اور دوسری آیت میں تخویف ہے اور عذاب کے اسباب کا ذکر ہے پہلی آیتوں سے تکبر کرنا وہ وحی اور نقلی دلائل جو ان آیتوں میں ذکر ہوئے ہیں ان سے یہ لوگ تکبر کیا کرتے تھے جیسے اس سورۃ کی ابتداء میں ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا ذکر ہوا ہے دوسرا عذاب کا سبب گناہوں میں مبتلا ہونا ہے یعنی کفر اور شرک کے اعمال کرتے تھے۔

تفسیر 32 یہ انکار کا تیسرا سبب ہے یعنی بعث بعد الموت کا انکار کرنا قُلْتُمْ مَا نَدْرِیْ یہ اپنی بڑی جہالت کا اقرار ہے اس لیے کہ درایت کی نفی کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں علم کے حصول کے لیئے کچھ ذریعہ نہیں ہوتا ہے اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا سوال: اس میں ظن کا ظن سے استثناء ہے اور اس طرح استثنیٰ تو صحیح نہیں ہوتا ہے؟ جواب: پہلی توجیہ یہ ہے کہ مصدر نکرہ (ظنًّا) میں تحقیر اور تقلیل مراد ہے یعنی اِلَّا ظَنًّا حَقِیْرًا اَوْ قَلِیْلًا (مگر گمان تھوڑا اور حقیر) دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ اصل میں (اِنْ نَحْنُ اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا) ہم صرف ایک گمان کرتے ہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہے اِنْ نَّظُنُّ (عَلَیْکُمْ) اِلَّا تَظُنُّوْنَ ظَنًّا۔ ہم یہ گمان نہیں کرتے ہیں اے ایمان والو مگر یہ کہ تم قیامت کے بارے میں گمان کرتے ہو چوتھی توجیہ امام شربینی نے کہا ہے کہ نَظُنُّ نَعْتَقِدُ کے معنی میں ہے اِنْ نَعْتَقِدُ مَا تُخْبِرُوْنَنَا بِہٖ اِلَّا ظَنًّا۔ (ہم اس بات کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے جس کی تم نے ہمیں خبر دی مگر ایک گمانی چیز) وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ پہلے کی تاکید کے لیے ہے۔

فائدہ: قیامت کے منکرین کے دو گروہ تھے ایک وہ گروہ جنہوں نے قیامت سے کھلا انکار کیا تھا ان کا ذکر آیت 24 میں گزر چکا ہے دوسرے گروہ میں دو لوگ تھے کہ جب انھوں نے بعث بعد الموت کے صریح دلائل سن لیے تو شک میں پڑ گئے اس آیت میں یہ لوگ مراد ہیں۔

تفسیر 33 یہ بھی تخویف میں داخل ہے اور یہ مقدر پر عطف ہے یعنی وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیُقَالُ لَھُمْ بَدَا لَھُمْ

يَسْتَهْزِءُوْنَ معلوم ہوا کہ یہ لوگ کہتے اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا یہ شک کے طور پر نہیں تھا بلکہ استہزاء کے طور پر تھا اس وجہ سے یہ لوگ تمام منکرین سے زیادہ بدتر ہیں۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٣٤ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٣٥ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٦ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣٧

"اور کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں چھوڑ دیں گے جیسے تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو چھوڑ دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا [34] یہ اس وجہ سے کہ تم اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا کرتے اور تمہیں دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈالا تھا تو آج کے دن آگ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی [35] پس اسی اللہ کے لیے تعریفیں ہیں جو آسمانوں، زمینوں اور تمام عالم کا رب ہے [36] اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بادشاہی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے [37]۔

تفسیر 34 یہ بھی تخویف میں داخل ہے اور یہ ہٰذا اور حاق پر عطف ہے اور نَنْسٰكُمْ عذاب کی ہیشگی کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسے منکرین نے بعث بعد الموت پر ایمان کو بھلا دیا تھا اور اگر ان کی زندگی بالفرض ہمیشہ ہوتو ان کا یہ بھلانا اور انکار بھی ہمیشہ ہوتا تو اسی وجہ سے عذاب بھی ہمیشہ ہوگا۔

تفسیر 35 یہ ماقبل کے لیے اسباب ذکر کیے ہیں یعنی مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ایک سبب عقلی اور وحی آیات کا مذاق اڑانا جو اس آیت میں ذکر ہوا اور دوسرا حرص اور دنیا کی محبت کی وجہ سے غفلت کرنا جس کی وجہ سے قیامت کو بھلا دیا لَا يُخْرَجُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان کو نہیں نکالے گا اور باقی شفعاء بھی ان کو نہیں نکال سکتے ہیں وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ عتاب سے ماخوذ ہے اس سے مراد رجوع کرنا یعنی ان سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا۔

تفسیر 36، 37 یہ بھی توحید کے دعوے کے ساتھ عقلی دلائل ہیں اور اس طرح یہ سورۃ کے تمام مضمون کی وضاحت پر مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عقلی اور وحی دلائل کے ساتھ شریعت کو واضح کیا ہے تو مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا واجب ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ اشارہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا ہونا یہ سب مخلوق پر ربوبیت کا انعام ہے تو سب پر اللہ کی حمد واجب ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ اس سے شراکت کے وہم کو دور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد میں کوئی شریک نہیں ٹھہر سکتا اس لیے کہ کبریائی اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے یعنی عظمت، جلال، بقاء، سلطان، قدرت، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو کوئی اور اس کے ساتھ حمد اور صفات میں شریک نہیں بن سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تکبر میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے لہذا جس نے میرے ساتھ اس میں اختلاف کیا یعنی کھینچنے کی کوشش کی تو میں اسے آگ میں داخل کروں گا متفق علیہ صحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6071، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 296، 2620، ابن ماجہ فی الایمان حدیث 186، ایک روایت میں ہے عذاب دوں گا دوسری روایت میں ہے اس کی گردن توڑ دوں گا۔

سورۃ الجاثیہ کی خصوصیات:

۱۔ دو قسم کی آیتوں کے ذریعے توحید کو ثابت کیا گیا ہے۔

۲۔ دین حق کو اس سورۃ میں شریعت سے موسوم کیا ہے۔

۳۔ ان لوگوں پر رد جو اپنے زعم میں اہل شریعت اور اہل بدعت کو ایک جیسے تصور کرتے ہیں یہ دہریہ لوگ ہیں (جن کو سکولرازم کے داعی کہتے ہیں)

اللہ کے توفیق سے سورۃ الجاثیہ کی تفسیر مکمل ہوئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾

"اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد کو جانتا ہے[1] اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غالب حکمت والا ہے[2]۔

اس سورت کا ماقبل کے ساتھ ربط کی وجہ: (۱) اُس سورت میں شریعت کی اتباع کا حکم تھا اس سورت میں شریعت کی تصدیق قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سچائی کے ذریعے ثابت کی گئی ہے۔(۲) اُس سورت میں اثبات توحید کے لیے آیاتِ وحیہ اور عقلیہ ذکر ہوئی تھیں تو اس سورت میں ان پر تفریع ردشرک فی القدرۃ و العلم کے ذریعے ہو رہی ہے۔(۳) سابقہ سورت میں تخویف کا ذکر تھا اس سورت میں قوم عاد کے واقعہ کے ذریعے عذاب دنیاوی کی تخویف کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ مذکورہ قوموں کو ان کے معبودان باطلہ نہ بچا سکے۔

سورت کا مرکزی مضمون: مشرکین کے عقیدہ وسیلہ کار دہو رہا ہے کہ معبودان باطلہ ان کے سفارشی نہیں ہو سکتے۔ یہ رد آیت 28 میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی سچائی کے ذریعے شرک کی اقسام (شرک فی العلم فی التصرف فی العبادۃ) کی تردید کے ذریعے ہے نیز قرآن اور نبی کی سچائی جنات کی گواہی سے ثابت کی گئی ہے۔

سورت کا خلاصہ: اس میں دو ابواب ہیں پہلا باب آیت 15 تک ہے اس کی ابتدا میں قرآن کی طرف ترغیب ہے پھر زواجر ہیں پہلی زجر دلائل عقلیہ اور قرآن سے اعراض پر ہے۔ دوسری زجر رد شرک فی التصرف کے ذریعے ہے اور مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ تیسری زجر رد شرک فی العلم وفی الدعاء کے ذریعے ہے۔ چوتھی زجر انکار قرآن پر ہے اور رسول سے قرآن کی سچائی ذکر کی گئی ہے نیز سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے پھر خوشخبری کا ذکر ہے۔

---

[2] اس آیت میں قرآن مجید کی طرف ترغیب ہے اور سورت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وحی الٰہی ہے بے دلیل باتیں نہیں ہیں۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝

"ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر فائدے کے لیے اور معین مدت کے لیے اور کافر جس چیز کے ذریعے ڈرائے جاتے ہیں اس سے منہ پھیرتے ہیں [3]۔

تفسیر 2 اس آیت میں اشارہ ہے کہ آنے والا مضمون عقلی دلائل کے ساتھ موافق ہے یعنی یہ نظام (علوی سفلی وسطی) توحید باری تعالیٰ اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر دلیل ہے۔ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یہ اعراض کرنے والوں کو زجر ہے۔ عَمَّاۤ: اس میں (ما) مصدریہ یا پھر موصولہ ہے۔

تفسیر 3 اس آیت میں اعراض کرنے والوں سے ان کے شرک کرنے پر دلیل کا مطالبہ ہے اور شرک فی التصرف پر زجر بھی ہے اور اسی طرح سورت فاطر آیت 40 میں گزرا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ زمین میں خلق (پیدا کرنا) آسمان میں تصرف میں شرکت، الوہیت پر دلیل ہے تو لہٰذا اگر تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایک بھی اس پر قادر ہے تو دکھاؤ اور یہ دلیل عقلی ہے اور اگر نہیں ہے تو دلیل نقلی اللہ کی کتاب سے، یا پہلے پیغمبروں کی احادیث و آثار سے اپنے معبودوں کی الوہیت پر پیش کرو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"آپ کہہ دیجیے کہ مجھے خبر دو اس چیز کے بارے میں جو تم اللہ کے ماسوا پکارتے ہو۔ دکھاؤ مجھے کہ انہوں نے زمین کی چیزوں میں سے کچھ پیدا کیا ہے یا ان کے لیے کوئی حصہ ہے آسمانوں میں۔ مجھے کوئی کتاب دکھاؤ (جو نازل ہوئی ہو) اس کتاب سے پہلے یا (پہلوں) سے نقل کی ہوئی دلیل۔ اگر تم سچے ہو [4]۔

تفسیر 4 مَا تَدْعُوْنَ: سورۃ فاطر میں شُرَكَآء: کا لفظ بھی ہے اس لیے کہ اُس سورت میں مشرکین کے شرک کی تفصیل ذکر ہوئی تھی۔ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ: اس سے مراد سورۃ فاطر کے قرینے سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں اٰتَيْنٰا ذکر تھا مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ: یعنی جو کتابیں قرآن سے پہلے نازل ہوئی ہیں جو کہ تورات انجیل اور زبور ہیں اور یہ کتابیں مشرکین کو نہیں دی

گئی ہیں اس لیے اس آیت میں اٰتَیْنٰہُمْ کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ: عکرمہ اور مجاہد سے منقول ہے کہ اس سے مراد انبیا علیہم السلام سے نقل شدہ روایات ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں احادیث کہا جاتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ شرعی دلیل صرف کتاب اللہ یا پیغمبروں کی احادیث ہوتی ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے سچائی ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لیے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ: ذکر کیا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝

''اور اس شخص سے زیادہ اور گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارتا ہے جو اس کی (حاجت کو) پورا نہیں کر سکتے قیامت کے دن تک اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں [5] اور جب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا تو یہ ان کے لیے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت سے انکار کرنے والے ہو جائیں گے [6]۔

تفسیر 5: شرک فی التصرف کا رد کرنے کے بعد شرک فی الدعاء والعلم پر یہ دوسری دلیل ہے۔ مَنْ اَضَلُّ: یہ استفہام (سوال) ہے نفی کے طور پر اور یہ واضح بات میں آتا ہے۔ اَضَلُّ: سے مراد کافر ہیں کیونکہ گمراہی کا آخری درجہ کفر ہے۔ مِمَّنْ يَّدْعُوْا: دعا سے مراد حاجت مانگنا اور مدد کے لیے پکارنا ہے اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ نفع (فائدے اور نقصان) کے حاجت روا اور اختیار مند ہیں اور یہ دعا اصل عبادت ہے اس وجہ سے بعض مفسرین نے يَدْعُوْا کی تفسیر میں يَعْبُدُ لکھا ہے مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ: مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا لفظ اللہ کے سوا سب کے لیے عام ہے چاہے زندہ ہوں یا مردہ، بت ہو یا ذی روح ہوں، اولیاء ہوں، یا انبیاء سب کے لیے عام ہے اور لفظ مَنْ عقل والوں کے ساتھ خاص ہے چاہے زندہ ہوں یا مردہ تو یہ خاص کا عام سے بدل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو ان کے مقصود بت نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہر وہ شخص ہے جس کا یہ بت بنایا گیا ہے، تو جو کوئی یہ کہتا ہے کہ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیتوں میں صرف بتوں کی پرستش مراد ہے تو ایسے لوگ قرآن کی حقیقت کو نہیں سمجھتے بلکہ تحریف کرتے ہیں تفسیر ابن کثیر، قرطبی، سراج المنیر اور خازن وغیرہ سب نے صراحت کی ہے کہ یہ آیت ملائکہ کی عبادت کرنے والوں اور عیسیٰ علیہ السلام اور جنوں کی عبادت کرنے والوں کے لیے عام اور شامل ہے۔ لَا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ: یعنی یہ ان کی کسی بھی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ان کو کوئی فائدہ اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مردے

ان زندوں کے لیے دعا بھی نہیں مانگ سکتے اگر یہ ان سے دعاء کا مطالبہ کریں اس لیے کہ دعا مانگنا بھی استجابت (قبول کرنا) ہے-اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: اس میں بہت زیادہ تاکید ہے یعنی مشرک یہ خیال نہ کرے کہ ابھی میری دعا قبول نہیں کی تو کچھ مدت بعد قبول کر لے گا بلکہ قیامت تک قبول نہیں ہوسکتی ہے جبکہ قیامت میں بھی حاجت روائی نہیں کر سکتے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ مخاطبہ (گفتگو) کریں گے جس طرح اورآیتوں سے ثابت ہے-وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ. غفلت سے مراد نہ سننا ہے جس طرح سورۃ یونس آیت 29 اور سورۃ فاطر آیت 14 میں گزرا ہے لفظ هُمْ اور غَافِلُوْنَ اور صفت غفلت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ بتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے اور یہ معبود دعا سے اس لیے غافل ہیں کہ کوئی قریب ہے اور کوئی دور ہے لیکن یہ مردے ہیں اور مردے سن نہیں سکتے، یا پھر ان کو مشرکین کی آواز دو عاغیرہ اللہ تعالیٰ نہیں سناتا ہے اسی طرح تفصیل سورۃ فاطر میں گزری ہے۔

تفسیر 6: لفظِ حشر، عداوت اور کفر یہ بھی دلیل ہے کہ آیت بتوں کے بارے میں نہیں ہے مگر ہاں جب مجازا ہو۔ لیکن جب حقیقت مراد ہوسکتی ہے تو مجاز مراد لینا جائز نہیں ہے۔ كَانُوْا لَهُمْ: كَانُوْا کی ضمیر معبودوں کی طرف راجع ہے اور لَهُمْ کی ضمیر عبادت کرنے والوں کی طرف راجع ہے اور اسی طرح وَ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ میں پہلی ضمیر معبودوں کی طرف اور دوسری عبادت کرنے والوں کی طرف راجع ہے، جس طرح دشمن دشمن کے ساتھ باتیں نہیں کرتا بلکہ اس سے براءت کرتا ہے اسی طرح یہ معبودان عبادت کرنے والوں سے باتیں نہیں کریں گے، ان کی عبادت سے انکار کریں گے جس طرح سورۃ یونس آیت 28 میں ہے اور یہ انکار ان کے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

"اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے بارے میں کہتے ہیں جب ان کے پاس آیا: یہ کھلا جادو ہے [7] کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ اس نے اپنی طرف سے بنایا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اپنی طرف سے بنایا ہے تو تم میرے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بھی بچانے کی طاقت نہیں رکھتے ہو، وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جس میں تم مشغول ہوتے ہو، اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان اور خاص اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [8]۔

تفسیر 7 قرآن سے انکار پر یہ دوسری زجر ہے یعنی جب ان کے سامنے توحید کی واضح آیات (جس طرح گزری ہوئی دو آیتیں) پڑھی جائیں تو یہ اس کو جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ لِلْحَقِّ: اس سے مراد یہی واضح آیات ہیں یا اس سے مراد اس کا مضمون ہے یعنی توحید کو ثابت کرنا اور شرک کو رد کرنا۔ سِحْرٌ: جس طرح جادو بے حقیقت اور خیالی چیز ہے تو یہ لوگ (کافر) بھی قرآن کو اسی طرح سمجھتے ہیں، یا سحر، جھوٹ اور باطل کے معنی میں ہے جیسا کہ قاموس اور لغت کی دوسری کتابوں میں لکھا ہے۔

تفسیر 8 اس آیت میں قرآن کے انکار پر دوسری زجر ہے اور اس میں پہلے سے ترقی ہے اس لیے کہ سحر (جادو) کے معنی میں دوسرے کی طرف نسبت کرنا ماخوذ نہیں ہوتا اور افترا سے مراد یہ ہے کہ اپنی طرف سے جھوٹ گڑھا ہے، پھر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے قُلْ: اس کے ذریعے جواب ذکر کر رہا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالفرض اگر میں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گڑھا ہے تو وہ ضرور مجھے سزا دیتا جس طرح سورۃ الحاقۃ آیت 45،46 میں ہے تو تم مجھے نہیں بچا سکتے ہو جیسے سورۃ الحاقۃ آیت 47 میں ہے لیکن اللہ نے مجھے عذاب نہیں دیا بلکہ میرے لیے گواہی (شہادت) دی ہے۔ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ: افاضہ سے مراد باتوں میں مشغول ہونا اور اس کو جھٹلانا اور اس کو جادو کہنا ہے۔ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ: اس میں ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن میں قرآن اور رسول کی سچائی ثابت کرنے کے لیے دلائل ذکر ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کی شہادتیں ہیں جیسا کہ سورۃ نساء آیت 66 اور سورۃ رعد آیت 43 میں ہے۔ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ: زجاج نے فرمایا ہے کہ اس میں مشرکین اور تمام انکار کرنے والوں کو توبہ اور استغفار کی طرف دعوت اور ترغیب ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾

"آپ کہہ دیں کہ میں رسولوں کی قسموں میں سے نیا بھیجا ہوا نہیں ہوں اور نہیں جانتا (دنیا میں) جو کام میرے ساتھ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ میں پیروی نہیں کرتا مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور نہیں ہوں میں مگر کھلا ڈرانے والا [9]۔

تفسیر [9] اس آیت میں ان کے دو شبہوں کا جواب ہے، جن کا ماقبل کے ساتھ تعلق ہے، پہلا شبہ انہوں نے کہا کہ آپ جھوٹ گھڑنے والے ہیں اس وجہ سے کہ آپ نے ایسا دعویٰ کیا ہے (توحید اور رسالت کا) جو پہلے کسی اور نے نہیں کیا۔ دوسرا شبہ یہ اگر آپ جھوٹ باندھنے والے نہیں ہیں تو ہمیں ہمارے غیب کے حالات کے بارے میں خبر دو تو اس آیت میں علی الترتیب ان کے دونوں شبہوں کے جوابات ہیں پہلے شبہے کا جواب۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ: یعنی میں نے اپنی طرف سے کوئی ایسا نیا مسئلہ نہیں گھڑا جس کے ذریعے میں باقی رسولوں سے الگ ہوا ہوں بلکہ میں نے وہی توحید کا مسئلہ اور رسالت کا دعویٰ پیش کیا ہے جو پہلے رسولوں نے بھی اسی طرح پیش کیا ہے۔ بِدْعًا: بدع اور مبتدع عرب کی لغت میں ہر اس نئی چیز کو کہا جاتا ہے جس کی پہلے سے کوئی مثال نہ ہو اور شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہر وہ چیز ہے جو شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو اور شریعت مان لی گئی ہو چاہے قول ہو یا عقیدہ ہو اور چاہے عمل ہو، یا ہیئت (کیفیت) ہو، یا چاہے مقدار ہو یا وقت ہو، یا جگہ ہو صحیح حدیث اس کی دلیل ہے: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری فی الصلح حدیث 2697، صحیح مسلم فی الاقضیۃ حدیث 1718) تو لفظاً ان سب کے لیے عام ہے لَيْسَ مِنْهُ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے بارے میں شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو اور اس کو حسنہ اور سیئہ یا واجب یا مستحب وغیرہ میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ حدیث 867) اور جو بعض اہل علم نے اس کی تقسیم ذکر کی ہے تو اس کو مان لینے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قسمیں بدعت لغویہ کی ہیں دوسرے شبہے کا جواب وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ: اس سے مراد دنیاوی احوال ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ دنیا میں ہے اور آخرت کے بارے میں تو معاذ اللہ اس لیے کہ نبی ﷺ کو علم تھا کہ وہ بخشے ہوئے اور جنتی ہے تو دنیاوی حالات کے بارے میں نبی عالم الغیب نہیں ہے۔ اس لیے ان کو یہ علم

نہیں تھا کہ لوگ میری تصدیق کریں یا جھٹلائیں گے اور ان پر عذاب آئے گا، یا نہیں اور کس طرح عذاب ان پر آئے گا سورۃ اعراف آیت 188 اور سورۃ نمل آیت 65 اور سورۃ انعام آیت 50 اس پر دلیل ہے۔ سوال: ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تو وارد ہے (عاقبت کے بارے میں) وَاللّٰهِ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ مَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ: اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں صحیح الفاظ یہ ہیں وَ مَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِهٖ جس طرح امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب التعبیر حدیث 7018 میں لائے ہیں اور اسی طرح قرطبی اور ابن کثیر نے بھی فرمایا ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ: بعد والے دونوں جملوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ذکر ہوئی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

10 آپ کہہ دیں کہ مجھے خبر دو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس سے انکار کرتے ہو اور گواہی دی بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والے نے اس کی مثل (کتاب)، پس وہ ایمان لایا اور تم تکبر کرتے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہیں دیتا ظالم قوم کو [10]۔

تفسیر 10: یہ بھی قرآن کی سچائی کے ذریعے اور اس کے ساتھ شہادت (گواہی) کے ذریعے قرآن سے انکار کرنے والوں کو زجر ہے۔ اِنْ كَانَ: اس شرط کی جزا وَاسْتَكْبَرْتُمْ کے بعد محذوف ہے جو فَقَدْ ظَلَمْتُمْ ہے۔ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: راجح یہ ہے کہ شاہد سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں اور مِثْلِهٖ: سے مراد تورات ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے تورات کو بیان کیا تھا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور اس میں توحید، رسالت اور بعث بعد الموت کے مضمون تھے۔ مِثْلِهٖ: اس سے مراد نزول من اللہ اور مضمون میں مماثلت ہے، فصاحت اور بلاغت میں قرآن کے مماثل (برابر) نہیں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ
اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫

"اور کہا کافروں نے ایمان والوں (کو سناتے ہوئے) اگر یہ حق ہوتا تو اس کی طرف ہم سے یہ سبقت نہ کرتے اور جب اس کتاب کو نہیں سمجھتے تو ضرور کہتے ہیں کہ بنایا ہوا پرانا جھوٹ ہے [11] اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (نازل کی ہوئی) پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے، عربی زبان میں ہے تاکہ ڈرائے ظالموں کو اور خوشخبری ہے اچھے عمل کرنے والوں کے لیے [12]۔

تفسیر 11: قرآن کے انکار کرنے والوں کے لیے یہ دوسری زجر ہے اور انکار کا طریقہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اکثر فقیر اور مسکین تھے تو متکبر لوگ کہتے ہیں کہ یہ بے وقوف لوگ ہیں ان کا ایمان لانا حقانیت اور خیر کی دلیل نہیں ہے بلکہ اگر اس میں خیر ہوتی تو ہم ان سے پہلے اس کو مان لیتے اس لیے کہ ہم ہوشیار ہیں۔ امام قرطبی نے ماوردی سے نقل کیا ہے کہ یہ معارضہ ان پر پلٹ سکتا ہے اس لیے کہ ہر مخالف دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ اگر آپ کی بات حق ہوتی تو ہم اس کے خلاف نہیں کرتے تو اگر رسول کا جھٹلانا خیر ہوتا تو تم ہم سے سبقت نہیں کرتے اس لیے کہ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ ابھی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمن اس طرح کہتے ہیں اور ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ جو اہلسنت والجماعت ہیں ان کے دلوں میں صحابہ کرام کی عزت اور احترام ہے تو وہ کہتے ہیں كُلُّ فِعْلٍ وَّقَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ بِدْعَةٌ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَتْرُكُوْا خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ اِلَّا وَقَدْ بَادَرُوْا اِلَيْهَا (ہر کام اور بات جو صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے اس لیے کہ اگر وہ خیر کا کام ہوتا تو صحابہ ہم سے پہلے وہ کرتے اس لیے کہ انہوں نے خیر کی خصلتوں میں کوئی خصلت نہیں چھوڑی مگر اس کی طرف سبقت کی ہے) اور اس جملے میں (عقیدۃً اور عملاً) بدعات کے رد کے لئے پورا قانون ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل کرنا، قبر والوں کے ذریعے وسیلے پکڑنا، عرس، عید میلاد النبی، حیلہ اسقاط اور جنازے کی بدعات، اگر یہ خیر کے کام ہوتے تو ہم سے پہلے یہ صحابہ کرام کرتے۔ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ لام خطاب کے لیے ہے تو لَسَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ میں خطاب سے غائب کی طرف التفات ہے یا لام شانیہ ہے تو لَسَبَقُوْنَآ اپنے معنی پر ہے وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا الخ اس میں دلیل ہے کہ

اگر کوئی کسی چیز کو نہیں سمجھتا تو اس کو جھٹلاتا ہے اور اس کے خلاف کرتا ہے۔

تفسیر 12: یہ دلیل نقلی ہے اور قرآن کی طرف ترغیب ہے اِمَامًا: یعنی اس میں توحید اور آخری رسول کی سچائی کے ایسے دلائل تھے جن کی پیروی کرنا ضروری تھا۔ وَّرَحۡمَةً: یعنی اس میں ایسا عقیدہ اور ایسے مسائل اور احکام تھے جو عین اللہ تعالیٰ کی رحمت تھے نیز اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے خاص سبب تھا اور یہاں عبارت پوشیدہ ہے یعنی انہوں نے کتاب کے ذریعے ہدایت حاصل نہیں کی بلکہ اس کے خلاف کیا اور اس کو جھٹلایا۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ: یہ قرآن کی طرف ترغیب ہے کمال کی دو صفتوں کے ذریعے اور دو فائدوں کا ذکر ہے۔ وَبُشۡرٰى: یہ یُبَشِّرُ کے معنی میں ہے اور یہ لِیُنۡذِرَ پر عطف ہے۔ لِلۡمُحۡسِنِيۡنَ: اس سے مراد وہ لوگ ہے جو قرآن پر عمل کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝١٣ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝١٤

"بے شک جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس ایمان پر پختہ و مضبوط ہوئے، تو نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے [13] یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے بدلہ ہے اس کا جو یہ عمل کرتے تھے [14]۔

تفسیر 13، 14: یہاں تک انکار کرنے والوں کے حالات، ان کو سزا اجر اور جوابات کا ذکر تھا اب ایمان والوں کی صفات اور ان کو بشارت ذکر کر رہے ہیں اور اس کی تفسیر سورۃ حم سجدۃ آیت 31 میں گزری ہے اور وہاں دعوت دینے والوں کے مقام کا ذکر تھا تو اس کی اہمیت کی وجہ سے بشارت (خوشخبری) میں زیادہ تفصیل تھی اور یہاں اختصار ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

"اور پختہ حکم دیا ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا، اٹھایا اس کو اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اور جنا ہے اس کو تکلیف کے ساتھ اور اس کو حمل اٹھانا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہیں، یہاں تک کہ جب پہنچ جائے جوانی کو اور چالیس سال کو پہنچ جائے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب! توفیق دے مجھے کہ میں شکر ادا کروں تیری ان نعمتوں کا جو تو نے انعام کیا مجھ پر اور میرے والدین پر اور یہ کہ عمل کروں سنت کے مطابق جس سے تو راضی ہو جائے اور مجھے میری اولاد میں صلاحیت دے۔ یقیناً میں نے تیری طرف توبہ کی اور بے شک میں حکموں کو پورا ماننے والوں میں سے ہوں[15]۔

تفسیر 15: اس آیت سے سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے۔ اس میں دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔ پہلی قسم والدین کے ساتھ احسان کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے والے، ان کو بشارت ہے اور دوسری قسم والدین کے نافرمان اور جھٹلانے والے اور ان کو آخرت کا خوف دلایا ہے، پھر دنیاوی تخویف قوم عاد کا واقعہ ذکر کرنے کے ساتھ ہے اور مشرکین کے شبے کا جواب کہ ان کے معبود ان کی مدد نہیں کر سکتے پھر دعوۃ الی القرآن اور قرآن کی سچائی اور قیامت کے اثبات پر دلیری کے لیے جنوں سے دلیل نقلی ذکر کی ہے اور اختتام بھی صبر کرنے والوں کو دلیری کے حکم اور منکرین کو ڈرانے کے ساتھ ہے۔ ربط: گزری ہوئی آیتوں میں انسانوں کی دو قسمیں ذکر ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں ہیں، بعض اس کو جھٹلاتے ہیں اور بعض اس کی تصدیق کرتے ہیں، تو ابھی والدین کے بارے میں ان دونوں قسموں کا ذکر کر رہا ہے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ ماں باپ انسان کے لیے ظاہری اور قریبی احسان کرنے والے ہوتے ہیں لیکن بعض اولاد اطاعت کرتی ہے اور بعض ان کی نافرمانی کرتی ہے تو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو قسم کے لوگ ہیں اس آیت 15 میں اول قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ وَوَصَّيْنَا: یہ عطف ہے گزرے ہوئے مضمون کے معنی پر یعنی اللہ کا پہلا حکم دین کے اصولوں کے بارے میں تھا اور ابھی والدین کے بارے میں حکم ہے۔ إِحْسَانًا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا عام اور مطلق ہے اور ان کی اطاعت گناہ نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے اور احسان قول، عمل اور خدمت میں ہے نیز ان پر ان کی ضرورت کے وقت خرچ کرنا ہے اور نرم لہجہ کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب کو احسان شامل

ہے۔ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا: یعنی باپ کے احسان کا اقرار (اکثر) مجبوراً بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ اس سے ڈر لگتا ہے لیکن ماں کمزور ہوتی ہے اس وجہ سے انسانوں کے لیے ان کی تربیت کرنے کے حوالے سے ماں کی تکلیفوں کی تین قسمیں ذکر کی ہیں: ایک حمل اور دوسرا وضع حمل، تیسری قسم دودھ پلانا اور پھر دودھ چھڑانا اور اس کی مدت ڈھائی سال ذکر کی ہے تو معلوم ہوا کہ باپ کی بہ نسبت ماں کا حق زیادہ ہے۔ كُرْهًا: کسائی اور فراء نے کہا کہ ہے کہ پیش کے ساتھ وہ تکلیف ہے جو انسان بذات خود اٹھاتا ہے اور زبر کے ساتھ وہ تکلیف ہے جو دوسروں پر ڈالے اور پھر ان تکلیفوں کا اثر ماں کو کمزور کرتا ہے اس لیے سورۃ لقمان میں اس کو وَهْنٍ سے تعبیر کیا ہے۔ وَحَمْلُهُ وَ فِصٰلُهُ: یہاں عبارت مقدر ہے یعنی وَمُدَّةُ حَمْلِهِ وَمُدَّةُ فِصَالِهِ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام قرطبی اور ابن کثیر وغیرہ لائے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ تیس مہینے دونوں حالتوں (حمل و فصال) پر منقسم ہیں یعنی جب حمل پر نو مہینے گزر جاتے ہیں تو رضاعت اکیس مہینے ہوگی اور اگر حمل چھ مہینے ہو تو رضاعت دو سال ہوگی وعلی ہذا القیاس چونکہ دو سال سے زائد دودھ پلانا منع ہے سورۃ بقرہ آیت 233 کی دلیل کے ساتھ لہٰذا معلوم ہوا کہ حمل اور پیدائش کی کم مدت چھ مہینے ہے اس سے کم نہیں ہو سکتی ہے اور اس کے بارے میں امام قرطبی نے عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے 6 مہینے بعد بچہ جنا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اس پر زنا کی حد قائم کریں تو علی رضی اللہ عنہ نے منع کیا اور اس آیت کے ذریعے دلیل پیش کی اور اسی طرح واقعہ شربینی نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے اور جب یہ تیس مہینے دونوں حالتوں کے لیے مشترک ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا اسی وجہ سے ایک ساتھ ذکر کیے۔ دوسرا قول امام قرطبی نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ عادۃً حمل کی مدت نو مہینے ہے اور رضاعت کی مدت دو سال ہے لیکن پہلے تین مہینوں میں بچے کا بھاری پن محسوس نہیں ہوتا ہے اور حمل سے مراد بھاری ہونا ہے اس لیے ابتدا کے تین مہینے اس کے ساتھ شمار نہیں کیے ہیں اور آیت میں حمل کی زیادہ مدت ذکر نہیں کی اس وجہ سے اس میں ائمہ کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔

تیسری تفسیر مدارک میں ذکر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حمل سے مراد ہاتھوں میں اٹھانا ہے اور ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا پوری رضاعت کی مدت ہے یعنی ڈھائی سال لیکن کئی وجوہ سے یہ تفسیر ضعیف ہے پہلی وجہ وَ حَمْلُهُ سے یہ معنی مراد لینا صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے علم میں امام صاحب سے ظاہر روایت یا نادر روایت میں یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بچے کو ہاتھوں میں (اٹھانے) پھرانے کی مدت کی تعیین

نہیں ہے اس لیے کہ اکثر بچے ایک سال کی عمر میں چلنا شروع کرتے ہیں اور دو سال اور ڈھائی سال کے بچے تو دوڑ دوڑ کے زمین پر چلتے ہیں تو ہاتوں میں اٹھانے کے محتاج نہیں ہوتے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رضاعت کی مدت ڈھائی سال ہے تو یہ سورۃ بقرہ کی ظاہری آیت 233 کے خلاف ہے اگرچہ اس میں تاویلات ہوسکتی ہیں اور ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں کہا ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول کے مطابق ہے کہ رضاعت کی مدت دو سال ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ: اس عبارت میں تقدیر ہے یعنی اِسْتَمَرَّتْ حَيَاتُهٗ یعنی زندگی گزرتی ہے یہاں تک کہ پہنچ جائے اَشُدَّهٗ: اس سے مراد بلوغت ہے یا اٹھارہ سال یا تینتیس سال ہیں یہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً: اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی عقل چالیس سال میں پوری ہوتی ہے تو اگر اس سے پہلے لڑکپن یا جوانی کے سبب سے غلط کام کیے لیکن جب چالیس سال کو پہنچ جائے تو گناہ کے اسباب کمزور ہوگئے اور عقل پوری ہوگئی تو ابھی ضرور توبہ کرتا ہے اور شکر گزاری کے لیے کمر کس لیتا ہے یہ بھی انسان کی خوش قسمتی ہے۔ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ: اس میں اشارہ ہے کہ ابھی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف پیدا ہوئی لیکن انسان شکر کرنے میں بھی اللہ کی توفیق کا محتاج ہوتا ہے اس لیے دعا مانگتا ہے۔ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ وزع اصل میں تقسیم اور حصے کرنے کو کہتے ہیں اور شکر کی توفیق اور الہام اچھا حصہ ہے۔ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ: نظم الدرر میں لکھا ہے کہ نعمت الٰہی کا بڑا شکر ادا کرنا توحید فی العبادات ہے۔ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ: یہ صالح کی تفسیر ہے یعنی جو کتاب اور سنت کے موافق ہو، یا تَرْضٰىهُ: قبولیت کے معنی میں ہے یعنی عمل اگرچہ صالح ہو لیکن قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ: اولاد کی صلاحیت، اولاد میں توحید اور عمل صالح کے جاری ہونے اور بقاء کی طرف اشارہ ہے اور اولاد کی صلاحیت بھی والدین کے لیے فائدہ ہے اور جب کہ یہاں صلاحیت کا اجراء مراد ہے اس لیے اس کو فِیْ کے ساتھ متعدی کیا۔ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ: اس سے مراد یہ ہے کہ جو جوانی کے عوارضات اور خواہشات کا غلبہ تھا اور اس کے ساتھ عقل کی کمی بھی تھی، ان سب سے میں نے رجوع کیا۔ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: توبہ میں صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ نافرمانی سے بچنا ہے اور المسلمین میں صفات ثبوتیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی پوری فرمان برداری کرنا۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّـَٔاتِهِمْ فِىٓ أَصْحَٰبِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِى

كَانُوا يُوعَدُونَ ⑯

32/32 "یہی لوگ ہیں کہ جن کے نیک عمل ہم ان سے قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے وہ جنت والوں

میں ہوں گے، سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا[16]۔

[] تفسیر 16: یہ اس قسم کے لوگوں کے لیے بشارت ہے اور أُولَٰٓئِكَ کا لفظ دلیل ہے کہ پہلی آیت ایک شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے نزول کے سبب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے اور بعض نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا۔ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا: اس سے مراد ساری نیکیاں ہیں تو احسن اس چیز کے معنی میں ہے جس میں حسن کی صفت ہو یا یہ حسن کا مقابل ہے اور حسن مباح کو کہا جاتا ہے جس میں نہ ثواب ہو اور نہ عذاب ہو۔ فِىٓ أَصْحَٰبِ الْجَنَّةِ: حال ہے کائنین کی تقدیر کے ساتھ یا پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے یعنی هُمْ فِىٓ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ. وَعْدَ الصِّدْقِ: یہ گزرے ہوئے جملے وعدے کے معنی میں ہے تو یہ مفعول مطلق ہے اس مضمون کی تاکید کے لیے اور فعل اس کا پوشیدہ ہے وَعَدَ اللهُ وَعْدَ الصِّدْقِ اور یہ موصوف کی اضافت ہے یا اضافت بیانیہ ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ
وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ
الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا
عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہ شخص جس نے کہا اپنے والدین سے افسوس ہے تم پر، کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو میں (قبر سے) پھر نکالا جاؤں گا ؟ اور بے شک مجھ سے پہلے بہت زمانے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ تباہ ہو جاؤ ایمان لاؤ، اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ کہتا ہے: نہیں ہے یہ مگر پہلے لوگوں کے نقل کیے ہوئے قصے ہیں [17] یہی وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہوا ان جماعتوں میں داخل ہوگا جو جن اور انسان ان سے پہلے گزر چکے ہیں بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں [18] اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں ان کے اعمال کے اعتبار سے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ پورا دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا [19]۔

تفسیر 17: یہ دوسری قسم کا ذکر ہے جو قیامت کے مسئلے میں ماں باپ کے نافرمان ہیں۔ یعنی صرف نافرمان ذکر کرنا مقصد نہیں ہے اگرچہ یہ بھی گناہ ہیں بلکہ والدین کے وہ نافرمان مراد ہیں جو اسلامی عقیدے میں ماں باپ کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ کفر کا درجہ ہے اور قرآن کریم میں عادۃً کامل وصف والے ذکر ہوتے ہیں۔ اُفٍّ لَّكُمَآ: اس کی تفصیل سورۃ اسراء آیت 23 میں گزری ہے۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ: یہ بعث (قیامت کے دن) کا انکار کرنے والوں کی دلیل ہے کہ ایسے بہت سارے لوگ گزرے ہیں اور ابھی تک کوئی ایک بھی دوبارہ پیدا نہیں ہوا اور حالانکہ یہ دلیل باطل ہے اس لیے کہ مدعا تو یہ نہیں ہے کہ ابھی دنیا میں لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے بلکہ دوبارہ زندگی دنیا کے فناء ہونے کے بعد ہے۔ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ: اس میں اشارہ ہے کہ داعی الی الحق کے لیے ضروری ہے کہ دعوت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کی ہدایت کے لیے دعائیں بھی مانگے۔ وَیْلَكَ اٰمِنْ: اس جملے میں تخویف اور علاج کے دونوں طریقے ذکر کیے ہیں یعنی اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر ایمان لے آؤ تو ہلاکت سے بچ جاؤ گے۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: مانگنے کی علت ہے۔ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ: یہ انکار کرنے والے کے انکار کا دوسرا طریقہ ہے یعنی پہلے لوگوں میں بھی یہ

قیامت کی بات ذکر ہوتی لیکن یہ جھوٹے قصے ہیں۔

فائدہ: یہ جملہ اکثر قرآن سے انکار کرنے کے بارے میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 25 میں ہے فرق یہ ہے کہ وہاں مراد یہ ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے قصے ہیں لیکن جھوٹ ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ قیامت کی باتیں پہلے لوگوں نے بنائی ہیں۔

تفسیر 18: دوسری قسم کے لیے یہ آخرت کا خوف دلانا ہے۔ أُولَٰئِكَ: یہ دلیل ہے کہ پہلی آیت عام ہے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن ابی کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ مفسرین نے نزول کے سبب میں اس کا ذکر کیا ہے اور بیضاوی اور حقانی نے ان مفسرین کا رد کیا ہے جنہوں نے نزول کا سبب عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو ٹھہرایا ہے۔ الْقَوْلُ: عذاب کا فیصلہ جو لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ ہے یا قول حجت کے معنی میں ہے یعنی دنیا میں ماں باپ یا حق کے داعی کے واسطے سے ان پر حجت قائم کی گئی ہے۔ فِي أُمَمٍ: کائنین کی تقدیر کے ساتھ یہ حال ہے۔ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم: اس میں ان کے گمراہ پیر اور مولویوں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 19: یہ دونوں فریقوں (گروہوں) کے ساتھ ان کے وہم کو دور کرنے کے طور پر تعلق رکھتا ہے۔ وہم یہ تھا کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان فرق کرنے کی کیا وجہ ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ فرق کرنے کا سبب ان کے اعمال ہیں۔ یعنی ان کے اعمال مختلف ہیں تو اسی کے سبب سے درجات اور جزا بھی مختلف ہے۔

سوال: درجات میں اوپر چڑھنے کا معنیٰ ہے تو اسکا اطلاق جہنم پر کیوں ہوتا ہے؟ جواب: ایک دوسرے سے زیادہ ہونا اوپر چڑھنے یا نیچے جانے کے ساتھ اس کو درجات کہا جاتا ہے، تو جہنم کے مرتبوں پر اطلاق کرنا صحیح ہے، یا یہ اطلاق تغلیباً ہے

وَلِيُوَفِّيَهُمْ: یہ محذوف فعل کی علت ہے یعنی جَزَاهُمْ بِالدَّرَجَاتِ لِيُوَفِّيَهُمْ، وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ: ظلم اضداد میں سے ہے یعنی برائی میں زیادتی کرنا اور نیکیوں میں کمی کرنا دونوں کو شامل ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ ع

"اور جس وقت پیش کیا جائے گا کافروں کو آگ پر تم اپنے (حصے کی) نعمتیں دنیاوی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائی گی بسبب اس کے جو تم زمین میں ناحق سرکشی کرتے تھے اور بسبب اس کے جو تم نافرمان تھے [20]۔

تفسیر 20: اس میں تخویف اخروی ہے پہلا سبب آخرت میں طیبات سے محروم ہونا ذکر کر رہا ہے اور جبکہ تمام طیبات سے محروم ہو جائیں تو نتیجہ ذلت اور رسوائی ہے اسی وجہ سے فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ: پہلے حرف فاء کے ساتھ متفرع کیا، پھر عذاب کے لیے دو سبب ذکر کیے ہیں جو حقیقت میں طیبات سے محروم ہونے اور ذلت کے عذاب کے لیے اسباب ہیں۔

أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ: طیبات سے مراد مزیدار کھانے پینے کی چیزیں ہیں، جو دل چاہے تو حاصل کرتے ہیں، یا اس سے مراد جوانی اور قوتوں کو دنیا کے مزے حاصل کرنے میں صرف کرنا اور آخرت کے لیے کچھ بھی محنت نہ کرنا ہے۔

دوسرا قول ضحاک سے منقول ہے اور اکثر مفسرین نے پہلا قول ذکر کیا ہے اور اس میں عمر رضی اللہ عنہ سے کئی روایات منقول ہیں۔ سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طیبات کا استعمال ناجائز ہے اور حالانکہ سورۃ اعراف آیت 32 میں اس کی تحریم پر زجر کی ہے؟ جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد طیبات کے استعمال میں منہمک ہو جانا اور اس سے عادت بنالینا ہے جو حرام چیزوں کے لیے سبب بن جاتا ہے جیسا کہ ایک انسان اپنے آپ کو مزیدار چیزوں کا عادی بنالے تو جب وہ نہیں ملتی ہیں تو ان کے حاصل کرنے کے لیے حرام طریقے استعمال کرتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد شکر کو چھوڑ دینا ہے یعنی پاک چیزوں کو استعمال کرتے تھے لیکن شکر نہیں کرتے تھے وَاسْتَمْتَعْتُمْ: کالفظ دلالت کرتا ہے کہ ان طیبات کو صرف دنیا کے لیے استعمال کیا ہے، دین اور آخرت کو بھلا دیا ہے۔ فائدہ: یہ آیت اگرچہ صراحۃً کافروں کے بارے میں وارد ہے لیکن پھر بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت زیادہ تقویٰ کی وجہ سے اس سے ڈرتے تھے تو جو آیتیں عام ہوں تو ایمان والوں کو ضرور ان کے بارے میں ڈرنا چاہئے، یہ بہانہ نہ کریں کہ یہ ہمارے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہیں۔ فائدہ: پہلی بحث سے معلوم ہوا کہ مزیدار کھانا پینا بشرطیکہ حلال ہو منع نہیں ہے لیکن اس کے لیے

تکلف کرنا اور اس کا عادی ہونا منع ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ جب کھانا مل جاتا تو کھا لیتے اور اگر نہ ملتا تو صبر کرتے ،حلوہ اور گوشت کھا لیتے جب مل جاتا اور کبھی سوکھی روٹی ،ستو پانی کے ساتھ اور کبھی جو کی روٹی اور کھجور پر اکتفا کیا ہے، اسی طرح لباس میں بھی آپ کی یہ سنت تھی تو اسی طرح مسلمان کو اس سنت پر عمل کرنا چاہیے ،نعمت کا شکر ادا کرے اور تکلیف پر صبر کرے بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ: استکبار عقیدے میں ہے کفر اور شرک کے ارتکاب کے ذریعے اور فسق اعمال میں ہے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾

”اور (ان کو) عادیوں کا بھائی یاد کرو جب اس نے ڈرایا اپنی قوم کو احقاف جگہ میں اور تحقیق گزر چکے تھے اس سے پہلے ڈرانے والے اور اس کے بعد کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں [21] انہوں نے کہا: تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو لے آؤ ہمارے پاس وہ عذاب جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر آپ سچوں میں سے ہیں [22] فرمایا اس نے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور تمہیں وہ (پیغام) پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو [23]۔

تفسیر 21: یہ دلیل نقلی ہے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کے لیے ،جس طرح وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بھی تسلی تھی، اسی طرح مشرکین اور جھٹلانے والوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کے طور پر تخویف دنیوی کی ایک مثال بھی ہے اور عادیوں کو اس لیے خاص ذکر کیا کہ ان کے جسم بھی قوی تھے، بادشاہی بھی ان کی وسیع (کشادہ) تھی اور سرکشی بھی ان کی زیادہ تھی اس وجہ سے انہوں نے کہا: مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (کون ہے ہم سے زیادہ طاقتور؟) اور ان کی آبادیاں (مکانات) بھی پکی تھی لیکن اتنی قوت کے باوجود وہ عذاب سے بچ نہ سکے، تو مشرکین مکہ اور دوسرے کافر کس طرح بچ جائیں گے۔ أَخَا عَادٍ: ہود علیہ السلام تھے، جو ان کے نسبی بھائی تھے اور اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ جو بھائیوں کی بات نہ مانے تو غیر کی تو بالکل نہیں مانتا۔ بِالْأَحْقَافِ: حقف کی جمع ہے یہ ریت کے ٹیلے کو کہا جاتا ہے جو لمبا بھی ہو اور بڑا بھی ہو، لیکن پہاڑ اس سے نہ بنا ہو اور یہ عمان سے مہرہ تک ایک علاقہ ہے۔ امام بقاعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس طرح ریت کے ٹیلے جس علاقہ

میں ہوں وہاں عادۃً سخت ہوائیں نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ ان پر ہوا کا عذاب خارق للعادۃ تھا۔

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ: یہ جملہ معترضہ ہے اور اس میں اشارہ ہے۔ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ: کی طرف جو اس سورت میں ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں گزرا ہے یعنی تمام رسول اس صفت میں شریک ہیں۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ: اس میں اشارہ ہے کہ ڈرانے والے اگرچہ زیادہ ہیں لیکن مقصد ایک ہے جو توحید کا مسئلہ ہے یعنی یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ: اس میں توحید سے اعراض کرنے کی صورت میں خوف دلایا ہے۔

تفسیر 22: اس آیت میں ان کے انکار کا ذکر ہے اور ان کا انکار اس مسئلے کے ساتھ متعلق ہے۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ یعنی اس کے ذریعے آپ ہمیں اپنے معبودوں کی تعظیم اور عبادت سے پھیرتے ہیں۔ لِتَاْفِكَنَا: اس میں وہ اشارہ کرتے تھے کہ یہ معبودوں سے پھیر دینا بھی دھوکا اور جھوٹ کے ذریعے ہے۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ: یہ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ کے ساتھ متعلق ہے۔

تفسیر 23: قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ: یہ ان کے اس قول: فَاْتِنَا کا جواب ہے اور یہ جواب ترقی کے ساتھ ہے یعنی عذاب لانا تو دور کی بات ہے میرے پاس تو اس کا علم بھی نہیں ہے کہ کب ہوگا؟ اور کس طرح ہوگا؟ اور اس میں مقصد رسول اللہ ﷺ کی شان کو ظاہر کرنا ہے کہ وہ غیب دان نہیں ہے بلکہ اس کی صفت یہ ہے۔ اُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ: جو توحید اور عذاب سے ڈرانے کا مسئلہ ہے۔ تَجْهَلُوْنَ: شرک کرنا، عذاب کو جلدی مانگنا اور عذاب کو پیغمبر کے علم یا اختیار میں سمجھنا یہ سب جہالت کے کام ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿24﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿25﴾

"تو جب انہوں نے عذاب بادل کی صورت میں دیکھا جو ان کے میدانوں کی طرف رخ کیے ہوئے تھا، انہوں نے کہا: یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے، بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے یہ ایک ہوا ہے جس میں درد دینے والا عذاب ہے [24] ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دیتی تھی، انہوں نے صبح کی ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا، اسی طرح ہم گنہگاروں کو سزا دیتے ہیں [25]۔

تفسیر 24، 25: یہ تفصیل کے ساتھ ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ: ہ ضمیر عذاب یا مَا تَعِدُنَا کی طرف راجع ہے۔ عَارِضًا سحابًا عَارِضًا محذوف موصوف کی صفت ہے۔ قَالُوْا هٰذَا: مفسرین نے لکھا ہے کہ کئی مدت تک ان پر بارش کو بند کیا گیا تو جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو اپنی عقل کے موافق اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ ابھی بارش ہوگی یعنی اپنی بدعملیوں کی سزا کا بالکل خیال نہیں تھا۔ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہود علیہ السلام کے واسطے سے ہے، یا یہ زبان حال کے ساتھ ہے اوران کا عذاب جلدی طلب کرنا۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ کے لفظ کے ساتھ گزرا ہے۔ رِيْحٌ: یعنی وہ بادل نہیں ہے بلکہ آندھی کا طوفان تھا جس نے آسمان کو چھپایا تھا اور بادل کی طرح ظاہر ہو رہا تھا۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ: دَمَار پوری ہلاکت جو اچانک ہو كُلَّ شَيْءٍ سے مراد اَتَتْ عَلَيْهِ ہے جیسا کہ سورۃ ذاریات آیت 42 میں ہے اور كُلَّ شَيْءٍ سے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا خارج ہونا خرق عادت تھا۔ بِاَمْرِ رَبِّهَا: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اسباب تاثیر نہیں کر سکتے۔ كَذٰلِكَ: یہ بعد کے گنہگاروں کو خوف دلانا ہے اور كَذٰلِكَ میں تشبیہ عام ہے اصل عذاب میں ہو یا اس کی نوع اور جنس میں ہو۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

"اور یقیناً ہم نے ان کو طاقت دی تھی جو طاقت ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تھے تو ان کو فائدہ نہیں دیا ان کے کانوں اور آنکھوں اور دل نے کچھ بھی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور ان کو گھیر لیا اس چیز نے جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے [26]۔

تفسیر 26: اس آیت میں موجودہ مجرموں کو خطاب ہے اور عادیوں کی دو قوتوں اور ایک سبب عذاب کا ذکر ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ کسی بھی قوت کے ذریعے عذاب دفع نہیں ہو سکتا، ایک قوتِ تمکین ہے اور اس سے مراد مضبوط مکان اور بڑے جسم اور زیادہ مال ہے۔ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ: اِنْ نافیہ ہے یعنی موجودہ لوگوں میں اتنی قوت نہیں ہے اور امام بقاعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اِنْ میں مَا کی نسبت مبالغہ نفی ہے اور دوسری قوت وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا: اس میں قوتِ باطنیہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ فہم، ادراک اور دنیاوی کاموں میں ہوشیاری اور اسی طرح یہ حق معلوم کرنے کے اسباب تھے۔ فَمَآ اَغْنٰى: یعنی جب حواس حق کے لیے استعمال نہیں کیے بلکہ تجربوں اور علوم کے لیے استعمال کیے تو اس کے ذریعے اللہ

تعالیٰ کا عذاب دفع نہیں ہوا جبکہ علمی قوت مالی قوت سے مضبوط ہے اور علمی قوت کے ذریعے ان کو فائدہ نہیں پہنچا تو مالی قوت کے ذریعے تو بطریق اولیٰ عذاب دور نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے سمع اور بصر کا عدم افادہ ذکر کیا ہے اور تمکین کا عدم افادہ ذکر نہیں کیا۔ اس کا ذکر مقائسۃً چھوڑا ہے اور عذاب کا سبب ذکر کیا۔ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ کے ذریعے تو معلوم ہوا کہ اسباب عذابِ الٰہی کے مقابلے میں کوئی طاقت فائدہ نہیں دے سکتی ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

"اور تحقیق ہم نے تمہارے اردگرد بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں اور (طرح طرح) کی آیتیں ان کے سامنے بیان کیں تاکہ وہ رجوع کریں [27] پھر ان کی مدد کیوں نہیں کی ان لوگوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کے نزدیک مقرب ہونے کے لیے اپنا معبود بنا لیا تھا بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے اور یہی ان کا جھوٹ تھا جو وہ باندھتے تھے [28]۔

تفسیر 27: اس آیت میں اجمالاً تخویف دنیاوی ہے۔ مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى: اس میں ثمودیوں اور لوط علیہ السلام کی قوم اور اہل مدین کے واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ حجاز والوں کے قریب تھے۔ الْاٰيٰتِ: دلائل، نصیحتیں، تخویفات اور بشارتیں وغیرہ۔

تفسیر 28: اس آیت میں شرک کا رد ہے جو پہلے واقعہ کی تشریح ہے اور اس میں مشرکین کے شبہ کا جواب ہے: ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اے بزرگ! ہماری مدد کر یا شیخ عبدالقادر وغیرہ اس کی برکت سے ہم سے عذاب اور مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ سابقہ مشرک (عادی وغیرہ) بھی اس طرح کرتے تھے لیکن جب ان پر عذاب آیا تو ان کے معبودوں نے ان کی مدد نہیں کی۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً: اِتَّخَذُوْا کا پہلا مفعول هُمْ ضمیر ہے جو محذوف ہے جو الَّذِيْنَ کی طرف راجع ہے اور اٰلِهَةً مفعول ثانی ہے اور قُرْبَانًا حال ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قُرْبَانًا دوسرا مفعول ہے اور اٰلِهَةً اس سے بدل ہے یا بیان ہے لیکن زمخشری اور قرطبی نے اس پر رد کیا ہے۔ قربان ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہو تو مشرکین نے بزرگوں اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ اسی طرح سورۃ زمر آیت 2 میں گزرا ہے۔ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ: ضلال غائب ہونے اور بھول جانے اور غافل ہونے کے معنی

میں ہے اور یہ سارے معانی یہاں صحیح ہیں ۔وَ ذٰلِكَ: اِتِّخَاذُ الْاٰلِهَةِ کی طرف اشارہ ہے اِفْكُهُمْ توحید سے پھر جانا۔ یا ذٰلِكَ اٰلِهَة کے ضلال کی طرف اشارہ ہے اور اِفْكُهُمْ : میں مضاف پوشیدہ ہے یعنی اَثَرُ اِفْكِهِمْ چونکہ ان کے دو عقیدے ذکر ہوئے ایک معبود بنانا یعنی ان کی عبادت کرنا اور دوسرا تقرب الی اللہ کا دعویٰ کرنا اسی وجہ سے دو لفظ ذکر کیے اِفْكُ اور اِفْتِرَاء اور اسی طرح سورۃ ہود آیت 101 میں بھی ہے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾

"اور جب پھیر دیا ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت کو، وہ سننے لگے قرآن کو جب وہاں حاضر ہوئے، تو کہنے لگے : خاموش رہو جب قرآن (کا پڑھنا) ختم کیا گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے لوٹ گئے [29] کہا انھوں نے :اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، دین حق کی طرف اور راہ راست کی طرف ہدایت کرتی ہے [30]۔

تفسیر 29: جنات سے یہ دلیل نقلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی سچائی کے لیے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے، اسی طرح اس واقعہ میں دعوت کے طریقے کا بھی ذکر ہے کہ پہلے قرآن کا علم ہے، پھر قرآن کی طرف دعوت ہے ،پھر رسول کی اطاعت اور اجابت کی طرف دعوت ہے یہ واقعہ طائف کے سفر میں تھا کہ نبی کریم ﷺ بطن وادی نخلہ میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے کہ جنات نے سن لی یا یہ لیلۃ الجن میں نبی کریم ﷺ کا جنوں کو دعوت دینے کا واقعہ ہے اور پھر ان جنوں کو نبی کریم ﷺ نے ان کی قوم کے لیے داعی مقرر کیا۔ نَفَرًا: سات آدمی تھے یا نو تھے بعض نجران کے تھے اور بعض نصیبین کے تھے ۔يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ قرآن سننے کا ارادہ کر رہے تھے یعنی دور سے قرآن سننے کے لیے کان لگائے تو سننے کی طرف مائل ہوئے پھر قریب آئے ۔اَنْصِتُوْا: یہ قرآن کے آداب میں سے ہے اور اسی ادب کی وجہ سے ان پر رحم کیا گیا یعنی ہدایت ان کو نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دعوت کی توفیق دی جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 204 میں ذکر ہے ۔وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ: یعنی وہ اسی وقت ڈرانے کے ارادے سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے اور یہ ہر شخص کے لیے ادب ہے کہ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرے تو وہ اپنی قوم تک پہنچائے اور اسی طرح

سورۃ توبہ آیت 122 میں بھی ذکر ہے

تفسیر 30: اس آیت میں قرآن کریم کی طرف جنات کی دعوت کا ذکر ہے اور یہ دعوت کا اچھا طریقہ ہے مِنۢ بَعۡدِ مُوسٰی عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا اس وجہ سے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کو خبر نہیں تھی، یا اس وجہ سے کہ انجیل کی اصل تورات تھی یَهۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ: حق سے مراد صحیح عقیدہ ہے جو امر یقینی اور واقعی ہے اور طریق مستقیم سے مراد اتباع رسول ہے یعنی قرآن کا حاصل توحید اور سنت کی طرف دعوت ہے اور سورۃ جن آیت 1، 2 میں بھی اسی طرح ذکر ہے۔

یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوۡا بِهٖ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُجِرۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَیۡسَ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۲﴾

"اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کا کہنا مانو وہ (اللہ) تمہارے گناہ بخش دے گا اور دردناک عذاب سے پناہ دے گا [31]۔" اور جس نے اللہ کی دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں اور اسکے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہیں ہوگا۔ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں [32]۔

تفسیر 31: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کی طرف دعوت ہے۔ دَاعِیَ اللّٰهِ: سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام جن وانس کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ وَ اٰمِنُوۡا بِهٖ: یہ قبولیت کی تفسیر ہے اور اجابت میں ایمان کا ذکر اہم چیز ہے یَغۡفِرۡ لَکُمۡ: قبولیت کے دو فائدے ذکر کیے ہیں۔ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ: من گناہوں کی قسموں کے لیے عام ہے یعنی ایمان کے ذریعے ہر قسم کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، یا من تبعیض کے لیے ہے یعنی ان گناہوں کو بخشتا ہے جو ایمان لانے سے پہلے تھے اور اس میں یہ اشارہ ہوسکتا ہے کہ جنت میں بھی داخل کرے گا اس لیے کہ گناہ جنت میں داخلے سے مانع تھے تو جب گناہوں کو بخش دیا تو جنت میں داخلے سے رکاوٹ نہیں رہی اور اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے، یا نہیں اور صحیح یہ ہے کہ ان کا حکم انسانوں کی طرح ہے اور جنت کے استحقاق کے لیے جو دلائل انسانوں کے لیے ہیں وہ ان کے لیے بھی ہیں۔

تفسیر 32: رسول اللہ ﷺ کی اجابت چھوڑ دینے پر یہ زجر اور تخویف ہے۔ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ: اس میں عذاب الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ وَ لَیۡسَ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءُ: اس میں اشارہ ہے کہ بزرگ وغیرہ بھی ان کی مدد نہیں کرسکتے ہیں یعنی نہ اپنی قوت سے بچ سکتے ہیں اور نہ دوسروں کی مدد سے بچ سکتے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ: یہاں پر دو ہمزہ ضمہ

کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اَوْلِیَآءُ کا ہمزہ اور اُولٰٓئِکَ کا ہمزہ یہ قرآن میں کسی دوسری جگہ نہیں ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾

"کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے، ہاں بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے [33]۔

تفسیر 33: اس آیت میں قیامت کے انکار کرنے والوں کو زجر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو جاننے کے باوجود یہ قیامت سے انکار کرتے ہیں اور یہ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کی تفسیر ہے جو پہلی آیت میں گزری ہے۔ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ: اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کے نظام میں کچھ نقصان نہیں ہوا اگر تھکا ہوتا تو ضرور نقصان پیدا ہوتا، جیسا کہ سورۃ ق آیت 15 میں ہے۔ بِقٰدِرٍ: باء اثبات میں تاکید کے لیے بھی آتی ہے جیسا کہ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا میں ہے اور یہاں اَنَّ کا خبر ہے معنی کا خلاصہ یہ ہوا کہ آیا وہ اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کا خالق ہے تو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر بھی ہے۔ بَلٰۤى: اس میں اس نفی کا اثبات ہے جو اَوَلَمْ یَرَوْا میں ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کو جانتے ہیں لیکن علم کے باوجود وہ انکار کرتے ہیں اور اسی طرح سورۃ اسراء آیت 99 میں بھی ہے۔

فائدہ: سورۃ احقاف میں شروع سے بعث بعد الموت کی طرف اشارہ تھا اسی وجہ سے اضافی تاکید کے لئے باء لایا تاکہ مقصود خوب واضح ہو جائے۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

"اور جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں ہے وہ کہیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی! اللہ فرمائے گا عذاب کا مزا چکھو بسبب اس کے جو تم کفر کرتے تھے [34]۔

تفسیر 34: قیامت ثابت کر لے کے بعد اس کی ہیبت شان ڈرانے کے لیے بیان کرتا ہے پہلے آیت 20 میں بھی یوں گزرا ہے اُس میں عذاب کے اسباب کو ذکر کیا ہے اور اس میں عذاب کے ساتھ ساتھ انکار کرنے والوں کا اقرار ذکر

ہے۔ هٰذَا: دوبارہ زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾ ع

"تو آپ صبر کریں جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے جلدی نہ کریں گویا یہ جس دن عذاب کو دیکھیں گے گویا وہ نہیں رہے مگر دن کی ایک گھڑی، پیغام پہنچانا ہے پس نہیں ہلاک کیا جائے گا مگر نافرمان قوم کو[35]۔

تفسیر 35: جب توحید، رسالت، قرآن اور قیامت کے منکرین کا انکار ذکر ہوا تو ابھی تسلی دے رہے ہیں رسول ﷺ کو صبر کے حکم کے ساتھ اور عذاب کے ساتھ جلدی نہ کرنے کے ساتھ۔ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ: اَلْعَزْمُ سے مراد ہر قسم کے مصائب کے ساتھ مخلوق کو شکایت کرنے کے بغیر دین پر ڈٹے رہنا اور اس بارے میں اقوال مختلف ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ مِنْ بَيَانِيَه ہے اور سارے رسول اولوالعزم تھے اس لیے کہ تمام رسولوں میں عزم کا یہ معنی موجود تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ مِنْ تَبْعِيضِيَه ہے اور اس سے مراد پانچ رسول ہیں جو سورۃ شوریٰ آیت 13 اور احزاب آیت 7 میں ذکر ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ اٹھارہ پیغمبر ہیں جو سورۃ انعام آیت 84، 85، 86 میں ذکر ہیں اور سورۃ انعام آیت 90 میں ان کی اقتدا کا حکم ہے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ وہ چھ انبیاء مراد ہیں سورۃ الاعراف میں جن کے واقعات ذکر ہیں لیکن اس میں پہلا قول بہتر ہے۔

وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ: اس سے مراد یہ ہے کہ بے صبری کی وجہ سے جلدی ان کے لیے عذاب مت مانگو تو صبر اعلیٰ فضیلت میں سے ہیں اور استعجال اعلیٰ رذائل میں سے ہے تو پہلے کا حکم دیا اور دوسرے سے منع کیا ہے۔ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ: یہ بھی تسلی میں داخل ہے یعنی یہ عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں کہ عذاب ہم پر جلدی کیوں نہیں آتا لیکن جب آئے گا تو وہ خود اقرار کریں گے کہ یہ عذاب تو جلدی آیا ہے اس لیے کہ جو چیز گزر جاتی ہے تو وہ انسان بھول جاتا ہے، یا عذاب کی ہیبت کی وجہ سے یہ وہ لمبی زندگی اور مزے بھول جائیں گے۔ مَا يُوعَدُونَ: عام ہے دنیا کا عذاب ہو یا آخرت کا اور اسی طرح سورۃ مؤمنون آیت 113 اور سورۃ نازعات آیت 46 میں بھی ذکر ہے۔ بَلَاغٌ: یہ خطاب بھی نبی کریم ﷺ کو بہادری کے طور پر ہے یعنی عَلَيْكَ بَلَاغٌ یا مبتدا محذوف کی خبر ہے هٰذَا یہ قرآن بلاغ ہے اور مصدر کا حمل مبالغۃ ہے۔ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ: یہ بھی نبی کریم ﷺ کی تسلی میں داخل ہے یعنی تبلیغ کے بعد خاص عذاب نافرمانوں پر

آئے گا ہاں جب تبلیغ نہ ہو تو عذاب عام آئے گا۔

سورۃ الاحقاف کی خصوصیات:

۱۔ مشرکین سے دلیل کا مطالبہ

۲۔ مشرکین کے معبودوں کا انکی عبادت سے بے خبری

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی۔

۴۔ مشرکین کے بے بنیاد دعوے کا ذکر کہ ہم صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

۵۔ والدین کی طرف اولاد کی نسبت دو طریقوں سے ہوتی ہیں۔

۶۔ مشرکین کے معبودانِ باطلہ بوقت عذاب ان کی مدد سے عاجز ہیں۔

۷۔ جنات کا قرآن وسنت کی دعوت دینے کا ذکر ہے۔

اللہ کے فضل سے سورۃ احقاف کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۳۸ ۔ ۴۷ سورۃ محمد مدنیۃ ۹۵ ۔ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

"وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل ضائع کر دیے[1]۔

سورۃ محمد اور دوسرا نام سورۃ القتال ہے۔ یہ سورۃ، سورۃ فتح اور حجرات آخری حصے میں سے چوتھا باب ہے اس میں قتال اور انتظام کا مسئلہ ذکر ہو رہا ہے۔

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل کے ساتھ کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ ماقبل میں دعوت اور تبلیغ کا ذکر تھا تو اس سورت میں قتال فی سبیل اللہ کا حکم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت کے آخر میں فاسقین کی ہلاکت ذکر ہوئی تو اس سورت میں اس کی علت کا ذکر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں اصول اربعہ (توحید، صدقِ رسول، صدقِ قرآن اور قیامت) کو ثابت کیا ہے تو اس سورت میں اصول مُمِدّہ کا ذکر ہو رہا ہے جو قتال اور انفاق فی سبیل اللہ ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: آیت نمبر 4، میں قتال فی سبیل اللہ کا حکم ہے کافروں کے اٹھارہ حالات ذکر کرنے کے ذریعے سے جو قتال کے لئے علتیں ہیں اور ایمان والوں کو قتال (لڑائی) پر اُبھارنے کے لئے اٹھارہ صفات ذکر کی ہیں اور منافقین کے اٹھارہ قبائح ذکر کئے گئے ہیں جو قتال سے رکاوٹ کا ذریعہ ہیں اور توحید کا دعویٰ جو قتال کا مقصد ہے آیت 19، میں ذکر ہوا ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے پہلا باب آیت 19 تک ہے اور اس میں مشرکین کے اٹھارہ احوال اور ایمان والوں کی اٹھارہ صفات، دونوں فریقوں کے درمیان تقابل کے طور پر تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں اور پھر قیامت کے قریب ہونے کا تذکرہ بطور سے تخویف ہے آیت 18، میں اور آیت 19، میں توحید کا دعویٰ ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر 1: اس آیت میں کافروں کے تین حالات زجر کے لئے ذکر کئے یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جس میں یہ اوصاف ہوں۔

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ: اس سے مراد خیر کے وہ اعمال ہیں جن کے ساتھ وہ شرک اور کفر کو خلط ملط کرتے ہیں۔ جیسے عبادات،

اچھے اخلاق، قیدی چھڑانا، صدقات دینا، صلہ رحمی کرنا، مہمان نوازی کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ احسان کرنا یہ سارے ضائع ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور وہی ان کے لیے ان کے رب کی طرف سے حق ہے اللہ ان کے گناہوں کو دور کرے گا اور ان کی حالت کو درست کر دے گا [2]۔

تفسیر 2: اس آیت میں ایمان والوں کی پانچ حالتیں ذکر کی گئ ہیں اور ان کو بشارت ہے۔ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ: چونکہ اس سورت میں اس امت کا مقصد ذکر تھا اور پچھلی دو صفات تمام ایمان والوں کو شامل تھیں تو اسلئے یہ صفت ذکر کی تا کہ معلوم ہو جائے کہ صرف یہ امت مراد ہے، وَهُوَ الْحَقُّ: هُوَ ضمیر مَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ، یا ایمان لانے کی طرف راجع ہے اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ قرآن پر اور رسول اللہ ﷺ پر ان کا ایمان حقانیت کی وجہ سے ہے، نہ کہ عصبیت کی وجہ سے۔ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ: بَالَ سے مراد مطلق حال اور انکی شان ہے دنیاوی ہو، یا دینی اور اصلاح سے مراد اس میں دنیاوی اور اخروی فائدے ڈالنا اور ضائع کرنے سے بچانا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

''یہ اس وجہ سے کہ بیشک کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے [3]۔

تفسیر 3: یہ پچھلی دو آیتوں سے متعلق ہے یعنی اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ اور كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کے لئے ترتیب کے طریقے پر اسباب ذکر کر رہا ہے اور اس میں کافروں اور ایمان والوں کی ایک ایک حالت کا ذکر ہے۔ ذٰلِكَ: مذکور کی تاویل کے ساتھ اضلال اور تکفیر اور اصلاح کی طرف اشارہ ہے۔ الْبَاطِلَ: اس سے مراد باطل دلیل ہے جیسے هَوٰى (خواہش) کی اتباع اور بڑوں کی اتباع۔ الْحَقَّ: اس سے مراد دلیل حق یعنی قرآن وحدیث ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ: مثالوں سے مراد احوال اور صفات ہیں اور، هُمْ ضمیر دونوں فریقوں کی طرف راجع ہے یعنی دونوں گروہوں کی صفات اللہ تعالیٰ باقی لوگوں کو بتاتا ہے تاکہ لوگ حق اور باطل کو پہچان سکیں اور اس سے عبرت حاصل کرے۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝

"پس جب تم کافروں سے ملو تو ان کی گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب خوب ان کا خون بہاؤ تو انہیں مضبوط قید (میں) باندھ لو یا تو احسان کرنا ہے اس کے بعد، یا فدیہ لے لینا، یہاں تک کہ لڑائی اپنا سامان رکھ دے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے بدلے لیتا لیکن تاکہ وہ تمہارے بعض کو بعض سے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے تو ہرگز ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا[4]۔

تفسیر4: یہ پہلی دونوں قسموں کے حالات پر تفریع ہے یعنی اے ایمان والو! جب تمہارے یہ بلند حالات ہیں اور تمہارے مقابلے میں کافر ہیں جو کہ ذلت میں ہیں تو ان کو اس لیے قتل کرو تاکہ دنیا سے یہ ذلیل صفات مٹ جائیں۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ: اس میں اشارہ ہے کہ مؤمن صرف دفاع کرنے والا نہیں ختم کرنے والا بھی ہے نیز لَقِيتُمْ: کہا ہے اسی وجہ سے قتل کرنے والا ایسے عضو پر وار کرتا ہے کہ مقتول اس کی وجہ سے مر جائے اور وہ عضو گردن ہے اس کی وجہ سے گلے کی رگیں پھٹ جاتی ہیں۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ: اشارہ ہے کہ اگرچہ مؤمن رافع ہے (کافروں کو ختم کرنے والا ہے) لیکن ختم کرنے میں مقصد لوگوں پر رعب ڈالنا ہے کہ آئندہ مؤمن کے سامنے نہ آئیں اسی وجہ سے شدید خونریزی کے بعد قید کرنے کا حکم دیا۔ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً: ہر ایک سے پہلے فعل پوشیدہ ہے تَمُنُّونَ مَنًّا أَوْ تَفْدُونَ فِدَاءً امام قرطبیؒ نے اس آیت کے بارے میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں: یہ منسوخ ہے، یا ناسخ ہے، یا محکم ہے اور آخری قول کو راجح قرار دیا ہے کہ قتال کے ساتھ قیدی بنانا اور پھر احسان کر کے چھوڑ دینا یا فدیہ دے کر چھوڑ دینا یہ سارے کام جائز ہیں۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا: اس میں توجیہات ہیں اَلْحَرْبُ سے مراد جنگ کرنا ہے یا اہل حرب ہیں۔ أَوْزَارَهَا: سے مراد جنگ کا اسلحہ ہے یا اس سے مراد جنگ کے اسباب ہیں یعنی شرک اور کفر اور (جب) حرب سے مراد جنگ ہو تو ہتھیار رکھنے کی نسبت مجازی ہے اور اہل حرب مراد ہوں تو اسلحہ رکھنے سے مراد صلح کرنا، جزیہ ادا کرنا، یا اسلام

لانا ہے اور اگر مراد کفر اور شرک ہو تو یہ سورۃ انفال آیت 40، کے ساتھ مناسب ہوگا یعنی سارے لوگ مسلمان ہو جائیں اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا زمانہ ہے ۔ یہ امام مجاہدؒ سے امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ اَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث 2852 ۔ ذٰلِكَ: یہ ایک کلمہ ہے کہ فصیح اور بلیغ لوگ ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف انتقال کرتے ہیں تو یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں اور رفع کی جگہ میں ہے، مبتدا اس کا محذوف ہوتا ہے یعنی بات یہی تھی، یا خبر محذوف ہے یعنی یہ حکم کافروں کا ہے یا نصب کی جگہ میں ہے یعنی یہ کام کرو۔ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اس میں قتال کی فرضیت کی حکمت ذکر ہے جو کہ بندوں کی آزمائش کرنا ہے اور اللہ کے تمام فرائض میں یہی حکمت کارفرما ہے ۔ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا: یہ شہداء فی سبیل اللہ کے لئے تسلی ہے فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ: اس میں ایمان والوں کے شہداء کا حال ذکر ہے اور یہ آیت 1، کے مقابل ہے۔

سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

”عنقریب ان کو ہدایت دیگا اور ان کے حال کی اصلاح کرے گا“[5]۔ اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی تعریف کی ان کے لئے[6]۔

تفسیر 5، 6: اس آیت میں قتال فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب کے لئے مؤمن شہداء کی تین حالتیں ذکر کی گئی ہیں، موت کے بعد ہدایت کا معنی جنت تک پہنچانا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 43، میں ہے۔ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ: آیت 2، میں بَالَ (حال) کی اصلاح دنیا میں مراد تھی اور یہاں آخرت میں مراد ہے عَرَّفَهَا لَهُمْ: تعریف کرانے کے معنی میں ہے یعنی ہر جنتی کو اس کی منزل دکھائی جائے گی اور وہ اس کو پہچان لے گا یا عَرَّفَ سے ہے خوشبودار ہونے کے معنی میں اور اس میں مفسرین نے اور توجیہات بھی لکھی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا“[7]۔

تفسیر 7: قتال کے حکم دینے کے ساتھ دونوں گروہوں کے حالات ذکر کرنے کے بعد جہاد فی سبیل اللہ پر تشجیع اور ایمان والوں کی دو حالتیں ذکر کی ہیں اور یہ حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کرنے کی شرط پر دو وعدے ہیں۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ: نصرت اصل میں گروہ میں داخل ہونے اور گروہ مدد کرنے کو کہا جاتا ہے اور اسکو ہاتھ بٹانا بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ نے

دین بھیجا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بھیجا ہے اور دین جاری کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو اس میں (دین چلانے میں) مدد کرنے کو نصرت کہا جاتا ہے تو اس کے دو فائدے ذکر کیے، ایک اللہ کی طرف سے مدد ہے یعنی دشمن پر غلبہ دینا اور دوسرا دین پر مضبوط کرنا جیسا کہ سورۃ حج آیت 40 میں ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۞ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۞

"اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو ان کے لئے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال ضائع کئے [8] یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو ان کے اعمال ضائع کر دیے [9]۔

تفسیر 8: یہ ایمان والوں کے ساتھ نصرت الہٰی کی ایک قسم ہے اور کافروں کی دو حالتیں تخویف کے لیے ذکر کرتا ہے فَتَعْسًا لَّهُمْ: تعس اصل میں اوندھے منہ گر جانے کو کہتے ہیں جیسا کہ نکس سر کے بل گرنا ہے، پھر امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے دس معانی ذکر کیے ہیں، ان سب کا مقصد ایک ہے یعنی ذلیل ہونا وہ دس معانی یہ ہیں دوری، غم، مشقت، برا بھلا کہنا، ہلاکت، ناامیدی، قباحت، ذلیل ہونا، بدحال، بدبختی۔ وَ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ: اعمال سے مراد ایمان والوں کی مخالفت میں ان کے مکر وفریب ہیں۔

تفسیر 9: اس میں کافروں کی دو حالتیں ذکر ہو رہی ہیں۔ ذَٰلِكَ: مذکور کی تاویل سے تَعَس اور اضلال کی طرف اشارہ ہے، یعنی ان دونوں کے لئے سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کو ناپسند جانا ہے۔ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ: اس سے کفر اور شرک کے اعمال اور دوسرے قبائح وفواحش مراد ہیں فاء سببیت پر دلالت کرتی ہے یعنی ما انزل اللہ کو برا جاننا اور یہ برے اعمال کے پیدا کرنے کے لئے سبب ہے جیسا کہ یہ تعس اور اضلال کا بھی سبب ہے فاء خفیہ (پوشیدہ) سببیت پر دلالت کرتی ہے اور یا ظاہری سببیت کے لئے آتی ہے، تو یہ آیت دلیل ہے کہ قرآن اور سنت اور ان کے احکام کو برا جاننا اور ان سے نفرت کرنا ہلاکت، ذلت اور اعمال کے ضائع ہونے کے لئے ظاہری سبب ہے اور اس سے بدکاری، فحاشی اور دیگر برے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ۝11

"کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تا کہ دیکھیں جو کافران سے پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا، اللہ نے ان کو تباہ کیا اور کافروں کے لئے اس طرح عذاب ہے [10] یہ اس وجہ سے کہ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے اور کافروں کے لئے کوئی مددگار نہیں [11]۔

تفسیر 10: اس آیت میں دنیاوی تخویف ہے اور کافروں کی ایک حالت کا ذکر ہے اور تَعَس (ہلاکت) کی مثال ذکر کرتا ہے، واضح رہے کہ تعس (ہلاکت) ما انزل اللہ کی ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے۔ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: دمار مکمل ہلاک کرنے اور جڑ سے اکھیڑ دینے کو کہتے ہیں اور عَلَيْهِمْ: دمار کے ذریعے سے انکے گھیرنے پر دلالت کرتا ہے۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ: عمومیت کے لئے کفر کا وصف ذکر کیا جو تمام کافروں کے لئے مشترکہ وصف ہے أَمْثَالُهَا: ھا ضمیر عاقبت کی طرف راجع ہے یعنی سابقہ انکار کرنے والی قوموں پر جو ہلاکتیں آئی تھیں تو اسی طرح بعد والوں پر بھی آئیں گی۔

تفسیر 11: یہ ماقبل کے لئے سبب ہے اور ایمان والوں اور کافروں کی ایک، ایک حالت اس میں ذکر کرتا ہے۔ ذٰلِكَ: اس میں ایمان والوں کی نصرت اور کافروں کی ذلت اور ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: قشیری سے منقول ہے کہ یہ آیت کریمہ بڑی امید (خوشی) کی آیت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت (دوستی) عبادت کرنے والوں، وظائف اور ذکر کرنے والوں اور ریاضت کرنے والوں کے ساتھ خاص نہیں کی بلکہ صرف مؤمن ذکر کیا اور اسی آیت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد میں اعلان کیا تھا۔ لَنَا الْمَوْلٰى وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ: یہ کافروں کے اس قول، لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4043) کے جواب میں کہا تھا یعنی انہوں نے جب اپنے معبود باطل کی عظمت بیان کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان لفظوں میں جواب دینے کا حکم دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

"بے شک اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ فائدے اٹھا رہے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانا ہے [12]۔

تفسیر 12: فریقین کے حالات ذکر کرنے کے بعد ایک فریق کے لئے بشارت اور دوسرے کے لئے وعید ذکر فرمائی ہے اور ایمان والوں کی ایک حالت اور کافروں کی تین حالتیں ذکر کی ہے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: اس جملے میں اشارہ ہے کہ جنت کے یہ باغات ہمیشہ تروتازہ اور ترقی کے ساتھ ہیں۔ يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ: تمتع عام ہے کھانے، پینے، لباس، لہو لعب، زیب و زینت سب کو شامل ہے اکل: خاص ذکر کیا اشارہ ہے کہ ان کا بڑا مقصد کھانا ہے جیسا کہ سورۃ حجر آیت 3، میں گزرا ہے۔ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ: جانوروں کے ساتھ تشبیہ کی چیزوں میں ہے تلذذ میں، حلال وحرام کے درمیان فرق نہ کرنے میں، نیز شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنا اور آخر میں حمد اور شکر ادا نہ کرنا، کھانے کو مقصد سمجھنا اسی طرح کھڑے ہو کر کھانا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

"اور بہت سی بستیاں جو تمہاری اس بستی سے قوت میں زیادہ تھیں جس سے تمہیں نکالا، ہم نے ان کو ہلاک کیا، پس ان کا کوئی مدد کرنے والا نہیں [13]۔

تفسیر 13: اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے اور انکار کرنے والوں کو دنیاوی عذاب کی وعید ہے۔ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً: احقاف کی طرف اور اس کی طرح اور دوسرے سابقہ واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ: هُمْ ضمیر اہل قریہ کی طرف راجع ہے جو کہ محذوف ہے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾

"کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص کی طرح (ہو سکتا) ہے جس کے لئے اس کا برا عمل مزین کیا گیا اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی [14]۔

تفسیر 14: اس آیت میں تسلی اور تخویف کے اسباب ذکر فرمائے ہیں اور دونوں فریقوں کے درمیان تقابل ہے، مومنوں کی ایک حالت ذکر کی ہے اور کافروں کی دو حالتیں ذکر کی ہیں۔ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ: اشارہ ہے کہ ایمان والے (تقلید) سے محفوظ ہوتے ہیں بلکہ دلیل کے پیچھے چلتے ہیں۔ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ: یعنی شرک و بدعات ان کو ثواب معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ کہف آیت 104، سورۃ فاطر آیت 8، میں گزرا ہے۔ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ: یعنی عمل کرنے کے لئے وحی کو دلیل نہیں مانتے اور خواہش (نفس) تو دلیل نہیں ہے۔

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾

"اس جنت کی مثال جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے، اس میں پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں، جو بدبودار نہیں اور دودھ کی نہریں جن کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں، جن میں پینے والوں کے لئے لذت ہے اور صاف شہد کی نہریں اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہونگے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی، کیا اس شخص کے مثل (ہوسکتا) ہے جو آگ میں ہمیشہ رہے اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا [15]

تفسیر 15: اس آیت سے پہلے جنت کی بشارت کا ذکر تھا اب اس میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور فریقین کے بدلے اور انجام میں تقابل کا ذکر ہے۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ: یہ مبتدا ہے اگلی خبر پوشیدہ ہے (مَا تَسْمَعُوْنَ) یا ہمزہ استفہام محذوف ہے اور یہ مبتدا ہے اور كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ یہ خبر ہے اور درمیان میں جملہ حالیہ ہے۔ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ: یہ مشروبات کی قسموں کی صرف تفصیل ذکر فرماتے ہیں اور چونکہ مشروبات میں سب سے محبوب پانی ہے اس لیے اس کو پہلے بیان فرمایا۔ غَيْرِ آسِنٍ: دنیا کے پانی کے برخلاف، کیونکہ دنیا کے پانی کا ذائقہ کبھی اصلاً مختلف ہوتا ہے اور کبھی کسی عارض

(حب) سے بدلتا ہے جیسا کہ ایک جگہ زیادہ ٹھہر جائے یا کائی اس میں پیدا ہو جائے۔ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ: پانی کے بعد ہر ایک طبیعت کو زیادہ پسند دودھ پینا ہے، تو دوسرا ذکر دودھ کا کیا۔ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ: دنیا کے دودھ کے برخلاف کہ کبھی دو تھن سے نکلتا ہے اور ذائقہ خراب ہوتا ہے یا زیادہ وقت اس پر گزر جائے تو خراب ہو جاتا ہے۔ پانی کی صفت (غَيْرِ اٰسِنٍ) اسم کے صیغے کے ساتھ ذکر تھی اور دودھ کی صفت۔ لَّمْ يَتَغَيَّرْ: فعل کے صیغے کے ساتھ ذکر ہے یہ اشارہ ہے کہ جنت کے پانی کی یہ صفت ہمیشہ ہوگی اور جنتی بھی اس کا ذائقہ بدلنا نہیں چاہیں گے اور دودھ کا ذائقہ بذات خود نہیں بدلے گا لیکن اگر جنتی چاہیں کہ دہی یا لسی وغیرہ اس سے بن جائیں تو بن سکیں گے۔ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ: عام طبیعتیں پھلوں اور غلوں سے نکلا ہوا رس چاہتی ہیں، جس سے خمر (شراب) کی صورت بنتی ہے تو اس کی تفصیل ذکر کی۔ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ: یعنی اس کا رنگ، ذائقہ یا انجام اس طرح نہیں ہوگا کہ پینے والے اس سے نفرت کریں اور اس میں ذاتی لذت ہوگی، دنیا کی شراب کے برخلاف جس کا ذائقہ، رنگ اور عاقبت بھی مکروہ ہوتا ہے لیکن دوسری خارجی چیزوں سے اس میں عارضی لذت پیدا ہوتی ہے۔ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ: چونکہ عام طبیعتیں مشروبات کا میٹھا ہونا چاہتی ہیں اور عام میٹھی چیزوں کی مٹھاس عارضی ہے، اس وجہ سے اکثر اوقات میں یہ مٹھاس مضر (نقصان دہ) بھی ہو سکتی ہے اور عسل (شہد) کی مٹھاس اصلی اور ذاتی ہے اور وہ علاج اور شفا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عسل مختلف پودوں اور پھلوں سے نکالا ہوا رس ہوتا ہے تو شراب کے ساتھ اس کی مناسبت ہے۔ مُّصَفًّى: اسم مفعول کے صیغے کے ساتھ تصفیہ سے لانے میں مبالغہ ہے اس کی صفائی میں یعنی گویا کہ صاف کرنے والوں نے اس کو صاف کیا ہے۔ وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ: پہلے مشروبات ذکر ہوئے ابھی مطعومات (کھانوں) کا اجمالی ذکر ہے۔ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ: اشارہ ہے کہ دنیا میں کچھ میزبان مہمانوں سے دل میں ناراض ہوتے ہیں لیکن جنت میں اللہ سب سے راضی ہوگا اور اسی وجہ سے اللہ نے گناہوں کو بخش دیا ہے۔ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ: زجاج سے منقول ہے کہ تقدیری عبارت اس طرح ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ اُعْطِيَ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا: یہ جنت کے مشروبات کے مقابلے میں ہے یہ ایسا پانی ہے کہ منہ کے قریب کر دے تو منہ جل جائے گا اور چہرے کا چمڑہ اس برتن میں گر جائے گا جیسا کہ سورۃ کہف آیت 29، میں گزرا ہے پھر اندر انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور حدیث میں وارد ہے کہ یہ ٹکڑے ان سے نیچے کی جانب نکلیں گے (ترمذی حدیث 2582، امام ترمذی نے اسے صحیح اور البانی نے حسن

کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ 3470) اللھم اجرنا من النار

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

"اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جو علم دیے گئے ہیں کہتے ہیں کہ اس (نبی ﷺ) نے ابھی کیا کہا؟ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگائی اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں [16]۔

تفسیر 16: یہ کافروں کی اقسام کی طرف اشارہ ہے کہ بعض اس طرح عمل کرتے ہیں اور یہ منافق کا عمل ہے۔ مِنْهُمْ: ضمیر الَّذِيْنَ يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ: کی طرف راجع ہے اور اس آیت میں انکی تین حالتیں ذکر کی ہیں۔ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا: یعنی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کی طرف انکی توجہ نہیں ہوتی، غفلت میں ہوتے ہیں تو سمجھتے نہیں ہیں اور اس سے مراد وہ کلام ہے جو انہوں نے سنا یا وہ کلام ہے جو انکے نکلنے کے بعد تھا اور یہ اس کے بارے میں اس خیال سے پوچھتے ہیں کہ ہماری غیبت میں کیا کہا یا یہ غفلت میں نہیں ہوتے بلکہ بطور مذاق اور نفرت کے اس طرح کہتے ہیں کہ اس نبی نے کیا بے فائدہ باتیں کی ہیں۔ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ: یہ اللہ کے کلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو نہ سمجھنے کا سبب ہے یا ان کے ساتھ استہزاء ہے۔ اور آیت 14، میں جو خواہش کی اتباع ذکر تھی تو وہ ان کے بُرے عمل کے مزین ہونے کے لئے سبب تھا۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

"اور وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں ان کی ہدایت زیادہ کرتا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری دی [17]۔

تفسیر 17: یہ پہلے کے مقابلے میں ایمان والوں کی دو صفات ذکر فرمائی ہے۔ زَادَهُمْ: ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا قرآن سے فائدہ اٹھانے کی طرف یعنی ایمان والے جب قرآن سنتے ہیں تو اس کے سبب اللہ تعالیٰ انکی ہدایت بڑھاتا ہے اسلئے کہ یہ غفلت کے ساتھ نہیں سنتے اور مذاق بھی نہیں کرتے ہیں۔ وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ: یعنی قرآن سننے سے تقویٰ کے طریقے بھی سیکھ جاتے ہیں اور اس کی توفیق بھی حاصل ہوتی ہے۔

فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً ۚ فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمۡ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ ذِكۡرٰىهُمۡ ﴿۱۸﴾

''پس کیا یہ کافر انتظار نہیں کرتے مگر قیامت کا کہ ان پر اچانک آجائے، بے شک اس کی علامتیں آگئیں، پس جب قیامت ان پر آجائے گی تو ان کو ان کی نصیحت کس طرح ملے گی[18]۔

تفسیر 18: اس آیت میں آخرت کا خوف دلایا ہے اور کافروں کی ایک حالت کا ذکر ہے۔فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا: یعنی جب یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیامت کے منتظر ہیں (یہ کہتے ہیں) جب قیامت آجائے گی پھر ایمان لائیں گے۔اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً: یہ السَّاعَةُ: سے بدل اشتمال ہے یعنی قیامت تو ناگہاں آئے گی ان کو پھر توبہ کی مہلت نہیں ملے گی۔بَغۡتَةً: وہ حال ہے جس کی متعین تاریخ معلوم نہ ہو تو انسان نے تیاری نہیں کی ہوتی کہ اچانک آجاتی ہے اگرچہ اس کی نشانیاں معلوم ہوں۔فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا: شرط زخم کی نشانی کو کہا جاتا ہے جب وہ ٹھیک ہو جائے۔ یہاں اس سے مراد قیامت کی ساری علامتیں ہیں، جس کی پہلی علامت نبی کریم ﷺ کی بعثت ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔(بُعِثۡتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيۡنِ)(صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4936) تو نبی کریم ﷺ تو مبعوث ہو گئے ہیں اور اسی طرح انشقاق القمر اور دخان ہے اور یہ تو گزر گئے ہیں اسی وجہ سے جَآءَ فعل ماضی کے ساتھ فرمایا ہے اور پہلی علامت موجود ہوئی تو باقی پے در پے آئیں گی اس وجہ سے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے، اور باقی علامتیں احادیث میں ذکر ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: دین کا علم اٹھایا جائے گا، جہالت زیادہ ہو جائیں گے، غریب مالدار ہو جائیں گے، سود کھانا، شراب پینا اور زنا کرنا زیادہ ہو جائے گا، مرد کم ہو جائیں گے، عورتیں زیادہ ہو جائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ایک مرد منتظم ہوگا، امانت ضائع کر دی جائیگی۔یعنی کام نااہل لوگوں کے حوالے ہو نگے، جھوٹ کی گواہی اور جھوٹی قسمیں عام ہو جائیں گے، مسجدوں میں آوازیں بلند کر دی جائیں گے، موسیقی کے آلات عام ہو جائیں گے، دوستوں کو قریب کریں گے اور والدین اور رشتہ دار دور کر دیے جائیں گے تو یہ علامتیں ہمارے زمانے میں اکثر موجود ہیں لیکن اکثر لوگ پھر بھی غافل ہیں۔

فَاَنّٰى لَهُمۡ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ ذِكۡرٰىهُمۡ: ذِكۡرَاهُمۡ مبتدا ہے فَاَنّٰى خبر مقدم ہے۔اِذَا جَآءَتۡهُمۡ شرط (معترض) ہے جیسا کہ سورۃ فجر آیت 23، میں ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝

"پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور معافی مانگو اپنے بوجھ کی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے اور اللہ تعالیٰ تمہاری آمد و رفت اور رہنے کی جگہ جانتا ہے[19]۔

تفسیر 19: اس آیت میں توحید کا عنوان ہے جو مثال کا مقصد ہے۔ ماقبل آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پہلے قیامت کا قریب ہونا ذکر فرمایا تو ابھی قیامت کے عذاب سے بچنے کا طریقہ ذکر فرماتے ہیں تو تقدیری عبارت یہ ہے۔ اِذَا ثَبَتَ اَنَّ الذِّكْرٰى لَا تَنْفَعُ وَقْتَ مَجِيْءِ السَّاعَةِ فَاعْلَمْ: جب یہ ثابت ہوا کہ جب قیامت آئے گی تو نصیحت فائدہ نہیں دے گی تو ابھی ذکریٰ (نصیحت) کا علم حاصل کرو اور اول اور اہم نصیحت و ذکریٰ توحید ہے۔ فَاعْلَمْ پیغمبر ﷺ کو خطاب ہے اور مراد اس سے امت ہے یا اس سے مراد علم پر ڈٹ جانا ہے اور علم: اس کلمے (لا الٰہ الا اللہ) کے الفاظ اور معانی جاننا اور اس پر عقیدہ رکھنا اور اسکے تقاضوں کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سب کو شامل ہے اور یہ دلیل ہے کہ علم عمل سے پہلے ہے اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا۔ بَابُ الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ یعنی قول اور فعل سے قبل علم سیکھنا لازم ہے اور پھر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ: استغفار زبان کا قول ہے اور عمل بھی ہے اشارہ ہے کہ علم کے ساتھ کثرت سے استغفار کرنا ضروری ہے۔ لِذَنْۢبِكَ: سوال: نبی کریم ﷺ تو معصوم تھے تو ان کی طرف ذنب کی نسبت کیوں کی ہے؟ جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ ذنب سے مراد گناہ نہیں ہے بلکہ دل کا بوجھ اور مشرکین کے شرک کے سبب اور مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے ناراضگی ہے یعنی استغفر اللہ پڑھو دل کی ناراضگی کو زائل کرنے کے لئے اور اس پر یہ حدیث دلیل ہے: اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اَوْ مِائَةَ مَرَّةً (صحیح بخاری کتاب الدعوات حدیث 6307، صحیح مسلم حدیث 2702، ابوداؤد حدیث 1515، ترمذی حدیث 3259) یقیناً میرے دل پر بوجھ اور پریشانی آتی ہے تو میں ستر یا سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ دوسرا جواب: ذنب سے مراد افضل کام کبھی کبھی چھوڑ دینا ہے اگرچہ یہ گناہ نہیں ہے لیکن مقربین کی شان کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ تیسرا جواب: امام قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ گناہ سے بچنے کے لئے استغفار پڑھو۔ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ: یہ دنیا میں شفاعت کرنا ہے اور اشارہ ہے کہ ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے ایمان والوں کے لئے استغفار کرے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ: یہ دونوں لفظ کئی معانی پر مشتمل ہیں: (1) دن کو پھرنا اور رات کے آرام کرنے کی جگہ (۲) دنیا

میں تمہارے اعمال اور آخرت میں قبر و قیامت میں ٹھکانا (۴) سفر میں چلنا اور ایک جگہ قیام کرنا یعنی تمہاری حالتوں پر اللہ عالم ہے اسی وجہ سے اسکی توحید الوہیت کا علم ضروری ہے اور استغفار کرنا چاہئے نیز اس میں اشارہ ہے کہ علم اور عمل تم پر فرض ہے اور پھر ان کی عاقبت اور نتیجہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اختیار میں ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے ہیں کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ نازل کی گئی، پس جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو جن کے دلوں میں بیماری ہے، وہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کا دیکھنا جس پر موت سے غشی طاری ہو تو ان کے لیے تباہی ہے [20]۔

یہاں سے سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے اس میں منافقین کے لئے زواجر ہیں ان کے اٹھارہ قبائح ذکر کرنے کے ساتھ اور آیت 33، 35، میں قتال کے لیے ترغیب ہے اور تزھید فی الدنیا کے ساتھ انفاق کی طرف ترغیب ہے۔

تفسیر 20: میں منافقین کے لیے ان کے چار حالات ذکر کرنے کے ساتھ زواجر ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہ مخلص ایمان والوں کا قول ہے شوق جہاد اور وحی سننے پر حرص کرنے کے لئے یہ طلب کرتے ہیں یا اس سے مراد منافق ہیں یہ سورت کے نزول کا مطالبہ منافقت کے طور پر کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ نساء آیت 77، میں ذکر ہے۔ مُّحْكَمَةٌ: جو واضح مراد والی ہو اور منسوخ نہ ہو۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: نفاق اور بزدلی ہے جیسا کہ اس کا اثر بعد میں ذکر کیا ہے اَلْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ: موت کے وقت بے ہوشی کا آنا یا موت کے خوف سے بے ہوش ہوتے ہیں تو ان کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں، کھلی رہ جاتی ہیں اور اسی طرح بزدل آدمی کی آنکھیں خوف سے کھلی ہوتی ہے اور وہ ایک طرف دیکھتا ہے۔ فَاَوْلٰى لَهُمْ: امام اصمعی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز انکے قریب ہوئی جو انکو ہلاک کرتی ہے تو فَاَوْلٰى: فعل ماضی لازمی ہے اور فاعل اسکا حذف ہے یا فعل ماضی متعدی ہے فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور ھلاک مفعول اسکا محذوف ہے یا اَوْلٰى ویل کے معنی میں مصدر ہے یا اَوْلٰى کا معنی زیادہ لائق ہے اور مبتدا حذف ہے یعنی اَلْعِقَابُ اَوْلٰى لَهُمْ: یا اَوْلٰى، لائق کے معنی میں ہے اور خبر مقدم ہے اور مبتدا طَاعَةٌ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ہے۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

''اطاعت کرنا اور اچھی بات کہنا، پھر جب کام پختہ ہو جائے تو اگر اللہ کا وعدہ سچا کرتے تو ان کے لئے اچھا ہوتا [21]۔

تفسیر 21 طَاعَةٌ: کی خبر محذوف ہے یعنی خَيْرٌ لَّهُمْ یعنی اگر یہ جہاد سے نہ ڈرتے بلکہ اطاعت کرتے تو بہت اچھا ہوتا اور طَاعَةٌ سے مراد اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عمومی اطاعت ہے اور جہاد کے معاملے میں خصوصی اطاعت مراد ہے مَّعْرُوْفٌ: وہ چیز ہے جس کی شرعاً خوبصورتی معلوم ہو۔ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ: جہاد کا حکم مضبوط ہوا یعنی فرض ہوا ایسے طریقے پر کہ پھر منسوخ نہیں ہوگا۔ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ: یہ پورا جملہ اِذَا کے لئے جزاء ہے صدق سے مراد ایمان اور جہاد کے لئے مخلص ہونا ہے۔ لَوْ: جملے کے دونوں اجزاء کے ممتنع ہونے پر دلالت کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سچے نہیں ہیں تو یہ منافقین کی دوسری حالت ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

''پس عنقریب اگر تم پھر جاؤ تو ضرور زمین میں فساد کرو گے اور اپنی قرابتوں کو توڑ دو گے [22]۔

تفسیر 22 تَوَلَّيْتُمْ: سے مراد کتاب اللہ اور جہاد سے اعراض کرنا ہے، یہ قتادہ کا قول ہے، تو اس آیت میں اشارہ ہے کتاب اللہ اور جہاد سے اعراض کرنے کے برے نتائج کی طرف یعنی اگر تم قرآن سے منہ پھیر لو اور جہاد چھوڑ دو تو ملک میں گناہ، بغاوتیں اور بے گناہ قتل عام ہو جائے گا اور یہ فساد ہے اور رشتہ داری ختم ہو جائیں گے یعنی رشتہ داروں پر ظلم شروع ہو جائے گا اور جاہلیت کی طرح ایک دوسرے پر لوٹ مار شروع ہو گی یا تَوَلَّيْتُمْ: سے مراد والی بننا ہے یعنی اگر منافقین کو ولایت حکمرانی مل جائے تو قرآن وسنت کی مخالفت میں فساد کریں گے اور ظلم کرنے کے ساتھ اور رشوتیں لینے کے ساتھ فساد کریں گے تو آیت میں منافقین کی دو ایسی حالتیں ذکر ہیں جو اعراض کرنے یا ولایت حاصل کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ فائدہ: اَرْحَامَكُمْ امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ ارحام کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم عام اور دوسری قسم خاص ہے عام رحم یعنی دین اسلام کا تعلق اور یہ سارے مسلمانوں کا حق ہے اور خاص صرف نسبی رشتہ داروں کا حق ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی تو ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا[23] کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں[24]۔

تفسیر 23، 24: یہ منافقین کے مزید پانچ اوصاف ہیں جو دونوں آیتوں میں ذکر ہیں أُولَٰئِكَ: یہ گزشتہ اوصاف والوں کی طرف اشارہ ہے یعنی ماقبل (افساد اور قطع الارحام) لعنت کا سبب ہے اور لعنت اصمام اور آنکھوں کے عمی (اندھے ہونے) کے لئے سبب ہے فاء حرف اس ترتیب اور سببیت پر دلیل ہے۔ فائدہ: فَأَصَمَّهُمْ اذانهم: نہیں کہا اشارہ ہے کہ کان کاٹنے سے سننا ختم نہیں ہوتا اور آنکھیں نکالنے سے نظر ختم ہوتی ہے۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ: ہمزہ استفہام انکاری ہے تدبر کی نفی مراد ہے اور حرف فاء دلالت کرتا ہے کہ اصمام اور عمی تدبر قرآن سے نفی کا سبب ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کا مقصد صرف الفاظ کی تلاوت نہیں ہے بلکہ اس کے معانی مقاصد اور حکمتوں کو سوچنا ہے اور ایسے ہی سورۃ نساء آیت 82، میں گزرا ہے۔ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا: أَمْ بَلْ کے معنی میں ہے اور یہ تدبر قرآن کی نفی کے سبب میں ترقی کے لئے ہے یعنی تدبر نہ کرنے کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں جیسا کہ دروازے پر تالا لگ جاتا ہے تو اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی ہے تو اسی طرح ان کے دلوں کے اندر حق بات داخل نہیں ہوسکتی ہے فائدہ: قلوب نکرہ ہے اثبات کے سیاق میں ہے یعنی بعض دلوں پر تالے لگاتا ہے اور أَقْفَالُهَا: قلوب کی ضمیر کی طرف مضاف ہے یعنی اس سے مراد لوہے کے تالے نہیں ہیں بلکہ وہ تالے جو ان کے دلوں کے مناسب ہوں یعنی کفر اور عناد کے تالے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

"بے شک جو لوگ اپنی پیٹھوں کے بل پھر گئے بعد اس کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہوئی، شیطان نے ان کے لیے ان کا عمل مزین کیا اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے[25]۔

تفسیر 25: یہ بھی منافقین کو زجر ہے اور ان کا ارتداد یہ ہے کہ قرآن سے ان کو فرضیت قتال معلوم ہوئی اور پھر بھی اعراض کیا اور ارتداد کا سبب بھی ذکر کیا: سَوَّلَ لَهُمْ: تسویل سے مراد آسان کرنے کے ساتھ مزین کرنا ہے۔ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ: سوال: مہلت دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے شیطان کی طرف اس کی نسبت کیوں ہوئی؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ وَأَمْلَىٰ: ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے سورۃ آل عمران آیت 178 اور سورۃ مومنون آیت 55 کے قرینے کے ساتھ۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ

ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے کہ شیطان مہلت دیتا ہے یعنی وسوسوں کے ذریعے سے انسان سے موت کو بھلا دیتا ہے اور اس کی تائید سورۃ اعراف آیت 202 میں ہے سَوَّلَ میں اشارہ ہے شرک اور بدعت کے اعمال کی طرف جس کو یہ گناہ نہیں کہتے ہیں اس وجہ سے توبہ نہیں کرتے۔ وَ اَمْلٰی: میں اشارہ ہے کہ ان کا انھماک خواہشات اور شہوات نفسانیہ میں ہے لہٰذا توبہ کرنے سے غافل ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

"یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کی نازل کی ہوئی چیز کو برا سمجھا ہے، ہم عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے اور اللہ ان کی پوشیدہ بات کو جانتا ہے [26]۔

تفسیر 26: اس آیت میں منافقین کو زجر ہے اور تسویل الشیطان کا سبب ذکر ہے جو کہ بے دین لوگوں کے ساتھ ان کی بے دینی میں تعاون کرنا ہے یا تعاون کرنے کا وعدہ ہے۔ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ: ان کا ذکر اس سورت کی آیت 9، میں گزر رہا ہے اور یہ واضح طور پر کافر اور مشرک ہیں۔ بَعْضِ الْاَمْرِ: مراد نبی کریم ﷺ کی مخالفت ہے اور لوگوں کو اس کی اطاعت سے روکنا اور جہاد سے روکنا مراد ہے۔ شرک کا اظہار مراد نہیں ہے۔ اِسْرَارَهُمْ: یہ بات یہ لوگ چھپاتے تھے اور اسی طرح دیگر نفاق انہوں نے چھپا رکھے ہیں اور وہ یہاں مراد ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

"پھر کس طرح ہوگا جب فرشتے ان کو فوت کریں گے ان کے چہروں اور پیٹھوں کو ماریں گے [27]۔

تفسیر 27: یہ حالت نزع سے ذکر کیا گیا ہے اور حرف فاء دلیل ہے کہ یہ عذاب سابقہ ذکر شدہ اوصاف اور احوال کے سبب سے ہے، نیز چہرے اور پیٹھوں کے ساتھ تخصیص اس وجہ سے ہے کہ قتال کے اعلان کے وقت ان کے منہ پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور اسی چہرے کو بچاتے تھے کہ کہیں جنگ کے وقت اس پر وار نہ لگے اور بھاگنے کے وقت پیٹھ پھیر دیتے تھے تو اس آیت میں ان کی ایک حالت ذکر ہوئی اسی طرح سورۃ انفال آیت 50، میں گزر رہا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (28) ع

"یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوتے ہیں اور اللہ کی رضامندی کو انہوں نے برا سمجھا پس اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا [28]۔

تفسیر 28: اس آیت میں ان کی تین حالتیں ذکر فرمائی ہیں جو کہ گزرے ہوئے عذاب (چہرے اور پیٹھوں کو مارنے) کے لئے اسباب ہیں جو کہ لف نشر مرتب کے طور پر ہے یعنی چہروں کا مارنا مَاۤ اَسْخَطَ کی اتباع کے سبب سے ہے اور پیٹھوں کا مارنا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو ناپسند کرنے کے سبب سے ہے اور ان دونوں پر عمل کا احباط (ضائع کرنا) مرتب ہے۔ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب کفر کرنا ہے اور اس کے ساتھ خداع، (دھوکا بازی) فساد اور مؤمنوں کا مذاق اڑانا، ان تمام اعمال کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے۔ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ: اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ایمان، توحید، اخلاص اور قرآن وسنت کی اتباع ہے اور اس کو یہ برا جانتے ہیں۔

فائدہ: رضوان اسم کے صیغے کے ساتھ اور اَسْخَطَ فعل کے صیغے کے ساتھ ذکر کیے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے غضب پر غالب ہے۔ اَعْمَالَهُمْ: اس سے مراد وہ اچھے اعمال ہیں جو یہ منافق نفاق کی وجہ سے کرتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ (29)

"کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ اللہ ان کے کینے ظاہر نہیں کرے گا [29]۔

تفسیر 29: اس میں زجر ہے اور منافقوں کی ایک حالت کا ذکر ہے اور اس کے ذریعے منافقین کے گلے شکوے ختم کیے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہماری قباحتیں ظاہر نہیں کرنی چاہئیں تو اللہ نے فرمایا کہ ان کا یہ گمان غلط ہے کہ ہم ان کی قباحتوں کو ظاہر نہیں کریں گے۔ مَّرَضٌ: نفاق اور مؤمنوں کے ساتھ حسد، بغض ان کا مرض ہے، بعد میں اَضْغَانَهُمْ: کا لفظ اس پر دلیل ہے یعنی ان کی منافقت کے سارے اوصاف ایمان والوں کے ساتھ کینے کی وجہ سے ہیں۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ (30)

"اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ دکھلا دے تو آپ ان کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیتے اور بلاشبہ ضرور آپ ان کو بات کے لہجے سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہیں [30]۔

تفسیر 30: چونکہ منافقین کی بعض علامتیں اور صفتیں ذکر ہوئیں اور سب کو بیان نہیں کیا اس وجہ سے اس آیت میں

لَاَرَيْنٰكَهُمْ ذکر فرمایا ہے اس سے مراد تمام علامات کا دکھلانا ہے لیکن (لَوْ) دونوں جملوں کے ممتنع ہونے پر دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ نہیں ہے تو ان کی معرفت کی تمام علامات تمہیں نہیں بتلائیں۔ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ. یہ لَاَرَيْنٰكَهُمْ. پر عطف ہے لیکن جب اس میں انتفاء (نفی) کا معنی ثابت ہوا تو اس جملے میں بھی انتفاء کا معنی ہے یعنی آپ علامات کے ذریعے ان کو نہیں پہچانتے۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ: یہ ایک خاص علامت کا ذکر ہے یعنی لحن القول کے وقت ضرور ان کو پہچانیں گے۔ سوال: یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سارے منافقوں کو جانتے تھے اور سورۃ توبۃ آیت 101، سے صراحۃ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سب کو نہیں جانتے تھے؟ جواب: ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ توبہ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ توسم کے باب سے ہے علامت کے ذریعے پہچاننا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ سارے منافقین کو تعیین اور تفسیر کے ساتھ جانتے ہیں، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ لحن القول کے ساتھ پہچان سکتے ہیں لیکن ہر ایک منافق نے ہر وقت لحن القول نہیں کیا اسی وجہ سے سب کا علم حاصل نہیں ہوا۔ سوال: مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے جمعے کے دن ایک ایک منافق کا نام لیا اور مسجد سے نکال دیا اور چھتیس اشخاص کے نام لیے، تو معلوم ہوا کہ سارے منافقین کو جانا ہوگا (احمد 273/5 مجمع الزوائد 112/1 یہ روایت ضعیف ہے) جواب: اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے بعض منافقین کو پہچان لیا تھا سب کو نہیں پہچانا تھا۔ لَحْنِ الْقَوْلِ: لحن، کلام کو اس کے ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی طرف مائل کرنا ہے، ابوحیان نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ کلمات ہیں جو بظاہر خوبصورت ہوں اور مراد اس سے قبیح ہوں جیسا کہ راعنا وغیرہ اور لحن، غلط اور چالاک باتوں کو کہتے ہیں اور لحن، کلمات کی غلطی اور خطا کو بھی کہا جاتا ہے، یہ سارے معانی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ: اضافت استغراق کے لئے ہے یعنی تمہارے ظاہری اور باطنی سارے اعمال اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ پیغمبروں کو بھی مخلوق کے تمام اعمال کا علم نہیں ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

"اور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم جدا کر دیں تم سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو اور ظاہر کریں گے تمہاری خبروں کو [31]۔

تفسیر 31: پہلی آیت میں منافقین کی پہچان کے لئے ایک علامت ذکر کی ہے، تو اس آیت میں اس معرفت اور تمیز کے لئے

دوسرا طریقہ ذکر فرمایا ہے جو کہ مصائب یا عبادات اور فرضیتِ جہاد کے ساتھ ابتلاء (آزمائش) ہے اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، اسی وجہ سے حَتّٰى نَعْلَمَ بفرمایا ہے علم سے مراد اظہار اور تمیز ہے۔ الْمُجٰهِدِيْنَ: قتال اور شریعت کے باقی سخت اعمال کے لئے عام ہے۔ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ: اخبار باطنی حالات کے معنی میں ہے جو کہ اخلاص اور نفاق وغیرہ ہے یعنی جہاد اور صبر ظاہری اعمال ہیں اور اخلاص ونفاق باطنی اعمال ہیں یہ سب آزمائشوں کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب وہ اس آیت کی تلاوت کرتے تو رونے لگ جاتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! ہمارے پوشیدہ حالات کو مت ظاہر کرنا تاکہ ہم شرمندہ نہ ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲

32 بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی، بعد اس کے ان کے لیے ہدایت واضح ہوگئی، وہ اللہ کو کچھ ضرر نہیں دے سکتے اور عنقریب ان کے اعمال ضائع کرے گا[32]۔

تفسیر 32: اس آیت میں منافقین اور تمام کافروں کو زجر ہے اور ان کے پانچ حالات ذکر کیے ہیں۔ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مشاقہ شقاق اور شق سے ماخوذ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور سنت رسول کی مخالفت ضد اور عناد کے ساتھ کرتے ہیں، ایسے انداز میں کہ اپنی راہ کو رسول کی راہ سے دوسری جانب پھیر دیں۔ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ: اس سے مراد وہ مکر وفریب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳

33 اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو[33]۔

تفسیر 33: جب منافقین کے احوال ذکر کئے تو اب ایمان والوں کو منافقین کی ان صفات سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ: اس سے مراد منافقین کی وہ صفات ہیں جو پہلے بیان ہوئی ہیں ان سے ڈراتا ہے، جو اعمال کے برباد ہونے کا سبب ہیں پھر یہ جملہ عام ہے ہر ابطال کو شامل ہے چاہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ذریعے ہو یا مرتد ہونے یا کفر کے ذریعے سے ہو۔

فائدہ: ایک نفل یا سنت نماز شروع ہو اور اس وقت فرض نماز کی جماعت شروع ہو جائے تو نفل اور سنت کو فی الحال چھوڑ دے گا

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے "إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ" جب فرض نماز کے لئے اقامت ہو جائے تو اس فرض کی علاوہ کوئی نماز نہیں ہوگی۔(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 710) اور اس کو ابطال عمل کہنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ صحیح حدیث کی موافقت کرنا ہے اور اسی طرح نفل عمل شروع کرنے کے باوجود (حج اور عمرے کے علاوہ) پورا نہ کرنا یہ ان اعمال کا باطل کرنا نہیں ہے بلکہ اختیاری عمل کو چھوڑ دینا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور پھر ایسی حالت میں فوت ہوئے کہ کافر تھے تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا[34]۔

تفسیر 34: اہل ایمان کو مخاطب کرنے کے بعد اب کافروں کے لئے زجر ہے، پہلی آیت 32، ضدی اور عنادیوں کے بارے میں تھی اور یہ جاہل کفار کے بارے میں ہے۔ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ: اشارہ ہے کہ اگر موت سے پہلے اپنے کفر سے صحیح توبہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

"پس تم سستی نہ کرو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز تمہارے عمل کا ثواب کم نہیں کرے گا[35]۔

تفسیر 35: چونکہ کافروں کی خباثتوں کا ذکر فرمایا لہٰذا اب ایمان والوں کو جہاد کرنے پر ابھارتا ہے، تشجیع دیتا ہے اور بے ہمت ہونے سے انکو منع کیا جا رہا ہے۔ فَلَا تَهِنُوا: یہ سورۃ آل عمران آیت 139، میں بھی گزرا ہے وھن دشمن کو کمزوری دکھلانا اور حدیث میں اس کے دو سبب ذکر ہوئے ہیں (۱) دنیا کی محبت (۲) موت سے ڈرنا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم حدیث 4297، سلسلۃ الصحیحۃ 958) وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ: یہ وھن کی ایک صورت ہے کہ بذات خود صلح کی طرف دعوت دیں تو یہ وھن ہے اور اس آیت کی سورۃ انفال آیت 16، کے ساتھ مخالفت نہیں ہے اس وجہ سے کہ وہاں شرط لگائی گئی ہے کہ جب کفار صلح کرنے کا مطالبہ کریں تو پھر صلح کرنا جائز ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ شروع سے تم صلح کا مطالبہ مت کرو۔ چنانچہ اسی وجہ سے حدیبیہ میں صلح کافروں کے مطالبہ کرنے پر ہوئی۔ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ: مرتبہ اور عزت میں اللہ کے نزدیک بلند ہونا ہے یعنی اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ بلند ہے تو تم پست کام مت کرو، یا اس سے مراد حجت اور دلیل

میں بلند ہونا ہے، یا اس سے مراد عاقبت میں غلبہ ہے اگرچہ بعض اوقات کسی عارضی وجہ سے ایمان والے مغلوب ہوتے ہیں اور تشجیع کے لئے تین علتیں ذکر کیں: **پہلی علت** وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ. **دوسری علت** وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ اور **تیسری علت** وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ۔ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ: مدد کرنے اور دوستی کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ظاہری معنیٰ ہے تاویل نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معیت متشابہات میں سے نہیں ہے جیسا کہ امام بخاری اور دوسرے سلف نے یہ معنیٰ ذکر کیا ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہ متشابہات میں سے ہے یعنی معیت سے ظاہری معنیٰ مراد ہے اور اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے اسلئے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی فوقیت کے عقیدے میں شبہ پیدا کرتی ہے۔ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ: سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ کے مقابلے میں ہے اور اس سے مراد نیک اعمال کا ثواب ہے۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ اِنْ يَّسْـَٔــلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝۳۷

"بے شک دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں تمہارے اجر دے گا اور تمہارے مال تم سے طلب نہیں کرتا [36] اور اگر تم سے تمہارا مال طلب کرے تو زبردستی کریگا تم پر تو بخل کر جاؤ گے اور وہ تمہارے کینے کو ظاہر کردے گا [37]۔"

تفسیر 36 اس آیت میں دنیا سے بے رغبتی کا ذکر کیا جارہا ہے کہ دنیا سے محبت کرنا وھن کا سبب ہے اور اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب دی ہے۔ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا: وہ زندگی اور سامان جو دین کے لئے خرچ نہیں ہوتے ہیں۔ لَعِبٌ وَّلَهْوٌ: دونوں اس مفہوم (بے فائدہ امور میں مشغولیت) میں شریک ہیں لیکن لَعِبٌ میں اپنے آپکو خوش رکھنا مقصد ہوتا ہے اور یہ اکثر چھوٹے بچوں کے کام ہوتے ہیں اور لھو میں صرف اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہوتا ہے خوشی اور سرور مقصد نہیں ہوتا اور یہ جوانوں اور بڑے لوگوں کا کام ہوتا ہے یا آیت سے مراد دنیا کی زندگی کے جلدی ختم ہونے کے ساتھ تشبیہ ہے یعنی یہ زندگی ایسی جلدی ختم ہوتی ہے جیسا کہ لھو و لعب کا وقت کم ہوتا ہے اور جلدی ختم ہوجاتا ہے۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا: اشارہ ہے کہ دنیاوی زندگی کے ساتھ ایمان اور تقویٰ اکٹھا ہوجائے تو پھر اس کے ذریعے بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں اور تقویٰ سے اس آیت میں مراد جہاد اور خرچ کرنے کے ذریعے وھن اور بزدلی سے بچنے کا طریقہ ہے۔ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ: اس میں چار توجیہات ہیں: **پہلی توجیہ** یہ ہے کہ تم سے سارا مال

نہیں مانگتا بلکہ مال کا بعض حصہ جیسا کہ دسواں، بیسواں اور چالسواں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ تمہارے مال اللہ تعالیٰ اپنے لیے نہیں مانگتا بلکہ تمہارا خرچ کرنا تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ مال تمہارے مال نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہیں تو وہ تم سے اپنا مال مانگتا ہے تمہارے مال نہیں مانگتا ہے۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تم سے دین کی دعوت پر اجرت نہیں مانگتے پہلی تین توجیہات کے ساتھ خرچ کرنے کی طرف ترغیب ہے اور آخری توجیہ میں ایمان اور تقویٰ کی ترغیب ہے کہ اس کے ذریعے ثواب ملتا ہیں اور تمہاری کوئی چیز خرچ نہیں ہوتی یعنی فائدہ ہے نقصان نہیں ہے۔

تفسیر 37: اس آیت میں حکمت ذکر فرمائی ہے کہ اللہ تم سے سارا مال نہیں مانگتا تاکہ تم بخل اور کینے کے ظاہر ہونے سے شرمندہ نہ ہوجاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اور اپنے بندوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ فَيُحْفِكُمْ: احفاء لغت میں باتیں کرنے اور جھگڑا کرنے اور سوال کرنے میں انتہا تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ: اخراج سے مراد ظاہر کرنا ہے یُخْرِجْ ضمیر بخل کی طرف راجع ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا سوال اور احفاء کی طرف راجع ہے اور بعد والا لفظ دلیل ہے کہ یہ منافقین کو خطاب ہے اس لیے کہ پہلے معلوم ہوا کہ یہ (بخل اور ضغن) منافقین کی صفات ہیں۔

هَٰأَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾ ع

”آگاہ رہو کہ تم اس بات کی طرف بلائے جاتے ہو تاکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پھر بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں اور جس نے بخل کیا تو وہ اپنی جان سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم منہ پھیر لو تو تمہارے سوا اور لوگوں کو بدلے میں لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے [38]۔

تفسیر 38: پہلی آیت میں اس وقت کے بخل کا ذکر ہوا جب سارے مال کا مطالبہ کیا جائے، ابھی زجر میں ترقی کرنا ہے کہ سارے مال کو تو چھوڑو اگر تھوڑا حصہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کے لیے طلب کیا جائے تو پھر بھی یہ بخل کرتے ہیں۔ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ دوسری قسم محذوف ہے یعنی فَمِنكُم مَّن يَجُودُ لیکن یہاں بخیل لوگوں کو ڈانٹنا مقصود ہے اس وجہ سے ایک قسم کو ذکر کیا ہے۔ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ: عَنْ حرف میں اشارہ ہے کہ یہ بخل ان کے خبیث نفسوں کی پیداوار ہے۔ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ: اسی طرح سورۃ فاطر آیت 15، میں بھی گزرا ہے لیکن یہاں وَاللَّهُ الْغَنِيُّ: پہلے ذکر کیا ہے اور وہاں بعد میں، وجہ یہ ہے کہ یہاں وہم دور کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تو معلوم

ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے تو اس کے جواب میں وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ پہلے ذکر فرمایا اور سورۃ فاطر میں ردِ شرک فی الدعاء مقصود تھا تو مخلوق کی محتاجی پہلے ذکر کی کہ یہ مخلوق کس طرح اللہ کے ساتھ شریک ہو سکتی ہے کہ یہ تو خود محتاج ہے۔ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا: یہ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا پر عطف ہے آیت 36، میں واو استنافیہ ہے اِنْ شک کے مقام میں ذکر ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ مخاطب جو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں انہوں نے منہ نہیں پھیرا، اسی وجہ سے اللہ نے ان کی زندگی میں دین کی حفاظت انکے بدلے کسی دوسرے پر نہیں ڈالی ہاں جب سلف صالحین کے زمانے کے گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ اہل عرب نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے دین کا کام عجمیوں کے حوالے کیا، یا یہ مدینہ کے منافقین کو خطاب تھا کہ وہ موقعہ بہ موقعہ جہاد اور خرچ کرنے سے منہ پھیرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو رفتہ رفتہ ہلاک کیا اور ان کی جگہ دین کی حفاظت کرنے کے لئے انصار کو قائم کیا۔

سورۃ محمد کی خصوصیات:

۱۔ مؤمنین، مشرکین اور اہل نفاق کا تقابل و موازنہ۔

۲۔ قتال کے لئے کثرت سے اسباب کا تذکرہ۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا ذکر اور انکی اطاعت کی طرف دعوت۔

۴۔ قتال کی ترغیب اور بزدلی اور سستی کرنے پر تنبیہ۔

۵۔ توحید کی پہچان کے متعلق علم کی فرضیت۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ محمد کی تفسیر مکمل ہوگئی

آیاتھا ۲۹ | ۴۸ سورۃ الفتح مدنیۃ ۱۱۱ | رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱

"یقیناً ہم نے آپ کو فتح دی واضح فتح۔" [1]

سورۃ فتح ربط: اس سورت کا ماقبل سورت سے ربط کئی وجوہ ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ جب پہلی سورت میں قتال کا حکم ہوا تو اس سورت میں فتح اور انزال السکینہ کی بشارت ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ گزشتہ سورت میں ایمان والوں کی اٹھارہ صفات ذکر کیں جو قتال فی سبیل اللہ کی تشجیع کے لئے علتیں تھیں تو اب ان کی ایسی اٹھارہ صفات ذکر فرماتے ہے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کے اسباب ہیں۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ سابقہ سورت میں محمد ﷺ کا نام ذکر تھا تو اس سورت میں ان کی عظمتِ شان کا ذکر ہے۔ **چوتھی وجہ** یہ ہے کہ ماقبل سورت میں دعوت الی الصلح سے منع تھا تو اس سورت میں اشارہ ہے کہ اگر کافر صلح کی طرف دعوت دیتے ہیں تو صلح کرلو اور اسکو فتح سمجھو جیسا کہ صلح حدیبیہ میں ہوا۔

سورت کا مرکزی مضمون: نبی کریم ﷺ کو فتح کی بشارت دینا اور ان کی عظمتِ شان کا ذکر ہے اور مومنین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو انزال السکینہ کے ساتھ خوشخبری دینا ہے اور ان کی صفات کا ذکر ہے اور توحید کا مسئلہ مختلف تعبیرات کے ساتھ آیت 7، 9، 11، 14، 26، 27، میں وارد ہے اور اللہ تعالیٰ کے نو اسمائے حسنیٰ بھی ذکر ہیں۔

سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے: پہلا باب آیت 18، تک ہے اس میں دو بشارتیں ہیں اور ہر ایک کے ساتھ متعلق چار چار امور ذکر ہیں پھر رسول اللہ ﷺ کی سچائی اور ان کی عظمتِ شان توحید کے ذکر کے ساتھ بیان کی ہے پھر منافقین کی دس (۱۰) قباحتیں زجر کے طور پر مذکور ہیں اور عذر والوں کے عذر کا ذکر ہے جو کہ آیت 17، میں ہے۔

تفسیر [1] صحیح قول کے مطابق فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جو اسلام کے فتح کے لئے سبب بنا جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم فتح، فتح مکہ کو سمجھتے ہو ہاں وہ ایک فتح ہے اور ہم بیعت الرضوان کو فتح مانتے

ہیں (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4150) اور اسی طرح انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے واپس لوٹے تو صحابہ کرام بہت زیادہ مغموم اور پریشان تھے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں (صحیح مسلم کتاب لصلوٰۃ المسافرین حدیث 794) امام زہری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ صلح حدیبیہ سے بڑھ کر دوسری فتح نہیں تھی اس وجہ سے کہ مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ ملنا جلنا شروع ہوا تو مسلمانوں کی دعوت سے متاثر ہو کر تین سال میں بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔ فَتْحًا مُّبِيْنًا: اس میں بہت سارے معجزات ظاہر ہوئے اور غلبہ اسلام کے لئے سبب بنا اور جنگ بھی اس میں نہ ہوئی اس وجہ سے مبین صفت ذکر کی ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

" تا کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہاری اگلی اور پچھلی خطاؤں کو اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے اور صراط مستقیم پر تمہیں مضبوط کر دے [2] اور مدد کرے تمہاری اللہ تعالیٰ زبردست مدد " [3]۔

تفسیر [2] [3] فتح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار فوائد کا ذکر ہے۔ پہلا فائدہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ: لام عاقبت اور غایہ کے لئے ہے یعنی ان چار فائدوں کے لئے فتح سبب ہے اور سببیت کی وجہ یہ ہے کہ فتح مبین، جہاد اور قتال فی سبیل اللہ اور باقی تکالیف سہنے کے بعد آئی اور یہ کام گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے اس لیے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (سورۃ ہود آیت 114) اور مشہور یہ ہے کہ اِنَّ الْعَطَايَا عَلٰى مَتْنِ الْبَلَايَا (یقیناً انعامات مصیبتوں کی پیٹھ پر ہیں) دوسرا قول یہ ہے کہ لام فتح مبین کی علت کے لئے ہے یعنی فتح مبین اسی وجہ سے دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی ہے اور دوسرے کمالات دیے ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے چار امور مستقبل کے صیغے کے ساتھ ذکر کیے ہیں اور فتح ماضی کے صیغے کے ساتھ ذکر کی تو آنے والی چیز گزری ہوئی چیز کے لئے سبب نہیں ہو سکتی ہے۔

سوال: لفظ مغفرت اور ذنب دلالت کرتے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کئے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں؟ جواب: کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ گناہوں کو مستلزم نہیں ہے اس وجہ سے کہ ذنب سے مراد خلاف اولیٰ امور ہیں جو کہ گناہ نہیں ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے پریشانی کا سبب ہے لہٰذا اس

پریشانی کو اللہ تعالیٰ نے دور کیا اس کو مغفرت کہا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مغفرت عصمت کے معنی میں ہے جیسا کہ خطیب شربینی سے یہ قول منقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے بھی اور بعد میں بھی گناہوں سے محفوظ رکھا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ظاہر میں تنجیزیہ ہے لیکن تعلیق کے معنی میں ہے یعنی اگر آپ کے اگلے پچھلے گناہ ہوں تو اللہ نے ان کو بخش دیا ہے۔ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ: اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں: مجاہد کا قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد۔ دوسرا قول فتح سے پہلے اور فتح کے بعد۔ تیسرا قول: اس وقت سے پہلے اور اس کے بعد۔ چوتھا قول کہ منہی عنہ کا ارتکاب کیا ہو اور مامور بہ کو چھوڑا ہو۔ فائدہ 2: وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ: اس میں ان احکام کے نزول کی طرف اشارہ ہے جو فتح کے بعد نازل ہوئے اور اسی طرح اشارہ ہے کہ فتح کے بعد بہت سارے متکبر لوگ اسلام میں داخل ہو گئے جیسا کہ سورۃ نصر میں فتح کے بعد وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا آیا ہے۔ فائدہ 3: وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ہدایت تثبیت کے معنی میں ہے یعنی فتح (دین پر استقامت) تثبت فی الدین کے لئے سبب ٹھہرا۔ فائدہ 4: وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا: سوال: سورۃ نصر میں نصرت، فتح سے پہلے مذکور ہے اور یہاں فتح کو نصرت کا سبب ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ فتح نصرت سے پہلے ہے؟ جواب: اُس سورت میں نصر سے مراد غلبہ کے اسباب دینا ہے اور اس آیت میں مدد سے مراد تمام دشمنوں پر غلبہ دینا ہے تو مکہ فتح کرنے اور اس کے بعد جو فتوحات نبی ﷺ کو حاصل ہوئیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ عَزِيْزًا: عزت والا یعنی غلبے کے ساتھ عزت ہوگی یا عزیز عزیز الوجود کے معنی میں ہے (یعنی بے مثال) نصرت۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۟ۙ

" اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون نازل کیا تاکہ ان کے ایمان پر ایمان بڑھ جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے [4]

تفسیر 4: یہ انزال السکینہ کے ذریعے ایمان والوں کو دوسری بشارت ہے، اس سے مراد دین پر ڈٹ جانا ہے اور دل کا اطمنان ہے اور دل کے شبہات کا دور ہونا ہے، چونکہ حدیبیہ کے سفر کے مصائب، کفار کا روکنا، اور عمرہ کئے بغیر وطن واپس ہونا اور صلح کی بعض شرطوں کو جو بظاہر کمزوری کی دلیل تھی مان لینا، یہ سب رنج اور پریشانی کے اسباب تھے لہٰذا اس کے

اثر کوان کے دلوں سے دور کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قرآن میں ہر سکینہ طمانیت (اطمینان) کے معنی میں ہے۔ پھر ایک روایت میں سورۃ بقرہ کے لفظ سکینہ کا استثناء ہے لیکن وہ استثناء صحیح نہیں ہے اس لیے کہ وہ بھی طمانیت کے معنی میں ہے پھر انزال السکینہ پر چار فائدے مرتب کیے۔ فائدہ 1 لِيَزْدَادُوٓا۟ إِيمَـٰنًا مَّعَ إِيمَـٰنِهِمْ: اس فائدے کی تفریع کی وجہ یہ ہے کہ جب شبہات دل سے زائل ہوگئے اور نبی کریم ﷺ کے کئی معجزات (حدیبیہ کے سفر میں) ظاہر ہوئے تو اس کے ذریعے ایمان ضرور زیادہ ہوا اور ایمان کی اس زیادت میں چند اقوال ہیں:

پہلا قول: ایمان باللہ والیوم الاخر کے بعد دین کے شرائع پر ایمان لانا یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

دوسرا قول: اللہ اور رسول پر یقین تھا تو اس یقین اور اضافہ ہوا یہ امام ضحاک کا قول ہے یا ایمان فطری کے ساتھ ایمان شرعی اکٹھا ہوا تاکہ ایمان میں اضافہ ہو یہ بعد والا قول ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس واقعہ سے پہلے بھی ایمان شرعی تھا۔ فائدہ 2: یہ آیت دلیل ہے کہ نفس ایمان میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرح آٹھ آیات اس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے ذکر کی ہیں: مثلاً یہ بات معلوم ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان (یقین) اور ہمارے یقین میں بہت زیادہ فرق ہے اور بعض علماء نے اس سے اعمال کرنے کے سبب سے زیادت ایمان مراد لی ہے یعنی جس کے اعمال زیادہ ہوں تو ایمان بھی زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال کم ہوں تو ایمان بھی کم ہوگا اور یہ کہتے ہے کہ نفسِ ایمان (یقین) میں زیادتی نہیں آسکتی تو یہ قول ضعیف ہے بلکہ دونوں اضافے ثابت ہیں اور بعض علماء مطلقاً زیادت کے لفظ کے اطلاق سے احتراز کرتے ہیں بلکہ زیادت کی تاویل مضبوطی یا ظاہر ہونے کے ساتھ کی ہے حالانکہ ان کے پاس زیادت نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کا یہ قول بہت زیادہ کمزور ہے۔ قرآن کی تحریف معنوی کے قریب بات ہے ہاں مجتہد اجتہاد کی غلطی سے گنہگار نہیں لیکن اس کی غلطی میں مخالف کی دلیل کے ظاہر ہونے کے باوجود اس کی تقلید کرنا ظلم ہے۔ وَلِلَّهِ جُنُودُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ: یہ انزال السکینہ کے لیے علتِ حقیقی ہے یعنی مدد کرنے کے اسباب کے طور پر کبھی آسمانوں کے فرشتے بھیجتا ہے اور کبھی حیوانات اور زمین کے حشرات بھیجتا ہے اور یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے اور جب مدد کے اسباب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تو نصرت الٰہی جو کہ دل کے سکون کا سبب ہے وہ بھی اس کے اختیار میں ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

" تا کہ داخل کرے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو جنتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور دور کردے گا ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے [5]۔

تفسیر 5: انزال السکینہ کے مجموعے پر یہ دوسرا اور تیسرا فائدہ مرتب ہے ایمان کے اضافہ کے لئے یعنی اس مجموعے پر جنت کا دخول اور گناہوں کی بخشش مبنی ہے۔ فائدہ 1: قرآن کریم میں جہاں مؤمن مردوں کے ساتھ جنت کی خصوصیت کا وہم ہو وہاں وہم کو دور کرنے کے لئے مؤمن عورتوں کا بھی ذکر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں قتال اور فتح کا مسئلہ ہے اور یہ عمل اکثر مردوں کا ہے تو یہ وہم پیدا ہوا کہ جنت مردوں کے ساتھ خاص ہے تو مؤمنات (مؤمن عورتیں) ذکر کیں کہ جنت قتال کے عمل کے ساتھ خاص نہیں ہے لہٰذا اس کے اور اسباب بھی ہیں جو عورتوں میں موجود ہوں تو وہ جنت کی حقدار بن سکتی ہیں اور جہاں یہ وہم نہیں ہوتا تو ایمان والی عورتوں کا الگ ذکر نہیں کیا جاتا اس لیے کہ وہ مردوں کے تابع ہیں۔ فائدہ 2: گناہوں کی تکفیر اصل میں دخول جنت سے پہلے ہے لیکن بعد میں اس لیے ذکر کی کہ پہلے انسان جنت میں داخل ہونے کا اہل بن جائے حسنات کے ذریعے سے پھر گناہ کی تکفیر ہو سکتی ہے۔

وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

" تا کہ عذاب دے منافق مرد اور عورتوں کو اور مشرک مرد اور عورتوں کو جو اللہ پر برے گمان رکھتے ہیں، ان پر زمانے کی گردش ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب ہے اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کی ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے [6] اور اللہ ہی کے لئے ہے لشکر آسمانوں اور زمین کے، اللہ غالب اور حکمت والا ہے [7]۔

تفسیر 6: یہ چوتھا فائدہ ہے یعنی مؤمنین کی نصرت اور سکون دشمنوں کے غم اور پریشانی کا سبب ہے اور یہ دنیا کا عذاب ہے اور عذاب سے یہاں مراد دنیاوی عذاب ہے اور وہ منافقین اور کفار کا ذلیل اور مغلوب ہونا ہے اور اسی طرح ایمان والوں

کا ان کے قتل کرنے اور قید کرنے پر مسلط ہوتا ہے اور چونکہ اس قسم کے عذاب منافقین پر پہلے اور زیادہ آتے ہیں اس لیے کہ وہ ایمان والوں کے قریب رہتے ہیں اسی وجہ سے ان کو مقدم کیا۔ ظَنَّ السَّوْءِ: یہ گمان کرتے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک یا اولاد ہے، یا اللہ تعالیٰ وسیلہ (شرکیہ) کے بغیر ان کی حاجتوں کو پورا نہیں کرتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہیں ہیں یا اس کی صفات مخلوق کے صفات کے مشابہ ہیں اس کو برا گمان کہا جاتا ہے۔ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ: یہ سورۃ توبۃ آیت 98 میں بھی گزر رہا ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے یا دعائیہ ہے مگر بددعا کے طور پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک بندوں کو حکم اور تعلیم ہے کہ ایسی دعاء کرو اور دَآئِرَةُ السَّوْءِ دنیا کے مصائب مراد ہیں، ذلیل کرنے اور قید کرنے اور مغلوب کرنے اور دوسرے قسم کے عذابوں کے ساتھ "وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ" یہ دونوں جب الگ ذکر ہو جائیں تو ایک معنی میں ہوتے ہیں اور جب اکٹھے ذکر ہو جائیں تو ان کے درمیان فرق ہوتا ہے کہ غضب میں صرف غصہ اور ناراض ہونا ہے جس کا نتیجہ بدلہ لینا اور عذاب دینا ہوتا ہے اور لعنت میں ان سب کے ساتھ رحمت سے محروم ہونا مراد ہوتا ہے۔

تفسیر 7: یہ منافقین اور مشرکین کے عذاب کے لئے علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے پر قادر ہے اس لیے کہ سارے لشکر اس کے تصرف میں ہیں اور اس کی ملکیت ہے ان کے ذریعے عذاب دے سکتا ہے اور آیت 4 میں ایمان والوں کی مدد کے لئے یہ علت ذکر ہوئی اور اس وجہ سے اس آیت کے آخر میں عَزِيزًا ذکر کیا اور اُس کے آخر میں عَلِيمًا ذکر کیا تھا عزیز دشمن کے مقابلے میں اور علیم ایمان والوں کو تسلی دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ⑨

"بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق بیان کرنے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا [8] تاکہ تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے (دین) کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو" [9]۔

تفسیر 8: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کیا اور یہ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سے متعلق ہے لہذا یہ فتح دینے کی علت ہے یعنی فتح اس لیے دی گئی کہ آپ رسول برحق ہیں یا یہ فتح ممکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے۔ شَاهِدًا: شہادت دنیا مراد ہے اور شہادت سے مراد حق بیان کرنا ہے یعنی آپ بیان کرنے والے اور تبلیغ کرنے والے ہیں اور بیان کرنے کی

دو قسمیں ذکر کی بشارت اور انذار اور اگر شہادت سے اعمال پر گواہی مراد لی جائے تو مراد صرف وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ سامنے عمل کرتے اور جو اس سے یہ ثابت کریں کہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہے تو یہ قرآن کی تحریف کرتے ہیں۔ فائدہ: نبی کریم ﷺ کی صفت میں شَاهِدًا ذکر کیا ہے تو دنیا میں شہادت مراد ہے اور جو آپ ﷺ صفت میں شهید ذکر ہے تو وہ آخرت میں مراد ہے۔

تفسیر 9: اس آیت میں رسول کے بھیجنے کے چار فائدے ذکر کیے ہیں۔ پہلا فائدہ: ایمان باللہ والرسول ہے اشارہ ہے کہ تفصیلی ایمان اتباع رسول سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ: وَتُعَزِّرُوْهُ: ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ سے ولد اور شریک کی نفی کرنا ہے اور مشرکین کا رد کرنا ہے یا ضمیر رسول کی طرف راجع ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے دین اور سنت کی مخالفت کرنے سے لوگوں کو منع کرو گے اور ان کے شبہات کو دور کرو گے۔ تیسرا فائدہ: وَتُوَقِّرُوْهُ: اس ضمیر میں دونوں احتمال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توقیر اس کے نام کو عزت کے ساتھ ذکر کرنا اور خاص اس کی عبادت کرنا نیز اس کی صفات اور کمال پر ایمان لانا ہے اور رسول ﷺ کی توقیر ان کو صرف نام کے ساتھ نہ پکارنا، ان کی سنت کا احترام کرنا، ان کے نام کے ساتھ درود و سلام پڑھنا اور ان کی پوری اتباع کرنا ہے۔ چوتھا فائدہ: وَتُسَبِّحُوْهُ: یہ ضمیر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اگر گزری ہوئی ضمیر صرف پیغمبر ﷺ کی طرف راجع کی جائے تو پھر تُوَقِّرُوْهُ پر وقف ہو سکتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ گزرے ہوئے ضمائر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف کل واحد کی تاویل کے ساتھ راجع ہونے کا احتمال رکھتے ہیں اور تُسَبِّحُوْهُ کی ضمیر اللہ کے ساتھ خاص ہے ہاں بعض مفسرین نے یہ ضمیر بھی نبی ﷺ کی طرف راجع کی ہے اور تسبیح کا لغوی معنیٰ لیا ہے کہ نبی ﷺ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں لیکن عرف اور شرع میں یہ معنیٰ تسبیح کے لئے استعمال نہیں ہوا: بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا: اس سے مراد رات اور دن ہے ذکر جزء کا ہے اور مراد اس سے کل ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۰﴾ ع

"بے شک وہ لوگ جو تم سے بیعت کر رہے تھے یقیناً بیعت کرتے اللہ تعالیٰ سے، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے توڑ دی (بیعت) تو وہ اپنے نفس کے ضرر کے لیے توڑتا ہے اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس کا اس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا عنقریب اس کو بڑا اجر دے گا [10]۔

تفسیر 10: رسالت کو ثابت کرنے اور مقصد رسالت کو ذکر کرنے کے بعد اس کی اتباع کرنے والوں کو خوشخبری ہے اور جہاد پر تشجیع کا حکم ہے۔اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ: یہ بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے کہ اس سورت میں اس کی تفصیل بھی آئے گی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے بعض صحابہ نے موت پر بیعت کی اور بعض نے میدان جنگ میں ڈٹے رہنے کے ذریعے جہاد کرنے پر بیعت کی (یہ مختلف روایات کے درمیان تطبیق ہے) اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ: یہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے (وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی) اور یہ وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (نساء آیت 80) کی طرح ہے اور مبایعت بیع سے لیا گیا ہے اس لیے کہ ان (بیعت کرنے والوں نے) جنت کے بدلے میں اپنے نفس اور مال اللہ کو بیچ ڈالے جیسا کہ سورۃ توبۃ آیت 111 میں ہے۔یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ: اس میں اشارہ ہے کہ بیعت میں مردوں کے لئے ہاتھ دینا شرط ہے ہاں عورتوں کے لئے ہاتھ دینا منع ہے اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ (واللّٰہِ مَا مَسَّتۡ یَدُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم یَدَ امۡرَأَۃٍ قَطُّ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4891 / صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث/1866) اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی (غیر) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا آپ علیہ السلام خواتین سے زبانی بیعت کرتے تھے۔یَدُ اللّٰہِ: یَدُ سے مراد ظاہری معنیٰ ہے جو کہ ہاتھ ہے اور اسی طرح لفظ فوق کا معنیٰ اوپر ہونا ہے۔ لیکن مخلوق کے ساتھ تشبیہ و تمثیل نہیں اور اس کی کیفیت مجہول ہے یہ سلف صالحین کا عقیدہ ہے اور جس نے نصرت کے ساتھ یا احسان کرنے کے ساتھ، حفاظت کرنے یا قوت وغیرہ کے ساتھ اس کی تاویل کی ہے یہ ساری تاویلات باطل ہیں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے انکار کو مستلزم ہے کہ پھر یہ جملہ مستلزم ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ایمان والوں کی محنت اور عمل سے زیادہ ہے۔فائدہ: بعض لوگوں نے یَدُ اللّٰہِ سے رسول کا ید (ہاتھ) مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ حلول اور اتحاد کے

عقیدے کے ساتھ اللہ کا ہاتھ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ایک ٹھہرا ہے اور انکا یہ قول زیادہ کفریات کو مستلزم ہے اور اس توجیہ پر بقاعی اور خطیب شربینی نے لعنت کی ہے۔ فَمَنْ نَّكَثَ: یہ تخویف ہے وَمَنْ أَوْفٰى" یہ بشارت ہے عَلَيْهُ اللّٰهَ حفص کی قراءت میں ھا کے ضمہ (پیش) کے ساتھ، مقارنت (اللہ کے نام کے ساتھ یکجا ہونے) کی وجہ سے ہے جو کہ جلیل القدر بھی ہے اور عظیم بھی ہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿11﴾

"عنقریب پیچھے رہنے والے دیہاتی آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مال اور اہل نے مشغول رکھا ہے، پس آپ ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے یہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ آپ ان سے کہہ دینا: پس کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمھیں کچھ بچانے کا اختیار رکھے اگر وہ تمہیں ضرر دینے کا ارادہ کرے یا نفع دینے کا ارادہ کرے، بلکہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے [11]۔

تفسیر اس آیت سے آیت 16 تک منافقین کو زواجر یعنی ڈانٹ ہیں جو قریش کے ڈر سے اس جنگ سے رہ گئے تھے، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً ان کو ظاہر کیا تھا کہ ہم جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، فعلاً یہ کہ ذوالحلیفہ سے عمرے کا احرام باندھ لیا اور اپنے ساتھ قربانیاں روانہ کیں، پھر ان آیتوں میں منافقین کی دس خباثتیں ذکر کیں گئیں ہیں۔ اس آیت میں انکی تین قباحتیں ذکر کیں سَيَقُولُ: اور یہ دلیل ہے کہ وحی سفر کی حالت میں نازل ہوئی اور یہ پیشن گوئی یقین میں بدل گئی تو یہ اخبار بالغیب ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر دلیل ہے الْمُخَلَّفُونَ: اسم مفعول کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اشارہ ہے کہ ان کے دلوں کے نفاق کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے پیچھے چھوڑا: شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا یہ عمرے سے پیچھے رہنے کے لئے جھوٹا عذر تھا یعنی یہ کہتے ہیں کہ مال اور اہل وعیال کی حفاظت ضروری ہے اور ہمارا کوئی نائب بھی نہیں ہے جو انتظام کرے، اس وجہ سے ہم مشغول ہوئے فَاسْتَغْفِرْ لَنَا" بعد والے جملے کی

دلیل سے ان کا مغفرت کا مطالبہ کرنا استہزا کے طور پر ہے۔ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ: یعنی ان کے دلوں میں استغفار کا ارادہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتے۔ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جانا مال اور اہل کی حفاظت سمجھتے یہ تم سے ضرر دور نہیں کرسکتا اور نہ کوئی فائدہ دے سکتا ہے ضَرًّا: ہر طرح کا ضرر چھوٹا ہو یا بڑا ہو اہل میں ہو یا مال میں اسی طرح نَفْعًا: بھی عام ہے بَلْ اضراب کے لئے ہے یعنی ان سے نفاق اور حسد چھپانے کے لئے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَىٰٓ أَهْلِيْهِمْ أَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَإِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

"بلکہ تم یہ گمان کرتے ہو کہ رسول اور ایمان والے اپنے گھروں کو کبھی لوٹ کر نہ آئینگے اور یہ گمان تمہارے دلوں میں مزین کیا گیا تھا اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو [12] جو کوئی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے پس بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی [13] اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [14]۔

تفسیر 12: ان کی چار خباثتیں بیان کرنے کے بعد یہ بھی زجر ہے بَلْ: ترقی کے لئے ہے یعنی نفاق اور حسد کے ساتھ یہ لوگ فاسد گمان پر بھی گامزن ہیں۔ أَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ: مراد اس سے یہ ہے کہ یہ رسول اور ایمان والوں کی شان کو کمتر سمجھتے ہیں اور مشرکین کی شان کو اعلیٰ تصور کرتے ہیں اس وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں۔ وَزُيِّنَ ذٰلِكَ: اشارہ ہے کہ یہ گمان کرنا غیر اختیاری نہیں ہے بلکہ یہ اس بات پر خوش ہے کہ رسول اور مومن ختم ہو جائیں ظَنَّ السَّوْءِ مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اور مومنوں کی کچھ مدد نہیں کرتا اس لیے کہ یہ باطل دین پر ہیں بُوْرًا: بائر کی جمع ہے اس چیز کو کہتے ہیں جو خراب ہو جائے اور کچھ فائدہ اور خیر اس میں نہ ہو۔ وَكُنْتُمْ: یعنی یہ اس وقت سے پہلے بھی بے کار اور شریر لوگ تھے یا كُنْتُمْ صِرْتُمْ کے معنی میں ہے یعنی ابھی بے کار اور بے خیر ٹھہر گئے ہو۔

تفسیر 13: اس میں تخویف اُخروی ہے اور اشارہ ہے کہ ان منافقین کا ایمان شرعی نہیں ہے تو یہ کافر ہیں۔

تفسیر 14 : اللہ تعالیٰ کی صفات ذکر کرنے کے ساتھ اس میں توحید کا ذکر ہے اور اس میں مقصد ترغیب ہے کہ نفاق سے توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا اور ماقبل کے لئے علت بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے جس کو عذاب دیتا ہے تو کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

"عنقریب پیچھے رہنے والے لوگ کہیں گے جب تم غنیمتوں کی طرف چلو گے تاکہ انہیں لے لو، ہمیں چھوڑ دو تاکہ ہم تمہارے پیچھے چلیں، وہ چاہتے ہے کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں، آپ کہہ دیجئے کہ ہرگز ہمارے پیچھے نہ آؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا، تو وہ کہیں گے تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ نہیں سمجھتے مگر کم [15]۔

تفسیر 15 : اس آیت میں بھی منافقین کی چار خباثتوں کا ذکر بطور زجر ہے اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا اس سے خیبر کی غنیمتیں مراد ہیں اور اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ غزوۂ خیبر میں کم تکلیف تھی اس کی فتح آسان اور یقینی تھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صلح حدیبیہ سے واپس ہوئے تکلیفیں زیادہ پہنچیں اور سفر کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوا ان کے دل میں پریشانی تھی تو اس کو زائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ غزوہ خیبر میں بھی ان صحابہ کو لیکر جاؤ جو سفر حدیبیہ میں شریک تھے اور باقی کسی کو اجازت مت دو۔ ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ : چونکہ خیبر کی فتح آسان تھی، غنیمتیں حاصل ہونا یقینی تھی اسی وجہ سے منافقین نے بھی یہ مطالبہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ غزوہ خیبر کے لئے جاتے ہیں اور یہ اس بات پر واضح دلیل تھی جو انہوں نے کہا شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا کہ ان کا یہ عذر بالکل جھوٹا تھا اگر یہ واقعی مشغول ہوتے تو پھر خیبر کی طرف سفر کرنے کا مطالبہ کیوں کرتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ دنیا پرست ہیں۔ حدیبیہ میں غنیمت کی کوئی طمع نہیں تھی اور خیبر میں غنیمت کی یقینی طمع تھی تو غنیمت کی نیت سے یہ خیبر کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ كَلٰمَ اللّٰهِ: اس کی مراد بعد والے دو جملوں میں مذکور ہے۔ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ‌بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل حدیبیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں خیبر کی غنیمتیں دونگا۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ خیبر کی طرف نہ جائیں مگر صرف حدیبیہ والے، ان بعد والے دونوں اقوال میں وحی خفی کو کلام اللہ کہا گیا ہے یعنی احادیث بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد سورۃ توبہ آیت 83 ہے لیکن ابن جریر نے اس

قول کورد کیا ہے کیونکہ غزوۂ تبوک تو غزوۂ خیبر کے بعد تھا اور وہ آیت تو غزوۂ تبوک کے سفر میں نازل ہوئی ہے۔
فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا. حاصل یہ ہے کہ یہ تو وحی یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو مسترد سے مانتے نہیں بلکہ کہتے ہے کہ تم خیبر کے سفر یا غنیمتوں میں ہمیں شریک نہیں کرتے تو یہ آپ لوگوں کا ہمارے ساتھ حسد ہے یعنی منافقین حسد کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف کرتے ہیں اور حسد غیر سے نعمت الہٰی کے زوال کی تمنا کو اور اس کے زائل ہونے کے لئے کوشش کرتا اور حسد کسی بھی طریقے سے ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور صحیح حدیث میں وارد ہے (لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ) (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 73) لیکن اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ ہے یعنی رشک کرنا کہ اس کی نعمت کی طرح اپنے لیے طلب کرے تاکہ اس کے ساتھ برابر ہو جائے۔ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا: بَلْ ترقی کے لئے ہے یعنی کلام اللہ کو بدلنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کی طرف حسد کی نسبت جو کی ہے تو یہ جاہل ہیں۔ یعنی دین، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ إِلَّا قَلِيلًا: اس سے مراد دنیا کی باتیں ہیں جیسا کہ سورۃ روم آیت 7 میں ہے۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑯

"آپ کہہ دیجئے پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیرا جیسا کہ تم نے اس سے پہلے منہ پھیرا تھا تو تمہیں دردناک عذاب دے گا [16]۔

تفسیر 16: اس آیت میں ان کی منافقت کے اظہار کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ: ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ تو اگر یہ اس کے بعد قتال فی سبیل اللہ میں شریک ہو گئے تو ان کی یہ بات سچی ہوگی اور اگر نہ ہوئے تو جھوٹے ہوں گے مِنَ الْأَعْرَابِ "معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ سے صرف اعرابی (دیہاتی) پیچھے رہ گئے تھے اسی وجہ سے یہ لفظ پہلے بھی ذکر کیا تھا اور اس آیت میں بھی ذکر ہے۔ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ: اس سے مراد بنو حنیفہ اور اہل یمامہ کا قتال ہے جن کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تھی اور فارس اور روم ہیں جن کو عمر رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تھی اور اس تفسیر کی بناء پر اشارہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت حق ہے اس لئے کہ ان کے زمانے

میں قتال میں شرکت کرنے کو اجر حسن کا سبب اور شرکت سے اعراض کرنے کو عذاب کا سبب ٹھہرایا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ھوازن اور ثقیف کی لڑائی ہے یعنی غزوۂ حنین، اوطاس اور طائف لیکن اس قول پر اعتراض ہے کہ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا اور اسی طرح سورۃ توبہ میں لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا: گزرا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لڑنے کی دعوت نہیں دی ہے جواب یہ ہے کہ سورۃ توبہ کی آیت تو غزوۂ حنین کے بعد نازل ہوئی اور لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا میں منع کرنا غزوہ خیبر کے ساتھ خاص ہے۔ حرف سین سَتُدْعَوْنَ: میں دلالت کرتا ہے کہ یہ دعوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہے تو آخری توجیہ بہتر ہے اور یہ قتادہ اور عکرمہ کا قول ہے تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ یعنی ان دونوں میں ایک کام ہوگا قتال یا اسلام لیکن سورۃ توبہ آیت 29 کے قرینے سے یہ حکم اہل کتاب کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ ان سے ٹیکس لینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ بعض دوسرے کافروں سے بھی جزیہ (ٹیکس) لینا جائز ہے۔ سورۃ توبۃ آیت 29 صحیح بخاری کتاب الجزیۃ حدیث 3156 ابوداؤد کتاب الخراج حدیث 3043۔ كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ: اشارہ ہے احد، حدیبیہ اور دوسرے واقعات کے دن کی تولی (پیٹھ پھیرنے) کی طرف۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿17﴾

"اندھے پر کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو باغات میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو کوئی پھر جائے تو اس کو دردناک عذاب دے گا [17]۔

تفسیر 17: یہ معذوروں کا حکم ہے جو قتال کی فرضیت سے مستثنیٰ ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس میں اشارہ ہے کہ قتال کے علاوہ ان پر اطاعت طاقت کے موافق فرض ہے۔ جیسا کہ دعوت اور تبلیغ وغیرہ۔ فائدہ ۱: اعمی کو پہلے ذکر کیا اس لیے کہ لڑائی میں پہلے دیکھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اندھا ہونا ایسا عذر ہے جو ختم نہیں ہوتا پھر اسکے بعد اعرج ذکر کیا اس لیے کہ نظر کی صلاحیت کے بعد پاؤں کی سلامتی ضروری ہے اور یہ عذر بھی جلدی ختم نہیں ہوتا ہے اور جبکہ عرج (ایک پاؤں سے لنگڑا ہونا) عذر ہے تو دونوں پاؤں سے لنگڑا ہونا تو ضرور عذر ہے فائدہ ۲: حدیبیہ سے جو مسلمان رہ گئے تھے تو ان کے یہ تین عذر تھے اس وجہ سے ان کو خاص طور پر ذکر کیا ان کے علاوہ جہاد سے پیچھے رہنے کے اور عذر بھی ہیں، جو سورۃ توبۃ

آیت 19، 92 میں ذکر ہوئے ہیں یا احادیث صحیحہ میں ذکر ہیں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے پس جان لیا اللہ تعالیٰ نے جو ان کے دلوں میں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل کیا اور ان کو ایک قریب کی فتح دی [18] اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ لے لیں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے [19]۔

یہاں سے سورۃ کے آخر تک دوسرا باب ہے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آٹھ حالتیں ذکر ہو رہی ہیں جو حدیبیہ میں حاضر تھے اور ان کے لیے دنیاوی اور اخروی بشارتیں ذکر ہو رہی ہیں اور ان کے مقابلے میں منافقین اور مشرکین کو زجر ہے پھر منافقین کے ایک شبہ کا جواب ہے اور آخر میں نبی ﷺ کی عظمت شان اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کر تا دس صفات ذکر ہو رہی ہیں۔

تفسیر 18: اس آیت میں صحابہ کرام کی دو حالتیں اور تین بشارتیں ذکر کی گئی ہیں۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ: اس میں بہت زیادہ تاکید کے ساتھ پہلی بشارت ہے اور سورۃ توبہ آیت 100 میں اسی طرح بشارت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے ذکر ہوئی ہے اور اسی لفظ کی وجہ سے حدیبیہ کی بیعت کو رضوان کہا جاتا ہے اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ مختصراً اس کا سبب یہ تھا کہ مقام حدیبیہ تک نبی کریم ﷺ تقریباً پندرہ سو (1500) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ عمرے کے ارادے سے پہنچ گئے تو پہلا قاصد جو اس بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو مکہ والوں کی طرف بھیجا لیکن ان کے آگے بہت سے مشرکین حائل ہو گئے اور مکہ کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ آپ عمرہ کر لیں لیکن نبی ﷺ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اجازت نہیں دیں گے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ نہیں کریں گے انہی باتوں میں عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں دیر کر دی اور یہ خبر پھیل گئی کہ وہ قتل کر دئے گئے ہیں، تو اسی وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ بیعت کرو کہ لڑیں گے اور بھاگیں گے نہیں اور نبی ﷺ اس وقت کیکر کے درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیعت کی اور نبی ﷺ نے اپنے

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ہے اور یہ واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ کی رفعت شان کے لئے بڑی دلیل ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس نے درخت کے نیچے نبی ﷺ سے بیعت کی اور سعید بن المسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بھی ان بیعت کرنے والوں میں شامل تھا، جب اگلے سال ہم اس راستے پر آئے تو وہ درخت بالکل غائب تھا (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4163 تفصیل باب غزوۃ الحدیبیہ ملاحظہ ہو) اور تاریخ کے کتابوں میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض لوگ آنے اور ایک درخت کے نیچے نمازیں پڑھنے لگے اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ متبرک مقام ہے (اور یہ درخت انہوں نے اپنے خیال سے مقرر کیا تھا) تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم فرمایا اور اس راستے کو بند کردیا اور کتاب الاعتصام للشاطبی میں ہے کہ یہ کام عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے کیا کہ کہیں ایسے تبرکات کے ساتھ شرک کا دروازہ نہ کھل جائے لیکن اس امت پر افسوس ہے کہ انہوں نے متعدد پیروں کی چیزوں اور مکانات میں بیٹھنے سے ایسے طریقے سے تبرکات کا حصول شروع کیا ہے کہ جس میں ہر قسم کا شرک کرتے ہیں اس کو سجدے کرتے ہیں اس سے فائدہ لینے اور بیماریوں کے دور کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے لئے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور اس پر عرس کرتے ہیں۔ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ: مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ سے مراد صدق اور اخلاص ہے یعنی بیعت کرنے سے پہلے ان کا اخلاص اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا اور فاء علت کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ بیعت کے وقت اس وجہ سے راضی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اخلاص معلوم تھا۔ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ: یہ رَضِيَ پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا ان کے اطمینان اور باوجود کم تعداد کے شجاعت قتال کے لئے سبب ٹھہری وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا'' اس سے مراد خیبر کی فتح ہے جو حدیبیہ کے واقعہ کے ساتھ متصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بیعت کے اخلاص کے لئے خیبر کی فتح کو عوض ٹھہرایا۔

تفسیر 19: وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً یہ فَتْحًا پر عطف ہے اور اس سے مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں جو زمین باغات، نقدی اور دوسرے اموال ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4163 تفصیل باب غزوۃ الحدیبیۃ ملاحظہ ہو)

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۙ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝٢١

"اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا بہت ساری غنیمتوں کا کہ انہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تمہیں جلدی دیدی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ یہ ایمان والوں کے لئے نشانی ہے اور تمہیں سیدھے راستے پر مضبوط کردیا[20] اور دوسری غنیمتیں جن پر تم نے قابو نہیں پایا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے علم میں گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے[21]۔

تفسیر 20: یہ بھی دنیاوی بشارت ہے اور مغانم سے مراد خیبر کے بعد نبی ﷺ کی وفات تک ساری غنیمتیں ہیں هٰذِهٖ: یہ خیبر کی غنیمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ "وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ: یہ دوسرا معجزانہ انعام ہے جب نبی ﷺ نے عمرے کے سفر کا ارادہ کیا تو یہودیوں نے ارادہ کیا کہ مدینہ پر حملہ کریں اسی طرح جب غزوہ خیبر کا ارادہ کیا تو اسد اور غطفان قبائل نے ارادہ کیا کہ مدینہ پر حملہ کریں لیکن ان سب کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالا اور اپنے ارادوں سے واپس ہوئے۔ وَلِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ: یہ مقدر (پوشیدہ) پر عطف ہے یعنی تَشْكُرُوْهُ وَلِتَكُونَ اور تکون میں ضمیر راجع ہے خیبر کی غنیمتوں کی عجلت اور دشمن کے ہاتھوں کو روک لینے کی طرف مذکورہ تاویل کے مطابق اور مومنوں کے لئے آیت (دلیل) ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا ہے اگر یہ گھروں میں حاضر ہوں یا غائب ہوں یا نبی کریم ﷺ کی سچائی پر دلیل ہے۔ وَيَهْدِيَكُمْ: یعنی یہ معجزانہ کام ایمان کی زیادتی اور تثبت کے لئے سبب ہے۔

تفسیر 21: یہ بھی دنیاوی بشارت میں داخل ہے وَّاُخْرٰى: فعل پوشیدہ ہے یعنی وَعَدَكُمْ مَغَانِمَ اُخْرٰى اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد فتوحات ہیں جو بعد میں مسلمانوں کو دی گئیں جیسا کہ فارس اور روم اگرچہ پہلے اس پر قادر نہیں تھے قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا: یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں گھیری ہوئی تھیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محبوس اور محفوظ رکھی تھیں۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

"اور اگر تم سے وہ لوگ لڑیں جنہوں نے کفر کیا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر یہ کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے [22] اللہ تعالیٰ کے اس طریقے کی طرح جو اس سے پہلے گزرا ہے اور ہرگز اللہ کے طریقے میں تبدیلی نہیں پاؤ گے [23] اور اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا مکہ کے درمیان اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں ان پر غالب کر دیا اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ اس کو دیکھنے والا ہے [24]۔

تفسیر 22، 23: یہ بھی بشارت میں داخل ہے یعنی کافر تمہارے ساتھ نہیں لڑ سکتے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اس سے مراد حدیبیہ کے واقعہ میں مکے والے ہیں یا مراد سارے کافر ہیں۔ سُنَّةَ اللّٰهِ: فعل اس کا پوشیدہ ہے یعنی سَنَّ اللّٰهُ سُنَّةً یا کاف تشبیہ پوشیدہ ہے یعنی كَسُنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰی اور مراد اس سے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی کافروں کے مقابلے میں مدد کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تھی اور کافروں کو مغلوب اور تباہ کیا تھا۔

تفسیر 24: یہ بھی ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کے انعام کا ذکر ہے اور پہلی آیت کی تائید ہے یعنی تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے یہ لڑائی کے وقت پیٹھ پھیریں گے جیسا کہ اس خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ: (صحیح مسلم کتاب الجہاد 1808، ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3264، مسند احمد 122/3 ابو داؤد کتاب الجہاد حدیث 2688) ترمذی کی روایت میں ہے کہ کافروں کے اسی افراد صبح کے وقت جبل تنعیم کی طرف سے اترے اور ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کو قتل کریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کو پکڑ لیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے پھر ان کو آزاد کر دیا اس واقعہ کی بناء پر بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے اس وجہ سے کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ مکہ میں یعنی حرم میں داخل ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکہ میں جنگ کرنے سے بچا لیا باوجود اس کے کہ تمہیں غلبہ اور قدرت دی تھی تو اس تفسیر کی بناء پر بطن مکہ سے مراد نفس مکہ ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانیوں کو جو بندھی ہوئی تھیں یہ کہ پہنچ جائیں حلال ہونے کی جگہ میں اور اگر مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم ان کو روندھ ڈالتے تو تمہیں ان کی وجہ سے تکلیف پہنچتی بغیر کسی علم کے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کر دے اگر یہ (مکہ کے مسلمان) علیحدہ ہوتے تو ہم ضرور ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو دردناک عذاب دیتے[25]۔

تفسیر 25: اس آیت میں بالخصوص اہل مکہ کا حال ذکر فرمایا ہے اور اس وہم کو دور کرتا ہے کہ کوئی کہے کہ صلح حدیبیہ کیوں ہوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد فرماتے اور وہ مکہ والوں پر حملہ کرتے اور لڑائی ہوتی؟ تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ لڑنے کا سبب تو موجود تھا وہ ان کا کفر کرنا ہے اور ایمان والوں کو مسجد حرام سے روکنا ہے اور ھدایا (قربانیوں) سے روکنا ہے یہ پچھلے دو کام سے مسلمانوں کو روکنا اور قربانی کے جانوروں کو روکنا) مشرکین کے دین میں بھی ناجائز تھا لیکن لڑائی سے مانع موجود تھا جو کہ مکہ میں کمزور مسلمانوں کا موجود ہونا تھا اور ان لوگوں کا موجود ہونا تھا جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان مقرر کیا تھا یعنی اگر اسی وقت مکہ میں لڑائی ہوتی تو غلطی اور خطا سے یہ مومن بھی اس میں قتل ہو جاتے۔ وَالْهَدْيَ: یہ صَدُّوْكُمْ پر عطف ہے مَعْكُوْفًا: حال ہے محبوسًا (باندھی ہوئی اور بندکی ہوئی) کے معنی میں ہے اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ: یہ بدل اشتمال ہے الْهَدْيَ سے یا مفعول لہٗ ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مَحِل حاء کی زیر کے ساتھ غایہ اور انتہاء کو کہا جاتا ہے اور مَحَل حاء کے زبر کے ساتھ اترنے کی جگہ اور ٹھہر جانے کو کہتے ہیں۔ یہاں محل سے مراد قربانیوں کے ذبح کرنے یا نحر کرنے کی جگہ ہے اور وہ حرم شریف ہے۔ وَلَوْلَا رِجَالٌ: یہ قتال سے مانع کا ذکر ہے اور ان لوگوں سے مراد وہ ایمان والے ہیں جو ہجرت کرنے سے عذر کے سبب یا کافروں کے جبر کے سبب رہ گئے تھے لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ "یعنی تمہیں ان کے ایمان کا علم نہیں ہے یا تم انہیں شخصی طور پر نہیں جانتے ہو اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ" یہ "رِجَالٌ" اور "نِسَآءٌ" سے بدل اشتمال ہے اور اس سے مراد لڑائی کے وقت قتل کرنے یا زخمی کرنے یا مارنے کے سبب ان کو پامال کرنا ہے۔ فَتُصِيْبَكُمْ: فاء سببیہ ہے یعنی تمہارا ان کو پامال کرنا تمہاری مصیبت کا سبب ہے۔ مَّعَرَّةٌ: لسان

العرب میں کہا ہے کہ مَّعَرَّةٌ: خارش کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور اسی طرح گناہ، سختیوں، اذیٰ (مصیبت)، جنایت اور تاوان کو بھی کہا جاتا ہے تو یہاں معنیٰ یہ ہوگا کہ اگر ایمان والوں کو نہ جاننے کی وجہ سے قتل کرتے تو اس سے کافروں کا تمہیں بدنام کرنا لازم آتا اور تم پر مقتولین کی دیت لازم آتی اس لیے کہ اگر ایک مؤمن دار الحرب میں ہو اور ہجرت نہ کی ہو اور اسکے ایمان کا علم قاتل کو نہ ہو اور قتل کردیا جائے تو کفارہ لازم ہوتا ہے جیسا کہ سورہ نساء آیت 92 میں گزرا ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ: ایمان والوں اور مجاہدین کے عذر کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ کامل مؤمن دوسرے کو قصداً قتل نہیں کرتا اور لَوْ لَا کا جواب پوشیدہ ہے لَاَذِنَ اللهُ لَكُمْ فِي دُخُوْلِ مَكَّةَ اَوْ لَسَلَّطَكُمْ عَلَيْهِمْ. لِيُدْخِلَ اللهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ: محذوف کے لئے علت ہے یعنی تمہیں اہلِ مکہ پر مسلط نہیں کیا اس وجہ سے کہ بعض لوگوں کو ایمان کی توفیق دے اور اس طرح عملاً ہوا بھی کہ صلح حدیبیہ کے بعد بہت سارے لوگ مسلمان ہوگئے۔ لَوْ تَزَيَّلُوْا: یعنی اگر یہ ایمان والے کافروں سے الگ ہوجائیں تو پھر ان کافروں پر ضرور عذاب آئے گا؟ قتادہ سے روایت ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ ایمان والوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کافروں سے عذاب دور کرتا ہے اور اس قسم کے بہت سارے مسائل قرطبی نے یہاں ذکر کئے ہیں ان کو دیکھ لیں۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿26﴾ ع

"جب ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے دلوں میں غیرت ڈالی غیرت جاہلیت کی پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اطمینان نازل کیا اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور لائق بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے [26]

تفسیر 26: یہ بھی قتال کا سبب اور قتال سے مانع کا ذکر ہے یعنی مشرکین نے لڑائی کے لئے جاہلیت کی حمیت (غیرت) کو سبب بنالیا تھا اور اس میں ان مشرکین کی بہت زیادہ قباحتیں ذکر کی ہیں اور وہ یہ ہے کہ مسجد حرام اور عمرے سے روکنا تو ان کے دین میں بھی جائز نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایمان والوں کو روکا اور یہ خالص جاہلیت ہے اور غیرت کی جاہلیت یہ کہ صلح کے لفظ میں الرحمان الرحیم اور محمد رسول لکھنا نہیں مانتے اور اسی طرح اپنے باطل معبودوں کے لئے حمیت اور عصبیت کرتے ہیں۔ حمیت (غیرت کرنا) صرف حق پر جائز ہے لیکن باطل پر غیرت کرنا حرام ہے اسی وجہ

سے الْحَمِيَّةَ کے بعد حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ذکر فرمایا۔ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ: اس سے مراد صبر کی توفیق اور حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ کے مقابلے میں استقامت ہے اور اس کی طرف تو رسول بھی محتاج ہے اسی وجہ سے عَلٰى رَسُولِهٖ: ذکر کیا اور سورۃ کی آیت 4 اور 18 میں صلح حدیبیہ کی شرطوں کو تسلیم کرنا مراد تھا جو نبی کریم ﷺ نے مقرر کیں تھیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں اس سے ناراضگی تھی تو اس ناراضگی کو اللہ تعالیٰ نے دور کیا اسی وجہ سے وہاں صرف ایمان والوں میں انزال السکینہ ذکر کیا تھا۔ وَ أَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى: وہ کلمہ جس کے ذریعے شرک سے بچا جا سکتا ہے اور وہ توحید کا کلمہ ہے اور یہ تفسیر قرطبی میں مرفوع حدیث کے ساتھ اور صحابہ کرام کے اقوال کے ساتھ بھی ذکر ہے یا مراد یہ ہے کہ مشرکین شرک پر ڈٹے ہوئے تھے تو اللہ نے ایمان والوں کو توحید پر مضبوط کیا، یا مراد یہ ہے کہ ان پر کلمہ توحید کے لحاظ اور رعایت کو لازم کیا یعنی ایسا طریقہ اختیار کرو جس کے ذریعہ توحید کا کلمہ بلند ہوتا ہے۔ (الاسماء والصفات للامام البیہقی ص 106) وَ كَانُوٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا: اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ الزام ان پر جبراً اور کراہاً اور انکی اہانت کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ تو حقدار کو اس کا حق دینا ہے اور اَحَقَّ: اسم تفضیل میں اشارہ ہے کچھ لوگ ان کے بعد مسلمان ہوئے ہیں وہ اس کلمے کے حقدار ہیں لیکن اصحاب حدیبیہ سب سے زیادہ حقدار تھے وَ اَهْلَهَا: اس میں اشارہ ہے کہ انکا حقدار ہونا عارضی نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کلمے کے اہل تھے اور اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ اِخْتَارَهُمُ (الصحابة) اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى الثَّقَلَيْنِ سِوَى النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ الاصابة 12.1 امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں رجالہ موثوقون۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

"یقیناً سچا کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ ضرور تم مسجد حرام میں داخل ہوں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا امن کے ساتھ اپنے سروں کو منڈواؤ گے اور کترواؤ گے، نہیں تم ڈرو گے پس اللہ تعالیٰ کو وہ بات معلوم ہے جو تم نہیں جانتے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے قریب کی فتح دی [27]۔

تفسیر 27: اس میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو تسلی ہے اور یہ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ کے ساتھ متعلق ہے اور منافقین کے سوال کا جواب ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم مسجد حرام

میں داخل ہونے اور عمرہ کیا ہے حالانکہ یہ تو حدیبیہ سے واپس لوٹ آئے ہیں یعنی عمرہ نہیں کیا تو اس آیت میں جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خواب میں اس طرح نہیں کہا گیا کہ یہ کام اسی سال میں ہوگا تو اگلے سال یہ خواب ضرور سچا ہوگا۔ الرُّءْيَا: یہاں حرف فِي پوشیدہ ہے یعنی خواب میں ان سے سچ کہا گیا یا صَدَقَ مضارع کے معنی میں ہے کہ خواب کو سچا کردے گا تو الرُّءْيَا مفعول بہ ہوگیا بِالْحَقِّ: حق اور حکمتوں کے ظاہر کرنے کے لئے تو اس میں اس خواب کے فائدوں اور حکمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ سوال: إِنْ شَآءَ اللّٰهُ: یہ کلمہ شک کے لئے استعمال ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب نہیں ہے؟ جواب: کئی طریقوں سے ہے: پہلا یہ ہے کہ ابوعبید نے کہا ہے کہ إِنْ اِذْ کے معنیٰ میں ہے بہتر یہ ہے کہ اِذَا کے معنی میں ہو۔ دوسرا یہ جواب: ہے کہ یہ کلمہ بندوں کی تعلیم کے لئے ہے۔ تیسرا طریقہ: یہ ہے کہ اِنْ کَمَا کے معنی میں ہے۔ چوتھا طریقہ: یہ ہے کہ یہ کلمہ تبرک کے لئے ہے لیکن پھر بھی بندوں کی تعلیم کے لئے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تبرک کا محتاج نہیں ہے۔ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ: یہ اشارہ ہے طواف اور سعی کے بعد حلال ہونے کے اور عمرہ پورا ہونے کی طرف اور حلق (بال منڈوانا) قصر سے احرام کی تحلیل میں بہتر ہے اس وجہ سے "مُحَلِّقِيْنَ" پہلے ذکر فرمایا ہاں عام حالات میں حلق سے قصر بہتر ہے اس دلیل کے ساتھ کہ نبی ﷺ سے حج اور عمرہ کی تحلیل کے علاوہ حلق ثابت نہیں ہے اور وہ حدیث کہ جس میں مُحَلِّقِيْنَ (منڈوانے والوں) کے لئے تین مرتبہ دعا کی ہے وہ بھی احرام کے بعد حلال ہونے کے ساتھ خاص ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحج حدیث 1727 صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 1301) سوال: مُحَلِّقِيْنَ، لَتَدْخُلُنَّ سے حال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ داخل ہونے کی حالت میں حلق جائز نہیں ہے بلکہ حلق، دخول کے بعد طواف وسعی کر لے کے بعد ہے؟ جواب: لفظ اٰمِنِيْنَ میں حج کے پورا کرنے پر تمکن اور قدرت پالینے کی طرف اشارہ ہے صرف دشمن سے امن مراد نہیں ہے۔ لَا تَخَافُوْنَ: یہ بھی حال ہے۔ سوال: اٰمِنِيْنَ خوف کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو یہ لفظ پھر کیوں ذکر کیا؟ جواب: یہ عمرہ کرنے کے بعد امن کے دوام کو ثابت کرنے کے لئے ہے یعنی عمرہ کی حالت میں بھی امن ہوگا اور اسکے بعد بھی خوف نہیں ہوگا۔ "مَا لَمْ تَعْلَمُوْا" یہ مقدر (پوشیدہ) کے لئے علت ہے یعنی تمہارا عمرہ ایک سال تک موخر کیا گیا تو فا علت کے معنی میں ہے فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا صلح حدیبیہ میں جو حکمتیں تھیں ان کی طرف اشارہ ہے لیکن ایمان والوں کو پہلے سے ان کا علم حاصل نہیں تھا۔ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا: ذٰلِكَ اشارہ ہے خواب کی طرف اور فتح قریب سے مراد صلح ہے یا

ذٰلِكَ اشارہ ہے صلح کی طرف اور فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کافی ہے [28]۔

تفسیر 28: یہ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ: کے لئے علت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سچائی کا ذکر ہے ان مشرکین کا رد کرنے کے لئے جنہوں نے حدیبیہ کے صلح نامہ میں محمد رسول اللہ: لکھنے سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم آپ کی رسالت نہیں مانتے چنانچہ اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا گیا بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ: هُدٰى سے مراد قرآن ہے اور دِيْنِ الْحَقِّ: سنت کے ساتھ اس کی تشریح ہے یا هدٰى سے مراد عقیدہ ہے اور دِيْنِ الْحَقِّ: دوسرے احکام تیسرا یا هُدٰى سے مراد قرآن اور حدیث کے دلائل اور نصیحتیں ہیں اور دِيْنِ الْحَقِّ سے دونوں کے احکام اور مسائل مراد ہیں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" پہلی ضمیر دین کی طرف راجع ہے یا رسول کی طرف راجع ہے اور اظہار سے مراد غالب کرنا ہے اور: الدِّيْنِ مفرد جمع کے معنی میں ہے یا ضمیر رسول کی طرف راجع ہے اور اظہار سے مراد اخبار اور اعلام ہے اور الدِّيْنِ سے مکمل دین اسلام مراد ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی حقانیت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے اگرچہ یہ مشرک آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے اور اسی طرح آیت سورۃ توبہ 33 میں اور سورۃ صف آیت 9 میں بھی ہے لیکن ان سورتوں میں اہل کتاب کے مشرکین کا رد کرنا مقصود تھا تو ذکر کیا تھا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اور اس سورت میں صلح کرنے والے مشرکین پر رد ہے کہ صلح نامہ میں وہ رسالت کی شہادت نہیں دیتے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛۚ
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، ایک دوسرے پر مہربان ہیں، آپ دیکھتے ہیں ان کو رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے آثار سے، یہ ان کی مثال ہے تورات میں اور انجیل میں ان کی مثال ہے اس کھیتی کی طرح جس نے (زمین سے) اپنا پٹھا نکالا پھر مضبوط کیا اس کو پھر بڑا ہوا پس اپنی نال پر کھڑا ہو گیا، خوش کرنے لگا کسانوں کو تا کہ ان کے سبب کافر غصہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ لیا جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے بخشش اور ایک بڑے اجر کا [29]۔

تفسیر 29: رسالت کو ثابت کرنے اور مقصد رسالت ذکر کرنے کے بعد اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے اوصاف ذکر کئے ہیں اور یہ عام حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی دس صفات ہیں اور گزرے ہوئے آٹھ احوال صرف بیعت الرضوان کی حالت میں تھے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے جیسا کہ گزری ہوئی آیت کے آخر میں اسکا ذکر کیا گیا تھا۔ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ: یہ ماقبل پر عطف ہے جب محمد موصوف ہوا اور رسول صفت ہو تو درمیان میں وقف نہیں ہو سکتا اور بعد والی صفات رسول کے ساتھ صحابہ کرام کی ہیں۔ یا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ: مبتدا اور خبر ہے۔ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ: مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہے تو یہ صفات صرف صحابہ کرام کی ہیں اور یہ قول بہتر ہے مَعَهٗۤ اس سے موت تک صحبت کی معیت مراد ہیں اور صرف صحابہ اس سے مراد ہیں یا اتباع کرنے کی معیت مراد ہیں تو سارے ایمان والے اس سے مراد ہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ یہ پہلی صفت ہے اور یہ سختی کفر اور شرک سے نفرت کی وجہ سے ہے طبعی نہیں ہے اور حسن بصری سے روایت ہے کہ شدت میں صحابہ اس حال تک پہنچے ہوئے تھے کہ اپنے کپڑے بھی کافروں سے بچاتے تھے اور اپنے جسم بھی ان کے جسموں سے بچاتے تھے

۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے مشرک کے ساتھ مصافحہ کیا تو اپنے ہاتھوں کو دھولے یہ بھی شدت کے قبیل سے ہے اور شدت سے مراد مداہنت سے اپنے آپ کو بچانا اور دین پر ڈٹے رہنا ہے، شدت گالی دینے اور برا بھلا کہنے کے طور پر مراد نہیں ہے تاکہ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا سورة (طٰہٰ) کے ساتھ مخالفت نہ آئے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یہ دوسری صفت ہے رحم سے مراد ایک دوسرے پر ترس کھانا، پیار اور محبت کرنا اور مدد کرنا اور معاف کرنا ہے اسی طرح سورۃ مائدہ آیت 54 میں ذکر ہے۔ خطیب شربینی نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر زمانے میں حق یہ ہے کہ ان اخلاق کا لحاظ رکھیں، جو مسلمان نہ ہو اس پر سختی کریں اور مومنوں کے ساتھ احسان، صلہ رحمی، مدد کرنے، تکلیف دور کرنے اور ان کی غلطیوں پر صبر کرنے کے ساتھ زندگی گزاریں۔ تَرٰىهُمْ یہ اشارہ ہے کہ یہ صفات ان میں یقینی ہیں رُكَّعًا سُجَّدًا" یہ دو صفتیں ہیں اور یہ ان کے اعمال میں نماز کی اہمیت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ فائدہ: قیام ذکر نہیں کیا اس لیے کہ قیام کی حالت میں پورا معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ انسان نماز پڑھ رہا ہے یا نہیں، جبکہ رکوع اور سجدے کی حالت نماز پڑھنے کی ظاہری نشانی ہے۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا یہ پانچویں صفت ہے اس سے مراد تمام اعمال میں اخلاص پیدا کرنا ہے فَضْلًا سے مراد ثواب اور جنت ہے۔ اور رِضْوَانًا یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے یعنی فضل عام ہے اور رضا خاص ہے اور فضل کو رضا پر مقدم کیا اشارہ ہے کہ بندے کا حق (محتاج ہونے کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل بندے کا حق ہے اور رضا تو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہی بات فقہاء کے اس قول سے مراد ہے کہ بندے کا حق اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم ہے یعنی وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے بندے کا وہ حق مقدم ہے اس حق پر جو خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ یہ چھٹی صفت ہے اس میں کثرت نماز اور بالخصوص تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے، پھر اس کی نشانی میں مفسرین نے دو قول ذکر کیے ہیں: ایک یہ کہ یہ آخرت میں ہوگی اس لیے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس کا مضمون یہ ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ جہنم سے موحدین کو نکال دو تو ملائکہ سجدوں کے آثار سے ان کو پہچانیں گے اس لیے کہ جس عضو پر سجدہ کیا جاتا ہے تو جہنم کی آگ اسکو نہیں کھائے گی۔ (صحیح بخاری حدیث 806، 6573، 7438: فی الصلوٰۃ والتوحید، صحیح مسلم فی الایمان) اسی طرح امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن ان کے چہروں کا سفید ہونا ہے دلیل يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ہے۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ یہ دنیا میں ہے یعنی رات کو تہجد پڑھنے اور جاگنے کی علامت

جو کہ خشوع اور تواضع ہے یہ مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور ان کے چہروں کا پیلا ہونا یہ ضحاک نے فرمایا ہے اور یہ وہ نورانیت ہے جو تہجد پڑھنے والوں اور سنت کے اتباع کرنے والوں کے چہروں پر معلوم ہوتی ہے۔ اور راجح یہ ہے کہ یہ جملہ دونوں کو شامل ہے یعنی دنیا اور آخرت دونوں میں اسی طرح نشانیاں ہیں اور اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو تمام نمازوں کی پابندی کرتا ہے اور مفسر بقاعی نے فرمایا ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ اس سے مراد وہ سیاہ گرہ ہے جو بعض لوگوں کے ماتھے پر بن جاتی ہے یہ خوارج ہیں اور ابن کثیر نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان ایسی نشانی تھی تو فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتی تو بہتر ہوتا۔ اور بعض متقدمین علماء سے منقول ہے کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں لیکن ہماری آنکھوں کے درمیان کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوتی اور ابھی تو لوگ نماز پڑھتے ہیں تو آنکھوں کے درمیان اونٹ کے گھٹنے کی طرح نشانی دکھائی دیتی ہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ ان کے سر بھاری ہوئے یا زمین سخت ہوئی ہے اور ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ کبھی کبھی یہ نشانی اس شخص کی آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے جس کا دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے لیکن اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ریاء کے لئے اس طرح نشانی بناتے ہیں یا مشرک یا بدعتی ہوتے ہیں اور زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں اور اسی طرح نشانی پیشانی پر بن جائے تو اس طرح کے لوگوں کے پیشانی کی نشانی کو علماء نے بُرا سمجھا۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ یہ صحابہ کی ساتویں صفت ہے اس میں مفسرین کے دو اقوال منقول ہیں: اول یہ ہے کہ اس جگہ پر وقف کرنا ہے یعنی پہلے جو صحابہ کرام کی صفات ذکر ہوئیں اسی طرح تورات میں بھی ذکر ہیں۔ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ: سے نیا کلام (جملہ) شروع ہوتا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ وقف فِي الْاِنْجِيْلِ: پر ہوگا اور كَزَرْعٍ: سے نیا جملہ شروع ہے لیکن اس میں بہتر پہلی توجیہ ہے اور قرینہ یہ ہے کہ فِي الْاِنْجِيْلِ کے ساتھ لفظ مَثَلُهُمْ مستقل ذکر ہے، ماقبل پر عطف ہے اور فصیح کلام اس طرح ہوتا کہ دوسرا مَثَلُهُمْ نہ ذکر کیا جاتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دارمی اور مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں کعب الاحبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت میں تورات کی عبارت منقول ہے، اسی طرح بقاعی نے نظم الدرر میں اس آیت کی تشریح میں صحابہ کرام کے اوصاف میں تورات کی عبارت نقل کی ہے وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ '' كَزَرْعٍ یہ مثال کے طریقے پر صحابہ کرام کی آٹھویں صفت ہے اور مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کی ابتدا کی تو کمزور حالت تھی، ایک ایک آدمی دعوت قبول کرتا اور اپنے کو چھپاتا تھا اس لیے کہ دشمنوں کا خوف تھا جیسا کہ فصل کا جب پہلا پٹھا ظاہر ہوتا ہے تو کمزور ہوتا ہے اور پرندوں کے کھانے کا خوف بھی ہوتا ہے

پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں دعوت کو قوت دی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ کرام کے مل جانے کی وجہ سے دین ظاہر ہوا جس طرح پٹھا فصل کا قوی ہوتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے اور پرندوں وغیرہ کے کھانے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے پھر مکہ میں اور مکہ سے باہر گردونواح میں اور حبشہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت بن گئی جیسا کہ فصل بڑی ہو جائے اور مضبوط ہو جائے تو پھر مدینہ منورہ میں اپنی مستقل حکومت قائم ہوئی جیسا کہ فصل پک جائے اور فائدے عام ہو جائیں، قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ ایک قوم نکلے گی اور فصل اگنے کی طرح اُگے گی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گی۔ أَخْرَجَ شَطْأَهُ: شطأ بچے کو کہا جاتا ہے اور اس سے گندم مکئی اور جو کا پٹھا مراد ہے اور اخراج میں اسناد (نسبت) زرع کی طرف مجازی ہے یا فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ فَآزَرَهُ: یہ اَزَر سے ماخوذ ہے قوت اور انسان کی کمر کو کہا جاتا ہے جیسا کہ اُشْدُدْ بِهِ أَزْرِي فَاسْتَغْلَظَ غلظت سے مراد یہ ہے کہ فصل کا پٹھا جب بڑا ہو جائے تو لمبائی اور چوڑائی زیادہ ہوتی ہے فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ سوق سے مراد پودے کا وہ تنا ہے جو بڑا ہونے کے بعد اپنی جگہ پر کھڑا رہے ہوائیں اسکو ٹیڑھا نہ کر سکتی ہوں اور اگر ٹیڑھا ہو جائے تو جڑ سے نہیں اکھیڑ سکتی۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ" یعنی کاشت کار اپنی محنت کا پورا نتیجہ دیکھ لیتا ہے جب فصل پوری اور مضبوط ہو گئی تو وہ زیادہ خوش ہوتا ہے تو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترقی اور بڑی جماعت اور دین کی استقامت اختیار کرنے پر خوش ہوئے اور اس جملے میں صحابہ کرام کی آٹھویں صفت کی طرف اشارہ ہے تفسیر سراج المنیر میں کہا ہے کہ شَطْأَهُ: میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے فَآزَرَهُ: میں عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور فَاسْتَغْلَظَ: میں عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے فَاسْتَوَىٰ: میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ اس میں صحابہ کرام کی دسویں صفت کی طرف اشارہ ہے اور اس لام کا متعلق پہلی عبارت کا حاصل ہے، یعنی یہ صفات اور ترقی جو دونوں مثالوں میں ذکر ہوئی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اس لیے دی تا کہ کافر طیش میں آئیں اور ناراض ہو جائیں۔ ابن کثیر نے تفسیر میں لکھا ہے کہ امام امالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے روافض کے کفر کا استنباط کیا ہے جو صحابہ کرام کو برا سمجھتے ہیں اور اس مسئلے میں علماء کی ایک جماعت نے ان کے ساتھ موافقت کی اور قرطبی نے امام مالک رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ جو کوئی صبح اٹھے اور اس کے دل میں کسی صحابی پر بغض اور غیظ ہو تو اس کو یہ آیت پہنچ گئی ہے یعنی اس کے حکم میں داخل ہو گیا پھر قرطبی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان کے بارے میں اور ان کے

اختلافات کے بارے میں بہت اچھی تفصیل ذکر کی ہے، اس کو دیکھ لیا جائے وَعَدَ اللّٰهُ یہ بشارت ہے اور ایمان اور عمل صالح کی صفت میں اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف صحبت جنت کا سبب نہیں ہے بلکہ اصل سبب ایمان اور یقین ہے مِنْهُمْ: مِنْ جنس کے لئے ہے تبعیض کے لئے نہیں ہے اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب ایمان اور عمل صالح والے اور جنتی تھے لیکن مِنْ لانے میں تاکید ہے اور اشارہ ہے کہ ہر ایک صحابی مستقل اس بشارت کا حقدار ہے۔

فائدہ: شربینی نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں سارے حروفِ معجم (نقطوں والے تمام حروف) جمع ہیں تو اس میں باریک اشارہ ہے صحابہ کرام کی معیت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے کامل ہونے اور پورا ہونے کی طرف، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اس وعدے کا حقدار بنا دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام کے ساتھ ہماری پوری محبت پیدا کرے اور ان کی اتباع کرنے کی ہمیں توفیق عطاء فرمائے اَللّٰهُمَّ اٰمِیْن۔

سورۃ محمد کی خصوصیات:

۱۔ کثرتِ فتوحات اور غنائم کی خوشخبری۔

۲۔ صلح حدیبیہ کا تذکرہ۔

۳۔ بیعت رضوان کا ذکر۔

۴۔ کثرت سے خوشخبریاں اور صحابہ کرامؓ کے عظیم صفات کا ذکر۔

۵۔ منافقین کی برائیوں کا تذکرہ۔

سورۃ فتح کی تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے مکمل ہوئی

آیاتہا ۱۸ ۴۹ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰٦ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

"اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے آگے پیش دستی نہ کرو، اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے [1]۔

سورۃ الحجرات ربط: اس سورت کا سورۃ فتح سے ربط کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں مثال کے طریقے پر صحابہ کرام کی عظمت اور ان کا ترقی کرنا ذکر ہوا تو اب اس سورت میں ان کے اور تمام مسلمانوں کے درمیان تفرق اور اختلاف کو دور کرنے کے آداب ذکر فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ذکر کی تو اس سورت میں ان کے احترام کے لئے اصول ذکر کیے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں صحابہ کرام کے ایک قسم کی اٹھارہ صفات ذکر ہوئیں تو اس سورت میں دوسرے سولہ اوصاف اور احوال ذکر کیے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: اختلاف اور تفرق کو دور کرنے اور اتحاد اور اتفاق کے بقاء کے لئے اصول اور آداب کا ذکر ہے جو دس اوامر اور آٹھ نواہی کے طور پر ہیں۔

سورت کا خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تفرق کو دور کرنے کے لئے سات آداب ذکر فرماتے ہیں، پھر منافقین کے لئے زواجر ہیں کہ وہ ان آداب کا لحاظ نہیں رکھتے اور دو گروہوں میں تمیز کے لئے ایمان والوں کے اوصاف ذکر فرماتے ہیں، اور منافقین کے لئے زجر ہے ان کے ایمان کا دعویٰ کرنے پر کہ یہ ایمان کا دعویٰ اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خبر دے رہے ہیں یا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان ظاہر کرتے ہیں اور یہ دونوں گھٹیا اخلاق ہیں اور آخر میں شرک فی العلم کا رد ہے۔

آداب کی تفصیل: پہلا ادب قرآن وسنت کے مقابلے میں کسی کی رائے مت پیش کرو اس کی وجہ سے تفرق آتا ہے اور تمام امور میں اور اس کے مقررہ اوقات میں قرآن وسنت کی رعایت کرنا آیت 1 میں مذکور ہے۔ اور آیت 2، میں دوسرا ادب

صاحب الشرع اور احکام شرعیہ کی توہین سے اپنے آپ کو بچانا اور احکام شرعیہ کی صفات اور کیفیات کی رعایت کرنا مذکور ہے پھر آداب کا لحاظ کرنے والوں کے لیے بشارت ہے آیت 3، میں اور آداب سے اعراض کرنے کے لئے زجر ہے آیت 4، 5 میں۔ تیسرا ادب: فاسق کی خبر قبول کرنے سے اپنے آپ کو بچانا تاکہ اختلاف نہ ہو جائے اور تحقیق کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی ترغیب اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کی ترغیب آیت 7، 8، میں ہے۔ چوتھا ادب: آیت 9 اور 10، میں اختلافات اور جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے ایمان والوں کے درمیان مصالحت کرنے کا حکم ہے۔ پانچواں ادب: آیت 11، میں اہل ایمان کی تحقیر و تذلیل سے تین طریقوں کے ساتھ اپنے آپ کو بچانا ہے اور یہ (تحقیر و تذلیل) تکبر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یعنی تکبر نہ کرو **چھٹا ادب:** آیت 12 میں ہے یعنی ان کاموں سے اپنے آپ کو بچانا جو تفرق اور اختلاف کے پیدا ہونے کا سبب ہیں اور یہ حسد کرنے سے پیدا ہوتی ہیں یعنی حسد اور بغض مت کرو۔ ساتواں ادب: آیت 13، میں ہے یعنی نسبی عصبیت اور فخر سے اپنے آپ کو بچانا یہ بھی تفرق کا سبب ہے اور یہ جاہلیت کی عادت سے پیدا ہوتا ہے یعنی جاہلیت کے اخلاق سے اپنے آپ کو بچاؤ اور تقویٰ کے سبب سے عزت کرنی چاہیے نہ کہ نسب کی وجہ سے پھر اس کے بعد منافقین کی بحث ہے۔

تفسیر 1: یہ اتفاق و اتحاد پیدا کرنے اور تفرق اور اختلاف سے بچنے کے لئے پہلا ادب ہے مفسر قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے کئی واقعات اس میں شامل ہیں، شاید کہ یہ آیت کسی خاص سبب کے بغیر نازل ہوئی ہو یعنی خاص سبب نزول ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا: تمام آداب میں یہ ندا اس لیے ہے کہ یہ ایمان کے تقاضے ہیں، یعنی اگر ایمان ہے تو ان آداب کی رعایت کرو گے۔ لَا تُقَدِّمُوْا فعل متعدی ہے مفعول پوشیدہ ہے یعنی لَا تُقَدِّمُوْا آرَاءَكُمْ وَاَقْوَالَكُمْ وَاَفْعَالَكُمْ اپنی رائے اور اقوال اور افعال مقدم مت کرو یا لَا تَتَقَدَّمُوْا (لازمی) کے معنی میں ہے یعنی آگے مت ہونا یعنی قرآن و سنت کی مخالفت مت کرو۔ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: اس سے مراد قرآن و حدیث اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے اور بَيْنَ يَدَيِ کا لفظ سامنے حاضر ہوتے اور ہاتھوں کے ساتھ اور قریب بیٹھنے کے معنی میں ہے لیکن مثال و کنایہ کے طور پر اس سے مراد نفس حضور ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم حاضر ہے تو اپنی طرف سے قول، عمل، رائے، اوقات اور طریقے مت بناؤ۔ تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے کہ قرآن و سنت سے پہلے کسی بھی چیز میں جلدی مت کرو بلکہ تمام کاموں میں قرآن و سنت کے تابع ہو جاؤ، یہاں تک کہ اپنے قیاس

اور اجتہاد کو بھی قرآن وسنت پر مقدم نہ کرو اور اس پر دلیل معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کے بعد اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ذکر کیا تھا تو نبی کریم ﷺ اس پر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ترمذی کتاب الاحکام حدیث 1327 ابوداؤد کتاب القضاۃ حدیث 3592 مسند طیالسی 1/ 286 سنن کبریٰ للبیھقی 10/ 114 اس روایت کو شیخ البانی، شیخ عبدالرزاق مھدی، شیخ مصطفیٰ، شیخ رشاد، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس و شیخ زبیر رحمہم اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں ہر اس حاکم پر رد ہے جو قرآن وسنت کے خلاف قانون جاری کرے، اسی طرح ہر بدعتی اور بدعت کا رد ہے، چاہے عقیدے میں ہو یا اعمال میں ہو اس لیے آپ کو کہ یہ (حکمران اور بدعتی لوگ) اپنا حکم اور اپنی گڑھی ہوئی بے دلیل باتیں اور کلام قرآن وسنت پر مقدم کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں، اسی طرح معلوم ہوا کہ مجتہد کے قیاس پر اس وقت عمل نہیں ہو سکتا جب وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو اسی طرح اس شخص کا رد ہے جو اپنی طرف سے حلال وحرام بنائے اور اسی طرح ہر اس شخص کا رد ہے جو ان اوقات کو جو دلیل شرعی سے عبادات کے لئے مقرر ہیں بدل دے یا وہ عام ہوں اور یہ ان کو خاص کرے، یا خاص ہوں اور یہ عام کر دے جیسا کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا، کوئی بعض عبادات کو جمعہ کی رات یا دن کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کسی نے چالیسویں یا سال کے ساتھ ایک صدقے کی تخصیص کی ہے، کسی نے نماز کی (قضائے عمری) رمضان کے آخری جمعے کے ساتھ خاص کی ہے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ: معلوم ہوا کہ ان احکام کی پابندی کے لئے علاج تقویٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: جب تقدم اقوال میں ہو تو اس کے لئے سَمِیْعٌ لایا، یا تقدم اعمال اور عقیدے میں ہو تو اس کے لئے عَلِیْمٌ ذکر کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾

" اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں شعور (احساس) نہ ہو [2]۔

تفسیر 2: یہ دوسرا ادب ہے اور اس میں صاحب الشرع اور اس کے کلام کی توقیر واحترام مقصد ہے اور اس میں کیفیات اور صفات میں حسن کی رعایت کی طرف اشارہ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اس ندا کو بہت زیادہ فائدوں کی وجہ سے

بار بار ذکر کیا: پہلا فائدہ مخاطبین کی زیادہ توجہ کروانا۔ دوسرا فائدہ یہ وہم نہ ہو کہ پہلے مخاطب الگ اور دوسرے مخاطب الگ ہیں۔ تیسرا فائدہ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر ایک کلام کا الگ الگ مقصود ہے۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. آواز بلند کرنا چار قسم پر ہے: پہلی قسم طبعی طور سے جیسا کہ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4846) جو کہ جائز ہے دوسری قسم لا پرواہی کے طور پر آواز بلند کرنا، جو بڑے لوگوں کی مجلس اور بڑوں کی توقیر کے ساتھ مناسب نہیں ہوتا۔ تیسری قسم حقارت اور توہین کے پر آواز بلند کرنا ہے، یہ دونوں قسمیں منع ہیں اور یہ اس آیت میں مراد ہیں، یعنی دوسری قسم حرام ہے کیونکہ عادت بنانا حقیر سمجھنے کی طرف پہنچانے کا ذریعہ ہے اور تیسری قسم کفر ہے اس لیے کہ نبی ﷺ کی توہین کرنا کفر ہے اور یہ قسمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہیں اور اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں بھی یہ آداب ضروری ہیں جیسا کہ عمر فاروق نے دو افراد کو تنبیہ کی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ حدیث 470) چوتھی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کے سامنے اپنی آوازیں بلند کرنا یہ بھی حرام ہے اور اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس ذکر میں آواز بلند کرنا (جہر کرنا) ثابت نہیں تو اس میں آواز بلند کرنا (جہر کرنا) سنت کے خلاف ہے۔ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ پہلے جملے اور اس جملے میں ایک فرق یہ ہے کہ اس میں مراد یہ تھی کہ اپنی آواز اور اپنے کلام کو رسول اللہ ﷺ کے کلام اور آواز سے اعلیٰ مت سمجھو اور اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مساوی اور برابر بھی نہ سمجھو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ رفع الصوت عام ہے خطاب کرنے کے وقت میں ہو یا خطاب کرنے کے بغیر ہو اور جہر کرنا مخاطبہ کے وقت میں ہے اور اس جہر کرنے میں کئی طریقے ہیں: پہلا طریقہ ادب کا کلمہ کہنا جیسا کہ یا رسول اللہ جہر طبعی کے ساتھ یہ جائز ہے۔ دوسرا طریقہ بے پرواہ ہو کر یہ کلمہ کہنا تیسرا طریقہ حقارت کے طور پر آواز دینا اس کا حکم پہلے بیان ہوا۔ چوتھا طریقہ یا محمد کہنا جیسا کہ سورۃ نور آیت 63، میں بھی گزرا ہے جیسا کہ تفسیر قرطبی وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ کو یا محمد اور یا احمد کے ساتھ مخاطب نہ کرو اور اس طرح آواز دینا حرام ہے۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ: یعنی نبی کریم ﷺ کی بے ادبی اگرچہ بے پروائی سے ہو لیکن جب عادت بن جائے تو نبی کریم ﷺ کی اہانت کا سبب بن جاتی ہے اور ان کی توہین کرنا کفر ہے اور کفر نیک اعمال کے برباد ہونے کا سبب ہیں۔ فائدہ: سورۃ محمد آیت 9، اور 28 میں عمل کا حبط کا سببیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہاں اَنْ کے ساتھ ذکر کیا، جو سببیت میں صریح نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ وہاں جو گناہ

فا۔ سے پہلے ذکر کیے ہیں وہ حبطِ اعمال کے اسباب بالذات (بغیر واسطے کے) ہیں اور یہاں جو گناہ ذکر کیے ہیں وہ واسطوں کے ساتھ اسباب ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہوا (جو رفع صوت اور جہر ہے) پہلی قسم گناہ نہیں ہے اور دوسری قسم گناہ ہے لیکن کفر نہیں ہے یہ اس وقت کفر بنتا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے لئے سبب بن جائے اور پھر توہین اعمال برباد ہونے کے لئے سبب ہے اور اس فرق کی بناء پر وہاں وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ذکر نہیں کیا اور یہاں ذکر کیا اس لیے کہ عدمِ شعور سے مراد یہ ہے کہ قصداً کفر کا عمل کرتے ہیں اور کفر کا کلمہ کہتے ہیں لیکن اس کو سمجھتے نہیں کہ یہ عمل کے برباد ہونے کے لئے سبب ہے اور یہ عذر نہیں ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کفر کا عدمِ ارادہ بھی کفر ہے اس لیے کہ کفر کا لزوم کفر نہیں بلکہ التزام کفر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

"بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کی پرہیزگاری کو اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے [3]۔

تفسیر 3: یہ ان ایمان والوں کے لئے بشارت ہے جو گزرے ہوئے آداب کا التزام کرتے ہیں اور نیز یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چار صفات اور احوال ہیں۔ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ: صحیح بخاری کی حدیث میں ذکر ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسے ادب کے ساتھ پست آواز سے باتیں کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں سنتے تو دوبارہ ان سے پوچھتے کہ آپ نے کیا کہا اور اسی طرح روایت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آئی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4845) امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یہ اِمْتِحَانُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سے ماخوذ ہے (سونے اور چاندی کو میل کچیل سے صاف کرنا) یا اِمْتِحَانُ الْاَدِيْمِ سے ماخوذ ہے (چمڑے کو رگڑنا تاکہ کشادہ ہوجائے) یعنی ہر قبیح فکر اور عقیدے سے ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے صاف کیا ہے اور تقویٰ کے قبول کرنے کے لئے یا تقویٰ کے ظاہر کرنے کے لئے ان کے دل فراخ کئے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ④ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤

"بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں[4]۔ اور اگر یہ اس وقت تک صبر کرتے یہاں تک کہ آپ نکل آتے ان کی طرف تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[5]۔

تفسیر 4: یہ ان لوگوں کو زجر ہے جو گزشتہ آداب کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اَلْحُجُرٰتِ حجر کی جمع ہے اور وہ حجرت کی جمع ہے یا حجرات حجرت کی جمع ہے، اس زمین کو کہا جاتا ہے جس پر چاردیواری ہو لیکن اکثر گھر کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں رہنے کا کمرہ اور صحن ہوتا ہے جو دیواروں میں گھرا ہوا ہو۔ یہاں گھر کی دیواریں مراد ہیں۔ اَكْثَرُهُمْ یعنی یہ ایسی قوم سے ہیں جن کی اکثریت جاہل ہے۔ یا اَكْثَرُ اس وجہ سے فرمایا کہ بعض لوگوں کی آوازیں بے اختیار بلند ہوتی ہیں اور خطیب شربینی نے کہا ہے کہ اکثر کُل کے معنی میں ہے

تفسیر 5: یہ ناسمجھ لوگوں کے لئے ادب کا بیان ہے اور صبر سے مراد انتظار کرنا ہے۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ اس میں اشارہ ہے کہ بڑوں کا ادب شرعی خیر و برکت کا اور مغفرت اور رحمت کا سبب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ⑥

"اے ایمان والوں اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے پس تم تحقیق کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذاء پہنچاؤ پھر اپنے کیے پر پریشانی اٹھاؤ[6]۔

تفسیر 6: اس آیت میں تیسرا ادب ہے یعنی گزرے ہوئے آداب سے اتحاد بنتا ہے لیکن بعض لوگ جو فاسق، جھوٹے، چغل خور ہوتے ہیں وہ اس اتحاد کو خراب کرتے ہیں تو ان کی بے تحقیق بات مان لینے سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔ فَاسِقٌ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے اور صحیح توبہ نہ کی ہو۔ اور مسلمان ہوں نیز جھوٹ بولنا، چغل خوری کرنا، اور اہلِ ایمان کے درمیان فساد پیدا کرنا یہ سب اس میں داخل ہیں۔ مفسر خازن نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عام ہے تثبت کے بیان کے لئے اور فاسق کی بات پر اعتماد نہ کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور خطیب شربینی نے بھی

فرمایا ہے کہ یہ آیت سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔لیکن ان کو فاسق کہنا کئی وجوہ سے کمزور ہے:
پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ یہ آیت سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور صحابہ کرام کی عظیم شان اور عدالت جو یقینی دلائل سے ثابت ہے تو اس کو مفسرین کے اس قول کے ذریعہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت جو باقی مفسرین اور ابن کثیر نے سند کے ساتھ نقل کی ہے لیکن سند اس کی متصل نہیں ہے اور البدایہ میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی صحت کو جانتا ہے (صفحہ 294 جلد 8) اور ابن عربی نے العواصم والقواصم اور اس کی تعلیق میں اس پر رد کیا ہے۔(اس روایت کو شیخ ارناووط نے حسن کہا ہے۔مسند احمد 4/279 مجمع الزوائد 11352 امام ہیثمی کہتے ہیں احمد کے رواۃ ثقہ ہے الموسوعۃ الحدیثیۃ 18459) تیسری وجہ یہ ہے کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو فاسق کہنا بے دلیل بات ہے اس لیے کہ اگر وہ واقعہ ثابت ہوجائے تو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی پر دلالت کرتا ہے اور اجتہادی غلطی سے گناہ نہیں ثابت ہوتا تو کس طرح ان کو فاسق کہا جائے گا۔فَتَبَيَّنُوْٓا اشارہ ہے کہ تحقیق اور وضاحت کے بعد فاسق کی خبر قبول کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ عادل کی خبر تو ہر وقت قبول ہے۔اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا یہ بغیر تحقیق کے فاسق کی خبر قبول کرنے کا نقصان ذکر کیا ہے یعنی اگر یہ فاسق کسی آدمی یا کسی قوم کے بارے میں غلط خبر دے مثلاً کہے کہ فلاں نے آپ کو گالیاں دی ہیں، یا آپ کی برائی بیان کی، یا آپ پر بہتان باندھا ہے، یا یہ کہے کہ فلاں نے اسلام سے انکار کیا ہے، یا زکوٰۃ وغیرہ دینے سے انکار کیا ہے اور مخاطب اس بات پر عمل کرے یعنی اس آدمی یا قوم سے انتقام لے اس کی بے عزتی کرے یا اس کے ساتھ جنگ کرے تو یہ بڑا جرم ہے اور بعد میں نادم ہونے کا سبب ہے۔ -بِجَهَالَةٍ اس سے حقیقت حال سے بے خبر ہونا مراد ہے یا اشارہ ہے کہ فاسق کی بات پر بے تحقیق عمل کرنا جہالت ہے۔ نٰدِمِيْنَ کہا جاتا ہے کسی کام کو کر لینے کے بعد اس کے کرنے پر افسوس کرنا اور خفا ہونا ندامت کہلاتا ہے، ایسے حال میں افسوس کرنا پھر فائدہ نہیں دیتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

’’اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اگر بہت سے کاموں میں وہ تمہارا کہنا مان لیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسند بنا دیا ہے یہی لوگ خاص ہدایت یافتہ ہیں [7] اللہ کے فضل اور نعمت سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے [8]۔

تفسیر 7: اس میں فاسق کی خبر کی تحقیق کے طریقے کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح فاسق کو جھوٹی خبر دینے سے تحذیر (ڈراوا) ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فاسق کی خبر رسول اللہ ﷺ پر پیش کی جائے گی اور ان کی وفات کے بعد ان کی سنت پر پیش ہوگی، اس طریقے پر اس فاسق کا جھوٹ اور سچ معلوم ہوگا اور یہ حکم عام ہے ہر مسئلہ اور ہر حکم و فیصلہ، عالم کا ہو یا حکمران کا ہو اس کو سنت رسول ﷺ پر پرکھا جائے گا۔ اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وصف ذکر کیا نام (محمد) ﷺ ذکر نہیں کیا اشارہ ہے کہ ان کی ذات نہ ان کی زندگی میں اور نہ ان کی وفات کے بعد حاضر و ناظر ہے لیکن رسالت کی صفت (جو قرآن و سنت ہے) وہ تم میں باقی ہے۔ لَوْ يُطِيْعُكُمْ۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی جھوٹی خبر یا جھوٹا مسئلہ یا بدعات لوگوں میں پھیلائے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (زندگی کی حالت میں) میری تائید کریں یا رسول اللہ ﷺ کی سنت میرے تابع ہو جائے یعنی حدیث صحیح کو اپنی خواہش اور رائے کا تابع بناتا ہے جیسا کہ مقلدین اور مبتدعین یہ کام کرتے ہیں تو یہ مشقت اور بہت زیادہ تکلیف کا سبب بن جائے گا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں حرج اور تنگی نہیں ہے اور خلاف سنت کاموں اور بدعات میں تو بہت حرج ہے۔ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ کثیر اس وجہ سے فرمایا ہے کہ بعض خلافِ سنت کاموں میں آسانیاں ہوتی ہیں لیکن وہ شرع کی مصلحت کے ساتھ موافق نہیں ہوتیں۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ ماقبل سے وہم پیدا ہوا کہ کیا صحابہ کرام نے ارادہ کیا کہ جھوٹ بولیں، اور پیغمبر علیہ السلام کو اپنا تابع بنائیں؟ تو اس وہم کو دور کیا کہ صحابہ کرام کی شان اس سے بلند ہے، اور لَوْ يُطِيْعُكُمْ اس پر دلیل ہے اس لیے کہ لَوْ نفی اور منع کے لئے آتا ہے یعنی حقیقت یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہوا تحبیب اور

تَزْيِيْن کے درمیان فرق یہ ہے کہ تَحْبِيْب میں رضا کے ساتھ طلب کرنے کا معنی ہے پھر کبھی مجبوری کی وجہ سے طلب اور محبوبیت قبیح چیز کی ہوتی ہے تو تَزْيِيْن ذکر کیا تَزْيِيْن یہ ہے کہ ایمان ان کو برا نہیں لگتا بلکہ ایمان کی خوبصورتی کی وجہ سے یہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ محبت امر باطنی ہے تو ایمان سے توحید کا صحیح عقیدہ مراد ہے اور تزیین امر ظاہری ہے تو زَيَّنَهٗ کی ضمیر سے ایمان کے اعمال مراد ہیں۔ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ یہ اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ان کی محبت اتنی زیادہ ہے کہ اس کا مقابل ان کو برا لگتا ہے اَلْكُفْرَ ایمان کے مقابل ہے۔ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ یہ زَيَّنَهٗ کے مقابل ہے اس لیے کہ اس میں اعمالِ صالحہ کی طرف اشارہ ہے اور ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ کفر اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انکار کرنا ہے اور الفسوق گناہ کبیرہ ہے اور الْعِصْيَانَ گناہ صغیرہ ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ کفر دل میں انکار کرنا ہے اور فسوق اطاعت سے نکلنا ہے اگرچہ دل میں انکار نہ ہو لیکن بظاہر حکم سے بغاوت ہو اور عِصْيَانَ آمر سے مخالفت ہے یعنی انکار بھی نہ کرے اور کہتا ہو کہ میں پیروی کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود بعض اوامر کی مخالفت کرے اور بخاری اور مسلم کی حدیث جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ تین خصلتیں جس میں جمع ہو جائیں تو ایمان کی مٹھاس اس کو نصیب ہوتی ہے، تیسری خصلت یہ ہے کہ کفر کی طرف واپس ہونا (یا قبول کرنا) ایسا مکروہ اور برا جانتا ہو جیسا کہ آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہو (صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث 21، صحیح مسلم حدیث 67) تو یہ صفت صحابہ کرام میں موجود تھی۔ فائدہ: لفظ حَبَّبَ اور كَرَّهَ میں فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، اشارہ ہے کہ تمام خیر اور شر کے کام اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ مبتدا اور خبر معرفہ لائے اور درمیان ضمیرِ فصل حصر و کمال پر دلالت کے لئے ہے اور رشد سے مراد کامیابی، مضبوطی اور عقلمندی کے ساتھ ہدایت پانا ہے۔

تفسیر 8: اس میں اشارہ ہے کہ گزرے ہوئے اوصاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے وہ مجبور نہیں ہے اور اس پر کسی کا حق واجب نہیں ہے۔ فَضْلًا میں اشارہ ہے کہ ایمان والوں کے درمیان ان صفات میں تفاضل ہے اور نِعْمَةً میں اشارہ ہے کہ یہ محبت اور کراہت باطنی نعمت ہے اور اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ع

"اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو پس اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے پس تم اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پس اگر لوٹ آئے پھر ان کے درمیان عدل سے صلح کرو اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے [9] بے شک ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے [10]۔

تفسیر 9: اس آیت میں چوتھا ادب ذکر ہے یعنی جب فاسق کی خبر بغیر تحقیق کے مان لی جائے اور اس کے سبب سے ایمان والوں کے درمیان اختلاف اور دشمنی اور قتل وغارت پیدا ہو جائے تو دوسرے ایمان والوں پر فرض ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں اور طرف داری نہ کریں تاکہ ایمان والوں کے اتفاق اور اتحاد کو نقصان نہ پہنچے۔ طَآىِٕفَتٰنِ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ طائفہ ایک شخص اور زیادہ کو بھی کہا جاتا ہے اسی وجہ سے جمع کی ضمیر بھی اس کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا یعنی نصیحت کرنے اور قرآن وسنت کی طرف بلانے کے ساتھ اور اسی طرح سورۃ نسآء آیت 35، اور 128 میں بھی ذکر ہے۔ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا بغی سے مراد یہ ہے کہ ایک طائفہ قرآن وسنت کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہ ہو بلکہ فساد کرنے کا ارادہ کرے۔ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَيْ اصل میں سایہ کو کہا جاتا ہے یعنی قتال کرنا گرمی ہے اور قرآن وسنت کے حکم میں سایہ اور راحت ہے۔ اَمْرِ اللّٰهِ اس سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ مراد ہے۔ بِالْعَدْلِ یہ تاکید اس وجہ سے ذکر کی ہے کہ ان کا قتال حسد اور کینے کا سبب نہ بن جائے جس کی وجہ سے عدل نہیں ہو سکتا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہاں عدل میں یہ بات داخل ہے کہ ان باغیوں نے تاویل کی وجہ سے جو مال اور جانیں تلف (ہلاک) کی ہیں تو ان کا مطالبہ نہیں ہو سکتا ہے۔ وَاَقْسِطُوْا تفسیر سراج المنیر میں لکھا ہے کہ قسط قاف کے زبر کے ساتھ ظلم کو کہا جاتا ہے اور قاف کی زیر کے ساتھ عدل کو کہا جاتا ہے تو معنی یہ ہے کہ عدل کرنے کے سبب سے ظلم کو ختم کر دو۔ (تنبیہ) عدل کے حکم کے بعد اقساط کا امر اس وجہ سے فرمایا کہ

اس سے مراد حصہ اور حق دینا ہے ایسے حالات میں اکثر انسانوں کے حقوق کو نقصان پہنچ جاتا ہے تو اس وجہ سے وَ اَقۡسِطُوۡا کا حکم مستقل ذکر ہوا جیسا کہ سورۃ ممتحنہ آیت 8 اور مائدۃ آیت 42 میں ذکر ہے۔ فوائد: فائدہ ۱: اس آیت میں ایک فائدہ یہ ہے کہ مؤمن اقتتال (لڑائی) کے ساتھ کافر نہیں بنتا اس لیے ایمان کی صفت کے ساتھ اقتتال ذکر کیا ہے۔ فائدہ ۲: یہ ہے کہ وہ مسلمان جو ایک عادل امیر المؤمنین کی بیعت یا ایک حکم شرعی سے بغاوت کریں (فرقہ بازی اور فساد کرتے ہیں، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرتے ہیں) تو ان کے ساتھ قتال کرنا بھی فرض کفایہ ہے تا کہ باقی مسلمانوں کی جماعت اور اتحاد خراب نہ ہو۔ فائدہ ۳: اگر کوئی گناہ کو تاویل کے ذریعے سے جائز کرتا ہو لیکن وہ فساد کا سبب ہو تو وہ تاویل قتال سے روکنے کے لئے سبب نہیں بن سکتی ہے اس لیے کہ باغی ضرور اپنے لیے تاویلات کرتا ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا اس وجہ سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے لسان الامۃ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام کی جنگوں (آپس کی لڑائیوں) میں اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت یہ تھی کہ اہل تاویل کے قتال کے احکام معلوم ہوں اور پھر مفسر قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کرام کی جنگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ سب اجتہادی اختلاف تھا اور ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان میں ایک طرف والوں کو یا ایک صحابی کی طرف یقینی غلطی کی نسبت کریں وہ سب ہمارے امام ہیں ہم ان کی جنگیں ذکر کرنے سے اپنی زبانیں یوں محفوظ رکھیں جیسا کہ ہماری تلواریں ان کے خون سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھی ہیں اور ہم یہ کہیں گے۔ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا كَسَبَتۡ۔

تفسیر 10: یہ اصلاح کے حکم کے لئے علت ہے اور لفظ اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ: میں اشارہ ہے کہ نسب کے اختلاف کا اعتبار نہیں بلکہ صرف اخوت اور بھائی چارے کا سبب ہے اور ابو عثمان حیری سے شربینی نے نقل کیا ہے کہ اخوتِ ایمانی بنسبت اخوتِ نسبی کے زیادہ مضبوط ہے اس لیے کہ نسب کی اخوت دینی مخالفت کے ساتھ منقطع ہو سکتی ہے جبکہ دینی اخوت نسبی مخالفت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتی۔ اَخَوَيۡكُمۡ تثنیہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ ادنیٰ عدد جن کے درمیان اختلاف پیدا ہوتا ہے وہ دو شخص ہیں تو زیادہ بھی اس میں شامل ہیں۔ تُرۡحَمُوۡنَ چونکہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا ان پر رحم کرنا ہے تو اَلرّٰحِمُوۡنَ يَرۡحَمُهُمۡ مَنۡ فِي السَّمَآءِ کے تقاضے سے یہاں بھی جزا (بدلے) میں رحم کا وعدہ ذکر کیا گیا ہے۔ (ابن ابی شیبہ 8/526 ابوداؤد کتاب الادب حدیث 4941، حمیدی 591)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اُڑائے ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اُڑائیں شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو ایمان کے بعد فسق والا نام بُرا ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں [11]۔

تفسیر 11: یہ پانچواں ادب ہے جب کبھی دو گروہوں کا جھگڑا گزر جائے تو اس میں ایک دوسرے کے عیب اور نقصان معلوم ہوجاتے ہیں لیکن مصالحت کے بعد ان نقصانات کی وجہ سے کسی کی حقارت جائز نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ پھر فساد اور اختلاف پیدا ہوجائے تو اس ادب میں تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے جو مسلمان کی توہین کا سبب ہیں اور پھر فساد کا سبب ہے پہلی چیز مسخرے کرنا یعنی نقصان کی وجہ سے یا بغیر نقصان کے کسی کو حقیر سمجھنا اگرچہ عیب ظاہر نہ ہو تفسیر سراج المنیر میں ذکر ہے کہ مسخرا اسے کہا جاتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتا ہے بلکہ اس کے درجے سے اس کو نیچے سمجھتا ہے اور دوسرے کا مذاق اڑانا تکبر کرنے کو مستلزم ہے اور یہ مشرکین اور کافروں کی عادت ہے جو حق پرستوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ ہود آیت 38، سورۃ توبہ آیت 79، سورۃ انعام آیت 10، سورۃ بقرۃ آیت 212، سورۃ صافات 12، میں ذکر ہے۔ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ قوم کو قوم اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کسی قوم کے آدمی کو سختی یعنی جنگ و جدال کی طرف دعوت دے تو یہ اس کے ساتھ کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہ صفات اکثر مردوں کی ہوتی ہیں اس وجہ حقیقۃً قوم کا اطلاق مردوں پر ہوتا ہے اور عورتیں کبھی کبھی مجازاً اس میں داخل ہوتی ہیں۔ وَلَا نِسَآءٌ یہاں عورتوں کا ذکر الگ کیا کیونکہ عورتوں میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر مرد عورتوں کے ساتھ اور عورتیں، مردوں کے ساتھ مذاق نہیں کرتیں بلکہ ہر ایک اپنے ہم جنس کا مذاق اڑاتا ہے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ اس کے دو مقصد ہیں: پہلا یہ کہ وہ شخص (جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے) بظاہر حقیر لگتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نزدیک بندہ ہوتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ (کبھی کبھار پراگندہ بالوں والا گرد آلود شخص (جو لوگوں کی نظر میں گرا ہوا ہو) اگر اللہ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی لاج

رکھتے ہوئے اس کو پورا کرتا ہے۔(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث 2622 / وصحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6071)۔ تنبیہ: اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک آدمی شرک اور بدعات کرتا ہے، ناپاک رہتا ہے جیسا کہ اس زمانے کے بعض ملنگ (پیر) وہ بھی عزت اور احترام کے حقدار ہیں، اس گمان کے ساتھ کہ یہ بھی باطن میں اللہ تعالیٰ کے ولی اور بزرگ ہیں تو یہ غلط ہے اس لیے کہ ولی اللہ شرع کی مخالفت نہیں کرتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقت میں یہ مذاق اڑانے والا انسان ذلیل مسکین اور عیب دار بن جائے اور دوسرا معزز ہوجائے تو معاملہ برعکس ہوجائے گا امام قرطبی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ اگر میں ایک کتے پر افسوس تو ڈرتا ہوں کہ میں کتا نہ بن جاؤں اور قشیری سے منقول ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو کمتر سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان کو اس پر مسلط کیا ہے اور دوسری چیز جس سے منع کیا گیا ہے جو آپس میں فساد کا باعث ہے وہ اس قول میں ہے: وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنْفُسَكُمْ لَمز سامنے عیب لگانا اور برا کہنے کو کہا جاتا ہے اور اصل میں چھپ کر باتیں کرنے کے ساتھ آنکھوں، سر اور ہونٹوں سے اشارہ کرنے کو کہا جاتا ہے اور ھَمز: صرف پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے کو کہا جاتا ہے تو ھَمز کی نسبت لمز بہت برا ہے اور ھمز کا ذکر بعد والی آیت میں غیبت کے ضمن میں ہے۔ اَنْفُسَكُمْ ہم جنس کے معنی میں ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت 54، اور 84، سورۃ آل عمران آیت 61، میں گزرا ہے اور چونکہ دوسرے کی عیب جوئی کرنا اپنے آپ کی عیب جوئی کرنا ہے اسی وجہ سے اَنْفُسَكُمْ کہا ہے اور دوسرے کی عیب جوئی کرنا تکبر کرنے اور اپنے آپ کو معصوم سمجھنے کی دلیل ہے اور جب سامنے عیب جوئی کریں تو اس میں مسلمان کی توہین بھی ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ انسان کی خوش قسمتی کی نشانی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے عیبوں سے وہ اپنے عیبوں میں مشغول ہوجائے اور بکر بن عبد اللہ مزنی سے نقل ہے اگر آپ عیبوں کے مجموعہ کو دیکھنا چاہیں تو عیاب (عیب جوئی کرنے والے) کو دیکھو یعنی اس میں بذات خود وہ عیب موجود ہوں گے اور تیسری چیز جو فساد اور مسلمان کی تحقیر کا سبب ہے اور اس سے منع کیا گیا وہ اس قول میں ہے۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اور ایک دوسرے کو برے القاب سے مت پکارو، یہ بھی برے القاب سے پکارنے والے کے تکبر اور دوسرے مسلمان کی تحقیر پر دلیل ہے۔ نَبز لقب ذکر کرنے کو کہتے ہیں اور اکثر برے ناموں میں استعمال ہوتا ہے اور لقب نام کے علاوہ انسان کا دوسرا وصفی نام ہے، جس میں انسان کی برائی یا تذلیل مقصود ہوتی ہے۔ تو اس جملے سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ایسے برے نام سے مت پکارو جس سے وہ ناراض ہوتا ہے اور پکارنے کا مقصد بھی صرف اس کی حقارت ہوتی

ہے جیسا کہ یہ کہا جائے اے فاسق۔ اے منافق۔ اے کافر۔ اے یہودی۔ اے نصرانی۔ اے گدھے۔ اے خنزیر یا کسی کے نام میں اس کی تحقیر کرنے کے لئے ترخیم (تخفیف) کرے یا کہے اے بہرے۔ اے اندھے۔ حقارت کے طریقے پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر ایک آدمی نے برے کام کیے ہوں اور پھر ظاہراً اس سے توبہ کرے پھر انہی گناہوں سے اس کو یاد کرنا یہ بھی تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ میں داخل ہے۔ ہاں اگر ایک آدمی ایک لقب سے مشہور ہو اور اس سے ناراض نہیں ہوتا ہو اور آواز کرنے والے کا مقصد اس کی حقارت نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں باب ذکر کیا ہے کہ کسی کو لمبا یا ٹھگنا کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کی عیب جوئی کرنا مقصد نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ اَلِاسْمُ سے مراد لقب ہے اور اَلْفُسُوْقُ الِاسْمِ سے بدل ہے ذُوْ کی تقدیر کے ساتھ یعنی وہ نام جس میں فاسق ہونے کی صفت ہے یا اسم کا مصدری معنی یعنی نام ذکر کرنا مقصد ہے اور مراد اس سے سخرہ اور لَمَزْ اور تَنَابُزْ تینوں ہیں۔ اَلْفُسُوْقُ ایک مقصد یہ ہے کہ وہ نام جو فسق پر دلالت کرے یعنی فاسق، منافق، یہودی، نصرانی کہنا۔ بَعْدَ الْاِيْمَانِ یعنی ایمان لانے کے بعد مؤمن کو یہ نام لینا بہت برا کام ہے۔ دوسرا مقصد الفسوق کا یہ ہے کہ یہ نام مؤمن کے لئے ذکر کرنا فسق اور گنہگار ہونے کا سبب ہے اور حدیث صحیح میں منقول ہے کہ جس نے کسی بھائی کو اے کافر! کہا تو یہ بات ان میں ایک پر لوٹ آئی گی اگر اس آدمی میں کفر ہو تو درست ہے اور اگر نہ ہو تو یہ بات کہنے والے پر واپس ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری باب الادب حدیث 6045، صحیح مسلم فی الایمان حدیث 112) وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ توبہ سے مراد شرعی توبہ ہے اس میں ایک شرط یہ ہے کہ جس کی بے عزتی کی ہو اس سے معافی بھی مانگی ہے اور یہ جملہ دلیل ہے کہ ایک مسلمان کی بے عزتی کرنا اس کو حقیر سمجھنا ظلم اور گناہ کبیرہ ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم
بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

"اے ایمان والو! بہت بدگمانوں سے بچو بے شک بعض بدگمان گناہ ہوتے ہیں اور عیب ایک دوسرے کے نہ ٹٹولو اور نہ تمہارے بعض بعض کی غیبت کریں، کیا تم میں سے کوئی اپنے مردے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تو تم اس کو برا جانتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے[12]۔

تفسیر 12: یہ چھٹا ادب ہے اور اس میں مزید تین قسم کی چیزوں سے ممانعت ہے کہ وہ بھی فساد اور اختلاف پیدا کرنے کے سبب ہیں اور ان میں ایک مسلمان کی توہین اور حقارت ہے اور یہ امور تکبر پر بھی دلالت کرتے ہیں اور یہ سب گندی خصلتیں ہیں جو مسلمان کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ پہلی آیت میں وہ چیزیں ذکر کی تھیں جو مسلمان کے سامنے اور روبرو اس کی تحقیر کے اسباب تھے اور اس میں اس طرح چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو پیٹھ پیچھے اس کی حقارت کے اسباب ہیں اور یہ تین خصلتیں اچھی ترتیب کے ساتھ ہیں: پہلی خصلت بدگمانی کرنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس انسان میں نقصان ہو تو پھر آدمی اسکے نقائص کے تجسس میں لگ جاتا ہے، پھر پیٹھ پیچھے اس کا ذکر کرتا ہے جو کہ غیبت کرنا ہے۔ اِجْتَنِبُوْا اس میں اشارہ ہے کہ یہ بعد والی خصلت ایسی گندی اور پلید ہے اس سے ایسے اجتناب کرنا چاہئے جیسا کہ نجاست سے اجتناب کرنا ہوتا ہے۔
كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ جب انسان میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ ایک چیز کے بارے میں نہ خیر کا حکم لگا سکتا ہو اور نہ شر کا اور اسی طرح اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتا دونوں طرف ایک جیسے ہوں تو اس کو شک کی حالت کہا جاتا ہے، اس پر کسی بھی صورت میں عمل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ حدیث صحیحہ میں ہے کہ شبہات اور مشتبہات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث 52 ابوداؤد 3330، صحیح ابن ماجہ 3984) کبھی انسان میں ایسی حالت پیدا ہوجاتی ہے کہ ایک طرف حکم دینے کو ترجیح دیتا ہو اور دوسری طرف کو مرجوح خیال کرتا ہے تو راجح طرف کو ظن (گمان) کہا جاتا ہے اور مرجوح طرف کو وہم کہا جاتا ہے۔ وہم تو وسوسے کی طرح ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور ظن کے بارے میں بعد میں تفصیل آئے گی اور جب اس طرح صورت حال ہو کہ ایک طرف پر اس طرح حکم لگا سکتا ہو کہ دوسری طرف کا بالکل وہم اور خیال نہ آتا ہو تو اس کو یقین کہا جاتا ہے وہ تو شریعت میں ایمان کا درجہ ہے۔ قرآن میں ظن مختلف صیغوں کے ساتھ (69) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اس کے مختلف معانی اور حکم ہیں: پہلا معنیٰ: ظن یقین کے معنیٰ میں جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت 6، اور سورۃ الحاقۃ

آیت 20 میں ہے جب ظَنّ کے بعد اَنّ مشدد ذکر ہو تو یقین کے معنی میں ہوتا ہے اور یہ قاعدہ اکثریہ ہے
دوسرا معنی: ظن گمان کرنے کے معنی میں، جو مشہور معنی ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 230، سورۃ جن آیت 5 میں ہے۔
تیسرا معنی: غیر اختیاری خیال جیسا کہ سورۃ انبیآء آیت 87، اور سورۃ یوسف آیت 110، میں ہے اور یہ ان دونوں آیتوں
کی ایک تفسیر پر مبنی ہے چوتھا معنی: ظن جھوٹ بولنے کے معنی میں اور یہ جب حق کے مقابلے میں ہو جیسا کہ امام قرطبی رحمہ
اللہ نے سورۃ بقرۃ آیت 78، کی تفسیر میں کہا ہے اور امام ابن الانباری سے نقل کیا ہے کہ عرب لفظ ظن کو یقین، شک اور کذب
کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ پانچواں معنی: ظن اجتہاد کرنے کے معنی میں جیسا کہ سورۃ ص آیت 24 میں ہے۔
چھٹا معنی: ظن تہمت لگانے کے معنی میں جیسا کہ اس آیت میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس میں تہمت کا معنی لکھا ہے اور اسی
طرح قرآن کریم نے ظن کی دو اقسام ذکر کی ہیں ایک ظن محمود جیسا کہ سورۃ النور آیت 12 میں اور سورۃ ص
آیت 24، اور دوسری آیتوں میں بھی ہے، اور دوسرا ظن مذموم جیسا کہ سورۃ انشقاق آیت 14 (اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ)
اور سورۃ فصلت آیت 22، اللہ تعالیٰ کے علم کا ظن، اور سورۃ جن آیت 7 نبی کی بعثت کا ظن، اور سورۃ فتح آیت 12 (ظَنَّ
السَّوْءِ اور رسول اور صحابہ کے غلبہ سے انکار) اور سورۃ احزاب آیت 10، (منافقین کا ظن) اور سورۃ جاثیہ آیت 32،
(ظن یعنی قیامت کا انکار) اور سورۃ اعراف آیت 26، (پیغمبر کو کاذب کہنا) اور سورۃ حج آیت 15 (اللہ تعالیٰ کا رسول کی
مدد نہ کرنا) اور سورۃ بقرۃ آیت 78، (حق کے مقابلے میں گمان) اور سورۃ آل عمران آیت 154، (جہالت کا گمان)
اور سورۃ النسآء آیت 157، (عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا گمان) اور سورۃ ص آیت 37 (آسمان و زمین کے بے فائدہ
پیدا ہونے کا گمان) اور سورۃ انعام آیت 116 (شرکیات میں گمان کی اتباع) اور مذموم ظن منافقین اور کفار کا کام ہے
اور وہ زیادہ ہیں، اسی طرح بغیر کسی دلیل کے تہمت لگانا بھی زیادہ موجود ہے تو اسی وجہ سے کَثِیْرًا کہا اور کفار اور منافقین کی
مشابہت سے منع کیا ہے۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ سوال پہلے کَثِیْرًا کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا اور بچنے کا حکم دیا ہے اور وہ
دلیل تھی کہ زیادہ گمان گناہ ہیں اور اس جملے میں بَعْضَ ذکر کیا جو کمی پر دلالت کرتا ہے؟ جواب: کئی وجوہ سے ہے پہلی وجہ
یہ ہے کہ بَعْضَ مطلقاً ٹکڑے کو کہا جاتا ہے چاہے کم ہو یا زیادہ ہاں اس لفظ میں اشارہ ہے کہ بعض گمان محمود ہیں جیسا کہ پہلے
ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دل میں اکثر گمان بے اختیار پیدا ہوتے ہیں پھر بعد میں کوئی اس کے مطابق عقیدہ
رکھ کر عمل کرتا ہے اور کوئی چھوڑ دیتا ہے تو اجْتَنِبُوْا میں احتیاط کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ احتیاط کرو کہ مذموم گمان بے

اختیار دلوں میں پیدا نہ ہو جبکہ بعض لوگ اس پر عقیدہ اور عمل کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے اور بعض پر عمل کرنا اچھا ہوتا ہے اور بعض پر عمل کرنا گناہ اور سبب شر ہوتا ہے تو بعد والے جملے میں لفظ بَعْضَ ذکر کیا ہے اور مفسر نیشاپوری نے تفسیر میں لکھا ہے کہ ظن (گمان) کی چار قسمیں ہیں: (۱) واجب جیسے اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کے ساتھ اچھا گمان کرنا (۲) حرام جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور نیک بندوں کے ساتھ برا گمان کرنا جبکہ بظاہر ان میں برائی کی علامت موجود نہ ہو اور اس آیت میں بھی یہ قسم مراد ہے (۳) مستحب جیسے فاسق مومن پر اچھا گمان کرنا (۴) مباح جیسے مسائل اجتہادیہ میں گمان کرنا اور تفسیر روح المعانی میں ذکر ہے کہ ظن دو قسم کا ہے اختیاری اور یہ ممنوع ہے اور غیر اختیاری، تو منع سے مراد گمان کے تقاضوں پر عمل کرنا یا زائل کرنے کی کوشش کرنا ہے کیونکہ گمان غیر اختیاری ہے۔ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا بدگمانی اور تہمت لگانے کے بعد انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے انسان میں عیب تلاش کرے تو اس سے منع کیا اور حدیث میں آیا ہے کہ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَسَّسُوْا (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث 5143، صحیح مسلم باب تحریم الظن حدیث 2563) اخفش سے منقول ہے کہ ان دونوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے اور دوسرے اہل لغت نے کئی وجوہ سے فرق کیا ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ تجسس عیب تلاش کرنے کو کہتے ہیں اور تحسس حواس کے ذریعے معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔ دوسری وجہ تجسس دوسرے کے لئے جاسوسی کرنا اور تحسس اپنے آپ کے لیے عیب معلوم کرنا۔ تیسری وجہ تجسس ہمیشہ شر میں استعمال ہوتا ہے اور تحسس کبھی خیر اور کبھی شر میں استعمال ہوتا ہے خیر میں استعمال جیسے سورۃ یوسف آیت 87، میں ہے اور شر میں استعمال جیسے مذکورہ حدیث میں ہے، امام اوزاعی نے فرمایا ہے کہ تجسس ایک چیز کے تلاش کرنے کو کہتے ہیں اور تحسس کسی کی ٹوہ میں یوں لگنا کہ وہ اس پر ناراض ہو اور اس جملے کی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے کئی واقعات لکھے ہیں جن کو دیکھنا فائدہ مند ہے۔ وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا جب کوئی انسان کسی کا عیب معلوم کرلے پھر یہ عیب اس کے پیٹھ پیچھے ذکر کرتا ہے، اس کی بے عزتی کرنے کے لئے تو اس جملے میں اس سے منع کیا ہے صحیح کا مضمون ہے کہ غیبت یہ ہے کہ کسی شخص میں کوئی عیب موجود ہوتا ہے اور دوسرا شخص اس کے غائب ہونے پر ذکر کرے اور وہ شخص اس پر ناراض ہوتا ہو اور اگر عیب اس میں نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ (صحیح ابوداؤد کتاب الادب 4878 ترمذی کتاب البر 1934 امام ترمذی نے حسن اور شیخ البانی وزبیر علی زئی رحمھم اللہ نے صحیح کہا ہے) وہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ غیبت کے تین طریقے ہیں اور کتاب اللہ میں اس سے منع ذکر ہے۔ پہلی غیبت یہ ہے کہ ایک بھائی کے ایسے عیب

کا ذکر کیا جائے جو اس میں موجود ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی عیب کے بارے میں اس کو خبر پہنچے اور اس کو ذکر کرے اور اس کو افک بھی کہتے ہیں سورۃ نور میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کے ایسے عیب کو ذکر کرتا ہے جو اس میں نہیں ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (اسرآء آیت 36) اور یہ بھی نہی کا صیغہ ہے اور دوسری تاکیدات جو اس کے بعد ذکر کیں اور اسی طرح احادیث صحیحہ جو غیبت کے ممنوع ہونے کے بارے میں ہیں یہ سب دلالت کرتی ہیں کہ غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ فائدہ: غیبت کے معنیٰ میں یہ ذکر ہوا کہ وہ شخص اس پر ناراض ہوتا ہو تو معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنے کسی عیب کو عیب نہ سمجھے اور اس کے ذکر کرنے سے ناراض نہیں ہوتا ہو تو اس کا ذکر کرنا اور حدود شرعیہ کے تحت اس کا رد کرنا غیبت نہیں ہے اور یہی حسن بصری رحمہ اللہ کے اس قول میں مراد ہے کہ بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے اور اسی طرح وہ فاسق جو اپنا فسق ظاہر کرتا ہو اور اسی طرح مُدَّعِی کے لئے جائز ہے کہ وہ مدعیٰ علیہ کا وہ نقصان قاضی کے سامنے ذکر کرے جس کے بارے میں دعویٰ کرتا ہو اس لیے کہ مدعی (صادق) کا مقصد اس آدمی کو ناراض کرنا نہیں ہے بلکہ اپنا حق ثابت کرنا مقصد اصلی ہے اور اسی طرح اسماء الرجال کے علم میں کسی راوی کے عیب کو ذکر کرنا غیبت نہیں ہے اس لیے کہ اس میں اس آدمی کو ناراض کرنا مقصد نہیں بلکہ دین کی حفاظت ہے اور اسی طرح ظالم بادشاہ کے ظلم کا ذکر کرنا تا کہ اس کے ظلم سے لوگ بچ جائیں یہ بھی غیبت نہیں ہے۔ ان سب میں اس آدمی کے ناراض کرنے سے خیر زیادہ مقصود ہوتا ہے۔ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اس لفظ میں اشارہ ہے کہ غیبت اکثر مجالس میں ہوتی ہے اور اسی طرح ایک شخص جب کسی کی غیبت کرے تو دوسرا بھی اطلاع ملنے پر اس کی غیبت کرتا ہے اسی وجہ سے یہ لفظ ذکر کیا ہے۔ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا یہ مثال اور تشبیہ کے پر غیبت سے منع ہے یعنی انسان کی عفت کو اس کے گوشت کے مشابہ کر دیا ہے اس لیے کہ جب ایک انسان کی عزت دری کی جارہی ہو تو اس کے دل کو ایسا درد پہنچتا ہے جیسے اس کے جسم کے گوشت کاٹنے سے اس کو درد پہنچتا ہے، پھر غائب ہونے کی حالت کو موت کی حالت کے مشابہ کیا جیسا کہ مردہ انسان باتوں سے بے خبر ہوتا ہے اور ان کو نہیں سنتا تو اسی طرح غائب شخص بھی نہ کچھ سنتا ہے اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے اور لفظ مَيْتًا لانے میں ایک اعتراض کو دور کرنا تھا، اعتراض یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ انسان کو بے عزتی پر تب دکھ پہنچتا ہے جب اس کے سامنے بے عزتی کی جائے لیکن جب پیٹھ پیچھے بے عزتی ہو اور وہ بے خبر ہو تو اس کے دل کو دکھ نہیں پہنچتا ہے؟ تو جواب دیا کہ جس طرح مردے کے بدن سے گوشت کاٹا جارہا ہو تو اس کو تو درد نہیں پہنچتا لیکن اس طرح

کرنے میں اس کی بے عزتی سمجھی جاتی ہے اور اس لفظ میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مردار کھانا صرف حالت مجبوری میں حلال ہے اور اگر اسے ادنیٰ چیز ملے تو مردار کا چھوڑنا ضروری ہے، جیسے مردار بکری ہو، یا گائے ہو اور مردہ انسان ہو تو بکری یا گائے سے کھائے لیکن انسان کے بدن سے نہ کھائے تو اسی طرح اگر ایک ضرورت اور حاجت کو دور کرنے کے لئے۔ دوسرا طریقہ پاتا ہو تو غیبت نہیں کرنی ہے۔ فَكَرِهْتُمُوْهُ: اس ضمیر میں چار احتمالات ہیں: پہلا یہ ہے کہ یہ ضمیر خوراک (اَکَل) کی طرف راجع ہے اور دوسرا یہ کہ یہ گوشت لَحْمَ کی طرف راجع ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ مردے (میت) کی طرف راجع ہے یعنی جب مردے کا وجود متغیر اور بدبودار ہو جائے تو تم ضرور اس سے نفرت کرتے ہو تو اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ چوتھا یہ کہ غیبت کرنے کی طرف راجع ہے جو لَا يَغْتَبْ کے ضمن میں ہے یعنی اگر کوئی تمہاری غیبت کرے تو تم برا سمجھتے ہو تو اسی طرح سے دوسرے کی غیبت کو بھی برا سمجھو اور ابن کثیر نے غیبت کی قباحت میں بہت ساری احادیث اور واقعات ذکر کیے ہیں اس کا مطالعہ کر لیں۔ غیبت کرنے سے توبہ کرنا یہ ہے کہ آئندہ کے لئے غیبت کرنا چھوڑ دے اور اگر ممکن ہو تو اس آدمی سے معافی مانگ لے اور اگر معافی نہیں مانگ سکتے تو جن مجالس میں اس کی برائی بیان کی ہے ان میں اس کی تعریف کرے اور کوئی اس کی غیبت کرے تو اس کو منع کر لے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ گزری ہوئی آیت کے شروع میں نہی کا صیغہ تھا (لَا يَسْخَرْ) تو اس کے مرتکب ہونے سے انسان ظالم ہوتا ہے تو اس آیت کے آخر میں الظّٰلِمُوْنَ فرمایا اور اس آیت کے شروع میں (اِجْتَنِبُوْا) امر کا صیغہ ہے اور امر پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں آتی ہیں تو اس وجہ سے تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ پر یہ آیت ختم کی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

"اے لوگو! بے شک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے ہیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو تم میں سب میں زیادہ پرہیزگار ہو بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے [13]۔

تفسیر 13: اس آیت میں ساتواں ادب ذکر فرمایا ہے جو اتحاد اور اتفاق کا سبب ہے اور تفرق اور فساد سے بچنے کا اچھا طریقہ ہے ماقبل سے ربط کے ساتھ ساتھ خلاصہ یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو حقیر اس وجہ سے سمجھتا ہے اور

خود تکبر اس وجہ سے کرتا ہے کہ میری جنس الگ ہے تو یہ غلط ہے اس لیے کہ سب ایک ماں باپ سے پیدا ہیں یا انسان تکبر نسب کی وجہ سے کرتا ہے تو بغیر تقویٰ کے نسب کسی عزت کا سبب نہیں ہے بلکہ نسب صرف تعارف اور پہچان کے لئے ہے یہاں عزت صرف تقویٰ میں ہے اور متقی انسان دوسرے انسان کی تحقیر نہیں کرتا ہے اور نہ خود تکبر کرتا ہے بلکہ تقویٰ کی وجہ سے گزری ہوئی بری خصلتوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اس ادب میں عام خطاب ذکر کیا ہے اس لیے کہ ہم جنس ہونا اور نسبوں کا تفاوت ایمان والوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب کا فر بھی آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کی اولاد ہیں اور مختلف نسب ان میں بھی ہیں۔ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى اس سے مراد آدم اور حواء علیہا السلام ہیں یا پھر ماں باپ ہیں لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور یہ دلیل ہے کہ بچے کی پیدائش ماں باپ دونوں کے پانی سے ہے۔ جیسا کہ سورۃ طارق آیت 7، میں صراحت ہے اور جن آیتوں میں ماء مفرد ذکر ہے جیسے سورۃ مرسلات آیت 20، اور سورۃ القیامۃ آیت 37، تو مفرد سے تثنیہ مراد ہے یعنی دو پانی مذکر اور مؤنث کا جیسے تفسیر قرطبی میں ذکر ہے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ پہلے خَلَقَ ذکر کیا اور یہاں جَعَلَ ذکر کیا اس لیے کہ اصول میں اکثر خَلَقَ ذکر ہوتا ہے اور اوصاف اور فروع میں جَعَلَ ذکر ہوتا ہے جیسے سورۃ انعام آیت 1، میں بھی اس طرح ذکر ہے۔ شُعُوْبًا شعب کی جمع ہے دور کے آباؤ اجداد کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے عرب میں ربیعہ، اوس، مضر اور خزرج ہیں اور شعب اضداد میں سے ہے جمع اور تفرق دونوں کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ ایک اصل میں متفرق نسلیں جمع ہوئی ہیں۔ وَّ قَبَآىِٕلَ قبیلۃ کی جمع ہے شعب سے نیچے اجداد کی طرف منسوب ہے جیسے کنانہ ایک قبیلہ ہے اور اس طرح اہل علم نے سات طبقات لکھے ہیں: پہلا شعب پھر قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فخذ، پھر فصیلہ (یہ سورۃ معارج آیت 13 میں ذکر ہے) پھر عشیرہ (جیسے سورۃ توبہ آیت 24، میں ذکر ہے) کسی نے شعوب اور قبائل کے اور فرق بھی ذکر کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو خصوصی طور پر ذکر کیا اس لیے کہ تعارف پہلے ان سے شروع ہوتا ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ انساب پر فخر ان دونوں کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے نیچے خاندان کے ذریعے سے فخر نہیں ہوتا جیسے اس ملک میں فخر کے طور پر کہا جاتا ہے کہ میں پٹھان ہوں یا سید ہوں کوئی اس سے نیچے خاندان ذکر نہیں کرتا اور یہ جملہ دلیل ہے کہ انسان کی نسلی تقسیم اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس وجہ سے حدیث صحیح میں اس شخص پر لعنت کی گئی ہے جو اپنے نسب کو بدلے اور اپنے اَب (باپ) کے سوا دوسرے اَب (باپ) کی طرف نسبت کرے۔ صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 1370 لِتَعَارَفُوْا: یہ نسبوں کی تقسیم

میں حکمت ہے کہ اپنے نسبوں کو پہچان لو تا کہ اس کے ذریعے صلہ رحمی کرو (صحیح ترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث 1979 سلسلۃ الصحیحۃ 276 شیخ البانی نے صحیح کہا ہے) ترمذی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے نسبوں میں سے اتنا سیکھو کہ صلہ رحمی کر سکو اور یہ واضح دلیل ہے کہ نسب، فخر تکبر عزت اور شرافت کے لئے نہیں ہے تو نسب پر فخر کرنا جاہلیت والوں کی عادت ہے اور مسند بزار کی حدیث میں (جو ابن کثیر نے بھی ذکر کی ہے) آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم سب مٹی سے پیدا کئے گئے ہو اور جو لوگ آباؤ اجداد (انساب) پر فخر کرتے ہیں وہ ضرور باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیاہ بھونرا اڑے والے کالے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔ مجمع الزوائد 8-86 حسن ابن حسین کی سبب محققین نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یہ مقدر (پوشیدہ) کلام کی علت ہے یعنی نسب فخر اور عزت کے لئے نہیں ہے اس لیے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے اور کرامت کے لئے صرف تقویٰ سبب ہے اور قرطبی نے فرمایا ہے کہ تقویٰ امر اور نہی میں اللہ تعالیٰ کی حدود کا لحاظ رکھنا اور اپنے آپ کو اس چیز کے ساتھ موصوف کرنا ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس چیز سے اپنے آپ کو بچانا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے نہی (منع) کیا ہے۔ اَكْرَمَكُمْ اسم تفضیل کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ نفسِ کرامت (عزت) میں تمام انسان شریک ہیں جیسے سورۃ اسراء آیت 70 میں ذکر ہوا ہے اور عِنْدَ اللّٰهِ میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک معزز ہونے کا اعتبار نہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت حاصل کرنا بڑا مقصد ہے اور عِنْدَ میں قربت کا معنی ہے اور اَتْقٰكُمْ اسم تفضیل میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کے مختلف مراتب ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرامت کے بھی مختلف مراتب ہیں۔ سوال: دوسرے دلائل کے ساتھ شرافت اور عالی مرتبے کے لئے علم سبب ہے اور یہاں تقویٰ ذکر کیا اس میں کیا تطبیق ہے؟ جواب اول: یہ کہ تقویٰ اصل میں علم پر عمل کرنا ہے تو اشارہ ہے کہ صرف علم (بغیر عمل کے) کرامت کا سبب نہیں ہے بلکہ علم کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ دوسرا: یہ ہے کہ علم تقویٰ کا سبب ہے جیسے سورۃ فاطر آیت 28، میں ہے اور تقویٰ عزت کا سبب ہے تو یہاں سبب قریب ذکر کیا جو کہ مقصد ہے۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نکاح میں کفو (برابری) دین کے لحاظ سے مقدم ہے اور (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث 5090، صحیح مسلم 1466) میں بھی ذکر ہے کہ عورت سے (چار) وجوہ سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ مال کی وجہ سے، جمال کی وجہ سے، نسب کی وجہ سے اور دین کی وجہ سے تو اپنے آپ کو دین والی پر کامیاب کر دو۔ دینداری کے بعد بعض علماء کے نزدیک نسب

میں کفاءت (برابری) معتبر ہے، اپنے محل میں اس کے دلائل ذکر ہوتے ہیں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ
رَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾

"دیہاتی کہتے ہے کہ ہم ایمان لائے، آپ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو ہم اسلام لائے حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا تم اگر اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی فرمانبرداری کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [14] مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر شک وشبہ نہ کریں اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں یہ لوگ سچے ہیں [15]۔

تفسیر 14: پہلے مضمون سے اس کا ربط یہ ہے کہ ذکر کیے ہوئے آداب پر جو کوئی عمل نہ کرے، صرف ظاہری اعمال (نماز و ضوء وغیرہ) کرے اور دعویٰ ایمان کا کرتا ہو تو وہ منافق ہے، اس پر اعتقاد مت کرو اور پہلی آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ منافقین نے کہا کہ ہمارا نسب بھی اعلیٰ ہے اور ہم ایمان والے بھی ہیں اور تقویٰ تو ایمان کی وجہ سے ہے تو ہم (صحابہ کرام) سے بہتر ہیں تو اس آیت میں ان کا رد کیا اور محض ایسے ایمان کا دعویٰ کرنے پر زجر ہے جو حقیقت میں ایمان نہ ہو صرف عمل ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۔ ان بعض دیہاتیوں کا قول ہے جو سورۃ توبۃ آیت 97، 98، میں ذکر ہیں اور یہاں ایمان والوں کو ان کے طریقے سے ڈرانا مقصود ہے اور آمَنَّا کا دعویٰ دنیاوی اغراض کے لئے کرتے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ ہم تقویٰ والے ہیں تو اکرم (عزت والے) ہیں قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا یہ ایسی نفی ہے جیسے سورۃ بقرۃ آیت 8، میں گزری ہے اور ان کے ایمان نہ ہونے کی دلیل ان کا اس سورت کے آداب کی مخالفت کرنا ہے خاص کر پہلے اور دوسرے ادب کی کہ ان دونوں کی مخالفت کرنے سے حبط عمل اور کفر لازم ہوتا ہے۔ وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا اس سے مراد مال وجان کی حفاظت اور مال غنیمت اور زکوۃ کے حاصل کرنے کے لئے ظاہری انقیاد (فرمانبرداری) اور بعض عمل کرنا ہے اور یہ کہ اسلام دو قسم کا ہے: پہلی قسم دل کی تصدیق کے بغیر ظاہری انقیاد اور تابع ہونا ہے۔ دوسری قسم زبان اور دل اور اعضاء کے ساتھ فرمانبردار ہو جانا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کے قول میں ہے أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (بقرۃ آیت 131) اور إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران آیت 19) اور اسی

طرح تقسیم امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر کی ہے (بَابٌ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْإِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَكَانَ عَلَى الْإِسْتِسْلَامِ أَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا فَإِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (کتاب الایمان) اور یہ آیت واضح دلالت کرتی ہے کہ دل کی تصدیق اور یقین کے بغیر صرف عمل کرنے سے انسان مؤمن نہیں بن سکتا ہے۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ یہ لَمْ تُؤْمِنُوا قول کے لئے علت ہے اور ایمان سے مراد تصدیق اور یقین ہے اور اس کی جگہ دل ہے اور دلیل ہے کہ صرف آمَنَّا کا اور کلمہ توحید کا اقرار بغیر دل کی تصدیق کے ایمان ہا ایمان شرعی نہیں ہے، خطیب شربینی نے نقل کیا ہے کہ اس زمانے میں غفلت والے عام لوگ اسی حالت میں ہیں۔ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ یہ جملہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صحیح ایمان کی علامت ہے۔ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اعمال کی قبولیت کے لئے سبب ہے اور ان کی مخالفت کرنا نقصان اور ثواب کے ضائع ہونے کا سبب ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ایک چیز ہے اس وجہ سے لَا يَلِتْكُمْ مفرد کا صیغہ ذکر کیا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ: اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مغفرت اور رحمت کا سبب ہے۔

تفسیر 15: اس آیت میں ایمان شرعی کی حقیقت کا ذکر ہے اور منافقین کا رد ہے کہ وہ دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں لیکن اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا الْإِرْتِيَابُ (شک) سے مراد ایسے اعمال کرنا جو کفر اور شرک کی علامت ہوں ان میں سے بعض اس سورت کے آداب کی مخالفت کرنا ہے۔ وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ اس سے مراد ہر وہ محنت اور کوشش ہے جو ایمان کے تقاضے پر ہو مال اور نفس اس میں صرف ہوتے ہوں اور مالوں کو یہاں پہلے ذکر کیا اشارہ ہے کہ منافق آدمی ریاکاری وغیرہ کے لئے کبھی کبھی نفس کے ساتھ عمل کرتا ہے لیکن فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں زیادہ کنجوس ہوتا ہے۔ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ اس میں اس شخص پر تعریض ہے جس میں ایمان کی یہ شرطیں موجود نہ ہوں تو وہ ایمان کا دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہے۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ
عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

"کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو اپنی دینداری کی خبر دے رہے ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [16] وہ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتلاتے ہیں آپ کہہ دیجئے! اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو [17] بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے [18]۔

تفسیر 16: منافقین کو زجر ہے کہ چونکہ ان کا اٰمَنَّا کا دعویٰ کرنا جھوٹا ہے لہٰذا اٰمَنَّا کے کہنے میں ان کے دو مقصد ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دے رہے ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر احسان جتلاتے ہیں تو اس آیت میں ان کے پہلے مقصد پر زجر ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اس جملے میں اور بعد والے جملے میں ردّ شرک فی العلم ہے اور حرف مَا یہاں تعمیم کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو ہر چیز سے آگاہ ہے تم اس کو اپنے جھوٹے ایمان کی خبر کیوں دے رہے ہو؟ وہ تمہارے جھوٹ سے بھی آگاہ ہے۔ فائدہ: اگر پیغمبر علیہ السلام ہر چیز سے باخبر ہوتے تو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اسکا ذکر بھی اپنے ذکر کے ساتھ اکٹھا کر لیتے لیکن وہ ہر چیز سے آگاہ نہیں ہے اور عالم الغیب بھی نہیں ہے۔

تفسیر 17: یہ منافقین کے دوسرے مقصد پر دوسری زجر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر احسان جتلاتے ہیں۔ اَنْ اَسْلَمُوْا سوال: انہوں نے اٰمَنَّا کا دعویٰ کیا ہے اسلام کا تو نہیں کیا؟ جواب: ایمان کا دعویٰ اسلام کے دعوے کو مُسْتَلْزِمْ ہے اس لیے کہ ایمان شرعی ظاہری اور باطنی فرمان برداری دونوں کو شامل ہے لیکن یہاں اَسْلَمُوْا کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ یہ بعض اعمال میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ ظاہر میں شرکت کرتے تھے جیسے نماز پڑھنا، جہاد وغیرہ کرنا اور پھر نبی کریم ﷺ پر اپنا احسان جتلاتے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں جیسے ابھی بھی بعض ناسمجھ سنت کے طریقے پر ایک کام کر لیتے ہیں پھر اپنے بڑے یا استاد پر احسان جتلاتے ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ سوال: ان میں حقیقت میں ایمان موجود نہیں تو پھر اس طرح کیوں فرمایا؟ پہلا جواب: یہاں ان کے ایمان کا حصول ذکر نہیں کیا ہے

بلکہ ایمان کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کے ذریعے ہدایت ذکر ہے جیسے سورۃ آل عمران آیت 164، میں ذکر ہوا ہے۔ دوسرا جواب: لِلْاِیْمَانِ سے مراد یہ ہے کہ تم جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو(اگرچہ جھوٹ سے ہے) تو یہ ایمان تو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے تو اس کا احسان ماننا چاہئے اور یہ آیت دلیل ہے کہ داعی الی الحق کا لوگوں پر احسان ہے۔ فائدہ: تمنّ شکریہ طلب کرنے کے لئے دوسرے پر نعمت کا اظہار کرنا ہے اور یہ مخلوق کے لئے حرام ہے جیسے سورۃ بقرۃ آیت 264 میں ذکر ہے اس لیے یہ مخلوق سے شکریہ کا مطالبہ اور نیت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ نہیں ملتا اور اللہ تعالیٰ تو بدلہ لینے کی طرف محتاج نہیں ہے بندوں کا شکر کرنا ان کے فائدے کے لئے چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے تمنّ کرنے کا حق ہے۔ امام خطیب شربینیؒ نے فرمایا ہے کہ احسان جتلانا جو مخلوق کی طرف سے ہو نعمت کو بدنما کر دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو نعمت مزیدار ہو جاتی ہے اور یہ آیت دلیل ہے کہ انسان کو ہر درجہ میں جو ہدایت یا نعمت مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو سمجھے اور اس پر تکبر نہ کرے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اشارہ ہے کہ سچا ایمان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

تفسیر 18: اس آیت میں منافقین کا رد کرنے کی طرف اشارہ ہے یعنی اے منافقین! تم ایمان کا دعویٰ کرنے میں سچے نہیں ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غیب کو جانتا ہے تو تمہارے دلوں سے بھی آگاہ ہے اور اس آیت میں دو طریقوں سے شرک فی العلم کا رد ہے پہلا یہ کہ جو آسمانوں اور زمینوں میں مخلوق پوشیدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر عالم ہے۔ دوسرا یہ کہ مخلوق جو ظاہر یا مخفی کوئی عمل کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے اور یہ دو صفتیں مخلوق میں موجود نہیں ہو سکتی ہیں ایک صفت علم غیب اور دوسری صفت علم بِكُلِّ شَيْءٍ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

سورۃ محمد کی خصوصیات:

۱۔ اہل ایمان کے اتحاد کی بقاء کیلئے بہترین آداب کا ذکر۔

۲۔ عزت و اکرام تقویٰ پر مبنی ہے نہ کہ نسب پر۔

۳۔ اہل ایمان کی صفات کا ذکر۔

۴۔ اس سورۃ میں (9) نواہی اور (12) اوامر ہیں۔

۵۔ صحابہ کرامؓ کی مدح سرائی۔

الحمد للہ سورۃ حجرات کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

رکوعاتہا ۳ | مکیۃ ۳۴ | ۵۰ سورۃ ق | ایاتہا ۴۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾ ءَ اِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾

"اللہ تعالیٰ اس کی مراد خوب جانتا ہے بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم [1] بلکہ انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا تو کافروں نے کہا یہ ایک عجیب چیز ہے [2] کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی بن جائیں تو یہ واپسی عقل سے دور ہے [3]۔

اس سورت سے قیامت ثابت کرنے کے لئے چوتھا باب ہے اور اس میں چار سورتیں ہیں، ق، ذاریات طور، نجم

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط کئی طریقوں سے ہے: پہلا یہ کہ جب ایمان والوں کے اتحاد کے لئے آداب ذکر ہوئے تو اس سورت میں ان آداب کی رعایت کے لئے یوم الخروج، یوم الوعید، یوم الخلود کے ذریعے تخویف کی گئی ہے۔ دوسرا طریقہ جب یہ ذکر ہوا کہ کرامت (عزت) تقوے کے سبب سے ہے تو اس سورت میں متقین کی شان ذکر کی ہے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ جب مؤمنین اور منافقین کا حال ذکر ہوا تو اس سورت میں کافروں کا حال ذکر کیا جا رہا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: سورت کا عنوان زمین سے مردوں کو زندہ کرکے نکالا جائے گا اور یہ آیت 11 اور 42 میں ذکر ہے اور گزشتہ اقوام پر دنیاوی عذاب کا ذکر ہے اس سے بعث بعد الموت کو ثابت کیا ہے اور اس میں رد شرک فی العلم والتصرف اور چار اسمائے حسنیٰ کے ذریعے سے توحید کو ثابت کیا ہے۔

سورت کا خلاصہ: اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دو ابواب میں تقسیم ہے پہلا باب آیت 16 تک ہے اور اس میں آیت 1 میں بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کی شہادت ذکر کی ہے پھر آیت 2، 3 اور 5 میں منکرین کے لئے زواجر ہیں پھر ایک دلیل علمی اور اس کے بعد پھر تین دلائل عقلی تصرفی علوی وسطی اور سفلی قیامت کے ثابت کرنے کے لئے ذکر کیے ہیں اور ہر دلیل تین تین چیزوں پر مشتمل ہے پھر آیت 11 میں سورۃ کا مرکزی مضمون ہے پھر موجودہ لوگوں

کو! ڈرانے کے لئے سابقہ منکرین پر عذاب کا ذکر ہے تین آیات میں اور پھر آیت 15 میں زجر ہے۔

تفسیر 1: قٓ یہ مقطعات میں سے ہے اس کے بارے میں کافی سورتوں میں بحث گزری ہے یہاں ایک قول یہ ہے کہ حرف قٓ کے ذریعے سے قسم ذکر ہے اور جب حرف مُقْسَم بِہٖ ہو تو حرف قسم لانے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے یہ ہے اور جب مُقْسَم بِہٖ حروف مقطعات کے علاوہ دوسری چیزیں ہوں تو واو قسم کے لئے ذکر ہوتا ہے جیسے والطور، والصافات وغیرہ اور اس سورت میں ایسے الفاظ جو حرفِ قاف پر مشتمل ہوں اڑتالیس ہیں، یہ بھی سورت کے شروع میں حرف قاف کے ساتھ مناسبت کی وجہ ہے اور ابن کثیر نے وہ قول ذکر کیا ہے جو کسی نے کیا ہے کہ اس سے کوہ قاف مراد ہے پھر امام ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ زندیق لوگوں کی باتیں ہیں اور اس کے بارے میں جو ابو حاتم کی روایت ہے وہ اکثر منقطع ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ یہ بھی قسم ہے اور قرآن پر قسم کی تفصیل سورۃ یٰس کے شروع میں گزری ہے۔ الْمَجِيْدِ بڑی قدرت والے، عزت والے، شرافت والے اور زیادہ فائدوں والے کو کہا جاتا ہے۔

سورۃ یٰس میں وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ذکر کیا تھا اس لیے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی بہت ساری حکمتوں کا ذکر تھا اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا ذکر ہے، اس لئے یہاں المجید ذکر فرمایا ہے۔ اس قسم کے جواب میں بہت اختلاف ہے بعض نے محذوف لَيُبْعَثُنَّ نکالا ہے یعنی (اٹھایا جائے گا) بعض نے مَا رَدُّوْا قَوْلَكَ بِحُجَّةٍ (انہوں نے آپ کے قول کو دلیل سے رد نہیں کیا) نکالا ہے بہتر یہ ہے کہ بعد والی آیت جواب قسم ہے اور بَلْ بھی جواب قسم میں ذکر ہو سکتا ہے اور قد کے معنی میں ہے۔

تفسیر 2: بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ یہاں مِنْ پوشیدہ ہے یعنی انہوں نے رسول کی بشریت سے تعجب کیا جیسے سورۃ تغابن آیت 6، میں ہے یا متعجب منہ (وہ چیز جس سے انہوں نے تعجب کیا ہے) پوشیدہ ہے یعنی مِنَ الْخَبَرِ بِالْبَعْثِ (دوبارہ زندہ ہونے کی خبر) جیسے بعد والی آیت میں ذکر ہے۔ اور اَنْ جَآءَهُمْ سے پہلا لام پوشیدہ ہے یعنی لِاَنْ جَآءَهُمْ تو یہ تعجب کی وجہ ہے مُّنْذِرٌ چونکہ سورت کا مقصد بعث بعد الموت کو ثابت کرنا ہے اور یہ انذار (ڈرانے) کا مسئلہ ہے اس وجہ سے صرف انذار ذکر کیا۔ مِّنْهُمْ ان کی جنس سے یہ بہت ساری سورتوں میں ذکر ہوا ہے کہ جاہلوں نے ہر دور میں رسول کی بشریت سے انکار کیا ہے۔ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ یہ تعجب کرنے کی تفصیل ہے اور کافروں کے لفظ سے ان کے برے حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ هٰذَا شَيْءٌ راجح یہ ہے کہ هٰذَا سے بعث بعد الموت کی طرف اشارہ ہے جیسے

بعد والی آیت میں ذکر کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ توحید کی طرف اشارہ ہے جیسے سورۃ ص آیت 5 میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اشارہ ہے کہ رسول بشر ہے۔ عَجِیۡبٌ جو کام لوگوں کی عادت کے خلاف ہو تو وہ اس کو عجیب اور ناآشنا کہتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر غور و فکر کیا جائے تو یہ کچھ بھی ناآشنا نہیں ہے تو منکرین کا تعجب کرنا ہے جا ہے۔ عَجِیۡبٌ تھوڑے ناآشنا کو کہا جاتا ہے اور عُجَاب بہت ناآشنا کو کہا جاتا ہے اور چونکہ مشرکین توحید کے مسئلے کو ناآشنا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہم نے اپنے بڑوں سے نہیں سنا ہے تو اس وجہ سے سورۃ ص آیت 5 میں عُجَاب ذکر کیا ہے اور بعث بعد الموت کا مسئلہ تو بڑوں سے سنا ہے جیسے سورۃ مومنون آیت 82، میں ہے لیکن اسے عقل سے بعید سمجھتے تھے تو اس وجہ سے یہاں اور سورۃ الرعد آیت 5، میں صرف عجیب کہا ہے

تفسیر 3: یہ مُتَعَجَّبٌ مِنۡهُ (جس سے تعجب کرتے ہیں) کا بیان ہے۔ تفصیل کے ساتھ اور تعجب کی تاکید کے لئے شروع میں ہمزہ استفہام انکاری لائے اور اِذَا کے بعد تقدیر ہے یعنی نُبۡعَثُ سورۃ مومنون آیت 82، اور صافات 17، اور واقعہ آیت 47، کے قرینے کے ساتھ اور بَعۡثٌ واپس ہونے پر دلالت کرتا ہے اس وجہ سے ذٰلِكَ رَجۡعٌ کہا یہ بَعۡثٌ کی طرف اشارہ ہے جو کہ نُبۡعَثُ مقدر میں مصدر پوشیدہ ہے اور رَجۡعٌ متعدی ہے واپس کرنے کو کہا جاتا ہے اور رجوع لازم ہے واپس ہونے کو کہتے ہیں۔ بَعِیۡدٌ اس سے مراد ہے عقل اور عادت سے دور ہونا۔

قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ ۚ وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ④ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ⑤ اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ⑥

" تحقیق ہم نے جان لیا ہے جو زمین ان سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے [4] بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا ہے جب ان کے پاس آیا تو وہ الجھن میں پڑ گئے ہیں [5] کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اس کو زینت دی ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں [6]۔

تفسیر 4: یہ ان کے بعث بعد الموت سے انکار اور تعجب کرنے کا رد ہے اور یہ بعث بعد الموت پر عقلی دلیل ہے یعنی وہ ذات جو ان کے بدن کے ہر عضو پر علیحدہ علیحدہ عالم ہے اور ان کے اعمال پر قادر ہے تو وہ ضرور دوبارہ ان کے اجزاء جمع کرنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے۔ مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ اس میں مفسرین کی تین توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ سارا جسم مٹی بن جائے گا لیکن عَجۡبُ الذَّنَبِ (ریڑھ کی ہڈی) مٹی نہیں ہوگی (اور یہ صحیح بخاری حدیث کتاب

التفسیر حدیث 4814 / صحیح مسلم حدیث 141 و 2955 میں بھی آیا ہے)۔ دوسری توجیہ یہ کہ کوئی مرجاتے ہیں اور کوئی ایک وقت تک زندہ ہوتے ہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اکثر انسانوں کے بدن گل سڑ جاتے ہیں لیکن بعض انسان جیسے انبیاء علیہم السلام اور بعض اولیاء اور شہداء کے بدن مٹی نہیں ہوتے۔ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ کتاب سے وہ کتاب مراد ہے جس میں ملائکہ نے انسانوں کے عمل لکھے ہیں تو حفیظ کا معنی ہے کہ تمام اعمال کی حفاظت کی ہے جیسے سورۃ کہف آیت 49، میں ذکر تھا تو حَفِيْظٌ. حَافِظٌ کے معنی میں ہے، جیسے سورۃ انعام آیت 108 میں ہے یا کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کہ اس میں ان کے تمام اعمال وغیرہ لکھے ہوئے ہیں تو حفیظ محفوظ کے معنی میں ہے یعنی شیطانوں کی تغییر و تبدیل سے محفوظ کیے گئے ہیں۔

تفسیر 5: یہ دوسرا اضراب ہے۔ پہلا اضراب دوسری آیت میں تھا وہ موت کے بعد اٹھائے جانے پر ان کے تعجب کرنے پر ڈانٹ تھی اور اس میں قرآن کے بارے میں ان کی تکذیب پر زجر ہے کہ اس نے قیامت کی خبر دی ہے، اس میں ترقی ہے اس لیے کہ تعجب کی جنسیت جھٹلانا بڑا کفر ہے اور تعجب جھٹلانے کے لئے سبب ہے۔ بِالْحَقِّ حق سے مراد قرآن یا رسول اللہ ﷺ یا بعث بعد الموت کی خبر ہے۔ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ مَرِيْجٍ مَرَجٌ سے ماخوذ ہے جیسے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اختلاط اور فساد کو کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ ایک بات پر ڈٹے نہیں، بلکہ کہتے ہیں جادو ہے، تو پھر کہتے ہیں کہ شعر ہے اور کبھی کہتے ہیں کہانت ہے، تو کبھی کہتے ہیں جھوٹ ہے اور خواب ہیں جیسے سورۃ انبیاء آیت 3، 5، میں گزرا ہے یا اس سے خلط ملط دین مراد ہے یعنی مشرکین کا دین خلط ملط ہے جیسا کہ حسن بصری اور قتادہ سے منقول ہے کہ (مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْحَقَّ اِلَّا مَرَجَ اَمْرُهُمْ وَالْتَبَسَ عَلَيْهِمْ دِيْنُهُمْ) کسی قوم نے حق کو نہیں چھوڑا مگر ان کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور دین خلط ملط ہو جاتا ہے اور حرف فَا فَهُمْ دلالت کرتا ہے کہ ماقبل مابعد کے لئے سبب ہے مطلب جھٹلانا مرج کے لئے سبب ہے۔

تفسیر 6: ان کی تکذیب ذکر کرنے کے بعد اس آیت سے آیت 11 تک قیامت کو ثابت کرنے کے لئے دلائل عقلیہ آفاقیہ ذکر کیے ہیں جیسے تعجب کے بعد ایک دلیل علمی ذکر کی تھی تو اس آیت میں دلیل عقلی علوی ہے اور تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک آسمان کی بِنَا (بنانا) دوسرا تاروں کے ذریعے سے اس کی زینت جیسے سورۃ صافات آیت 6، میں ہے اور تیسرا اس کا نہ پھٹنا فروج ف، ر، ج، اجزاء جدا ہونے کو کہا جاتا ہے تو اس سے مراد سوراخ کا ہونا اور پھٹنا ہے یعنی آسمان

کے اجزا ایک دوسرے کے ساتھ پیوست اور ہموار ہیں لیکن ان کی یہ صفت فنا ہونے کے دن تک ہے جیسے کہ سورۃ مرسلات آیت 9 اور تکویر آیت 11 اور انفطار آیت 1 اور انشقاق آیت 1 میں ہے۔

وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝

''اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دی ہیں [7] تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو [8]۔

تفسیر 7: اس میں دلیل عقلی سفلی ہے اور تین چیزوں پر مشتمل ہے: پہلی چیز مَدُّ الْأَرْضِ: جیسا کہ سورۃ رعد آیت 3 اور سورۃ حجر آیت 19 میں ہے۔ سوال: قیامت قائم ہونے کے وقت بھی آیا ہے وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ: (سورۃ انشقاق آیت 3) تو کیا ابھی ممدود (پھیلی ہوئی) نہیں ہے؟ جواب: ابھی مَدُّ الْأَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ زمین کو ایسا فرش (بچھایا ہوا) بنایا کہ انسانوں کی زندگی اس میں گزر سکتی ہو اگرچہ اس میں پہاڑ، وادیاں ٹیلے بھی انسانوں کے فائدوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن کے مد سے مراد یہ ہے کہ اس طرح اسے کھینچیں گے کہ پہاڑ اور گڑھے اس سے ختم ہو جائیں گے جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 107، میں ہے دوسری رَوَاسِيَ (پہاڑ) زمین میں گاڑنا جیسے سورۃ رعد آیت 3، اور سورۃ حجر آیت 19، سورۃ نحل آیت 15، اور سورۃ انبیاء آیت 31، اور سورۃ نمل آیت 61 اور سورۃ لقمان آیت 10، اور سورۃ حم سجدۃ آیت 10، اور سورۃ مرسلات آیت 27، اور سورۃ نازعات آیت 32، میں ہے۔ تیسری چیز اِنْبَاتُ یعنی زمین میں نباتات۔ زَوْجٍ پودوں کی اقسام مراد ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ بعض صفتوں میں مشابہت اور موافقت رکھتے ہوں اگرچہ باقی صفات میں الگ ہوں۔ بَهِيجٍ میں اشارہ ہے کہ یہ پودے جس طرح خوراک کے لئے ہوتے ہیں اسی طرح سیر کرنے اور رونق کے لئے بھی ہیں۔

تفسیر 8: اس آیت میں سابقہ دونوں آیتوں کے فائدے ذکر ہے۔

پہلا فائدہ: تَبْصِرَةً اور دوسرا ذِكْرٰى اور ان دونوں کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلے کے لئے مفعول لہ ہے یا فعل محذوف کے لئے مفعول بہ ہے یعنی جَعَلْنَاهَا تَبْصِرَةً وَذِكْرٰى یا مفعول مطلق اور حال ہے۔ پھر یہ دونوں فائدے آسمان و زمین دونوں کے ساتھ متعلق ہیں یعنی دونوں فائدے آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی ہیں یا لف نشر مرتب

کے طور پر ہے یعنی آسمان تبصرۃً اور زمین ذکریٰ ہے دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ تَبۡصِرَۃً وہ عبرت ہے جو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے اور ذِکۡرٰی وہ نصیحت ہے جو عقل اور دل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے یا تَبۡصِرَۃً میں توحید کے دلائل اور ذکریٰ میں بعث بعد الموت کے دلائل کی طرف اشارہ ہے۔ عَبۡدٍ میں اشارہ ہے کہ یہ فائدے عبدیت کی صفت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں نہ کہ تکبر کے ساتھ اور مُّنِیۡبٍ میں اشارہ ہے کہ یہ فائدے ضد اور عناد سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ جو شہوات نفسانی سے حق کی طرف پلٹ جائے تو وہ فائدے لے سکتا ہے۔

وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۙ﴿۹﴾ وَ النَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّہَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ﴿ۙ۱۰﴾ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَ اَحۡیَیۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ؕ کَذٰلِکَ الۡخُرُوۡجُ ﴿۱۱﴾

"اورآسمان سے ہم نے برکت والا پانی برسایا ہے اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے [9] اور کھجور کے بلند و بالا درخت جن کے گوشے تہہ بہ تہہ ہیں [10] بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے اس کے ساتھ مردہ شہر کو زندہ کیا اس طرح قبروں سے نکلنا ہے [11]۔

تفسیر 9: یہ دوسری دلیل عقلی وسطی ہے یہ بھی تین چیزوں پر مشتمل ہے: پہلی چیز اِنۡزَالُ الۡمَآءِ یعنی بارشیں برسانا۔ دوسری چیز باغات پیدا کرنا، اور تیسری چیز غلہ اور اناج اُگانا۔ نَزَّلۡنَا اس لفظ میں اشارہ ہے کہ وقت بہ وقت بارشیں برسانے میں بہت فائدے ہیں باب تفعیل کا صیغہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ مُّبٰرَکًا وہ بارش جس کے ذریعے زمین تازہ ہو جائے اور فضا صاف ہو جائے اور امراض بھی کم ہو جائیں اس قسم برکات اللہ تعالیٰ نے بارشوں میں پیدا کی ہیں۔ جَنّٰتٍ درختوں کے اونچے پودوں کے باغات مراد ہیں۔ پہلی آیت میں بھی اِنۡبَات ذکر کیا تھا اور اس آیت میں دوبارہ ذکر کیا اس میں فرق کئی وجوہ سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ انبات بارش سے پہلے زمین کے نم ہونے یا نہر اور کنووں اور چشموں وغیرہ کے پانی سے ہے اور اس آیت میں انبات بارش سے ہے کہ بارش ہونے کے بعد درخت اور پودے اُگ جائیں جیسا کہ فَاَنۡۢبَتۡنَا: میں حرف فاء اس پر دلیل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس آیت میں زوجیت کی صفت مقصود تھی اور اس آیت میں درختوں کا بڑا ہونا اور گھنا ہونا مراد ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس آیت میں فِیۡہَا کی ضمیر ایک احتمال کے مطابق رَوَاسِیَ کی طرف راجع ہو سکتی ہے یعنی صرف پہاڑوں کے پودے مراد ہیں اور اس آیت میں عام پودے مراد ہیں۔ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ بصریوں کے نزدیک یہ اصل میں حَبَّ النَّبۡتِ الۡحَصِیۡدِ ہے یعنی ان پودوں کے دانے جن کو کاٹا جا سکتا

ہو اور کوفیوں کے نزدیک یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اور اس سے گندم جو، چاول وغیرہ مراد ہیں کہ پودے سوکھ جانے کے بعد کاٹے جائیں اور پھر تھریشر یا دوسرے آلات کے ذریعے سے ان سے دانے نکالے جائیں۔

تفسیر 10: یہ ایک اور دلیل عقلی وسطی ہے وَ النَّخْلَ. یہ جَنّٰتٍ پر عطف ہے کھجور کے فائدے اور اوصاف باقی درختوں سے زیادہ ہیں اس وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا اور یہ دلیل بھی تین چیزوں پر مشتمل ہے: پہلی نخل دوسری باسقات، بسوق اونچا ہونے کو کہتے ہیں اور برابر کو بھی کہتے ہیں اور تیسری لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ کھجور کے میوے جو شروع میں ایک بند خوشے میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر کھل جاتے ہیں تو اس کو طلع کہا جاتا ہے اور نَّضِيدٌ ظاہر ہونے سے پہلے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 11: یہ پہلے دلائل کا تتمہ ہے تین چیزوں پر مشتمل ہے: پہلی چیز رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ یہ فعل محذوف کے لئے مفعول مطلق ہے یا تمیز یا مفعول لہ ہے یا مفعول بہ مَرْزُوْقًا کے معنی میں ہے۔ سوال: زمین و آسمانوں کے پیدا کرنے کے ذکر کے بعد تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى ذکر کیا تھا اور بارشوں اور پودوں اور میووں کے پیدا کرنے کے ذکر کے بعد رِزْقًا ذکر کیا اس کی کیا حکمت ہے؟ جواب: قیامت کو ثابت کرنے میں دو مقصد ہیں: پہلا اللہ تعالیٰ کا دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہونا اور دوسرا مقصد اعادے کے بعد مقصد کو باقی رکھنا، تو پہلے اشارہ تھا کہ جو ذات آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے اور اس عبرت کو تَبْصِرَةً اور ذِكْرٰى کہا جاتا ہے اور پھر اشارہ کیا کہ جو ذات تمہیں پھلوں اور غلے سے زندہ رکھتی ہے تو وہ ذات آخرت میں بھی ضرور زندہ رکھ سکتی ہے اور بقاء اور زندگی رزق کے ساتھ ہیں پھر پہلے کے ساتھ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ قید لگائی ہے اور بعد والی آیت کے ساتھ صرف عباد کہا ہے یہ اس لیے کہ تبصرۃ اور ذکر حاصل کرنے کے لئے انابت ضروری ہے اور رزق تو سب بندوں کو دیتا ہے۔ دوسری چیز وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا" بارش کے فائدوں میں یہ فائدہ آخر میں خاص طور پر ذکر کیا اس لیے کہ بعث بعد الموت کو ثابت کرنا مقصود ہے اور وہ اس فائدے کے ذکر کرنے سے خوب معلوم ہوتا ہے۔ تیسری چیز كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ: یہ سورت کا دعویٰ اور مرکزی مضمون ہے یعنی جس طرح زمین کے خشک ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے اناج پودے نکالتا ہے تو اسی طرح تمہیں بھی قیامت کے دن مختلف شکلوں، صورتوں اور صفتوں کے ساتھ قبروں سے نکالے گا تو یہ زمین کے خشک ہونے کے بعد پودوں کے نکلنے پر قیاس کرتے ہوئے قیامت کو ثابت کیا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر عید کے دن سورۃ ق کی تلاوت کرتے تھے (صحیح مسلم حدیث 891) تو اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ عید کے دن مسلمان اپنے گھروں

سے مختلف کیفیات کے ساتھ نکلتے ہیں تو اسی طرح قیامت کے روز تمام لوگ اپنے اعمال کے موافق مختلف حالات میں اپنی قبروں سے نکلیں گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿١٣﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ
تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ أَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٥﴾ ع

''اس سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا اور کنویں والوں نے اور ثمودیوں نے [12] اور عادیوں اور فرعون نے اور لوط علیہ السلام کی قوم نے [13] اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب آیا [14] کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے بلکہ وہ نئی پیدائش سے شک میں ہیں [15]۔

تفسیر 12، 13، 14: یہ آٹھ اقوامِ مکذبہ کے ذکر اور اجمالاً ان کے عذاب کے ذکر کرنے کے ذریعے تخویف دنیوی ہے اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو تسلی بھی ہے یعنی پہلے متعدد طاقتور قوموں نے بعث بعد الموت اور رسولوں کو جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب آئے تو اسی طرح یہ موجودہ لوگ بھی ہیں۔ پہلی آیت میں تین قومیں ذکر کیں قوم نوح، اصحاب الرس اور ثمود اور دوسری آیت میں بھی تین ہیں: عاد، فرعون اور اخوان لوط اور تیسری آیت میں دو ہیں اصحاب ایکہ اور قوم تبع (حکمتیں) پہلی حکمت یہ کہ سورۃ حج آیت 42، 43، 44 میں اقوام مکذبہ میں سے سات قومیں ذکر کیں ان کی اصلی ترتیبِ زمانی کے ساتھ اس لیے کہ ان آیتوں میں صرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود تھا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی ہے اور سورۃ ص آیت 12، 13 میں ترتیب کو بدلا ہے اس لیے کہ اُس سورت میں ان مکذبین کا ذکر مقصود ہے جنہوں نے عزت (غرور) اور شقاق کی وجہ سے جھٹلایا ہے تو غرور اور شقاق میں جو قومیں زیادہ ہیں تو ان کو ترتیب کے ساتھ پہلے ذکر کیا ہے اور سورۃ ق میں عقلی دلائل (جو پہلے ذکر ہوئے) کی تکذیب مقصود ہے تو جس قوم میں یہ جہالت زیادہ ہے اس کو پہلے ذکر کیا ترتیب کے ساتھ۔ دوسری حکمت: اصحاب الرس کو صرف سورت فرقان اور اس سورت میں ذکر کیا ہے دوسری سورت میں اقوام مکذبہ کے سلسلہ میں ان کو ذکر نہیں کیا اس لیے کہ وہ زیادہ مشہور نہیں ہیں۔ تیسری حکمت: اصحاب الایکہ شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جیسے اصحاب مدین یا دونوں ایک قوم ہے اس وجہ سے سورۃ ص اور ق میں ان کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ چوتھی حکمت: یہاں اخوان لوط ذکر کیا لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی اخوت صرف مصاہرت (سسرالی) کی وجہ سے ہے اور عام لوگوں کے نزدیک اس اخوت کا پورا اعتبار نہیں ہے اسی وجہ سے باقی سورتوں

میں صرف قوم لوط کہا اور اس سورت میں ان کی انتہائی جہالت اور سرکشی کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنی قرابتداری (اپنے داماد) کا بھی لحاظ نہیں کیا اور ان کو جھٹلایا۔ پانچویں حکمت: قوم تبع کو ان سورتوں میں ذکر نہیں کیا جن میں جھٹلانے والی قوموں کا ذکر مقصود ہے سوائے سورۃ دخان آیت 37 اور اس سورت کے اس لیے کہ ان کی قوم میں تکذیب زیادہ مشہور نہیں ہے اور ان کا عذاب بھی معروف نہیں ہے۔ چھٹی حکمت: یہاں فرعون ذکر کیا فرعون کی قوم ذکر نہیں کی اس میں اشارہ ہے کہ فرعون ان کا امام تھا اور انہوں نے اس کی تقلید میں تکذیب کی ہے تو ان کے بڑے کا ذکر کیا گویا کہ زیادہ جہالت کی وجہ سے انکا وجود کالعدم ہے۔ ساتویں حکمت: یہاں تکذیب دو مرتبہ ذکر کی ہے یہ اشارہ ہے کہ پہلی تکذیب عقلی دلائل کی ہے اور دوسری انہوں نے رسولوں (وحی) کو جھٹلایا۔ آٹھویں حکمت: سورۃ ص میں فَحَقَّ عِقَابِ ذکر کیا اور یہاں فَحَقَّ وَعِيْدِ ذکر کیا ایک وجہ یہ ہے کہ اس کو کلام کی فصاحت کے لئے فواصل (فاصلوں) کی رعایت کہتے ہیں یعنی سورت ص میں آیتوں کے فاصلے ایسے لفظ کے ساتھ ہیں کہ لام کلمے سے پہلے الف ہو جیسے شقاق، عجاب، عقاب وغیرہ اور اس سورت میں فاصلے ایسے لفظ کے ساتھ ہیں کہ لام کلمے سے پہلے یاء ہو جیسے مجید، حفیظ، بھیج، زجر، اور یہ دونوں سورتوں میں اکثری طور پر ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ ص میں کافروں کا مرض عزت اور شقاق ذکر کیا ہے اور ایسے وصف والے لوگ اپنے عمل کے انجام سے غافل ہوتے ہیں تو ان کے لیے عقاب ذکر کیا جو عاقبت سے ماخوذ ہے اور اس سورت میں قیامت کے وعدے سے انکار ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ مناسب لفظ وعید ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بحکم کلامہ)

تفسیر 15: بعث بعد الموت کے انکار پر زجر ہے ساتھ دلیل کی طرف اشارہ ہے جو خلقِ اول پر قیاس ہے اور اس ڈانٹ میں اشارہ ہے کہ گزری ہوئی قوموں کے پاس قیامت کی تکذیب کی کوئی دلیل نہیں تھی اس وجہ سے ان کی تکذیب کے بعد یہ زجر ذکر کی أَفَعَيِينَا ہمزہ استفہام انکاری ہے اور معطوف علیہ حرف فاء کا محذوف ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے أَكَذَّبُوا فَعَيِينَا یعنی لِأَجْلِ عِجْزِنَا وَتَعَبِنَا (انہوں نے تکذیب کی اس وجہ سے کہ ہم تھک گئے ہیں پہلی پیدائش سے) بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ خلقِ اول سے مراد انسانوں کی پہلی پیدائش ہے جیسے سورۃ یٰس آیت 79 میں اشارہ ہے یا خلق اول سے مراد آسمانوں و زمین، پانی اور پودوں وغیرہ کی پیدائش ہے جو آیتوں میں ذکر ہوئی اور اس کی طرف سورہ یٰس آیت 81 میں اشارہ ہے لَبْسٍ: لَبْس باتوں میں خلط ملط ہونا جس کا سبب ان کا سخت شک اور شبہ تھا یہاں مسبب

کا ذکر ہے اور مراد اس سے سبب ہے۔ سوال: ان کی تکذیب آیت 5 میں ذکر کی ہے یہاں شک ذکر کیا اور یہ تو تکذیب سے ادنیٰ ہے؟ جواب: اس میں اشارہ ہے کہ اصل میں ان کے انکار اور جھٹلانے کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ضد کی وجہ سے شک کو انکار تک پہنچا دیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾

"اور یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو اس کے دل میں خیالات اٹھتے ہیں ہم انھیں جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں [16] جس وقت دو لینے والے لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے [17] انسان منہ سے کوئی لفظ نہیں نکالتا ہے مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہیں [18]۔

تفسیر 16: اس آیت سے سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے اس میں دلیل عقلی مختصر ہے پھر کراماً کاتبین کی کتابت کے ذریعے سے حفاظت اعمال کا ذکر قیامت اور حساب کو ثابت کرنے کے لئے ہے، پھر ڈرانے کے لئے حالت نزع کا ذکر ہے پھر دس طریقوں سے تخویف اخروی مفصل ہے اور جہنم والوں کی چھ صفات ذکر ہیں، قرینات اور جہنم کے حال کا ذکر آیت 30 تک ہے پھر پانچ طریقوں سے اہل جنت کی پانچ صفات آیت 35 تک ذکر کرنے کے ذریعے بشارت ہے پھر تخویف دنیوی اور قرآن کی طرف ترغیب ہے اور آیت 38 میں موت کے بعد اٹھائے جانے پر دلیل عقلی پھر دعوت پر تشجیع کے لئے پانچ حکم اور آخر تک قیامت کے آٹھ احوال کا ذکر ہے۔ اس آیت 16 میں انسان کے خلق اول کے ذکر پر دلیل عقلی ہے جو کہ پہلی آیت میں ذکر ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تین صفات ذکر کی ہیں: پہلی صفت اللہ تعالیٰ کا انسان کو پیدا کرنا اور اس میں بھی اس ذات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کیوں قیامت کی تکذیب اور انکار کرتا ہے۔ دوسری صفت انسان کے نفس کے وسوسوں کا علم اور اس میں بھی زجر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس اور شیطان اس انسان کو وسوسے ڈالتے ہیں اس کی وجہ سے انسان ضد اور عناد میں پڑ جاتا ہے اور وہ تکذیب اور انکار کرتا ہے وَسْوَسَہ: نفس کی طرف سے شر کی بات جو بے اختیار ہوتی ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے وسوسوں کو معاف کیا ہے جب تک زبان سے نہ کہے یا اس پر عمل نہ کیا ہو۔ (صحیح بخاری کتاب العتق حدیث 2528۔ 6664 / ترمذی 1183 / ابن ماجہ 2040 / نسائی 156) اور وسوسے ڈالنے والی تین چیزیں ہیں: ایک انسان کا نفس

جیسے سورۃ یوسف آیت 53 میں ہے۔ دوسرا جنی شیطان ۔ تیسرا شیطان انسی ہے اور یہ دونوں سورۃ الناس میں ذکر ہیں اور وسوسہ بہت زیادہ پوشیدہ چیز ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر عالم ہے کسی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہے۔ تیسری صفت اللہ تعالیٰ کے لئے صفت اقربیت ہونا۔ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ اللہ تعالیٰ کا قریب ہونا واضح معنی ہے لیکن اسکی کیفیت کو ہم نہیں جانتے مخلوق کے ساتھ اس کی تشبیہ نہیں ہے اور نہ اس کی تاویل کرتے ہیں اور یہ قربت عرش کی فوقیت کے ساتھ منافات نہیں رکھتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے یعنی رگ جو ورید ہے، یا اضافت بیانیہ ہے اور وَرِیْدِ: دو رگیں ہیں گردن کے دائیں طرف اور بائیں طرف سر سے، وتین رگ تک متصل ہیں اور وتین دل کی رگ ہے جس کے کٹنے سے انسان مرجاتا ہے تو ورید مفرد سے جنس مراد ہے تو دونوں اس میں شامل ہیں ، یا ہر ایک وَرِیْد اس سے مراد ہے اس لیے مفرد ذکر کیا پھر اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ یہ رگیں روح کے چلنے کی رگیں ہیں تو مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روح سے بھی زیادہ قریب ہے، یا یہ وجہ ہے کہ یہ رگیں دل کے ساتھ باندھی ہوئی ہیں تو مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قربت انسان کے دل (جو وسوسوں کا محل ہے) کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اَقْرَبُ اسم تفضیل اس وجہ سے فرمایا کہ انسان کا دل ہو یا روح ہو انسان کے اعضاء اور بدن کے ٹکڑے درمیان میں مانع ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قربت کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

تفسیر 17: اس آیت میں بعث بعد الموت ثابت کرنے کے لئے کِرَامًا کَاتِبِیْنَ (کتابت کرنے والے معزز ملائک) کا حال ذکر فرمایا ہے ہیں یعنی ان ملائک کا مقرر ہونا اور اعمال لکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور جزا اور حساب کے دن کو قائم کرے گا۔ اِذْ لفظ اُذْکُرْ کے معنیٰ میں ہے تو یہ مستقل کلام ہے، یا اَقْرَبُ کے ساتھ متعلق ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ ملائک جو اعمال لکھنے کے لئے تم پر مقرر ہیں ان سے اللہ تعالیٰ زیادہ قریب ہے تو وہ ملائک کے لکھنے کی حاجت نہیں رکھتا لیکن یہ تو انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہے۔ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ جب ایک چیز یا کلمہ کسی کی طرف سے آئے اور کوئی اس کو لے لیتا ہے تو اس کو تَلَقِّیْ کہا جاتا ہے تو اسی طرح دو ملائک انسان سے جو کلمات اقوال اور اعمال صادر ہوتے ہیں اپنے پاس محفوظ کرتے ہیں عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ: قَعِیْدٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر مفرد اور متعدد دونوں کے لئے یکساں بولا جاتا ہے یا کلام میں حذف ہے یعنی عَنِ الْیَمِیْنِ قَعِیْدٌ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ اور روایات سے ثابت ہے کہ دو ملائک دن کو اور دو رات کو ہوتے ہیں اور دائیں طرف نیکی لکھنے والے اور بائیں طرف برے اعمال

لکھنے والے ہوتے ہیں۔(مسند احمد 469/3/ترمذی حدیث 2319/ابن ماجہ حدیث 3969/شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)اور حسنات لکھنے والے سیئات لکھنے والوں پر امین ہیں اور ان کو کِرَاماً کَاتِبِیْن کہا جاتا ہے قَعِیْدٌ سے مراد لازم اور ساتھی ہوتا ہے چاہے کھڑا ہو یا بیٹھا،صرف بیٹھنا اس سے مراد نہیں۔

تفسیر 18: پہلے تلقی اور دونوں طرف ذکر کیے،اب ان ملائکہ کی تیاری ذکر کرتے ہیں یعنی یہ کسی بھی وقت غافل نہیں ہوتے۔ یَلْفِظُ لغت میں لفظ رمی(پھینکنے)کو کہا جاتا ہے یعنی انسان اپنے اختیار سے اپنے منہ سے جو بات نکال دیتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جو کلمات زبان سے بے اختیار نکلتے ہیں تو ان کو نہیں لکھتے بلکہ وہ معاف ہیں۔ مِنْ قَوْلٍ صحیح یہ ہے کہ اقوال اور اعمال دونوں لکھتے ہیں لیکن قول کو خاص اس لیے ذکر کیا کہ اس سورت میں آیت 2 اور 3 میں قیامت کے بارے میں منکرین کے اقوال ذکر ہیں تو اس میں زجر ہے کہ حساب کے لئے تمہارے یہ اقوال لکھے جاتے ہیں۔ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ یہ دونوں بھی قعید کی طرح مفرد اور متعدد کے لئے یکساں استعمال ہوتے ہیں رَقِیْبٌ نگہبان،چوکیداری کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور عَتِیْدٌ تیار اور حاضر کو کہا جاتا ہے یعنی ان ملائکہ میں یہ صفات ہیں۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝

''اور موت کی سختی یقیناً آئی یہ وہی چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے[19]اور صور میں پھونکا جائے گا یہ عذاب کا دن ہے[20]اور ہر شخص آئے گا اس کے ہمراہ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا[21]بے شک تو اس سے غفلت میں تھا ہم نے تیرا پردہ تجھ سے اٹھایا پس آج تیری بینائی تیز ہے[22]۔

تفسیر 19: اس آیت میں نزع کی حالت کے ذکر کے ذریعے سے تخویف ہے یعنی جب اعمال لکھے جائیں اور عمر ختم ہونے لگے تو موت کی سختی شروع ہو جائے گی تو اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ سَكْرَةُ الْمَوْتِ یعنی موت کے وقت ایسی سختی اور تکلیف آتی ہے کہ انسان سکر(نشے)کی حالت کی طرح ہوتا ہے یہاں اس کی اعتدال اور اختیار سے باہر ہو جاتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نزع کے وقت فرمایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي

علی سکرات الموت "یقینا موت کی تکلیفیں ہیں اے اللہ موت کی تکلیفوں پر میری مدد فرما۔ (ترمذی 978 کتاب الجنائز واصلہ فی الصحیحین کماقال الالبانی فی المشکوٰۃ 1508) بِالْحَقِّ یہ جَآءَتْ کے ساتھ متعلق ہے اور حق یقین کے معنی میں ہے یا سکرات کے ساتھ متعلق ہے اور حق سے مراد امر واقعی ہے۔ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ یہ ملائکہ کی طرف سے انسان کو نزع کے وقت میں خطاب ہے۔ تَحِيْدُ حید یا حیدودۃ سے ماخوذ ہے ٹیڑھا ہونا قصد اور نفرت کرنے کے ساتھ پھرنا۔

تفسیر 20: اس آیت سے آیت 30 تک تخویف اخروی مفصل ہے جس میں سولہ احوال ذکر فرماتے ہیں، اس آیت میں دو حالتیں ذکر کی ہیں: پہلی حالت وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ اس سے مراد موت کے بعد اٹھانے کے لئے دوسرا صور ہے۔ دوسری حالت يَوْمُ الْوَعِيْدِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دن میں منکرین کے ساتھ عذاب کا وعدہ کیا ہے اور یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

تفسیر 21: اس آیت میں دو حالتیں ذکر کی ہیں: پہلی حالت ہر انسان کا میدان حشر کی طرف آنا دوسری حالت ہر نفس کے ساتھ سائق اور شہید ہوگا دونوں سے مراد ملائکہ ہیں کہ ایک میدان حشر اور پھر جنت اور جہنم کے مقام تک لائے گا جنتیوں کے ساتھ بھی سائق ہوگا جس پر سورۃ زمر آیت 73 دلالت کرتی ہے اور جہنمیوں کے ساتھ بھی ہوگا جیسے سورۃ زمر آیت 71 میں ہے اور جہنم والوں کے لئے جانے کا طریقہ سورۃ رحمان آیت 41 میں ہے اور دوسرا ملائکہ اس پر شہادت (گواہی) دے گا، جنت والوں کے لئے ان کے نیک اعمال کی گواہی دے گا اور جہنم والوں کے لئے ان کے برے اعمال کی گواہی دے گا اور سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ اگرچہ مفرد ہے لیکن اس سے جنس مراد ہے تو زیادہ کے لئے بھی مستعمل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سَآئِقٌ سے مراد ملائکہ ہیں اور شَهِيْدٌ سے مراد ان کے اعضاء، یا ان کے اعمال، یا وہ اعمال نامے ہیں جو لکھے گئے ہیں اور كُلُّ نَفْسٍ واضح دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت تمام لوگوں کے لئے عام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔

تفسیر 22: اس آیت میں بھی دو حالتیں ذکر کی ہیں: پہلی حالت غطاء کا کشف (پردے ہٹانا) ہے اور دوسری حالت نظر کا تیز ہونا ہے۔ مِنْ هٰذَا پہلا مجموعہ حال کی طرف اشارہ ہے یعنی صور پھونکنا اور سَآئِقٌ اور شَهِيْدٌ کے ساتھ میدانِ محشر کی طرف آنا اور غفلت سے مراد دنیا کی محبت اور خواہشات کے سبب سے گناہوں کا ارتکاب کرنا ہے تو اس میں گنہگار

مؤمن بھی شامل ہیں یا اس سے مراد انکار کرنا ہے تو کافروں کے ساتھ خاص ہے۔ غِطَآءَكَ اس سے مراد وہ احوال ہیں جو آخرت کے ذکر سے روکتے ہیں یعنی جہالت اور دنیا اور خواہشات نفسانی کی محبت اور ان سب کا سبب غفلت ہے جیسے سورۃ کہف آیت 101 میں ذکر ہے۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ دل کی بصیرت مراد ہے اس لیے کہ غفلت کہ جگہ دل ہے تو غفلت کے ازالے سے دل میں بصیرت آئی یا اس سے مراد غطاء (پردے) کے مقابلے میں آنکھوں کی بصر (بینائی) ہے یعنی انسان روزِ قیامت اپنے اعمال کی سزا اور جزا اور میزان کو اس طرح دیکھے گا کہ کوئی بھی حاجب اور مانع سامنے نہیں ہوگا اور اس کی طرف سورۃ مریم آیت 38 میں اشارہ ہے۔ سوال: سورۃ طٰہٰ آیت 124 اور سورۃ اسراء آیت 72 سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن یہ اندھے ہوں گے تو آیت کے ساتھ تعارض معلوم ہوتا ہے؟ جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ مختلف اوقات پر محمول ہے بعض اوقات میں اندھے ہوں گے اور بعض اوقات میں نظر تیز ہوگی۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ ان آیتوں میں عمیٰ سے مراد عدم دلیل اور عدم حجت ہے یعنی بے دلیل ہوں گے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾
الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾

"اور اس کا ہم نشین (ملائک) کہے گا یہ تیار ہے جو میرے پاس تھا [23] ڈال دو جہنم میں ہر کافر اور سرکش کو [24] جو نیک کام سے روکنے، والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا [25] وہ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو [26]۔

تفسیر 23: اس آیت میں ایک اور حال بیان کیا ہے جو قرین کی شہادت ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد مقرر ملائک (كِرَامًا كَاتِبِينَ) ہیں کہ وہ ہر ایک کے عمل نامے کو تیار حالت میں حاضر کریں گے تو هَٰذَا میں لکھے ہوئے اعمال نامہ کی طرف اشارہ ہے۔ لَدَيَّ میں اشارہ ہے کہ یہ میرے پاس امانت تھی کسی نے اس میں کوئی خیانت نہیں کی اور بعض مفسرین کے قول میں قرین سے مراد شیطان ہے جیسے سورۃ زخرف آیت 36 اور سورۃ حٰم سجدہ آیت 25 میں ہے اور هَٰذَا میں اشارہ ہے اس (گمراہ کیے ہوئے) شخص کی طرف اور عَتِيدٌ سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے اس کے اغوا (گمراہ) کرنے کے سبب اس کو جہنم کے لئے تیار کیا ہے۔

تفسیر 24، 25، 26: ان آیتوں میں دو حالتیں ذکر کی ہیں: (۱) جہنم میں القاء (ڈالنا) (۲) سخت عذاب میں القاء

(یعنی) اور جہنمی کی چھ صفات قبیحہ ذکر کی ہیں۔ اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے اس میں چار اقوال ہیں: پہلا یہ کہ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ ایک ساتھی کو تثنیہ کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ تثنیہ تکرار کے لئے ہے جیسے لفظ لبیک میں ہے۔ یعنی اَلْقِ، اَلْقِ۔ تیسرا یہ کہ دو ملائکہ ہیں ایک سَآئِقٌ اور ایک شَهِيْدٌ ان کو خطاب ہے کہ ایک سر اور دوسرا ٹانگوں سے پکڑے گا جیسے سورۃ رحمان آیت 41 میں ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ مفرد کا صیغہ ہے اَلقِیا اصل میں اَلْقِیَنْ ہے نون تاکید خفیفہ الف سے بدلا ہوا ہے جہنم میں جانے کا پہلا سبب کفر ہے تو اس کو پہلے کفار کے ساتھ ذکر کیا مبالغے کا صیغہ لا کر، یعنی توحید، رسول، قرآن اور قیامت کی نقلی و عقلی دلیلوں کا منکر ہے عَنِیْدٍ یعنی کفر کے ساتھ عناد اکٹھا ہے یہ لوگ اہل حق کے ساتھ حسد، بغض اور تکبر کی وجہ سے سمجھ رکھنے کے باوجود حق سے انکار کرتے ہیں، تو عناد کرنا زیادہ گناہوں کو متضمن ہے جیسے انکار، حسد، تکبر، حق اور اہل حق کا ازدراء (یعنی تحقیر کرنا) اور باطل پر غیرت کرنا، مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ اشارہ ہے کہ یہ شخص بخیل اور مفضل دونوں صفتیں رکھتا ہے۔ اَلْخَيْرِ توحید، سنت، قرآن، فی سبیل اللہ مال کو خرچ کرنا وغیرہ تمام واجبات کو شامل ہے۔ مُعْتَدٍ میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ ظلم کرنے کے ساتھ حقوق العباد کو بھی ضائع کرتے ہیں۔ مُّرِيْبٍ یہ لازم اور متعدی دونوں معانوں کے لئے آتا ہے کہ خود بھی شک کرتا ہے اور دوسروں کو بھی شک میں ڈالتا ہے، یعنی اہل حق پر شبہات پیدا کرنے اور طعن کرنے کے ذریعے۔ اِلَّذِیْ جَعَلَ یہ صفت مستقل ذکر کی ہے اشارہ ہے کہ یہ تمام قبائح کے لئے اصل اور منشاء ہے۔ فَاَلْقِیٰهُ دوبارہ ذکر کرنے میں عذاب کی ترقی کی طرف اشارہ ہے اور حرف فاء کے ساتھ ذکر کیا اشارہ ہے کہ سابقہ صفات عذاب شدید کے لئے سبب ہیں۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ
ع بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

"اس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا لیکن وہ خود دور کی گمراہی میں تھا[27] اللہ تعالی فرمائے گا میرے پاس جھگڑے مت کرو اور تحقیق میں نے تمہیں پہلے عذاب کی خبر دی[28] میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں[29]۔

تفسیر 27: اس آیت میں دو حالتیں ذکر کی ہیں: (۱) قرین کا گمراہ کرنے سے انکار (۲) اس انسان کی گمراہی، یہاں قرین سے مراد شیطان ہے اگر گزری ہوئی آیت میں بھی قرین سے شیطان مراد ہو تو فرق یہ ہے کہ وہاں شیطان جنی مراد ہے

اوراس آیت میں شیطان انسی مراد ہے۔ **حکمت :** پہلی آیت میں وَ قَالَ قَرِیْنُهٗ واو عاطفہ کے ساتھ ذکر تھا اس لیے کہ اس میں جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآىِٕقٌ وَّ شَهِیْدٌ'' پر عطف تھا اور اس آیت میں عطف ذکر نہیں کیا اشارہ ہے کہ یہ کلام ایک سوال کا جواب ہے یعنی گمراہ انسان کہے گا اے میرے رب! مجھے تو اس شیطان انسی نے گمراہ کیا تھا جیسے سورۃ صافات آیت 28 سباء آیت 31 سورۃ ص آیت 60 میں گزرا ہے تو وہ قرین اپنی صفائی کا جواب دے گا یعنی گمراہی میں، میں نے انسان پر زبردستی نہیں کی بلکہ میں نے صرف دعوت دی ہے تو یہ اپنے اختیار کے ساتھ گمراہ ہوا ہے جیسے سورۃ ابراہیم آیت 22 میں ہے۔

تفسیر 28: اس آیت میں ایک حال ذکر کیا ہے تو معلوم ہوا کہ پہلے گمراہوں انسی اور جنی شیطان ایک دوسرے پر دعوے کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس فرمان کے ساتھ منع کرے گا لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ لفظ لَدَیَّ: میں اشارہ ہے کہ یہ جزا (بدلے) کا مقام ہے یہاں جھگڑا کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا ہے۔ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ: یہ لَا تَخْتَصِمُوْا کے لئے پہلی علت ہے یعنی رسولوں اور داعیان حق کے ذریعے میں نے عذاب کی خبریں بھیجی تھیں لہٰذا تمہارا کوئی بھی عذر باقی نہیں بلکہ تم پر حجت قائم کی گئی ہے۔

تفسیر 29: اس آیت میں بھی دو حالتیں ذکر کی ہیں اور یہ بھی لَا تَخْتَصِمُوْا: کے لئے علتیں ہیں۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ یعنی میں نے جو فیصلہ کیا ہے جیسے سورۃ ص آیت 85 میں ہے تو وہ کسی بھی طریقے سے نہیں بدلتا تو تمہارے جھگڑنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ لَدَیَّ یُبَدَّلُ کے ساتھ متعلق ہے یا اَلْقَوْلُ کے ساتھ متعلق ہے یعنی وہ قول جو میری طرف سے مقرر ہے وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ: یعنی تمہارے اختصام (جھگڑے) کا کچھ فائدہ نہیں ہے اس لیے کہ میرے دربار میں ظلم نہیں ہے اور اختصام تو اس مقصد کے لئے ہوتا ہے کہ حاکم عدل کے ساتھ فیصلہ کرے اور اللہ تعالیٰ تو ہر وقت عدل کرنے والا ہے اور اسی طرح سورۃ آل عمران آیت 182 اور سورۃ حج آیت 10 اور سورۃ انفال آیت 51 اور سورۃ فصلت آیت 46 میں بھی گزرا ہے۔ سوال: لفظ ظَلَّامٍ مبالغہ ہے یعنی زیادہ ظلم کرنے والا نہیں ہے تو اس سے تو زیادہ ظلم کی نفی معلوم ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو کچھ بھی ظلم نہیں کرتا جیسے سورۃ آل عمران آیت 108 میں ہے؟ جواب: کئی وجوہ سے ہے: اول یہ کہ یہ صیغہ مبالغے کا نہیں ہے بلکہ یہ ذُوْ ظُلْمٍ کے معنی میں ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ ہر صفت جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہو تو وہ مبالغے کے ساتھ ہوتی ہے تو بالفرض اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم موجود ہوتا تو مبالغے کی ہوتا تو یہ فرض

کے بے طور پر۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عبید جمع ہے تو مراد یہ ہے کہ اگر زیادہ بندوں پر ظلم کرتے تو زیادہ مظالم اس سے بن جاتے۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿٣٠﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾

جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر چکی؟ تو وہ جواب دے گی کیا کچھ اور بھی ہے [30] اور جنت پرہیزگاروں کے لئے قریب کر دی جائے گی وہ ذرا بھی دور نہ ہوگی [31] یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا پابندی کرنے والا ہو [32]۔

تفسیر 30: اس آیت میں بھی تخویف اُخروی کی دو حالتیں ذکر کی ہیں: (۱) جہنم کا بھرنا (۲) مزید کی طلب کرنا۔ يَوْمَ نَقُولُ یوم منصوب مَا يُبَدَّلُ کے لئے یا ظَلَّامٍ کے لئے ظرف ہے یا اس کا فعل پوشیدہ ہے یعنی أَنْذِرْهُمْ ان کو ڈراؤ هَلِ امْتَلَأْتِ یہ استفہام تقریر اور تحقیق کے لئے ہے اور اس میں جہنمیوں کو جہنم کی وسعت کی خبر دینی ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ جہنم میں کس طرح اتنے زیادہ لوگ آسکیں گے؟ اور یہ سوال جہنم سے اس وعدے کی وجہ سے ہے جو سورۃ ص آیت 85 سورۃ اعراف آیت 18 سورۃ ہود آیت 119 اور سورۃ سجدۃ آیت 13 میں ہے۔ هَلْ مِن مَّزِيدٍ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے تو بھر جانے کا اقرار ہوا کہ باقی جگہ نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ استفہام طلبی ہے یعنی جہنم زیادہ لوگوں کا مطالبہ کرے گی تو اشارہ ہے کہ بھری ہوئی نہیں ہے تو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو پورا نہیں ہوا تو جواب کی طرف۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4848) میں اشارہ ہے کہ جہنم جب هَلْ مِن مَّزِيدٍ کہے تو اللہ رب العزت اس میں اپنے قدم کو رکھ لے گا تو اس کے بعض حصے بعض کے ساتھ مل جائیں گے اور وہ کہے گی تیری عزت اور کرم کی قسم! بس، بس (اور قدم ظاہری معنی میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور کیفیت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تشبیہ اور تمثیل اور تاویل کرنا جائز نہیں ہے اور یہ سلف صالحین کا منہج ہے)۔

تفسیر 31: اس آیت سے آیت 35 تک جنت کی دو حالتوں کا ذکر ہے اور اہل جنت کی پانچ صفات کے ساتھ ان کے لئے بشارت اخروی ہے، اس آیت میں جنت کے دو حال ذکر ہیں: (۱) أُزْلِفَتْ (۲) غَيْرَ بَعِيدٍ اور اہل جنت کی ایک صفت ذکر ہے۔ وَأُزْلِفَتِ یعنی میدان محشر میں جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی ان کا عزت اور اکرام کی

وجہ سے کہ ان کو چلنے کی تکلیف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جنت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردے، یہاں امام قرطبیؒ نے دوسرا قول ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں جنت پرہیزگاروں کے دلوں کے قریب ہے، یہ اس کے لئے محنت کرتے ہیں لیکن یہ قول آیات کے سیاق کے مخالف ہے جیسا کہ سورۃ الشعراء آیت 90 میں گزرا ہے۔ غَيْرَ بَعِيدٍ یہ تقدیری مصدر إِزْلَافًا غَيْرَ بَعِيدٍ کے ساتھ وَأُزْلِفَتِ کے لئے ہے مفعول مطلق ہے، یا جنت سے حال ہے اور جنت مکان کی تاویل کے ساتھ ہے اس وجہ سے بعیدۃ نہیں ذکر کیا پھر غیر بعید کا لفظ تاکید کے لئے ہے یعنی اگر یہ وہم ہوجائے کہ إِزْلَافٌ (نزدیک ہونا) تھوڑے وقت کے لئے ہوگا تو جواب ہوا کہ إِزْلَافٌ ہمیشہ کے لئے ہے کسی بھی وقت میں جنت ان سے بعید نہیں ہوگی۔

تفسیر 32: اس آیت میں جنت کا ایک حال اور اہل جنت کی دو صفتیں ذکر ہیں۔ هٰذَا انعامات کے مکان (جگہ) کی تاویل کے ساتھ جنت کی طرف اشارہ ہے۔ مَا تُوعَدُونَ: یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کی ان آیتوں میں ذکر ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ تقویٰ کے ذریعے جنت حاصل ہوتی ہے اور وہ بہت آیتیں ہیں جیسے سورۃ آل عمران آیت 133 سورۃ حجر آیت 45 سورۃ دخان آیت 51 سورۃ ذاریات آیت 15 اور سورۃ طور آیت 17 میں ہے۔ لِكُلِّ أَوَّابٍ یہ لِلْمُتَّقِينَ سے بدل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے یا یہ مَا تُوعَدُونَ کا متعلق ہے اور مَقُولًا لَهُمْ مقدر ہے یعنی اس حال میں ان سے کہا جائے گا أَوَّابٍ وہ شخص ہے جس نے گناہ سے توبہ کی ہو لیکن جب (ماضی) یاد آجائے تو پھر بھی استغفار کرتا ہے اور تسبیح بھی زیادہ پڑھتا ہے اور ہر مجلس کے اختتام میں یہ کلمات پڑھتا ہے سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ حَفِيظٍ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اوامر کی حفاظت کرنے والا یا استغفار کے لئے اپنے گناہوں کو یاد کرنے والا یا اپنی عمر کی حفاظت کرنے والا کہ اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۙ۝۳۳ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ۝۳۴ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ۝۳۵

''وہ جو رحمان سے ڈرتا ہوا، بے دیکھے بغیر اور آیا رجوع کرنے والے دل کے ساتھ [33] تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے [34] یہ اس میں جو چاہیں گے ان کے لئے ہوگا ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے [35]۔

تفسیر 33: اس آیت میں پرہیزگاروں کی دو صفتیں ذکر کی ہیں: گزشتہ صفات عباداتِ لسانیہ ہیں اور یہ صفتیں عباداتِ قلبیہ ہیں: (۱) خشیت (۲) انابت مَنْ خَشِيَ: بدل ہے یا اوّاب کے لئے صفت ہے یا مبتدا اس کا محذوف ہے یا حرف ندا حذف ہے اور ندا کا جواب بعد والی آیت میں ہے، خشیت خوف سے خاص ہے اس لیے کہ خشیت میں خوف کے ساتھ مخشی عنہ (جس سے ڈرا جاتا ہے) کی تعظیم کا معنی ہوتا ہے اس وجہ سے لفظ الرحمان عظمت شان کے افادے کے لئے ذکر کیا ہے۔ بِالْغَيْبِ مفعول سے حال ہے یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں بلکہ عقلی اور نقلی اور وحی دلائل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، یا فاعل سے حال ہے یعنی خلوت میں بھی اللہ تعالیٰ سے خشیت رکھتے ہیں جس طرح لوگوں کے سامنے اللہ سے ڈرتے ہیں یعنی منافقت نہیں کرتے۔ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ یعنی جب خشیت بھاگنے کو مستلزم ہے تو وہم پیدا ہوا کہ یہ بندہ ڈر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بھاگتا ہے تو اس کے بعد اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ صفت ذکر کی۔ وَ جَآءَ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت مستلزم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کو اور وَ جَآءَ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف دنیا میں توجہ کرنا ہے اور بعض مفسرین نے موت کے بعد یہ صفت قرار دی ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہے۔ مُّنِيْبٍ جو ضد اور عناد سے خالی ہو اور مخلص اور حق کا طلب گار ہو تو وہ منیب ہے اور سلیم جو سورۃ صافات آیت 84 میں ابراہیم علیہ السلام کی صفت میں گزرا ہے وہ منیب سے بلند مرتبہ ہے وہ ایسا دل ہے جو غیر اللہ کی توجہ اور شغل سے بالکل خالی ہو۔

تفسیر 34: اس آیت میں بھی دو حالتوں کے ذکر کے ساتھ گزشتہ صفات والوں کو بشارت ہے۔ اُدْخُلُوْهَا یہاں يقالُ لَهُمْ (ان سے کہا جائے گا) پوشیدہ ہے، یا مَنْ خَشِيَ سے پہلے حرف ندا پوشیدہ ہے اور یہ مقصود بالندا ہے۔ بِسَلٰمٍ ہر قسم کے عذابوں اور غموں سے سلامتی، اور سلام کہنا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے ہے سب کو یہ لفظ شامل ہے۔ يَوْمُ الْخُلُوْدِ مراد یہ ہے کہ ایسا دن ہے کہ اس میں ہمیشگی حاصل ہوگی۔

تفسیر 35: اس میں بھی دو حالتوں کے ذکر کے ساتھ بشارت ہے۔ فِیۡهَا: یَشَآءُوۡنَ کے متعلق ہے اور جنت میں مشیت اور چاہتیں دنیا کی بنسبت زیادہ ہوں گی یا لَهُمۡ: کے ساتھ متعلق ہے یعنی جنت میں تمام چاہتیں اور شوق پورے ہونگے۔ وَلَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ لفظ وَ لَدَیۡنَا دلیل ہے کہ جنتیوں کو پہلے سے ان نعمتوں کی خبر نہیں اس لیے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں مَزِیۡدٌ: زیادت کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ سورۃ یونس آیت 26 میں ہے یا اسم مفعول ہے یعنی وہ چیز جو ان کی تمناؤں سے زیادہ ہوگی، مراد وہ نعمتیں ہیں جن کا خیال بھی ان کے دلوں میں نہیں گزرا ہوگا اور یہ بہت اکرام اور عزت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا ہے جیسے صحیحین کی مرفوع احادیث میں ذکر ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث 7435 صحیح مسلم حدیث 181۔633) اور اسی طرح خاص قسم کی حوریں ہیں۔

وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا فَنَقَّبُوۡا فِى الۡبِلَادِ ؕ هَلۡ مِنۡ مَّحِيۡصٍ ۝ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِمَنۡ كَانَ لَهٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَى السَّمۡعَ وَهُوَ شَهِيۡدٌ ۝ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ۝

"اور ان سے پہلے ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے پکڑنے میں سخت تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے؟ [36] اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو [37] اور یقیناً ہم نے آسمانوں وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی [38]۔

تفسیر 36: یہ تخویف دنیوی ہے آیت 12 کے ساتھ متعلق ہے اور بشارت کے بعد اس کو ذکر کیا، مناسبت اس کی یہ ہے کہ متقین کی صفات مذکورہ جن میں نہ ہوں تو وہ دنیا میں تباہ حال ہوتے ہیں۔ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا قوتِ مالی اور بدنی اور اس کی وجہ سے لوگوں پر ظلم کرنے کو یہ لفظ مشتمل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ لوگ مادّی اور دنیاوی طاقت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ فَنَقَّبُوۡا فِى الۡبِلَادِ تنقیب اصل میں سرنگ کرنے اور سرنگوں میں داخل ہونے کو کہا جاتا ہے مراد یہ ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اور متعدد شہروں میں مال اور تجارتوں کے لئے گئے تھے یا موت سے بچنے کے لئے قسم قسم کے حیلے تلاش کئے تھے اور اپنی حفاظت کے لئے تہہ خانے، سرنگیں اور مورچے بنائے تھے۔ هَلۡ مِنۡ مَّحِيۡصٍ یہ استفہام انکاری ہے غفلت کے ازالے کے لئے اس کو ذکر کیا ہے یعنی ان کے تنقیب فی البلاد سے کچھ

فائدہ نہیں ہوا تو اے موجودہ لوگو! تم غافل مت ہونا۔ مَّحِيصٍ موت سے بھاگنے کی جگہ تو یہ ظرف ہے یا بھاگنا تو یہ مصدر میمی ہے، اور اس کا جواب لا کے لفظ کے ساتھ پوشیدہ ہے۔

تفسیر 37: اس آیت میں قرآن اور اس سورت کی طرف ترغیب ہے اس لیے کہ ذَٰلِكَ پورے قرآن کی طرف اشارہ ہے یا اس مضمون کی طرف اشارہ ہے جو اس سورت میں ذکر ہے، یا مِّن قَرْنٍ کی طرف اشارہ ہے ربط جب گزری ہوئی آیت میں اقوام مکذبہ کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا تو اس آیت میں ان قوموں کے واقعات سے ذِكْرَىٰ (عبرت) حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔ پہلا طریقہ: لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور قلب سے مراد عقل ہے، محل کا ذکر ہے اور مراد اس سے حال ہے اور یہ امام قرطبیؒ نے مجاہد سے روایت کیا ہے یا مراد اس سے زندہ دل ہے جیسے سورۃ یٰس آیت 70 میں ہے یحییٰ بن معاذ سے امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ دلوں کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ دل ہے جو دنیا کے شغل اور فکروں سے بھرا ہوا ہو تو جب بھی آخرت کا کوئی کام سامنے آجائے تو حیران ہوتا ہے کہ کیا کروں، اور دوسرا دل وہ ہے جو آخرت کی ہیبتوں سے بھرا ہوا ہو تو جب دنیا کا کوئی کام سامنے آجائے تو نہیں سمجھتا کہ کیا کروں، آخرت کے شغل کی وجہ سے حیران ہوتا ہے تو اس آیت میں یہ دوسرے قسم کا دل مراد ہے۔ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ یہ دوسرا طریقہ ہے ایسے طریقے سے کان لگانا کہ دوسری کوئی بات نہ سنے اس کو اِلْقَاءُ السَّمْعِ کہتے ہیں گویا قرآن کو سننا ایسا بھاری اور بڑا کام سمجھتے ہیں گویا کہ اس نے ان کے کانوں کو نیچے گرا دیا ہے۔ وَهُوَ شَهِيدٌ اس سے دل کی توجہ مراد ہے اس لیے کہ صرف کان لگانا کافی نہیں ہے جب تک دل کی توجہ نہ ہو۔ فائدہ: قرآن سے وعظ اور فائدے لینے کے دو درجے ہیں: بڑا درجہ یہ ہے کہ انسان قرآن میں تدبر اور سوچ فکر کرے أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ پر عمل کرے دوسرا درجہ یہ ہے کہ دل کی توجہ سے دوسرے سے سنتا ہے۔ پہلا درجہ اجتہاد کا ہے اور دوسرا اتباع کا ہے اس لیے کہ قرآن کا سننا اور اس کی اطاعت کرنا اتباع ہے اور اس سے جس نے تقلید کو ثابت کیا تو وہ تقلید کے معروف معنی سے جاہل ہے یا تلبیس اور تحریف کرتا ہے (العیاذ باللہ)

تفسیر 38: یہ قیامت کو ثابت کرنے کے لئے دلیل عقلی ہے ربط یعنی پہلے تو قرآن سے ذِكْرَىٰ اور نصیحت لینا ہے اور اس کے بعد آسمان وزمین کے عقلی دلائل سے استدلال کرنا ہے اور یہ آیت 16 پر عطف ہے۔ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ اسی طرح سورۃ فرقان آیت 59 سجدہ آیت 4 اور اعراف آیت 54 یونس آیت 3 ہود آیت 7 اور حدید آیت 4 میں ذکر ہے۔ نعمتوں کی

تفصیل کے مقام میں جیسے سورۃ فرقان اور قیامت کو ثابت کرنے کے مقام میں جیسے سورۃ سجدہ اور یہ سورت اور یہاں مَا بَیْنَهُمَا ذکر کیا ہے اور باقی سورتوں میں آسمان اور زمین کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ وَ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ اس میں بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں کے وہم کا رد ہے یعنی یہ وہم کوئی نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ پہلے پیدا کرنے سے تھک گیا ہے تو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا ہے اور اسی طرح یہودیوں کے قول کا رد ہے وہ کہتے ہے کہ اللہ تعالیٰ اتوار کے روز سے جمعے کے دن تک پیدا کرنے میں مشغول تھا۔ ہفتے کے دن استراحت اور آرام کیا اور اسی طرح سورۃ احقاف آیت 32 میں بھی گزرا ہے اور اس سورت کی آیت 16 میں بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ أَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

''لہٰذا یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے بھی[39] اور رات کے کسی بھی وقت تسبیح کریں اور سجدے کرنے کے بعد بھی[40] اور سن رکھیں وہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا[41] جس دن یقین کے ساتھ چیخ کو سن لیں گے یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے[42]۔

تفسیر 39، 40: یہاں سے آخر تک داعی کی تشجیع کے لئے پانچ اوامر ذکر کیے ہیں، ان دو آیتوں میں تین اوامر ہیں، اس ترتیب میں اشارہ ہے کہ داعی کے ذمے دعوت دینا ہے اور جب دعوت میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو پھر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول ہونا ہے اور صبر، تسبیح اور حمد، دعوت کی آسانی کا ذریعہ ہے۔ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ یہ عام ہے یہودیوں کے قول کو بھی شامل ہے جو پہلے ذکر ہوا اور بعث بعد الموت کے منکرین کے اقوال کو بھی شامل ہے، جو سورت کی ابتدا میں ذکر ہوئے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ پر طعن کرنا اور ان کو برا بھلا کہنا ان سب کو بھی شامل ہے۔ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اس حکم پر عمل کرنا بہت سے طریقوں پر ہے:

پہلا طریقہ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ زبان سے کہنا۔ دوسرا طریقہ: لوگوں کو اس کا بیان کرنا۔ تیسرا طریقہ: نماز پڑھنا، تسبیح میں اشارہ ہے نقص کی صفات سے اللہ تعالیٰ کو پاک جاننے کی طرف اور حمد میں اشارہ ہے کمال

کی تمام صفات (جو الوہیت ہے) عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے لئے مان لینے کی طرف۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ فجر اور عصر کے وقت کی طرف اشارہ ہے ان دونوں کی اہمیت اور فضیلت کی وجہ سے دونوں کو پہلے ذکر کیا جیسا کہ بہت زیادہ احادیث میں ان دونوں کی فضیلتیں ذکر ہیں اور یہ دن اور رات کے ملائک کے اجتماع کا وقت ہے اور یہ لوگوں کے غفلت کی اوقات ہیں، پہلے وقت میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر کی طرف اشارہ ہے کہ رات خیریت سے گزری اور دوسرے میں اشارہ ہے کہ دن بھی خیر کے ساتھ اختتام کو پہنچنے والا ہے اور اشارہ ہے کہ سورج کے طلوع ہونے سے صبح کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے اور اسی طرح غروب ہونے کے ساتھ عصر کی نماز کا وقت ختم ہوا اور دوسری آیت میں دو وقتوں میں تسبیح پڑھنے کا حکم ذکر ہوا الَّيْلِ اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ تو لیل سے مغرب اور عشاء کا وقت مراد ہے اور تہجد کا وقت بھی اس میں داخل ہے اور اس طرح رات کے کسی بھی حصے میں جب بیدار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح پڑھے وہ بھی اس میں شامل ہے اور لفظ مِنْ میں اشارہ ہے کہ رات کے کچھ حصے کو نیند کے لئے صرف کرنا سنت ہے۔ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ اکثر صحابہ کرام اور تابعین سے روایت ہے کہ اس سے مراد مغرب کے فرض نماز کے بعد دو رکعت سنت ہے اور ابن کثیر نے اس پر مرفوع روایت بھی نقل کی ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ طور حدیث 3275) مگر اس حدیث کو شیخ البانی اور شیخ زبیر نے رشدین بن کریب راوی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر فرض نماز کے بعد سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھنا ہے اور اس بارے میں روایات مختلف ہیں ایک یہ کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ تینتیس مرتبہ پڑھنا۔ دوسرا یہ کہ ان میں پہلا اور دوسرا کلمہ تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس مرتبہ پڑھنا۔ اور تیسرا یہ کہ ہر ایک دس دس مرتبہ پڑھنا۔ ان سب روایات پر عمل کرنا صحیح ہے لیکن صحیح سنت یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد یہ پڑھے اور جس نے فرض کے بجائے سنت نماز کے بعد قرار دیا تو وہ اصل میں بدعت کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے قول اور طریقے کو بدلا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرض نماز کے بعد سنت اور نفل پڑھنا ہے لیکن اس سے فجر اور عصر کی نماز مستثنیٰ ہے صحیح احادیث کے سبب سے اَدْبَارَ الف کے زبر کے ساتھ دُبُرٌ کی جمع ہے ہر چیز کے آخری حصے کو کہتے ہیں اور اسی طرح وہ چیز جو دوسری چیز کے پیچھے ہو اس کو بھی کہا جاتا ہے یہاں تینوں روایتوں کی بنا پر آخری معنیٰ مراد ہے۔

تفسیر 41، 42: یہ داعی کو چوتھا امر ہے مراد اس سے قیامت کے دن کے حساب کے لئے انتظار ہے۔ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ و استماع سے مراد انتظار کرنا ہے یعنی قیامت کے دن کا انتظار کر و یا استماع اپنے معنیٰ میں ہے یعنی اس دن کے حالات

کی طرف کان لگاؤ یوم سے پہلے لفظ احوال پوشیدہ ہے اور اگر یَوْمَ اِسْتَمِعْ کے لئے ظرف ہو جائے تو یہ معنی مناسب نہیں ہے۔ الْمُنَادِ روایات کے اختلافات کے ساتھ اس سے اسرافیل یا جبرائیل یا دوسرا ملک مراد ہے۔ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ یعنی ہر انسان اس آواز کو اس طرح سنے گا گویا کہ اس کے قریب ہو۔ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ یہ يَوْمَ يُنَادِ سے بدل ہے اور اس کے ساتھ وہم کو دور کرنا مقصود ہے یعنی منادی تو قریب سے آواز دے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ موت یا غفلت کی وجہ سے نہ سنیں تو جواب دیا۔ الصَّيْحَةَ اس سے مراد بعث بعد الموت کے لئے دوسرا صور ہے۔ الْخُرُوجِ کے قرینے کی وجہ سے بِالْحَقِّ یہ الصَّيْحَةَ کے ساتھ متعلق ہے، یا يَسْمَعُونَ کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلے کی بنا پر الْحَقِّ سے مراد بعث بعد الموت ہے۔ اور دوسرے کی بنا پر الْحَقِّ سے مراد یقین ہے۔ يَوْمُ الْخُرُوجِ وہ خروج مراد ہے جو آیت 11 میں ذکر کیا تھا اور یہ قیامت کے دن کا نام ہے اور ان آیتوں میں قیامت کے دن کے چار احوال ذکر ہیں۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾
ع ۳/۱۱ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾

"ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مارتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے [43] جس دن زمین پھٹ جائے گی یہ دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر آسان ہے [44] یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم اسے جانتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو لہذا قرآن اس شخص کو بیان کریں جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے [45]۔

تفسیر 43، 44: ان آیات میں قیامت کے مزید چار حالات ذکر کیے ہیں اور ان میں قیامت کو ثابت کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ احیاء اور اماتت پر قادر ہے تو دوبارہ زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ یہ خروج کی حالت کی تفصیل ہے اور مسلم کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت میں ذکر ہے کہ تمام لوگوں سے پہلے مجھ سے زمین پھٹے گی کتاب الفضائل حدیث 2278 سِرَاعًا: یعنی داعی کی طرف دوڑ دوڑ کر جائیں گے جیسے سورۃ ابراہیم آیت 43 سورۃ قمر آیت 8 اور سورۃ معارج آیت 43 میں ہے۔ عَلَيْنَا یَسِیْرٌ کے ساتھ متعلق ہے اور تخصیص کے لئے پہلے لایا ہے یعنی خاص اللہ تعالیٰ پر آسان ہے جیسے سورۃ روم آیت 27 میں ذکر ہے۔

تفسیر 45: یہ دو طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے: اول یہ کہ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ یعنی یہ منکرین جو انکار

کرتے ہیں، یا آپ کو جھٹلاتے ہیں یا آپ کو برا بھلا کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے عذاب دے سکتا ہے لیکن آپ کا امتحان لیتا ہے۔ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ جملہ خبریہ اپنے معنی میں ہے یعنی آپ ان پر زبردستی نہیں کر سکتے کہ
39/39 ایمان لاؤ اور اس طرح آپ جبر کرنے کے مکلف نہیں ہیں تو ان کے ایمان نہ لانے سے آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے، یہ جملہ انشائیہ نہیں ہے جیسے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ زبردستی مت کرو اور پھر اس آیت کو منسوخ کیا ہے تو یہ قول صحیح نہیں ہے۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ: یہ پانچواں امر ہے یعنی داعی کے ذمہ جبر کرنا تو نہیں ہے لیکن دعوت اور تبلیغ اس کی ذمہ داری ہے اس سے مراد صرف تلاوت اور قرآن کی قراءت نہیں بلکہ قرآن بیان کرنے کے ذریعے توحید اور قیامت کے مسائل واضح کرنا ہے اور یہ تذکیر، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کے طور پر ہے اور ذکر الٰہی کا بڑا طریقہ تذکیر بالقرآن ہے اور یہ حکم سورۃ انعام آیت 70 سورۃ ذاریات آیت 55 سورۃ طور 29 سورۃ اعلیٰ 9 اور سورۃ الغاشیۃ 21 میں بھی موجود ہے معلوم ہوا کہ قرآن کے ذریعے نصیحت کرنا بہت بڑا عمل ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کیا۔ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ اس کی تخصیص فائدہ لینے کے اعتبار سے ہے یہ قید احترازی نہیں ہے یعنی تذکیر بالقرآن تو عام ہے کہ کوئی فائدہ لے یا نہ لے لیکن اس کو نصیحت میں مقدم کرنا چاہئے جس میں انابت ہو اور استفادے کی امید ہو جیسے سورۃ عبس کی ابتدا میں اس ترتیب کی طرف اشارہ ہے قتادہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيْدَكَ وَيَرْجُوْ مَوْعُوْدَكَ يَا بَارُّ يَا رَحِيْمُ

سورۃ ق کی خصوصیات:

۱۔ مرنے کے بعد اٹھنے کے ثبوت پر کثرت سے دلائل۔

۲۔ کثرت سے وعیدیں ذکر ہیں۔

۳۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان تقابل۔

۴۔ اعمال کی کتابت کا ذکر۔ منزل 7

۵۔ سکراتِ موت کا تذکرہ۔

سورۃ قٓ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۶۰ ۵۱ سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۶۷ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّ
اِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝

"قسم ہے بکھیرنے والی ہواؤں کی اڑا کر[1] پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو[2] پھر چلنے والیاں نرمی سے[3] پھر کام کی تقسیم کرنے والوں کی[4] یقیناً جو تم سے وعدے کیے جاتے ہیں سب سچے ہیں[5] اور یقیناً جزا ضرور واقع ہونے والی ہے[6]۔

ربط: اس سورت کا ربط سابقہ سورت سے یہ ہے کہ اس میں پہلے سے کئی وجوہ کے ساتھ ترقی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ وہاں كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ذکر کیا تھا تو یہاں اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ہے بعث بعد الموت کے دعوے میں یہ ترقی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں "سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ فرمایا تھا تو اس سورت میں فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ہے تو یہ توحید کے دعویٰ میں ترقی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہاں انسان کی پیدائش ذکر تھی اور یہاں انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت ذکر ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں قیامت کو ثابت کرنے کے صرف دلائل تھے تو اس میں دلائل کے ساتھ شواہد بھی ہیں۔ پانچویں وجہ اُس میں اجمالاً اقوام مکذبہ کا ذکر تھا یہاں پانچ قوموں کے عذابوں کا ذکر کیا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: اس سورت کا مضمون بعث بعد الموت آیت 5 میں پانچ شواہد اور عقلی دلائل اور پانچ قوموں پر عذاب کے ذکر کرنے کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اور آیت 50، 51 اور 56 میں توحید کا دعویٰ ہے اور سات اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے: پہلا باب آیت 24 تک ہے اور اس میں پانچ شواہد ہیں اور درمیان میں سورت کا مرکزی مضمون ہے پھر زجر کے طریقے پر مکذبین کے پانچ حالات بیان کیے ہیں پھر پرہیزگاروں کی پانچ صفات ذکر کرنے کے ساتھ بشارت ہے، پھر تین عقلی دلائل ہیں جن میں پانچ حالات ذکر ہیں اور پھر قسم

کا ذکر ہے، دلائل اور قسم بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لیے ہیں۔

تفسیر 1، 2، 3، 4: بعد والے عنوان کے لیے شواہد کے طور پر یہ چار قسمیں ہیں اور یہ ساری صفتیں ہواؤں کی ہیں یعنی ہوائیں غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں پھر بادلوں کے بوجھ کو اٹھاتی ہیں، پھر نرمی کے ساتھ چلتی ہیں اور پھر بادلوں اور بارشوں کو تقسیم کرنے والی ہیں اس توجیہہ کے ساتھ موصوف ایک ہے جو ہوائیں ہیں اور صفات اس کی زیادہ ہیں اور فاء ان کاموں کی ترتیب کے لئے ہے، یا یہ صفتیں الگ الگ موصوفوں کی ہیں یعنی اَلذّٰرِیٰتِ ہواؤں کی صفت ہے اور فَالْحٰمِلٰتِ بادلوں کی صفت ہے فَالْجٰرِیٰتِ کشتیوں کی صفت ہے اور فَالْمُقَسِّمٰتِ ملائک کی صفت ہے اور یہ علی اور عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جیسے امام ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے اور اس تفسیر کی بناپر فاء ترتیب کے لئے ہے قسم میں نہ کہ مقسم بہ میں اور "ذَرْوًا" مفعول مطلق ہے اور "وِقْرًا" مفعول بہ ہے اور جمع ذکر نہیں کیا اس لیے کہ ایک جماعت بادلوں کے بوجھ کو اٹھاتی ہے اور ایک بارش کے بوجھ کو "یُسْرًا" موصوف محذوف کے ساتھ مفعول مطلق ہے یعنی "جَرْیًا یُسْرًا" اور "اَمْرًا" مفعول بہ ہے اور مفرد لانے کی وجہ "وِقْرًا" میں ذکر ہوئی۔ فائدہ: سورۃ صافات، نازعات، مرسلات اور اس سورت میں قسم جمع مونث سالم کے صیغے سے ذکر ہے اس لیے کہ اس سے مختلف حالات مراد ہیں اور جمع مونث حالات پر واضح دلالت کرتی ہے۔

تفسیر 5، 6: یہ جواب قسم اور سورت کا مرکزی مضمون ہے مَا موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور اس سے مراد قبروں سے نکلنا ہے جس کا وعدہ سورۃ قٓ میں ذکر ہوا ہے اور وعدہ جملہ خبریہ کے ساتھ تھا اس وجہ سے اس کی وصف صادق ذکر کی ہے اس لیے کہ سچ اور جھوٹ جملہ خبریہ میں آتا ہے۔ وَاِنَّ الدِّیْنَ یعنی قیامت کے وعدے کی سچائی جزا (بدلہ) دینے کے لئے ہے اس وجہ سے اس کے بعد جزا کا واقع ہونا ذکر کیا اور مقسم بہ کی جواب قسم کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعے سے غبار کو پھیلا دیتا ہے اور پھر اس سے بادل بنالیتا ہے اور پھر آسمان اور زمین کے درمیان ان کو چلا دیتا ہے اور پھر بارش کی صورت میں زمین تک واپس بھیج دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انسانوں کے ذرے ذرے کردے اور پھر ان کو اکٹھا کردے اور آسانی کے ساتھ ان کی طرف روح کو لائے اور پھر ان پر جزا اور سزا کو تقسیم کردے یا یہ کہ وہ ذات جو ہواؤں اور بادلوں اور کشتیوں اور ملائک سے مختلف کام لیتا ہے تو وہ قادر ہے کہ دنیا میں انسان سے مختلف کام لے اور آخرت میں مختلف جزائیں دے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝٧ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝٩ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝١٠

قسم ہے آسمان کی جو گھنے تاروں والا ہے[7] یقیناً تم اختلاف والی بات میں پڑے ہوئے ہو[8] اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو[9] بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیے گئے[10]۔

تفسیر 7: یہ بطور شاہد پانچویں قسم ہے اس کو پہلی قسموں سے الگ ذکر کیا اس لیے کہ یہ مقسم بہ اُس مقسم بہ سے الگ ہے اور اسی طرح وہ عالم وسطی او سفلی کی چیزیں تھیں (سوائے مقسمات کے، ایک تفسیر کی بنا پر) اور یہ عالم علوی ہے اَلْحُبُكِ حُبُكٌ کپڑے کی مضبوط گرہ جو خوبصورت ہو اور صاف بھی ہو اور مختلف لکیریں بھی اس میں ہوں، یہاں آسمانوں کی مضبوطی اور صفائی اور تاروں کے ذریعے سے ان کا مزین ہونا اور ان کی وجہ سے آسمان میں راہوں کا بننا یہ ساری صفات مراد ہیں جس کی دلیل سَبْعًا شِدَادًا (سورۃ نبا آیت 12) سبع طرائق (مؤمنون آیت 17) اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ن الْكَوَاكِبِ (صافات آیت 6) مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (سورۃ ملک آیت 3) پھر اس کا جواب قسم محذوف ہے (لَتُخْرَجُنَّ مِنَ الْقُبُوْرِ) جیسے آسمان میں مختلف تارے پوشیدہ ہوتے ہیں اور پھر ظاہر ہو جاتے ہیں تو اسی طرح تم بھی زمین میں چھپ جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن ظاہر ہو جاؤ گے یا جواب قسم بعد میں ہے۔

تفسیر 8: راجح یہ ہے کہ یہ جواب قسم ہے اور اس آیت میں بطور زجر منکرین کے پانچ قبائح ذکر کیے ہیں قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ قرآن، رسول، قیامت اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی باتیں مختلف ہیں قرآن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جادو ہے، یا کہانت ہے یا شعر ہے، یا افترا ہے، یا خلط ملط خواب ہیں، یا اساطیر ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ کی شان میں اختلاف رکھنا کہ یہ ساحر، یا کاہن، یا مجنون یا شاعر، یا مفتری اور کذاب وغیرہ ہے اور اسی طرح قیامت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ اساطیر الاولین ہے یا عقل سے دور ہے وغیرہ اللہ تعالیٰ کی شان میں اختلاف ہے کہ اس کا شریک ہے، یا ولد ہے، یا ولی من الذل ہے یا تمام حاجات پوری نہیں کر سکتا یا شفعاء اس پر غالب ہیں یا ملائکہ اس کی بیٹیاں ہیں یا جنات اس کے ساتھ شریک ہیں وغیرہ، تو یہ سب منکرین کی خلط ملط مختلف باتیں ہیں قسم اور جواب قسم میں مناسبت یہ ہے کہ آسمان کی مضبوطی اور خوبصورتی شاہد ہے کہ اس کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور عالم ہے تو اس کی مخالفت میں تمہاری باتیں باطل اور مختلف ہیں، یا جس طرح آسمان کے تارے مختلف ہیں اور آسمان اور تاروں کے بارے میں بغیر دلیل

کے لوگوں کا اختلاف ہے جیسا کوئی کہتا ہے کہ آسمان لوہے سے بنا ہے کوئی کہتا ہے تانبے وغیرہ سے بنا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ تارے فلاں چیز سے بنے یا فلاں سے، کوئی کہتا ہے کہ فلاں تارہ منحوس ہے اور فلاں نیک بخت ہے وغیرہ تو یہ سب بے دلیل باتیں ہیں تو اسی طرح تمہارے اقوال جو بے دلیل ہیں ان میں بھی اختلاف ہے۔

تفسیر 9: یہ بھی زجر ہے اور اس سے گمراہ مقلدین مراد ہیں، جو اپنے بڑے گمراہوں کے اقوال کی وجہ سے حق سے پھر گئے ہیں، چونکہ مقلد نے اپنے آپ کو بے اختیار کیا ہے اس وجہ سے مجہول کا صیغہ ذکر کیا اور عَنْهُ: ضمیر قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ کی طرف راجع ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہلِ ایمان ہیں کہ وہ اس اختلاف سے محفوظ کئے گئے ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔

تفسیر 10: یہ بھی زجر ہے ''قُتِلَ اور'' قَاتَلَ لعنت اور تباہی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں جیسے سورۃ عبس آیت 17 اور سورۃ توبۃ آیت 30 میں ہے اور یہ بددعا کے ساتھ جملہ دعائیہ ہے یا جملہ خبریہ ہے الْخَرّٰصُوْنَ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ میں بغیر دلیل کے مشغول ہیں اور یہ لفظ خرص سے لیا گیا ہے اٹکل و بغیر دلیل کے بات کرنے اور فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت، قرآن اور رسول کے بارے میں ان منکرین کے اقوال اٹکل پر مبنی ہیں۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں نجومی بھی داخل ہیں جو آسمان کے تاروں کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے باتیں کرتے ہیں اور ان کی تاثیر ثابت کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

''وہ لوگ جو اپنی جہالت میں غافل ہیں [11] پوچھتے ہے کہ جزا (بدلے) کا دن کب ہوگا [12] یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر جلائے جائیں گے [13] اپنی فتنہ پردازی کا مزا چکھو یہ وہ دن ہے جس کو تم جلدی مانگتے تھے [14]۔

تفسیر 11: یہ زجر ہے اور ''خَرّٰصُوْنَ کی تعریف ہے غَمْرَةٍ اس جہالت کو کہا جاتا ہے جو عقل کو چھپادیتی ہے سَاهُوْنَ سہو سے مراد غفلت اور باطل باتوں اور کاموں میں مشغول ہونا ہے جیسا کہ سورۃ مؤمنون آیت 63 اور سورۃ ماعون آیت 5 میں ہے۔

تفسیر 12: یہ دوسری زجر ہے اور یہ غمرہ اور سہو کا اثر ہے يَسْئَلُوْنَ ان کا یہ سوال جھٹلانے اور عناد کے طور پر ہے اَيَّانَ یہ اس

استفہام کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں بعد (دوری) ہو یعنی انکار ہو۔

تفسیر 13، 14: يَوْمَ فعل محذوف کے لیے ظرف ہے اور یہ پہلے سوال (اَيَّانَ) کا جواب ہے یعنی یہ پوچھتے ہیں کہ بدلے کا دن کب واقع ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ جب وہ دن واقع ہو جائے گا تو ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا ان کا سوال عناد کی تھا تو جواب بھی زجری ہوا، یا يَوْمَ بعد والے فعل کے لیے جو کہ ذُوْقُوْا ہے اس کے لئے ظرف ہے يُفْتَنُوْنَ فتن اصل میں سونے چاندی کو آگ پر پگھلانے کو کہا جاتا ہے مراد اس سے جلانا اور عذاب دینا ہے هٰذَا العذاب کی تاویل کے ساتھ فتنۃ کی طرف اشارہ ہے، اس وجہ سے مذکر ذکر کیا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿15﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿16﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿17﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿18﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿19﴾

"یقیناً پرہیزگار جنتوں اور چشموں میں ہوں گے [15] ان نعمتوں کو لے رہے ہوں گے جو ان کے رب نے ان کو عطا کی ہیں بے شک وہ اس سے پہلے نیکوکار تھے [16] وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے [17] اور سحری کے وقت بھی استغفار کرتے تھے [18] اور ان کے مالوں میں سوال کرنے اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا [19]۔

تفسیر 15، 16: تخویف اور زجر کے بعد یہ بشارت ہے، بشارت میں تین چیزیں ہیں اور پرہیزگاروں کی پانچ صفات ذکر کی ہیں اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ یہ اجمالی بشارت ہے اس میں جنت کی وہ ساری نعمتیں شامل ہیں جو شمار سے باہر ہیں اٰخِذِيْنَ اس سے مراد خوشی سے قبول کرنے والے اور تھوڑا تھوڑا حاصل کرنے والے ہیں اس لیے کہ ان نعمتوں کی انتہا نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ متقیوں کی دنیاوی صفت ہے یعنی اٰخِذِيْنَ سے مراد عمل کرنے والے اور مَآ اٰتٰىهُمْ سے مراد وہ فرائض اور احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے ہیں، لیکن اگر یہ توجیہ صحیح ہوتی تو بعد میں اِنَّهُمْ کو عطف کے ساتھ ذکر کرتے مُحْسِنِيْنَ اس سے مراد خالق اور مخلوق دونوں کے معاملے میں احسان ہے، پہلا احسان بندگی میں اخلاص ہے جیسے حدیث جبرئیل میں ذکر ہے (متفق علیہ) اور اخلاص توحید قلبی، عملی اور قولی سب کو شامل ہے۔ دوسرا احسان عبادت کو اچھے طریقے سے یعنی سنت کے موافق ادا کرنا ہے۔ تیسرا احسان مخلوق کے ساتھ اچھا معاملہ اور اچھے اخلاق رکھنا اور ان کو دین حق کی دعوت دینا تو یہ (احسان) پرہیزگاروں کی جامع صفت ہے بعد میں اس کے بعض جزئیات ذکر کرتا ہے۔

تفسیر 17، 18، 19: ان تینوں آیتوں میں احسان کے بعض افراد ذکر کیے ہیں اس وجہ سے عطف کے طور پر ذکر نہیں کیا

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ اس میں مشہور دو قول ہیں: پہلا قول یہ کہ ما نافیہ ہے اور مطلب یہ کہ راتوں میں کم ایسی رات ہوتی ہے جس میں یہ ساری رات سوتے تھے بلکہ زیادہ راتوں میں نمازیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ساری رات سوئے رہ جاتے تھے۔ یہ قول ابن کثیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ سے نقل کیا ہے اور اس میں تمام عام امتیوں کے لیے من وجہ سہولت ہے۔ اور دوسرا قول حسن بصری وغیرہ سے منقول ہے اور ابن جریر نے اس کو راجح کیا ہے کہ مَا حرف زائدہ ہے اور اس سے مراد ہے کہ رات کے بہت کم حصے میں سوتے تھے اور رات کے اکثر حصے میں عبادت کرتے تھے اور یہ صفت زیادہ اعلیٰ ہے اگرچہ اس میں عام امت کے لئے مشکلات ہیں۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ تہجد کو سحری تک پہنچایا ہے اور اسی طرح یہ اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے قیام اللیل پر غرور نہیں کیا بلکہ اپنے قصور اور کوتاہی کا اعتراف کیا ہے اور اسی طرح سورۃ آل عمران آیت 17 میں ذکر ہوا ہے۔ الْاَسْحَارِ سحر کی جمع ہے رات کے آخری چھٹے حصے کو کہا جاتا ہے يَسْتَغْفِرُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ انسان جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے لیکن عبادت کرنے کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا ہے اس وجہ سے عام عبادت کے اختتام میں استغفار کرنا سنت ہے جس طرح ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار کہنا اور مجلس کے اختتام میں مجلس کے کفارہ کے لئے استغفار کرنا سنت ہے تو اسی طرح تہجد کے بعد بھی استغفار کرنا چاہیے اور یہ دلیل ہے کہ استغفار کرنا لغیرہ ہے گناہ کو مستلزم نہیں ہے اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے استغفار کیا ہے۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ احسان کی پہلی صفتیں اللہ کے حق میں ذکر تھیں اور یہ صفت مخلوق کے حق میں احسان ہے اور حَقٌّ عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض یا واجب ہو یا انسان نے اپنے اوپر لازم کیا ہو تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اور اپنے رشتے داروں کے ساتھ احسان کرنا سب اس میں شامل ہیں لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ سائل وہ ہے جو لوگوں کے سامنے اپنی حاجت ظاہر کر دے اور ضرورت کی وجہ سے مانگے اور محروم وہ ہے جو اپنی حاجت لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے اور کوئی اس کا حال بھی نہیں جانتا کہ اس کو صدقہ دے۔ بعض نے کہا ہے کہ سائل محتاج انسان کو کہتے ہیں اور محروم حیوانات کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ سائل صرف محتاج کو کہا جاتا ہے اور محروم وہ ہے جس کو مصیبت پہنچی ہے اور مال ہلاک ہوا ہو اور سائل کو اس وجہ سے پہلے لایا کہ اس کو حق دینا آسان ہے حاجت کو ظاہر کرنے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ انسان حیوانات پر مقدم ہے اور سورۃ معارج آیت 24 میں معلوم کا لفظ ذکر ہے تو وہاں مراد وہ زکوٰۃ ہے جس کی مقدار معلوم اور مقرر ہو اور اس سورت میں عام مراد ہے۔

وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَ فِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَوَ رَبِّ السَّمَاۗءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾

"اور زمین میں کئی نشانیاں ہیں یقین والوں کے لیے [20] اور تمہارے نفسوں میں بھی تو کیوں نہیں دیکھتے ؟ [21] اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ لیا گیا ہے [22] لہٰذا قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی یقیناً یہ بات سچی ہے جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو [23]۔"

تفسیر 20، 21: بعث بعد الموت کے بارے میں فریقین کے ذکر کے بعد اب بعث بعد الموت کے اثبات کے لیے دلائل ذکر کی جارہی ہے جو کہ سورت کا مرکزی مضمون ہے اور اسی طرح اس میں اشارہ ہے کہ پرہیزگاروں کی صفات (جو پہلے ذکر ہوئیں) تب حاصل ہوں گی جب انسان دنیا اور اپنے آپ میں غور و فکر کرے ایک پہاڑ، دریا، درخت، پھل، پودے، پتھر، خشک سالی اور بارشیں یہ سب توحید کے ساتھ بعث بعد الموت پر قدرت کے دلائل ہیں لِّلْمُوْقِنِيْنَ اس سے مراد یقین حاصل کرنے والے ہیں یعنی یقین اور انابت کے ارادے سے ان دلائل سے فائدہ کیا جا سکتا ہے یا مراد یہ ہے کہ جن کو یقین ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں تو وہ ان سے بعث بعد الموت کو بھی ثابت کر سکتے ہیں وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ مراد یہ ہے کہ انسان کی پیدائش و ابتدا سے لیکر انتہاء تک اور تمام باطنی اور ظاہری اعضا میں اور اس کی ساخت میں قیامت اور توحید کے اثبات پر بہت زیادہ دلائل ہیں۔ قتادہ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ جس نے اپنی ذات میں غور و فکر کیا تو سمجھ لے گا کہ وہ پیدا شدہ ہے اور اس کے جوڑ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے نرم کیے گئے ہیں۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ بصر اور بصیرت دونوں اس میں شامل ہیں یعنی آنکھوں سے ان آیات کو دیکھو اور دل میں ان کے بارے میں سوچو پہلے میں آفاقی سفلی دلائل اور دوسرے میں انفسی دلائل کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 22: یہ علوی دلیل ہے، رزق سے مراد روزی کے اسباب ہیں اور سماء سے مراد بلندی ہے یعنی بارشیں، برف اور ہوائیں وغیرہ روزی پیدا کرنے کے لیے اسباب ہیں، یا مراد یہ ہے کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہر ایک کی روزی ہے جیسے وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورۃ ہود آیت 6) میں ہے یا اس سے مراد رزق کی تقدیر ہے وَ مَا تُوْعَدُوْنَ یعنی ہر خیر اور شر آسمان میں تقدیر کیا گیا ہے یا اس سے مراد جنت ہے جو آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے جیسے سورۃ نجم آیت 15 میں ہے۔ اور جو قصہ واصل الاحدب کا ابن کثیر اور قرطبی نے نقل کیا ہے تو وہ تفسیر نہیں ہے وہ ایک

خاص واقعہ ہے (شاید کرامت ہو) اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ رزق کی تقدیر کے باوجود انسان روزی کے کمانے کا مکلف ہے۔

تفسیر 23: یہ آیت بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لیے دلیل ہے اور" اِنَّهٗ" کی ضمیر بعث بعد الموت کی طرف راجع ہے جو کہ سورت کے مضمون (مَا تُوْعَدُوْنَ) میں ذکر ہوا ہے یعنی قیامت کا وعدہ ایسا یقینی ہے جس طرح تم منہ سے باتیں نکال دیتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ یہ تمہارے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ توجیہ امام ابن کثیرؒ کی ہے یا یہ ضمیر رزق کی طرف راجع ہے یعنی جو رزق اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے، وہ یقیناً اس کو پہنچے گا جیسے تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلے اور اس پر لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ فلاں کے منہ سے نکلی ہے اس لیے کہ باقی حواس میں شبہ ہو سکتا ہے اور منہ سے باتیں نکلنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا ہے یا اس طرح کہ ہر انسان اپنی زبان سے باتیں کرتا ہے دوسروں کی زبان کے ذریعے باتیں نہیں کر سکتا ہے، تو اسی طرح ہر انسان کا مقرر کیا ہوا رزق دوسرا نہیں کھا سکتا وہ خود ہی کھائے گا اور یہ توجیہ امام قرطبیؒ وغیرہ نے نقل کی ہے اور امام حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان قوموں کو تباہ کرے جن کو ان کے رب نے قسم کھائی ہے اور پھر بھی یہ تصدیق نہیں کرتے۔ بعض مفسرین نے" اِنَّهٗ" کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے لیکن توجیہ درست نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی مخلوق کی باتوں کے ساتھ تمثیل آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات مخلوق کی تشبیہ اور تمثیل سے پاک ہیں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝

"یقیناً آئی آپ کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے عزت والے مہمانوں کی خبر [24] جب وہ ان کے ہاں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہم سلام کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: تم پر بھی سلام ہو کچھ انجان لوگ ہیں [25]۔

تفسیر 24: اس آیت سے آخر تک دوسرا باب ہے اور اس میں سابقہ لوگوں کے واقعات سے تخویف دنیوی کے پانچ نمونے ذکر کیے ہیں پھر اوپر نیچے کے اور دوسری چیزوں کے احوال دلیل کے طور پر ذکر کیے ہیں پھر توحید کا دعویٰ اور شرک کا رد کیا ہے۔ پھر جھٹلانے والوں کے پانچ احوال پر ڈانٹ ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفتوں کا ذکر ہے۔ اس آیت 24 میں ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کا ذکر ہے اور یہ لوط علیہ السلام کے واقعہ کے لیے

تمہید ہے اور اسی طرح سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں ذکر ہوا ہے اور اس تمہید کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو ملائک لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ ملائک ابرہیم علیہ السلام کو بچے کی خوشخبری دینے کے لیے بھی تھے تو اشارہ ہے کہ اگر یہ ظالم قوم تباہ ہو جائے تو کچھ پرواہ نہ کرنا یہ ایک بچہ جو اللہ کی توحید کی دعوت دے گا ان سب سے بہتر ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ اگر کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہو تو کسی بھی شخص اگر چہ ابراہیم علیہ السلام ہی کیوں نہ ہو کی سفارش کے ساتھ عذاب واپس نہیں ہو سکتا ہے اور نہ کسی شخص کی قدرت ہے کہ اپنی قوت کے ساتھ اس عذاب کو واپس کر دے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ ایک نیک شخص پر دنیا کی خوشی اور برے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے تو ان کو پہلے سے کچھ بھی خبر نہیں ہوتی یہ ''هَلْ قَدْ'' کے معنی میں اور استفہام کے معنی میں ہے اس واقعہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے ''ضَيْف'' ذکر فرمایا۔ ضَيْفِ اسم جمع ہے ایک اور زیادہ کو شامل ہے اور بعد میں جمع کے صیغے دلیل ہے کہ ملائک زیادہ تھے اور ان ملائک کو ضَيْف ابراہیم علیہ السلام کے گمان کے مطابق کہا الْمُكْرَمِيْنَ اس کی کئی وجوہات ہیں: ایک تو یہ ملائک تھے اور ملائک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں جیسے سورۃ انبیاء آیت 26 میں ہے۔ دوسری وجہ: ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام بذاتِ خود ان کی خدمت کرتے رہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ یہ کھانے کے طلبگار اور حریص نہیں ہوتے۔

تفسیر 25: یہ حدیث کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی تفصیل ہے سَلٰمًا اس کا فعل محذوف ہے یعنی ''نُسَلِّمُ عَلَيْكَ سَلٰمًا سَلٰمٌ یعنی سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ، یہ دونوں سلام تحیہ ہیں، پھر جملہ فعلیہ کی یہ نسبت جملہ اسمیہ میں دوام اور استمرار ہے، تو جواب سلام سے بہتر ہوا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ''فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ پر عمل کیا ہے قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ اس کا مبتدا محذوف ہے اَنْتُمْ اگر ان کو آمنے سامنے کہا ہو، یا ''هُمْ اگر ان سے چھپ کر کہا ہو اور چونکہ انجان شکلوں میں داخل ہوئے اور بغیر اجازت لیے داخل ہوئے اور سلام کیا حالانکہ اس وقت عام لوگ ابراہیم علیہ السلام کے مخالف تھے، وہ ان کو سلام بھی نہیں کرتے تھے تو اس وجہ سے مُّنْكَرُوْنَ فرمایا۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا

لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

" پھر چپ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک بھنا ہوا بچھڑا لائے [26] تو اس کو ان کے قریب کیا اور کہا کہ کیا آپ کھاتے نہیں [27] پھر دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے انہوں نے کہا کہ آپ خوف نہ کیجیے اور ان کو علم والے لڑکے کی بشارت دی [28]۔

تفسیر 26، 27: اس میں مہمان نوازی کے آداب ہیں: پہلا ادب: یہ کہ کھانے کا انتظام جلدی کرنا چاہیے حرف فاء اس پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا ادب: یہ کہ مہمان کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ میں آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرتا ہوں ہوسکتا ہے کہ وہ حیا کی وجہ سے انکار کردے۔ تیسرا ادب: یہ ہے کہ مہمان نوازی کے کھانے میں جلدی کرنی چاہیے "فَجَآءَ" حرف فا میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ چوتھا ادب: کہ حسب طاقت عمدہ اور بہتر کھانا تیار کرنا چاہیے، مہمان کے لیے حسب استطاعت بے تکلف سنت ہے عِجْلٍ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اس وجہ سے اس کو آگ پر بھنا تاکہ کھانے کے لیے پکانے کی بہ نسبت گوشت جلدی تیار ہو جائے سَمِيْنٍ بھنا ہوا جیسے سورۃ ہود آیت 69 میں ہے یا اس کا معنیٰ ہے فربہ ہونا۔ پانچواں ادب: کھانا مہمان کے قریب رکھنا چاہیے فَقَرَّبَهٗٓ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ چھٹا ادب: امر کے ساتھ مہمان کو کہنا نہیں چاہیے اس وجہ سے کہ یہ ادب کے خلاف ہے اس وجہ سے اَلَا تَاْكُلُوْنَ فرمایا اور یہ لفظ کھانا پیش کرنے کے لیے کہا ہے یا جب وہ اپنے ہاتھوں کو کھانے کے قریب نہیں کر رہے تھے تو بطور سوال ان سے یہ کہا۔

تفسیر 28: اَوْجَسَ یہ دل کی حالت ہے یعنی دل میں خوف آیا اور اس کا سبب سورۃ ہود آیت 70 میں ذکر ہے۔ سوال: قَالُوْا لَا تَخَفْ ملائک تو دل کی باتوں کو نہیں جانتے تو کس طرح وہ سمجھ گئے؟ جواب: یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (سورۃ حجر آیت 52)۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ علامات سے بھی فراست کے ساتھ معلوم ہوتا ہے وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ اس سے مراد سیدنا اسحاق علیہ السلام ہے عَلِيْمٍ سے مراد نبوت کا علم ہے اور اسی طرح سورۃ حجر آیت 53 میں بھی ہے۔ سوال: سورۃ ہود آیت 71 میں بشارت میں نام ذکر کیا ہے اور ان دونوں سورتوں میں ذکر نہیں کیا ہے؟ جواب: سورۃ ہود میں ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بشارت ہے اس لیے کہ عورتیں خبر کی صراحت کی محتاج ہوتی ہیں اور بچے کے نام پر خوش ہوتی ہیں اور اسی طرح نسل کے بقا پر زیادہ خوش ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کی

بشارت میں " وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ذکر فرمایا ہے اوران دونوں سورتوں میں ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی ہے اور باپ نام پر خوش نہیں ہوتے بلکہ بچے کی صفت کے کمال پر خوش ہوتے ہیں اس وجہ سے عَلِيْمٍ صفت ذکر کیا ہے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

"پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت میں آ کر انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا کہا میں تو بوڑھی ہوں اور ساتھ ہی بانجھ بھی ہوں [29] انہوں نے کہا کہ اسی طرح آپ ہوں گی آپ کے رب نے فرمایا بے شک وہ حکمت والا علیم ہے [30]۔

تفسیر 29: معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیوی خدمت کے لیے پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی، اس خیال سے کہ یہ مہمان کوئی اجنبی مرد ہیں اور جب خوشخبری سنی اور سمجھ گئی کہ یہ ملائکہ ہیں تو سامنے آئی اور اسی طرح سورۃ ہود آیت 71 سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردے کے پیچھے کھڑی تھی تو جب لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خوشخبری سنی تو خوش ہوئی، پھر ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دینے کے بعد ملائکہ نے ان کی بیوی کو بھی خوشخبری دی پھر زیادہ تعجب کرنے میں سامنے آئی فِيْ صَرَّةٍ ایک معنی تعجب کرنے کی وجہ سے بے اختیار بلند آواز ہے۔ دوسرا معنی جماعت ہے تو مراد اس سے یہ ہے کہ ملائکہ کی جماعت کے سامنے ہوئی اور صَرَّةٍ طاقچے کے معنی میں، میں نے کسی بھی تفسیر اور عربی لغت میں نہیں دیکھا تو یہ معنی مناسب نہیں ہے فَصَكَّتْ وَجْهَهَا یہ بھی تعجب کے وقت عورتوں کی عادت ہے صَكَّتْ چوڑی چیز کے ذریعے مارنا، اس سے چوڑی انگلیاں یا ہتھیلی مراد ہے اور وَجْهَ سے مراد چہرے کا ایک طرف یا پیشانی ہے وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ یہ تعجب کرنے کا سبب ہے اور اسی طرح سورۃ ہود آیت 17 میں شوہر کا حال بھی ذکر ہوا ہے جب کہ سورۃ ہود میں ملائکہ کا مکالمہ ان کی بیوی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تو گویا کہ خاوند غائب ہوا اور بیوی نے ان کی حالت کو ذکر کیا اور اس سورت میں بیوی کے ساتھ شروع سے مکالمہ نہیں ہے بلکہ ان کا شوہر حاضر ہے لہٰذا ان کے بوڑھے ہونے کا حال ملائکہ کو معلوم ہے عَقِيْمٌ اتنی عمر جس میں عادۃً انسان بچے پیدا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کو "عقیم" کہا جاتا ہے اور اسی طرح جب ابتداء سے موت تک اولاد نہ ہوئی ہو تو اس کو بھی عقیم کہا جاتا ہے، جیسے سورۃ شوریٰ آیت 50 میں ہے۔

تفسیر 30: یہ ان کی بیوی کے تعجب کے لیے تسلی ہے یہاں "قَالَ رَبُّكِ فرمایا یعنی یہ بشارت آپ کے رب کا قول ہے اور سورۃ ہود آیت 73 میں اس کو امر اللہ فرمایا ہے اور امر کا اطلاق قول پر واضح ہے اور لفظ امر میں تاکید ہے کیونکہ سورۃ ہود میں بیوی کا تعجب بھی زیادہ تاکید اور تفصیل کے ساتھ ذکر تھا تو موافقت آئی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝

''ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمہارا مقصد کیا ہے؟ اے بھیجے ہوئے ملائک [31] انہوں نے کہا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں [32] تا کہ ہم ان پر ہلکی مٹی کی کنکریاں برسائے [33] نشان زدہ ہیں تیرے رب کی طرف سے ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے [34]۔

تفسیر 31 : جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ ملائک ہیں اور خوشخبری کے لیے تو ایک شخص ہی کافی تھا اور یہ واپس ہونے میں جلدی کر رہے تھے تو ان کی کثرت اور جلدی کرنے کے بارے میں ان سے پوچھتے ہیں خَطْبٌ بڑے اور ضروری کام کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 32، 33، 34 : اس میں ان کے بھیجنے کا اصل مقصد بیان ہوا کہ گنہگاروں کو ہلاک کرنا ہے اور معلوم ہوا کہ اس کی بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کو بشارت دینا چھوٹا مقصد ہے مُّجْرِمِيْنَ مجرم وہ ہے جو ظاہراً گناہ کرے کسی سے شرم وحیا نہ کرے تو لوط علیہ السلام کی قوم بھی اس طرح تھی۔ لِنُرْسِلَ ارسال کی تعبیر کنکریوں کے زیادہ ہونے پر دلالت کرتی ہے مِّنْ طِيْنٍ اس میں اشارہ ہے کہ ان پتھروں میں آگ کا مادہ شامل تھا اس لیے کہ مٹی سے پتھر تیز آگ کے ذریعے بنتے ہیں اور اس کو سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں سجیل کہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت کا ذکر ہے اس لیے کہ آسمان کی طرف سے تو اولے (جو پانی سے پتھر بنے ہوئے ہیں) برستے ہیں اور مٹی کی جنس بھی اوپر نہیں ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے مُّسَوَّمَةً یہ ایک اور قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ آگ کے ذریعے تو نشانی مٹ جاتی ہے اور ان میں تو موجود ہے تو راجح یہ ہے کہ ان پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے عِنْدَ رَبِّكَ تقدیر کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح اشارہ ہے کہ اس تک بندوں کے ہاتھ نہیں پہنچے لِلْمُسْرِفِيْنَ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں اس لیے کہ بڑا اسراف شرک کرنا ہے اور اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ اشارہ ہے کہ اگر یہ ہلاک نہ ہوتے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ ہمیشہ اسراف اور شرک کریں گے اور اسراف اکثر پوشیدہ گناہ کو کہا جاتا ہے یا جو کام گناہ نہیں سمجھا جاتا ہے اور اجرام ظاہر گناہ کو کہا جاتا ہے تو ملائک کے بھیجنے کے وقت اجرام ذکر کیا اور عِنْدَ رَبِّكَ کے وقت

میں اسراف ذکر کیا۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٣٥ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝٣٦ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝٣٧

"پس ہم نے نکال دیا جو اس میں ایمان والے تھے[35] پس نہیں پایا ہم نے اس میں سوائے مسلمانوں کے ایک گھر کے[36] اور اس میں ہم نے نشانی چھوڑی ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں[37]۔

تفسیر 35، 36: فاء: پیچھے ہونے کے لیے ہے یعنی ملائک کو بھیجنے کے بعد ایمان والوں کو اس بستی سے نکال دیا اور اس کے بعد عذاب آیا اور اخراج کے ساتھ ایمان کی صفت ذکر کی اشارہ ہے کہ یہ نجات کے لیے علت ہے فَمَا وَجَدْنَا یہ لفظ زیادہ مبالغے پر دلالت کرتا ہے گویا کہ ملائک نے بہت تحقیق کی لیکن مسلمانوں کا صرف ایک گھر ملا "غَيْرَ بَيْتٍ اس سے لوط علیہ السلام کا گھر مراد ہے اس سے ان کی بیوی بھی مستثنیٰ ہے دوسری آیتوں (اِلَّا امْرَاَتَهٗ) کے قرینے کے ساتھ، باقی صرف ان کی دو بیٹیاں تھیں اور وہ مسلمان تھیں جیسا کہ عام مفسرین نے یہ روایت ذکر کی ہے اور خطیب شربینی نے ذکر کیا ہے کہ لوط علیہ السلام کے گھرانے کو مسلمین اس لیے کہا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور انہوں نے اپنے گھرانے کا نام مسلمان رکھا ہے، فراء، بغوی نے تفسیر میں کہا ہے کہ ایمان شرعی اور اسلام شرعی ایک دوسرے کے ساتھ متلازم ہیں اگرچہ معنی الگ الگ ہے تو اس وجہ سے اس آیت میں ایک گھرانے کو مسلمین اور مؤمنین کہا اور اس کی مزید تحقیق سورۃ حجرات میں گزری ہے۔ فائدہ: منکرین کی دو صفات ذکر کی ہیں: مجرمین مسرفین تو ان کے مقابلے میں لف نشر غیر مرتب کے ساتھ ایمان والوں کی دو صفتیں مؤمنین اور مسلمین ذکر کیں۔

تفسیر 37: لفظ اٰيَةً مراد عبرت کی نشانی ہے اور وہاں ان کے ویران کھنڈرات تھے یا بدبوئیں یا پھینکے ہوئے پتھر تھے اور اسی طرح سورۃ عنکبوت آیت 35 میں بھی گزرا ہے اور اس آیت میں مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً ذکر کیا ہے جو محسوس نشانی کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت میں فِيْهَآ اٰيَةً ذکر ہے جو معقول نشانی کی طرف اشارہ ہے کہ ڈرنے کے ساتھ اس سے عبرت لی جا سکتی ہے۔

وَفِيْ مُوْسٰى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَ

جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾

"اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے اس کو فرعون کی طرف کھلی دلیل کے ساتھ بھیجا[38] پس اس نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے، یا دیوانہ ہے[39] ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑا ہم نے ان کو دریا برد کر دیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا[40]۔

تفسیر 38، 39: یہ دنیاوی عذاب کا دوسرا نمونہ ذکر کرتے ہیں اور یہ فِيْهَا پر عطف ہے۔ تَرَكْنَا کے تحت ہے بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے سارے معجزات مراد ہیں، جو فرعون کے سامنے پیش کیے تھے جنس کی تاویل کے ساتھ، یا اس سے لاٹھی کا معجزہ مراد ہے بِرُكْنِهٖ اس سے مراد بادشاہی، لشکروں اور مال کے اعتبار سے فرعون کی قوت ہے اور باء سببیت کے لیے ہے یعنی اس سب سے فرعون نے تکبر اور عناد کیا، یا اس سے مراد اس کی قوم وقبیلہ ہے اور باء مَعَ کے معنی میں ہے۔ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَوْ تردد اور شک کے معنی میں ہے یہ اس حکم کے لگانے میں خود متردد تھا، یا "اَوْ بَلْ کے معنی میں ہے حکم میں ترقی کے لیے یا واو کے معنی میں ہے اس لیے کہ انہوں نے دونوں الزام موسیٰ علیہ السلام پر لگائے تھے کہ ساحر ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 109 اور شعراء آیت 34 میں ہے اور مجنون ہے جیسے سورۃ شعراء آیت 27 میں ہے۔

تفسیر 40: یہ واضح دلیل ہے کہ فرعون کو بھی غرق کیا ہے فَنَبَذْنٰهُمْ یہ لفظ ان کی توہین پر دلالت کرتا ہے وَهُوَ مُلِيْمٌ هُوَ ضمیر کے ساتھ فرعون کی تخصیص کی اس لیے کہ وہ اپنے لشکروں کی گمراہی کے لیے سبب تھا مُلِيْمٌ ایک معنی یہ کہ موت تک اس نے ملامتی کے کام کیے تھے۔ دوسرا معنی یہ کہ وہ اس وقت اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا یعنی توبہ کی جیسے سورۃ یونس آیت 90 میں گزرا ہے لیکن اس وقت توبہ قبول نہیں ہوئی اور یہ لفظ سورۃ صافات آیت 142 میں یونس علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے تو مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تسبیح پڑھنے کے ساتھ اور ظلم کے اعتراف کے ساتھ ملامت کر رہا تھا اگرچہ عند اللہ ظلم نہیں تھا۔

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾

"اور عادیوں کے بارے میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر (بانجھ) بے برکت ہوا بھیجی [41] نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پہ وہ آتی مگر اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح (چورا چورا) کر دیتی [42]۔

تفسیر 41: یہ دنیاوی عذاب کا تیسرا نمونہ بیان کیا ہے وَفِي عَادٍ مراد یہ ہے کہ ان کی ہلاکت میں بعد والے لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے "أَرْسَلْنَا" میں ہوا کی تیزی اور زیادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے الْعَقِيمَ بے برکت ہوا وہ ہے جو درختوں پودوں اور انسانوں کو کچھ فائدہ نہیں دیتی اور اس کو بادِ دبور کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (احزاب) میں میری مدد بادِ صبا کے ذریعے کی گئی اور قوم عاد بادِ دبور کے ذریعے ہلاک کیے گئے: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ۔ صحیح بخاری کتاب الاستسقاء حدیث 1035 / صحیح مسلم 350)۔

تفسیر 42: اس میں آندھی کی تیزی اور ہیبت شان ذکر فرمایا ہے۔ سوال: یہ آندھی کو پہاڑوں، پتھروں وغیرہ پر آئی تھی لیکن ان کو ریزہ ریزہ نہیں کیا؟ جواب: مِن شَيْءٍ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے ہلاک کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا یعنی قوم عاد کے جسم، ان کی آبادیاں، اور فصلیں وغیرہ اور اسی طرح سورۃ احقاف آیت 25 میں بھی ہے الرَّمِيمِ اصل میں جب پودے خشک ہو جائیں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں اور خراب ہو جائیں تو ان کو رَمِيم کہا جاتا ہے اسی طرح وہ ہڈیاں جو بوسیدہ ہو جائیں اور مٹی بن جائیں۔

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا
اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٦﴾

"اور قوم ثمود کے بارے میں بھی نشانی ہے جب ان سے کہا گیا کہ تم کچھ وقت تک فائدہ اٹھاؤ [43] پس انہوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی ان کو تیز چیخ نے پکڑا اور حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے [44] نہ وہ کھڑے ہونے کی طاقت رکھ سکے اور نہ بدلہ لے سکے [45] اور (ہلاک کیا ہم نے) اس سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کو یقیناً وہ نافرمان لوگ تھے [46]۔

تفسیر 43: یہ دنیاوی عذاب کا چوتھا نمونہ ہے تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ایک معنی یہ ہے کہ موت کی مدت تک اپنے باغوں اور مالوں سے فائدہ لو اور ایمان لاؤ لہٰذا اس میں ایمان کی طرف دعوت ہے اور اس کے دنیاوی فوائد کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کے خلاف فیصلہ ہوا کہ تین دن بعد ان پر عذاب آئے گا جیسے سورۃ ہود آیت 65 میں ہے۔

تفسیر 44: فَعَتَوْا میں حرف فا دلالت کرتا ہے کہ پہلا معنی راجح ہے اور عتو (نافرمانی) کی تفصیل باقی سورتوں میں گزری ہے اور وہ اونٹنی کو ہلاک کرنا اور صالح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کرنا تھا الصّٰعِقَةُ اس سے سخت ہیبت ناک چیخ مراد ہے جو زمین کے زلزلے کے لیے سبب بنی اس وجہ سے سورۃ اعراف میں انکا عذاب رجفہ کے ساتھ اور سورۃ ہود میں صیحہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور قوم ثمود کے صاعقہ کا ذکر سورۃ حٰم سجدہ آیت 17 میں گزرا ہے يَنْظُرُوْنَ اس سے مراد تین دن انتظار ہے، یا مراد یہ ہے کہ عذاب کی نشانیاں ان کے جسموں میں ظاہر ہوئیں اور وہ ان کو دیکھ رہے تھے۔

تفسیر 45: اس میں عذاب کے سخت ہونے کی طرف اشارہ ہے قِيَامٍ کھڑے ہونا یا ڈٹے رہنا، یا دور کرنے کی طاقت رکھنا ہے۔

تفسیر 46: یہ عذاب کا پانچواں نمونہ ہے اور اس کا فعل محذوف ہے یعنی ”اَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوْحٍ اور اس کے ساتھ ”فِيْ“ نہیں ذکر کیا اس لیے کہ وہ بہت پہلے تھے اس زمانے میں ان کی کوئی بھی نشانی اور مکان معلوم نہیں جس میں عبرت کا نمونہ ہو۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا: یہ ضمیر نوح علیہ السلام کی قوم یا گزری ہوئی ساری اقوام مکذبہ کی طرف راجع ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

”اور آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں[47] ہم نے اور زمین کو بچھایا ہم اچھے بچھانے والے ہیں[48] اور ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو[49]۔

تفسیر 47: اس آیت سے تین آیتوں تک قیامت کو ثابت کرنے کے لیے تین عقلی دلائل ذکر کیے ہیں اور اس آیت میں ایک دلیل علوی ہے۔ ربط: اس سے پہلی آیتوں میں نقلی دلائل تھے تو یہ عقلی دلائل ہیں بِاَيْىدٍ یہ مصدر ہے قدرت اور قوت کے معنی میں ہے اور یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے امام ابن کثیرؒ اور امام قرطبیؒ نے روایت کیا ہے ۔اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ’’اَيْدٍ‘‘ ید کی جمع ہے جیسے سورۃ یٰس آیت 71 میں ہے تو یہ لفظ متشابہات سے ہو جائے گا اور ’یا‘ تخفیف کی وجہ سے حذف ہوئی ہے وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ یہ وَسَعَ سے ماخوذ ہے قدرت واسعہ کے معنی میں ہے تو یہ اسم فاعل ہے۔ ذُوْ كَذَا کے معنی میں یعنی (ذُوْوُسْعٍ وَّطَاقَةٍ) یا وسعت متعدیہ سے ہے یعنی آسمان اور زمین کے درمیان اور اسی طرح مختلف آسمانوں کے درمیان بھی اللہ تعالیٰ نے بہت کشادگی پیدا کی ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ زمین

اور آسمان اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ پانچ سو سال فاصلہ ہے۔ (دارمی فی الرد علی الجہمیۃ ص26 ، ابن خزیمۃ فی التوحید ص105 ، طبرانی کبیر 8987 ، والبیہقی فی الاسماء والصفات وصححہ ابن قیم فی اجتماع الجیوش الاسلامیۃ والذہبی فی العلو ص64 ، والہیثمی 68/1 ، مجمع الزوائد وقال رجالہ رجال الصحیح) من شرح کتاب التوحید للغنیمان ۔

تفسیر 48: یہ دوسری دلیل عقلی ہے فَرَشْنٰهَا یعنی زمین کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ نہ زیادہ نرم ہے اور نہ زیادہ سخت ہے تاکہ مخلوق اس سے فائدہ حاصل کریں۔ فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ یہ دوسرے فائدے کی طرف اشارہ ہے یعنی انسان اس میں آرام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آرام کی جگہیں بھی پیدا کی ہیں۔

تفسیر 49: یہ تیسری دلیل ہے اور وعظی ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے جوڑے بنانے پر قادر ہے تو دوبارہ زندہ کرلے پر بھی قادر ہے اور اسی طرح جب ہر چیز جوڑا جوڑا ہے تو دنیا کے لیے بھی جوڑا چاہیے جو آخرت ہے نیز جب تمام مخلوقات جوڑے جوڑے ہیں تو معلوم ہوا کہ خالق ایک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ مثل سے پاک ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ حیوانات ونباتات میں ، اوصاف واحوال میں اور رنگوں اور اوقات میں زوجیت ہے یعنی مذکر اور مونث، غنی اور فقیر، خوبصورت اور بدصورت، موت اور زندگی، اندھیرا اور روشنی، دن اور رات، سورج اور چاند، صحت اور بیماری، خشک اور تر (دریا)، ہموار اور پہاڑ، گرمی اور سردی، ایمان اور کفر، سعادت اور شقاوت، حق اور باطل، میٹھا اور کڑوا، آسمان اور زمین، خیر اور شر، جن اور انس، صبح اور شام، حرکت اور سکون، اوپر اور نیچے ، ابتدا اور انتہا اور دنیا اور آخرت وغیرہ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ اس سے مراد قیامت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی نصیحت ہے اس طریقے پر جو پہلے ذکر کیا گیا۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں [50] اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں [51]۔

تفسیر 50: یہ گزرے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل کا نتیجہ ہے اور یہ لفظ کئی معنوں پر مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے بھاگو اللہ تعالیٰ کی طرف اور گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف اور شیطان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف اور جہالت سے علم کی طرف اور غیر اللہ کی بندگی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دوڑو اور فَفِرُّوْٓا میں اشارہ ہے کہ شیطانی قوتیں زیادہ ہیں ان سے بچنے کے لیے بھاگنا ضروری ہے، سست رفتاری سے کام نہیں ہوتا نَذِيْرٌ غیر اللہ کی طرف فرار سے

ڈرانے والا اس لیے کہ اس میں عذاب ہے۔

تفسیر 51: پہلی آیت میں توحید کو ثابت کیا تھا اور اس میں شرک کی نفی ہے اور توحید کا کمال ہے نَذِيْرٌ پہلے دنیا کے عذاب سے انذار اور یہ آخرت کے عذاب سے انذار ہے، یا پہلا انذار مطلق عذاب سے تھا اور یہ انذار ہمیشہ کے عذاب سے ہے اس لیے کہ مشرک کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾

"اسی طرح نہیں آیا ان لوگوں کے پاس جو ان سے پہلے تھے کوئی رسول مگر انہوں نے کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے [52] کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے بلکہ یہ سرکش قوم ہیں [53] پس آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں [54] اور نصیحت کرتے رہیں بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے [55]۔

تفسیر 52، 53: ان آیتوں میں منکرین کے لیے زجر ہے یعنی یہ لوگ امر (فَفِرُّوْٓا) اور نہی (وَلَا تَجْعَلُوْا) پر عمل نہیں کرتے، بلکہ جھٹلاتے ہیں۔ مِنْ قَبْلِهِمْ اس سورت میں فرعونیوں کا ذکر گزرا ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح تکذیب کی تھی۔

سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ: اَوْ تفصیل یا شک کے لیے ہے لیکن بہر صورت منکرین کے تناقض اور جہل پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ مجنون ساحر نہیں ہوسکتا ہے۔ سوال: اِلَّا یہ حصر پر دلالت کرتا ہے یعنی مکذبین نے ان دو حکموں کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا ہے حالانکہ انہوں نے اور بھی کئی طریقوں اور الفاظ سے تکذیب کی ہے جیسے كَذَّابٌ اَشِرٌ اور اسی طرح اور؟ جواب: یہ دونوں لفظ کثرت سے کہے تھے یا یہ کہ یہ دونوں ان تمام قبائح کے لیے مجموعہ ہے جن کی یہ انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت کرتے ہیں اس لیے کہ ساحر صفت تمام فسادات پر مشتمل ہے اور مجنون ملن احوال کے لیے عام ہے جن کی وجہ سے آدمی انسانیت سے باہر ہوجاتا ہے اَتَوَاصَوْا بِهٖ یعنی ہر ایک زمانے کے مکذبین کا ایک جیسا حکم کرنا یا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی ہے، یا سرکشی کی وجہ سے، پہلی بات تو نہیں ہے تو دوسری بات ثابت ہوئی اور یہ سخت زجر ہے۔

تفسیر 54، 55: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور تشجیع دینا مقصود ہے تَوَلَّ سے مراد یہ ہے ان کی پرواہ نہ کریں، آپ کی بات

مانیں یا نہ مانیں: فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ اس لیے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری ادا کی ہے اور کر رہے ہیں۔ وَّ ذَكِّرْ اس کے ساتھ اشارہ ہے کہ تَوَلَّ سے مراد دعوت کو چھوڑنا نہیں ہے۔ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی دعوت اور بیان کرنا فائدے سے خالی نہیں۔ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مَا يَؤُوْلُ اِلَيْهِ کے اعتبار سے ایمان کا ارادہ رکھتے ہیں یا فی الحال ایمان والے ہیں اور ایمان کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ ایمان مضبوط ہو جائے اور ایمان سے متعلق اور احکام سیکھ لیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾

"میں نے جن اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں [56] نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں اور نہ میری یہ چاہت ہے کہ وہ مجھے کھلائیں [57] یقیناً اللہ تعالیٰ خود ہی سب کا روزی رساں مضبوط قوت والا ہے [58]۔

تفسیر 56: اس کا ربط ذَكِّرْ کے ساتھ ہے یعنی ان کو جن اور انس کی پیدائش کی حکمت کے حوالے سے تذکیر و نصیحت کرو۔ سوال: اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ جب جن اور انس کی خلقت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت توحید کے طریقے پر مراد ہو جائے تو بہت زیادہ جن اور انسان تو توحید والے نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے کیسے خلاف لازم ہوا یہ تو معتزلہ کا مذہب ثابت ہوا جو کہ بہت ساری نصوص کے خلاف ہے؟ جواب کئی طریقوں سے ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اقرار کرنا ہے چاہے خوشی سے ہو یا زبردستی ہو تو کفار اور مشرکین کرہاً (زبردستی) کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار کرتے ہیں۔ دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ اس سے مراد حکم دینا ہے اور توحید کے ساتھ مکلف کرنا ہے اور ان کو حکم ہوا ہے جیسے سورۃ بینہ آیت 5 میں ہے۔ تیسرا طریقہ: کہ جن اور انس سے مراد صرف ایمان والے ہیں۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اس سے مراد توحید فی العبادت کے حوالے سے ان کی استعداد ہے۔

تفسیر 57: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور یہ وہم دور کرتا ہے کہ جب بھی مخلوق اپنے لیے عبید (غلام) بناتی ہے تو اپنے اغراض کے لیے بناتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے انس و جن کو اپنے کسی فائدے یا غرض کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔ مِّنْ رِّزْقٍ یعنی رزق کمانا اور بندوں کے کسب اپنے لیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کچھ فائدہ یا غرض یا مقصد نہیں بنایا اور اسی طرح خلقت کا اصلی مقصد رزق کمانا نہیں بلکہ یہ تو صرف عبادت کے لیے ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اس کے ساتھ متصل مَآ اُرِيْدُ اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ مالک

نے کسی غلام کو اپنی خدمت کے لیے مقرر کیا ہوا ہوتا ہے اس کا کسب کرنا مقصود نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کی بھی اپنے آپ سے مستقلاً نفی کی ہے تو یہ واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبادت کا حکم اپنی غرض کے لیے نہیں دیا ہے بلکہ اس میں مخلوق کا فائدہ ہے جو کہ دنیا و آخرت کا اجر حاصل کرنا اور عذاب سے بچنا ہے۔

تفسیر 58: جب کبھی بعض مالک اپنے غلاموں سے خدمت نہ لیتے ہوں تو وہ رزق بھی نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو اس قول "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ" کے ساتھ دور کیا ہے، مبالغے کے صیغے میں اشارہ ہے کہ وہ ہر وقت، ہر قسم اور ہر کسی کو رزق دینے والا ہے اور پیدا کرنے والا ہے ذُو الْقُوَّةِ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو روزی دینے میں کسی کی مدد کی طرف محتاج نہیں ہے اور لفظ ذو قوت کے ظاہر کرنے پر دلالت کرتا ہے الْمَتِيْنُ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت پر کسی قسم کی کمزوری نہیں آتی۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

"بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ان کے لیے حصہ ہے ان کے ساتھیوں کے حصے کی طرح تو یہ جلدی طلب نہ کریں [59] تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے [60]۔

تفسیر 59: یہ تخویف دنیوی ہے یعنی جب جن وانس کے پیدا کرنے کی حکمت ذکر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی قوت ذکر ہوئی تو یہ ان ظالموں کی سزا کے لیے سبب ہیں جنہوں نے پیدا کرنے کی حکمت کے خلاف کیا ذَنُوْبًا اصل میں اس ڈول کو کہا جاتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور اسی طرح شر کے اس دن کو کہا جاتا ہے جو بہت لمبا ہو، یہاں عذاب کا بڑا حصہ مراد ہے۔ مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ اس سے وہ جھٹلانے والی قومیں مراد ہیں جن کے عذابوں کا اس سورت میں ذکر ہوا ہے تو یہاں عذاب دنیاوی مراد ہے۔

تفسیر 60: يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ سے مراد دنیاوی عذاب کا دن ہے تو فَوَيْلٌ میں فاء سببیت کے لیے ہے یعنی عذاب کے یہ حصے ان کی ہلاکت کے لیے سبب ہے یا يَوْمِهِمْ سے قیامت کا دن مراد ہے اور فاء عطف کے لیے ہے یعنی دنیا کے عذاب کے بعد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔

سورۃ الحجرات کی خصوصیات:

۱۔ اس سورۃ میں آٹھ مُجملات ہیں۔

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ۔

۳۔ جن لوگوں نے لوطؑ کے ساتھ نجات پائی۔

۴۔ انسانوں اور جنوں کے تخلیق کی حکمت۔

۵۔ متقین کی پانچ صفتوں کا بیان۔

الحمدللہ سورۃ الذاریات کی تفسیر اللہ کی توفیق سے مکمل ہوئی

سورۃ الطور مکیۃ 76 — آیاتھا ۴۹ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خالص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَ الطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾

"قسم ہے کوہِ طور کی [1] اور لکھی ہوئی کتاب کی [2] کھلے ہوئے ورقوں میں [3] اور آباد گھر کی قسم [4] اور بلند کی ہوئی چھت کی [5] اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی [6]۔

ربط: اس سورت کا ماقبل سورت سے ربط کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۃ ذاریات میں وعدے کے سچا ہونے کی خبر تھی اور جزا کا واقع ہونا تھا تو اس سورت میں جزا کی ایک صورت ذکر کی ہے جو کہ عذاب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں آگ پر افتنان ذکر کیا تھا تو اس سورت میں آگ کی مصیبتوں کو ذکر کرتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں پرہیزگاروں کو اجمالی بشارت تھی اور اس سورت میں تفصیلی بشارت ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں مختصر زجر ذکر کی تھی تو اس سورت میں کثرت کے ساتھ زواجر ذکر ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: عذاب کے واقع ہونے کے ذکر کے ساتھ اثبات قیامت کیا ہے اور شرک فی الدعاء اور اتخاذ الولد کا رد کے ساتھ توحید کا بیان بھی ہے آیات 28، 39، 43، 46، 47 میں۔

سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے: پہلا باب آیت 29 تک ہے۔ اس میں سورت کے مرکزی مضمون کے متعلق پانچ شواہد ذکر کیے گئے ہیں، پھر نو طریقوں سے تخویف اُخروی ہے پھر اٹھارہ وجوہ سے تفصیلی بشارت ہے، نیز جنت میں دخول کا سبب آیت 28 میں ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر 1 سے 6: یہ ساری قسمیں شہادت کے طور پر اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ہیں جو اس کے بعد ذکر ہے وَالطُّوْرِ ہر اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جس میں درخت اور پودے ہوں اور اس نام سے وہ پہاڑ مشہور ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا اور اس کے پاس ستر آدمیوں پر بے ادبی کرنے کی وجہ سے عذاب آیا تھا، اس وجہ

اسے عذاب کی شہادت میں ذکر کیا جاتا ہے اور مشرکین عرب اہل کتاب کی تقلید میں ان واقعات اور طور کی شرافت کے قائل تھے وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ راجح یہ ہے کہ اس سے مراد تورات ہے جو تختیوں میں لکھی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی جیسے سورۃ الاعراف آیت 145 میں گزرا ہے۔ فِيْ رَقٍّ وہ باریک چمڑا اور کاغذ جس پر لکھا جاتا ہے۔ مَّنْشُوْرٍ دلالت کرتا ہے کہ وہ پھیلے ہوئے (لمبی اور چوڑی تختیاں تھیں اور موسیٰ علیہ اسلام کی کتاب میں سابقہ اقوام مکذبہ پر اور بنی اسرائیل پر عذاب کے نزول کا ذکر بہت زیادہ ہے اس وجہ سے اس کو عذاب کی شہادت میں ذکر کیا جاتا ہے۔ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ حدیث معراج میں ذکر ہے کہ ساتویں آسمان میں رسول اللہ ﷺ کو بیت المعمور دکھایا گیا کہ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور ان کی باری دوبارہ نہیں آتی ہے، تو یہ گھر ملائک کی عبادت اور طواف سے آباد ہے۔ صحیح بخاری کتاب بدء الوحی حدیث 3207 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 264 احمد 4 / 207 اور اس میں ملائک، ایمان والوں کے لیے عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی مانگتے ہیں جیسے سورۃ مؤمن آیت 7 میں ہے اس وجہ سے اسے عذاب کی شہادت میں ذکر کیا جاتا ہے، یا اس سے مراد کعبۃ اللہ ہے کہ وہ بھی حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ آباد ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی ہے اور اس کے پاس اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا اس وجہ سے اسے عذاب کی شہادت میں ذکر کیا جاتا ہے وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ اس سے مراد سورۃ الانبیاء آیت 32 کے قرینے سے آسمان ہے اور آسمان کی طرف سے منکرین پر بہت عذاب آئے تھے اس وجہ سے اسے شہادت میں ذکر کیا ہے وَالْبَحْرِ دریا اور طوفان میں فرعون اور نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی تھی تو اس لیے یہ بھی عذاب پر شہادت ہے الْمَسْجُوْرِ بھرے ہوئے کے معنی میں ہے اور آگ کے ذریعے بڑکائے ہوئے کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے دن اس میں آگ لگ جائے گی جیسے سورۃ تکویر آیت 6 میں ہے تو پانی سے خالی ہو جائے گا اور خالی کیے ہوئے کے معنی میں بھی آتا ہے اور زمین سے بند اور محبوس کئے ہوئے کے معنی میں بھی ہے کہ ساری زمین پر پھیل نہ جائے اور یہ سارے معانی امام ابن کثیرؒ اور امام قرطبیؒ نے ذکر کیے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝

"بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے[7] اسے کوئی روکنے والا نہیں[8] جس دن آسمان بے ہودہ لگے گا[9] اور پہاڑ چلنے لگیں گے[10] اس دن جھٹلانے والوں کی ہلاکت ہے [11] وہ لوگ جو اپنی بے ہودہ گوئی میں کھیل رہے ہیں[12]۔

تفسیر 7، 8: یہ قسم کا جواب ہے اور قسم اور جواب قسم میں مناسبت پہلے بیان ہوئی اور وہ یہ کہ ان سب میں عذاب کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ یعنی گزرے ہوئے عذاب کسی نے دور نہیں کیے ہیں، تو اسکے بعد بھی دفع نہیں کر سکتے جیسے کہ سورۃ معارج آیت 1 اور 2 میں آیا ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیتیں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے لیے سبب بنیں اور امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان کے سننے سے عمر رضی اللہ عنہ ایسے غمزدہ ہوئے کہ بیس دن یا ایک مہینہ لوگ ان کی عیادت کرتے تھے۔

تفسیر 9، 10: اس میں عذاب کے واقع ہونے کا وقت بیان کیا ہے، یعنی قیامت کا دن اور اس دن کی ہیبتیں نیز آسمان اور پہاڑوں کے حالات ذکر کیے ہیں تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا عرب لغت میں مَوْرًا آنے جانے اور خلط ملط ہونے اور چکی کی طرح گھومنے ان سب معانی کو شامل ہے، اور یہاں یہ سارے معانی صحیح ہیں اور پہاڑوں کا حال "سَيْرًا" کے ساتھ ذکر ہے یعنی زمین کے اوپر سے چلنے لگیں گے جیسے سورۃ تکویر آیت نمبر 3 میں ہے۔

تفسیر 11، 12: اس میں عذاب کے مستحقین کا ذکر ہے اور عذاب کے دو سبب ذکر ہیں۔ فا کا حرف، مقدر شرط پر دلالت کرتا ہے یعنی جب کبھی یہ حالات آجائیں تو مکذبین کی ہلاکت شروع ہو جائے گی خَوْضٍ یہ سبب سورۃ مدثر آیت 45 میں بھی ذکر کیا ہے اس سے مراد باطل بحثوں میں مشغول ہونا ہے اور دین پر اعتراضات اور طعن کرنا ہے جیسے کہ دہریوں اور بڑے فاسقوں کی مجالس میں ہوتا ہے۔ يَلْعَبُوْنَ یعنی یہ بحثیں حق کے معلوم کرنے یا تحقیق کے لیے نہیں کرتے بلکہ کھیل کے طور پر صرف وقت گزار رہے ہیں۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"جس دن وہ دھکے دے دے کر جہنم کی طرف لائے جائیں گے [13] یہ وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے [14] کیا یہ جادو ہے یا تم کچھ نہیں دیکھتے ہو؟ [15] آگ میں داخل ہو جاؤ صبر کرو یا نہ کرو تم پر برابر ہے بے شک تمہیں بدلہ دیا جائے گا اس کا جو تم عمل کرتے تھے [16]۔

تفسیر 13، 14: یہ "یَوْمَ تَمُوْرُ" یا "يَوْمَئِذٍ" سے بدل ہے یہ اس دن کی سختیں بیان کی ہیں یُدَعُّوْنَ یعنی آگ میں زبردستی دھکے دینے کے ساتھ داخل کیے جائیں گے کُنْتُمْ بِهَا اس میں تکذیب کے دوام کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 15، 16: اس سے پہلے "یَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ" پوشیدہ ہے جہنم کے ملائک ان سے کہیں گے اَفَسِحْرٌ یہ فریاد کرنے والوں کے لیے ڈانٹ ہے یعنی تم نے دنیا میں معجزات الٰہی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ جادو ہے، اور کبھی خیال کرتے تھے کہ یہ نظر بندی ہے کیا آج بھی آگ کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال ہے؟" اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے اور یہ حکایت دنیا کے حال کی ہے کہ تم دنیا میں بصیرت اور سمجھ سے کام نہیں لیتے تھے سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ جیسے سورۃ ابراہیم آیت 21 میں گزرا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝

"یقیناً پرہیز گار لوگ جنت اور نعمتوں میں ہوں گے [17] خوش ہوں گے اس پر جو ان کو ان کے رب نے دے رکھا ہے اور ان کو ان کے رب نے جہنم سے بچا لیا [18] خوشی سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے [19] تکیے لگائے ہوں گے بچھے ہوئے شاندار تختوں پر اور ہم ان کا نکاح گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے [20]۔

تفسیر 17، 18: یہاں سے پرہیزگاروں کے لیے تفصیلی بشارت شروع ہوئی، ان دو آیتوں میں چار چیزوں کے ساتھ خوشخبری ہے فٰكِهِيْنَ مُتَفَكِّهِيْنَ کے معنی میں ہے یعنی مزے لینے والے ہوں گے اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ

فَاکِهِیْنَ زیادہ میووں والے کے معنی میں ہے یعنی یہ فاعل نہیں گیا ہے تَامِرٌ یَالَابِنٌ کی طرح وَ وَقٰىهُمْ یہ مستقل نعمت ہے یعنی شروع سے جنت میں داخل ہوئے اور آگ سے بالکل بچ گئے رَبُّهُمْ اشارہ ہے کہ بچنا اللہ تعالیٰ کے احسان کی وجہ سے ہے، عمل کے ذریعے نہیں ہے۔

تفسیر 19، 20: ان آیتوں میں ظاہر محسوس ہونے والی نعمتوں کے ساتھ خوشخبری دی ہے هَنِيْٓـًٔا یہ کھانے پینے دونوں کے ساتھ متعلق ہے لیکن پینا اکثر کھانے کے تابع ہوتا ہے اس وجہ سے ''هَنِيْٓـًٔا'' ایک مرتبہ ذکر کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے پینے میں کسی قسم کا نقصان یا مرض اور آفت نہیں ہوگی وَ زَوَّجْنٰهُمْ جیسے سورۃ فرقان آیت 54 میں گزرا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد ملا لیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ کم نہ کریں گے ہر ایک شخص نے جو عمل کیا اس کا انتظار کرنے والا ہوگا [21] اور ہم ان کے لیے زیادہ کریں گے میوے اور گوشت اس قسم کے جو یہ چاہیں گے [22]۔

تفسیر 21: اس میں دو طریقوں سے خوشخبری ہے: بِاِيْمَانٍ: ذُرِّيَّةٌ سے عام مراد ہے، چھوٹے بچے ہوں یا بالغ ہوں اور اگر چھوٹے ہوں تو ایمان سے مراد ایمانِ تبعی ہے یعنی ماں باپ کے ایمان کی وجہ سے یہ بھی مؤمن ہیں اور اگر بالغ ہوں تو ایمان سے مراد ایمان تکلیفی اور اختیاری ہے یعنی اگرچہ یہ اولاد آباؤ اجداد سے عمل کرنے میں کم ہے لیکن آباء و اجداد کی خوشی کے لیے جنت میں ان کو ان کے ساتھ اکٹھا کر دیا جائے گا اور سراج المنیر میں ذکر کیا ہے کہ ''ذُرِّيَّةٌ'' کا لفظ اولاد سے عام ہے آباؤ اجداد اور اولاد اور پیروی کرنے والوں اور دوستوں اور شاگردوں سب کو شامل ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (صحیح بخاری کتاب الادب 6169 / صحیح مسلم حدیث 165-2639) اس پر دلیل ہے وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ اس سے اس وہم کو دور فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آباؤ اجداد کا درجہ کم ہو جائے جب اولاد ان کے ساتھ مل جائے گی تو جواب ہوا کہ معاملہ برعکس ہوگا آباؤ اجداد کے درجات میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ كُلُّ امْرِیٍٔ اس میں وہم کا جواب ہے وہ یہ کہ جس طرح باپ کے نیک عمل کی وجہ سے اولاد کو فائدہ پہنچتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ باپ کے گناہ کی وجہ سے یا اولاد کے گناہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچے تو جواب ہوا برا عمل ہر انسان کا اپنے لیے ہے پھر یہ جملہ عام ہے ہر نیک اور بد عمل اس میں شامل ہے

دَیۡنٌ عام ہے خیر یا شر کی جزاء کے انتظار کے معنی میں ہے یا اس سے مراد سورۃ مدثر آیت 38 کے قرینے کے ساتھ صرف مشرک اور گنہگار لوگ ہیں کہ وہاں "اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ" کا استثناء ذکر ہے۔

تفسیر 22: اس میں خوشخبری دوسرے طریقے سے ہے اور ایک وہم کو دور کرنا ہے وہ یہ کہ جب اولاد کو ان کے ساتھ اکٹھا کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ ان کی وجہ سے نعمتوں میں کمی آجائے تو جواب آیا کہ وقت بوقت خوراک زیادہ ہوگی اور آیت 20 اور 21 میں ترتیب سورۃ واقعہ کی طرح ہے دنیا کی ترتیب کے برخلاف یعنی پہلے پھل اور پھر گوشت اور وجہ یہ ہے کہ جنت میں گوشت کھانا بھی صرف تفکہ اور مزے کے لیے ہے نہ کہ بھوک کی وجہ سے۔

یَتَنَازَعُوۡنَ فِیۡہَا کَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِیۡہَا وَ لَا تَاۡثِیۡمٌ ﴿۲۳﴾ وَ یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ غِلۡمَانٌ لَّہُمۡ کَاَنَّہُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّکۡنُوۡنٌ ﴿۲۴﴾ وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

"ایک دوسرے سے اس میں بھرے ہوئے جام لیں گے جس میں نہ تو بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ [23] اور چل پھر رہے ہوں گے ان کی خدمت کے لیے لڑکے گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں [24] اور ان کے بعض بعض کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے [25]۔

تفسیر 23: یَتَنَازَعُوۡنَ تنازع اصل میں ایک دوسرے سے کسی چیز میں چھینا جھپٹی کرنا ہے، لیکن یہاں اس سے مراد ایک دوسرے کو دینا ہے لیکن یہ چھینا جھپٹی مزے اور خوش طبعی کے لیے ہے حرص اور جھگڑے کے طریقے پر نہیں ہے۔ کَاۡسًا: وہ برتن ہے جو بھرا ہوا ہو جب خالی ہو تو اس کو "کَاۡس" نہیں کہا جاتا ہے لَّا لَغۡوٌ فِیۡہَا یہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے یا "کَاۡس" کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یا حالت کی تاویل کے ساتھ تنازع کی طرف راجع ہے لَغۡوٌ وہ کلام ہے جس میں کچھ فائدہ نہ ہو اگرچہ دوسرے کا نقصان بھی اس میں نہ ہو لَا تَاۡثِیۡمٌ وہ کلام ہے جس میں گناہ ہو جس طرح دنیا کی شراب پینے سے نشہ آتا ہے اور پھر لوگ گالیاں دیتے ہیں اور فحش کام کرتے ہیں تو اس طرح جنت کی مشروبات میں نہیں ہوگا۔ اور "تَاۡثِیۡمٌ" نشے کو بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 24: یہ کھانا پینا ذکر ہوا تو اب اس کے لیے خادموں کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ واقعہ آیت 17 اور سورۃ دھر آیت 19 میں "وِلۡدَانٌ" ذکر فرمایا ہے تو وہاں مراد ان کی اولاد ہے اور وہ ان کے ساتھ جنت میں ہوگی اور وہ ان کے پاس ہر وقت پھر رہی ہوگی اور یہاں مراد خدمتگار ہیں کہ یہ بھی حوروں کی طرح جنت میں پیدا ہوئے ہوں گے یا ان کو غلمان خدمت کے

اعتبار سے کہا اور نابالغ ہونے کے اعتبار سے ان کو ولدان کہا۔ لَّهُمْ میں اشارہ ہے کہ ہر کسی کے ساتھ اپنے غلمان خاص ہوں گے مَّكْنُونٌ موتی جو صدف میں چھپا ہو یا جنت میں محفوظ رکھا گیا ہو اور جب کہ خادموں کا یہ حال ہے تو مخدومین کا حال تو ان سے کئی درجہ بلند ہوگا۔

تفسیر 25: یہ دوسرے طریقے سے بشارت ہے یعنی جس سبب سے یہ جنت میں آ پہنچے اس پر خوشی کا اظہار کریں گے يَّتَسَآءَلُوْنَ مراد یہ ہے کہ کیا سبب ہے کہ یہ نعمتیں ہمیں حاصل ہوئیں یا دنیا کی تھکاوٹوں اور اعمال کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے جیسے سورۃ صافات آیت 50 میں گزرا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝

''وہ کہیں گے یقیناً ہم اس سے پہلے اپنے اہل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے [26] تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا [27] یقیناً ہم اس سے پہلے اس سے دعا مانگتے تھے یقیناً وہ بڑا احسان کرنے والا مہربان ہے [28]۔

تفسیر 26: یہ سب کے جواب کا خلاصہ ہے فِيْٓ اَهْلِنَا اشارہ ہے کہ باوجود اس کے کہ باقی لوگوں نے اہل و عیال کے شغل میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے غفلت کی لیکن وہ شغل ہمارے لیے غفلت کا سبب نہیں ٹھہرا مُشْفِقِيْنَ وہ ڈر جو رغبت اور محبت کے ساتھ ہو یعنی ڈر بھی ہو اور امید بھی ہو۔

تفسیر 27: فَمَنَّ اللّٰهُ اس سے مراد دنیا میں بھی ہدایت کی توفیق ہے یا آخرت میں جنت اور مغفرت مراد ہے السَّمُوْمِ وہ گرم ہوا جو بدن کے مسامات میں داخل ہو جائے اور یہاں جہنم کی گرم ہوا مراد ہے۔

تفسیر 28: یہ وَوَقٰىنَا کے لیے علت ہے یعنی جہنم کے عذاب سے بچنا اس سبب سے تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے تھے اور ہم نے دعا کرنے میں شرک نہیں کیا اَلْبَرُّ وہ ذات جس کی بخشش اور انعام بہت کشادہ ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝٢٩ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝٣٠ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝٣١

"آپ قرآن بیان کریں آپ اپنے رب کی نعمت سے کاہن اور دیوانے نہیں ہیں [29] کیا وہ کہتے ہے کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر موت کے حادثے کا انتظار کرتے ہیں؟ [30] آپ کہہ دیجیے کہ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں [31]۔

تفسیر 29: اس آیت میں سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور تشجیع دی ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے انکار پر اور شرک کرنے پر پندرہ زواجر دی ہیں اور آیت 27 میں تخویف دنیاوی ہے، پھر آخری تین آیتوں میں توحید کے ذکر کے ساتھ داعی کو تسلی اور دعوت ہے۔ اس آیت 29 میں قرآن کے بیان کرنے کی طرف ترغیب ہے فَذَكِّرْ فا لانا اشارہ ہے کہ جب پرہیزگاروں کی بحث سے معلوم ہوا کہ قرآن سے فائدہ لینے والے لوگ موجود ہیں تو اگر دوسری طرف لوگ آپ کو کاہن یا مجنون کہتے ہیں تو ان کی وجہ سے قرآن کے درس کو مت چھوڑیں (قرآن وسنت کی درس وتدریس کو جاری وساری رکھیں) نیز اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی سچائی کو ثابت کیا گیا ہے بِنِعْمَتِ رَبِّكَ نبی پر قرآن نازل کرنا خاص نعمت ہے۔ كَاهِنٍ وہ ہے جو غیب کے دعوے کرے اور یہ اکثر جھوٹ ہوتے ہیں۔ اور "مَجْنُوْنٍ وہ ہے جو بے ترتیب اور بے فائدہ باتیں کرے یعنی نبی کے کلام میں جھوٹ نہیں ہے، اور یہ علم الغیب کا دعویٰ بھی نہیں کرتے ہے اور بے فائدہ باتیں بھی نہیں کرتے ہے۔

تفسیر 30: یہ رسول کے منکرین کے لیے زجر ہے اور کلام عرب میں ایک بات سے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے کے لیے جب اس کے ساتھ ڈانٹ بھی ہو "آمر" استعمال ہوتا ہے اور خلیل سے روایت ہے کہ سورۃ طور میں آمر استفہام ڈانٹ کے لیے ہے، عطف کے لیے نہیں ہے "رَيْبَ الْمَنُوْنِ منون رات لادن اور زمانے کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ انسان کی عمر کو کم کرتے ہیں اور کمزور بھی کرتے ہیں اور موت کو بھی کہا جاتا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قرآن میں اور جگہ ریب شک کے معنی میں ہے اور یہاں حوادث کے معنی میں ہے کہ وہ بھی شک کی طرح ایک جگہ برقرار نہیں رہتے اور انسان کو پریشان کردیتے ہیں اور وہ اس وجہ سے یہ کہتے تھے کہ شاعر سے خوف کھاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اشعار بنا کر ہماری بدنامی کردے تو اس کی موت مانگتے ہیں کہ موت کے ذریعے اس سے بچ جائیں گے۔

تفسیر 31: تَرَبَّصُوْا یہ امر تہدید (دھمکی) کے لیے ہے مَعَكُمْ اس میں اشارہ ہے کہ موت کے انتظار میں سب برابر ہیں۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

"کیا ان کو ان کی عقلیں یہ حکم دیتی ہیں یا یہ لوگ ہیں سرکش؟[32] کیا وہ کہتے ہے کہ اس نے قرآن گھڑ لیا ہے؟ بلکہ یہ ایمان نہیں لاتے[33] چاہیے کہ اس کی طرح کی ایک بات لے آئیں اگر یہ سچے ہیں[34]۔

تفسیر 32: یہ دوسری ڈانٹ ہے خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ باتیں عقل والوں کی باتیں نہیں ہیں لیکن ان کا سبب طغیان اور سرکشی ہے۔ دوسرا یہ کہ "اَمْ" بَلْ عاطفہ کے معنی میں ہے اَحْلَامُ حلم کی جمع ہے عقل کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ انسان کی عقل احتلام، بلوغ اور حلم (بردباری) کے بعد پوری معلوم ہوتی ہے۔

تفسیر 33، 34: یہ دوسری ڈانٹ ہے اور یہ قرآن کے انکار کے ساتھ متعلق ہے بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ یعنی تَقَوَّلَ (اور گھڑنا) نہیں ہے لیکن قرآن سے انکار کا سبب ان کا کفر عنادی ہے فَلْيَاْتُوْا یہ آیت تحدی (چیلنج) کی ہے تَقَوَّلَهٗ کے ساتھ متعلق ہے بِحَدِيْثٍ ہر کلام جس پر تلفظ ہو سکتا ہے قدیم ہو یا حادث ہو تو اس کو حدیث کہا جاتا ہے اور قرآن میں قرآن پر حدیث کا اطلاق نو (9) مرتبہ کیا گیا ہے اور قرآن میں حدیث جدید کے معنی میں نہیں آیا تو معتزلہ کا قول باطل ہے جو کہتے ہے کہ حدیث کے لفظ سے معلوم ہوا کہ قرآن مخلوق اور حادث ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

"کیا یہ لوگ بغیر کسی فائدے کے پیدا کیے گئے، یا یہ اپنے نفسوں کے پیدا کرنے والے ہیں؟[35] کیا انہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں[36] کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا یہ (اس کی تقسیم پر) مقرر کیے گئے ہیں؟[37]۔

تفسیر 35، 36: یہ ان کے شرک پر ڈانٹ ہے اور مشرکین کے اس گمان کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید اور رسالت اور قرآن ماننے کے لیے کوئی حکم اور تکلیف نہیں دی اور نہ دیتا ہے دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ گمان تو تب صحیح ہو سکتا ہے

جب ان تین باتوں میں سے ایک بات ہو: پہلی بات یہ کہ تمہاری پیدائش عبث اور بے فائدہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ تم نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہو۔ تیسری بات یہ کہ تم نے آسمان زمین وغیرہ کو پیدا کیا ہو لیکن ان تینوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے تو پھر یہ کیوں انکار کرتے ہیں؟ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ یعنی بغیر اس کے کہ ان کو کوئی حکم کیا جائے یا کسی چیز سے منع کیا جائے اَلْخٰلِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ اس میں ایک فرق یہ ہے کہ یہ مستقل پیدا کرنے والے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے اشتراک کے ساتھ دوسرا یہ کہ اپنے آپ کو پیدا کیا ہے یا آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے۔

تفسیر 37: یہ زجر بھی پہلے کے ساتھ متعلق ہے یعنی اگر یہ خالق نہیں ہیں تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں (رزق کے خزانوں، بارش وغیرہ یا نبوت کی تقسیم کرنے کے خزانوں کے مالک ہیں) اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ یہ بھی زجر ہے یعنی اگر خزانوں کے اختیار مند نہیں تو کیا ان پر چوکیداری کرنے کے لیے انتظام اور تقسیم کرنے کے لیے مقرر ہیں؟ خلاصہ یہ کہ ان دو باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں تو کیوں توحید اور رسالت سے انکار کرتے ہیں؟۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝٣٨ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝٣٩ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝٤٠ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝٤١ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝٤٢ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٤٣

"یا کیا ان کے پاس سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) کان لگاتے ہیں تو ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے[38] کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟[39] کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کرتے ہیں وہ اس کے تاوان سے بوجھل ہورہے ہیں؟[40] کیا ان کے پاس غیب ہے جسے یہ لکھتے ہیں؟[41] یا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے فریب میں کمزور کیے جائیں گے[42] کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے[43]۔

تفسیر 38: یہ زجر بھی رسالت کے انکار کے ساتھ متعلق ہے یعنی کیا یہ کسی طریقے سے آسمان کی طرف چڑھ سکتے ہیں کہ کوئی وحی یا غیب کی بات اپنے لیے لائیں جس طرح نبی کریم ﷺ کے پاس وحی جبرائیل لاتے ہیں مُسْتَمِعُهُمْ یعنی اگر کوئی شخص جھوٹ سے دعویٰ کرے کہ میں آسمان کی باتیں سنتا ہوں تو اس کی یہ بات بغیر دلیل کے قبول نہیں ہے جیسے کاہنوں کی باتیں ہیں۔

تفسیر 39: یہ بھی زجر ہے اور مشرکین بالملائکۃ پر رد ہے نیز ان کی بے عقلی کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 40: یہ زجر رسالت کے انکار کے ساتھ متعلق ہے مَّغْرَمٍ بالفرض اگر آپ ان سے کوئی تاوان مانگتے ہیں تو یہ برداشت نہیں کر سکتے یا مطلق تاوان بھی برداشت نہیں کر سکتے اور اس میں پیغمبر کے اخلاص کی طرف اشارہ ہے جو بغیر اجرت کے تبلیغ کرتے ہیں۔

تفسیر 41: یہ بھی رسالت سے انکار کے ساتھ متعلق ہے اور الْغَيْبُ سے مراد وحی ہے اور يَكْتُبُونَ سے مراد لکھنا ہے یا الْغَيْبُ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اور يَكْتُبُونَ سے مراد حکم اور فیصلے کرنا ہے۔

تفسیر 42: كَيْدًا: نبی کے قتل کے لیے چال چلنا یا اس سے لوگوں کو پھیرنا اور مختلف حیلوں سے منع کرنا ہے فَالَّذِينَ كَفَرُوا اہ تمام کافروں کی عمومیت کے لیے ذکر کیا هُمُ الْمَكِيدُونَ یعنی ان کی بری چالوں کا اثر ان پر آپڑے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ۔

تفسیر 43: یہ ان کے شرک پر زجر ہے یعنی ان کا معبود نہیں ہے جو ان کو مغلوب ہونے سے بچائے رکھے یا ان کی چالوں کو کامیاب کر دے یہاں تک لفظ أَمْ چودہ مرتبہ ذکر ہوا ہے اور دوسرا أَمْ بَلْ کے معنی میں ہے جس طرح پہلے ذکر ہوا اور باقی سارے استفہام، زجر اور توبیخ (ڈانٹنے) کے لیے ہیں۔

وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

''اور اگر یہ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تو یہ کہیں گے کہ یہ بادل ہے تہہ بہ تہہ [44] پس انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیے جائیں گے [45] اس دن ان کے ان کی چالیں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی [46]۔

تفسیر 44: یہ دنیاوی خوف دلانے کے ساتھ عناد (سرکشی) کرنے پر زجر (ڈراوا) ہے اور ان کے اس مطالبے کا جواب ہے جو سورۃ بنی اسرائیل آیت 92 میں ذکر کیا گیا ہے كِسْفًا: سین کے سکون کے ساتھ واحد ہے اور سین کے فتحہ کے ساتھ جمع ہے يَقُولُوا امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ ان کا یہ قول عناد کی وجہ سے ہے، یا تقلید کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں گروہ ان میں موجود ہیں مَّرْكُومٌ یہ وہم کو دور کرنے کے لیے کہتے کہ یہ تو بادل نہیں ہے یا بادل تو باریک ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ مرکوم

(ترجمہ پتہ) ہے۔

تفسیر 45: اس میں قیامت کے دن کا یا عذاب کی ہیبت کا ذکر ہے۔ یہ سابقہ تمام زواجر پر تفریع ہے واضح رہے کہ یہ زواجر ان کے عناد پر مبنی ہیں فَذَرْهُمْ اس سے مراد ڈانٹ اور عذاب کا خوف دلانا ہے مقصد یہ نہیں ہے کہ ان سے کچھ مت کہو لہذا یہ آیت قتال کی آیت سے منسوخ نہیں ہے حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ اس سے مراد دنیا کے عذاب کا دن ہے ان کے لیے جن پر دنیا میں عذاب آیا اور قیامت کا دن تمام منکرین اور عنادیوں کے عذاب کے لیے ہے۔ يُصْعَقُوْنَ: یہ عذاب کی ہیبت یا قیامت کی وجہ سے بے ہوش ہو جائیں گے یا صَعْقٌ سے مراد دنیا کے عذاب سے مرنا ہے۔

تفسیر 46: اس میں قیامت کے دن کا اور عذاب کے ہیبت کا ذکر ہے یَوْمَ یہ يَوْمَهُمُ سے بدل ہے۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾ ع

''اور بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا قیامت سے پہلے بھی عذاب ہے لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی [47] اور رب کے حکم کے انتظار میں صبر کریں بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کرو اس وقت جب آپ کھڑے ہوں [48] اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھیں اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی [49]۔

تفسیر 47: یہ بھی تخویف ہے دُوْنَ ذٰلِكَ دُوْنَ پہلے کے معنی میں یا علاوہ کے معنی میں ہے ذٰلِكَ: يَوْمَ کی طرف اشارہ ہے جو پہلی آیت میں ذکر ہے اور اس عذاب سے مراد دنیا کے اور عذاب ہیں جیسے بھوک، بیماریاں، قحط سالی اور زندگی کا تنگ ہونا وغیرہ اور اسی طرح قبر کا عذاب بھی مراد ہے جیسا کہ امام قرطبیؒ اور امام خطیب شربینیؒ نے فرمایا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی جب دنیا کا عذاب ان پر آئے تو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ عذاب ہے اور کس مقصد کے لیے آیا ہے جس طرح حدیث میں ہے کہ منافق بیمار ہو جائے اور پھر ٹھیک ہو جائے تو اس کی مثال اونٹ کی طرح ہے نہیں سمجھتا ہے کہ کس لیے اس کو باندھا گیا اور کس لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ (سنن ابوداود کتاب الجنائز حدیث 3089 قال الالبانی حسن مشکوۃ جدید حدیث 1515)

تفسیر 48، 49: یہ فَذَرْهُمْ پر عطف ہے لِحُكْمِ رَبِّكَ عذاب کا فیصلہ ہے جو پہلی آیت میں ذکر ہوا فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ظاہری معنی میں ہے اور اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے اور آپ کی حفاظت بھی کر رہا ہے، لہٰذا مت گھبرائیں اور سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یہ حزن دور کرنے کے لیے ہے جیسے کہ سورۃ حجر آیت 97، 98 میں گزرا ہے اور اس میں توحید کا دعویٰ بھی ہے۔ حِيْنَ تَقُوْمُ یہ عام ہے ہر قیام اس میں شامل ہے۔ نیند سے بیدار ہونا ہو یا ایک مجلس سے اٹھنا ہو، یا نماز کے لیے کھڑا ہونا ہو، یا دعوت و تبلیغ کے لیے کھڑا ہونا ہو ان تمام حالات میں مسنون اذکار منقول ہیں اور وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ تسبیح عام ہے نماز پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا، تسبیح پڑھنا اور توحید بیان کرنا سب اس میں شامل ہیں۔ لفظ "مِنَ" بعض (ٹکڑے) پر دلالت کرتا ہے مغرب، عشاء اور تہجد کے وقت کی طرف اشارہ ہے وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ادبار مصدر ہے یعنی تاروں کے چلے جانے کا وقت جو کہ صبح ظاہر ہونے کا وقت ہے کہ اس وقت میں تارے ڈوبنے لگتے ہیں اور اس سے فجر کی دو سنتیں مراد ہے یہ ترمذی کی روایت ہے، یا فجر کی سنتیں اور فرض مراد ہیں۔ (تنبیہ) اِدْبَار کا لفظ مصدر ہے اور مفرد ہے تو ایک وقت اس سے مراد ہے اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ (ق آیت 40) میں اَدْبَار جمع ہے زیادہ اوقات اس سے مراد ہیں جس طرح سورۃ ق کی تفسیر میں گزرا ہے۔

سورۃ الطور کی خصوصیات:

۱۔ کثرت سے خوشخبریاں۔

۲۔ جنت میں والدین کے ساتھ اولاد کی معیت۔

۳۔ جنت کے دخول کے لئے سبب۔

۴۔ کثیر وعیدوں کا ذکر۔

۵۔ نزول عذاب پر خاص شواہد۔

۶۔ منکرین کے پاس انکار کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

الحمدللہ سورۃ طور کی تفسیر اللہ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتها ٦٢ ٥٣ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ٢٣ رکوعاتها ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝٢ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤

"قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے[1] نہیں بے تمہارا ساتھی بے راہ اور نہ وہ حد سے نکلا ہے[2] اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتا ہے[3] یہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے[4]۔

ربط: اس سورت کا ماقبل سے ربط بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ کہ ہے سابقہ سورت میں منکرین کے لیے بہت ساری زواجر تھیں تو اس سورت میں ان کی دلیل جو ظن و خواہش کی اتباع ہے، پر زجر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں عذاب کا واقع ہونا ذکر تھا تو اس میں عذاب کا سبب ذکر کیا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ ہے پہلی سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار پر زجر تھی تو اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کیا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کیا ہے کہ یہ رسول وحی کی دلیل کے ذریعے شرکیات کا رد کرتا ہے، اور مشرکین، گمان اور خواہش سے دلیل پکڑتے ہیں اور مشرکین بِالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْكَوَاكِبِ کا رد ہے نیز شرک فی العلم اور عبادت اور شفاعت شرکیہ کا رد ہے اور توحید کا دعویٰ آیت 62 میں ذکر ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب پر مشتمل ہے: پہلا باب آیت 29 تک ہے، اس میں جبرائیل علیہ السلام کے نو حالات کے ذکر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ان کے نو احوال کے ساتھ شہادت دی ہے۔ پھر نو طریقوں سے مشرکین کا رد ہے اور مشرکین بالملائکہ اور جن اور انس کا رد ہے نیز مشرکین کی دلائل کا رد ہے۔

تفسیر 1: وَالنَّجْمِ یہ مابعد کے لیے شہادت ذکر کرنے کی قسم ہے اس میں کئی اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ النجم ثریا تارے ہیں کہ وہ نو تارے ہیں، ایک ساتھ جمع ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد سارے ستارے ہیں ان دونوں قولوں میں النَّجْمِ مفرد جنس ہے اور اس سے جمع مراد ہے۔ تیسرا قول وہ خاص تارا ہے جس کے ساتھ شیطان کو مارا جاتا ہے اور الف لام النجم میں عہد ذہنی ہے۔ چوتھا قول نجم قرآن ہے اسی نجم قسط حصے کو کہا جاتا ہے اور قرآن کئی قسطوں میں نازل ہوا ہے

اور بہت سارے حصوں پر مشتمل ہے۔ إِذَا هَوٰى: پہلے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد غائب ہونا ہے ، اور تیسرے قول کے مطابق اس سے مراد شیطان کے پیچھے پھینکنا ہے ، اور چوتھے قول کے مطابق اس سے مراد قرآن کا نازل ہونا ہے۔ اور قسم کی مقسم لہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے جب ثریا تارے مراد ہوں تو تمام تاروں میں دیکھنے والوں کو ثریا خوب نظر آتے ہیں اور یہ عشاء کے وقت ظاہر ہوتے ہیں جب میوے پک جائیں تو اسی طرح آخری نبی تمام انبیاء میں خوب ظاہر ہے اور خصوصا قرآن کے معجزے کے ذریعے سے حکمتوں کے پھل پک چکے ہیں اور شکوک اور شبہات کی جڑ کاٹی جا چکی ہے اور جب تمام تارے مراد ہوں تو مناسبت یہ ہے کہ جب تمام تارے غائب ہو جائیں تو صبح کی روشنی اور پھر سورج ظاہر ہوتا ہے تو اسی طرح اللہ کے باقی رسول غائب اور آخری رسول صبح اور سورج کی روشنی کی طرح ظاہر ہوا۔ اور تیسری توجیہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ تارے شیطانوں کے بھگانے کے لیے پھینکے جاتے ہیں تاکہ کاہن قرآن میں تلبیس پیدا نہ کریں اور اس رسول کی سچائی پوری طرح ظاہر ہو جائے اور یہ نشانی (کہ آخری رسول کے آنے کے زمانے میں شیاطین کو باندھا جاتا ہے) سورۃ جن میں بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور چوتھی توجیہ سے مناسبت واضح ہے یعنی جب قرآن نازل ہوا تو نبی کریم ﷺ کے بارے میں گمراہی اور سرکشی کا کوئی تصور اور گمان باقی نہ رہا۔

تفسیر 2: یہ جواب قسم ہے ضلال اور غوایت کے درمیان فرق کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ ضلال یہ ہے کہ مقصد تک پہنچنے کے لیے بالکل راہ نہ پائے اور غوایت یہ کہ ہے مقصد تک سیدھا راستہ نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ضلال عام ہے عقیدہ اور عمل دونوں پر مشتمل ہے اور غَوَایَتْ عقیدہ فاسدہ کے ساتھ خاص ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ضلال یہ ہے کہ راہ سے بھٹک جائے اور غَوَایَتْ یہ ہے کہ مقصد سے محروم ہو جائے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ضلال بے علمی سے گمراہ ہونا ہے اور غوایت علم کے باوجود سرکشی کی وجہ سے گمراہی ہے۔

تفسیر 3: یہ دوسرا جواب قسم ہے یعنی اس رسول کا کلام ہر قسم کی خواہش نفسانی سے پاک ہے يَنْطِقُ ہر وہ بات جو منہ سے نکلے ، اور یہ تلاوت کرنے کے وقت قرآن کو شامل ہے نیز احادیث کو بھی شامل ہے کہ یہ دونوں خواہش کی اتباع سے صادر نہیں ہوئے۔

تفسیر 4: یہ تیسرا جواب قسم ہے اور هُوَ سے وہ سارا کلام مراد ہے جو نبی اکرم ﷺ اپنے منہ مبارک سے نکالتے ہیں یعنی قرآن اور احادیث بلکہ یہ ضمیر ان کے اقوال اور افعال کو بھی شامل ہے جس طرح سراج المنیر میں لکھا ہے، بعض اہل علم نے

اس آیت سے دلیل لی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کرنا ممنوع تھا لیکن جواب یہ کہ ہے ان کے اجتہاد (جس پر عمل ممکن ہوتا) کی بھی وحی کے ذریعے تائید ہوتی تو وہ بھی وحی میں داخل ہوا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىۙ ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰىۙ ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰىؕ ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىۚ ۝۹ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ ۝۱۰

"انہیں مضبوط قوت والے ملائک نے سکھایا ہے[5] جو زورآور ہے پھر برابر ہوا[6] اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا[7] پھر نزدیک ہوا تو خوب نزدیک ہوا[8] وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلے پر گیا بلکہ اس سے بھی کم[9] پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی وہ جو وحی کی[10]۔

تفسیر 5، 6، 7: اس میں دوسرے طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ذکر ہے جس کا خلاصہ راجح تفسیر کے ساتھ یہ کہ ہے اس رسول کو جبرائیل علیہ السلام نے تعلیم دی ہے اور انہوں نے ان کو دیکھا بھی ہے شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے سورۃ تکویر آیت 20 کی دلیل سے اور بعض مفسرین نے اس سے اللہ تعالیٰ مراد لیا ہے لیکن وہ قول صحیح نہیں ہے ذُوْ مِرَّةٍ مرۃ جسم کی صحت اور قوت کو کہا جاتا ہے جس طرح حدیث میں آیا ہے (لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ) (نسائی حدیث 2597 / ابن ماجہ 1839 / ارواء الغلیل 877 / احمد، ابوداؤد وقال الالبانی صحیح) اور مِرَّةٍ اچھی صورت کو بھی کہا جاتا ہے۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى یہ ضمیر بھی جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور اس میں وحی کی ابتداء کی طرف اشارہ ہے کہ جبریل امین مقام ابطح (مکہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوئے، ان کے چھ سو (600) پر تھے اور انہوں نے آسمان کے کناروں کو ڈھانپ رکھا تھا صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4855 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 287 اَلْاُفُقِ آسمان کی اس طرف کو کہا جاتا ہے جس سے صبح اور سورج ظاہر ہوتے ہیں۔ ابن جریر نے فرمایا ہے کہ یہ ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، اس میں آسمانی معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ معراج کی رات دونوں زمین سے اکٹھے ہوئے اور آسمان کے افق تک جا پہنچے، پھر امام ابن کثیرؒ نے اس قول کا رد کیا ہے لیکن توجیہ کے لحاظ سے یہ قول صحیح ہے۔

تفسیر 8، 9: پہلی تفسیر کے مطابق ضمائر جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور دوسری توجیہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونا مراد ہے فَتَدَلّٰى اصل میں اوپر کی طرف سے نیچے کی طرف

اترنے کو کہتے ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام افق سے اتر آئے اور خوب قریب ہونے میں بھی استعمال ہوتا ہے قَابَ قَوْسَیْنِقَابَ عرفِ عرب میں قوس (کمان) کے مقبض (پکڑنے کی جگہ) سے سرتک کو کہا جاتا ہے اور پکڑنا تو درمیان ہوتا ہے تو ہر طرف ایک ایک قاب ہوا تو معلوم ہوا کہ ہر قوس میں دو قاب ہیں جیسے لسان العرب میں بھی اس طرح کہا ہے، تو اس مقام میں دو کمانوں کا ایک ایک طرف مراد ہے تو اصل میں :قَابَا قَوْسَیْنِ تھا اور بعض نے کہا ہے کہ عبارت میں قلب ہے یعنی ''قَابَا قَوْسٍ ایک کمان کے دو قاب۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ''قَابَ فقط مقدار کے معنی میں ہے جس طرح امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے، پھر یہ تثنیہ عرب قریب ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے کہ جب دو دشمنوں کی صلح ہوتی تو ہر ایک اپنی کمان کو لے آتا اور دونوں، کمانوں کے قاب ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے تھے تو مطلب یہ ہوتا کہ آئندہ ہم مخالف دشمن کے مقابلے میں ایک طرف سے حملہ کریں گے اور ہم ایک ہوں گے۔

تفسیر 10 : عَبْدِهٖ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے چاہے اَوْحٰی کی ضمیر جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہو، یا اللہ تعالیٰ کی طرف اول توجیہ کے مطابق وحی سے مراد سورۃ مدثر کی ابتداء ہے، یہاں اور اقوال بھی ہیں اور دوسری توجیہ کے مطابق وحی مبہم مراد ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬

''دل نے انکار نہیں کیا اس کا جسے (پیغمبر نے) دیکھا [11] کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس چیز کے بارے میں جو اس نے دیکھا ہے [12] اور یقیناً اس کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا تھا [13]۔

تفسیر 11، 12 : اس میں رسول اللہ ﷺ کی سچائی رؤیت کے ساتھ ذکر کی ہے برابر ہے کہ رؤیت (دیکھنا) جبرائیل علیہ السلام کی ہو جیسا کہ یہ ظاہر توجیہ ہے یا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا مراد ہو، جس طرح بعد میں تحقیق آئے گی۔ جب جبرائیل علیہ السلام مراد ہو تو دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مطلب یہ ہے کہ دل نے بھی آنکھوں کے ساتھ موافقت کی ہے یعنی دیکھنا یقینی ہے اور ''اَفَتُمٰرُوْنَهٗ میں مشرکین کو خطاب ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے دیکھنے میں نبی کریم ﷺ سے جھگڑا مت کرو اور جب اللہ تعالیٰ کا دیکھنا مراد ہو تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اس سے مراد دل سے دیکھنا ہے یہ روایت امام مسلم نے ابوالعالیہ کی روایت سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 286) اس میں ہے کہ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ (دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے) اور

ترمذی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے '' رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ مطلقا ذکر کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے (ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3279، شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے) اور اس مطلق سے مقید (دل کے ساتھ) دیکھنا مراد ہے اور فراء البغوی نے انس رضی اللہ عنہ سے اور حسن اور عکرمہ سے یہ لفظ نقل کیا ہے رَاٰهُ بِعَيْنِهٖ کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا ہے اور ابن کثیر نے اس کے بارے میں کہا کہ (وَفِيهِ نَظَرٌ) خلاصہ یہ کہ ہے معراج کی رات اللہ کو دیکھنے کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے۔ راجح یہ ہے کہ یقینی ثبوت نہیں ہے۔ امام ابن کثیرؒ اور بہت سے محدثین نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ دیکھا نہیں ہے اور خطیب شربینی اور بعض مفسرین نے دوسرے قول کو پسند کیا ہے اور قرطبی نے '' مَا رَأَى اور '' عَلٰى مَا يَرٰى '' کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے اس سے مراد وہ آسمانی حالات اور بیت المقدس ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات دیکھے تھے اور اس کے بارے میں مشرکین شک اور جدال کر رہے تھے۔

تفسیر 13: اس بارے میں بھی دو قول ہیں: پہلا یہ کہ ضمیر جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور '' نَزْلَةً. مَرَّةً کے معنیٰ میں ہے لیکن '' نَزْلَةً کے ساتھ تعبیر کی ہے (یعنی اترنا) تو مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ عرش کی طرف سے اترتے اور اس رات میں ان کا آسمانوں پر چڑھنا اور اترنا متعدد مرتبہ ہوا تھا جیسے معراج کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام (چھٹے آسمان) کی طرف کئی مرتبہ آئے اور گئے، یا اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام کا اترنا ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا نزول ہے اور صحیح حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت نزول آئی ہے (کہ رات کے آخر میں اللہ تعالیٰ قریب آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے صحیح بخاری کتاب التہجد حدیث 1145 صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 758) لیکن یہ کیفیت کے لحاظ سے متشابہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ عالم ہے اور جو بھی احتمال مراد ہو لیکن آیت میں آسمانی معراج کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ سدرۃ المنتھیٰ کے پاس دیکھنا اور اس کے حالات دیکھنا معراج کی احادیث کے سبب سے معراج کی رات کے ساتھ خاص ہے تو جو یہ کہتے ہیں کہ آسمانی معراج قرآن سے ثابت نہیں تو وہ جاہل ہیں۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾

"سدرۃ المنتہٰی کے پاس [14] کہ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے [15] اس وقت اس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھپاتی کی ہوئی تھیں جو اس پر چھائی کی ہوئی غیب [16] نہ تو نگاہ بھٹکی نہ حد سے بڑھی [17] یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں [18]۔

تفسیر 14، 15، 16: ظاہر یہ کہ ہے یہ رائی کا ظرف ہے یعنی دیکھنے والے (جو رسول اللہ ﷺ تھے) سدرۃ المنتہٰی کے پاس تھے اور مرئی (یعنی جبرائیل علیہ السلام یا اللہ تعالیٰ) کے ساتھ بھی تعلق کا احتمال ہے سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى میں اضافت مکان کی طرف ہے یعنی وہ منتہٰی مکان ہے جس میں یہ درخت ہے، یا محل کی اضافت حال کی طرف ہے یعنی درخت کے ساتھ منتہیٰ ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ میں کئی اقوال ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ ملائک کے چڑھنے کے لیے منتہٰی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ مؤمنوں کی روحیں اس تک پہنچتی ہیں۔ تیسرا یہ ہے کہ یہ علوم کی انتہاء ہے اور امام ماوردی سے منقول کہ ہے بیری کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ ہے اس میں تین صفتیں ہیں: (۱) لمبے سائے (۲) مزید ار ذائقہ (۳) اچھی خوشبو، اسی طرح ایمان قول عمل اور نیت پر مشتمل ہے تو اس کی خوشبو ایمان کے قول کی طرح ہے اور اس کا سایہ ایمان کے عمل کی طرح ہے اور اس کا ذائقہ ایمان کی نیت کی طرح ہے اس وجہ سے یہ ایمان والوں کی ارواح کا محل ہے۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى: یہ تعریف جنت کے مکان کی ہے کہ ابھی جنت ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہٰی کے پاس ہے اگرچہ جنت کی وسعت آسمان وزمین سے بڑی ہے جس طرح سورۃ آل عمران آیت 133 اور سورۃ حدید آیت 21 میں ذکر ہے لیکن اللہ تعالیٰ قادر کہ ہے تھوڑی جگہ میں بڑی چیز سما دے جیسے ایک آنکھ میں زیادہ دنیا دیکھنے کے لیے سما سکتی ہے یعنی ایک چھوٹی سی آنکھ سے بندہ کتنی دنیا کی طرف دیکھ سکتا ہے اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى حدیث صحیح میں آیا کہ ہے کہ وہ سونے چاندی کی پتنگیں تھیں۔ (صحیح مسلم فی الایمان حدیث 179-173) اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد ملائک ہیں اور معراج کی حدیث میں ہے کہ معراج کی رات مجھے سدرۃ المنتہٰی لے جایا گیا تو اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح تھے اور اس کے بیر ہجر مقام کے مٹکوں کی طرح تھے اور جب اللہ تعالیٰ کے امر نے اس کو چھپا دیا تو وہ درخت اس طرح بدلا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی تعریف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور مَا يَغْشٰى کا لفظ مبہم ہے جو ان چیزوں کی

عظمت پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر 17 : اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی صفت ہے کہ انہوں نے اس مقام کا بہت ادب کیا ہے اور اپنے مقصد کے علاوہ دوسری جانب نظر نہیں پھیری ۔ مقصد سے دوسری طرف نظر پھیرنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ اس مقصد سے دائیں یا بائیں طرف دیکھے۔ دوسرا یہ کہ مقصد کی جگہ سے نظر ہٹا دے، نبی کریم ﷺ سے ان دونوں کی نفی کی گئی ہے مَا زَاغَ سے پہلی قسم کی نفی ہے اور وَمَا طَغٰی کے ساتھ دوسری قسم کی نفی ہے۔

تفسیر 18 : مِنْ لفظ دلالت کرتا ہے کہ تمام آیتوں (علامات ونشانیوں) کا احاطہ نہیں کیا ہے بلکہ بعض آیتیں دیکھی ہیں اور اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى لفظ عام ہے وہ تمام حالات اس میں شامل ہیں جو معراج کی رات دیکھے تھے، انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا، جنت اور جہنم کا دیکھنا اور ان دونوں میں ان کے اہل کا متشکل ہونا اور ان کا دیکھنا اور جبرائیل علیہ السلام کو رفرف (سبز فرش) کی شکل میں دیکھنا اور باقی ملائک کو دیکھنا اور امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ لفظ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا ہے لیکن جو کوئی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت کرتا ہے تو گزری ہوئی آیت (مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى) سے ثابت کرتا ہے اور اس آیت میں اللہ کی رؤیت کی نفی صراحتاً نہیں ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿19﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿20﴾

"کیا تم نے لات اور عزیٰ کی حالت پر سوچا ہے[19] اور مناۃ تیسرے گھٹیا کے [20]۔

تفسیر 19، 20 : جب نبی کریم ﷺ کی سچائی ذکر کی کہ ان کی ساری باتیں بواسطہ جبرائیل، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہیں تو ابھی وحی کے مقصد کو ذکر فرمایا ہے کہ وہ مشرکین کی شرک کا رد ہے یعنی شرک کرنے پر مشرکین کی دلیل ظن اور خواہش کی اتباع ہے اور نبی کریم ﷺ کی دلیل وحی ہے اَفَرَءَيْتُمُ مشرکین کو ڈانٹ ہے یعنی تمہارے پاس علم اور دلیل ہے کہ یہ معبود تمہارے نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور الوہیت کے حقدار ہیں؟" اللّٰتَ: ان تینوں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ مشرکین کے نزدیک یہ زیادہ مشہور اور بڑے معبود تھے، امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی ہے کہ لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے لیے گھی یا پانی کے ساتھ ستو ملاتا تھا اور ان کو کھلاتا یعنی یہ ایک سخی اور بزرگ تھا اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ جب وہ فوت ہوا تو مشرکین نے اس کی قبر کی عبادت شروع کی اور وہ جس پتھر پر بیٹھ کر ستو بناتا تھا تو ثقیف قبیلے نے اس پتھر کی عبادت شروع کی اور اس کے لیے ایک کمرہ بنایا اور اس کو غلافوں سے ڈھانپ دیا اور اس کا طواف

کرتے تھے اور جب طائف فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور اس کو ڈھایا اور کمرے کو جلایا اور "لَاتَ" تا کے شد کے ساتھ اور تخفیف بھی اس میں جائز ہے "وَ الْعُزّٰى: امام نسائی نے روایت نقل کی (سنن نسائی فی التفسیر حدیث 567 مسند ابویعلی 902 سنن کبریٰ للبیہقی 5/ 77 شیخ زبیر نے اس روایت کو حسن کہا ہے) جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقام نخلہ (طائف اور مکہ کے درمیان) کی طرف بھیجا کہ اس جگہ عزیٰ تھی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی طرف آئے اور اس جگہ میں کیکر کے تین درخت تھے اور ایک کمرہ تھا (جس میں عزیٰ کی عبادت کی جاتی تھی) ان درختوں کو کاٹ دیا اور اس کمرے کو ڈھایا اور پھر آ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا واپس ہو جاؤ تم نے کچھ نہیں کیا (یعنی عزیٰ آپ سے رہ گئی ہے) جب واپس آئے تو عزیٰ کے مجاور اس کے پاس جمع ہوئے اور چیخ کر کہا یا عزیٰ یا عزیٰ (یعنی خالد بن ولید کو اس سے ڈراتے) اچانک ایک بکھرے بال والی برہنہ عورت ظاہر ہوئی اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی تھی تو خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا پھر واپس آئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ عزیٰ تھی اور پھر اس کی عبادت نہیں ہوگی تو معلوم ہوا کہ یہ جنی تھی اور قریش اور بنو کنانہ دوسرے مرتبہ میں اس کو معبود مانتے تھے اور اس کے کمرے کے ارد گرد طواف کرتے تھے اور اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے تو اس آیت میں مشرکین بالجن کا رد ہے وَ مَنٰوةَ یہ بھی ایک انسان کا نام تھا (جو ان کے نزدیک بزرگ تھا) اور اوس اور خزرج نے قدید مقام میں اس کے نام پر ایک کمرہ بنایا تھا اور اس پر غلاف ڈالے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اور اس میں بہت سے جانور منات کے نام پر ذبح کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ یا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور اس کو ڈھا دیا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4861) الثَّالِثَةَ یہ صفت اس وجہ سے ذکر کی کہ جاہلیت والے اس کو تیسرے نمبر پر معبود مانتے تھے۔ سوال: "الْأُخْرٰى عرب والوں کی عادت یہ ہے کہ اُخریٰ کو دوسرے کی صفت میں ذکر کرتے ہیں اور یہاں تو تیسرے کی صفت میں ذکر ہے؟ جواب: "اُخریٰ مُتَاَخِّرِ کے معنی میں ہے یعنی یہ پہلے دونوں سے مرتبے میں پیچھے ہے اُخریٰ برائے عدد مراد نہیں ہے؟ اور جوابات بھی ہیں، لیکن وہ راجح نہیں ہیں مناۃ اور لات کے ذکر سے مشرکین بالانس کا رد ہے۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾
ع اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ۡ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾

کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اس کے لیے بیٹیاں ہیں؟ [21] یہ تو تقسیم ہے نقصان دہ [22] نہیں ہیں یہ مگر نام ہیں جو تم نے رکھے اور تمہارے بڑوں نے، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری، یہ پیروی نہیں کرتے مگر اپنے گمان کی اور وہ جو ان کی خواہش چاہے اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے [23] کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ [24] اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آخرت اور دنیا ہے [25]۔

تفسیر 21، 22: یہ مشرکین بالملائکۃ کا رد ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے کہ ملائکہ اس کی بیٹیاں ہیں اور ان کی عبادت بھی کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ لات، عزیٰ اور مناۃ بھی مونث نام ہیں اور یہ اللہ کی طرف ان کی نسبت کرتے کہ یہ اس کی بیٹیاں ہیں قِسْمَةٌ ضِيْزٰى: یعنی ایسی تقسیم اگر بندوں کے درمیان کی جائے تو وہ اس کو ظلم اور نقصان کی تقسیم کہیں گے تو کس طرح ایسی تقسیم رب العزت جلا شانہ کے ساتھ کرتے ہو اس لیے کہ تم اس میں ناقص اور ادنی چیز کی نسبت اعلیٰ اور اکبر ذات کی طرف کرتے ہو۔

تفسیر 23: زجر کے بعد مشرکین کے دلائل پر سخت زجر ہے اَسْمَآءٌ اس سے الوہیت کے نام مراد ہیں اصلی نام مراد نہیں ہیں وہ تو ماں باپ نے رکھے ہوتے ہیں، الوہیت کے نام اس طرح ہوتے ہے کہ فلاں بزرگ مشکل کشا ہے اور فلاں غوث اعظم ہے اور فلاں بفلاں بیماری کا ذمہ دار ہے اور فلاں، فلاں حاجت پوری کرنے کے لیے ہے جیسے مشرکین نے اپنے باطل معبودوں کے لیے ایسے (صفتی) نام رکھے ہیں۔ اور "اٰبَآؤُكُمْ" میں اشارہ ہے کہ وہ اس میں بڑوں کی تقلید کرتے ہیں مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اشارہ ہے کہ عقیدے کے ثابت کرنے کے لیے منزل دلیل ضروری ہے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اس سے مراد اپنے بڑوں پر حسن ظن ہے جیسا کہ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے یا ظن سے مراد ظنی دلائل ہیں جن کے ذریعے سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ اول باطل عقیدے میں استعمال ہوتا ہے اور یہ باطل اعمال میں استعمال ہوتا ہے یعنی ان کے شرکیہ اعمال ان کی نفسانی خواہشات پر مبنی ہیں۔ واضح رہے کہ ظن کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے جس پر بعض مسائل میں عمل ہو سکتا ہے تو وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ اس وجہ سے ذکر کیا کہ یہ

ظن صرف ان کے خواہشات نفسانی پر مبنی ہے وَلَقَدْ جَآءَهُمْ اشارہ ہے کہ ان کے عذر کو اللہ تعالیٰ نے زائل کیا ہے کہ قرآن اور رسول کی سنت کو بھیجا ہے۔

تفسیر 24: یعنی جب معلوم ہوا کہ ان کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے تو ابھی زجر کے طور پر فرماتا ہے کہ کیا بے دلیل باتوں کے پیچھے انسان کے لیے چلنا جائز ہے؟ (استفہام انکاری ہے) یعنی جائز نہیں ہے اور انسان کی ایک تمنا یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ خیر کے کام ہیں اور دوسری بدعات اور رسم ورواج کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان میں ثواب ہے نیز اس میں انسان کے عاجز ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ انسان مال، جاہ کی بہت تمنائیں کرتا ہے لیکن وہ حاصل نہیں ہوتیں (مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ)

تفسیر 25: یہ تمام مشرکین کا رد ہے یعنی دنیا اور آخرت کا متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لات، منات، عزیٰ وغیرہ کے لیے تصرف اور اختیار نہیں ہے تو اسی طرح انسان کی تمنائیں پوری کرنے کا اختیار اور تصرف خاص اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ اپنی مشیت اور ارادے کے موافق جس کے لیے چاہے تمنا پوری کر دیتا ہے اور جس کی چاہے اس کی تمنا پوری نہیں کرتا ہے۔

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا
الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾

۲۶ اور بہت سے ملائک آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور رضامند ہو جائے [26] بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ ملائک کا زنانہ نام رکھتے ہیں [27] اور ان کے پاس اس کا کوئی علم نہیں، وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا [28]۔

تفسیر 26: یہ مشرکین بالملائکہ کا رد ہے یعنی ملائک کی عاجزی بیان کی ہے کہ مقرب ملائک بغیر اجازت کے سفارش نہیں کر سکتے تو لات، منات، عزیٰ وغیرہ تمہاری کیا حاجت پوری کر سکیں گے فِي السَّمٰوٰتِ میں اشارہ مقرب ملائک کی طرف ہے اور اسی طرح اشارہ ہے کہ تمام ملائک کا اصل ٹھکانا آسمانوں میں ہے، وہ زمین پر اللہ کے حکم سے بعض کاموں کے لیے اترتے ہیں لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى مشیت ارادہ ہے اور رضا چاہت ہے دونوں میں یہ فرق ہے تو اشارہ ہے کہ

ملائک کی سفارش کے لیے ایک شرط اللہ کا ارادہ ہے اور دوسری شرط مشفوع لہ (جس کے لیے سفارش کی جارہی ہو) سے راضی ہونا یعنی اس کا ایمان اور توحید والا ہونا ہے۔

تفسیر 27: یہ مشرکین بالملائکۃ کا دوسرا رد ہے کہ وہ ملائک کو مؤنث سمجھتے ہیں اور مؤنث سے موسوم کرتے ہیں اور ان کو بنات اللہ کہتے ہیں اور اس کے علاوہ فارسی زبان میں ملک اور پشتو زبان میں (ایک کو) ملائک کہنا درست نہیں ہے، ہاں عربی زبان میں مَلٰٓئِكَةٌ کا صیغہ جمع ہے اس کے ساتھ تانیث لازم نہیں آتی اور اسی طرح سورۃ صافات آیت 150 اور سورۃ زخرف آیت 19 میں گزرا ہے۔

تفسیر 28: یہ مشرکین بالملائکۃ کو دوسری زجر ہے کہ ان کے یہ عقائد یعنی کا سفارش کرنا اور ان کا بنات اللہ ہونا اور مؤنث ہونا بے دلیل عقائد ہیں اور یہ ان کا صرف ظن اور گمان ہے، آیت 23 میں نفس کا ہوی بھی ذکر کیا تھا اور یہاں ذکر نہیں کیا اس لیے کہ وہاں لات، منات اور عزیٰ کے بارے میں مشرکین کے عقیدے اور مشرکانہ اعمال دونوں کا رد تھا اور یہاں تو ملائک کے بارے میں ان کے مشرکانہ عقیدے کا رد ہے، اور اس میں ان کے اعمال نہیں تھے وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا اسی طرح سورۃ یونس آیت 36 میں گزرا ہے، عقیدے اور اصول میں تو ظنی دلیل کچھ فائدہ نہیں دیتی اور اعمال اور فروع میں اس وقت فائدہ دیتی ہے جب وہ دلیل اصول سے مستنبط ہو اور جب دلیل ظنی کے لیے اصول میں صحیح سند نہ ہو تو اعمال میں بھی فائدہ نہیں دیتی۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝

" آپ تو اس سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور نہیں چاہے مگر دنیا کی زندگی [29]- یہی ان کے علم کی انتہاء ہے بے شک آپ کا رب خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے [30]۔

تفسیر 29، 30: اس آیت سے سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے، اس میں اعراض کرنے کا امر ہے اور اعراض کرنے کے تین اسباب اور اعراض کرنے والوں کی تین صفات ذکر ہیں، پھر دین چھوڑنے والوں کے لیے زجر ہے اور صحف ابراہیم اور موسیٰ سے دلیل نقلی ذکر کی ہے پھر شرک کے رد میں اللہ تعالیٰ کی دس صفات ذکر ہیں اور چار اقوام مکذبہ کے ذکر کرنے کے ذریعے تخویف دنیاوی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ اور قیامت کی سچائی کا ذکر ہے اور قرآن کے انکار پر زجر ہے اور آخر میں

ساری سورت پر توحید کی تفریع ہے۔ اس آیت 29 میں پہلے بیان پر تفریع ہے یعنی جب حق کی دلیل وحی ہے اور مشرکین کی دلیل ظن اور خواہش کی پیروی ہے تو حق والوں پر لازم ہے کہ ان سے منہ موڑ لیں اور اعراض سے مراد ان کے دین اور مسلک سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور ان آیات میں باطل پرستوں کے تین قبائح ذکر کیے ہیں اور یہ اعراض کے اسباب ہیں ذِكْرِنَا: اس سے مراد توحید اور قرآن ہے۔

"ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ" یعنی یہ صرف دنیا اور دنیا کی طلب کو سمجھتے ہیں جیسے سورۃ روم آیت 7 میں گزرا ہے، یا یہ کہ دنیا کے علوم حاصل کرتے ہیں اور دین کو نہیں سمجھتے، یا یہ کہ دین کے علم کو دنیا کے حصول کے لیے سبب بناتے ہیں۔ "اِنَّ رَبَّكَ" یہ اعراض کے حکم کے لیے علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ دونوں کے حالات الگ الگ جانتا ہے اسی وجہ سے اس نے اعراض کا حکم ہدایت والوں کو دیا ہے۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿31﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿32﴾ ع

"اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو بدلہ دے اس کا جو انہوں نے عمل کیے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے [31] یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی سوائے اس کے جو دل میں گزرے، بے شک تیرا رب کشادہ مغفرت والا ہے وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، پس تم اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو وہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے [32]۔

تفسیر 31، 32: یہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ کے معنی پر عطف ہے یعنی ہر کسی کے حال سے واقف ہے تو اسی طرح ہر چیز اس کے تصرف اور اختیار میں ہے لِيَجْزِيَ: پہلے دونوں جملوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور لام عاقبت کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ان ذکر کردہ صفتوں کا انجام اور عاقبت یہ ہے کہ ہر فریق کو عدل وانصاف کے ساتھ اس کا مناسب بدلہ دے اور اس آیت میں فریقین کا ذکر ہے اَسَآءُوْا ان کے تین برے عمل گزری ہوئی آیت میں ذکر ہیں الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا یہ دوسرے فریق کا ذکر ہے اور اس سورت میں احسان سے مراد ظن اور ھویٰ کے مقابلے میں وحی کی اتباع ہے اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ یہ

اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کی تفسیر ہے پہلے صفت ثبوتی تھی اور یہ صفت سلبی ہے کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں لیکن صفت میں فرق یہ ہے کہ کبائر سے مراد وہ گناہ ہیں جن سے قرآن وسنت نے منع کیا ہے اور ان کی دنیاوی اور اخروی سزا ذکر کی ہے اگرچہ عقل وطبیعت ان سے نفرت نہ کریں جیسے شرک کی اقسام اور بری بدعات اور اَلْفَوَاحِشَ سے مراد وہ گناہ ہیں جن سے ہر عقلمند اور سلیم الطبع شخص نفرت کرے، شریعت میں ان سے منع وارد ہو تو عقل والے بھی اس کو برا جانتے ہوں جیسے زنا، جھوٹ، بہتان، بندوں کے حقوق ضائع کرنا اور بندوں پر ظلم وغیرہ اِلَّا اللَّمَمَ اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: پہلا یہ کہ اس میں بغیر شرک اور کفر کے تمام گناہ شامل ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں اس شرط کے ساتھ کہ کوئی ایک ہی مرتبہ ان کا ارتکاب کرے اور پھر توبہ کرے اور دوبارہ نہ کرے اس قول کی بنا پر "اِلَّا" مستثنیٰ متصل ہے اور اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کے علاوہ لوگ ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "اِلَّا اللَّمَمَ" سے مراد صغیرہ گناہ ہیں یعنی قرآن وحدیث میں جن کے متعلق حد اور عذاب کا ذکر نہ ہوا ہو اور جو حسنات سے معاف ہوتے ہوں اس بنا پر مستثنیٰ منقطع ہے اس لیے کہ یہ کبائر کی جنس سے نہیں، یا "اِلَّا" غیر کے معنی میں ہے اور اس سے بھی انبیاء علیہم السلام خارج ہیں اس لیے کہ راجح قول یہ ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں سے بھی مطلقاً پاک ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد خطرات قلبیہ ہیں یعنی بے اختیار خیالات جو دل میں گزرتے ہیں لیکن ان پر عمل نہ کیا ہو اس بنا پر بھی مستثنیٰ منقطع ہے اور آیت میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں اس حدیث کے قرینے کے ساتھ کہ جس میں یہ شعر نقل کیا گیا ہے اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَیُّ عَبْدٍ لَّكَ لَا اَلَمَّا اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ: یہ اصحاب اللمم کو تسلی ہے یا تمام گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کرنے کی ترغیب ہے هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ ترغیب کے بعد ترہیب ہے کہ اپنی تعریف مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو اور یہ "فَلَا تُزَكُّوْٓا" کے لیے تمہید ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مٹی سے بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ سخت مٹی سے ہے یا نرم سے وطیب مٹی سے ہے یا خبیث سے یعنی یہ نیک عمل والا ہوگا یا برے عمل والا ہوگا، خوش قسمت ہوگا یا بدقسمت ہوگا اور جب ماں کے پیٹ میں یہ انسان نطفے کی ابتدا سے پیدائش تک موجود تھا اور ملائک کی کتاب میں اس کی عمر، اجل، روزی، عمل اور نیک بختی اور بدبختی لکھی ہیں اور ان کے متعلق صرف اللہ کو علم ہے، تو جب انسان اپنی حالت اور عاقبت سے بے خبر ہے تو فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنے نفسوں کی تعریف مت کرو کہ میں بڑے مرتبے والا ہوں اور میں بخشا ہوا ہوں اور میں جنتی ہوں ایسی تعریفیں کرنا حرام ہیں۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾

"کیا آپ نے اسے دیکھا ہے جس نے منہ موڑ لیا[33] اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا[34] کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟[35]۔

تفسیر33، 34: ربط یہ ہے کہ جس طرح اپنی تعریف کرنا حرام ہے تو اسی طرح یہ امید رکھنا کہ تھوڑا نیک عمل کرنا اور پھر دین چھوڑنا نجات کے لیے کافی ہے تو یہ عقیدہ رکھنا بھی منع ہے یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا ہے اور ان آیتوں میں ایک خاص صفت پر وہ کسی میں بھی ہو زجر ہے وہ یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ کرے اور باقی توحید اور رسالت نہ مانے اور اس کو نجات کے لیے کافی جانے جس طرح مشرکین مکہ نے اس سورت کی تلاوت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ساتھ سجدہ کیا تھا حالانکہ وہ توحید اور رسالت کو نہیں مانتے تھے یا ایک شخص صرف نماز پڑھے اور باقی دین کو نہ مانے اور اس کو نجات کے لیے کافی سمجھے، یا ایک عالم حق کی دعوت کچھ زمانہ دے اور پھر چھوڑ دے یا ایک مسئلے کی دعوت دے اور حق کے باقی مسائل بیان نہ کرے اور اس کو پورا سمجھے اور شیطان انسی یا جنی نے اس کو دھوکا دیا ہو کہ باقی دین کی ضرورت نہیں ہے، گناہ کا بوجھ میرے ذمہ ہے، یا اس سے کہے کہ آپکے باپ دادا نے بہت نیک عمل کیا ہے وہ آپ کے لیے کافی ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے زجر ہے اور ان دونوں شبہات کو بھی دور کیا گیا ہے تَوَلَّىٰ: پورے دین سے منہ موڑے وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تھوڑی اطاعت کرے اور پھر رک جائے۔ وَأَكْدَىٰ یہ مثال کے طریقے پر "كُدْيَةٌ" سے لیا گیا ہے یعنی کوئی کنواں کھودے اور سامنے چٹان آجائے تو کھودنا چھوڑ دے اور عاجز ہو جائے تو اسی طرح انسان نے دین کا تھوڑا کام کیا اور باقی سخت دشوار نظر آیا تو چھوڑ دیا۔

تفسیر35: یہ استفہام انکاری ہے "فَهُوَ يَرَىٰ رویۃ علم کے معنی میں ہے یعنی اس کو غیب اور وحی سے معلوم ہوا کہ تھوڑے دین میں نجات ہے باقی دین کی ضرورت نہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿٣٨﴾ وَ اَنْ لَّيْسَ
لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾

"کیا ان کو خبر نہیں دی گئی ہے ان باتوں کی جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں تھی [36] اور ابراہیم علیہ السلام کے جس نے پورا حق ادا کیا ہے؟ [37] کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا [38] اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہ جو اس نے کوشش کی ہے [39]۔

تفسیر 36، 37: صحف موسیٰ سے مراد تورات ہے اس لیے کہ وہ مختلف حصوں پر مشتمل تھی جیسے قرآن کو بھی صحف مکرمہ کہا جاتا ہے، یا اس سے مراد باقی چھوٹی کتابیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے دی گئی تھیں اور اس کی تعداد صحیح قول کے مطابق ثابت نہیں ہے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کی بھی صحیح روایت سے تعداد معلوم نہیں ہے اَلَّذِيْ وَفّٰى یہ ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے جیسے سورۃ بقرۃ 124 میں ذکر ہے اور یہ دونوں قسم کے صحیفے اس وجہ سے ذکر کیے کہ مشرکین موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی تصدیق یہودیوں کی دوستی اور ان پر اعتماد کی وجہ سے کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے دعویدار تھے تو ان دونوں میں ان پر الزام و حجت ہے۔

تفسیر 38: اس آیت سے آیت 55 تک ان صحیفوں کا مضمون ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مضمون آیت 42 تک ہے اور اس جملے میں پہلے وسوسے کی تردید ہے کہ جس نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا اور اس کو شیطان انسی اور جنی نے وسوسہ دیا ہے کہ باقی دین چھوڑنے میں جو گناہ ہو گئیں اس کا ذمہ دار ہوں، اسی طرح سورۃ انعام آیت 164 اور سورۃ اسراء آیت 15 اور سورۃ فاطر آیت 18 اور سورۃ زمر آیت 7 میں بھی گزرا ہے۔

تفسیر 39: اس آیت میں دوسرے وسوسے کا جواب ہے وہ یہ کہ بڑوں کا عمل پورا و کامل ہے، اس کے ذریعے چھوٹے بھی بچ سکتے ہیں لہٰذا چھوٹوں کے لیے عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو اس جملے میں اس کی تردید ہے اور ترغیب ہے کہ انسان اپنے فائدے کے لیے عمل کی کوشش کرے۔ فائدہ 1: اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ کوئی بھی بندہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو نہیں بخش سکتا ہے اور نہ اس دوسرے کو اس کے ذریعے فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن ان کا یہ قول باطل ہے اور خطیب شربینی نے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اکیس وجہیں نقل کی ہیں کہ غیر کے عمل کے ذریعے فائدہ ثابت ہے ایک وجہ اس میں یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے اضحیہ (قربانی) کی تھی (صحیح مسلم حدیث 1967

ابوداؤد 2792) دوسری وجہ اس میں سعد کی حدیث ہے کہ ماں کی طرف سے نبی ﷺ کے حکم سے صدقہ کیا تھا۔ تیسری وجہ باپ کے عمل کی وجہ سے اولاد کا فائدہ جیسے سورۃ طور میں گزرا ہے اور اسی طرح خضر علیہ السلام کے واقعہ میں یتیموں کے بارے میں سورۃ کہف میں بھی گزرا ہے تو ان وجوہ کی بنا پر اس آیت میں اہل سنت والجماعت کی چند توجیہات ہیں: پہلی توجیہہ یہ ہے کہ سعی سے مراد ایمان ہے اور ایمان کی وجہ سے غیر کے عمل سے بھی مؤمن کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو اس طرح ہوا گویا کہ اس نے یہ اعمال خود کیے ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے ساتھ خاص ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ لام ملکیت اور اختیار کے معنی میں ہے یعنی ہر انسان کا اپنے عمل میں ملکیت اور اختیار ہے کہ خود اس سے فائدہ لے یا دوسرے کو ثواب بخشوائے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہاں انسان سے مراد کافر ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس آیت کا حکم اللہ تعالیٰ کے عدل کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کے عمل سے فائدہ یا عمل سے زیادہ ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ سعی نویٰ کے معنی میں ہے یعنی دارومدار نیت پر ہے۔ ساتویں توجیہہ یہ ہے کہ آیت گناہوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہ توجیہات تفسیر روح المعانی، قرطبی اور سراج المنیر وغیرہ نے ذکر کی ہیں۔ فائدہ: امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عبادتِ مالیہ دوسرے کو فائدہ دے سکتی ہیں لیکن عبادت بدنیہ (نماز، روزہ، تلاوت) کا ثواب دوسرے کو نہیں بخشا جاسکتا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک عبادت مالیہ کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں لیکن عبادت بدنیہ کے بارے میں صحیح احادیث ثابت نہیں ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت بدنیہ کا ثواب بھی غیر کو بخشوایا جاسکتا ہے۔ ایک دلیل عمومات ہیں کہ غیر کے عمل سے فائدہ ثابت ہے جیسے پہلے تفسیر سراج المنیر کا حوالہ بھی ذکر ہوا۔ دوسری دلیل: حدیث خثعمیۃ ہے حج عن الغیر یعنی غیر کی طرف سے حج کے بارے میں کہ حج عبادت بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہیں۔ تیسری دلیل: عبادات مالیہ پر قیاس کرنا ہے۔ چوتھی دلیل: امام قرطبیؒ نے روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھائی کی طرف سے اعتکاف کیا تھا لیکن اس کی سند کو ذکر نہیں کی۔ پانچویں دلیل: مسند احمد کی حدیث ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ کے والد نے توحید کا اقرار کیا ہوتا اور آپ اس کی طرف سے روزہ رکھتے اور صدقہ کرتے تو اس کو نفع ہوتا یہ روح المعانی نے نقل کی ہے۔ چھٹی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اہل ابلہ کو کہا تھا کہ کوئی جو میرے لیے مسجد عشار میں دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے کہ یہ ابوہریرہ کے لیے ہیں یہ مشکوٰۃ باب الملاحم میں ہے اور شیخ البانی نے کہا ہے کہ اس کی

سند ضعیف ہے۔ فائدہ ۳: عبادت بدنیہ میں قرآن کریم کی تلاوت بھی داخل ہے اس کا ثواب دوسرے کو بخشوانے میں بھی خصوصی صحیح نص نہیں ہے صرف احناف کے نزدیک عمومات میں داخل ہے لیکن قرآن کے ختم کرنے کے لیے خاص ہیئت بنانا کہ زیادہ اشخاص جمع ہو جائیں اور پارے تقسیم کرلیں اور اجتماعی طور پر قرآن پڑھیں کوئی اونچی آواز سے پڑھے اور کوئی آہستہ آواز سے پڑھے، ختم کے لیے یہ طریقہ بنانا کسی بھی نص سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ فتاوٰی بزازیہ نے بھی لکھا ہے وَيُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْأُسْبُوعِ وَالْأَعْيَادِ وَنَقْلُ الطَّعَامِ إِلَى الْقَبْرِ فِي الْمَوَاسِمِ وَاتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعِ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ أَوْ لِقِرَاءَةِ سُورَةِ الْأَنْعَامِ أَوِ الْإِخْلَاصِ (صفحہ 81 حاشیہ عالمگیری) ترجمہ: اور مردے کے پیچھے پہلے اور تیسرے دن کھانا تیار کرنا مکروہ ہے اور اس کے بعد بھی اور عیدوں میں نیز عید کے موسموں میں قبر کی طرف کھانا لیکر جانا بھی مکروہ ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے دعوت بنانا اور ختم کے لیے نیک لوگوں اور قاریوں کا جمع کرنا یا سورۃ انعام اور اخلاص پڑھنے کے لیے جمع کرنا مکروہ ہیں) اور امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں نے دلیل پکڑی ہے کہ قراءت کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچ سکتا ہے اس لیے کہ یہ عمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل نہیں ہے اور اس وجہ سے اس کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو دعوت نہیں دی اور نہ اس کی ترغیب دی ہے اور نہ اس کی طرف نص اور اشارے کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے اور کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اگر یہ خیر کا کام ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے پہلے کرتے اور عبادات کے باب میں نصوص پر ہی اقتصار (اکتفاء) ہوسکتا ہے اور اس کی طرف قیاس اور آراء کے ذریعے رسائی ممکن نہیں ہے اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب پڑھنا اجرت سے ہو جیسے ابھی اکثر لوگ کرتے ہیں حفاظ کو اجرت دیتے ہیں تاکہ یہ قرآن پڑھیں تو اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا اس لیے کہ قرآن کی تلاوت پر اجرت لینے کے حرام ہونے کی وجہ سے اس کا ثواب ضائع ہے۔

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝٤٠ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝٤١ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۝٤٢

”اور بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی [40] پھر اسے (اس کے اعمال) کا پورا بدلہ دیا جائے گا [41] اور یقیناً آخرکار تیرے رب کی طرف پہنچنا ہے [42]۔

تفسیر 40، 41: جس طرح کہ سورۃ زلزال میں آیا ہے اور آیت سے ظاہر یہ ہے کہ اعمال (خاص شکل میں) دیکھے جاسکتے

ہیں۔

تفسیر 42: اس آیت سے توحید ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات ذکر کیے ہیں، اس آیت میں ایک صفت ذکر کی ہے اَلْمُنْتَهٰى یعنی حساب کے لیے اور بدلہ دینے کے لیے تمام مخلوقات اور تمام اعمال کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یا امیدوں کی انتہا ایک اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کسی اور سے نفع اور نقصان کی کوئی امید نہیں ہے یا فکروں کی انتہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے یعنی ہر چیز میں سوچ وفکر ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر نہیں چل سکتی یعنی جب شیطان وسوسہ شروع کرے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے تو اس وقت اعوذ باللہ پڑھو اور وسوسے ترک کرو (اور یہ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق 3276 صحیح مسلم 209-132 میں ہے)۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ﴿٤٩﴾

"اور یقیناً وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے [43] اور یقیناً وہ مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے [44] اور بے شک اس نے دو جوڑے نر اور مادہ پیدا کیے [45] نطفے سے جب وہ رحم میں ٹپکایا جاتا ہے [46] اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا [47] اور بے شک وہ مالدار کرتا ہے اور غریب بناتا ہے [48] اور بے شک وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے [49]۔

تفسیر 43 تا 49: ان آیتوں میں توحید ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نو صفات ذکر کی ہیں اور ان میں دو، دو متضاد چیزیں ذکر کرتا ہے اور اس کو علم بدیع میں اَلطِّبَاقُ الْمُتَضَادُّ کہا جاتا ہے۔ اور اس میں مفعول نہیں ذکر کیے اس لیے کہ اس سے مراد ایک مفعول کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی صفات مراد ہیں۔ فائدہ: جن صفات میں غیر اللہ کی شرکت کا کوئی وہم نہیں ہے تو ان میں هُوَ ضمیر فصل ذکر نہیں ہے جیسے خَلَقَ نطفے سے مذکر اور مؤنث بنانا، مشرکین بھی اس کا اقرار کرتے تھے اور جن صفات میں شرک کا وہم تھا تو ان میں توحید کی تاکید کے لیے هُوَ ضمیر فصل لایا ہے أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ یعنی ہنسا اور رونا اور ان کے اسباب (غم اور خوشی) اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے أَمَاتَ وَأَحْيَا بعض سرکش منکرین کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تصرف اور اختیار میرا ہے کسی کو مارتا ہوں اور کسی کو زندہ چھوڑتا ہوں جیسے نمرود نے دعویٰ کیا تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے اس پر حجت قائم کی، سورۃ بقرہ میں گزرا ہے أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ اس میں کئی اقوال ہیں: (۱) اغناء مطلق مال دینے کے ساتھ اور اقناء اس مال کے ساتھ جو خزانہ کیا جاتا ہے اور محفوظ کیا جاتا ہے (۲) اغناء نقدی کے ذریعے

اور اقناء چوپائیوں کے ذریعے سے (۳) اغناء زیادہ مال کے ساتھ اور اقناء خادم اور نوکر دینے کے ساتھ (۴) اغناء مال دینا اور اقناء راضی کرنا (۵) اغناء مالدار کرنا اور اقناء غریب کرنا (۶) اغناء اپنے آپ کا اور اقناء مخلوق کو فقیر کرنے کا رَبُّ الشِّعْرٰی شعریٰ دو ہیں ایک شعریٰ القبور ہے اور اس کو مرزم الجوزاء اور شعریٰ یمانیہ اور کلب الجبار بھی کہا جاتا ہے اور دوسری قسم شعریٰ الغمیصا اور شعریٰ الشامیہ ہے پہلی قسم جوزاء مہینے کے بعد گرمی کے موسم میں ظاہر ہوتی ہے حمیر اور خزاعہ قبیلے والوں نے پہلی قسم شعریٰ کی عبادت شروع کی تھی اور اس کی ابتداء ابو کبشہ نے کی تھی جو رسول اللہ ﷺ کا ماں کی طرف سے دور کا نانا تھا اور خزاعہ اور حمیر کے علاوہ عرب کے باقی قبائل اس کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے کہ یہ صابی ہے نیا دین ایجاد کیا ہے اور اسی وجہ سے قریش مکہ بھی رسول اللہ ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہتے (صحیح بخاری کتب الجہاد حدیث 2941) یعنی یہ بھی اس کی طرح نیا دین لیکر آئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور اس کے صحابہ کو صابی کہتے تھے اور شعریٰ کی عبادت کو خاص کرنے کی وجہ یہ اس طرح ذکر کرتے تھے کہ باقی تارے آسمان میں عرض (چوڑائی) پر سفر کرتے ہیں اور شعریٰ اس میں طول (لمبائی) کے ساتھ گردش کرتا ہے اور کہتے کہ یہ دنیا میں تاثیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ شعریٰ میں تاثیر ڈالنا اور اس کے چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے تو شعریٰ مربوب ہے تو اس کو معبود کیوں سمجھتے ہو۔

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا۟ لِۨالْاُوْلٰى ۝50 وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۝51 وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝52
وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝53 فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝54 فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝55

"اور یقیناً اس نے اگلے عاد کو ہلاک کر دیا تھا[50] اور ثمود کو بھی تو کسی کو باقی نہیں چھوڑا ہے[51] اور نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی اس سے پہلے ہلاک کیا تھا بے شک وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے[52] اور مؤتفکہ کو اسی طرح الٹ دیا[53] پھر اس کو چھپا دیا جس چیز نے چھپا دیا[54] پس اپنے رب کی کونسی نعمتوں پر شک کرتے ہو[55]۔

تفسیر 50، 51، 52، 53، 54: ان آیتوں میں بھی بڑی قوموں کو ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ چار قوموں پر عذاب کے ذکر کے ذریعے تخویف دنیاوی ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی اَلْاُوْلٰی قبیلہ عاد دو تھے ایک اولی یعنی عاد ارم اور دوسرا عاد ثمودیوں کو کہا جاتا ہے یا اولی سے مراد وہ ہیں جو بہت پہلے گزرے ہیں ان سے پہلے کوئی دوسرا عاد نہیں تھا۔" اَظْلَمَ وَ اَطْغٰی: یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ خاص ہے یا ماقبل

تینوں کے متعلق ہے اَظْلَمَ عقیدہ میں اور" اَطْغٰى عمل میں یا پہلا اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اور دوسرا بندوں کے حق میں" وَالْمُؤْتَفِكَةُ سورۃ الحاقہ آیت 9 میں جمع ذکر کیا ہے اس لیے کہ بہت سی بستیاں تھیں اور یہاں مفرد جنس کے معنی میں ہے" مَا غَشّٰى ابہام میں پتھروں (کنکریوں) کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ انسانوں کے حساب اور علم میں نہیں آسکتے ہیں اور یہ یہاں پانچویں قوم یعنی قوم فرعون کا ذکر نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ پہلے صحف موسیٰ میں اس کی طرف اشارہ تھا تو اس وجہ سے دوبارہ ذکر نہیں کیا ہے۔

تفسیر 55: چونکہ پہلے بعض نعمتیں ذکر ہوئیں تو ابھی انسان مکذب کو زجر ہے جیسے اس طرح سورۃ رحمان میں بھی آیا ہے یا استفہام انکاری ہے اور عام خطاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کونسی نعمت میں شک ہوسکتا ہے؟۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿56﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿57﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿58﴾ .

"یہ اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے [56] قریب ہوئی قریب آنے والی آفت [57] اللہ کے سوا کوئی اس کا ظاہر کرنے والا نہیں [58]۔

تفسیر 56: یہ رسول کی سچائی ہے اور منکرین کی تخویف کی طرف اشارہ ہے یعنی جس طرح سابقہ انبیاء کی تکذیب کرنے والوں پر عذاب آیا تو اسی طرح اس رسول کے منکرین پر بھی عذاب دنیاوی یا اخروی آئے گا هٰذَا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے یا گزرے ہوئے رسولوں اور ان کی قوموں کے ذکر کی طرف اشارہ ہے اور دوسری توجیہ کے ساتھ نَذِيْرٌ انذار کے معنی میں مصدر ہے۔

تفسیر 57، 58: یہ تخویف اخروی ہے اَلْاٰزِفَةُ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اَلسَّاعَةُ اور اَلْاٰزِفَةُ اَلْقَرِيْبَةُ کے معنی میں ہے یعنی قریب آنے والی ہے اور لوگوں کے قریب ہے كَاشِفَةٌ اسم فاعل ہے اور موصوف اس کا محذوف ہے یعنی نفس کاشفہ اور کاشفہ کا معنی ظاہر کرنے والا (واقع کرنے والا) یا تفصیلی بیان کرنے والا ہے یا لوگوں سے دور کرنے والا جب ان پر آئے یا کاشفہ مصدر کے معنی میں ہے اور پہلا معنی مراد ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

ربع

"کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو [59] اور ہنستے ہو اور روتے نہیں [60] اور تم غفلت کرنے والے ہو [61] تم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اس کی پرستش کرو [62]۔

تفسیر 59، 60، 61: یہ قرآن سے انکار پر زجر ہے حدیث سے مراد قرآن ہے اور منکرین کی چار قباحتیں ذکر کی ہیں تَعْجَبُوْنَ تعجب انکار کے طور پر ہے جیسے سورۃ یونس آیت 2 اور سورۃ ص آیت 5 میں ہے وَتَضْحَكُوْنَ یہ استہزاء کے طور پر مراد ہے خوشی مراد نہیں۔ وَلَا تَبْكُوْنَ اس کے ذریعے رونا نیک لوگوں کی صفت ہے جیسے سورۃ اسراء آیت 109 میں ہے یا حدیث سے مراد اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ کی خبر ہے۔ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ سمود کے معانی اعراض، غفلت، استکبار، لہولعب کرنا اور سرور کے طور پر غزل واشعار پڑھنا ہے اشارہ ہے کہ قرآن کے مقابلے میں سرور پڑھنا کافروں کا کام ہے اور یہ جملہ حالیہ ہے یا جملہ مستانفہ مستقلہ ہے۔

تفسیر 62: یہ ساری سورت پر تفریع ہے یعنی جب ثابت ہوا کہ اس رسول کی دلیل وحی ہے اور تمہارے پاس صرف ظن اور ھوی کی اتباع ہے، پھر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ انعامات کرنے والا ہے اور اس نے رسول اور قرآن حق بھیجے ہیں تو تم پر فرض ہے کہ سجدہ اور تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرو کئی وجوہ سے پہلے سجدے کا حکم دیا: پہلی وجہ یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان میں سجدہ اہم رکن ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی قربت زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے سجدہ تلاوت ہے جو مستقل عبادت ہے لِلّٰهِ لام تخصیص کے لیے ہے اس لیے کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے معبودوں کو بھی کرتے ہیں۔ وَ اعْبُدُوْا یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اور اس میں لِلّٰهِ کا لفظ بھی مراد ہے معطوف علیہ کے قرینے کے ساتھ، اس امر کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صرف سجدہ مشرکین بھی کرتے تھے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ اس سورت کی تلاوت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین، مشرکین اور جنوں سب نے سجدہ کیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4862) لیکن دوسری عبادات نہیں کرتے تھے تو حکم دیا گیا کہ تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرو۔

سورۃ النجم کی خصوصیات:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا ذکر۔

۲۔ جبرائیل علیہ السلام کے احوال کا ذکر۔

۳۔ وحی کے ابتدائی وقت کا ذکر۔

۴۔ آسمانی معراج کا تذکرہ۔

۵۔ آیت کی تفسیر میں اختلاف کے مطابق جبرئیل یا اللہ تعالیٰ کی رویت کا تذکرہ۔

۶۔ مشرکین کے معبودوں کے اسماء کا تذکرہ۔

۷۔ خزاعہ قبیلے کے معبود شعریٰ ستارے کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے سورۃ النجم کی تفسیر مکمل ہوئی